ابو نصر سراج طوسیؒ

م: ۳۷۸ھ

ترجمہ

ڈاکٹر پیر محمد حسنؒ

ادارہ تحقیقات اسلامی
الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد

کتاب
اللمع فی التصوف

ابو نصر سراج طوسیؒ

م، ۳۷۸ھ

ترجمہ

ڈاکٹر پیر محمد حسن

ادارہ تحقیقات اسلامی ○ اسلام آباد

مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی

نمبر ٦٦

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

کوائف فہرست سازی دوران طباعت

السراج الطوسی، ابونصر عبداللہ بن علی، (م ٣٧٨ھ)
کتاب اللمع فی التصوف/ ابونصر سراج طوسی۔ ترجمہ (اردو) ڈاکٹر پیر محمد حسن۔
(ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد: سلسلہ مطبوعات نمبر ٦٦)

حواشی :٦٣٩ ـ ٦٦٨

اشاریہ :٦٦٩ ـ ٦٨٢

ISBN 969 408 069 X

ا۔ تصوف۔ الف ـ محمد حسن، پیر، ١٩٠٣ء۔ ب ـ عنوان۔
ج ـ اللمع فی التصوف۔ د ـ سلسلہ۔

297.42 dc 20 اشاعت دوم ١٩٩٦ء

طابع و ناشر : سعید احمد شاہ
مطبع : مطبع ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہـــرست

پیش لفظ

,,کشف المحجوب ،، مؤلفہ سید علی بن عثمان ھجویری (م ۴۶۵ ھ/ ۷۳-۱۰۷۲ ء)، امام ابو القاسم القشیری (م ۴۶۵ ھ/ ۷۳-۱۰۷۲ ء) کی تالیف ,,الرسالة القشیریہ،، ، شیخ عبدالقادر جیلانی (م ۵۶۱ ھ/ ۱۱۶۶ ء) کی ,,فتوح الغیب،، اور شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ ھ/ ۳۵ - ۱۲۳۴ء) کی ,,عوارف المعارف،، کے ساتھ شیخ ابو نصر سرّاج (م ۳۷۸ ھ/ ۹۸۸ ء) کی ,,کتاب اللمع،، کا شمار تصوف اسلام کی پانچ امہات الکتب میں کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ,,کتاب اللمع ،، کو بلاشبہ ان بنیادی کتابوں میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مشہور مستشرق پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن (۱۸۶۸ - ۱۹۴۵ء) نے تاریخ و اصول تصوف کے اس اہم سرچشمہ کی طرف سب سے پہلے توجہ مبذول کی۔ اور اسکا ایک محقق متن ای۔ جے۔ ڈبلیو۔ گب میموریل سیریز کی جلد ۲۲ کے طور پر ۱۹۱۴ ء میں شائع کیا گیا۔ تاہم پروفیسر نکلسن کے زیر استعمال دونوں مسودوں میں نقص کی بنا پر کتاب کا ایک حصہ انکے تحقیق کردہ ایڈیشن میں شامل نہ ہو سکا۔ یہ حصہ پروفیسر نکلسن کے محقق نسخہ میں ص ۲۰۷ پر آتا ہے۔ حسن اتفاق سے بانکی پور لائبریری میں ایک تیسرا نسخہ مل گیا جو نہ صرف پروفیسر نکلسن کے زیر استعمال دونوں نسخوں سے قدیم تر ہے (تاریخ مخطوطہ دو شنبہ ، ۱۷ رجب ۴۸۳ ھ/ ۱۵ ستمبر ۱۰۹۰ ء) بلکہ اس میں متن کا وہ حصہ بھی موجود ہے جو ان دونوں نسخوں میں غائب ہے۔ نکلسن کی زندگی میں ھی بانکی پور کے مخطوطات کی فہرست کے مرتب ڈاکٹر ایم ناظم انکی توجہ اس نقص کی طرف دلا چکے تھے مگر پروفیسر نکلسن کی دوسری علمی مصروفیات نے،جن میں جلال الدین رومی کی مثنوی سرفہرست تھی ، انہیں اس کام کی طرف توجہ مبذول کرنے کی مہلت نہ دی۔ چنانچہ ان کے فاضل شاگرد اور جانشین پروفیسر آربری نے مخطوطہ بانکی پور کے متعلقہ اوراق اور ان پر پروفیسر نکلسن کی یادداشتوں کی مدد سے ۱۹۴۷ ء میں متن کا وہ حصہ بھی شائع کر دیا جو نکلسن کے ایڈیشن میں رہ گیا تھا۔

ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے تصوف کے موضوع پر دو اہم کتابیں پہلے شائع ہو چکی ہیں ۔ تصوف کی امہات الکتب میں جو امتیـاز ابو القاسم القشیـری کے ,,الرسالة القشیریة،، کو حاصل ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں ۔ ادارہ کی درخواست پر ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب نے اسے اردو کا جامہ پہنایا اور اسکا پہلا ایڈیشن پیر صاحب کے حواشی کے ساتھ ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ ء میں شائع کیا گیا ۔ اس کا نقش ثانی ۱۴۰۳ ھ/ ۱۹۸۳ ء میں مفید اضافوں کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوا ۔ علاوہ ازیں امام قشیری کے تین دیگر مختصر مگر اہم رسائل کا عربی متن بھی پیر صاحب کی تحقیق اور اردو ترجمہ کے ساتھ ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ہی ,,الرسائل القشیریة،، کے عنوان سے شائع کیا گیا ۔

ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کا شمار پاکستان کے ممتاز اہل علم میں ہوتا ہے ۔ عربی ادب و لغت پر آپ کو جو خصوصی دسترس حاصل ہے اسکے لئے یہی ثبوت کافی ہے کہ آپ سالہا سال کی شبانہ روز محنت کے بعد عربی لغت کے موضوع پر الصغانی کی مشہور کتاب ,,العباب الزاخر،، کی بارہ جلدوں میں سے ۱۱ جلدوں کی تحقیق و تدوین مکمل کر چکے ہیں ۔ عنقریب آخری جلد کا کام مکمل ہونے پر یہ سلسلہ تکمیل کو پہنچے گا اور کسی ایسے حوصلہ مند ناشر کا منتظر ہوگا جو اس مہتم بالشان کام کی طباعت کیلئے ضروری وسائل بروئے کار لا سکے ۔ لغت کے علاوہ تصوف بھی پیر صاحب کا محبوب موضوع رہا ہے اور وہ تصوف کی کئی بنیادی کتابوں کے اردو تراجم عالمانہ حواشی کے ساتھ شائع کر چکے ہیں ۔ اس سلسلے میں ادارہ کی متذکرہ صدر مطبوعات کے علاوہ ابو بکر الکلاباذی (م ۳۸۵ ھ/ ۹۹۵ ء) کی ,,التعرف لمذہب اہل التصوف،،(۱) اور احمد بن مبارک سجلماسی (۱۰۹۰ ھ/ ۱۶۷۹ ع ـ ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۴۲ء) کی ,,الابریز،، کا ذکر خصوصیت سے کیا جا سکتا ہے (۲) ۔ لغت و تصوف سے خصوصی وابستگی اور ادارۂ تحقیقات اسلامی سے ان کے قدیمی روابط کے پیش نظر ,,کتاب اللمع،، کے ترجمہ کا کام بھی پیر صاحب موصوف کے سپرد کیا گیا اور انہوں نے پروفیسر نکلسن کے محقق نسخہ اور پروفیسر آربری کے شائع کردہ تتمّہ کی بنیاد پر اردو ترجمہ و حواشی کی تکمیل کی ۔

زیر نظر ترجمہ چند سال پیشتر مکمل ہو چکا تھا ۔ ۱۹۸۳ ء کے اواخر میں جب راقم الحروف نے ادارۂ تحقیقات اسلامی کی ذمہ داری سنبھالی تو اس ترجمہ کا متن ادارہ کے مطبع میں چھپا ہوا موجود تھا اور کتاب جلد بندی کے بعد شائع ہونے کے لئے تیار ہو

جاتی مگر مطبوعہ مواد کے سرسری جائزہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اسے شائع کرنے سے پہلے کچھ مزید کام کی ضرورت ہے۔ میں پیر صاحب کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے میری درخواست کو پذیرائی بخشتے ہوئے ,,مقدمۂ مترجم،، پر پوری عرق ریزی اور احتیاط سے نظرثانی فرمائی ۔ پیر صاحب نے کیفیت ,,غین،، پر اپنے پہلے مقدمہ کے ضمن میں جو مبسوط حواشی لکھے تھے وہ بذات خود اس موضوع پر ایک محققانہ تحریر کا حکم رکھتے تھے اسلئے پیر صاحب کا یہ فاضلانہ مقالہ ایک خصوصی نوٹ کی شکل میں شامل اشاعت ہے۔ اہل نظر سے مخفی نہیں رہے گا کہ پروفیسر نکلسن نے اصل کتاب کے مقدمہ میں کہیں کہیں جو اعتراضات اٹھائے تھے پیر صاحب نے انکے شافی جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے۔

مطبوعہ متن کے اندر خاصی تعداد میں اغلاط کا وجود بھی بری طرح کھٹکتا تھا۔ ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی کی زیر نگرانی ادارے کی سینئر اِنوسٹی گیٹر آنسہ شگفتہ ناہید نے انتہائی محنت اور جانفشانی سے ان اغلاط کا ایک مبسوط تصحیح نامہ مرتّب کیا ہے جو شامل اشاعت کر دیا گیا ہے۔

زیر نظر ترجمہ کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پروفیسر نکلسن کے تحقیق کردہ متن کی ترتیب کو بحال رکھا گیا ہے۔ عربی متن کے صفحات کا ساتھ ساتھ حوالہ دیا گیا ہے تاکہ عندالضرورت اصل سے تقابل میں دقّت پیش نہ آئے۔

زیر نظر ایڈیشن کی ایک اور امتیازی خصوصیت اسکا جامع اور تفصیلی اشاریہ ہے جس سے کسی موضوع یا شخصیت کے بارے میں اس کتاب سے معلومات کی فراہمی بہت آسان ہو گئی ہے۔ آنسہ شگفتہ ناہید نے ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی ہی کی زیر نگرانی یہ اشاریہ نیز کتاب کے محتویات کی فہرست بھی نہایت محنت سے مرتب کی ہے جس کے سبب کتاب کے متن میں سے مطلوبہ مواد تک رسائی حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے۔

مزید براں ترجمہ کے ضمن میں پروفیسر نکلسن کے حواشی کے علاوہ فاضل مترجم نے اپنی طرف سے بیش قیمت حواشی کا اضافہ کیا ہے جن میں پروفیسر نکلسن کی بعض اہم اغلاط کی نشاندھی بھی کی ہے۔ اسکی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ آنجہانی پروفیسر نکلسن نے ,,کتاب اللمع،، کے باب ,,فی ذکر آدابھم عند الموت،، میں ابو تراب النخشبی کے بارے میں ابو عمران الاصطخری کا یہ قول نقل کیا ہے۔

,,رایت ابا تراب النخشبی رحمہ اللہ تعالی فی البادیۃ قائماً میتاً لا یمسکہ شئی ،، (کتاب اللمع ، السرّاج ، تحقیق پروفیسر نکلسن ، ص ۲۱۱)۔

پروفیسر نکلسن نے اسکا ترجمہ یوں کیا ہے ـ

'The cropse of Abu Turab al-Nakhshabi was seen standing erect in the desert untouched by wild beasts[۳].

یہ ترجمہ ، ظاہر ہے ، صحیح نہیں۔اصطخری کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ نخشبی کی میت صحرا میں بغیر کسی سہارے کے سیدھی کھڑی ہوئی تھی ـ

اس اثناء میں کتاب اللمع کا ایک اور اردو ترجمہ لاہور کے ایک معروف اشاعتی ادارے کی طرف سے بازار میں آچکا ہے (۳) ـ تاہم زیر نظر ترجمہ کی جن امتیازی و تکمیلی خصوصیات کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ان کی بناء پر اسے بلاخوف تردید ایسے مفید اضافہ کی حیثیت حاصل ہے جس سے استفادہ اصل عربی متن اور لاہور سے شائع شدہ ترجمہ کے باوجود ناگزیر رہے گا ـ مجھے یقین ہے کہ یہ ترجمہ تصوف کے ہر سنجیدہ طالب علم کے لئے ایک گراں قدر تحفہ بلکہ ایک ناگزیر ضرورت قرار پائے گا ـ

ڈاکٹر شیر محمد زمان
ڈائریکٹر جنرل
ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی ـ اسلام آباد

حواشی

(۱) ـ اس کتاب کا اردو ترجمہ ,,تعرّف,, ہی کے عنوان سے ، المعارف ، گنج بخش روڈ لاہور کی جانب سے ۱۳۹۱ ھ/ ۱۹۷۱ ء میں شائع ہوا ـ

(۲) ـ کتاب کا مکمّل نام ,,الذّہب الإبریز من کلام سیّدی عبدالعزیز,, ہے جو دراصل عبدالعزیز بن مسعود الدبّاغ (۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ ء ـ ۱۱۳۲ ھ/ ۱۷۲۰ ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ پیر صاحب کے قلم سے اس کا اردو ترجمہ ,,خزینۂ معارف,, کے نام سے ، ناشران قرآن اردو بازار لاہور (تاریخ ندارد) نے شائع کیا ـ

(۳) ـ نکلسن کے انگریزی خلاصہ میں یہ جملہ ص ۹۸ پر موجود ہے۔

(۴) ـ کتاب اللّمع فی التصوّف ، مترجم سیّد اسرار بخاری ، اسلامک بک فاؤنڈیشن ـ المعارف لاہور ، ۱۴۰۵ ھ/ ۱۹۸۴ ع ـ

مقدمہ مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ اما بعد

,,کتاب اللمع،، کے اس اردو ترجمے کی بنیاد میں نے پروفیسر آر۔ آے نکلسن کے تحقیق کردہ نسخے پر رکھی ہے۔ تاہم ان کا شائع کیا ہوا نسخہ مکمل نہ تھا۔ اصل کتاب کے چند ابواب اس میں شامل نہ ہو سکے تھے۔ ان کے معروف شاگرد پروفیسر آربری نے مختلف قلمی نسخوں کی چھان پھٹک کے بعد ان ابواب کا سراغ لگایا اور اپنی تحقیق کے ساتھ الگ شائع کر دیا۔ اس طرح اصل کتاب کی تکمیل ہو گئی۔

میں نے پروفیسر نکلسن کے قائم کئے ہوئے متن میں پروفیسر آربری کے تحقیق کردہ ابواب کو شامل کرنے کے بعد یہ ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بےجا نہ ہو گا کہ زیر نظر ترجمہ ,,کتاب اللمع،، کے مکمل متن کا ترجمہ ہے اور اس میں کوئی باب یا فصل کم نہیں ہے۔

,,کتاب اللمع،، کے مصنف ابو نصر سرّاج طوسی کے حالات و سوانح یک جا نہیں ملتے۔ نکلسن نے کمال محنت و کاوش سے ان کا سراغ لگایا ہے اور مختلف مصادر و مآخذ کو کھنگال کر انہیں یک جا کر دیا ہے۔ میں نے جسطرح ترجمے میں نکلسن کے شائع کردہ نسخے کو پیش نظر رکھا ہے اسی طرح ذیل میں درج مصنف کے حالات و سوانح کے بارے میں بھی بنیادی طور پر نکلسن ھی کے مہیا کردہ مواد پر اعتماد کیا ہے۔ چونکہ نکلسن کے ھاں ان کے مصادر کے حوالے موجود ھیں لہذا تکرار محض سے بچنے کیلئے میں نے ان کا اعادہ ضروری نہیں سمجھا البتہ نکلسن کے مقدمے سے ھٹ کر اگر کچھ مواد میں نے

کہیں سے اخذ کیا ہے تو اسکا حوالہ دے دیا ہے۔ نیز نکلسن کی آراء سے جہاں کہیں علمی اختلاف کی گنجائش پائی ہے اسکا اظہار بھی ساتھ ساتھ کر دیا ہے۔

سرّاج کے سوانح :

عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابو نصر سرّاج طوسی صوفی ——— ,,کتاب اللمع فی التصوف،، کے مصنف ہیں ۔ ان کا لقب ,,طاووس الفقراء،، ہے۔ سُلمی کا کہنا ہے کہ ابو نصر زاہدوں کی اولاد سے تھے ۔ فتّوت اور صوفیہ کی ترجمانی کرنے میں یہ اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے ۔ انھوں نے تصوف کی تائید میں شرعی دلائل و براھین پیش کئے ہیں اور وہ آج تک مشائخ صوفیہ کے فقیہ مانے جاتے ہیں ۔ وہ رجب ۳۷۸ ھ میں فوت ہوئے ۔ ذہبی کے بیان کے مطابق ان کے والد کی وفات سجدے کی حالت میں ہوئی ۔ ابو المحاسن نے ,,نجوم،، میں لکھا ہے کہ سراج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ہوئی ۔ ,,نفحات الانس،، میں ہے کہ انہیں طوس میں دفن کیا گیا ۔ مرنے سے پہلے انھوں نے کہا کہ جو جنازہ میری قبر پر سے گزارا جائے گا اللہ تعالیٰ اسکے گناہ معاف کر دیں گے ۔ چنانچہ طوس کے لوگ میت کو انکی قبر پر لاتے اور تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد آگے چلے جاتے ۔ ,,نفحات الانس،، ہی کے مطابق سراج نے ,,اللمع،، کے علاوہ اور کتابیں بھی تصنیف کیں ۔ مگر انکا کہیں سراغ نہیں ملتا ۔ ,,کشف المحجوب،، میں انکے متعلق ذیل کا واقعہ درج ہے اور اسی کو ,,نفحات الانس،، میں بھی دھرایا گیا ہے:

,,یہ بات مشہور ہے کہ ایک دفعہ آپ ماہ رمضان میں بغداد پہنچے تو مسجد شونیزیہ میں آپ کو ایک الگ حجرہ دیدیا گیا اور درویشوں کی امامت بھی آپ کے سپرد کر دی گئی ۔ آپ عید تک اپنے اصحاب کی امامت کرتے رہے اور تراویح میں آپ نے پانچ قرآن مجید ختم کئے ۔ ہر رات کو خادم ایک روٹی حجرہ میں آپ کو دے آتا ۔ جب عید کا دن ہوا تو آپ وہاں سے چلے گئے اور خادم نے دیکھا کہ سب تیس کی تیس روٹیاں موجود تھیں ،، ۔ (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے وجد کی حالت میں جلتے ہوئے انگاروں پر سجدہ کیا لیکن آگ ان کا بال بیکا نہ کر سکی ۔

ابو نصر سرّاج نے جعفر خلدی، ابو بکر محمّد بن داؤد الدقی اور احمد بن محمد السائح سے روایت کی ہے اور ان سے محمد بن علی نقاش اور عبدالرحمن بن محمد سرّاج وغیرہ نے ,,کتاب اللمع،، میں متعدد شہروں کا ذکر کیا ہے جہاں ابو نصر کی ملاقات اور گفتگو متعدد صوفیہ سے ہوئی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دور دراز کی سیاحت کی اور طویل سفر اختیار کئے ۔ جن شہروں کا ذکر کیا گیا ہے یہ ہیں. بصرہ، بغداد، دمشق، رملہ، انطاکیہ، صور، اطرابلس، تبریز، رحبہ مالک بن طوق، قاہرہ، دمیاط، بسطام، اور تستر وغیرہ ۔ ابو نصر نے یہ کتاب اپنے ایک دوست کی فرمائش پر تصنیف کی جن کے نام کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ۔ ابو نصر کے مریدوں میں صرف ایک نے نمایاں حیثیت پائی اور وہ ابو الفضل بن حسن سرخسی ہیں جو بعد میں مشہور ایرانی صوفی ابو سعید بن ابی الخیر کے پیر ہوئے ۔ جن لوگوں سے ابو نصر سرّاج نے اقوال و احوال صوفیہ کی روایت کی ہے یہ ہیں :

۱ ۔ ابو طیب احمد بن مقاتل مکی بغدادی ۔ انکے حالات کا کہیں پتہ نہیں چلتا ۔

۲ ۔ طیفور بن عیسی بسطامی ۔ انہوں نے موسی بن عیسی بسطامی المعروف بعُمَیٌ (۲) سے (بایزید بسطامی کے دو اقوال کی) روایت کی ہے ۔ یہ طیفور بن عیسی بن آدم بن علی ابو یزید، ,,بسطامی اصغر،، کہلاتے ہیں جبکہ بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو ,,بسطامی اکبر،، کہا جاتا ہے ۔

۳ ۔ ابو عمرو عبدالواحد بن علوان ۔ انکے حالات نہ مل سکے ۔ ابو نصر سراج سے ان کی ملاقات رحبہ مالک بن طوق میں ہوئی ۔ یہ جنید اور ابو الحسین نوری کا قصہ بیان کرتے ہیں ۔

۴ ۔ احمد بن علی الوجیہی ابو بکر الکرجی(یا الکرخی)۔ یہ ابو علی رودباری، جریری، ابو بکر زقاق، ابن مملولہ العطار الدینوری، ابو جعفر صیدلانی، جعفر الطیالسی الرازی، اور محمد بن یوسف البناء سے روایت کرتے ہیں ۔

۵ ۔ ابو بکر محمد بن داود الدینوری المعروف بدقی در اصل دینور کے تھے ۔ کچھ عرصہ بغداد میں رہے بالآخر دمشق میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۳۵۹ یا ۳٦۰ ھ میں وفات پائی ۔ یہ ابو بکر الزقاق الکبیر کے مرید تھے ۔ ابن جلاء (م ۳۰٦ ھ) کی صحبت میں رہے ۔ جامی نے لکھا ہے کہ انہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی ۔

٦ـ ابو الحسن علی بن ابراهیم الحصری البصری ـ بصرہ کے رہنے والے تھے اور بغداد میں قیام پذیر ہو گئے تھے ـ شبلی رحمہ اللہ کے مرید تھے ـ ۳۷۱ ھ میں وفات پائی ـ

۷ـ ابو الحسن احمد بن محمد بن سالم ـ انکے والد ابو عبداللہ محمد بن سالم بصری فرقہ سالمیہ کے بانی ہیں ـ ابو الحسن کی وفات ۳٦۰ ھ میں اور ابو عبداللہ کی ۲۹۷ ھ میں ہوئی ـ ابو عبداللہ نے لمبی عمر پائی اور ساٹھ سال سہل بن عبداللہ کی خدمت میں رہے باپ اور بیٹے کے سال وفات سے یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ بیٹے نے بھی لمبی عمر پائی ـ

۸ ـ ابو عبداللہ احمد بن عطا رودباری ـ صور کے رہنے والے تھے اور وہیں ۳٦۹ ھ میں وفات پائی ـ یہ ابو علی رودباری متوفی ۳۲۲ ھ کے بھانجے ہیں ـ انکی والدہ فاطمہ ابو علی کی ہمشیرہ تھیں ـ

۹ ـ عیسی قصّار ـ شبلی رحمہ اللہ کے خادم تھے ـ

۱۰ ـ ابو الحسن مکی ـ ان کے صائم الدھر ہونے کا ذکر آیا ہے ـ

۱۱ ـ احمد بن دلویہ ـ یہ شبلی رحمۃ اللہ متوفی ۳۳۴ ھ کی وفات کے وقت زندہ تھے ـ

۱۲ ـ ابو عمرو اسمعیل بن نجید جنھوں نے ۳٦٦ ھ میں مکہ میں وفات پائی ـ یہ ابو عبدالرحمن سلمی کے نانا ہیں اور ابو عثمان حیری نیشاپوری کے مرید ـ انھوں نے جنید متوفی ۲۹۷ ھ کو بھی دیکھا ہے ـ لہذا لمبی عمر پائی ہوگی ـ

۱۳ ـ جعفر بن محمد نصیر خلدی، بغداد کے رہنے والے تھے اور جنید رحمہ اللہ کے مرید ابراهیم خواص رحمہ اللہ کی بھی صحبت میں رہے ۳۴۸ ھ میں وفات پائی ـ

۱۴ ـ ابو عبداللہ حسین بن خالویہ، مشہور نحوی متوفی ۳۷۰ ھ ابو نصر نے ان سے قصیدہ بانت سعاد کے اشعار نقل کئے ہیں جس سے انکی ملاقات اور تعلق ثابت ہوتا ہے ـ ہو سکتا ہے کہ ان سے تلمّذ بھی رہا ہو ـ

۱۵ ـ ابو بکر احمد بن جعفر طوسی ـ یہ ابو یعقوب نہر جوری متوفی ۳۳۰ ھ کا قصہ بیان کرتے ہیں اور نصر بن الحمامی کا قول نقل کرتے ہیں ـ

۱٦ ـ ابو سعید بن عبدالوهاب متوفی ۳۸۲ ھ ـ ان کا ذکر اس حصے میں آیا ہے جسے آربری نے شائع کیا ہے پورا نام ابو سعید عبداللہ بن محمد بن عبدالوهاب ہے ـ

۱۷ ـ ابو الحسن مصری (۳) یہ علی بن محمد بن احمد المصری الواعظ ہیں ـ دراصل بغداد کے رہنے والے تھے ـ مدت تک مصر میں مقیم رہے لہذا جب بغداد واپس آئے تو مصری کہلائے محرّم ۲۵۱ ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۳۸ ھ میں وفات پائی ـ (۴) (موازنہ کیجئے آگے نمبر ۳٦ سے)

۱۸ ـ ابو عبداللہ حسین بن احمد رازی ـ انہوں نے ابو سلیمان خواص مغربی کا واقعہ بیان کیا ہے اور ابو سلیمان ابو الخیر تیناتی متوفی ۳۴۹ ھ کے معاصر تھے ـ

۱۹ ـ حمزہ بن عبداللہ علوی ـ یہ ابوالخیر تیناتی کے مرید تھے ـ

۲۰ ـ محمد بن معبد بانیاسی ـ انہوں نے کردی صوفی الارموی کا واقعہ بیان کیا ہے نکلسن نے لکھا ہے کہ غالباً یہ ابو الحسین الارموی ہیں جو ابو عبداللہ رودباری متوفی ۳٦۹ ھ کے معاصر تھے ـ

۲۱ ـ ابو حفص عمر خیاط ـ انہوں نے ابو بکر المعلم کا قول نقل کیا ہے ـ

۲۲ ـ ابو بکر احمد المؤدب السبیروتی ـ انہوں نے ابو نصر کو مصر میں خواص کے چند اشعار سنائے ـ

۲۳ ـ ابو عمرو زنجانی ـ انہوں نے سرّاج کو تبریز میں شبلی رحمہ اللہ کے وہ اشعار سنائے جو شبلی نے موت کے وقت پڑھے تھے ـ (۵)

۲۴ ـ ابو سعید دینوری ـ ابو نصر نے اطرابلس میں انکو ایک دعا مانگتے ہوئے سنا ـ

۲۵ ـ عمر ملطی ـ انطاکیہ میں ان سے ابو نصر کی ملاقات ہوئی ـ چنانچہ انہوں نے ایک بزرگ سے اپنے لئے دعا کی درخواست کا ذکر کیا ہے ـ

۲٦ ـ ابو عبداللہ الخیاط الدینوری یہ ابو عبداللہ محمد بن عبدالخالق الدینوری ہیں ـ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے ـ کچھ عرصہ وادی القری میں رہے پھر دینور واپس چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی ـ (٦)

۲۷ ـ ابو محمد مہلب بن احمد بن مرزوق المصری ـ انہیں ابو محمد المرتعش نیساپوری المتوفی ۳۲۸ ھ نے اپنی وفات پر وصیت کی تھی کہ جو قرض انکے ذمّے ہے اسے ادا کر دیں ـ یہ ابو بکر عبداللہ بن طاہر ابہری کی صحبت میں رہے ـ

۲۸ ـ احمد طرطوسی ـ نکلسن کے خیال میں یہ ابو بکر علی بن احمد طرطوسی الحرمی ھیں جو ابراھیم بن شیبان قرمیسینی متوفی ۳۳۷ ھ کی صحبت میں رہے۔ طرطوسی نے ۳۶۳ ھ میں مکہ میں وفات پائی ـ تاھم رسالہ قشیریہ میں (۷) انھیں ابو بکر احمد بن محمد طرطوسی کہا گیا ہے۔ لہذا نکلسن کا خیال درست نہیں معلوم ہوتا ـ

۲۹ ـ حسین بن عبداللہ رازی ـ انھوں نے ابو بکر عبداللہ بن طاھر ابہری متوفی تقریباً ۳۳۰ ھ کا ایک قول نقل کیا ہے۔

۳۰ ـ احمد بن محمد الطلی ـ ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا ـ

۳۱ ـ یحیی بن الرضا علوی ـ یہ ابو حلمان صوفی کے بیہوش ہونے کا واقعہ بیان کر رہے ھیں ـ مگر رسالہ قشیریہ (۸) اور شرح رسالہ میں ابو حلمان کی جگہ ابو سلیمان دمشقی کا نام دیا ہے۔

۳۲ ـ طلحۃ العصائری ـ یہ سہل رحمہ اللہ کے ایک مرید المقحی کا واقعہ بیان کر رہے ھیں ـ مگر رسالہ قشیریہ میں (۹) طلحہ القصائری ہے جو سہل کے مرید المفتاحی کا واقعہ نقل کر رہے ھیں شرح رسالہ میں المفتاحی کی جگہ المنبجی ہے۔

۳۳ ـ ابو بکر محمد بن احمد بن حمدون الفراء ـ نیشاپور کے مشاھیر صوفیہ میں سے تھے ۳۷۰ ھ میں وفات پائی یہ عبدالرحمن الفارسی کی حکایت بیان کرتے ھیں۔

۳۴ ـ قیس بن عمر الحمصی ـ ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا ـ

۳۵ ـ ابو عبداللہ احمد بن جابان ـ شدید قحط سالی میں شبلی کے پاس موجود ہونے کا ذکر کر رہے ھیں ـ

۳۶ ـ ابو الحسن علی بن محمد الصیرفی ـ نکلسن کے خیال میں یہ ابو الحسن علی بن بندار الصیرفی النیسابوری ھیں جو رویم متوفی ۳۰۳ ھ کی صحبت میں رہے اور ۳۵۹ ھ میں وفات پائی ـ تاھم درست ابو الحسن علی بن محمد المصری ہے جیسا کہ رسالہ قشیریہ میں (۱۰) مذکور ہے۔(اور یہ وھی بزرگ ھیں جن کا ذکر اوپر نمبر ۱۶ کے تحت ہو چکا)

۳۷ـ ابو حفص عمر شمشاطی ـ انھوں نے ابو نصر سراج کو رملہ میں ابراھیم خواص کے شعر سنائے ـ

۳۸ ـ ابو الطیب شیرازی ـ انہوں نے اپنے شیخ کا ایک قول نقل کیا ہے ـ

۳۹ ـ ابو الحسین سیروانی ـ نکلسن نے لکھا ہے کہ اس نام کے دو صوفی ہیں ایک ابو الحسین علی بن محمد سیروانی، باشندہ سیروان، در مغرب، جنہوں نے دمیاط میں رهائش اختیار کر لی تھی اور دوسرے انکے شاگرد ابوالحسین علی بن جعفر بن داؤد سیروانی صغیر جو مصر میں ابراهیم خواص کی صحبت میں رہے اور بعد میں مکہ میں مقیم ہو گئے اور وہیں وفات پائی ـ تاهم رسالہ قشیریہ (۱۱) اور طبقات الصوفیہ میں ابوالحسن سیروانی ہے ـ

۴۰ ـ احمد بن محمد بن سنید، قاضی دینور، یہ رویم کا ایک واقعہ بیان کر رہے ہیں ـ

۴۱ ـ ابو علی ابی خالد الصوری ـ انہوں نے صور میں ابو نصر سراج کو اپنے وہ اشعار سنائے جو انہوں نے ابو علی رودباری کو لکھے تھے ـ نیز وہ اشعار جو ابو علی رودباری نے جواب میں لکھے ـ

یہ وہ اکتالیس حضرات ہیں جن سے ابو نصر رحمہ اللہ نے کتاب اللمع میں روایت کرنے کا ذکر کیا ہے اور جن کے متعلق نکلسن نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے ـ

انکے علاوہ راقم الحروف نے کچھ اور بزرگوں کا پتا چلایا ہے جن سے ابو نصر کی ملاقات ہوئی اور جن کے اقوال انہوں نے نقل کئے ـ ان سب کا ذکر ابو عبدالرحمن سلمی (م ۴۱۲ ھ) کی ,,طبقات الصوفیہ،، میں آیا ہے ـ

۱ ـ علی بن حسین بن عبداللہ ابو القاسم تمیمی ـ یہ ابن بنت المدائنی کے نام سے مشہور ہیں ـ ابو عبداللہ المعروف بالسبیی القصری کے والد ہیں ـ اُن سے احمد بن محمد بن علی السبیی القصری نے ۳۲۳ ھ میں روایت کی (۱۲) ـ طبقات الصوفیہ میں ان سے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں :

,,سمعت ابا نصر عبداللہ بن علی یقول سمعت علی بن الحسین،، (۱۳)

۲ ـ محمد بن احمد بن الحسین رازی ـ ان سے ابو نصر سراج نے یوسف بن الحسین رازی کا ایک قول نقل کیا ہے (۱۴) مگر ان کے متعلق معلومات حاصل نہ ہو سکیں ـ

۳ ـ ابو جعفر محمد بن احمد رازی ـ ان سے بھی ابو نصر نے ایک قول نقل کیا ہے ـ (۱۵) ان کے بھی حالات معلوم نہ ہو سکے ـ

۴ ـ ابو جعفر اصفہانی

۵ ـ ابو سلم اصفہانی

ان دونوں سے بھی روایت کرتے ہیں ـ (١٦) ـ

٦ ـ ابو عبداللہ مغربی ـ ان سے ایک قول کی سند طبقات الصوفیہ میں یوں دی گئی ہے:

,,سمعت عبداللہ بن علی بن یحیی یقول سمعت ابا عبداللہ المغربی،، (١٧) تاہم راقم کے نزدیک یہ محل نظر ہے کیونکہ ابو عبداللہ مغربی کی وفات ٢٩٩ ھ میں ہوئی (١٨) ـ اگر اس سند کو تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سراج نے نوے سال عمر پائی ـ غالباً یہاں ایک درمیانی کڑی چھوٹ گئی ہے ـ

٧ ـ ابو العباس احمد بن محمد دینوری ـ ان کا ذکر طبقات الصوفیہ میں یوں ہوا ہے:

,,سمعت عبداللہ بن علی یقول قال ابوالعباس الدینوری،، (١٩)

یہ یوسف بن حسین، عبداللہ خراز، ابو محمد جریری اور ابوالعباس عطا کی صحبت میں رہے ـ ان کی ملاقات رویم سے بھی ہوئی ـ ,,اچھے طریقے والے،، اور صاحب استقامت تھے ـ نیشاپور آئے اور مدت تک وہاں قیام کیا ـ وعظ کہتے اور معرفت پر عمدہ کلام فرماتے تھے ـ پھر نیشاپور سے سمرقند چلے گئے اور وہیں ٣٣٠ ھ کے بعد وفات پائی (٢٠)

٨ ـ ابو عبداللہ تروغبدی-ان سے بھی ابو نصر نے اقوال نقل کئے(٢١) یہ ابو عبداللہ محمد بن محمد بن حسن تروغبدی ہیں ـ طوس کے جلیل القدر مشائخ میں سے تھے یہ ابو عثمان حیری اور اسی طبقے کے دیگر مشائخ کی صحبت میں رہے ـ اپنے طریقے میں لاثانی اور صاحب آیات و کرامات تھے ـ تجرد کی زندگی گزارتے ـ ,,ہمت،، میں ان کا پایہ بلند تھا ـ ٣٥٠ ھ کے بعد وفات پائی رسالہ قشیریہ میں ان کی اہلیہ کا یہ بیان ملتا ہے جس سے بنی نوع انسان کے لئے ان کے درد دل اور شدت احساس کا پتہ چلتا ہے ـ

,,.... قحط سالی کا زمانہ تھا اور لوگ بھوکے مر رہے تھے تو ایک دن ابو عبداللہ تروغبدی گھر آئے اور اپنے گھر میں تقریباً دو من گندم پائی ـ یہ دیکھ کر فرمایا: ,,لوگ بھوکے مریں اور میرے گھر میں گندم ہو،، اس بات

سے وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ صرف نماز کے وقت اُنھیں کچھ افاقہ ہوتا تھا ۔ فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد پھر وہی حالت ہو جاتی تھی ۔ اور مرنے دم تک انکی یہی حالت رہی۔ (۲۲)

۹ ۔ علی بن بندار۔ ان سے بھی ابو نصر کی روایت کا طبقات الصوفیہ میں ذکر ہے۔(۲۳)
یہ ابو الحسن علی بن بندار بن الحسین الصیرفی ہیں ۔ نیشاپور کے اجلہ مشائخ میں سے تھے ۔ جس قدر مشائخ کی زیارت و صحبت انہیں حاصل ہوئی کسی اور کو نہیں ہوئی ۔ چنانچہ نیشاپور میں ابو عثمان کی، رے میں یوسف بن حسین، بغداد میں جنید رحمہ اللہ، رویم، سمنون، ابوالعباس بن عطاء اور محمد جریری، شام میں طاہر مقدسی، ابو عبداللہ بن الجلاء اور ابو عمر دمشقی اور مصر میں ابوبکر مصری، زقاق اور ابو علی رودباری کی صحبت میں رہے ۔ انہوں نے کثیرالتعداد احادیث لکھیں اور ان کی روایت بھی کی ۔ ثقہ راوی تھے ۔ ۳۵۹ھ میں وفات پائی ۔ (۲۳)

مندرجہ بالا فہرست کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ابو نصر سراج کی ملاقات اور تعلقات جن لوگوں سے رہے ان میں بیشتر اولیائے کبار اور زہاد عظام ہیں ۔ یہ انکی خوش بختی کی دلیل ہے اور عند اللہ ان کے عظیم المرتبت ہونے کا بین ثبوت ۔

نکلسن کا کہنا ہے کہ سراج نے ,,کتاب اللمع،، میں اپنے نظریات کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنے پیشروؤں کے اقوال و تشریحات پیش کی ہیں ۔ لیکن یہاں یہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ قدماء کا یہی دستور تھا کہ وہ بزرگوں کی آراء کو اپنی آراء پر فائق سمجھتے تھے لہذا ان کے اقوال کے ہوتے ہوئے اپنے اقوال کو پیش کرنا مناسب خیال نہ کرتے تھے ۔

نکلسن کا ایک قول یہ بھی ہے کہ سراج نے احادیث کی اسناد کو حذف کر دیا ہے یہاں بھی یہ امر مدنظر رہنا ضروری ہے کہ احادیث نبویہ کو اسناد کے ساتھ پیش کرنا خاص محدّثین کا فن اور طریق ہے۔ مزید براں جو احادیث سرّاج نے پیش کی ہیں ان میں سے بیشتر مشہور اور عام لوگوں کی زبان پر تھیں ۔

,,کتاب اللمع،، میں سرّاج نے بہت سا ایسا مواد جمع کر دیا ہے جو دیگر کتب تصوف میں نہیں ملتا ۔ اور اس اعتبار سے اس کتاب کی قدر و قیمت ظاہر ہے۔ کتاب میں بہت

سی عبارتیں ایسی بھی ھیں جو نہایت دقیق ھیں اور جنہیں صرف اھل حال ھی سمجھ سکتے ھیں ۔

سرّاج نے لفظ ,,صوفی،، کی تشریح میں اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ یہ ,,صوف،، سے ماخوذ ہے ۔ نکلسن کے نزدیک یہ تشریح لسانی اعتبار سے درست نہیں ۔ مگر راقم الحروف کو اس تشریح میں کوئی لسانی سقم نظر نہیں آتا ۔ بعض لوگوں کے نزدیک لفظ ,,صوفی،، متاخرین میں سے اھل بغداد کا ایجاد کردہ ہے قدیم نہیں ہے ۔

سرّاج رحمہ اللہ نے جا بجا قرآن و سنت کو تصوف کا اصل اصول قرار دیا ہے اور ان ھی کی حکمرانی کو تسلیم کیا ہے نکلسن کے نزدیک مارگولیس کا ,,فنا،، کے متعلق یہ کہنا کہ یہ بیرونی اثرات کا نتیجہ ہے غلط ہے ۔ اشتراک تخیل ھو سکتا ہے مگر یہ خیال کہ کسی مسلمان نے اسے دیگر مذاھب سے لے کر اسلام میں داخل کر دیا ہے قطعاً غلط اور ناممکن ہے ۔

ابوالحسن احمد بن محمد بصری کے ساتھ ابو نصر سرّاج کے گہرے تعلقات تھے ۔ ابو الحسن احمد ابو عبداللہ محمد بن سالم کے بیٹے تھے ۔ اور انھیں حلّاج کے ساتھ بہت ھمدردی تھی چنانچہ انھوں نے حلّاج کو متبع سنت قرار دیا ہے ۔ ان ھی سے سالمیہ فرقہ چلا ۔

سالمیہ کے اعتقاد کے بارے میں جو کچھ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ,,غنیۃ الطالبین،، میں لکھا ہے اس سے معلوم ھوتا ہے کہ سرّاج کا ان عقائد سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ھی سرّاج کو انکے کسی عقیدے سے اتفاق ہے ۔ سالمیہ کے نزدیک روح غیرفانی ہے مگر سرّاج نے ,,کتاب اللمع،، کے آخر میں روح کو جسم کی طرح فانی قرار دیا ہے ۔ ھاں سرّاج نے حلّاج کو موحد قرار دیا ہے اور اس میں وہ ابن سالم سے متفق ھیں ۔

دو قدیم کتابیں جو تصوف پر لکھی گئیں وہ ابن سالم کے اثرات کا نتیجہ ھیں ۔ ,,اللمع،، میں ان کا اثر جابجا دکھائی دیتا ہے اور ,,قوت القلوب،، تو ابن سالم کے شاگرد ابو طالب مکی کی تصنیف ہے اور ابو طالب کو سالمی اپنے فرقہ کا ایک فرد خیال کرتے ھیں ۔

سرّاج نے اپنی کتاب کا مواد سابقہ کتب اور زبانی روایات سے لیا ہے اس سلسلے میں

انہوں نے صرف چند کتابوں کا بصراحت ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہیں :

۱) ,,اخبار مکہ،، ۔ غالباً یہ ازرقی کی تاریخ مکہ ہے ۔

۲) ,,کتاب المشاہدات،، ۔ از عمرو بن عثمان مکی ۔

۳) ,,کتاب السنن،، ۔ از ابو داؤد سجستانی ۔

۴) ,,آداب الصلوٰۃ،، ۔ از ابو سعید الخرّاز ۔

۵) ابو تراب نخشبی کی ایک تصنیف جس کا نام نہیں دیا گیا ۔

نکلسن کی رائے میں اگر ,,کتاب اللمع،، کی اسناد روایت کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ اسناد درست ثابت نہ ہوں گی چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ ابوالوقت نے ۵۵۳ ھ میں وفات پائی اور وہ ابو نصر احمد بن ابی نصر کوفانی سے روایت کرتے ہیں ۔ کوفانی نے ۳٦۴ ھ میں وفات پائی ۔ ابوالوقت کی پیدائش ۴۵۸ ھ میں ہوئی ۔ لہذا ,,کتاب اللمع،، کی روایت کے وقت ابوالوقت کی عمر زیادہ سے زیادہ سات سال ہوتی ہے ۔ نکلسن نے ابوالوقت کی کم سنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کو بعید از قیاس سمجھا ہے ۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے اس سے بھی کم عمر میں حدیث کی روایت کی ہے اور حدیث کے بارے میں مسلمانوں کا اہتمام اور احتیاط کوئی مخفی چیز نہیں ۔ لہذا جب حدیث کی روایت کم سنی میں ہو سکتی ہے تو کتب تصوف کا صغر سنی میں روایت کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں ۔ ابو سعد عبداللہ بن عمر الصفار ۵۰۸ ھ میں پیدا ہوئے اور بانوے سال کی عمر میں ٦۰۰ ھ میں وفات پائی ۔ انہوں نے اپنے نانا ابو نصر عبدالرحیم بن عبدالکریم قشیری (م ۔ ۵۱۴ ھ) سے روایت کی ہے (۲۵) جبکہ نانا کی وفات کے وقت اُن کی عمر چھ برس سے زائد نہ تھی ۔

نکلسن کا ایک اور اعتراض یہ ہے کہ کوفانی کی وفات ۳٦۴ ھ میں ہوئی اور ابوالوقت کہتے ہیں کہ انہوں نے کوفانی سے اللمع کی روایت ۳٦۵ ھ میں کی یعنی کوفانی کی وفات سے ایک سال بعد ۔ یہاں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئیے کہ سنین کے بارے میں لوگوں کو بالعموم مغالطہ ہو جایا کرتا ہے اگر زیادہ سالوں کا فرق ہوتا تو اس کا غلط ہونا صریحی تھا مگر ایک سال کے فرق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سال کے بارے

میں مغالطہ ہوا ہے۔ ابن الجوزی نے ,,تلبیس ابلیس،، میں اسی سند کو دو جگہ دیا ہے اور وہاں سال کا ذکر نہیں ۔ چنانچہ کہا ہے :

اخبرنا عبدالاول بن عیسی نا ابن ابی الکوفانی (کذا) ثنا ابو محمد الحسنُ بن محمّد بن موری الحبوسانی (کذا) نا ابو نصر عبداللّٰہ بن علی الطوسی المعروف بابن السراح (کذا) ۔ (۲٦)

پھر مزید کہا :

انبانا ابو الوقت عبدالاول بن عیسی نا ابو بکر احمد بن ابی نصر الکوفانی نا ابو محمد الحسن بن محمد بن قوری (کذا) الحوبیانی (کذا) نا ابو نصر عبداللّٰہ بن علی الطوسی المعروف بالسرّاج (۲۷)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ان دونوں جگہوں پر سند میں سال کا ذکر نہیں اور ابن الجوزی کی روایت سے اصل سند کی تائید ہوتی ہے۔

ابو نصر سراج کے متعلق کسی تذکرہ نگار نے یہ نہیں بتایا کہ ان کا تعلق کس خاندان یا قبیلہ سے تھا۔لیکن ,,رسالہ قشیریہ،، سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ ابو نصر کا تعلق عربوں کے مشہور قبیلہ بنو تمیم سے تھا ۔ غالباً وہ فتوحات اسلامیہ کے زمانہ میں طوس میں آ کر آباد ہو گئے ہوں گے ۔ ,,رسالہ قشیریہ،، (۲۸) میں انہیں عبداللّٰہ بن علی بن یحیی التمیمی کہا گیا ہے۔

اب رہے نصر سرّاج رحمہ اللّٰہ کے شاگرد اور وہ لوگ جنھوں نے سرّاج سے روایت کی ہے تو نکلسن نے محمد بن علی نقاش اور عبدالرحمن بن محمد السرّاج کا نام دیا ہے مگر ان دونوں کے حالات کا کہیں ذکر نہیں پایا جاتا ۔ نکلسن نے خبوشانی کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ سرّاج کے شاگرد ہوں گے ۔

راقم کی رائے میں ابو عبدالرحمن محمد بن حسین سلمی بھی سرّاج کے شاگرد ھیں ۔ سلمی کے خاندان کے ساتھ سرّاج کے گھرے تعلقات تھے ۔ سلمی نے اپنے نانا ابو عمرو اسماعیل بن نجید کے ھاں پرورش پائی ۔ نانا سلمی تھے لہذا ابو عبدالرحمن کو بھی لوگوں نے سلمی کہنا شروع کر دیا اور یہ اسی نسبت سے مشہور ہو گئے ۔ حالانکہ ان کے

والد سلمی نہ تھے ۔ ابو نصر سرّاج نے ابن نجید سے بہت سے اقوال اور روایات نقل کی ہیں ۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر ابو عبدالرحمن سلمی سرّاج کے شاگرد بنے۔چنانچہ سلمی نے ابو نصر کی سند سے بہت سے اقوال اور روایات نقل کی ہیں ۔

رسالہ قشیریہ سے ابو نصر سرّاج کے ایک اور شاگرد یا مرید کا پتا چلتا ہے اور وہ ہیں ابو حاتم محمد بن احمد بن محمد بن یحیی الصوفی السجستانی التمیمی ۔ ان کے صوفی اور تمیمی ہونے سے اس بات کا گمان ہوتا ہے کہ یہ ابو نصر سراج کے خاندان کے چشم و چراغ ہوں گے ۔ راقم الحروف کے خیال میں ابو نصر اور ابو حاتم کا سلسلۂ نسب محمد بن یحیی پر ایک دوسرے سے جا ملتا ہے۔ قشیری نے ابو نصر سراج کے اقوال ان ہی کی سند سے نقل کئے ہیں ۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود نے رسالہ قشیریہ کے حواشی میں (۲۹) ابو حاتم،مذکور کو سہل بن محمد بن عثمان المتوفی ۲۳۸ ھ سمجھ لیا ہے حالانکہ وہ ابو حاتم، قشیری سے دو سو سال پہلے ہوئے ہیں۔اور وہ مشہور لغت دان اور نحوی تھے۔ابو حاتم جن سے قشیری روایت کر رہے ہیں وہ صوفی اور چوتھی صدی کے آخر کے آدمی ہیں ۔ مزید براں قشیری نے انہیں واضح الفاظ میں تمیمی لکھا ہے جبکہ قدیم ابو حاتم جشمی ہیں ۔

,,تلبیس ابلیس،،سے ہمیں ایک اور شخص کا نشان ملتا ہے جس نے ابو نصر سے اقوال نقل کئے ہیں اور وہ ہیں سہل بن علی (الخشاب) (۳۰) ۔ انکے حالات کا علم نہ ہو سکا-

سید مرتضی حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ ھ ، شارح قاموس نے،،ش ط ح،،کی ترکیب میں لکھا ہے کہ مجھے لغت کی کتابوں میں ,,شطحات،، کا لفظ اور اسکی تشریح نہیں ملی ۔ انکا یہ کہنا درست ہے ۔ کیونکہ اہل لغت نے اس لفظ پر بحث نہیں کی مگر ابو نصر سرّاج رحمہ اللہ نے اس لفظ کے لغوی معانی کی تشریح کرتے ہوئے اشعار بھی بطور سند پیش کئے ہیں ۔ غالباً زبیدی رحمہ اللہ کی نظر سے ,,کتاب اللمع،، نہیں گزری ۔ ,,کتاب اللمع،، میں حدیث ,,انہ لیغان علی قلبی ....،، کو ضعیف قرار دیا گیا ہے ۔ اس

پر راقم کی طرف سے مفصل تحقیق ایک خصوصی نوٹ کی شکل میں شامل اشاعت کی جا رہی ہے۔

محمد حسن

۲۰ ۔ جمادی الاولی ١۴۰٦ ھ

یکم فروری ١٩٨٦ء

٨۰٦ ۔ ایف سیٹلائٹ ٹاؤن ۔ راولپنڈی

حواشی

١) مولوی فیروز الدین، بیان المطلوب اردو ترجمہ کشف المحجوب، فیروز سنز لاہور، جنوری ١٩٦٨ء ، ص ، ۲۷۷ ۔

۲) تصغیرِ أغلٰی ۔

۳) نکلسن نے (مقدمہ انگریزی ص، vxx) ابو الحسن ,,حُصری،، تصوّر کیا ہے جو درست نہیں ۔

۴) ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد (چودہ جلدیں) مطبعة السعادة، مصر ١۳۴٩ھ ١٩۳١ ع ، ج ، ١۲ ، ص ، ٧۵ ۔ ٧٦

۵) راقم کے خیال میں یہ ابو عمرو محمّد بن ابراهیم الزّجاجی نیشاپوری ہیں ۔

٦) نکلسن نے ان کے متعلق صرف اتنا لکھا ہے کہ انھوں نے ابو نصر کو وصیّت کی ۔ باقی معلومات کے لئے دیکھئے: ابو عبدالرحمان محمّد بن الحسین السلمی ، طبقات الصّوفيّة، تحقيق نور الدين شريبة، دارالكتاب العربي، مصر، الطبعة الأولىٰ ١۳٧۲ ھ ۔ ١٩۵۳ ع ، ص ، ۵١۵ ۔ ۵١٧ عبدالّرحمان جامی، نفحاتُ الأنس ، اردو ترجمہ (مترجم نامعلوم)، اللہ والے کی قومی دکان، کشمیری بازار لاہور ١٩۵٧ء، ص ، ۲٩٨

٧) ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالۂ قشیریّہ، اردو ترجمہ از راقم، ادارہ تحقیقات اسلامی۔اسلام آباد، اشاعت اول ١۳٩۰ ھ ۔ ١٩٧۰ ع ، ص ۵٨٨

٨) ایضاً، ص، ۵۳۳

٩) ایضاً، ص، ۵٦۵

١۰) ایضاً ص، ۵۳۳

١١) ایضاً ، ص، ۳۳۳

۱۲) تاریخ بغداد، ج، ۱۱ ص ، ۳۸۲ .
۱۳) طبقات الصّوفیّة، ص، ۱۳۹ .
۱۴ ـ ایضاً ص، ۱۸۵ .
۱۵ ـ ایضاً، ص، ۱۸۷ .
۱٦ ـ ایضاً ، ص ، ۲۳۳ ـ
۱۷) ایضاً، ص، ۲۳۳ ـ
۱۸) ایضاً، ص، ۲۳۲ ـ
۱۹) ایضاً ، ص، ۴۷٦ ـ
۲۰) ایضاً ، ص، ۴۷۵ ـ
۲۱) ایضاً ، ص، ۳۹۳ ـ
۲۲) رسالۂ قشیریه، ص، ۱۱۹ ـ
۲۳) طبقات الصّوفیّة، ص، ۵۰۳ ـ
۲۴) ایضاً، ص، ۵۰۱ ـ
۲۵) رسالۂ قشیریه (مقدّمه) ص، ۱۰۱
۲٦) ابن الجوزی عبدالرحمن ابو الفرج، تلبیس ابلیس، مطبعة النهضة مصر ۱۹۲۸ع، ص ۳۱٦
۲۷) ایضاً، ص، ۳۳٦
۲۸) رسالۂ قشیریه ص ۱۸۵
۲۹) دیکھیے رساله قشیریه، تحقیق ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، حصه اوّل، ص، ۳۱، نوٹ، ۳ ـ اس نوٹ کی طرف میری توجه میرے مکرّم دوست جناب چوھدری عبدالعزیز صاحب کلکٹر کسٹمز نے مبذول کرائی ـ جس کے لئے اُن کا شکر گذار ھوں ـ
۳۰) تلبیس ابلیس، ص، ۳۰۷

تلبیس ابلیس کو ابن الجوزی رحمة الله کی تصنیف تسلیم کرنے میں راقم کو تامّل ہے ـ بھلا وہ شخص جو باقاعدہ سند کے ساتھ تصوّف کی کتابوں کا راوی ھو ، جس نے صوفیه کے حالات پر ایک کتاب ,,صفوة الصفوة،، جسے ,,صفة الصفوة،، بھی کہا جاتا ہے تالیف کی ھو اور اس میں معروف کرخی رحمة الله کے حالات میں لکھا ھو که اُن کی قبر تریاق مجرّب ہے صوفیه کا مخالف کیسے ھو سکتا ہے ـ گمان گذرتا ہے که صوفیه کے کسی مخالف نے اُن کے نام سے فائدہ اٹھا کر اُن کی اسناد کو اپنی کتاب کے ساتھ ٹانک دیا ہے ـ

خصوصی نوٹ

از مترجم

,,إِنَّهٗ لَيُغَانُ علیٰ قلبی،، پر بحث

سرّاج اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ,,علماء نے ,,غین،، کی تشریح میں بہت کچھ کہا ہے ـ اور یہ لفظ ایک ضعیف حدیث میں بھی آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

انه ليغان على قلبى فأستغفرالله وأتوب اليه فى اليوم مائة مرة

میرے دل پر ,,غین،، آ جاتا ہے تو میں دن میں سو بار اللہ کے حضور توبہ و استغفار کرتا ہوں ـ

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مشہور اور صحیح حدیث ہے جس کی روایت مسلم نے کی ہے (۱)

سرّاج رحمۃ اللہ نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور غین کو غین ظلمت خیال کرتے ہوئے حدیث کے صحیح ہونے سے انکار کر دیا کیونکہ غین ظلمت کا قلبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پایا جانا محال اور ناممکن ہے لہذا جو چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیلئے محال ہو اس کا درست تسلیم کرنا روا نہیں ـ اس کے بعد سرّاج رحمۃ اللہ نے خود ہی اس کی توجیہیں بھی بیان کر دیں کہ جو ,,غین،، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر وارد ہوتا تھا اس کی مثال ایک آئینہ کی ہے جس میں دیکھنے والا سانس لیتا ہے تو آئینہ دھندلا ہو جاتا ہے مگر پھر جلد ہی اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے ـ نیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رؤیت باری تعالی کے ساتھ مخصوص تھا لہذا کوئی مخلوق چیز آپ کے دل پر اثر

انداز نہیں ہو سکتی ۔ نیز یہ کہ کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آپ کے دل مبارک کے بارے میں فیصلہ صادر کرے یا اس کی صفت بیان کرے یا کسی چیز سے تشبیہ دے یا اس کی کوئی خفی یا جلی وجہ بیان کرے ۔

متعدد علماء نے اس حدیث کے مشہور ہونے کی وجہ سے اس پر بحث کی ہے اور اس کی توجیہیں بیان کی ہیں ۔ چند علماء کی توجیہات ملاحظہ ہوں:

۱ ۔ ابو بکرؒ بن طاہر (م ۳۳۰ تقریباً) (۲) :

اس توجیہ کے مطابق، جسے بندار بن الحسین (م ۳۵۳ ھـ) نے بھی پسند فرمایا، اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امت میں آئندہ ہونے والے اختلافات کی خبر دے دی تھی نیز ان مصائب کی جو ان اختلافات کی بنا پر امت پر آنے والی تھیں ۔ جب آپ کو یہ یاد آتیں تو آپ کے دل پر غبار آ جاتا اور آپ اپنی امت کیلئے استغفار کرتے ۔

۲ ۔ ابو ابراھیمؒ المستملی شارح تعرّف (م ۴۳۴ ھـ) (۳) :

اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا ,,استغفر لذنبک،، ۔ حالانکہ آپ کا نہ کوئی گناہ تھا اور نہ کسی قسم کی نافرمانی ۔ البتہ اللہ تعالی کے حقوق بجا لانے میں آپ سے کوتاہی ہو سکتی تھی کیونکہ کوئی فرد بشر اللہ تعالی کے حقوق کو کماحقہ بجا نہیں لا سکتا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اس فرمان کو لیں:

انہ لیغان علی قلبی و انی لاستغفر اللہ فی کل یوم مائۃ مرۃ

آپ سے سال بھر میں ایک گناہ کا بھی سرزد ہونا محال تھا پھر ایک دن میں ایک سو گناہ کیونکر سرزد ھو سکتے تھے ۔ مگر چونکہ آپ ہر لحظہ بلند تر مقام کی طرف چلے جاتے تھے تو پہلے مقام کی طرف نظر کر کے آپ اپنی ذات کو قصور وار ٹھہراتے لہذا استغفار کرتے ۔

۳ ۔ ابو القاسم عبدالکریمؒ بن ہوازن القشیری (م ۴۶۵ ھـ) (۴) :

استغفار کے معنی پردہ پوشی کی درخواست کرنا ہے ۔ کیونکہ غفر ڈھانپنے کے معنوں میں آتا ہے ۔ اسی سے ,,غَفَرَ الثوب،، اور ,,مِغفر،، کے الفاظ نکلے ھیں گویا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ آپ انوارِ حقیقت کے ہجوم کے وقت اپنے رب سے دل پر پردہ ڈالنے کی درخواست کرتے ہیں ۔ اس لئے کہ حق تعالی کے ہوتے ہوئے کسی مخلوق کی بقا نہیں ہو سکتی چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر حق تعالی اپنی ذات کو بےحجاب کر دے تو انوار ذات الہیہ تا امتداد نظر ہر چیز کو جلا دیں ۔

۴ ۔ سیّد علی ہجویریؒ (م ۴۶۵ ھ) (۵) :

,,غین،، سے مراد وہ حجاب ہے جو دل پر وارد ہوتا ہے اور استغفار سے دور ہوتا ہے ۔ غین کی دو قسمیں ہیں ۔ خفیف اور غلیظ ۔ غلیظ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ خدا سے غافل لوگوں کی صفت ہے اور خفیف تمام مخلوق پر ہوتا ہے خواہ نبی ہو خواہ ولی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

غین غلیظ کو زائل کرنے کیلئے توبہ کرنا نہایت ضروری ہے . اور غین خفیف کا علاج یہ ہے کہ صدق دل سے حق تعالی کی طرف رجوع کرے ۔ توبہ یہ ہے کہ معصیت کو ترک کر کے اطاعت گزاری کی طرف آ جائے ۔ اور رجوع یہ ہے کہ اپنی ذات کو ترک کر کے حق تعالی کی طرف چلا آئے ۔ توبہ کسی جرم کے ارتکاب سے ہوتی ہے اور حق تعالی کے حکم کی خلاف ورزی جرم ہے ۔ اور اللہ کے دوستوں کا جرم یہ ہے کہ ان کی نگاہ اپنی ذات کی طرف ہو ۔ ایک اپنی خطا کاری کو ترک کر کے درست بات کی طرف آتا ہے اور تائب کہلاتا ہے اور دوسرا درست و روایات سے اس سے بہتر کی طرف آتا ہے اور آئب کہلاتا ہے ۔

ایک اور مقام (۶) پر فرماتے ہیں: توبہ کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ خطاکاری کو چھوڑ کر صحیح بات کی طرف آئے دوسرے یہ کہ صحیح اور درست بات سے اس سے بہتر کی طرف آئے اور تیسرے یہ کہ اپنی درست باتوں کو چھوڑ کر ہمہ تن حق تعالی کی طرف رجوع کرے ۔

خطا کاری کو ترک کر کے درست بات کی طرف آنے کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں :

وَالذین اذا فعلوا فاحشۃ أو ظلموا أنفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم

جب کبھی ان سے کوئی بُرا فعل سرزد ہو جاتا ہے یا وہ اپنے نفس پر ظلم کر بیٹھتے ھیں تو اللہ کو یاد کر کے گناھوں کی معافی کی درخواست کرتے ھیں ۔

اور درست بات سے اس سے بہتر امر کی طرف آنا ایسا ہے جیسا موسی علیہ السلام کا یہ کہنا:

تبت الیک (اے اللہ میں تیری طرف رجوع کرتا ھوں)

اور اپنی ذات کو ترک کر کے حق تعالی کی طرف آنا ایسا ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

انہ لیغان علی قلبی و انی لأستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ

جرم کا ارتکاب کرنا بری اور لائق مذمت بات ہے اور اس سے باز آنا اور صحیح بات کی طرف رجوع کرنا اچھی اور قابل ستائش بات ہے ۔ یہ تو ہوئی عوام کی توبہ اور اس کا معاملہ بھی واضح ہے مگر درست بات پر ڈٹے رھنا اور اس سے بہتر بات کی طرف نہ آنا ترقی کرنے میں وقفہ پڑنے اور حجاب کا سبب ھوتا ہے اور صواب سے اصوب (بہتر) کی طرف آنا اھل ھمت صوفیہ کے ھاں پسندیدہ امر ہے اور یہ اللہ کے خاص لوگوں کی توبہ ہے ۔ ان کے ھاں عوام الناس کی سی بات نہیں ھوتی کہ یہ معصیت میں مبتلا ھوں اور پھر توبہ کریں (۷)

آپ کو معلوم ہے کہ تمام مخلوق تو دیدار الہی کی حسرت اپنے اندر لئے ھوئے جل رھی ہے اور موسی علیہ السلام نے پہلے اس کی درخواست کی مگر پھر ایسی درخواست سے تائب ھوئے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی خواھش سے یہ درخواست کی تھی اُسے اللہ پر نہ چھوڑا تھا) اور محبت میں محب کا اپنی طرف سے کسی خواھش کی درخواست آفت کا باعث ھوتا ہے لہذا آفت سے بچنے کیلئے اپنی درخواست واپس لے لی ۔

اور اپنی ذات کو چھوڑ کر حق تعالی کی طرف آنا ان لوگوں کا شیوہ ہے جو اھل محبت ھیں اور یہ اس طرح ہے کہ ایک بلند مقام پر پڑے رھنے کی آفت سے بلند تر مقام پر پہنچ کر پہلی حالت سے توبہ کرے ۔ نیز اس بات سے توبہ کرے کہ اس کی نگاہ اپنے مرتبہ و مقام اور احوال پر ھی نہیں لگی رہے گی (۸) ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم ہر لحظہ بلند سے بلند تر مقام کی طرف عروج کئے جاتے تھے اور جب آپ کی نگاہ سابق مقام پر پڑتی تو استغفار کرتے اور اس بات سے استغفار کرتے کہ نگاہ بعد کے مقام پر نہیں جمی رہی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۵ ۔ قاضی عیاضؒ (م ۵۴۳ ھ) : (۹)

انہ لیغان الخ فرمانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ آپ کے دل پر حجاب آ جاتا تھا ۔ علماء نے اس کی تشریح کی ہے چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ حجاب امت کے غم کی وجہ سے تھا ۔ اللہ تعالی نے آپ کو آپ کی امت پر آئندہ آنے والے حالات سے آگاہ کر دیا تھا لہذا ان احوال کا خیال آنے سے یہ حجاب آ جاتا تو آپ امت کیلئے استغفار کرتے ۔

بعض کہتے ہیں : چونکہ آپ امت کے معاملات، ان کی مصلحت کی باتوں دشمن سے صف آرائی میں مصروف رہتے اور بعض لوگوں کو مالوف کرنے کی غرض سے ان سے مدارات سے پیش آتے اور یہ تمام عین اطاعت گزاری کے امور ہیں ۔ مگر اس کے باوجود ان امور میں مشغول ہو کر آپ اپنے بلند مقام اور عالی مرتبہ سے ہٹ گئے ہوتے ۔ اور بات بھی یہی ہے کہ بمقابلہ آپ کی بلند ہستی کے یہ نچلے درجے کے امور ہیں لہذا آپ استغفار کرتے ۔

بعض کہتے ہیں کہ ,,غین" اور ,,غیم" ایک ہی بات ہے اور اس کے معنی ہیں وہ رقیق بادل جو آسمان پر چھا جاتا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مذکورہ بالا امور میں مشغول ہو جاتے تو ان سے ایک قسم کا پردہ آپ کے دل پر آ جاتا جس کی وجہ سے آپ استغفار کرتے ۔

بعض کہتے ہیں : غین سے مراد سکینہ ہے جو آپ کے دل پر وارد ہوتا چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فانزل اللہ سکینتہ علیہ

اور آپ محض اظہار عبودیت کیلئے استغفار کرتے

بعض کہتے ہیں کہ ,,غین" سے مراد اللہ تعالی کا خوف اور اس کی عظمت

ہے جو آپ کے قلب مبارک پر وارد ہوتی اور اس کیفیت کے وارد ہونے پر آپ کا استغفار کرنا بطور شکر گزاری اور اظہار عبودیت کے تھا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے :

أفلا اکون عبداً شکورا

٦ ـ ابو القاسم عبدالکریم بن محمّد القزوینی الرّافعیؒ (م ٦٢٣ هـ) (١٠) :

اس حدیث پر سب سے اچھی اور مفصل بحث جو میری نظر سے گزری ہے وہ رافعی رحمۃ اللہ کی ہے ـ فرماتے ھیں:

ذرا سوچیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کس بات سے توبہ کرتے تھے اور جو غین آپ کے دل پر وارد ہوتا اس کے کیا معنی لئے جائیں ـ

اس حدیث کے بارے میں دو گروہ بن گئے ـ ایک گروہ نے سرے سے ھی اس حدیث کا انکار کر دیا اور آپ کے دل کو اس سے بلند و بالا قرار دیا کہ یہ حجاب میں آ سکے اور آپ استغفار کریں ـ ابو نصر نے کتاب اللمع میں اسی بات کو اختیار کیا ہے اور حدیث کو منکر قرار دیا ہے ـ مگر علماء حدیث نے اس حدیث کی صحت سے ابو نصر کے انکار کو درست قرار نہیں دیا کیونکہ یہ ایک صحیح حدیث ہے ابو نصر کیلئے مناسب نہ تھا کہ جس بات کا انھیں علم نہیں اس میں رائے زنی کریں ـ

جن لوگوں نے اسے ایک صحیح حدیث قرار دیا ہے ان کے بھی کئی گروہ ھو گئے چنانچہ بعض نے اس حدیث پر بحث کرنے سے گریز کیا ـ

شعبہ کہتے ھیں : میں نے اصمعی سے ,,لیغان علی قلبی،، کے معنی دریافت کئے تو فرمایا: یہ حدیث کس ھستی کا ذکر کر رھی ہے؟ ـ میں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ـ اس پر اصمعی نے کہا: اگر یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سوا کسی اور کے بارے میں ھوتی تو میں اس کی تشریح کر دیتا : رھا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دل تو یہ میری فہم سے بالا ہے ـ شعبہ اصمعی کے یہ الفاظ سن کر حیرت زدہ ھو گئے ـ

روایت ہے کہ جنید رحمۃ اللہ نے کہا : اگر اس میں نبی صلی اللہ علیہ

وآله وسلم کی حالت کا ذکر نہ ہوتا تو اس کی تشریح میں میں ضرور کچھ کہتا ۔ وہی شخص کسی دوسرے شخص کی حالت کے بارے کچھ کہہ سکتا ہے جو دوسرے کی حالت سے باخبر ہو اور جس ہستی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حالت کی خبر ہے وہ بہت بزرگ ہستی ہے ۔ (۱۱)

ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کس بات سے استغفار کیا ۔

جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے ان میں سے ایک گروہ کا طرز عمل وہ تھا جو ذکر ہو چکا ۔ دیگر لوگوں نے اپنے اپنے فہم کی رسائی کے مطابق اس حدیث پر بحث کی ہے ۔

اس میں بھی ان کے دو طریقے ہو گئے ایک نے غین سے مراد عمدہ حالت اور وہ بلند مرتبہ لیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شایاں اور آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص تھا اور استغفار سے مراد آپکا عجز و انکسار کرنا، رب کا حاجتمند رھنا اور دائمی عبودیت کا اظہار ہے ۔ لہذا بعض نے غین سے سکون اور طمانیت مراد لی ۔

ابو سعید خراز رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : غین تو صرف انبیاء اور اکابر اولیاء کو نصیب ہوتا ہے کیونکہ ان کے باطن پاک و صاف ہوتے ہیں اور یہ غین اس رقیق بادل کی طرح ہوتا ہے جو دیرپا نہیں ہوتا ۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ غین سے وہ کیفیت مراد لی جائے جو کامل تر اور بلند تر کیفیت پر طاری ہو جائے چنانچہ جب آنحضرت کی یہ کیفیت ہوتی تو اس سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے استغفار کرتے ۔

پھر اس کی بھی کئی تاویلیں کی گئیں ۔ بعض نے کہا کہ اس غین کا سبب وہ واقعات تھے جو امت سے پیش آنے والے تھے اور اللہ تعالی نے آپکو ان کی اطلاع دے دی تھی اور جب آپکی توجہ ان واقعات کی طرف ہو جاتی تو غین طاری ہوتا اور آپ امت کیلئے استغفار کرتے ۔

بعض کہتے ہیں: اس غین کا سبب یہ تھا کہ آپ کیلئے اسلام کی تبلیغ کرنا

اور مخلوق کا مشاهده کرنا لازمی امر تھا اور آپ کی خواهش یه رهتی که آپ کا وقت خالص الله کے ساتھ گزرے لہذا آپ استغفار کرتے ۔

بعض کہتے هیں : که اس کا سبب قریش کی هٹ دهرمی اور سرکشی تھی ۔

بعض کہتے هیں که اس کا سبب یه تھا که آپ کو ابو طالب کے اسلام لے آنے کی خواهش تھی ۔

بعض کہتے هیں : که آنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم مسلسل ایک درجه سے دوسرے درجے تک ترقی کرتے چلے گئے لہذا جب اوپر کے درجے پر پہنچتے اور نچلے درجے کی طرف نگاه کرتے تو خیال کرتے که پہلے درجے میں مجھ سے کوئی کوتاهی هوئی هو گی تو دل پر جو کیفیت طاری هوتی اسی کو غین کہا گیا لہذا آپ استغفار کرتے ۔ میرے والد اسی کو پسند کیا کرتے اور اسی کو بیان کرتے تھے ۔

۷ ۔ ابو عبدالله محمّد الوشتانی الابّی المالکیؒ (م ۸ ۔ ۸۲۷ هـ) : (۱۲)

یه غین احکام الٰهیه کی خلاف ورزی کا غین نه تھا ۔ الله تعالی نے آپ کو اس سے کلیته پاک بنا رکھا تھا ۔ اس حدیث کی بہت سی تاویلیں کی گئی هیں ۔ احسن ترین تاویل یه ہے که آنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم هر روز ترقی کرتے کرتے بلند تر مقامات پر چلتے جاتے تھے ۔ جب اوپر والے مقام پر پہنچ کر نچلے مقام پر نگاه ڈالتے تو اسے گناه تصور کرتے لہذا استغفار کرتے حالانکه آپ کے ادنی ترین مقام کو بھی کوئی بشر نہیں سمجھ سکتا ۔

۸ ۔ ابو عبدالله محمّد بن محمّد بن یوسف السنّوسیؒ (م ۸۹۵ هـ) (۱۳) :

یه خیال هـــر گز دل مـیں نهـیں آنا چاهئے کـــه نعوذ بالله کسی گنـــاه کی وجه سے آنحضرت صلی الله علیه و آله وسلم کے قلب مبارک پر زنگ کا اثر پڑا جس طرح گناه گاروں کے دلوں پر پڑتا ہے ۔ اس غین کی تشریح میں علماء کی مختلف رائیں هیں ۔

بعض کہتے هیں که غین سے مراد وقفه ہے ۔ کیونکه آپ کی عادت تھی که دائمی ذکر میں رهتے لہذا جب اس سے ذرّه بھر سستی یا غفلت واقع هوتی تو اسے گناه تصور کرتے هوئے استغفار کرتے ۔

بعض کہتے ہیں : اللہ تعالی نے آپکو ان حالات و واقعات کی خبر دے دی تھی جو آپ کے بعد آپ کی امت کو پیش آنے والے تھے ۔ ان کا خیال آنے سے آپ فکرمند ہو جاتے ۔ چونکہ آپ اس کیفیت کو اپنے مقام سے نیچے اتر کر دل پر لاتے لہذا اسے گناہ تصور کر کے استغفار کرتے حالانکہ بات صرف اتنی ہوتی کہ آپ بلند و ارفع ، مقام سے ادنی مقام کی طرف اتر آتے تھے ۔

بعض کہتے ہیں : اس سے وہ سکینہ اور اطمینان مراد ہے جس کا نزول آپ کے دل مبارک پر ہوتا اللہ تعالی فرماتے ہیں : فأنزل اللہ سکینتہ علیہ ۔ (اللہ تعالی نے آپ پر اپنا سکینہ نازل فرمایا) اور آپ اس پر جو استغفار کرتے وہ شکر گزاری اور عبودیت کے اظہار کی غرض سے ہوتا نیز اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے کہ آپ ہر لحظہ اللہ کی رحمت کے محتاج ہیں ۔

محاسبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کا جو خوف ملائکہ اور انبیاء کو ہوتا ہے وہ اللہ تعالی کی عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے حالانکہ اللہ نے انہیں خوف سے محفوظ قرار دے رکھا ہے ۔ ان کا استغفار کرنا شکر گزاری کی غرض سے ہوتا ہے نہ کہ حجاب کی وجہ سے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خود فرماتے ہیں :

فی الیوم مائۃ مرۃ

اس حدیث میں آپ نے دو الگ الگ باتوں کا ذکر کیا ہے ۔ ان میں کسی ایک کا دوسری کے ساتھ تعلق نہیں (۱۴) ایک طرف غین کا ذکر ہے اور دوسری طرف استغفار کا ۔

آخر میں سنوسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ان تمام تاویلات کی کوئی ضرورت نہیں ۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ آپ ہر روز ایک مقام سے ترقی کر کے بلند تر مقام کو جاتے تو آپ اپنے پہلے مقام کو بمقابلہ دوسرے مقام کے ,,غین،، شمار کرتے لہذا استغفار کرتے ۔

۹ ۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ ھ) : (۱۵)

آپ یہ استغفار عاجزی کی بنا پر کریں اور یہ ظاہر کرنے کیلئے کریں کہ

جس قدر عبادت گزاری آپ نے باری تعالی کی جناب کیلئے کی ہے اس میں آپ سے کوتاھی ھوئی ہے۔ (١٦) نیز اس لئے بھی کہ آپ کی امت آپکے عمل کو معمول بنا لے ۔ چنانچہ آپ نے ایسا ھی کیا اور فرمایا :

انہ لیغان علی قلبی و انی أستغفر اللہ فی الیوم مائة مرة

اس حـــدیث کی روایت مسلم ، احمد، ابو داؤد اور نسائی نے کی ہے۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ھیں: آپ کے دل کے ,,غین،، سے مراد وہ کیفیت ہے جو موجودات کی ظلمت کو دیکھ کر صوفی کے دل پر وارد ھوتی ہے اور اس وقت وہ اپنے کمالات کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرتا ہے۔

۱۰ ـ یوسف النبھانیؒ (م ۱۳۵۰ ھـ) (١٧) :

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قلب مبارک پر جو ,,غین،، واقع ھوتا اس سے مراد دوام ذکر اور مشاھدۂ حق سے قدرے غافل ھونا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت کو بشری آلام جھیلنا پڑتے امت کے لئے تدابیر کرنا ھوتیں وغیرہ وغیرہ امور ـ

ابو الحسن شاذلی رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا : میں نے نبی صلی اللہ علیہ آلہ و سلم کو خواب میں دیکھا تو آپ سے انہ لیغان علی قلبی و الی حدیث کا ذکر کیا ـ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اے نیک بخت اس سے مراد تجلیات الھیہ کے انوار کا غین ہے نہ کہ اغیار کا غین ـ

۱۱ ـ راقم کا ذاتی تبصرہ :

میں نے علماء کی چند تشریحیں پیش کر دی ھیں ـ آپ نے ملاحظہ کر لیا ھوگا کہ کسی ایک عالم نے بھی غین سے غین ظلمت یا عصیان مراد نہیں لیا اور عصمت انبیاء کے عقیدے کے ھوتے ھوئے ایسا کیونکر ھو سکتا ہے۔

ان بزرگوں کی تشریحات کے بعد بندہ ھیچ میرز بھی ایک تشریح پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے :

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ متوفی ۱۲۲۵ ھـ فرماتے ھیں: (١٨)

میرے نزدیک تحقیق شدہ امر وہی ہے جو صوفیہ علیہ نے کہا ہے کہ سلوک میں اہل اللہ کے دو مقام ہوتے ہیں ایک مقام عروج اور اس مقام میں بندہ بشری صفات سے نکل کر ملکی اور قدسی صفات کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو رمضان کے علاوہ مسلسل روزے رکھنے سے منع فرماتے ہوئے کہا :

لست کھیئتکم أبیت عند ربی یطعمنی و یسقینی

میں تمہاری طرح کا نہیں ہوں میں تو شب بھر اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہ مجھے کھانے کو بھی دیتا ہے اور پینے کو بھی

تو آپ کا اشارہ اسی مقام کی طرف تھا۔ اسے صوفیہ کی اصطلاح میں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہا جاتا ہے۔

اور دوسرا مقام مقامِ نزول ہے۔ اس طرح کہ صفات ملکیہ اور صفات قدسیہ سے نکل کر دوبارہ صفات بشریہ میں آ جائیں۔ یہی تکمیل کا مقام ہے اور اسی مقام میں رہ کر آپ مخلوق کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دے سکتے تھے۔ اس مقام کو سیر من اللہ باللہ کہا جاتا ہے۔ مقام نزول میں آنے میں یہ حکمت پائی جاتی ہے کہ فیض دھندہ اور فیض یابندہ کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری امر ہے تاکہ فیض یابندہ کیلئے فیض یاب ہونا آسان ہو جائے۔ اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ کا بیان ختم ہوا۔

راقم کہتا ہے کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقام عروج کا علم آنحضرت کے فرمان لست کھیئتکم الخ سے ہوتا ہے جیسا کہ قاضی صاحب نے بیان کیا۔ اس کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں:

لی وقت لا یسعنی فیہ غیر ربی (۱۹)

یہ احادیث پیش کرنے کے بعد راقم انہ لیغان علی قلبی کی تشریح کی طرف آتا ہے:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقام عروج پر ہوتے ۔ تجلیات الٰہیہ اور برکات ذوالجلال کی بارش آپ پر ہو رہی ہوتی تو آپ کی اس کیفیت کو نہ کوئی فرد بشر سمجھ سکتا تھا اور نہ اس حالت میں کوئی آپ کے قریب آ سکتا تھا ۔ لہذا اس حالت میں فیض رسانی فیض یابی کیونکر ہو سکتی تھی آپ کا دنیا میں آنے کا اصل مقصد مخلوق کی ھدایت اور لوگوں کو اللہ تعالی کی طرف لانا تھا اور یہ کام اس حالت میں نہیں ہو سکتا تھا لہذا اس مقصد کو پورا کرنے کیلئے ضروری تھا کہ آپ ملکوتی صفات اور فوق البشری کیفیت سے اتر کر بشری کیفیت میں آئیں تاکہ آپ میں اور امت میں اور ان لوگوں میں جنھیں آپکو اسلام کی دعوت دینا تھا مناسبت پائی جائے ۔ اور یہ مقام آپکا مقام نزول ہوتا ۔

قاضی ثناء اللہ (۲۰) پانی پتی فرماتے ھیں : شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ھیں؟ لوگوں نے نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ نوح علیہ السلام میں اور ان کی امت میں مراتب کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا گیا اس لئے کہ دونوں میں مناسبت پائی جاتی تھی اس سے میری مراد یہ ہے کہ چونکہ نوح علیہ السلام مقام عروج پر ہوتے اور عوام کی استعداد نہایت پست ہوتی لہذا اتنے بڑے فرق کے ہوتے ہوئے عوام پر کوئی اثر نہیں ھو سکتا تھا اور چونکہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم انتہائی نزول کے مقام پر آ جاتے تو دونوں میں مناسبت کی وجہ سے لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیتے راقم کہتا ہے کہ اس میں غین کے دو پہلو نکلتے ھیں ۔ ایک یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مقام عروج سے مقام نزول میں آ جاتے اور پھر آپ کا خیال اسی مقام عروج کی طرف جاتا اور سوچتے کہ وہ تجلیات و انوار جن میں میں ابھی تھا کدھر گئے اور اس کو آپ غین خیال کرتے اور اپنے کو مقام نزول میں پاکر استغفار کرتے ۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت کا مقصد

اولین ہدایت خلق تھا اسی لئے فرمایا :

یا ایھا الرسول بلغ، ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته

(اے پیغمبر جو کچھ آپ کی طرف بذریعہ وحی اتارا گیا ہے۔ وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے تبلیغ رسالت کا فریضہ ادا نہیں کیا)

مقام عروج میں ہوتے ہوئے یہ فریضہ ادا نہیں ہو سکتا تھا اور جب تک یہی کیفیت رہتی اس فریضہ کے ادا کرنے میں وقفہ ہوتا لہذا آپ جب اس مقام سے اتر کر مقام نزول میں آتے اور "صحو" کی حالت ہوتی تو خیال کرتے کہ مجھ سے تبلیغ دین میں کوتاہی ہوتی لہذا استغفار کرتے۔

مختصر یہ کہ یہ غین نہ غین ظلمت تھا نہ غین معصیت نہ کوئی اور ایسی چیز بلکہ یہ غین عین انــوار و برکات تھـا اور یہ کیفیت اللہ عزوجل اور اس کے بندے محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مابین ہوتی جس کی حقیقت کو یا حق تعالی جانتے ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔

میان عاشق و معشوق رمزے است چه داند آنکــه اشتر می چراند

محمد حسن

٦ ٨٠ ـ ایف ، سیٹلائٹ ٹاؤن ـ راولپنڈی

حواشی

۱) صحیح مسلم ، کتاب الذکر ـ باب استحباب الاستغفار و الاستکثارمنه ـ

۲ ـ طبقات الصّوفیة، ص ۳۹۳

۳ ـ ابو ابراهیم المستملی، شرح تعرّف، مطبع نولکشور لکهنؤ ۱۳۲۸ ھ چار جلدیں، جلد ۳ ، ص ۱۰۷

۴ ـ رساله قشیریه ، طبع مصر ۱۳۵۹ ـ ۱۹۴۰ ـ ص، ۳۳

۵ ـ سید علی بن عثمان هجویری ، کشف‌المحجوب ، تحقیق و التنین ژوکوفسکی، سال و مقام طبع ندارد، ص، ۵۰۶ ـ ۵۰۷

۶ ـ ایضاً ص، ۳۸۳ ـ

۷ ـ مراد یہ ہے کہ ان میں معصیت پائی ہی نہیں جاتی کہ اس سے توبہ کریں ـ

۸ ـ بلکہ مقام و احوال دهنده، یعنی خدا کی طرف لگی رہے گی ـ

۹ ـ قاضی ابو الفضل عیاض بن موسی الیحصبی، مشارق الانوار علی صحاح الآثار، مطبعة عتیقة، دارالتراث . ج ۲ ، ص ۲۳۲

۱۰ ـ تاج الدّین عبدالوهاب السّبکی ، طبقات الشافعیة الکبرٰی، المطبعة الحسینیة، مصر، الطبعة الاولی چھ جلدیں، ج ۵ ، ص ۱۲۳

۱۱ ـ مراد یہ کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو آنحضرت کی کیفیت کا علم نہیں ہو سکتا ـ صوفیہ کے ہاں یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ نچلے درجے والا اپنے سے بلند درجے کے دل کی کیفیت معلوم نہیں کر سکتا ـ

۱۲ ـ ابو عبداللہ محمّد بن خلفة الوشتانی الإبّی المالکی، إکمال إکمال المعلّم، شرح مسلم مطبعة السّعادة مصر، سات جلدیں، ۱۳۲۷ ھ (اسی کے حاشیے پر محمد بن محمد بن یوسف السنّوسی کی شرح اکمال الاکمال بھی موجود ہے) ـ ج، ۷ ص، ۱۲۹ ـ ۱۳۰

۱۳ ـ حوالۂ سابقہ ـ

۱۴ ـ مراد یہ کہ آپ کا استغفار کرنا ,,غین،، کی وجہ سے نہیں ہے ـ

۱۵ ـ تفسیر مظهری، ندوة المصنفین دهلی، ج ۸، ص ، ۳۳۱ ـ ۳۳۲ ، سورۂ محمّد ، آیت ,,فاعلم انّه لا اله الاّ الله واستغفر لذنبک،، ـ .

۱۶ ـ کیونکہ اللہ تعالی کے حقوق کو کماحقّہ کوئی ادا نہیں کر سکتا ـ اسی لئے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے: لانحصی ثناءً علیک ـ أنتَ کما أثنیتَ علی نفسک .

۱۷ ـ یوسف النبهانی الانوار المحمّدیّة من المواهب اللّدنّیّة، مکتبة ایشیق استانبول ترکیه، ۱۳۹۵ ـ ۱۹۷۵ ، دو جلدیں ـ ج، ۱ ، ص ، ۳۰۷

۱۸ ـ تفسیر مظهری، ج ، ۱، ص ۳۷۱ ؛ زیر آیت ,,قال أولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئنّ قلبی،، ـ

۱۹ ـ یہ حدیث ان الفاظ میں حافظ حدیث عبدالکریم بن هوازن قشیری رحمة الله متوفی ۴۶۵ ھ نے پیش کی ہے (رسالہ قشیریہ : ۳۵ طبع مصر ۱۳۰۹ : ۱۹۴۰) علم حدیث میں قشیری رحمہ اللہ کا مرتبہ اهل علم سے مخفی نہیں ـ اگر ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو وہ اسے پیش نہ کرتے ـ اس حدیث کو ان الفاظ میں بھی روایت کیا جاتا ہے

لِیْ مَعَ اللہ وقت لایَسَعُ فیه مَلَک مُقَرّبٌ ولا نبی مُرسَلٌ

اس حدیث کے بارے میں شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی متوفی ۹۰۲ھ فرماتے ھیں (المقاصد الحسنة طبع باھتمام مولوی محمد معشوق علی صفحہ ۱٦۸) : صوفیہ اکثر اس حدیث کا ذکر کرتے ھیں ۔ ھو سکتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کی روایت بالمعنی ھو جسے ترمذی نے شمائل میں اور ابن راھویہ نے اپنی مسند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لاتے تو گھر کے اوقات یوں تقسیم فرماتے ایک حصہ اللہ کیلئے ایک گھر والوں کیلئے اور ایک اپنی ذات کیلئے ۔ پھر اس حصّے کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرتے ایک اپنے لئے اور ایک لوگوں کیلئے :

مفسّر محدث شیخ اسماعیل بن محمد العَجلونی الجراحی المتوفی ۱۱٦۲ھ اس حدیث کے متعلق لکھتے ھیں (کشف الخفا و مزیل الا لباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنة الناس مکتبہ قدسی ۱۳۵۱ نمبر ۲۱۵۹) صوفیہ اس حدیث کا اکثر ذکر کرتے ھیں اور اس کے بعد رسالہ قشیریہ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی گئی ہے

لآلیٔ میں بھی اسی طرح دیا ہے اور انھوں نے مزید بات یہ کہی ہے کہ خطیب نے اس حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے متعلق حافظ د میاطی فرماتے ھیں کہ یہ سند بالکل ایسی سند ہے جو ایک صحیح حدیث کی ھونی چاھئیے ۔

ملا علی قاری یہ حدیث پیش کرنے کے بعد کہتے ھیں: یوں معلوم ھوتا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مَلَک مقرب سے جبرئیل اور نبی مرسل سے ابراھیم خلیل صلوات اللہ علیہ مراد لی ہے ۔ پھر فرماتے ھیں: اس حدیث میں اس مقام استغراق کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جسے سُکر محو اور فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

مذکورہ بالا حدیث کے متعلق سخاوی اور عجلونی کے حوالے حضرت مولانا قاضی ارشاد الٰہی فیضی ساکن لودے تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی نے نکال کر مجھے دیئے جس کیلئے میں ان کا شکر گذار ھوں ۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء (افسوس کہ اس مدت دراز گذرنے میں مولانا مرحوم وفات پا چکے ھیں ۔ خدا انھیں جنت نصیب کرے) ,,آمین،،

۱ - باب

ابوالقاسم علی بن امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد بن جوزی اور ابواسمعیل بن علی بن باتکین جوھری اور ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد بن متوکل علی اللہ اور ابوالمنجا عبداللہ بن عمر بن علی بن زید بن اللیثی اور دیگر لوگوں نے بغداد سے ہمیں لکھ کر بھیجا - نیز ام الفضل کریمہ ۶۴۳ھ دختر عبدالوھاب بن علی بن خضر قرشیہ نے دمشق سے لکھا اور ان تمام نے ابوالوقت عبدالاول بن عیسی بن شعیب بن اسحاق سجزی صوفی ھروی مالینی سے روایت کی - وہ کہتا ہے کہ مجھے ابونصر احمد بن ابونصر کوفانی نے بتایا جب ۴۶۵ھ کے کسی مہینے میں ہم نے یہ کتاب ان سے پڑھی - وہ کہتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب ابومحمد حسن بن محمد خبوشانی سے پڑھی اور وہ کہتا ہے کہ ہمیں ابونصر عبداللہ بن علی طوسی سراج نے بتایا کہ ابونصر کہتے ھیں :

تعریف کے لائق وہ ہستی ہے جس نے اپنی قدرت سے مخلوق کو پیدا کیا اور اپنی کاریگری کے آثار اور ربوبیت کے شواھد کے ذریعے سے اپنی معرفت کی طرف ان کی رھنمائی کی اور مخلوق میں سے برگزیدہ اور بہترین لوگ منتخب کئے - ان میں سے جسے چاھا ، جیسے چاھا اور جس مرتبہ کیلئے چاھا مخصوص کیا اور انہیں اپنی ذات کے متعلق علم و فہم جس قدر چاھا عطا کیا اور پھر جو حکم چاھا کیا اور انہیں راہ راست اور توفیق عطا کی - ان میں اسی طرح تفاوت رکھا جس طرح کا تفاوت لوگوں کے اخلاق ، رزق ، مدت حیات اور اعمال میں پایا جاتا ہے - چنانچہ علم کی جو بات لوگوں کو معلوم ہے اور جو چیز بھی فہم کے اندر آسکتی ہے وہ یا تو کتاب اللہ میں موجود ہے یا وہ (ص ۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے - یا یہ وہ علم ہے جو اللہ نے اپنے ولیوں کے دلوں پر منکشف کر دیا تاکہ جسے ھلاک ھونا ہے دلیل سے ھو اور جسے زندہ رھنا ہے دلیل سے زندہ ھو جائے - اللہ سمیع و علیم ہے - اور درود و سلام اس مقدم و معظم نبی پر ھو جو تمام انبیاء سے افضل ھیں - جو اولیاء کے سورج اور اصفیاء کے چاند ھیں میری مراد محمد صلی اللہ علیہ و سلم سے ہے جو اللہ کے بندے اور رسول ھیں - نیز آپ کی آل پر بہت سا درود و سلامتی ھو -

اس درود و سلام کے بعد میں کہتا ھوں کہ میں نے اللہ سے استخارہ کرکے کچھ ایسے باب جمع کئے جن میں میں نے بتایا کہ اھل تصوف کا کیا مذھب تھا - ان کے قدیم مشائخ نے

صوفیہ کے علوم کی تشریح کرتے ہوئے کیا کچھ کہا ہے۔ ان کے بنیادی اصول کیا ہیں ، ان کے منھب کی بنیاد کس پر ہے نیز میں نے ان کے حالات ، اشعار ، مسائل ، جوابات ، مقامات اور احوال کا ذکر کیا ہے ۔ اور ان لطیف اشاروں اور فصیح عبارتوں کا ذکر کیا ہے جو ان ہی کا حصہ ہیں ۔ ان مشکل الفاظ کا ذکر کیا ہے جو ان کے اصول کے مطابق درست ہیں ۔ ان کے حقائق ، وجد ، اور فصول کا ذکر کیا ہے۔ میں نے ہر فصل میں سے تھوڑا تھوڑا حصہ بیان کیا ہے اور ہر اصل میں سے چیدہ چیدہ باتیں لی ہیں ۔ ہر بات میں سے اشارے لئے ہیں ۔ ہر اصل میں سے چمکارے اخذ کئے ہیں جیسا موقعہ اور محل نظر آیا اور وقت میں گنجائش پائی اور جس قدر اللہ کی عنایت ہوئی ۔ میں نے اس میں ان لوگوں کا طریقہ اختیار کیا ہے جو اس راہ میں نمونہ ، پیش رو ، صاحب بیان اور حجت مانے جاتے ہیں ۔ تاکہ دیکھنے والا بیداری ، آگاہی ، حضورقلب اور نفس کا (تمام دیگر امور سے) فارغ ہونے کے وقت ، خوب غور و فکر ، تدبر ، تأمل ، خلوص نیت ، پاک دلی اور صحیح ارادے کے ساتھ ان پر غور کرے۔ اس سے(اس کا مقصد)اللہ کل قرب حاصل کرنا ہو اور وہ اس بات کا شکر گزار ہو کہ اللہ نے اسے صحیح راہ پر لگایا ہے ، اسے توفیق دی ہے اور اس گروہ کی دوستی کی راہ دکھائی ہے اور ان لوگوں سے دشمنی رکھتا ہو جو ان لوگوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ان کا اور ان گذشتہ اسلاف کا انکار کرتے ہوئے ان کے خلاف زبان درازی کرے ۔ خدا ان صوفیہ اور ان کے اسلاف سے راضی ہو ، اگرچہ ان لوگوں کی تعداد کم ہے مگر اللہ کے ہاں ان کی قدر و منزلت بہت بڑی ہے۔ ہمارے اس دور میں جو عقلمند لوگ ہیں انہیں اس جماعت کے اصول اور مقاصد کا علم ہونا چاہئے نیز ان صوفیہ میں جو صحیح طریقے والے اور صاحب فضیلت لوگ تھے ان کا طریقہ انہیں معلوم ہو تاکہ وہ ان میں اور ان لوگوں میں جو ان سے مشابہت رکھتے ہوں ، ان کا سا لباس پہنتے ہوں اور ان کے نام سے موسوم ہوتے ہوں امتیاز کر سکیں اور ان سے اس بارے میں نہ کوئی غلطی ہو اور نہ وہ گناہ گار بنیں اس لئے کہ یہ گروہ ، میری مراد(ص ۳) صوفیہ سے ہے۔ اللہ کی زمین میں اللہ کا امین اور اسرارالہیہ اور علم الٰہی کا خازن ہے۔ اس کی مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہیں ۔یہی اللہ کے مخلص بندے ، پرہیزگار ولی اور سچے اور صالح دوست ہیں ۔ ان میں سے بعض تو نیک ، سبقت لے جانے والے ، نیکوکار ، مقرب ، ابدال اور صدیق ہیں ۔یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے اپنی معرفت کے ساتھ زندہ کیا ہے اور جن کے اعضا کو اپنی خدمت سے مزین کیا ہے۔ اپنے ذکر سے ان کی زبانوں کو رونق بخشی ہے اور ان کے باطن کو اپنے مراقبہ کے ذریعے سے پاس کیا ہے۔ روزازل سے ہی اللہ نے ان کیلئے نیکی لکھ رکھی ہے اس لئے کہ اللہ انہیں اپنی نگاہ میں رکھتا ہے اور ہر وقت ان کا خیال رکھتا ہے لہذا اس نے انہیں ولایت کا تاج پہنا رکھا ہے اور ہدایت کے دوشالے اوڑھائے ہوئے ہیں ۔ انکے دلوں کو اپنی مہربانی سے اپنی طرف مائل کر رکھا ہے اور اپنے لطف سے انہیں اپنی

بارگاہ میں جمع کر رکھا ہے (جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا) کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ ہو کر ماسوا سے مستغنی ہو جاتے ہیں اللہ کو غیراللہ پر ترجیح دیتے ہیں ۔ اسی کے ہو لیتے ہیں ، اسی پر بھروسا کرتے ہیں ، اسی کے در پر لگے رہتے ہیں ، اسی کی قضا پر راضی رہتے ہیں اور اس کی آزمائش پر صابر ۔ اس کی خاطر اپنے وطن اور بھائی بندوں کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ اس کی رضا کیلئے اپنی تمام قرابت داریوں اور دنیاوی اسباب کو خیرباد کہتے ہیں ۔ ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیتے ہیں ۔ مخلوق سے بھاگتے ہیں تاکہ انہیں اللہ کے ساتھ انس حاصل ہو اور غیراللہ سے وحشت ، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور لوگوں پر اللہ کی بہت عنایات ہیں ان میں سے بعض اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں ۔ آپ انہیں فرما دیں تعریف کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے اور سلامتی اللہ کے ان بندوں کیلئے ہے جنہیں اس نے منتخب کر لیا ہے ۔

یاد رکھو آج کل بہت سے لوگ اس گروہ کے علوم میں دخل انداز ہو گئے ہیں اور ایسے لوگوں کی بھی کثرت ہوگئی ہے جو اپنی صورت اہل تصوف کی سی بنا لیتے ہیں اور (اپنی گفتگو کے دوران) اسی علم کی طرف اشارہ کرتے ہیں (اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اہل تصوف اور تصوف کے مسائل سے متعلق سوالات کے جوابات بھی دئے ہیں ۔ ان میں سے ہر شخص نے ایک آدھ کتاب بھی اپنی طرف منسوب کر رکھی ہے جسے انہوں نے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا ہے ۔ کچھ باتیں گھڑلی ہیں اور کچھ جوابات بھی بنا رکھے ہیں ۔ مگر یہ بات انہیں نہیں بھاتی کیونکہ وہ قدیم صوفیاء اور مشائخ جنہوں نے ان مسائل پر بحث کی ہے اور ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور حکمت کی باتیں انہوں نے کی ہیں انہوں نے یہ سب ؟ ۔ تمام تعلقات منقطع کرنے ، مجاہدات ، ریاضت ، منازلت ، وجد ، جلنے ، پھل کرنے اور ہر اس تعلق کو توڑنے کے بعد کیا ہے جو انہیں اللہ سے ایک لحظہ کیلئے بھی منقطع کر دے ۔ انہوں نے پہلے اس علم کی شرائط کی پابندی کی پھر اس پر عمل کیا(ص ۴) پھر عمل کرتے کرتے حقیقت تک پہنچے چنانچہ ان میں تینوں باتیں پائی گئیں علم ، حقیقت اور عمل ۔

ابونصر فرماتے ہیں : میں نے اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے ان میں سے اکثر بیانات کی اسناد حزف کردی ہیں میں نے اختصار کی غرض سے واقعات ، حکایات اور آثار کے صرف متن پر اکتفا کیا ہے لہذا جو کچھ بیان کروں گا اگر درست ہوگا تو یہ اللہ کی مہربانی کی وجہ سے ہوگا اور اس پر میں اللہ کا شکرگزار ہوں گا اور جہاں غلط بات کہدوں یا مجھ سے کمی یا بیشی ہو جائے تو میں اس کا قصوروار ہوں گا جس کی میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں ۔ میں نے اس کتاب میں متقدمین صوفیہ کے جوابات اور ان کے الفاظ درج کئے ہیں

کیونکہ اس طرح میں ان تکلفات سے بے نیاز ہو جاتا ہوں جو ہمارے زمانے کے متاخرین ان علوم پر گفتگو کرتے ہوئے یا کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے یا اس علم کو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے کرتے ہیں حالانکہ وہ ان کے حقائق اور احوال سے عاری ہوتے ہیں۔

جن متقدمین کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کے کلام میں سے جس کسی نے ان کی کیفیات میں سے کوئی کیفیت اخذ کی اور یہ کیفیات ان کے احوال، وجد اور استنباط کئے ہوئے مسائل ہیں۔ پھر اس نے انہیں اپنی طرف سے اسے کوئی زیور پہنا دیا یا انہیں کسی اور ہی عبارت میں پیش کیا یا اسے اپنی ہی طرف منسوب کر لیا تاکہ لوگ اسے اس کی اپنی طرف سے سمجھیں یا اس کے ذریعے وہ لوگوں میں جاہ کا طالب ہو یا لوگوں کی نگاہیں اپنی طرف پھیرنا چاہے تاکہ اسے اس طرح کوئی فائدہ حاصل ہو یا کسی ضرر کا دفعیہ کر سکے تو وہ اللہ کے ہاں اس کا جوابدہ ہوگا اس لئے کہ اس نے امانت میں خیانت کی ہوگی اور یہ خیانت اس خیانت کے مقابلے میں جو دنیاوی سامان و اسباب میں کی جاتی ہے کہیں زیادہ بری ہوگی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی چالوں کو راہ نہیں پانے دیتا اور اللہ ہی کی مدد سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔

باب ـ ۲

علم تصوف، مذہب صوفیہ اور ان کی اس منزلت کا بیان جو انہیں ان اہل علم لوگوں میں حاصل ہوتی ہے جو عدل و انصاف کے علمبردار ہوتے ہیں

شیخ ابونصر فرماتے ہیں: کسی نے مجھسے درخواست کی کہ میں علم تصوف اور مذہب صوفیہ کی وضاحت کروں۔ اس شخص کا خیال یہ تھا کہ لوگ تصوف کے متعلق مختلف الخیال ہیں چنانچہ کچھ لوگ تو اسے فضیلت دینے میں غلو سے کام لیتے ہیں اور اسے اس کے حقیقی مرتبے سے بلندتر خیال کرتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ عقل کی حد سے باہر اور غیر ممکن الحصول چیز ہے اور بعض یہ خیال کرتے ہیں (ص ۵) کہ یہ ایک قسم کا لہو و لعب اور اپنی جہالت کی طرف سے بے اعتنائی کا نام ہے اور بعض اسے تقوی، تقشف، صوف کا لباس پہننے اور کلام اور لباس وغیرہ میں صفائی رکھنے میں تکلف کرنے کا نام بتاتے ہیں۔ بعض ان پر نکتہ چینی کرنے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں انہیں برے الفاظ سے یاد

کرتے ھیں یہاں تک کہ انہیں زندیق اور گمراہ کہتے ھیں ۔ اس شخص نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے مذھب کے ان اصولوں کی تشریح کروں جو میرے نزدیک ثابت ھو چکے ھیں کہ یہ ٹھیک ان ھی کے اصول ھیں جن کی تائید و شہادت کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور صحابہ اور تابعین کے اخلاق کو اپنانے اور صالحین کے آداب اختیار کرنے سے ھوتی ہے ۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے پیش کروں تاکہ حق حق ثابت ھو اور باطل باطل ، اور سنجیدگی اور ھنسی اور صحیح اور سقیم کے درمیان امتیاز ھو سکے اور اس کی ھر نوع اپنے مناسب مقام پر بیان کی جائے کیونکہ علوم دین میں سے یہ بھی ایک علم ہے ۔

چنانچہ میں کہتا ھوں اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے کہ اللہ تعالی نے مؤمنوں کو اللہ کی کتاب کو مضبوط پکڑنے اور جو خطاب اللہ نے انہیں کیا ہے اس پر کاربند رھنے کا حکم دے کر دین کو مظبوط کر دیا ہے اور ان کے دلوں سے شبہ کو دور کر دیا ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

(۱)واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا

تم سب مل کر اللہ کے عہد پر کاربند رھو اور الگ الگ نہ ھو جاؤ

نیز فرمایا :

(۲)و تعاونوا علی البر والتقوی

نیکی اور تقوی (کی بناء پر) ایک دوسرے کی مدد کیا کرو ۔

اس کے بعد اللہ نے ان مؤمنوں کا ذکر کیا ہے جو اس کے نزدیک سب سے افضل ھیں اور دین میں جن کا رتبہ سب سے اعلی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کا ذکر اپنے فرشتوں کے بعد کیا ہے چنانچہ اللہ نے پہلے اپنا ذکر کیا اور دوسرے مرتبہ پر ملائکہ کا پھر اللہ نے اس بات کی گواھی دی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی وحدانیت کے قائل ھیں چنانچہ فرمایا:

(۳)شھداللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولواالعلم قائماً بالقسط

اللہ گواھی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ملائکہ بھی گواہ ھیں اور صاحب علم بھی جو حق و عدل کی بات پر قائم ھیں ۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

علماء انبیاء کے وارث ھیں

مگر میری نزدیک ، اللہ بہتر جانتا ہے ، یہ ہے کہ جو اولوالعلم عدل و انصاف کو قائم رکھتے ھیں اور انبیاء کے وارث ھیں وہ صرف وہ لوگ ھیں جو کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ھوئے ھیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تابعداری میں کوشاں رھتے ھیں اور جو صحابہ اور

تابعین کی پیروی کرتے ہیں اور جو اللہ کے متقی ولیوں اور نیک بندوں کی راہ پر چلتے ہیں ۔ اور ان کی تین قسمیں ہیں(۱)اصحاب حدیث(۲) فقہاء(۳) اور صوفیہ لہذا یہی تین گروہ ہیں جو ۔اولوالعلم القائمین بالقسط۔ میں سے ہیں اور یہی لوگ انبیاء کے وارث ہیں ۔ اسی طرح علم کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ۔ ان علوم میں سے علم دین کی تین قسمیں ہیں ۔ علم قرآن ، علم سنت اور بیان اور تیسرا علم حقائق ایمان (ص٦) یہی وہ علوم ہیں جو ان تینوں قسموں کے علماء کے ہاں مروج ہیں ۔ تمام دینی امور ان تین صورتوں سے باہر نہیں ہو سکتے ، یا تو یہ قرآنی آیت ہوگی ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی کوئی حدیث ہوگی یا استدلال کے ذریعے سے نکالی ہوئی کوئی ایسی حکمت کی بات ہوگی جو اللہ کے کسی ولی کے دل پر وارد ہوئی ہوگی ۔ اس کی اصل وہ ایمان والی حدیث ہے جس میں جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تین اصولوں کے متعلق سوال کیا تھا ۔ اسلام ، ایمان اور احسان یا (بالفاظ دیگر) ظاہر ، باطن اور حقیقت ۔ چنانچہ اسلام ظاہر ہے ، ایمان ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور احسان ظاہر اور باطن دونوں کی حقیقت ہے اور اس کی بنا آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول پر ہے : تو اللہ کی اس طرح عبادت کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہو اور اگر تو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور جبرئیل نے آپ کے اس جواب کی تصدیق بھی کر دی تھی ۔

علم و عمل کا چولی دامن کا تعلق ہے اور عمل اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم اور عمل کے ذریعے اللہ کی رضامندی کا خواہاں ہو ان تینوں چیزوں میں علم و عمل کے اعتبار سے باہمی فرق پایا جاتا ہے اور مقاصد اور درجات کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے اس تفاوت کا یوں ذکر کیا ہے ۔

(۱) والذین أوتواالعلم درجات

جن لوگوں کو علم دیا گیا ان کے کئی درجے ہیں

اور

(۵) ولکل درجات مما عملوا

(ہر ایک کے ان کے اعمال کے اعتبار سے درجے ہیں)

اور

(٦) انظر کیف فضلنا بعضهم علی بعض

دیکھو تو ہم نے انہیں ایک دوسرے پر کیسے فضیلت دے رکھی ہے

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : سب لوگ ایک جیسے ہیں جس طرح کنگھی

کے دندانے ۔ کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں اگر ہے تو علم اور تقوی کی وجہ سے ۔ لہذا اگر کسی شخص کو دین کی کسی اصل ، دین کی کسی فرع ، دین کے حقوق ، حقائق ، حدود اور احکام میں کوئی ظاھری یا باطنی اشکال پیدا ھو جائے تو اسے ان تین قسم کے لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاھئے ۔ اصحاب حدیث ، فقہاء اور صوفیہ ۔ ان میں سے ھر ایک کسی نہ کسی علم ، عمل اور حقیقت سے موصوف ہے اور درحقیقت ان میں سے ھر صنف میں علم ، عمل ، فہم ، مقام ، مقال ، فہم ، مکان ، فقہ اور بیان پایا جاتا ہے ۔ جسے اس کا علم ھو گیا ھو گیا اور جو جاھل رھا وہ پھر جاھل ھی رھا مگر کوئی شخص بھی کمال کو نہیں پہنچ سکتا بایں طور کہ وہ تمام علوم ، اعمال اور احوال پر حاوی ھو ۔ ھر شخص کا وھی مقام ہے جہاں اللہ نے اسے کھڑا کر دیا اور اس کا محل وہ ہے جہاں اللہ نے اسے مقید کر دیا ۔ اور میں ان شاء اللہ ، جہاں تک میری طاقت ہے بیان کروں گا کہ ان میں سے ھر صنف کس قسم کے علم اور عمل سے موصوف ہے (ص ۷) اور انہیں کس حالت کی وجہ سے ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے اور ان میں سے کون بلند مرتبہ کا مالک ہے ۔ میں یہ بیان ایسے طریقہ پر پیش کروں گا کہ تمہاری عقل اسے مسترد نہ کر سکے گی اور یہ پورے طور پر تمہاری فہم میں آسکے ۔ ان شاء اللہ تعالی

۲ ۔ اصحاب حدیث کے طبقات کا بیان ۔ نقل حدیث اور معرفت حدیث میں ان کا کیا طریقہ ہے نیز یہ کہ یہ لوگ تمام انواع علوم میں صرف اسی علم کے ساتھ مخصوص ھوتے ھیں ۔

شیخ فرماتے ھیں : اصحاب حدیث کو لیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کے ظاھری الفاظ سے چپکے رھے اور کہا کہ یہی دین کی بنیاد ہے کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ھیں :

(۷) وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رھو

لہذا جب انہیں اس طرح خطاب کیا گیا تو ان لوگوں نے ملکوں کا سفر کیا اور حدیث کے راویوں کی تلاش شروع کر دی اور پھر ان راویوں کے ساتھ چمٹے رھے تاآنکہ انہوں نے رسول اللہ کی احادیث نقل کر لیں اور جو کچھ صحابہ اور تابعین سے مروی تھا اسے جمع کر لیا اور انہیں ان کی سیرت ، روایات ، مذاھب ، احکام میں اختلاف ، اقوال ، افعال ، اخلاق اور افعال میں سے جو کچھ بھی ملا اسے ضبط تحریر کر لیا ۔ انہوں نے احادیث کی تصحیح خود اپنے کانوں سے سن کر اور دل میں محفوظ رکھ کر کی ۔ انہیں محفوظ کرتے وقت انہوں نے یہ اصول اپنے سامنے رکھا

الثقات عن الثقات والعدول عن العدول
(معتبر شخص معتبر شخص سے روایت کرے اور عدول عدول سے)

چنانچہ یہ علم محفوظ کر لیا گیا ۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ اس علم کو، ضبط اور نقل کرنے والے راوی کہاں کہاں مل سکتے ھیں ۔ لہذا انہوں نے ان کے ناموں، کنیتوں، جائے پیدائش اور وفات کے بارے میں تالیفات کیں اور انہیں کتابوں میں محفوظ کر لیا ۔ انہوں نے اس بات کا بھی پتا چلا لیا کہ ہر راوی نے کس قدر حدیثیں روایت کی ھیں، کن سے کی ھیں اور کن سے منقول ھو کر ان تک پہنچی ھیں ۔ کس کس نے حدیث کے نقل کرنے میں غلطی کھائی ہے اور کس نے ایک حرف کا اضافہ کرنے یا ایک لفظ کم کر دینے میں غلطی کی ہے ۔ کس کس نے عمداً ایسا کیا ہے اور کس کس کی غلطی اور لغزش کو درگزر کر دیا گیا ہونے ہونے انہیں اس بات کا بھی پتا چل گیا کہ وہ لوگ جنہوں نے جعلی احادیث بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف منسوب کر دیں وہ کون کون تھے انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ کس شخص سے روایت کرنا درست ہے اور کس سے نہیں ۔ اور وہ کون لوگ ھیں جنہوں نے ایک ایسی حدیث کی روایت کی جس کی روایت کسی اور نے نہیں کی ۔ یا یہ کہ اس نے تنہا ایک ایسے لفظ کی روایت کی ہے جو دیگر راویوں کی روایت میں نہیں پایا جاتا ۔ پھر انہوں نے اس بات کو بھی محفوظ کر لیا کہ ایک حدیث کی کتنے راویوں نے روایت کی ہے یا اس حدیث کے نقل کرنے والے میں کون کونسی کمزوری پائی جاتی ہے ۔ پھر انہوں نے ابواب جمع کئے اور احادیث کو ان ابواب کی بنا پر مرتب کیا پھر احادیث میں اس طرح امتیاز کیا کہ کون کون سی حدیث صحیح شمار ھوتی ہے اور کس کس کی صحت میں اختلاف ہے ۔ اس حدیث کا بھی پتا چلایا جس کے راویوں میں کوئی ضعیف شخص ھو ۔ پھر یہ بھی معلوم کیا کہ کون کون کم احادیث کے راوی ھیں اور کون کون زیادہ احادیث کے (ص ۸) ۔ انہوں نے مختلف شہروں کے اماموں کی حدیثوں کو بھی معلوم کیا اور راویوں کے طبقات کا پتا چلایا کہ کون تابع ہے اور کون متبوع، کون بڑا ہے اور کون چھوٹا ۔ احادیث اور آثار کی روایت کرنے میں انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ ان راویوں کے اختلاف کی کیا وجوہ ھیں، زیادتی کی کیا وجہ ہے اور کمی کی کیا ۔ اور کہاں کہاں ایسا ھوا ہے کیونکہ یہ دین کی بنیاد ہے اور اس میں بھی ان لوگوں کے مختلف درجے ھیں یہاں تک کہ بعض اپنے علم کی وسعت اور مظبوطی نیز یادداشت کے بہتر ھونے کی وجہ سے اس بات کے مستحق ھو جاتے ھیں کہ کسی شخص کو عدول قرار دینے، یا کسی شخص پر جرح کرنے، یا رد کرنے یا قبول کرنے میں علماء کے خلاف ان کی شہادت کو قبول کیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جو کچھ فرمایا ہے، یا حکم دیا یا کسی بات سے منع کیا یا کسی کام کے کرنے کی دعوت دی اس کے بارے میں

بھی اسی کی شہادت مقبول ہو ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۸) و کذلک جعلناکم امۃ وّسطاً ۔ ای عدلا ۔ لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا

(اسی طرح ہم نے تم کو عادل امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے بارے میں گواہ بنو اور رسول تمہارے متعلق گواہی دیں ۔)

کہا جاتا ہے کہ یہ صرف اصحاب ہی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ اور تابعین کے ان تمام اقوال کی گواہی دیتے ہیں جو انہوں نے کہے نیز ان افعال کی گواہی دیتے ہیں جو انہوں نے کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان تمام افعال ، اقوال ، احوال اور اخلاق کے متعلق گواہ ہوں گے جن کی تم نے گوای دی کہ یہ رسول اللہ کے اقوال و افعال وغیرہ ہیں ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : جس نے عمداً جھوٹی بات میری طرف منسوب کی وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث سنی پھر اسے اوروں تک پہنچا دیا ۔

کہا جاتا ہے اصحاب حدیث میں سے ہر شخص کے چہرے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی دعا کی وجہ سے تروتازگی ہوگی ۔

اصحاب حدیث نے اپنے علوم و رسوم کے بارے میں تصانیف کی ہیں ۔ ان کے اماموں کو سب لوگ جانتے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ اس کی علمی فضیلت ، زیادہ عقل رکھنے ، فہم ، دین اور امانت داری کی وجہ سے ان کے معاصرین کا ان کے امام ہونے پر اتفاق ہے ۔ اس کی تفصیل لمبی ہے اور جن لوگوں کو اس بات کا علم ہے ان کیلئے جس قدر میں نے ذکر کر دیا اسی قدر کافی ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۳ ۔ باب

فقہاء کے طبقات کا بیان نیز یہ کہ جن مختلف قسم کے علوم سے یہ موسوم ہیں ان میں انہیں خاص مہارت حاصل ہے

شیخ ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔ ب فقہاء کے طبقات کو لیجئے ۔ یہ اصحاب

حدیث پر اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے اصحاب حدیث کے علوم کو بھی قبول کیا اور ان کے ساتھ ان کے علوم و رسوم کے معانی سے اتفاق کیا (ص۹)لیکن انہیں اس بات میں خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے پاس فہم ہے۔ فقہ حدیث میں استنباط کرنے کا مادہ ہے۔ ترتیب احکام ، حدود دین ، اور اصول شرع میں ان کی نظر گہری اور دقیق ہے چنانچہ انہوں نے ان چیزوں کی وضاحت کی اور ناسخ اور منسوخ ، اصل اور فرع اور خصوص اور عموم میں کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ ،اجماع اور قیاس کی مدد سے امتیاز کیا ۔ قرآن اور حدیث کی مدد سے انہوں نے مخلوق کیلئے ان احکام کی وضاحت کی جن کا حکم منسوخ ہو چکا ہے مگر ان احکام کی کتابت اب تک موجود ہے۔ نیز وہ احکام جن کی کتابت تو منسوخ ہو چکی ہے مگر حکم باقی ہے اور جن احکام کی عبارت بظاہر ایسی ہے کہ اس سے عام مراد ہو مگر مراد فرد واحد ہے یا یہ کہ ایک فرد کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مراد جماعت ہے۔ انہوں نے مخالفین کے سامنے عقلی دلائل پیش کئے اور دین کی مدد کرنے کی غرض سے انہوں نے گمراہ لوگوں کے سامنے واضح دلیلیں پیش کیں اور اس کیلئے انہوں نے نص کتاب و سنت یا کتاب و سنت پر قیاس اور اجماع امت سے استدلال کیا انہوں نے مخالفین سے مناظرے کے طریقے سے مناظرہ کیا اور جن سے بھی انہوں نے بحث کی تو بحث کے آداب ملحوظ رکھتے ہوئے کی ۔ انہوں نے مد مقابل کا جواب اسی قسم کے سوالات پیش کرکے دیا اور ان کے اعتراض کا جواب دے کر پھر ان ہی پر اعتراضات کئے ۔ جہاں علت و معلول کا تعلق تھا وہاں مسلسل علتیں بیان کیں اور ہر چیز کو اپنے اصلی مقام پر رکھا اور ہر حد کو اپنے درجے پر قائم کیا ۔ انہوں نے مقالیسہ ، مشاکلہ ، مجانسہ اور مقارنہ میں فرق کیا اور اوامر اور نواھی میں اس طرح امتیاز کیا کہ ان میں کونسا قطعی حکم ہے جس کے کرنے پر زور دیا گیا ہے یا دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے مشکل مسائل کی وضاحت کی اور کئی ایک مسائل کی عقدہ کشائی کی ۔ صحیح راستے کو واضح کیا اور شبہات کو زائل کیا اصول کی فرعیں نکالیں ، مجمل کی تشریح کی اور جو احکام ایک جگہ جمع ہوگئے تھے انہیں پھیلا کر بیان کیا انہوں نے دین کی حدود بیان کرنے میں احتیاط برتی تاکہ ظاہری احکام اور حدود شریعت میں نہ کوئی عالم عالم کی تقلید کرے نہ جاہل جاہل کی ، نہ خاص خاص کی اور نہ عام عام کی ۔

ان ہی فقہاء کی بدولت مسلمانوں کی حدود کی حفاظت ہوتی ہے اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا :

(۹) فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين

(ان میں سے ہر گروہ میں سے ایک جماعت دین کی سمجھ حاصل کرنے کیلئے کیوں

نہیں نکلی)

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : جب اللہ تعالی کسی کی بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتے ہیں ۔

فقہاء نے اپنے علوم کے معانی اور طریقے بیان کرنے کیلئے تصانیف کی ہیں ۔

ان کے امام وہ لوگ ہیں جنہیں سب لوگ جانتے ہیں (ص ١٠) انہیں اپنے اپنے زمانے میں زیادہ علم ، فہم ، دین اور امانت داری کی وجہ سے سب نے امام تسلیم کیا ہے۔ اس کی تشریح لمبی ہے عقلمند تھوڑی چیز سے بڑی چیز کا پتا چلا لیتا ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۴ ۔ باب

صوفیہ اور ان کے طبقات کا بیان ۔ اس علم کا بیان جو ان کے لئے باعث امتیاز تھا اور ان فضائل اور نیک خصلتوں کا بیان جو ان کے ساتھ مخصوص ہیں

شیخ ابونصر فرماتے ہیں : صوفیاء کے تمام طبقے بھی فقہاء اور اصحاب حدیث کے ساتھ ان کے اعتقادات میں متفق ہیں ۔ انہوں نے ان کے علوم کو قبول کیا ہے اور ان کے معانی اور رسوم میں انہوں نے ان کی مخالفت نہیں کی کیونکہ ان کے علوم کو قبول کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ بدعتوں اور خواہشات پر چلنے سے پرہیز کیا جائے اور اسوۂ رسول اور اقتداء رسول کا بھی تعلق اسی علم کے ساتھ ہے ۔ یہ لوگ اصحاب حدیث اور اصحاب فقہ کے ساتھ متفق ہونے اور تمام علوم کو قبول کرنے میں برابر کے شریک ہیں اور ان سے مخالفت نہیں رکھتے اور جو صوفی درایت اور فہم میں فقہاء اور اصحاب حدیث کے مرتبہ کو نہیں پہنچتا اور نہ ہی اسے اس قدر علم حاصل ہے جس قدر ان کو تو (اس صورت میں) جب کبھی بھی انہیں احکام شریعت میں سے کسی حکم میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے یا دین کی حد میں دقت پیش آتی ہے تو وہ فوراً ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ لہذا جب ان کا کسی بات پر اجماع ہو جائے تو صوفی بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اگر ان میں کسی بات میں اختلاف ہو تو پھر دین کی خاطر احتیاط کرتے ہوئے اور ان احکام کی تعظیم کرتے ہوئے جن کے کرنے کا اللہ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے اور جن کے کرنے سے منع کیا ہے ان سے پرہیز کرتے ہوئے صوفیہ کے نزدیک مستحب امر یہی ہے کہ احسن ، اولی اور اتم پر عمل کیا جائے ان کے

مذہب میں اس بات کی اجازت نہیں کہ صوفی اپنے مقام سے اتر کر وہ کام کرنے لگ جائے جن کی محض اجازت دی گئی ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ دین کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور احتیاط برتنے سے پیچھے ہٹ رہا ہے ان کا مذہب تو ان امور پر عمل کرنا ہے جو دین میں بہتر اور اکمل ہوں۔

ہمیں تو صوفیہ کے مذہب اور ان طریقوں کے متعلق یہی کچھ معلوم ہوا ہے کہ وہ ان ظاہری علوم کو استعمال کرتے ہیں جو فقہاء اور صوفیہ کے مختلف طبقوں میں رائج اور عام ہیں پھر یہ ترقی کرتے کرتے بلند درجوں کو پہنچ جاتے ہیں اور مختلف قسم کی عبادات ، حقیقی اطاعت گزاری اور اچھے اخلاق (ص ۱۱) کے ذریعے سے شریف احوال اور بلند منزلوں کو جا پہنچتے ہیں۔

ان منازل کے حقائق میں انہیں وہ خصوصیت حاصل ہے جو علماء فقہاء اور اصحاب حدیث کو حاصل نہیں ۔ اس کی تفصیل لمبی ہے مگر میں ہر چیز میں سے تھوڑا تھوڑا ذکر کروں گا تاکہ ان باتوں سے جن کا میں ذکر کروں تو ان باتوں کا پتا چلا لے جن کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ انشاءاللہ تعالی ۔

۵ ۔ باب

اس امر کا بیان کہ صوفیہ کو ان حقائق کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے جن کے ساتھ یہ موسوم ہیں یعنی آداب و احوال نیز ان علوم کا بیان جو صرف ان ہی لوگوں کو حاصل ہیں ۔

شیخ ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فرائض ادا کرنے اور محرمات سے پرہیز کرنے کے بعد صوفیہ کی خصوصیات اور ان امور میں جو اور لوگوں کو چھوڑ کر جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے صرف ان ہی میں پائے جاتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ لوگ ان تمام امور کو ترک کر دیتے ہیں جن سے ان کا سروکار نہیں ہوتا اور ہر اس چیز یا تعلق کو منقطع کر لیتے ہیں جو ان کے اور ان کے مطلوب و مقصود کے درمیان حائل ہو کیونکہ اللہ کے سوا ان کا نہ کوئی مطلوب ہے نہ مقصود ۔

اس کے بعد ان کے ہاں کچھ خاص آداب اور مختلف احوال ہیں ۔ ان میں سے ایک

قناعت ہے یعنی دنیا کی کثیر اشیاء میں سے قلیل پر قناعت کرنا اور اس قدر خوراک پر اکتفا کرنا جس کے بغیر انسان کو کوئی چارا نہ ہو اور دنیا کی وہ چیزیں جن کا پاس ہونا ضروری ہے مثلاًلباس ، بچھونا یا خوراک وغیرہ اس میں سے مختصر سا لے لینا ۔ اور اپنی مرضی سے غنی کو چھوڑ فقر کو اختیار کرنا۔کم کوگلے لگانا اور زیادہ سے اجتناب کرنا ، بھوک کو سیری پر اور کم کو زیادہ پر ترجیح دینا ۔ اونچے مرتبے اور جاہ طلبی کی خواہش نہ کرنا ، مخلوق سے شفقت سے پیش آنا ، چھوٹے اور بڑے کے سامنے تواضع کرنا ، اپنی ذاتی حاجت کے باوجود ایثار کرنا ، اس بات کا خیال ہی نہ کرنا کہ دنیا کو کون کھا رہا ہے۔ اللہ سے حسن ظن رکھنا، اطاعت گزاری کی طرف سبقت لے جانے میں اخلاص کو مدنظر رکھنا اور نیک اعمال کرنے میں جلدی کرنا ۔ (ص ۱۲) اپنی توجہ اللہ کی طرف لگائے رکھنا ، اسی کا ہو لینا ، اسی کے در پر لگا رہنا ، اس کی قضا پر راضی رہنا ، دائمی مجاہدہ ، خواہشات کی مخالفت اور حظوظ نفس سے اجتناب اور نفس کی مخالفت کرنے پر ڈٹے رہنا ۔ اللہ تعالی نے نفس کو امارۃ بالسوء(برے کاموں کا حکم دینے والا) کہا ہے اور اسے اس نگاہ سے دیکھنا کہ یہ وہ بدترین دشمن ہے جو انسان کے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے۔

ایک اور فصل

مزید برآں ان کے آداب و خصال میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے اسرار کی نگرانی کرتے رہیں اور خدائے جبار کو نگاہ میں رکھیں ، مزموم خیالات کو ہٹا کر ہر دم دل کی حفاظت کرتے رہیں ایسے مشغول رکھنے والے افکار میں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں محو رہیں تاکہ یہ حاضر دل ، غیر پریشان ارادوں ، سچی نیتوں اور خالص مقصدوں کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکیں ۔ کیونکہ اللہ تعالی اپنے بندوں سے صرف وہی اعمال قبول کرتا ہے جو خالصتاً اسی کیلئے کئے جائیں ۔ چنانچہ فرمایا :

(۱)ألا لله الدين الخالص

(یاد رکھو خالص اطاعت گزاری صرف اللہ کیلئے ہونی چاہئے)

ایک اور فصل

ان کے آداب و خصال اور خصوصیات میں یہ امور بھی شامل ہیں :اللہ کے ولیوں کے راستوں پر چلنے کیلئے اپنے آپ کو پیش کرنا ، اس کے برگزیدہ لوگوں کی منزلوں میں اترنا ، روح کو صرف کرکے حقوق کی حقیقت کو پا جانا ، زندگی پر موت کو ترجیح دینا ، اور عزت پر ذلت

کو ، اور اپنی مراد کو پہنچنے کی خاطر تکلیف کی زندگی کو آرام و راحت پر ترجیح دینا ، اسی بات کو چاہیں جسے اللہ چاہتا ہے۔ ان کی یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب ان پر حقائق الہیہ اور حقوق کی حقیقت کے ابتدائی امور ظاہر ہوتے ہیں ۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے (ص ١٣) حارثہ سے سوال کرتے ہوئے کہا : ہر حق بات کی حقیقت ہوتی ہے ، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ؟ (تو حارثہ نے کیا جواب دیا ؟) یہ جواب دیا : میں نے اپنے آپکو دنیا سے علیحدہ کر لیا ہے لہذا رات بھر بیدار رہتا ہوں ، دن کو پیاسا رہتا ہوں ، (اور اب یہ حالت ہے) کہ میں گویا اپنے رب کے عرش کو ظاہر طور پر دیکھ رہا ہوں نیز یہ کہ گویا میں اہل جنت کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کس طرح ایک دوسرے کی زیارت کیلئے جاتے ہیں اور اہل دوزخ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ کس طرح چلا رہے ہیں ۔ یہ جواب سن کر نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : تو نے (حقیقت کو) پہچان لیا ۔ اس سے چمٹے رہو ۔ یا جیسا کہ حدیث میں مروی ہے ۔ اللہ بہتر جانتا ہے ۔

٤ ۔ باب

طبقات اہل علم میں سے صوفیاء کے علم کا دیگر معانی میں مخصوص ہونا

شیخ ابونصر فرماتے ہیں کہ اہل علم کے طبقات میں سے صوفیا کو اس امر میں بھی خصوصیت حاصل ہے کہ وہ ہر ایسی آیت پر عمل کرتے ہیں جس کی تلاوت کی جاتی ہے نیز رسول اللہ کی ہر اس حدیث پر جس کی روایت کی جاتی جن کو نہ تو کسی آیت نے منسوخ کیا ہو اور نہ ہی اس کے حکم کو کسی حدیث یا اثر نے زائل کر دیا ہو اور یہ امر مکارم اخلاق کی دعوت دیتا ہے اور بلند اعمال اور فضائل اعمال کی ترغیب دلاتا ہے اور اس سے دین میں بلند مقامات اور اونچی منزلوں کا پتا چلتا ہے ۔ اس کے ساتھ مومنین کی ایک جماعت مخصوص ہے اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت اس سے چمٹی رہی ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے آداب میں سے ایک ادب اور اخلاق میں سے ایک خلق ہے ۔ آپ فرماتے ہیں :

اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا

اور اللہ تعالی فرماتے ہیں :

انک لعلی خلق عظیم
(بیشک آپ بلند اخلاق پر ھیں)

اور یہ باتیں علماء و فقہاء کی تصانیف میں موجود ھیں حالانکہ تمام علوم میں انہیں نہ تو صوفیہ کا سا تفقہ فی الدین حاصل ہے اور نہ ان جیسا استنباط اور صوفیہ کے علاوہ جو، اولو العلم القائمین بالقسط، ھیں انہیں اس میں سے کچھ حصہ نہیں ملا ۔ اگر ملا ہے تو صرف اسی قدر کہ وہ ان امور کا اقرار کرتے ھیں اور ان کا ان امور پر ایمان ہے کہ یہ سچ ھیں اور وہ امور یہ ھیں ، حقائق توبہ اور اس کی صفات ، تائبین کے درجات اور ان کے حقائق ، وقائق ورع اور اھل ورع کے احوال ، متکلمین کے طبقات ، ان لوگوں کے مقامات جو راضی برضا ھوں (ص۱۴)، صابرین کے درجات ، اسی طرح خشیت ، خشوع ، محبت ، خوف ، رجا ، شوق ، مشاھدہ ، انابت ، طمانینت اور قناعت ھیں ۔ یہ احوال اتنے ھیں کہ ان کی تعداد کا شمار نہیں ھو سکتا اور ان احوال میں سے ہر حال کیلئے خاص لوگ ھوتے ھیں جو اس کے اھل ھوتے ھیں اور ان کے مختلف طبقے ھیں اور اس میں ان کے کچھ حقائق ، مشاھدات ، احوال ، مراقبات ، اسرار ، اجتہادات ، مقامات اور الگ الگ درجے ، مختلف ارادے ھیں ، اور انہیں قوت ارادی یا مستی لاحق ھونے اور وجد کے غلبے کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت ھوتی ہے اور ہر شخص کی ایک خاص حد ، مقام ، علم اور بیان ھوتا ہے یعنی اسی قدر جس قدر اللہ نے اسے عطا کر دی ۔

فصل

صوفیہ کو حرص اور امید ان کے دقائق کی معرفت میں بھی خصوصیت حاصل ھوتی ہے ۔ انہیں ان امور کی معرفت میں بھی خصوصیت حاصل ھوتی ہے ، نفس ، نفس امارہ ، خواطر نفس ، ریاء کی باریکیاں ، شہوت خفی اور شرک خفی ۔ نیز یہ کہ ان امور سے کیسے نجات حاصل ھو سکتی ہے ،اللہ کی بارگاہ میں گڑ گڑانے کا کیا طریقہ ہے ۔ اس کے ھاں صدق دل سے پناہ لینے ،اسی کے پاس ھمیشہ اپنی حاجات لے جانے ، تسلیم ، تفویض اور اپنے حیلوں اور طاقت سے بیزاری ظاھر کرنے کا کیا طریقہ ہے ۔

ایک اور فصل

وہ علوم جن میں فقہاء اور علماء کو دقت پیش آتی ہے ان سے بھی صوفیہ نے مسائل اخذ کئے ھیں کیونکہ یہ ایسے لطائف ھوتے ھیں جو ان کے اشارات میں پائے جاتے ھیں اور جو

اپنی دقت اور لطافت کی وجہ سے عبارتوں میں مخفی ہوتے ہیں اور یہ لطائف ان امور میں پائے جاتے ہیں : عوارض ، عوائق ، حجب ، خبایاالسر(راز کی مخفی باتیں) ، مقامات اخلاص ، احوال معارف ، حقائق الاذکار ، درجات قرب ، تجرید توحید ، منازل تفرید ، حقائق عبودیت ،کائنات کا ازل میں محو ہو جانا ، جب مخلوق کا مقابلہ ذات قدیم سے کیا جائے تو مخلوق کا لاشیئ ہو جانا ، عوض و معاوضہ کی طرف دیکھنے کا فنا ہو جانا اور عطاء کنندہ کے عطیے کو دیکھتے رہنے کی وجہ سے عطاء کنندہ کا دیدار باقی رہنا ، احوال اور مقامات کا عبور کرنا ، متفرق اجسام کا جمع کرنا ، اور مقصود کو دیکھتے رہنا اس طرح باقی رہنا کہ اپنے قصد کی طرف نگاہ ھی فنا ہو جائے ، معاوضے کی طرف نگاہ کئے رکھنے سے اعراض کرنا ، اور معاوضے کے پیچھے لگنا ترک کر دینا ۔ مٹے ہوئے راستوں پر چلنے کے لئے دوڑ کر آنا اور ھلاک کر دینے والے بیابانوں کو عبور کرنا ۔

(ص ۱۵) لہذا اولی العلم القائمین بالقسط میں سے صرف صوفیہ ھی ان عقدوں کو حل کرنے اور ان کے مشکل معانی سے واقف ہونے میں خصوصیت رکھتے ھیں ۔ یہی لوگ اتر کر ان کی مشق کرتے ان کو اپناتے اور اپنی جانوں کو خرچ کرکے ان میں گھس جاتے ھیں یہاں تک کہ یہ ان کے ذائقے ، مزے اور ان کی کمی یا بیشی کی خبر دیتے ھیں ۔ جو شخص ان احوال میں سے کسی حال کا دعوی کرتا ہے یہ اس سے اس کی دلیل طلب کرتے ھیں پھر اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر بحث کرتے ھیں ۔ اس کا تھوڑا سا حصہ ھی کسی کو حاصل ہو جائے تو بڑی بات ہے کیونکہ کثیر حصہ کو حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ۔ ان تمام امور کا علم قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث میں موجود ہے اور جو لوگ اس کے اھل ھیں وہ اسے بخوبی سمجھتے ھیں ۔ جب علماء ان کی جستجو کرتے ھیں تو اس کا انکار نہیں کرتے ۔ علم تصوف کا انکار صرف ان لوگوں نے کیا ہے جو ظاھری علوم سے موسوم ہوتے ھیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کتاب اللہ اور احادیث نبویہ میں سے صرف وہ آیات و احادیث معلوم ھیں جن کا تعلق ظاھری احکام کے ساتھ ہے یا جن سے مخالفین کے خلاف دلیل پیش کرنے میں کام لیا جا سکتا ہے اور ھمارے زمانے کے لوگوں کا اس قسم کی آیات و احادیث کی طرف زیادہ میلان ہے کیونکہ اس کے ذریعے وہ لوگوں کے بآسانی سردار بن سکتے ھیں اور عام لوگوں کے نزدیک جاہ اور دنیاوی مال حاصل کر سکتے ھیں ۔ اور جس علم کا ھم نے ذکر کیا ہے اس کی طرف شاذ و نادر لوگ ھی راغب ہوتے ھیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علم خاص لوگوں کا علم ہے اور اس میں کڑواپن اور تکالیف پائی جاتی ھیں ۔ اس علم کے سننے سے گھٹنے کمزور اور دل غمگین ہوتا ہے آنکھیں آنسو بہاتی ھیں ، بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا کر دیتا ہے لہذا کوئی اس علم کو کیونکر استعمال کرے گا ، کیونکر اپنائے گا ،

کیونکر چکھے گا اور اس سے کیوں کر نبردآزما ہوگا جبکہ اس سے نبردآزما ہونے میں نفس کو کوئی حظ نہیں حاصل ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا دار و مدار نفس کو مارنے ، حس کو کھونے اور اپنی مراد سے علیحدگی اختیار کرنے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے اسے ترک کر رکھا ہے اور وہ ایسے علم کو عمل میں لانے میں مشغول ہیں جس میں کم تکلیف ہو اور جو انہیں کھلی چھٹی دے ، رخصت کے امور پر عمل کرنے کی رغبت دلانے اور تاویلات کرنے کی اجازت ہو اور وہ بشری حظوظ کے قریب تر ہو۔ اور اس کا اٹھانا ان لوگوں کیلئے آسان تر ہو جن کی سرشت میں حظوظ نفس کی تابعداری اور حقوق اللہ سے نفرت کرنا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

باب ۔ ۷ (ص ١٦)

ان لوگوں کے رد میں جن کا یہ خیال ہے کہ صوفیہ جاہل لوگ ہوتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت سے علم تصوف کا کہیں پتا نہیں چلتا

شیخ امام ابونصرؒ فرماتے ہیں : اماموں کے مابین اس امر میں قطعاً اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ، صادقین ، صادقات ، قانتین ، قانتات ، خاشعین ، موقنین مخلصین ، محسنین ، خائفین ، راجین ، وجلین ، عابدین ، سائحین ، صابرین ، راضین ، متوکلین ، مخبتین ، اولیاء ، متقین ، مصطفین ، مجتبین ، ابرار اور مقربین کا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالی نے مشاہدہ کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے

(۱۲)أو ألقى السمع و هو شهيد
یا وہ کان لگا کر سنے اور دل حاضر بھی ہو

مطمئن لوگوں کا ذکر کیا تو فرمایا
(۱۳) ألا بذكر الله تطمئن القلوب
یاد رکھو دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے

سبقت لے جانے والوں ، اعتدال پسندوں ، نیکی کی طرف لپک کر جانے والوں کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :
بہت سے پراگندہ موی اور غبار آلودہ اور چیتھڑے پہنے ہوئے لوگ ایسے ہیں کہ اگر

وہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھا کر کوئی بات کہہ دیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ ان ہی میں سے براء(۱۴) ہے

اور وابصہ(۱۵) سے فرمایا :

اپنے دل سے پوچھ

آپ نے یہ الفاظ کسی اور صحابی کو نہیں کہے

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : میری امت کے ایک شخص کی سفارش سے قبیلہ مضر اور ربیعہ کے لوگوں کی تعداد کے برابر لوگ جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ اس شخص کو اویس قرنی کہتے ہیں

نیز حدیث میں ہے : میری امت میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ أرأیت (۱۶) پڑھتے ہیں تو وہ اللہ سے ڈرتے ہیں ۔ ان میں سے (۱۷) طلق بن حبیب ہیں ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان : میری امت میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ۔ عرض کیا گیا : یا رسول اللہ ؟ وہ کون لوگ ہوں گے ۔ جوابدیا : جو نہ تو بدن کو داغتے ہیں نہ دم و افسوں کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں ۔

اس قسم کی احادیث اور روایات بہت ہیں ۔ اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ یہ لوگ سب کے سب امت محمدیہ میں سے ہیں اگر یہ لوگ امت میں موجود نہ ہوتے اور ہر دور میں ان کا وجود ناممکن ہوتا تو اللہ تعالی اپنی کتاب میں ان کا ذکر نہ کرتے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کی صفت بیان کرتے

جب ہم نے دیکھا کہ ایمان کا نام تو تمام مسلمانوں پر مشتمل ہے (ص ۱۷) مگر ان لوگوں کو مخصوص نام دے کر ان سے الگ کر دیا گیا ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو ان عامۃ المومنین سے جن پر ایمان کے نام کا اطلاق ہوتا ہے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس میں بھی کسی امام کو اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم السلام جو ان لوگوں سے کہیں بلندتر مرتبہ رکھتے ہیں ۔ اور انہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں اللہ کے ہاں بہت زیادہ قرب حاصل تھا وہ بشر ہی تو تھے ان سے بھی وہ تمام عوارض لاحق ہوتے تھے جو دیگر انسانوں کو لاحق ہوتے ہیں مثلاً کھانا ۔ سونا ،اور حوادث کا آنا انبیاء صلوات اللہ علیہم اور ان دیگر لوگوں کو جن کا ہم نے ذکر کیا اس لئے خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے اور ان کے معبود کے درمیان راز ہوتا ہے اور جن امور سے اللہ نے انہیں مخاطب کیا ہوتا ہے اور جن کی طرف اللہ نے انہیں دعوت دی ہوتی ہے

ان پر ان کو زیادہ یقین اور زیادہ ایمان ہوتا ہے۔ سوائے انبیاء کے کہ وہ وحی ، رسالت اور دلائل نبوت کی وجہ سے ان لوگوں سے جدا ہوتے ہیں لہذا کسی کو انبیاء کے ساتھ وحی اور رسالت میں مزاحمت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۸۔ باب

صوفیہ کا فقہاء پر اعتراض ، فقہ فی الدین کی تشریح اور اس کی وجہ کا دلائل کے ساتھ بیان

شیخ ابونصر فرماتے ہیں : روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :
جب اللہ تعالی کسی سے بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو اسے دین کی فہم عطا کر دیتے ہیں ۔

مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ کسی نے حسن بصری سے کہا : فلاں شخص فقیہ ہے۔ اس پر حسن نے فرمایا : کیا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا ہے ؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے روگردان ہو اسے آخرت کی طرف رغبت ہو اور دین کے معاملات میں اسے بصیرت حاصل ہو اور اللہ تعالی کا یہ فرمان :
(۱۸) لیتفقهوا فی الدین
(تاکہ وہ دین کی فہم حاصل کریں)

(اس آیت میں) دین کا لفظ تمام ظاہری اور باطنی احکام پر مشتمل ہے۔ ان احوال کے احکام اور ان مقامات کے معانی پر غور کرنا احکام طلاق ، عتاق ، ظہار ، قصاص ، قسامت اور حدود کے احکام میں غور کرنے سے کم فائدہ مند نہیں ہے کہ یہ احکام تو ایسے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ عمر بھر کوئی ایسا واقعہ پیش ہی نہ آئے جس میں اس علم کی ضرورت پیش آئے اور اگر بالفرض کوئی واقعہ پیش آ بھی جائے تو جو شخص مسئلہ دریافت کرے گا تو وہ تقلید ہی کرے گا اور کسی نہ کسی فقیہ (ص ۱۸) کے قول پر عمل کرے گا جس سے اس فقیہ کا فرض ادا ہو جائے گا تاآنکہ پھر کوئی اور واقعہ پیش آئے (برعکس اس کے) وہ احوال ، مقامات اور مجاہدات جن میں صوفیہ غور کرتے ہیں اور جن کے حقائق پر یہ بحث کرتے ہیں ان کی تمام مسلمانوں کو ضرورت ہے اور ان پر ان کا جاننا واجب ہے اور اس کا کوئی

مخصوص وقت بھی نہیں (کہ یہ ایک وقت میں واجب ہوں اور ایک میں نہ) مثلاً صدق ، اخلاص ، ذکر اور غفلت سے اجتناب کرنا وغیرہ کہ ان کے کرنے کا کوئی مقررہ وقت بھی نہیں ہے بلکہ بندے پر لحظہ و ہر لمحہ واجب ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ اس کا مقصد ، ارادہ اور خیال کیا ہے۔ اگر یہ مقصد حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کوئی حق ہے تو اسے اس پر لگا رهنا چاہئے اور اگر یہ کوئی نفسانی حظ ہے تو اسے اس سے بچنا چاہئے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ نبی محمد صلی اللہ علیہ و سلم سے فرماتا ہے :

(۱۹) ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا واتبع هواه و کان امره فرطا

جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواهشات کے پیچھے لگتا ہے اور حد سے تجاوز کر جاتا ہے آپ اس کی بات پر نہ لگ جائیں ۔

چنانچہ جو شخص ان احوال میں سے کسی حال کو ترک کرتا ہے تو صرف اس کے لئے ایسا کرتا ہے کہ غفلت اس کے دل پر غلبہ پا چکی ہے۔

یاد رکھو ج جو احکام صوفیہ نے ان علوم کے معانی اور ان کے دقائق وحقائق کی معرفت سے نکالے ہیں وہ ان ظاہری احکام کے معانی سے لازمی طور پر زیادہ ہونے چاہئیں جن کا فقہاء نے استنباط کیا ہے اس لئے کہ اس علم کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ علم اشارات ، بوادی ،(۲۰) خواطر اور عطیے ہے جس کا اس علم والے اللہ کی عطا کے سمندر سے گونٹ بھرتے ہیں ۔ دیگر علوم کی ایک مقررہ حد ہے ، دیگر علوم علم تصوف تک پہنچا دیتے ہیں مگر علم نصوف ، علم تصوف کی صرف ایک قسم تک پہنچاتا ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اس کے مقصود کی کوئی انتہا نہیں ۔ یہ علم علم فتوح ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اور اپنے خطاب سے اخذ کئے ہوئے احکام کو سمجھنے کی طاقت اپنے ولیوں کو جس قدر چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

(۲۱) قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات و لوجئنا بمثله مددا

آپ انہیں فرما دیں کہ اگر بالفرض سمندر اللہ تعالیٰ کے معلومات کو لکھنے کیلئے روشنائی بن جائے تو اللہ کے معلومات کے ختم ہونے سے پہلے ہی سمندر کی روشنائی ختم ہو جائے گی خواہ ہم اسی قدر اور روشنائی کیوں نہ لے آئیں

اور فرمایا :

(۲۲) لئن شکرتم لأزیدنکم

اگر تم شکر ادا کرو گے تو ہم ضرور تمہیں اور دیں گے

اور اللہ تعالی کی طرف سے (دی جانے والی) زیادتی کی کوئی انتہا نہیں ۔ شکر خود اللہ تعالی کی نعمت ہے جو مزید شکرگزاری چاھتی ہے ۔ اور یہ شکرگزاری مزید عنایت الہی کو واجب قرار دیتی جس کی کوئی انتہا نہیں ۔ اور خدا ھی توفیق دینے والا ہے ۔

۹ ۔ باب

علوم دین میں سے کسی ایک میں خصوصیت حاصل کرنا جائز ہے اور ہر علم ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جو اس علم کے اھل ھیں اور ان لوگوں کے رد میں جنہوں نے اپنی رائے پر عمل کرتے ہوئے کسی علم کا انکار کیا اور اس نے اس علم کو ان لوگوں پر نہیں چھوڑا جو اس کے اھل ھیں یا جن کے وہ علم شایان ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : علماء کی ایک جماعت نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ علم شریعت میں کسی کو خصوصیت حاصل ہے اور امت میں کسی کو اس بات میں اختلاف نہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کو حکم دیا ہے کہ جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں چنانچہ فرمایا :

(۲۳)یا ایھاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

اے رسول جو کچھ آپکے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

جو کچھ میں جانتا ھوں اگر وہ تمہیں بھی معلوم ھو جائے تو تم کم ھنسو اور اکثر روتے رھو

لہذا یہ علم جو آپ کو حاصل تھا اور جسے لوگ نہیں جانتے اگر ان علوم میں سے ہوتا جس کا اوروں تک پہنچانے کا حکم آپ کو دیا گیا تھا تو آپ ضرور پہنچا دیتے ۔ اور اگر صحابہ کو اس علم کے متعلق سوال کرنا جائز ھوتا تو وہ ضرور دریافت کرتے اور اھل علم میں اس بارے میں بھی اختلاف نہیں کہ صحابہ میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں ایک خاص قسم کا علم خصوصیت کے ساتھ حاصل تھا جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کو منافقین کے ناموں کا علم تھا ۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ علم راز میں بتایا تھا یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ بھی ان سے دریافت کیا کرتے کہ کہیں میں تو ان میں سے نہیں ھوں ۔

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا :
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے علم کے ستر ابواب بتا رکھے ہیں اور میرے سوا یہ علم کسی اور کو نہیں بتایا

اور یہ باب تمام کا تمام اس کتاب کے آخر میں بیان کیا گیا ہے یہاں اس کے تکرار کا مقصد یہ ہے کہ جو علم اصحاب حدیث ، فقہاء اور صوفیہ میں پھیلا ہوا ہے وہ دین کا علم ہے اور اہل علم کی ہر صنف نے اپنے اپنے علم میں تصانیف کی ہیں اور ان کے اپنے اقوال ہیں اور ہر صنف کے اپنے امام ہیں جو ان میں مشہور ہیں جن کی امامت پر ان کے معاصرین کا اتفاق ہے کیونکہ ان کا علم اور فہم اوروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے اور اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ جب اصحاب حدیث کو علوم حدیث میں سے کسی علم میں یا علل الاخبار میں یا معرفت رجال میں (ص ۲۰) کوئی دقت پیش آتی ہے تو وہ اس کے حل کیلئے کسی فقیہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بعینہ اسی طرح جس طرح کسی فقیہ کو خلیہ ، بریہ ، دور یا وصایا کے مسائل میں سے کسی مسئلہ میں مشکل پیش آجاتی ہے تو وہ اصحاب حدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے اسی طرح اگر کسی کو ان لوگوں کے علوم میں سے کسی علم میں دقت پیش آئے جنہوں نے دلوں کے وجد ، اسرار کی وراثت اور دلوں کے معاملات پر بحث کی ہے ، علوم کی صفت بیان کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے لطیف اشارات اور بلند معانی کے ذریعے سے استنباط کیا ہے تو ان کے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ وہ ان لوگوں کو چھوڑ کر جن کے پاس یہ علم ہے یا جنہوں نے ان علوم اور ان کے دقائق پر بحث کی ہے یا جنہوں نے اس میں مہارت حاصل کی ہے اور اس میں لگے رہے ہیں کسی اور کی طرف رجوع کریں ۔ لہذا جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے ۔ مگر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ جن لوگوں کی حالت کا اور جن لوگوں کے علم کا اور مراتب کا اسے علم ہی نہیں ہے یہ ان کے بارے میں زبان درازی کرے ۔ اگر ایسا کرے گا تو تباہ ہو جائے گا اور اپنے دل میں وہ یہی سمجھتا ہوگا کہ وہ ناصح ہے ۔ خدا تمہیں بھی اور ہمیں بھی اس سے پناہ دے ۔

۲ ۔ باب

صوفی نام کی تشریح ۔ انہیں صوفی کیوں کہا گیا اور انہیں اس لباس کی طرف کیوں منسوب کیا گیا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اگر کوئی سوال کرے اور کہے کہ آپ نے اصحاب حدیث

ؤ حدیث کی طرف منسوب کیا اور فقہاء کو فقہ کی طرف آپنے ان کو "صوفیہ" کیوں کر کہا آپ نے انہیں کسی حالت یا کسی علم کی طرف منسوب کیوں نہیں کیا ۔ آپ نے ان کی طرف کسی حالت کو منسوب نہیں کیا جس طرح زھد کو آپ نے زاھدوں کی طرف منسوب کیا ہے ، توکل کو متوکلوں کی طرف اور صبر کو صابروں کی طرف ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صوفیہ اور علموں کو چھوڑ کر کسی خاص علم کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے اور نہ ہی یہ احوال و مقامات میں سے کسی خاص حال یا مقام کے ساتھ مخصوص ھیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ تمام علوم کی کان ہوتے ھیں ۔ تمام محمود احوال اور شریف اخلاق ان میں پائے جاتے ھیں ۔ خواہ یہ پہلے سے ہی ان میں ہوں یا تازہ حاصل کئے ہوئے ہوں ۔ یہ لوگ ایک حال سے دوسرے حال کو منتقل ہوتے ہوئے بھی اللہ کے پاس ہوتے ھیں اور اس کی مزید عنایات کو اپنی طرف کھینچتے ھیں لہذا جب درحقیقت ان کا یہ حال ٹھہرا تو کسی خاص نام کے مستحق قرار نہ پائے یہی وجہ ہے کہ میں نے انہیں نہ کسی خاص حال کی طرف اور نہ ہی کسی خاص علم کی طرف منسوب کیا ہے (ص ۲۱) کیونکہ اگر میں ہر وقت کے اعتبار سے ایک ایسے حال کو ان کی طرف منسوب کر دیتا جو احوال و اخلاق اور علوم و اعمال کے اعتبار سے ان پر زیادہ غالب ہوتا اور وھی نام ان کو دے دیتا تو پھر لازم آتا کہ میں ہر وقت انہیں نئے سے نیا نام دیتا رہوں اور ہر نئے وقت میں ان کی طرف وہ حال منسوب کروں جو بالعموم ان پر رہتا ہو ۔ لہذا جب ایسا نہیں ہو سکتا تھا تو میں نے انہیں ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا اس لئے کہ پشمینہ پہننا انبیاء علیہم السلام کی عادت اور اولیاء اور اصفیاء کا شعار تھا ۔ اس سلسلے میں بہت سی روایات و اخبار آئی ھیں لہذا جب میں نے انہیں ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا تو یہ مجمل اور عام نام ہوا جو ان کے تمام علوم ، اعمال ، اخلاق اور ان کے تمام شریف اور قابل ستائش احوال کی خبر دیتا ہے ۔ آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کے خاص اصحاب کا ذکر کیا تو انہیں ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا اور فرمایا :

(۲۳)و اذ قال الحواریون (آیت)

جب حواریوں نے کہا

یہ لوگ سفید لباس پہنا کرتے تھے لہذا اللہ نے انہیں اسی کی طرف منسوب کر دیا اور جن علوم و احوال سے یہ موسوم تھے ان میں سے کسی نوع کی طرف منسوب نہیں کیا ۔ میرے نزدیک صوفیہ کا بھی یہی معاملہ ہے ۔ اللہ کو بہتر معلوم ہے ۔ کہ انہیں بھی ان کے ظاہری لباس کی طرف منسوب کیا گیا اور جن احوال و علوم سے یہ موسوم تھے ان میں سے

کسی ایک کی طرف بھی انہیں منسوب نہیں کیا گیا ۔ اس لئے کہ پشمینہ پہننا انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کا شیوہ اور عبادت گزار مسکینوں کا شعار تھا ۔

١١۔ باب

ان لوگوں کے رد میں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے قدماء میں صوفیہ کا کہیں ذکر نہیں پایا ۔ یہ تو ایک نیا نام ہے

اگر کوئی سوال کرے اور کہے کہ نہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و رضی اللہ عنہم اجمعین میں صوفیہ کا ذکر پایا جاتا ہے اور نہ بعد کے آنے والے لوگوں میں ۔ ہم تو صرف عابد ، زاھد ، سیاح اور فقراء لوگوں کو جانتے ھیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں سے کسی کو صوفی نہیں کہا گیا ۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ھیں ۔ اور خدا ھی توفیق دینے والا ہے : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی صحبت میں رھنے کی ایک خاص عظمت اور خصوصیت ہے (ص٢٢) جسے یہ حاصل ھو گئی اس پر پھر کوئی اور نام چسپاں نہیں کرنا چاھئے یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ نام صحبت سے کوئی افضل نام ہے ۔ یہ تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے شرف و احترام کی وجہ سے ہے ۔ یہ تو آپکو معلوم ھی ہے کہ صحابہ زاھدوں ، عابدوں ، متوکلوں ، فقراء ، راضی برضا ، صابروں ، اطاعت گزاروں اور دیگر لوگوں کے پیشوا ھیں ۔ جو کچھ انہیں حاصل ہوا وہ صرف رسول اللہ کی صحبت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے ۔ لہذا جب انہیں صحبت کی طرف منسوب کیا گیا ججو تمام احوال میں سے بزرگترین حال ہے تو انہیں کسی اور فضیلت کی وجہ سے فضیلت دینا ناروا ہے کیونکہ صحبت تو بزرگترین حالت ہے ۔ اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے ۔

اب کسی کا یہ کہنا کہ یہ ایک نیا نام ہے جسے بغدادیوں نے گھڑ لیا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ نام تو حسن بصری کے عہد میں لوگوں میں معروف تھا اور حسن بصری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا زمانہ پایا ہے اور حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے طواف کے دوران ایک صوفی کو دیکھا اور اسے کچھ دیا مگر اس نے نہیں لیا ۔ اور کہنے لگا : میرے پاس چار دانگ پڑے ھیں وہ میرے لئے کافی ھیں ۔

روایت ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا :اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو مجھے ریا کی باریکیوں کا پتا ہی نہ چلتا ۔

جس کتاب میں مکہ کے حالات جمع کئے گئے ہیں اس میں محمد بن اسحاق بن یسار اور دیگر لوگوں کی روایت سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے ایک بار مکہ بالکل خالی ہو گیا تھا یہاں تک کہ بیت اللہ کا طواف کرنے والا کوئی نہ تھا ۔ دور دراز سے ایک صوفی آتا اور بیت اللہ کا طواف کرکے واپس چلا جاتا ۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ نام لوگوں کو اسلام سے پہلے بھی معلوم تھا اور صاحب فضیلت اور صالح لوگ اسی نام سے موصوف ہوتے تھے ۔ اللہ بہتر جانتا ہے ۔

۱۲ ۔ باب

باطنی علم کا ثبوت اور دلائل کے ساتھ اس کے صحیح ہونے کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اہل ظاہر میں سے کچھ لوگوں نے علم باطن کا انکار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف ظاہری علم شریعت کو جانتے ہیں جس کا بیان قرآن و سنت میں موجود ہے ۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ یہ علم باطن اور علم تصوف ہے یہ ایک بے معنی بات ہے ۔

لہذا ہم کہتے ہیں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔ کہ علم شریعت ایک علم ہے اور ایک نام ہے جو دو مفہوم ادا کرتا ہے روایت اور درایت ۔ جب ان دونوں کو جمع کریں تو یہ علم شریعت ہے جو ظاہری اور باطنی اعمال کی طرف دعوت دیتا ہے مگر محض علم کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ظاہر ہے یا باطن کیونکہ جب علم دل میں ہوگا تو یہ اس میں چھپا ہوا ہوگا تاآنکہ یہ جاری ہو کر زبان پر ظاہر ہو اور جب زبان پر جاری ہو گیا تو علم ظاہر کہلایا ۔ مگر ہم یوں کہتے ہیں کہ علم ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور یہ وہ علم شریعت ہے جو ظاہری اور باطنی اعمال کا پتا بھی دیتا ہے اور ان کی طرف دعوت بھی ۔ اعمال ظاہرہ ظاہری اعضاء کے اعمال کا ہی نام ہے اور یہ اعمال عبادات اور احکام ہیں مثلاً طہارت ، نماز ، زکات ، روزہ ، حج ، جہاد وغیرہ ۔ یہ تو عبادات ٹھہریں ۔ اب لیجئے احکام کو تو وہ یہ ہیں : تعزیرات ، طلاق ، عتاق ، بیع ، فرائض ، قصاص وغیرہ ۔ اور یہ احکام تمام کے تمام ظاہری جوارح پر عائد ہوتے ہیں ۔ جوارح کو اعضا کہا جاتا ہے ۔

اب لیں باطنی اعمال کو تو یہ دل کے اعمال ہیں ۔ انہی کو مقامات اور احوال کہا جاتا ہے مثلاً تصدیق ،ایمان ، یقین ، صدق ، اخلاص ، معرفت ، توکل ، محبت ، رضا ، ذکر ، شکر ، انابت ، خشیت ، تقوی ، مراقبہ ، فکر ، اعتبار ، خوف ، رجا ، صبر ، قناعت ، تسلیم ، تفویض ، قرب ، شوق ، وجد ، دجل ، حزن (ص ۲۴) ، ندامت ، حیا ، شرم ، تعظیم ،اجلال اور ہیبت ۔ ان ظاہری اور باطنی اعمال میں سے ہر عمل میں علم ، فقہ ، بیان ، فہم ، حقیقت اور وجد پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر عمل کے صحیح ہونے کا ثبوت قرآنی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی احادیث سے ملتا ہے۔ جس نے معلوم کر لیا اسے معلوم ہو گیا اور جس نے نہیں کیا وہ جاہل رہا لہذا جب ہم علم باطن کہتے ہیں تو اس سے ہماری مراد باطنی اعمال کا وہ علم ہے جو باطنی اعضا سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور باطنی عضو دل ہے بعینہ اسی طرح جس طرح ہم جب علم ظاہر کہتے ہیں تو اس سے ہمارا اشارہ اس اعمال ظاہرہ کے علم کی طرف ہوتا ہے جو ظاہری اعضا سے سرزد ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۲۵) أسبغ علیکم نعمه ظاهرةً باطنة

اللہ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل طور پر تمہیں عطا کیں

ظاہری نعمت وہ اطاعت و عبادت ہے جس کا انعام اللہ تعالی اپنے بندے کے ظاہری اعضا پر کرتا ہے ۔ اور باطنی نعمت وہ حالات ہیں جن کا انعام اللہ تعالی اپنے بندے کے دل پر کرتا ہے مگر نہ تو ظاہر باطن سے بے نیاز ہو سکتا ہے نہ باطن ظاہر سے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں

(۲۶) ولوردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم

(اگر یہ لوگ معاملہ کو اللہ کے رسول اور اس امر کے اہل لوگوں پر چھوڑ دیتے تو ان میں سے جو لوگ مسائل اخذ کر سکتے ہیں اسے معلوم کر لیتے)

لہذا علم مستنبط ہی علم باطن قرار پایا اور یہ اہل تصوف کا علم ہے اس لئے کہ یہ لوگ قرآن اور حدیث وغیرہ سے استنباط کرتے ہیں اور ہم انشاءاللہ آگے چل کر اس کا کچھ حصہ ذکر کریں گے ۔

لہذا معلوم ہو گیا کہ علم ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور قرآن ظاہر بھی اور باطن بھی ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث بھی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور اسلام بھی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ۔ اس سلسلے میں ہماری جماعت کے پاس قرآن ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور عقل کی رو سے دلائل موجود ہیں جن کی تشریح لمبی ہے اور جس کا ذکر

کرنا ھمیں اختصار کی حد سے نکال کر اکثار کی حد میں لے جائیگا ۔ جس قدر ھم نے بیان کر دیا اسی قدر کافی ہے اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے ۔

۱۳ ۔ باب

تصوف کیا ہے ؟ اس کی تعریف اور ماھیت کیا ہے ؟

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اب رھا تصوف ، اس کی تعریف اور ماھیت تو اس کے متعلق محمد بن علی القصاب (ص ۲۵) سے سوال کیا گیا کہ تصوف کیا ہے اور محمد بن علی جنید کے استاد تھے ۔ انہوں نے جواب دیا : تصوف ان کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی کریم زمانہ میں کسی کریم شخص سے شریف لوگوں کے سامنے ظہور پذیر ھوں ۔

جنید سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : تصوف یہ ہے کہ تو اللہ کے پاس بغیر کسی تعلق کے رھے ۔

رویم رحمہ اللہ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ اس طرح چھوڑ دے کہ وہ چاھے اس کے ساتھ کرے ۔

سمنون رحمہ اللہ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : تو نہ تو کسی چیز کا مالک ھو اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک ھو ۔

ابومحمد جریری رحمہ اللہ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : تصوف نام ہے ھر قسم کے بلند اخلاق کے اندر داخل ھونے کا اور ھر قسم کے کمینے اخلاق سے باھر نکل جانے کا ۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ سے تصوف کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا : تصوف یہ ہے کہ بندہ ھر لمحہ ایسے (عمل میں) مشغول ھو جو اس لمحہ کیلئے زیادہ مناسب ھو ۔

علی بن عبدالرحیم قناد سے سوال کیا گیا تو فرمایا :اپنے مقام کو پھیلانے اور دائمی اتصال کا نام تصوف ہے ۔

۱۴ ـ باب

صوفیہ کی تعریف ـ صوفیہ کون ہیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب رہی صوفیہ کی تعریف اور یہ کہ وہ کون لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ مجھے کسی نے بتایا عبدالواحد بن زید سے دریافت کیا گیا اور عبدالواحد بن زید حسن رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور ان کے جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے ـ صوفیہ کون ہیں : فرمایا : جو اپنی عقلوں کے ذریعے اپنے ارادوں پر قائم ہوتے ہیں اور اپنے دلوں سے اسی پر ڈٹے رہتے ہیں اور اپنے شر سے بچنے کی خاطر اپنے آقا کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں ـ

ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے صوفی کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : صوفی وہ ہے جسے جستجو تھکا نہ سکے اور محرومیت کی وجہ سے بے چین نہ ہو ـ

انہی نے یہ بھی فرمایا ہے ، یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو ہر چیز پر ترجیح دی ہوئی ہے ـ لہٰذا اللہ بھی انہیں ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے ـ

کسی صوفی سے کسی نے پوچھا میں کن لوگوں کی صحبت میں رہوں تو کہا : صوفیہ کی صحبت میں رہو کیونکہ وہ تمہاری ہر بری بات کا بھی کوئی نہ کوئی عذر نکالیں گے اور کثرت اعمال کی ان کے ہاں کوئی وقعت ہی نہیں (ص۲٦) کہ ان کی وجہ سے وہ تجھے کوئی مرتبہ دیں جس سے تمہارے اندر غرور پیدا ہو ـ

جنید بن محمد سے پوچھا گیا کہ صوفیہ کون ہیں ؟ جواب دیا : یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سے چیدہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں (۲۷) اللہ جب چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے مخفی کر دیتا ہے ـ

ابوالحسین احمد بن محمد نوری سے دریافت کیا گیا کہ صوفی کون ہے : فرمایا : جو سماع سنے اور جہاں تک دنیاوی سامان کا تعلق ہے اس میں اوروں کو اپنے اوپر ترجیح دے ـ

شام کے لوگ صوفیہ کو فقراء کہتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں فقراء ہی کہا ہے چنانچہ فرمایا :

(۲۸) للفقراء المهاجرین الذین اخرجوا من دیارهم (آیت)

(ان فقراء مہاجرین کیلئے جنہیں اپنے وطنوں سے نکال دیا گیا)

اور اللہ تعالی کا فرمان :

(۲۹) للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ

ان فقراء کیلئے جو اللہ کی راہ میں رکے پڑے ہیں

کسی نے ابوعبداللہ احمد بن محمد بن یحی الجلاء سے پوچھا : صوفی کا کیا مطلب ہے جواب دیا : ہمیں تو معلوم نہیں کہ یہ بھی علم کی شرط میں شامل ہے (کہ صوفی کا مطلب جانیں) البتہ ہم یہ جانتے ہیں کہ صوفی وہ فقیر ہے جو سامان دنیا سے خالی ہو اور اللہ کے ساتھ اس طرح ہو کہ اس معیت میں مکان کی شرط نہ ہو اور اللہ نے اسے ہر جگہ کے علم سے بھی روک نہ رکھا ہو ۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ صوفی دراصل صفوی تھا پھر ثقیل ہونے کی وجہ سے صوفی کہا گیا ۔

ابوالحسن قناد سے صوفی کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا : یہ لفظ صفاء سے لیا گیا ہے اور صفاء یہ ہے کہ بندہ اللہ عزوجل کی خاطر ہر لحظہ وفاء کی شرائط پر کاربند ہو ۔

کسی صوفی نے کہا ہے : صوفی وہ ہے جس کے سامنے جب دو حالتیں یا دو خلق آئیں تو وہ احسن اور اعلی کا ساتھ دے ۔

کسی اور سے صوفی کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا : صوفی کے معنی یہ ہیں کہ جب بندہ حقیقی معنوں میں بندہ ہو جائے اور اللہ اسے منتخب کر لیں یہاں تک کہ وہ بشری کدورت سے پاک ہو جائے ۔

اور حقیقت کی منزل پر جا اترے اور احکام شریعت کا ساتھی بن جائے ۔ لہذا جو ایسا کرے گا وہ صوفی ہوگا اس لئے کہ اسے منتخب کر لیا گیا ہے ۔

شیخ رحمه اللہ فرماتے ہیں : اگر تم سے کوئی پوچھے کہ صوفیہ کون ہیں ۔ ان کی تعریف کیجئے ۔ تو کہدو : وہ اللہ کو اور اس کے احکام کو جاننے والے لوگ ہیں ۔ جو علم اللہ نے انہیں دیا ہے اس پر عمل کرتے ہیں اور جس عمل کے کرنے کا مطالبہ اللہ ان سے کرتے ہیں یہ اسے پورا کر دیتے ہیں جس بات کو وہ حق سمجھتے ہیں اس پر وجد میں آتے ہیں (ص ۲۷) اور جس سے وجد میں آتے ہیں اسی میں فنا ہو جاتے ہیں ۔ کیونکہ ہر وجد والا اسی چیز میں

فنا ہوتا ہے جس سے وہ وجد میں آتا ہے۔

قناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں : تصوف ایک نام ہے جو انہیں ظاہری لباس کی بنا پر دیا گیا اور یہ لوگ اپنے حقائق اور احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔

کسی نے شبلی سے دریافت کیا کہ صوفیہ کو یہ نام کیوں دیا گیا۔ فرمایا : ان کے (۳۰) نفس کا کسی قدر حصہ ان کے ساتھ رہ گیا تھا (وہی نام ان کے ساتھ چمٹ گیا) اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی نام بھی ان سے نہ چپکتا۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ صوفیہ اہل صفہ کی بچی کھچی یادگار ہیں۔

اب جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ انہیں یہ نام ان کے ظاہری لباس کی وجہ سے دیا گیا تو اس بارے میں بہت سی روایات آئی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء اور صالحین میں سے کن کن لوگوں نے صوف پہنا اور اس لباس کو اختیار کیا۔ اس کا بیان لمبا ہے۔

تصوف کیا ہے ؟ بہت سے لوگوں نے اس کے مختلف جوابات دئے ہیں۔ ان میں سے ایک ابراهیم بن مولدرقی ہیں جنھوں نے اس کے ایک سو سے زائد جوابات دئے ہیں۔ مگر جس قدر ہم نے ذکر کر دئے ہیں کافی ہیں۔

علی بن عبدالرحیم قناد رحمہ اللہ نے تصوف اور اہل تصوف کے مٹ جانے کے متعلق اشعار کہے ہیں :

(۳۱) أهل التصوف قد مضوا صار التصوف مخرقه

اہل تصوف گزر گئے اب تصوف جعل سازی بن گیا ہے

صار التصوف صیحة و تواجداً و مطبقه

اب تصوف یہ رہ گیا ہے کہ چیخیں مارو بناوٹی وجد کا اظہار کرو اور مطبقہ پہن رکھو

مضت العلوم فلا علو م و لا قلوب مشرقه

علوم جاتے رہے اب نہ علوم ہیں اور نہ روشن دل

کذبتــک نفســک لیس ذی(۳۲) سنــن الطریــق المخلقه

تمہارے نفس نے تجھے جھوٹ کہا ہے یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں

حتــی تکون بعیــن من عنــه العیــون (۳۳) محدقه

تاآنکہ تو اس اللہ کی نگاہ میں ہو جائے جو تمام نگاہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے

تجــری علیــک صروفه وهمــوم سرک مطرقه

اس کی گردشیں تم پر چل رہــی ہیں۔اور تمہارے اسرار کے ارادے سر جھکائے ہوئے ہیں

کسی ایک شیخ نے تصوف کے متعلق تین جواب دئے ہیں ایک جواب تو علم کی شرط کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے : دلوں کا کدورتوں سے پاک کرنا ، مخلوق سے خلق سے پیش آنا اور شریعت میں رسول اللہ کی پیروی کرنا ۔

اور ایک جواب حقیقت کی زبان میں ہے اور وہ یہ ہے :(کسی قسم کی) ملکیت کا ہونا اور صفات کی غلامی سے آزاد ہونا (ص۲۸) اور خالق سموات کے ساتھ ہو کر اوروں سے بے نیاز ہونا ۔

اور ایک جواب زبان حق میں ہے اور وہ یہ ہے : اللہ نے انہیں ان کی صفات سے پاک کر دیا اور پھر اس صفائی سے بھی پاک کر دیا لہذا صوفی نام پڑا ۔

میں نے حصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے جواب دیا :
جسے نہ تو زمین اٹھائے ہوئے ہو اور نہ آسمان اسے سایہ کئے ہوئے ہو ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ہے مگر دراصل زمین کے ذریعے سے اٹھائے رکھنے والا اور آسمان کے ذریعے سے سایہ کرنے والا خدا ہی ہے نہ کہ آسمان و زمین ۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے :
اگر میں قرآن کے بارے اپنی رائے سے کام لوں تو پھر کون سی زمین ہے جو مجھے اٹھائے رکھے گی اور کون سا آسمان ہے جو سایہ کئے رہے گا ۔

۱۵ - باب

توحید ، موحد کی تعریف اور حقیقت اور اس کی تشریح میں ان کے اقوال

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مجھے کسی نے یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ کی نسبت بتایا کہ انہوں نے کہا :ایک شخص ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے سامنے آکر کھڑا ھو گیا اور اس نے کہا : بتلاؤ توحید کیا ہے ؟

ذوالنون نے جواب دیا : توحید یہ ہے کہ تو یہ جان لے کہ اللہ کی قدرت اشیاء میں جاری ہے مگر اس طرح نہیں کہ دونوں باھم مل گئی ھوں اور اشیاء کو بغیر زور لگائے کر گزرتا ہے۔ ھر چیز کی علت اس کی کاریگری ہے مگر اللہ کی کاریگری کی کوئی علت نہیں اور بلند آسمانوں اور پست زمینوں کے اندر اللہ کے سوا کوئی تدبیر کنندہ نہیں اور تمہارے ذھن کے اندر اللہ کا جو تصور بھی آئے وہ اللہ نہیں بلکہ وہ کچھ اور ھی ہے۔
جنید سے توحید کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

اللہ تعالی کی وحدانیت کو حق جانتے ھوئے اس کی احدیت کے کمال کے ساتھ اسے واحد جاننا توحید ہے۔ یعنی وہ ایسا یکتا ہے کہ نہ کسی کو اس نے جنا اور نہ کسی نے اسے جنا ، اس کی کوئی ضد نہیں کوئی مثل نہیں کوئی مشابہ نہیں ۔ اور اللہ کے سوا جن کی پرستش کی جاتی ہے انہیں خدا بھی نہیں کہا جا سکتا ۔ یہ سب صفات جن کا ذکر ھم نے اللہ کیلئے کیا ہے تمام کی تمام بلا تشبیہ ، بلا تصویر اور بلا تمثیل ھیں (ص ۲۹) وہ ایک خدا ہے ، بے نیاز ہے ، یکتا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ھو سکتی اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

ایک بار اور جنید رحمہ اللہ سے توحید کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : یہاں آکر تمام ظاھری علامات مٹ جاتی ھیں اور تمام علوم یہاں آکر جمع ھو جاتے ھیں مگر پھر بھی اللہ تعالی وھی کا وھی ھوتا ہے جو ازل میں تھا ۔

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ھیں : توحید کے بارے میں وہ دو جواب جو ذوالنون اور جنید رحمہما اللہ نے دئے ھیں وہ ظاھری جواب ھیں ۔ انہوں نے یہ جواب عوام کی توحید کے لحاظ سے دئے ھیں اور جس جواب کا ھم نے ذکر کیا ہے اس کا اشارہ خواص کی توحید کی طرف ہے۔
جنید رحمہ اللہ سے خواص کی توحید کے متعلق بھی سوال کیا گیا تھا تو فرمایا تھا :

توحید یہ ہے کہ انسان اللہ عزوجل کے سامنے ایک مجسمے کی طرح ہو جس پر اللہ کی قدرت کے احکام کے جاری ہونے میں اللہ کی تمام تدبیریں جاری ہوتی رہتی ہیں اور یہ احکام اس کی توحید کے سمندروں کی لہروں میں اسے اپنی ذات سے مخلوق کا اسے پکارنے سے اور پھر اس کا انہیں جواب دینے سے بالکل فنا ہو جانے کا حکم دیتے ہیں اور اپنی وحدانیت کے وجود کے حقائق کے ذریعے سے اپنے قرب کی حقیقت میں اپنے حس و حرکت کو دور کرکے ذات واحد کی طرف لگ جائے کیونکہ حق تعالی ہی ان امور کے منتظم ہیں جن کا اس نے اسی موحد کو کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنی آخری حالت سے اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹے تاکہ وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ اس وقت تھا جبکہ ابھی پیدا بھی نہ ہوا تھا۔

ان ہی نے یہ بھی فرمایا ہے: زمانے کی رسوم کی تنگی سے نکل کر سرمدیت کے صحن کی وسعت میں چلا جانا توحید ہے۔

اگر کوئی یہ سوال کرے: جنید کے فرمان کہ "بندے کا آخر اپنی ابتدا کو لوٹ جائے تاکہ وہ ایسا ہو جائے جیسا کہ وہ اس وقت تھا جبکہ وہ اپنے وجود میں ہی نہیں آیا تھا" اس کے کیا معنی ہیں؟

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں اسی قول کی تشریح اللہ تعالی کے اس فرمان میں ہے

(۴۳) و اذ أخذ ربک من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم
جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پشت میں سے ان کی ذریت نکالی (پوری آیت دیکھیں)

جنید رحمہ اللہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: لہذا جو کچھ تھا اور وجود میں آنے سے پہلے جیسا بھی تھا تو جواب تو صرف پاک روحوں نے دیا تھا اور وہ اس طرح کہ قدرت الہیہ نے انہیں سیدھا کھڑا کر دیا اور ان میں اپنی مشیئت کا حکم جاری کر دیا لہذا اب وہ پھر درحقیقت (ص ۳۰) ایسا ہو جاتا ہے جیسا وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا۔ خدائے واحد کی انتہائی اور حقیقی توحید یہی ہے کہ اس کے سامنے بندہ یوں ہو جیسا کہ وہ اس وقت تھا جبکہ ابھی وہ وجود میں نہ آیا تھا اور اللہ تعالی اسی طرح ہیں جس طرح ازل میں تھے۔

کسی شخص نے شبلی رحمہ اللہ سے کہا، اور شبلی کا اصلی نام دلف بن جحدر ہے۔ اے ابوبکر مجھے ایسی توحید بتائیں جو خالص توحید ہو اور ہو بھی خدائے یکتا کی زبان سے۔

جواب دیا : افسوس ہے تم پر ! جو شخص توحید کو الفاظ میں بیان کرے وہ ملحد ہے اور جو اس کی طرف اشارہ کرکے کہے (کہ یہ توحید ہے) تو ثنوی (دو خداؤں کا قائل) ہے اور جو خاموش رہے وہ اس سے بے خبر ہے اور جو یہ سمجھے کہ وہ واصل ہو چکا ہے ، اسے درحقیقت کچھ حاصل نہیں ہوا ۔ اور جو اس کی طرف اشارہ کرے (اور کہے کہ یہ خدا ہے) وہ بت پرست ہے اور جو اس کے متعلق گفتگو کرے وہ غافل ہے جو یہ سمجھے کہ وہ قریب ہے تو (درحقیقت) وہ اس سے دور ہے اور جو یہ سمجھے کہ اس نے اسے پا لیا ہے اس نے دراصل اسے گم کر دیا ہے اور ہر وہ چیز جس میں تم اپنے وہم سے امتیاز کر سکو اور اپنی عقلوں سے اسے اس کے تمام معانی میں پاسکو تو وہ تم سے ہٹا کر تمہاری طرف ہی لوٹا دی جائے گی اور وہ تمہاری طرح کی محدث اور بنائی ہوئی چیز ہو گی ۔

اگر ہم شبلی کے قول کی کماحقہ تشریح کرنے لگیں تو بات لمبی ہو جائے گی مگر ہم ایجاز و اختصار سے اسے بیان کریں گے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو جواب انہوں نے توحید کے بارے میں دیا ہے اس سے ان کی مراد قدیم کو محدث سے الگ کرنا ہے ۔ نیز یہ کہ مخلوق کو اللہ تعالی کے صرف ذکر ، وصف اور نعت بیان کرنے کا راستہ ملا ہے اور وہ بھی محض اتنا جتنا اس نے ان پر ظاہر کر دیا اور نشان بتا دیا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : توحید کے بارے میں مجھے یوسف بن حسین کے تین جواب ملے ہیں ان میں سے ایک تو عام لوگوں کی توحید کے بارے میں ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ضد (مدمقابل) ، مثل ، شبیہ ، اور ہم شکل کو دیکھنے کی نفی کرتے ہوئے اللہ تعالی کو وحدانیت کے ساتھ منفرد جاننا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہو کہ پسندیدہ چیز کی رغبت اور ناپسندیدہ چیز کے خوف کے ٹکراؤ کے باوجود سکون حاصل ہو اس طرح کہ حقیقی اقرار کے باقی رہنے ہوئے حقیقی تصدیق جاتی رہے ۔

حقیقت تصدیق کے جاتے رہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر حقیقت تصدیق قائم رہ جائے تو پھر رغبت و رہبت کے ٹکراؤ سے سکون حاصل نہ ہوگا ۔

اور دوسرا جواب اہل حقائق کی توحید کے متعلق ہے اور وہ بھی جہاں تک اس کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ اسباب و اشیاء کو دیکھنے کی نفی کرتے ہوئے وحدانیت کا اقرار ہو (ص ۳۱) بایں طور کہ اللہ تعالی کے او امر و نواہی کو ظاہر و باطن میں قائم رکھا جائے ، رغبت و رہبت کے ٹکراؤ کو زائل کر دیا جائے مگر ساتھ ساتھ شواھد حق کو برقرار رکھا جائے اور شواھد دعوت و استجابت بھی قائم رہیں ۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ رغبت و رہبت کے ٹکراؤ کے ازالہ سے کیا مراد ہے حالانکہ رغبت و رہبت دونوں درست اور حق ہیں :

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ دونوں درست اور دونوں اپنی اپنی جگہ جیسا

کہ ہیں ہیں مگر ان پر وحدانیت کا اسی طرح غلبہ ہے جس طرح سورج کی روشنی کا ستاروں کی روشنی پر حالانکہ ستارے اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہیں ۔

تیسرا جواب خاص لوگوں کی توحید کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے سر، وجد اور قلب کی کیفیت کے ساتھ یوں ہو جیسے وہ اللہ کے حضور میں کھڑا ہو اور اس پر اس کی تقدیر کی گردشیں چل رہی ہوں اور اس کی قدرت کے احکام اس کی توحید کے سمندر میں یوں جاری ہوں کہ وہ اپنے نفس سے فنا ہو جائے ، اس کے حواس جاتے رہیں اور جس مقصد کیلئے اسے پیدا کیا گیا ہے حق تعالی اس کی نگرانی کر رہے ہوں اور وہ ایسا ہو جائے جیسا وہ وجود میں آنے سے پہلے تھا ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کے احکام کے جاری ہونے اور اس کی مشیت کا اس میں نافذ ہونے میں اس کی یہ کیفیت ہو ۔ اس کی وضاحت جنید رحمہ اللہ کے اس قول میں ہے جو انہوں نے اللہ تعالی کے فرمان

و اذ اخذ ربک من بنی آدم (پوری آیت)

کے بارے میں کہا ہے ۔ ہم اس قول کو پہلے پیش کر چکے ہیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : توحید کی حقیقت کے بارے میں ان کی ایک اور زبان بھی ہے اور وہ صاحب وجد لوگوں کی زبان ہے اور اس سلسلے میں جو اشارات وہ کرتے ہیں وہ بعید از فہم ہیں ۔ ہم ان میں سے کسی قدر بیان کریں گے ۔ جہاں تک ان کی تشریح ممکن ہے ۔
یہ علم تو بیشتر اشارے ہی اشارے ہیں جو اس علم کے اہل لوگوں سے مخفی نہیں ۔ مگر جب اس کی تشریح کی جانے لگے اور اسے لفظوں میں ادا کیا جانے لگے تو پھر یہ مخفی ہو جاتے ہیں اور ان کی آب و تاب جاتی رہتی ہے ۔ مجھے ان کی اس لئے تشریح کرنی پڑی ہے کہ میں نے اسے اس کتاب میں درج کر دیا ہے اور کتاب کو دونوں قسم کے لوگ پڑھتے ہیں سمجھنے والے بھی اور نہ سمجھنے والے بھی (لہذا جب اسے نہ سمجھنے والے پڑھتے ہیں) تو تباہ ہو جاتے ہیں اور یہ اسی طرح جس طرح رویم بن احمد بن یزید بغدادی رحمہ اللہ سے جب توحید کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا :

توحید بشری آثار کا محو ہو جانا اور خالص الوهیت کا باقی رہ جانا ہے ۔

محو آثار بشریت سے ان کی مراد نفس کے اخلاق کو بدلنا ہے کیونکہ نفس اپنے افعال کو دیکھ کر ربوبیت کا دعوی کرنے لگ جاتا ہے (ص ۳۲) مثلاً بندے کا "میں" کہنا اور "میں" کہنا تو صرف اللہ کا حق ہے اس لئے کہ "انانیت" تو اللہ عزوجل کیلئے مخصوص ہے ۔ محو آثار بشریت کے یہی معنی ہیں ۔

اور تجردالوهیت کے معنی ہیں خدائے قدیم کو محدثات سے الگ جاننا ۔

ایک اور کا قول ہے : توحید کے ذریعے سے توحید کے سوا سب کچھ بھول جانا توحید ہے اس کی مراد یہ ہے کہ جہاں تک حقیقت کا حکم واجب قرار دیتا ہے۔

نیز کہا : حق کے سوا ہر چیز کے فنا ہونے کی وجہ سے حق کا باقی رہنا وحدانیت ہے فنا سے مراد ایسی فنا ہے جو حقیقت کے حکم کو واجب قرار دے۔

یوں بھی کہا گیا ہے : وحدانیت یہ ہے کہ حق تعالی قائم ہو اور اس کے سوا سب کچھ فنا ہو فنا سے یہاں مراد یہ ہے کہ بندہ اللہ کا دائمی ذکر اور تعظیم کرتے ہوئے اپنے نفس اور دل سے فنا ہو چکا ہو۔

ایک اور کہتا ہے : اللہ کی توحید میں مخلوق کا کوئی دخل نہیں ۔ اللہ کے سوا کوئی اور اللہ کو واحد بیان ہی نہیں کر سکتا لہذا توحید خاص اللہ کیلئے ہے اور مخلوق تو محض طفیلی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کی وضاحت نیز یہ کہ جس بات کی طرف ان لوگوں نے اشارہ کیا ہے ،اللہ بہتر جانتا ہے ، اللہ تعالی کے اس قول میں ہے۔

(۱) شهد الله أنه لا اله الا هو والملائكة واولوالعلم قائماً بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم

(اللہ تعالی اعلان کرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ملائکہ اور صاحب علم لوگ بھی یہی گواہی دیتے ہیں اللہ تعالی عدل کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ طاقتور اور دانا ہے)

اس آیت میں اللہ نے مخلوق کی گواہی سے پہلے ہی اپنی وحدانیت کی گواہی دے دی ہے۔ لہذا جہاں تک حق تعالی کا تعلق ہے توحید کی حقیقت وہی ہے جس کی گواہی اللہ تعالی نے اپنی ذات کے متعلق مخلوق سے پہلے دی ۔ اور جہاں تک مخلوق کا تعلق ہے۔ انہوں نے بھی درحقیقت اور اپنے وجدان کے مطابق جس قدر وجدان اللہ نے انہیں دے دیا اور ان سے ارادہ کیا گواہی دی ہے۔ اور یہ اللہ تعالی کے اس فرمان کے مطابق ہے۔

والملائكة واولوالعلم

اب رہا اقرار کے طور پر تو اس میں تمام اہل قبلہ برابر ہیں مگر اعتماد تو اس پر ہے جو دل میں ہو نہ کہ جو زبان پر ہو چنانچہ شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

جس شخص نے اپنے ذھن میں توحید کا تصور کیا ، معانی کا مشاھدہ کیا اور اس نے ناموں کو ثابت کیا اور صفات کو اللہ کی طرف منسوب کیا اور اللہ کیلئے نعمت کا ھونا لازم قرار دیا اس نے توحید کی بو بھی نہیں سونگھی ۔ اور جس نے ان تمام چیزوں کو ثابت بھی کیا اور ان سب کی نفی بھی کی تو وہ شخص حکم اور اسم کے طور پر موحد کہلائے گا نہ کہ حقیقت اور وجد کے اعتبار سے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اس کے معانی یہ ھیں ۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ (ص ۳۲) صفات اور نعوت کو اس طریقے سے ثابت کرتا ہے جس طرح یہ اسے دکھائی دیں اور وہ انہیں ادراک ، احاطہ اور توھم کے طور پر ثابت نہیں کرتا ۔

ان کے علاوہ دیگر عارفین کہتے ھیں : توحید تو وہ ہے جو بینا کو نابینا کر دے ، عقلمند کو حیرت میں ڈال دے اور ثابت قدم کو پریشان کردے ۔

میں کہتا ھوں : اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے اسے حقیقی طور پر پا لیا وہ اپنے دل میں اللہ تعالی کی اس قدر عظمت اور ھیبت پائے گا جس سے وہ ھکابکا رہ جائے گا اور حیرت زدہ ھوگا سوائے ان لوگوں کے جنھیں اللہ تعالی ثابت قدم رکھیں ۔

ابوسعید احمد بن عیسی خراز فرماتے ھیں : جس شخص نے علم توحید کو پا لیا اور اسے حقیقی معنوں میں سمجھ لیا اس کا پہلا مقام یہ ہے کہ اس کے دل سے اشیاء کی یاد فنا ھو جاتی ہے اور وہ اللہ عزوجل کا ھی ھو لیتا ہے۔

ان ھی نے یہ بھی کہا ہے : توحید کی پہلی علامت یہ ہے کہ بندہ ھر چیز سے بے تعلق ھو جائے اور تمام اشیاء کو ان کے مالک کی طرف لوٹا دے تاکہ متولی متولی ھی کے ذریعے سے اشیاء کو دیکھے ان کا انتظام کرتا ھو اور ان پر قدرت رکھتا ھو ۔ اس کے بعد اللہ انہیں ان کے نفسوں میں ان کے نفسوں سے بھی پوشیدہ کر دیتا ہے اور ان کے نفسوں کو ان کے نفسوں کے اندر ھی مار ڈالتا ہے اور اپنی ذات کیلئے انہیں مخصوص کر لیتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ توحید دائمی طور پر ظاھر ھو ۔ توحید کے اندر داخل ھونے کی یہ پہلی منزل ہے ۔

فرمایا : اس کی تشریح یہ ہے ، اللہ بہتر جانتا ہے ، کہ اشیاء کی یاد اس کے دل سے فنا ہو جائے اور اللہ کی یاد اس کے دل پر غالب آجائے اس طرح اللہ کی یاد کی وجہ سے اشیاء کی یاد اس کے دل سے جاتی رہے۔

اور ہر چیز سے اس کے نکل آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اپنی ذات کی طرف منسوب نہ کرے اور نہ یہ کہے فلاں بات پر مجھے قدرت حاصل ہے اور خیال کرے کہ تمام اشیاء کی بقا درحقیقت اللہ ہی کی وجہ سے ہے ان کی وجہ سے نہیں ۔

اور اس کے قول حتی یکون المتولی بالمتولی ناظراً الی الاشیا قائماً بہا کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالی ان تمام کا والی ہے اور اس قول کا اشارہ ان حقائق توحید کی طرف ہے جو اس پر غالب آجاتے ہیں تاکہ وہ ان اشیاء کو قائم بذات اللہ سمجھے قائم بالذات نہ سمجھے کیا آپ قائل کے اس قول کی طرف نہیں دیکھتے :

وفی کل شیء لہ شاھد یدل علی انہ واحد

ہر چیز میں اس کا گواہ موجود ہے جو یہ بتاتا ہے کہ وہ ایک ہے

اس کا ”متمکنا فیہا“ کہنے سے مراد یہ ہے کہ اشیاء کی طرف نظر کرنے کی وجہ سے ”تلوین“ اس پر جاری نہیں ہو سکتی کیونکہ ان کا قیام ہی اللہ کی ذات کے ساتھ ہے۔ پھر یخفیھم فی انفسھم من انفسھم (ص ۳۳) و یمیت انفسھم فی انفسھم کہا ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ تو کسی چیز کو محسوس کرتے ہیں اور نہ اپنی کسی حرکت کو خواہ ظاہری ہو خواہ باطنی جس کی طرف درحقیقت اشارہ کیا جا سکے ، وہ دیکھتے ہیں کہ وہ قدرت الہیہ کے غلبے اور مشیئت ایزدی کے جاری ہونے کے تحت بالکل مٹ جاتی ہے اگرچہ یہ حرکات حرکات کرنے والوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں ۔

شبلی رحمہ اللہ نے کسی شخص سے کہا : کیا تجھے معلوم ہے کہ تیری توحید کیوں درست نہیں ہوتی ؟ اس نے کہا : مجھے تو معلوم نہیں۔ اس پر شبلی نے کہا : تمہاری توحید اس لئے درست نہیں ہوتی کہ تو یہ چاہتا ہے کہ تو بذات خود اسے حاصل کرے ۔

ان ہی نے یہ بھی فرمایا : توحید صرف اس شخص کی درست ہو سکتی ہے جس کا انکار(حجد) بھی اثبات ہو۔ اس پر پوچھا گیا کہ اثبات کیا ہے ؟ تو کہا ”یاءات“ کا ساقط ہو جانا ۔ اس کا مطلب واللہ اعلم یہ ہے کہ حقیقی موحد اپنی ذات کے اثبات سے انکار کرتا ہے۔ اثبات سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں درحقیقت اپنی ذات کو داخل کرے مثلاً یہ کہ وہ

کبھی بی لی منی ، الی علی فی اور عنی ۔ لہذا وہ ان ‹‹ یاءات›› کو ساقط کر دے گا اور اپنے دل سے ان کا انکار کرے گا خواہ عادت کے مطابق یہ الفاظ اس کی زبان پر جاری ہی کیوں نہ ہوں ۔

شبلی رحمہ اللہ نے ایک اور شخص سے کہا : کیا تیری توحید بشری توحید ہے یا الہی توحید ۔ اس نے پوچھا : کیا ان دونوں میں کوئی فرق ہے ؟ شبلی نے جواب دیا : ہاں ۔ بشریت کی توحید سزا کے خوف کی وجہ سے ہوتی ہے اور الہی توحید تعظیم کی خاطر ہوتی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بشری صفات میں عوض و معاوضہ کا مطالبہ پایا جاتا ہے اور بشر اپنے فعل کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور غیراللہ کو حاصل کرنے کا لالچ ہوتا ہے ۔ اور جو شخص اللہ کو اللہ کی تعظیم کی خاطر واحد جانتا ہے اور وہ شخص جو سزا کے خوف سے اللہ کو واحد جانتا ہے یکساں نہیں ہوسکتے اگرچہ عذاب الہی کا خوف بھی ایک شریف حالت ہے ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس شخص کو ذرہ بھر بھی علم توحید حاصل ہو گیا تو پھر وہ علم توحید کے بھاری بوجھ اٹھانے کی وجہ سے ایک مچھر کو بھی اٹھا نہ سکے گا ۔

ایک اور بار فرمایا : جسے ذرہ بھر بھی علم توحید حاصل ہوگیا وہ آسمانوں اور زمینوں کو اپنی آنکھوں کی ایک پلک پر اٹھا سکے گا ۔
فرمایا : اس کا مطلب یہ ہے جب وہ اپنے دل سے انوار توحید کی وجہ سے اللہ تعالی کی عظمت کا مشاہدہ کرے گا تو آسمان و زمین اور تمام وہ اشیاء جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے اس کی نگاہ میں حقیر ہوں گی ۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل کے چھ سو پر ہیں جن میں سے دو پر ایسے ہیں کہ اگر جبرئیل انہیں پھیلا دیں تو مشرق و مغرب کو ڈھانپ دیں ۔

(ص۳۵) ایک حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ کرسی کی ایک ٹانگ میں جبرئیل کی تصویر یوں دکھائی دے رہی ہے جیسے زرہ کے اندر زرہ کا ایک حلقہ ۔

یوں بھی کہا جاتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ، عرش اور کرسی یہ تمام چیزیں پھر ان کے ساتھ وہ عالم ملکوت جو ان لوگوں پر ظاہر ہوتا ہے جو عالم باللہ کہلاتے ہیں اس عالم

کے مقابلے میں جو ملکوت سے بھی آگے ہے ریت کے ایک ذرے کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی کم ہے۔

ابوالعباس احمد بن عطاء بغدادی رحمہ اللہ اپنے کسی کلام میں فرماتے ھیں : حقیقت توحید کی علامت یہ ہے کہ بندہ توحید کو بھول جائے اور صدق توحید یہ ہے کہ اس توحید کے ساتھ قائم ہونے والی ذات ایک ہو۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ بندہ اپنی توحید کے اندر توحید کو دیکھنا ترک کر دے کیونکہ اللہ تعالی اس کی اس حالت کو اس وقت سے دیکھ رہا ہے جبکہ وہ ابھی پیدا ھی نہ ہوا تھا ۔ اس لئے کہ اگر اس بات کی اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو یہ بھی اس کا ارادہ نہ کرتا اور نہ اس کو ایک جانتا ۔

ہمارے مشائخ نے توحید کے متعلق کتابیں لکھی ھیں ہم نے صرف چند مشکل کلمات کو لیا ہے تاکہ ان کے ذریعے ان کلمات کو سمجھ لیا جائے جن کا ذکر نہیں کیا گیا ۔

۱۶ ۔ باب

معرفت اور عارف کی تعریف کے متعلق صوفیہ کے اقوال ، معرفت کی حقیقت اور اس کی تشریح

کسی نے ابوسعید خراز سے معرفت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا : معرفت دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک تو (اللہ تعالی کی) سخاوت کے سرچشمے سے اور دوسرے کوشش صرف کرنے سے ۔

ابوتراب نخشبی سے پوچھا گیا کہ عارف کی کیا تعریف ہے تو جواب دیا : عارف وہ ہے جسے کوئی چیز مکدر نہ کر سکے مگر اس کے ذریعے ہر چیز پاک و صاف ہو ۔

احمد بن عطا رحمہ اللہ فرماتے ھیں : معرفت کی دو قسمیں ھیں ۔ معرفت حق اور معرفت حقیقت ، معرفت حق یہ ہے کہ بندہ اس کی وحدانیت کو اس طرح معلوم کر لے جس طرح اللہ نے اس وحدانیت کو مخلوق کے سامنے پیش کیا ہے مثلاً اللہ کے نام اور صفات اور معرفت حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی حقیقت کو پہنچنے کی کوئی صورت ھی نہیں کیونکہ وہ تو بر نیاز ہے اور اس کی بے نیازی اس کی حقیقت کو دریافت کرنے سے مانع ہے اور اس کی

ربوبیت ثابت شدہ امر ہے (ص ۳٦ج۲۱) ۔ کیونکہ اللہ عزوجل فرماتے ہیں ۔
(۲۷) ولا یحیطون به علما

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابن عطا کا یہ کہنا کہ اس تک کوئی راہ نہیں پا سکتا ۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حقیقی معرفت تک کسی کو رسائی نہیں کیونکہ اللہ تعالی اپنی صفات و اسماء میں صرف اسی قدر مخلوق پر ظاہر کرتا ے جس قدر اللہ کو علم ہے کہ اسے برداشت کر سکیں گے ۔ اس لئے کہ مخلوق کو اللہ کی حقیقی معرفت حاصل کرنے کی طاقت نہیں بلکہ مخلوق تو اس معرفت میں سے ذرہ بھر کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی ۔ جب اللہ کی عظمت و دبدبے کا ابتدائی ذرہ اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے تو تمام کائنات لاشیئ ہو جاتی ہے لہذا جس کی صرف ایک صفت کا یہ عالم ہو اس کی کون معرفت حاصل کر سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کہنے والے نے یوں کہا ہے : اللہ کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا اور نہ ہی اس کے سوا کسی اور نے اس سے محبت کی ہے جس کی وجہ یہ ہے صمدیت کا احاطہ اور ادراک ناممکن ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۲۸) ولا یحیطون بشیء من علمه
(مخلوق اللہ کے علم کی کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتی

اسی سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ابوبکر صدیق نے فرمایا : پاک ہے وہ خدا جس نے مخلوق کیلئے صرف ایک راستہ بنایا جس سے وہ اس کی معرفت حاصل کر سکیں اور وہ راستہ یہ ہے کہ وہ اس کی معرفت سے اپنی عاجزی کا اقرار کریں ۔

شبلی سے پوچھا گیا : عارف کب مشاہدۂ حق میں ہوتا ہے ؟ فرمایا : جب شاہد ظاہر ہو ، شواہد فنا ہو جائیں ، حواس جاتے رہیں اور احساس مضمحل ہو جائے ۔

ان ہی سے پوچھا گیا : اس امر کی ابتدا کیا ہے اور انتہا کیا ؟
جواب دیا : اس کی ابتدا معرفت ہے اور انتہا توحید

نیز فرمایا : اس کی معرفت کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ کے قبضے میں دیکھے اور (یہ بھی دیکھے کہ) اس پر قدرت الہیہ کی گردشیں چل رہی ہیں ۔

معرفت کی ایک علامت محبت ہے کیونکہ جس نے اسے پہچان لیا وہ اس سے محبت کرے گا ابویزید طیفور بن عیسی کے متعلق مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا : عارف کی کیا صفت ہے ؟ جواب دیا : پانی کا وہی رنگ ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہو ۔ تو اگر پانی کو سفید برتن میں ڈالے تو تو پانی کو بھی سفید خیال کرے گا ۔ اگر سیاہ میں ڈالے گا تو

سیاہ خیال کرے گا ۔ اسی طرح زرد اور سرخ ۔ یہ تمام احوال یکے بعد دیگرے عارف پر وارد ہوتے رہتے ہیں اور جو ان احوال کا والی ہے وہی اس کا بھی والی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کا مطلب ، اللہ بہتر جانتا ہے ، یہ ہے کہ جس قدر پانی صاف ہوگا اسی قدر اپنے برتن کا رنگ اختیار کرے گا (ص ۲۷) مگر برتن کا رنگ اس کی صفائی اور حالت کو بدل نہیں سکتا ۔ دیکھنے والا اسے سفید و سیاہ دیکھتا ہے حالانکہ پانی کی برتن میں ایک ھی کیفیت ہوتی ہے۔ اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے جو احوال عارف پر وارد ہوتے ہیں ان میں عارف اور اس کی صفت کا یہی حال ہوتا ہے۔ اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے عارف کے باطن کی ایک ھی کیفیت رہتی ہے ۔

جنید رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ عارفین کی عقلوں میں کیا کیا واردات پیش آتی ہیں ؟

جوابدیا :یہ لوگ تو وصف بیان کرنے والوں کے وصف سے آگے نکل گئے ۔

کسی صوفی سے معرفت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : اللہ کو واحد جاننے کیلئے دلوں کا اس کی تعریف کے لطائف کو جھانک کر دیکھنا معرفت ہے ۔

جنید رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کرتے ہوئے کہا : اے ابوالقاسم ! عارفین اللہ کے سامنے اپنی کیا حاجت پیش کرتے ہیں فرمایا : اللہ کے پاس ان کی صرف یہ حاجت ہوتی ہے کہ اللہ ان کی نگہبانی کرے اور ان کا خیال رکھے ۔

محمد بن فضل سمرقندی فرماتے ہیں : یوں نہیں ہے :انہیں تو اللہ کے پاس نہ کوئی حاجت ہوتی ہے اور نہ کوئی اختیار کیونکہ انہوں نے حاجت اور اختیار کے بغیر ھی جو کچھ حاصل کیا ہے کیا ہے۔ کیونکہ عارفین کا قیام ، بقا اور فنا سب اپنے «واجد» کی وجہ سے ہوتا ہے ۔

کسی نے محمد بن فضل رحمہ اللہ سے کہا : عارفین کو کس چیز کی احتیاج ہوتی ہے

فرمایا :انہیں اس خصلت کی احتیاج ہوتی ہے جس سے ان کے تمام محاسن مکمل ہوں اور جس کے نہ ہونے سے تمام قبیح امور قبیح معلوم ہوتے ہیں اور یہ خصلت استقامت ہے

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ سے عارف کی صفت پوچھی گئی تو فرمایا : لوگوں کے اندر شامل بھی ہے مگر پھر بھی ان سے الگ تھلگ ہے ۔

ایک اور بار ان سے عارف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : عارف وہ بندہ ہے جو

ابھی تھا پھر جدا ہو گیا ۔

ابوالحسین نوری رحمه الله سے پوچھا گیا : یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عقلیں اسے نہ پہچان سکیں حالانکہ اللہ تو عقلوں کے بغیر پہچانا ھی نہیں جا سکتا ۔

جوابدیا : وہ (مخلوق) جس کی ایک (مقررہ) مدت ہے اس (خدا کو) جس کی کوئی مدت نہیں کیسے پا سکتی ہے بلکہ یوں کہیں کہ عیب دار چیز بے عیب کو کیسے پا سکتی ہے ۔ نہیں بلکہ وہ ذات کیف والی کیسے ہو سکتی ہے جس نے کیف کو مکیف بنایا ، جس نے «حیث» کو صاحب «حیث» بنایا وہ خود «حیث» کی زد میں کیسے آ سکتی ہے ، اسی طرح اس نے اول کو اول بنایا اور آخر کو آخر اور ان کا اول و آخر نام رکھا ۔ اگر اس نے پہلے کو اول نہ بنایا ہوتا اور آخر کو آخر تو کسی کو یہ معلوم ھی نہ ہوتا کہ اول کیا ہے اور آخر کیا ۔

پھر فرمایا : درحقیقت ازلیت ابدیت ھی کا نام ہے ان دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ۔ اسی طرح اولیت آخریت ہے اور آخریت اولیت ۔ یہی حال ظاھریت اور باطنیت کا ہے بات صرف یہ ہے کہ وہ تجھے کبھی تو گم کر دیتا ہے اور کبھی موجود تاکہ لذت کی تجدید ھو جائے اور بندہ اپنی عبودیت کو دیکھ لے (ص ۳۸) اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے حق تعالی کو مخلوق کے ذریعے سے پہچانا وہ اسے براہ راست نہیں پہچان سکتا کیونکہ خلق کے معنی تو یہ ھیں کہ اللہ نے «کن» کہا اور ھوگئی اور مباشرت میں تو ایسے احترام کا اظہار پایا جاتا ہے جس میں توھین ھو۔

میں کہتا ھوں : ان کا مباشرۃ فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے براہ راست یقین حاصل ھو اور دل ایمان بالغیب کے حقائق کا مشاھدہ کر لے ۔

شیخ رحمه الله فرماتے ھیں : جس بات کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس کے معنی ، اللہ بہتر جانتا ہے یہ ھیں کہ اللہ کیلئے وقت کی تعیین کر دینا یا اس کی ذات میں تغیر کا واقع ھونا جائز نہیں کیونکہ وہ آئندہ بھی ویسا ھی ھوگا جیسا وہ ماضی میں تھا ،اور جو کچھ اس نے گذشتہ زمانے میں کہا وہ بعینہ وھی ہے جو وہ آئندہ کہے گا ۔ اس کیلئے نزدیک دور کی طرح ہے اور دور نزدیک کی طرح ۔ مخلوق ھونے کے اعتبار سے ھی مخلوق کا تعارف ھوتا ہے اور قرب و بعد ، ناراضگی اور رضامندی جو «تلوین» میں پیدا ھوتی ہے وہ تو مخلوق کی صفت ہے نہ کہ خالق کی ۔ واللہ اعلم ۔

احمد بن عطا رحمه الله اپنے کسی کلام میں جو انہوں نے معرفت کے بارے میں کہا ہے

فرماتے ھیں ۔ یہی قول ابوبکر و اسطی کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے مگر درست یہی ہے کہ یہ قول احمد بن عطا کا ہے۔

قبیح امور اس لئے قبیح ھیں کہ ذات باری پردے کے پیچھے چھپ جاتی ہے اور مستحسن اس لئے مستحسن ہوتے ھیں کہ ان پر اللہ کی تجلی پڑتی ہے اور یہ دو صفات (استتار و تجلی) جس طرح ازل میں جاری ہوئی تھیں اسی طرح ابد تک جاری رھیں گی ۔ اللہ تعالی ان دونوں صفتوں کو مقبول اور مردود لوگوں کے سامنے ظاھر کرتا رھتا ہے ۔ اس کے شواھد کی تجلی مقبولین کیلئے روشنی بن کر ظاھر ہوتی ہے اسی طرح اس کے پوشیدہ ہو جانے کے شواھد مردود لوگوں کیلئے تاریکی بن کر ظاھر ہوتے ھیں ۔ اس صورت حال کے ہونے ہونے نہ زرد رنگ سودمند ہو سکتا ہے، نہ سفید کلیاں اور نہ ھی مطبقہ اور مرقعہ کا پہن رکھنا ۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عطا رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مفہوم اور ابوسلیمان عبدالرحمن بن احمد دارانی کے قول کا مفہوم تقریباً ایک ھی ہے۔ وہ فرماتے ھیں :
مخلوق کے اعمال اللہ تعالی کو ناراض نہیں کر سکتے اور نہ ھی راضی کر سکتے ھیں ۔ بات یوں ہے کہ کچھ لوگوں سے اللہ تعالی راضی ہوئے لہذا انہیں ایسے لوگوں کے کام میں لگا دیا جن سے وہ راضی ہوتا ہے اور کچھ لوگوں سے ناراض ہوئے تو ان سے ایسے اعمال سرزد کرائے جو ایسے لوگوں کے اعمال تھے جن سے اللہ ناراض تھا ۔

ابن عطا رحمہ اللہ کا فرمانا "قبحت المستقبحات باستتارہ" اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان سے منہ موڑ لیا ہے (اسی لئے یہ قبیح ھیں) اور "حسنت المستحسنات بتجلیہ" ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کی ان کی طرف توجہ ہے اور ان کو مقبولیت بخشی ہے (ص ۳۹) ۔ اس کا مفہوم وھی ہے جو حدیث میں آیا ہے :
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم گھر سے باھر نکلے اور آپ کے ھاتھ میں دو تحریریں تھیں ایک دائیں ھاتھ میں اور ایک بائیں ھاتھ میں پھر فرمایا : اس تحریر میں اھل جنت اور ان کے آبا و اجداد کے نام ھیں اور اس تحریر میں اھل دوزخ اور ان کے آبا و اجداد کے نام ھیں (حدیث)

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جب اللہ نے اپنے خاص بندوں کو اپنا تعارف کرا دیا تو ان کے نفس اپنی ذات سے بھی فنا ہو گئے لہذا انہیں ان شواھد حظوظ کی وجہ سے جو ان پر ظاھر ہوتے ھیں شواھد اول کے ساتھ وحشت محسوس نہیں ہوئی ۔ یہی حال ھر اس شخص کا ہوتا ہے جسے کوئی خاص معنی و حقیقت جزا کے طور پر دی جاتی ہے ۔ اس کا مطلب واللہ اعلم ۔ یہ ہے کہ معبود حقیقی نے جس قدر اپنی تعریف انہیں بتا دی اس میں یہ

اولیت کا مشاہدہ کر لیتے ہیں لہذا اس معرفت کے حاصل ہو جانے کے بعد نہ انہیں ماسوا سے وحشت محسوس ہوتی ہے نہ انس۔

باب ۔ ۱۷

عارف کی تعریف ۔ اس کے متعلق صوفیہ کے اقوال

یحیی بن معاذ رازی فرماتے ہیں : جب کوئی بندہ ابھی عارف بن رہا ہو تو اسے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اختیار نہ کرے اور نہ ہی یہ سمجھے کہ اسے کسی بات میں اختیار حاصل ہے تاآنکہ وہ عارف بن جائے ۔ پھر جب اسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ عارف بن جاتا ہے تو اسے اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ کسی بات کو اختیار کرے یا نہ کرے ۔ کیونکہ اب وہ اگر کوئی بات اختیار کرے گا تو اس لئے کرے گا کہ ہم نے وہ بات اس کیلئے اختیار کر رکھی ہے اور اگر ترک کر دے گا تب بھی اس لئے ترک کرے گا کہ ہم نے اسے اس کے لئے ترک کر رکھا ہے کیونکہ عارف اختیار کرنے اور نہ کرنے میں اللہ کا ساتھ دیتا ہے ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دنیا کی مثال ایک دلھن کی سی ہے ۔ دنیا کے طالب کی مثال مشاطہ کی سی ہے اور جو دنیا سے منہ موڑتا ہے وہ (دنیا کو مزین نہیں بناتا بلکہ) اس کے چہرے پر سیاھی مل دیتا ہے اس کے بال نوچ ڈالتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے اور جو عارف باللہ ہوتا ہے وہ اپنے آقا کے ساتھ مشغول ہوتا ہے وہ اس دلھن کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا ۔

ان ہی نے فرمایا : جب کوئی عارف معرفت حاصل کرلینے کے باوجود ترک ادب کرتا ہے وہ ہلاک و برباد ہو جاتا ہے ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں :عارف کی تین علامتیں ہیں (۱) معرفت کا نور اس کے ورع کے نور کو بجھا نہیں دیتا (۲) وہ اپنے دل میں کوئی ایسا عقیدہ نہیں رکھتا جس سے کسی ظاہری حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور (۳) جو کثیرالتعداد نعمتیں اور انعامات اللہ کی طرف سے اس پر ہوتی ہیں ان کی وجہ سے وہ کوئی (ص ۳۰) ایسی بات نہیں کرتا جن سے محارم اللہ کی بے حرمتی ہوتی ہو ۔

کسی ایک کا قول ہے : جس کسی نے اہل آخرت کے سامنے معرفت کا ذکر کر دیا وہ عارف نہیں کہلا سکتا چہ جائیکہ وہ اہل دنیا کے سامنے ایسا کرے۔

نیز فرمایا : اگر عارف اپنے معروف کو چھوڑ کر اس کی اجازت کے بغیر مخلوق کی طرف توجہ دے تو وہ لوگوں میں رسوا ہو جائے گا۔

اور فرمایا : تو اس طرح اسے کیسے پہچان سکتا ہے جبکہ تمہارے دل میں اس کی ہیبت کا دبدبہ ہی نہیں ہے اور تو اس کا کیسے ذکر کر سکتا ہے اور اس سے کیسے محبت کر سکتا ہے جبکہ تمہارے دل میں اس کی عنایات کا وجود ہی نہیں اور تو ان امور سے غافل ہے جو اس نے تمہارے متعلق مخلوق کے سامنے ذکر کر رکھے ہیں۔

میں نے محمد بن احمد بن حمدون الفراء کو یوں فرماتے سنا کہ میں نے عبدالرحمن فارسی کو کسی سائل کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے سنا : کمال معرفت کیا ہے ؟ (فرمایا: کمال معرفت یہ ہے کہ) جب متفرقات یکجا جمع ہو جائیں اور احوال و اماکن یکساں نظر آنے لگیں اور امتیاز کرنے کی رؤیت بھی جاتی رہے۔

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا وقت ایک ہی قسم کا وقت ہو جس میں کسی قسم کا تغیر نہ آنے پائے اور بندہ اپنے تمام احوال میں اللہ کے ساتھ اور اللہ کیلئے ہو۔ اسے ماسوا سے ہٹا دیا گیا ہو تب کہیں جاکر اس کی یہ حالت ہوگی۔

١٨ - باب

قائل کے اس قول کے بارے میں کہ تو نے اللہ کو کس چیز کے ذریعے سے پہچانا اور مؤمن اور عارف کے درمیان فرق

ابوالحسن نوری رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا : تو نے اللہ کو کس چیز کے ذریعے سے پہچانا :

جواب دیا : اللہ کے ذریعے سے۔ اس نے پھر سوال کیا : عقل کدھر گئی ؟
جواب دیا : عقل تو خود عاجز ہے اور وہ اپنے جیسے عاجز کا ہی پتا دے سکتی ہے۔

جب اللہ نے عقل کو پیدا کیا اور پوچھا میں کون ہوں تو عقل خاموش رہی۔ اس کے

بعد اللہ نے اسے اپنی وحدانیت کے نور کا سرمہ لگایا تب عقل نے کہا : تو اللہ ہے۔ لہذا عقل کی طاقت نہ تھی کہ اللہ کی مدد کے بغیر اللہ کو پہچان سکے۔

ان سے سوال کیا گیا : وہ کونسی چیز ہے جو اللہ نے اپنے بندوں پر سب سے پہلے فرض کی ؟

جواب دیا : معرفت ۔ اس لئے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔

(۱) ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

ابن عباس فرماتے ہیں : (لیعبدون کے معنی ہیں) تاکہ وہ مجھے پہچانیں

کسی صوفی سے دریافت کیا گیا : معرفت کیا ہے ؟ فرمایا : دل کا اللہ تعالی کی وحدانیت کو مع اس کی تمام صفات اور اسماء کے صحیح طور پر معلوم کر لینا معرفت ہے اس لئے کہ غلبہ ، قدرت ، دبدبہ اور عظمت محض ذات باری کیلئے ہیں وہ زندہ ہے (ص ۳۱) دائمی ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔ اور یہ سب کچھ بلا کیف ، بغیر مشابہت اور بغیر مثل کے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ بھی عقیدہ رکھا جائے کہ اس کا کوئی مد مقابل نہیں ، کوئی مثل نہیں اور کوئی سبب نہیں ۔

یوں بھی کہا گیا ہے کہ معرفت دراصل اللہ کی دین ہے ، معرفت نار ہے اور ایمان نور ، معرفت وجد ہے اور ایمان عطیہ ۔

اور مومن اور عارف کے درمیان فرق یہ ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف خود اللہ کے ذریعے سے دیکھتا ہے ، مؤمن کا دل ہوتا ہے اور عارف کا دل نہیں ہوتا ۔ مؤمن کا دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے مگر عارف اللہ کے سوا کسی سے مطمئن نہیں ہوتا ۔

معرفت کی تین قسمیں ہیں : معرفت اقرار ، معرفت حقیقت اور معرفت مشاہدہ ۔ معرفت مشاہدہ میں فہم ، علم ، لفظوں میں اسے بیان کرنا یا کلام کرنا سب شامل ہیں ۔

معرفت اور اس کی تعریف کے متعلق بہت سے اشارات پائے جاتے ہیں ۔ اتنے پر ہی کفایت کی جاتی ہے اور اتنا ہی دلیل پکڑنے والے اور ہدایت طلب کرنے والے کیلئے کافی ہے۔ وباللہ التوفیق ۔

حسن بن علی بن صویہ(۴۰) الدامغانی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ابوبکر الزاہرآبادی سے معرفت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : معرفت ایک نام ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ دل کے اندر ایسی تعظیم پائی جائے جو تجھے "تشبیہ" اور "تعطیل" سے باز رکھے ۔

****

کتاب الاحوال و المقامات

۱ ـ باب

مقامات اور ان کے حقائق کے بیان میں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اگر کہا جائے کہ مقامات کا کیا مطلب ہے تو اس کا جواب یہ ہے : ان تمام احوال میں جن میں بندہ بارگاہ رب العزت میں کھڑا ہوتا ہے مثلاً عبادات ، مجاہدات اور ریاضات بندے کا کھڑا ہونا اور پھر اللہ ہی کا ہو لینا مقام کہلاتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۳۱) ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید

(یہ مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہے جو میری بارگاہ میں کھڑے ہونے اور میرے وعید سے ڈرتے ہیں)

نیز فرمایا :

(۳۲) وما منا الا له مقام معلوم

(ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقررہ مقام ہے)

فرمایا :ابوبکر واسطی سے کسی نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا : ارواح گروہ ہیں جنہیں گروہ گروہ کرکے رکھا گیا ہے۔

تو جواب دیا : ان کو اپنے اپنے مقام کے مطابق گروہ میں رکھا گیا ہے اور وہ مقامات یہ ہیں توبہ ، ورع ، زھد ، فقر ، صبر ، رضا ، [illegible]

۲ ـ باب

احوال کے معنی کے بیان میں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : احوال کے یہ معنی ہیں : وہ صاف و پاک اذکار جو دل پر وارد ہوتے ہیں یا جن میں دل وارد ہوتا ہے ـ

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : حال دل پر اترنے والی ایک کیفیت ہے جو دائمی نہیں ہوتی ـ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حال سے مراد ذکر خفی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو مخفی ہو ـ

جو حال مجاہدات ، عبادات اور ریاضات کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے وہ ان مقامات کی طرح نہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے مثلاً مراقبہ ، قرب ، محبت ، خوف ، رجا ، شوق ، انس اطمینان ، مشاہدہ اور یقین وغیرہ ـ

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :
جب معاملہ دلوں تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اعضا کو آرام مل جاتا ہے

ابوسلیمان کے اس قول کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب بندہ اپنے دل کی حفاظت کرنے اور اپنے باطن کو مشغول رکھنے والے خیالات اور ان مذموم عوارض سے محفوظ رکھنے میں مشغول ہو جاتا ہے جو اس کے دل کو ذکر اللہ سے روکتے ہیں تو اعضا مجاہدات اور اعمال کی تکلیف اٹھانے سے آرام پالیتے ہیں ـ

اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب بندہ مجاھدۃ ، اعمال اور عبادات پر خوب قابو پالیتا ہے اور یہ اس کے لئے وطن کی مانند ہو جاتے ہیں تاآنکہ وہ اپنے دل میں ان سے لذت محسوس کرتا ہے ، ان کی حلاوت پاتا ہے اور جو تھکان اور درد (ص ۳۳) وہ پہلے محسوس کیا کرتا تھا جاتا رہتا ہے ـ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ، میرے خیال میں یہ قائل (۳۳) محمد بن واسع رحمہ اللہ ہیں ـ فرماتے ہیں :

میں نے بیس سال راتوں کی تکالیف برداشت کیں پھر بیس سال خوب آرام پایا

ایک اور کا قول ہے ـ میرے خیال میں وہ مالک بن دینار کا ہے :

میں نے بیس سال قرآن کو چھپایا پھر بیس سال اس کی قراءت سے لذت محسوس کی

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

دلوں کی پاسبانی کئے بغیر اللہ کے حقوق کی نگہبانی نہیں ہو سکتی ۔ اور جس کا باطن نہیں وہ مصر ہے اور مصر کی کوئی نیکی پاک و صاف نہیں ہو سکتی ۔

شیوخ نے مقامات کے متعلق جو جوابات دئے ہیں بہت ہیں ۔ اسی طرح احوال کے بارے میں بھی ان کے بہت اقوال ہیں ۔ میں نے انہیں مختصر طور سے ذکر کر دیا ہے ۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۳ ۔ باب

مقام توبہ

ابو یعقوب یوسف بن حمدان سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو لوگ دنیا سے الگ ہو کر اللہ ہی کے ہو لیتے ہیں ان کا پہلا مقام توبہ ہے ۔

سوسی رحمہ اللہ سے توبہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : ہر اس چیز کو جس کی علم مذمت کرے ترک کرکے ان چیزوں کی طرف آنے کا نام توبہ ہے جن کی علم مدح کرے ۔

کسی نے سہل بن عبداللہ سے توبہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا : توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے ۔

جنید رحمہ اللہ سے توبہ کی نسبت پوچھا گیا تو فرمایا :(توبہ یہ ہے کہ تو کئے ہوئے) گناہ کو بالکل بھول جائے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سوسی رحمہ اللہ کا جواب ان لوگوں کی توبہ کے متعلق ہے جو مریدوں ، ارادتمندوں ، طالبوں اور قاصدوں میں سے ہوں ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی یہ رجوع ان کے حق میں ہوتا ہے اور کبھی خلاف ۔

اور جو کچھ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ بھی اسی طرح کا ہے ۔

مگر جو جواب جنید رحمہ اللہ نے دیا ہے وہ ان لوگوں کی توبہ کے متعلق ہے جو

متحققین میں سے ہوں۔ اس اللہ تعالی کی عظمت کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر غالب آچکی ہوتی ہے اور دائمی ذکر کی وجہ سے وہ اپنے گناہوں کو یاد ہی نہیں کرتے اور یہ بعینہ اسی طرح ہے جس طرح کسی نے رویم بن احمد رحمہ اللہ سے سوال کیا تو فرمایا : توبہ سے بھی توبہ کرو۔

اسی طرح ذوالنون رحمہ اللہ (ص ۴۳) سے سوال کیا گیا تو فرمایا : عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت سے۔

اب رہی توبہ کے بارے میں اہل معرفت ، صاحب وجد اور خاص الخاص لوگوں کی زبان تو اس کی تشریح وہی ہے جو ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کا جواب تھا جب ان سے توبہ کے متعلق سوال کیا گیا چنانچہ فرمایا :

توبہ یہ ہے کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز سے توبہ کرے۔

جس کسی نے یوں کہا ہے : مقربین کے گناہ نیکوں کاروں کی نیکیاں ہوتی ہیں
اس کا اشارہ بھی اسی بات کی طرف ہے۔ اور یہ قائل ذوالنون ہیں
نیز جس نے یوں کہا ہے کہ عارفین کا ریا مریدین کا اخلاص ہے (اس کا اشارہ بھی اسی بات کی طرف ہے)

کیونکہ عارف اپنے ارادے ، اپنی ابتدا اور قربات اور اطاعات میں لگنے کے وقت جن امور کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا تھا جب اس نے ان امور پر پورے طور پر قابو پالیا ، اور انہیں حقیقی طور پر حاصل کر لیا اور ھدایت الہیہ کے انوار نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اللہ کی عنایت اس کے پاس آگئی اور رعایت خداوندی نے اسے آگھیرا اور اس نے اپنے دل سے اپنے آقا کی عظمت کا جس قدر مشاھدہ کرنا تھا کر لیا اور اپنے بنانے والے کی کاریگری اور اس کے قدیم احسانات میں غور کر لیا تو اس نے ان میں ان امور کی طرف نگاہ کرنے ، ان پر اطمینان ظاھر کرنے اور ان اطاعت گزاریوں ، اعمال اور قربات کی طرف توجہ کرنے سے توبہ کی جنھیں وہ اپنی ارادت اور اپنی ابتدائی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اس توبہ کرنے والے اور اس توبہ کرنے والے کے درمیان کس قدر بعد ہے چنانچہ ایک تو گناہ اور بداعمالیوں سے توبہ کرتا ہے اور دوسرا غفلت اور لغزشوں سے توبہ کرتا ہے اور تیسرا اپنی نیکیوں اور اطاعت گزاریوں کو دیکھنے سے توبہ کرتا ہے اور توبہ ورع کی مقتضی ہے۔

۴ ۔ باب

مقام ورع

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مقام ورع ایک شریف مقام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

تمہارے دین کا دار و مدار ورع پر ہے

اھل ورع کے تین درجے ھیں ۔ بعض تو وہ لوگ ھیں جو ان امور سے پرھیز کرتے ھیں جن میں ان کو شبہ ھو اور یہ وہ امور ھوتے ھیں جو واضح حلال اور واضح حرام کے بین بین ھوتے ھیں اور نہ ھی ایسے ھوتے ھیں کہ انہیں حلال مطلق یا حرام مطلق کہا جا سکے ۔ بلکہ دونوں کے درمیان ھوتے ھیں لہذا وہ ان دونوں سے پرھیز کرتا ہے۔ اسی قسم کے امور کے متعلق ابن سیرین نے کہا ہے :

میرے لئے کوئی چیز بھی ورع سے زیادہ آسان نہیں کیونکہ جب مجھے کسی چیز میں شک گزرتا تو میں اسے چھوڑ دیتا ھوں۔

بعض وہ لوگ ھیں جو ان امور سے پرھیز کرتے ھیں جن کے کرنے سے دل جھجکتا ہے اور جن کے کرتے وقت سینے میں خلش پیدا ھوتی ہے اور یہ وہ امور ھیں جنھیں صرف صاحب دل اور محقق لوگ ھی پہچان سکتے ھیں : یہ وھی بات ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ھیں : ورع یہ ہے کہ تو مخلوق پر زرہ بھر بھی ظلم کرنے سے بیزاری کا اظہار کرے تاکہ نہ کوئی تمہارے خلاف فریاد کرے نہ دعوی اور نہ کوئی مطالبہ ۔

اور جس طرح حارث محاسبی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اس کھانے کی طرف ھاتھ نہ بڑھاتے تھے جس میں شبہ ھو ۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : محاسبی کی درمیانی انگلی میں ایک رگ تھی ۔ جب وہ کسی ایسے کھانے کی طرف ھاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ھوتا تو یہ رگ پھڑکنے لگ

جاتی تھی۔

اور جس طرح بشر حافی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ انہیں ایک دعوت میں لے گئے اور آپ کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا آپ نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی مگر نہ بڑھا پھر کوشش کی مگر پھر بھی نہ بڑھا اسی طرح تین بار کیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص نے جو آپ کی حالت کو جانتا تھا کہا : آپ کا ہاتھ اس کھانے کی طرف ہرگز نہ بڑھے گا جو حرام کا کھانا ہو یا جس میں شبہ ہو۔ صاحب دعوت نے انہیں کیوں دعوت دی سہل بن عبداللہ کی حکایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

میں نے احمد بن محمد بن سالم سے بصرہ میں سنا وہ فرما رہے تھے کہ کسی نے سہل بن عبداللہ سے پوچھا کہ حلال کیا ہے ؟ تو فرمایا : حلال وہ ہے جس میں اللہ کی نافرمانی نہ پائی جاتی ہو۔

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :جس امر میں اللہ کی نافرمانی نہ پائی جاتی ہو اس کے متعلق صرف دل کے اشارے سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کیا علم کے اندر اس کی کوئی اصل پائی جاتی ہے جس کا ہم سہارا لے سکیں تو ہم کہیں گے ہاں۔ اس کی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا وہ قول ہے جو آپ نے وابصہ سے کہا۔

اپنے دل سے پوچھ خواہ فتوی دینے والے کچھ ہی فتوی دیتے رہیں

اس کی ایک اور اصل وہ بھی ہے جو آپ نے فرمایا : گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے۔

کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ آپ نے فیصلہ کو دل کے اشارے پر چھوڑ دیا ہے۔

تیسرا درجہ عارفوں اور ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اللہ کو پا لیا ہو۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا :

ہر وہ چیز جو تمہیں اللہ سے ہٹائے رکھے تمہارے لئے منحوس ہے

اور جیسا کہ جب سہل بن عبداللہ سے حلال صافی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۱
(ص ۳٦)

حلال وہ تمام امور ہیں جن میں اللہ کی نافرمانی نہ پائی جائے اور حلال صافی وہ ہے جس میں اللہ کو فراموش نہ کیا جائے۔

لہذا ایسی ورع جس میں اللہ کو فراموش نہ کیا گیا ہو وہ ورع ہے جس کے متعلق شبلی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا : اے ابوبکر ؟ ورع کیا ہے ؟ تو فرمایا :
ورع یہ ہے کہ تو پرہیزگار رہے اور تیرے دل میں ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ کی طرف سے پریشانی لاحق نہ ہو۔

لہذا ورع کی پہلی قسم عوام کی ورع کی ہے دوسری خاص لوگوں کی اور تیسری خاص الخاص لوگوں کی اور ورع زہد کی متقاضی ہے۔

۵ ۔ باب

مقام زھد

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : زھد شرف والا مقام ہے اور یہ پسندیدہ احوال اور بلند مراتب کی بنیاد ہے اور ان لوگوں کا پہلا قدم ہوتا ہے جو اللہ عزوجل کا ارادہ کرتے ھیں اور جو دنیا سے قطع تعلق کرکے اسی کے ہو لیتے ھیں اور جو اللہ سے راضی ہوتے ھیں اور اسی پر توکل کرتے ھیں لہذا جس نے اپنے زھد کی بنیاد کو مضبوط نہیں کیا تو پھر اس کی کوئی بات بھی درست نہ ہوگی ۔ اس لئے کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے اور دنیا سے اعراض ہر نیکی اور عبادت کی اصل ہے کہا جاتا ہے کہ جسے دنیا میں زھد کے نام سے موسوم کیا گیا گویا اسے ہزار نیک نام سے موسوم کیا گیا اور جسے دنیا کی خواہش رکھنے کے نام سے موسوم کیا گیا گویا اسے ہزار برا نام دے دیا گیا ۔ اور زھد تو وہ چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی ذات کیلئے اختیار کیا کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ کیلئے یہی چیز اختیار کر رکھی تھی۔ اور زھد تو اس چیز میں اختیار کیا جاتا ہے جو (سامنے) موجود ہو اور پھر ہو بھی حلال ۔ رہی حرام یا مشتبہ چیز تو اس کا ترک کرنا فرض ہے۔

زاھدوں کے تین درجے ھیں ۔ ان میں سے بعض مبتدی ہوتے ھیں اور وہ ایسے لوگ ہوتے ھیں جن کے پاس کوئی چیز نہ ہو اور ان کے دل میں ان چیزوں کے نہ ہونے کا خیال بھی پیدا نہ ہو ۔ جیسا کہ جنید رحمہ اللہ سے زھد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
ھاتھوں کا ملکیت سے خالی ہونا اور دلوں کا طمع سے خالی ہونا زھد ہے
سری سقطی رحمہ اللہ سے زھد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
زھد یہ ہے کہ جن چیزوں سے زاھد کا ھاتھ خالی ہو ان سے اس کا دل بھی خالی ہو

دوسرا گروہ ان زاھدوں کا ہے جن کا زھد تحقیق شدہ ھو ان کی صفت وہ ہے جو رویم بن احمد (ص ۴۷) رحمہ اللہ نے بیان کی جب ان سے زھد کے متعلق سوال کیا گیا ۔ فرمایا :

ان تمام چیزوں سے جو دنیا میں پائی جاتی ھیں حظ نفس کا ترک کر دینا زھد ہے

یہ متحققین کا زھد ہے کیونکہ دنیا سے زھد اختیار کرنے میں بھی حظ نفس پایا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ زھد کے اندر راحت ، تعریف ، نیک نامی اور لوگوں کے ھاں جاہ طلبی پائی جاتی ہے ۔ لہذا جو شخص دل سے ان حظوظ سے زھد اختیار کرے گا وھی حقیقی زاھد کہلائے گا ۔

تیسرے گروہ نے یہ معلوم کر لیا اور انہیں یقین ھو گیا کہ اگر تمام کی تمام دنیا جائز طور پر ان کی ملکیت بن جائے اور پھر آخرت میں ان سے اس کا محاسبہ بھی نہ کیا جائے اور اس سے ان انعامات میں جو انہیں اللہ کے ھاں ملیں گے کمی بھی واقع نہ ھوتی ھو اور پھر بھی یہ دنیا سے اللہ کی خاطر زھد اختیار کریں تو اس حالت میں بھی ان کا زھد ایک ایسی چیز میں ھوگا جس کی طرف اللہ تعالی نے اسے پیدا کرنے کے بعد نگاہ ھی نہیں کی اور اگر اللہ کے ھاں دنیا پرشہ کے برابر بھی سمجھی جاتی تب بھی اللہ اس میں سے کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ دیتا ۔ جب یہ لوگ اس مقام تک پہنچ جاتے ھیں تو اپنے زھد سے بھی زھد اختیار کرتے ھیں اور اپنے زھد سے توبہ کرتے ھیں ۔ جیسا کہ شبلی رحمہ اللہ سے زھد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

زھد تو غفلت (کا نام) ہے ۔ اس لئے کہ دنیا لاشیء ہے اور لاشیء سے زھد کرنا غفلت ہے

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : دنیا کی مثال ایک دلہن کی سی ہے اور جو اس دلہن کو چاھتا ہے ۔ اس کا بناؤ سنگھار کرتا ہے اور جو اس سے اعراض کرتا ہے وہ اس کا منہ کالا کرتا ہے اس کے بال نوچتا ہے اور اس کے کپڑے پھاڑ دیتا ہے اور جو عارف ھوتا ہے وہ اللہ کے ساتھ مشغول ھوتا ہے اس کی طرف متوجہ نہیں ھوتا ۔

اور زھد کا تقاضا ہے کہ زاھد فقر کو گلے لگائے اور اسے اختیار کرے

٦ ۔ باب

مقام فقر اور فقراء کی تعریف

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : فقر شرف والا مقام ہے۔ اللہ تعالی نے فقراء کی تعریف کی ہے اور اپنی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ فرمایا :

(۴۰) للفقراء الذين أحصروا في سبيل الله (الاية)

(صدقات) ان فقراء کیلئے ھیں جو اللہ کی راہ میں روک دئے گئے ھوں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مؤمن بندے کو فقر اس عمدہ لگام سے بھی زیادہ زیب دیتا ہے جو گھوڑے کے رخسارے پر ھوتی ہے ۔

ابراھیم بن احمد خواص رحمہ اللہ فرماتے ھیں :

فقر شرف والی چادر (ص ۳۸) مرسلین کا لباس ، صالحین کی اوڑھنی ، متقیوں کا تاج ، مؤمنوں کی زینت ، عارفوں کی غنیمت ، مریدین کی آواز ، اطاعت گزاروں کا قلعہ ، گناھگاروں کا قیدخانہ ہے اور یہ گناھوں کا کفارہ ، نیکیوں کو بڑھانے والی ، درجات کو بلند کرنے والی ، مقاصد تک پہنچانے والی ، اللہ تعالی کی رضا اور جو نیک لوگ صاحب ولایت ھیں ان کے کیلئے بزرگی کی چیز ہے ۔ اور فقر صالحین کا شعار اور متقیوں کا وطیرہ رھا ہے ۔

فقراء کے بھی تین درجے ھیں : ان میں بعض ایسے ھوتے ھیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں ھوتا اور وہ کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا ، نہ بظاھر اور نہ دل میں ، اور نہ وہ اس بات کا منتظر رھتا ہے کہ اسے کسی سے کوئی چیز ملے اور اگر کوئی اسے کچھ دینا چاھے بھی تو نہیں لیتا ۔ اس شخص کا مقام مقربین کا مقام ہے جیسا کہ سھل بن علی بن سھل اصبہانی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے وہ فرمایا کرتے تھے :

جو شخص ھمارے مریدوں کو فقراء کا نام دے (اس کیلئے یہ نام دینا) حرام ہے کیونکہ وہ تو (درحقیت) اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مالدار ھوتے ھیں ۔

اور جس طرح ابوعبداللہ بن الجلاء سے پوچھا گیا کہ فقر کی کیا حقیقت ہے تو فرمایا :

اپنی دونوں آستینوں کو دیوار پر دے مارو اور کہو میرا رب اللہ ہے ۔

اور جس طرح ابوعلی رودباری نے کہا : مجھ سے ابوبکر زقاق نے سوال کرتے ھوئے کہا :

اے ابوعلی ! فقراء نے ضرورت کے وقت بھی اس قدر زادراہ کو پاس رکھنا کیوں ترک کر دیا جس سے وہ منزل تک پہنچ سکیں ۔

رودباری کہتے ھیں : میں نے جواب دیا : کیونکہ وہ عطا کنندہ کے ساتھ مشغول ھونے کی وجہ سے عطیہ سے بے نیاز ھوتے ھیں ابو بکر زقاق نے کہا : یہ درست ہے مگر مجھے ایک اور بات ذھن میں آتی ہے۔ میں نے کہا : لاؤ اور مجھے بتاؤ کہ تمہارے ذھن میں کیا بات آتی

ہے۔ زقاق نے کہا : اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کسی چیز کا پاس ہونا سودمند نہیں ہو سکتا کیونکہ انہیں اللہ کی احتیاج ہوتی ہے اور احتیاج انہیں ضرر نہیں پہنچا سکتی کیونکہ ان کے پاس اللہ ہوتا ہے۔

میں نے ابوبکر وجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی کو ایسا کہتے ہوئے سنا۔

میں نے ابوبکر طوسی کو سنا وہ فرما رہے تھے : میں مدت دراز تک لوگوں سے دریافت کرتا رہا کہ ہمارے اصحاب نے دیگر اشیاء کو چھوڑ کر فقر کو کیوں اختیار کیا مگر مجھے کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔ تاآنکہ میں نے نصر حمامی سے بھی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا : اس لئے کہ یہ توحید کی پہلی منزل ہے۔ اس سے میری تسلی ہو گئی۔

اور کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں نہ کسی چیز کی تلاش میں نکلتے ہیں نہ اشاروں کنایوں سے کچھ کہتے ہیں اور اگر انہیں بغیر سوال کے کچھ دے دیا جائے تو لے لیتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : سچے فقیر کی نشانی یہ ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگے اور نہ مانگنے کی غرض سے کسی کے سامنے آئے اور کوئی سامنے آجائے تو خاموش رہے۔

اور جیسا کہ سہل بن عبداللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے (ص ۳۹) پوچھا گیا کہ فقیر صادق کون ہے ؟ تو فرمایا :

وہ نہ تو کسی سے سوال کرتا ہے (اگر کوئی دے تو) رد نہیں کرتا اور (اگر کچھ مل جائے) تو پاس بچا کر نہیں رکھتا۔

نیز جس طرح کہ ابوعبداللہ بن الجلاء رحمہ اللہ سے حقیقت فقر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : فقر یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہ ہو اور جب تمہارے پاس کچھ آجائے تو تم اسے اپنا نہ سمجھو اور چونکہ یہ تمہارا نہیں ہے لہذا تمہارا نہ ہوا۔

اور جس طرح ابراهیم خواص سے پوچھا گیا کہ فقیر صادق کی کیا نشانی ہے تو فرمایا :

شکایت نہ کرنا اور مصیبت کو چھپانا

ایسے شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا مقام صدیقین کا مقام ہے۔

اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا مگر جب انہیں ضرورت پڑتی ہے تو وہ اپنے بھائیوں میں سے کسی ایسے شخص کے پاس کھل جاتے ہیں جن کے متعلق انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے کھل جانے سے خوش ہوں گے۔ اس کا صدق سوال کرنے کا کفارہ ہوتا ہے۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح جب جریری رحمہ اللہ سے فقر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : فقیر وہ ہے جو اس وقت تک معدوم چیز کی تلاش میں نہ نکلے جب تک موجود اشیاء معدوم نہ ہو جائیں۔

نیز جس طرح جب رویم سے فقر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
ہر موجود چیز کا معدوم ہو جانا فقر ہے اور اگر فقیر کسی چیز میں داخل ہوتا ہے تو اس کا ایسا کرنا اوروں کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ اپنی ذات کیلئے۔

فقر میں اسی شخص کا مقام صدیقین کا مقام ہے۔

اور فقر مقام صبر کا مقتضی ہے۔

۷۔ باب

مقام صبر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صبر ایک شرف والا مقام ہے۔ اللہ تعالی نے صابروں کی تعریف کی ہے اور اپنی کتاب میں ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :
(۴۵) انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب
صابروں کو ان کا اجر بغیر حساب کئے پورا دیا جائے گا

جنید سے صبر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : اللہ کی خاطر تکلیف برداشت کرتے رہنا تاآنکہ مصیبت کا وقت گزر جائے۔

ابراھیم خواص فرماتے ہیں : بیشتر مخلوق صبر کا بار برداشت کرنے سے بھاگ گئی لہذا انہوں نے جستجو کرنے اور اسباب دنیا کے پاس پناہ لی اور ان اشیاء پر اسی طرح اعتماد

کر بیٹھے جیسے یہ ان کے رب ہوتے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں ایک شخص شبلی رحمہ اللہ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور کہا : صابر لوگوں پر کونسا صبر سخت ترین ہوتا ہے۔

شبلی نے جواب دیا : وہ صبر جو اللہ کے بارے میں ہو۔ اس شخص نے کہا : نہیں۔ شبلی نے پھر کہا : وہ صبر جو اللہ کی خاطر ہو اس نے پھر کہا : نہیں۔ شبلی نے پھر کہا : وہ صبر جو اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے ہو اس نے کہا : نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر شبلی رحمہ اللہ کو غصہ آگیا اور کہا : تو تباہ ہو پھر وہ کونسا صبر ہو سکتا ہے ؟ اس شخص نے جواب دیا : وہ صبر جو اللہ سے دوری کی وجہ سے ہو۔ راوی کہتا ہے کہ شبلی نے جب یہ سنا تو ایسی چیخ ماری کہ قریب تھا کہ ان کی جان نکل جائے۔

میں نے ابن سالم سے بصرہ میں صبر کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا کہ صبر کی تین صورتیں ہیں۔ متصبر (تکلفاً صبر کرنے والا) ، صابر اور صبار (بہت ہی صبر کرنے والا) ، متصبر تو وہ ہے جو اللہ کے بارے میں صبر کرے چنانچہ یہ شخص کبھی تو مصائب پر صبر کر سکتا ہے اور کبھی نہیں کر سکتا۔ اس کی مثال وہی ہے جو کسی نے قناد سے صبر کے متعلق سوال کیا تو جواب دیا :

جو امور ہم پر فرض کئے گئے ہیں ان پر لگا رہنا صبر ہے اس طرح جن امور سے ہمیں منع کیا گیا ہے ان سے اعراض کرنا اور جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر پابند رہنا۔

اور صابر وہ ہے جو اللہ کے بارے میں اور اللہ کی خاطر صبر کرے اور گھبرائے نہیں اور گھبراهٹ اس پر قابو بھی نہ پا لے مگر ہو سکتا ہے کہ یہ شکایت کر بیٹھے۔ جیسا کہ ذوالنون کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں ایک مریض کی عیادت کیلئے گیا۔ باتیں کرتے کرتے اس نے یکایک آہ بھری میں نے کہا : جو اپنے محبوب کی ضرب پر صبر نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہے۔ ذوالنون کہتے ہیں کہ اس نے جواب میں کہا : بلکہ بات یوں ہے کہ جو محبوب کی ضرب سے لذت محسوس نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں سچا نہیں۔ اور جس طرح شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا جب انہیں پاگل خانے میں لے جا کر جکڑ دیا گیا اور ان کے دوست ان کی ملاقات کو آئے۔ شبلی نے پوچھا : تم کون ہو انہوں نے جواب دیا : ہم تم سے محبت کرنے والے ہیں۔ اس پر شبلی نے ان پر اینٹیں پھینکنی شروع کر دیں اور وہ بھاگ گئے۔ شبلی نے کہا : ارے جھوٹو ؟ تم میری محبت کا دعوی کرتے ہو مگر میری مار پر صبر نہیں کرتے۔

اب رہا صبار تو یہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا صبر اللہ کے بارے میں ۔ اللہ کی خاطر اور اللہ کے ساتھ ہو اس شخص پر اگر ہر نوع کی مصائب کیوں نہ نازل ہو جائیں یہ نہ تو کمزور پڑے گا اور نہ ہی صبر کی اس کیفیت سے بدلے گا جو اس کیلئے ضروری ہے اور حقیقت ہے البتہ رسمی اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اس میں تغیر پیدا ہو سکتا ہے ۔

شبلی سے جب صبر کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ یہ اشعار مثال کے طور پر پیش کیا کرتے تھے ۔

عبرات خططن فی الخد سطراً   قد قراھا من لیس یحسن یقرأ

آنسوؤں نے میرے رخساروں پر لکیریں ڈال دی ہیں جنہیں وہ شخص بھی پڑھ سکتا ہے جسے اچھی طرح پڑھنا نہیں آتا (ص ۵۱)

ان صوت المحب من ألم الشو   ق و خوف الفراق یورث ضرا

شوق کے درد اور فراق کے خوف سے عاشق کی جو آواز نکلتی ہے اس سے اسے تکلیف پہنچتی ہے

صابر الصبر فاستغاث بہ الصبر فصاح المحب بالصبیر صبرا

اس نے صبر کا مقابلہ کیا اور صبر نے اس کے پاس فریاد کی اس پر عاشق نے صبر کو پکار کر کہا ارے صبر کرو

علم کی رو سے اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب زکریا علیہ السلام کے سر پر ارہ رکھا گیا تو انہوں نے صرف ایک بار آہ و زاری کی جس پر اللہ تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تو نے دوسری بار ایسا کیا تو میں آسمانوں اور زمینوں کو ایک دوسرے کے اوپر پلٹ دوں گا ۔

اور صبر توکل کا مقتضی ہے

۸ ۔ باب

مقام توکل

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توکل شرف والا مقام ہے اور اللہ نے بھی توکل کرنے کا

حکم دیا ہے اور اسے ایمان سے وابستہ کیا ہے کیونکہ فرمایا :

(۳۶) و علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین

اگر تم مؤمن ہو تو اللہ پر بھروسا کرو

نیز فرمایا :

(۴۷) و علی اللہ فلیتوکل المتوکلون

توکل کرنے والوں کو اللہ پر بھروسا کرنا چاھئے

ایک اور جگہ فرمایا :

(۴۸) و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون

مومنوں کو اللہ پر بھروسا کرنا چاھئے

.اللہ نے متوکلوں کے توکل کو مومنوں کے توکل کے مقابلے میں خاص قرار دیا ۔ اس کے بعد خاص الخاص لوگوں کے توکل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

(۴۹) و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

جس نے اللہ پر بھروسا کیا تو پھر وھی اس کیلئے کافی ہے

(اس آیت میں) اللہ نے انہیں اپنے سوا کسی اور طرف نہیں پھیرا ۔ جیسا سید المرسلین اور امام المتوکلین سے کہا :

(۵۰) و توکل علی الحیی الذی لا یموت و کفی بہ

آپ اس (خدا) پر بھروسا کریں جو زندہ ہے اور کبھی مرنے کا نہیں اور وھی کافی ہے (آیت)

(اور فرمایا)

(۵۱) و توکل علی العزیز الرحیم الذی یراک حین تقوم (الایۃ)

اس طاقتور اور رحیم خدا پر بھروسا کریں جو آپ کو کھڑے ہوتے دیکھتا ہے

لہذا ان کے تین درجے ھیں ۔ رھا مؤمنوں کا توکل تو اس کی شرط وہ ہے جو ابوتراب نخشبی نے بتائی جب ان سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا ۔ فرمایا :(ص۵۲)

اپنے جسم کو بندگی کیلئے پھینک دینا اور دل کا اپنے رب کو چمٹا رھنا اور بندے کا اس قدر روزی پر مطمئن رھنا جو اس کو کفایت کرے توکل ہے چنانچہ اگر اسے کچھ دے دیا جائے تو صبر کرے اور اگر نہ دیا جائے صبر کرے مگر اس کی بات یہ حالت ہو کہ وہ اللہ پر راضی اور تقدیر کے مطابق چلتا ہو ۔

اسی طرح جب ذوالنون سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

اپنے نفس کی تدبیروں کو ترک کر دینا اور اپنی چالوں اور قوت سے بے زاری کا اعلان کرنا توکل ہے

اسی طرح ابوبکر زقاق رحمہ اللہ نے کہا ہے : اپنی تمام زندگی کو ایک (۵۳) دن کی طرف لوٹانا اور آئندہ کی فکر نہ کرنا توکل ہے

رویم سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا :
اللہ کے کئے ہوئے وعدے پر اعتماد کرنا توکل ہے
سہل بن عبداللہ سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا :
بندے کا اللہ کے ارادے کے مطابق کھنچا چلا جانا توکل ہے۔

اب لیں خاص لوگوں کا توکل تو یہ وہی ہے جو ابوالعباس بن عطاء رحمہ اللہ نے کہا ہے :

جس نے غیر اللہ کی خاطر اللہ پر بھرسا کیا اس نے توکل میں ہوتے ہوئے بھی توکل نہیں کیا تاآنکہ وہ اللہ پر توکل اللہ کی مدد سے اور اللہ کی خاطر کرے اور اللہ پر توکل کرنے میں کسی اور سبب کی خاطر توکل کرنے والا نہ ہو۔

یا جس طرح ابویعقوب نہر جوری رحمہ اللہ نے فرمایا جب ان سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا : جب دنیا و آخرت کی چیزوں سے نفس کے حظ جاتے رہنے کی وجہ سے نفس مردہ ہو جائے تو یہ توکل ہے۔

ابوبکر واسطی نے بھی فرمایا ہے : اللہ کے پاس اپنی حاجت کا لے جانا توکل ہے نیز یہ کہ (متوکل) آرزوں کے ہوتے ہوئے بھی توکل نہ چھوڑے اور عمر بھر ایک لحظہ کیلئے بھی دل سے اپنے توکل کی طرف نہ دیکھے۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے توکل کی نسبت دریافت کیا گیا تو فرمایا : توکل ہمہ تن چہرہ ہی چہرہ ہے اس کی گدی نہیں ہے اور صحیح توکل تو(۱) اہل قبور کا توکل ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے متوکلوں کے توکل کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہی خاص لوگ ہیں۔

اب رہا خاص الخاص لوگوں کا توکل تو یہ اسی طرح ہے جس طرح شبلی نے ایک سوال کے جواب میں کہا : تو اللہ کے سامنے ایسا ہو جیسے کہ تو کبھی تھا ہی نہیں اور اللہ تعالی تمہارے سامنے ایسے ہوں جس طرح وہ ازل میں تھے۔

اور جس طرح کسی صوفی نے کہا ہے : مخلوق میں سے کوئی شخص بھی کامل طور پر حقیقی توکل کی قدرت نہیں رکھتا کیونکہ کمال پر کمال صرف اللہ تعالی کا حصہ ہے (ص۵۳) ۔

ابوعبداللہ بن الجلاء سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : خدائے واحد کے پاس پناہ لینا توکل ہے ۔

جنید رحمہ اللہ سے توکل کی نسبت سوال کیا گیا تو جواب دیا :
تمام حالات میں دل کا اللہ پر اعتماد کرنا توکل ہے ۔

ابوسلیمان دارانی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ سے کہا : اے احمد آخرت کے بہت راستے ہیں اور تمہارے پیر کو ان میں سے بہت سے راستوں کا علم ہے سوائے اس مبارک توکل کے کیونکہ میں نے تو اس توکل کی بو تک نہیں سونگھی اور میرے پاس اس کی بو سونگھنے کیلئے ناک بھی نہیں ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے : جو شخص حقیقۃً توکل کرنا چاھتا ہے تو وہ اپنے لئے ایک قبر کھود لے اور اپنے آپ کو اس میں دفن کر دے اور دنیا اور دنیا والوں کو بھول جائے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی شخص بھی کامل طور پر حقیقی توکل کی قدرت نہیں رکھتا ۔
اور توکل رضا کا مقتضی ہے ۔

۹ ۔ باب

مقام رضا اور اہل رضا کی تعریف

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : رضا شرف والا مقام ہے اور اللہ عزوجل نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے ۔ چنانچہ فرمایا :
(۵۴) رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ
اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے
نیز فرمایا :
(۵۵) و رضوان من اللہ أکبر
اور اللہ کی خوشنودی بہت بڑی بات ہے

یہاں اللہ تعالی نے بیان کیا ہے کہ بندوں سے اللہ تعالی کا راضی ہونا بڑی بات ہے اور یہ اس رضامندی کے مقابلہ میں جو انہیں اللہ سے ہے بہت قدیم ہے۔

رضا اللہ تعالی کا ایک عظیم دروازہ ہے اور دنیا کی جنت ہے اور وہ یہ ہے کہ بندے کا دل اللہ عزوجل کے حکم کے تحت سکون و اطمینان میں ہو۔

جنید رحمہ اللہ سے رضا کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : اپنے ذاتی اختیار کا اٹھا دینا رضا ہے۔

قناد رحمہ اللہ سے رضا کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : قضاء الٰہی کے گزرنے سے دل کو سکون حاصل ہونا رضا ہے۔

ذوالنون سے رضا کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا : قضاء الٰہی کے گزرنے پر دل کو خوشی کا حاصل ہونا رضا ہے۔

ابن عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دل کی نگاہ کا اللہ تعالی کے اس قدیم اختیار کی طرف لگا رہنا جو اللہ کو بندے پر ازل سے حاصل ہے رضا ہے (ص ۵۴) کیونکہ اس بندے کو معلوم ہے کہ اللہ نے اس کے لئے وہی کچھ اختیار کر رکھا ہے جو سب سے افضل ہے لہذا بندہ اس پر راضی رہتا ہے اور ناراضگی ترک کر دیتا ہے۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جہاں تک ہو سکے رضا کو عمل میں لاؤ اور اسے ایسا موقعہ ہی نہ دو کہ وہ تمہیں استعمال کر سکے ورنہ تم اس کی لذت اور اس کی حقیقت (۵٦) کو دیکھنے کی وجہ سے حجاب میں ہو جاؤ گے۔

اہل رضا کی رضا میں تین حالتیں ہوتی ہیں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جزع فزع کو ترک کر دیتے ہیں اور عمل کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان تمام حالات میں جو اللہ کے حکم سے بندے پر جاری ہوتے ہیں مثلاً ناپسند امور تکالیف ، راحت ، محرومی اور بخشش بندے کا دل اللہ کیلئے ایک جیسا رہتا ہے۔

اور کچھ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی نگاہ اللہ کی رضا پر لگائے رکھنے کی وجہ سے اس رضامندی کو نہیں دیکھتے جو انہیں اللہ سے ہے۔

کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

لہذا رضا پر اس کا قدم جمتا ہی نہیں خواہ اس کے نزدیک تنگی ، آسودگی ، محرومیت اور بخشش یکساں کیوں نہ ہوں ۔

۴

کچھ وہ لوگ ہیں جو اس سے بھی آگے نکل جاتے ہیں اس خیال سے کہ اللہ تعالی نے چونکہ پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے (خاص) بندوں سے راضی ہے لہذا نہ تو اللہ کا بندے سے راضی ہونے کو دیکھتے ہیں اور نہ اللہ سے اپنی رضا کو ۔ جیسا کہ ابوسلیمان درانی رحمہ اللہ نے کہا ہے :

مخلوق کے اعمال بھلا اللہ کو کیا راضی کر سکتے ہیں یا کیا ناراض کر سکتے ہیں ۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کچھ لوگوں پر راضی ہوا لہذا اللہ نے ان سے اہل رضا کے کام کروائے اور کچھ لوگوں پر ناراض ہوا تو ان سے ایسے لوگوں کے کام کروائے جن پر اللہ ناراض ہے ۔

مقامات میں سے رضا آخری مقام ہے ۔ اس کے بعد رضا کا تقاضا یہ ہے کہ بندے پر ارباب قلوب کی کیفیات کا ورود ہو ، غیب کا مطالعہ کرے اور اذکار کی صفائی اور حقائق احوال کی خاطر وہ اپنے اسرار کو مہذب بنائے ۔

ارباب قلوب کے احوال میں سے پہلا حال مراقبہ ہے

۱۰ ـ باب

احوال اور ان کے حقائق کا مراقبہ اور اہل مراقبہ کی تعریف

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہی : مراقبہ شرف والا حال ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۷) و کان اللہ علی شیء رقیباً

(اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے)

نیز فرمایا :

(۵۸) ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید

(جو بات بھی وہ منہ سے کہتا ہے تو اس پر ایک ایک نگہبان موجود ہوتا ہے)

نیز فرمایا :

یعلم سرکم و نجونکم و یعلم ما تسرون وما تعلنون
(اللہ تعالیٰ تمہارے رازوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو سب کا اسے علم ہے)

قرآن مجید میں اس قسم کی بہت سی آیات پائی جاتی ہیں ۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

مراقبہ ان لوگوں کا کام ہے جن کو یہ علم ہو اور یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل اور ضمیر کی بات پر مطلع ہے اور اسے اس کا علم ہے ۔ لہذا یہ شخص ایسے مذموم خیالات کو نگاہ میں رکھے گا جو اس کے دل کو اپنے آقا کے ذکر سے غافل کردیں ۔ جیسا کہ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :
دلوں کی باتیں اللہ سے کیسے مخفی رہ سکتی ہیں جب دلوں میں تو وہی امور ہو سکتے ہیں جو اللہ نے دلوں میں ڈال رکھے ہیں لہذا جو چیز اسی کی طرف سے ہے وہ اس پر کیسے مخفی رہ سکتی ہے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھ سے ابراهیم (۵۹) آجری نے فرمایا : بچا اگر تو اپنے ارادوں کا ایک ذرہ بھی اللہ کی طرف لوٹا دے تو یہ تمہارے لئے تمام دنیا سے بہتر ہے ۔

حسن بن علی دامغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اپنے باطن کی حفاظت کیا کرو کیونکہ اللہ کو دلوں کی باتوں کا علم ہے ۔

مراقبہ میں اہل مراقبہ کی تین حالتیں ہیں ۔ جو کچھ حسن بن علی نے کہا ہے وہ مراقبہ کی ابتدائی حالت ہے اب مراقبہ کی دوسری حالت کو لیں تو یہ ایسی ہے جس کا ذکر احمد بن عطا نے کیا ہے : فرماتے ہیں :
تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو حق کی مدد سے حق کو نگاہ میں رکھے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہ میں ماسوا کلیةً فنا ہو اور افعال ، اخلاق اور آداب میں مصطفی صلی اللہ علیہ و سلم کی تابعداری کرو ۔

مراقبہ کی تیسری حالت کو لیں تو یہ اہل مراقبہ میں سے بڑے لوگوں کی حالت ہے کیونکہ وہ اللہ کو نگاہ میں رکھتے ہیں اور اس سے یہ التجا کرتے ہیں کہ اس مراقبہ کے دوران وہ ان کا خیال رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نجباء اور خاص لوگوں کو یہ خصوصیت

بخشش ہے کہ وہ انہیں ان کے تمام حالات میں ان کے نفسوس کے سپرد نہیں کر دیتا اور نہ کسی اور کے سپرد کرتا ہے۔ اللہ تعالی خود ان کے معاملات کا والی ھوتا ہے چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۶۰) و ھو یتولی الصالحین

(وہ صالحین کا والی بنتا ہے)

ابن عطا رحمہ اللہ نے خراسان کے کسی دانا سے جو جہالت میں ڈوبا ھوا تھا اور تقشف کی زندگی بسر کرتا تھا کہا : کیا تجھے معلوم نہیں کہ ان خیالات کے مقابلے میں جن کا تو دل سے مطالعہ کرتا ہے وہ اعمال جو تو بدن کے ساتھ کرتا ہے گندگیاں ھیں اور ان خیالات کے مقابلے میں جنہیں تو اپنے باطن میں دیکھتا ہے وہ خیالات جن کا تو اپنے دل سے مطالعہ کرتا ہے ھیچ ھیں لہذا تجھے چاھئے کہ تو ظاھر و باطن میں اللہ کو نگاہ میں رکھے کیونکہ یہ تیرے ان اعمال اور عبادات سے بہتر ہے جن کا تو ساتھ دیتا ہے۔

اور مراقبہ قرب خداوندی کا مقتضی ہے

۱۱ ـ باب

حال قرب

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۶۱) و اذا سألک عبادی عنی فانی قریب

جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں (تو کہہ دیں کہ) میں قریب ھوں

نیز فرمایا :

(۶۲) و نحن أقرب الیه من حبل الورید

ھم شاہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ھیں

نیز فرمایا :

(۶۳) و نحن أقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون

ھم تم سے زیادہ اس کے قریب ھیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے ۔

اس کے بعد اپنے ملائکہ کی صفت بیان کرتے ھوئے فرمایا :

(۶۴) اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة ایھم أقرب

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کے پاس جانے کا ذریعہ ڈھونڈتے ہیں (تاکہ دیکھیں کہ) کون قریب ہے

وسیلے سے مراد قریب ہے۔

نیز فرمایا :

(۶۵) و نحن أقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون

ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہیں مگر تم دیکھ نہیں سکتے۔

یہاں اللہ نے اس قرب کا ذکر کیا ہے جو انہیں اللہ کے ہاں حاصل ہے۔ اس کے بعد ان کے قرب کا ذکر کیا ہے بایں معنی کہ اس قرب کے ذریعے سے اللہ کے ہاں ذریعہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون زیادہ قریب ہے اور قرب کی حالت اس بندے کی ہوتی ہے جو اپنے دل سے اللہ کے قریب ہونے کا مشاہدہ کرتا ہے لہذا وہ اپنی اطاعت گزاری کے ذریعے سے اللہ کے قریب ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے حضور میں آکر وہ اپنے تمام ارادوں کو یوں جمع کرتا ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں ہمیشہ اس کا ذکر کرتا رہتا ہے۔

ان کی تین حالتیں ہوتی ہیں چنانچہ بعض تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو مختلف قسم کی عبادت گزاری سے اس کا قرب حاصل کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کو ان کا علم ہے اور اللہ ان کے قریب ہے اور ان پر قدرت بھی رکھتا ہے۔

اور بعض وہ ہوتے ہیں جنھوں نے اسے حقیقی طور پر جان لیا ہوتا ہے جیسا کہ عامر بن عبدالقیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

میں جس چیز کی طرف بھی نظر کرتا ہوں تو یوں پاتا ہوں کہ اللہ تعالی مجھ سے بھی زیادہ اس چیز کے قریب ہیں اور یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی نے کہا ہے (ص ۵۲)

(۶۶) و تحققتک فی السر فنا جاک لسانی

میں نے تمہیں اپنے سر میں حقیقی طور پر پالیا تو میری زبان نے تم سے باتیں کیں

فاجتمعنا لمعان وافترقنا لمعانی

چنانچہ ہم کچھ باتوں میں اکٹھے ہوگئے اور کچھ باتوں میں الگ الگ

ان یکن غیبک التعظیم عن لحظ لسانی

اگر تمہاری تعظیم نے تمہیں میری نگاہوں کے دیکھنے سے غائب کر دیا ہے (تو کوئی بات نہیں)

فلقد صیرک الوجد من الاحشاء دانی

کیونکہ وجد نے تجھے میرے باطن کے قریب کر دیا ہے

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یاد رکھو! اللہ تعالی اپنے بندوں کے دلوں سے اسی قدر

قریب ہوتا ہے جس قدر وہ دیکھتا ہے کہ بندوں کے دل اس کے قریب ہیں لہذا خود دیکھ لو نہ وہ کونسی چیز ہے جو تمہارے دل کے قریب ہے۔

ایک اور کہتا ہے: اللہ تعالی کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنا قرب ان (افعال و خصائل) کی وجہ سے دے رکھا ہوتا ہے جن کی وجہ سے (خود) اللہ ان کے قریب ہوتا ہے اور وہ بھی اس منزلت کی وجہ سے اللہ کے قریب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ ان کے قریب ہوتا ہے۔ قرب کی حالت کا یہ دوسرا درجہ ہے۔

اب رہا کبراء اور منتہی لوگوں کا حال تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ابو الحسین نوری رحمہ اللہ نے ایک شخص سے جو ان کے پاس آیا کہا، پوچھا: کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا: بغداد سے پھر کہا: وہاں کس کی صحبت میں رہے؟ جواب دیا: ابوحمزہ کی صحبت میں۔ انہوں نے کہا: جب واپس بغداد جاؤ تو ابوحمزہ سے کہنا: ان معنوں میں جن کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں قرب القرب بعدالبعد ہے۔

نیز جس طرح ابویعقوب سوسی نے کہا: جب تک بندہ قرب میں رہے تو یہ قرب نہیں۔ تاآنکہ وہ اس قرب کی وجہ سے قرب سے بے خبر نہ ہو جائے۔ لہذا جب وہ اس قرب کی وجہ سے اپنے قرب کو نہ دیکھ سکے گا تو (درحقیقت) یہی قرب ہوگا مراد یہ ہے کہ وہ اس بات کو نہ دیکھے کہ اسے اللہ کا قرب حاصل ہے کیونکہ اللہ تو (درحقیقت) اس کے قریب ہے ہی۔

اور قرب کی حالت محبت اور خوف کی حالت کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۲ ـ باب

حال محبت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اب حال محبت کو لیں تو (ہم دیکھتے ہیں) کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں کئی جگہ محبت کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرمایا:

(۶۸) فسوف یأتی اللہ بقوم یحبهم و یحبونه

اللہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں

(ص ۵۸) نیز فرمایا :

(۶۹) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

آپ انہیں کہہ دیں اگر تمہیں اللہ کے ساتھ محبت ہے تو میری تابعداری کرو پھر اللہ بھی تم سے محبت کرنے لگے گا

ایک اور مقام پر فرمایا :

(۷۰) یحبونہم کحب اللہ والذین آمنوا أشد حباً للہ

وہ ان سے اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کی جاتی ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اللہ کے ساتھ ان کی محبت اور بھی زیادہ شدید ہوتی ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالی نے بندوں کی محبت سے پہلے اپنی محبت کا ذکر کیا ہے اور دوسری آیت میں اللہ سے ان کی محبت کا اور پھر ان سے اپنی محبت کا ذکر کیا ہے اور تیسری آیت میں اس محبت کا ذکر کیا ہے جو بندوں کو اللہ سے ہے۔

حال محبت اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو اپنی آنکھوں سے ان انعامات کو دیکھتا ہے جو اللہ نے اس پر کئے ہیں پھر اپنے دل سے یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی اس کے قریب ہے، اسکی اس پر عنایات ہیں اور وہ اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی نگہبانی کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ایمان اور یقینی حقیقت کے ساتھ اللہ کی اس ازلی عنایت ، ہدایت ، اور اس محبت کو دیکھتا ہے جو قدیم سے اللہ تعالی اس سے رکھتے ہیں لہذا یہ بھی اللہ سے محبت رکھتا ہے۔

اہل محبت کی تین حالتیں ہیں : پہلی حالت عام لوگوں کی محبت کی ہے جس کا سبب وہ احسانات اور مہربانیاں ہیں جو اللہ ان پر کرتا ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

یہ بات دلوں کی فطرت میں ڈال دی گئی ہے کہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ان سے نیک برتاؤ کرے اور اس سے بغض رکھتے ہیں جو ان سے برا برتاؤ کرے (حدیث)

محبت کی اس حالت کی شرط وہی ہے جو سنون رحمہ اللہ نے بتائی جب کسی سائل نے ان سے محبت کے متعلق سوال کیا ۔ فرمایا : پاک و صاف محبت اور دائمی یاد کیونکہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے پھر وہ بالعموم اسی کا ذکر کرتا رہتا ہے۔

اور جیسا کہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: دلوں کا اللہ سے موافقت کرنا ، پھر اس موافقت سے چمٹا رہنا ، رسول اللہ صلی اللہ

علیه و سلم کی تابعداری کرنا ۔ اللہ کے ذکر سے والہانہ لگاؤ رکھنا اور اللہ سے مناجات کرنے سے حلاوت محسوس کرنا ۔ محبت کہلاتا ہے۔

حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
اپنی پوری کوشش صرف کر دینا پھر محبوب جو چاہے کرے۔

نیز جیسا کہ کسی شیخ نے محبت کے متعلق سوال کے جواب میں کہا : دل محبوب کی ثنا بیان کرنے کے گرویدہ ہوں اس کی اطاعت کو ہر بات پر ترجیح دیں اور اس کی موافقت کریں ۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے :

(۱)لو کان حبک صادقاً لأطعته   ان المحب لمن یحب مطیع

اگر تمہاری محبت سچی ہوتی توتو اسکی اطاعت کرتا کیونکہ عاشق محبوب کا مطیع ہوتا ہے

محبت کا دوسرا حال اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ دل کی نگاہ اللہ کی مالداری ، جلال ، عظمت ، علم اور قدرت کی طرف لگی رہے ۔ یہ صادقین اور متحققین کی محبت ہے ۔ اس کی شرط اور تعریف (ص ۵۹) وہی ہے جس کا ذکر ابوالحسین نوری نے محبت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کیا ہے ۔ فرمایا :
(محبت) پردوں کا پھاڑنا اور اسرار کا ظاہر کرنا ہے ۔
ابراھیم خواص سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
ارادوں کا مٹ جانا اور تمام صفات اور حاجات کا جل جانا محبت ہے ۔
ابوسعید خراز رحمہ اللہ سے بھی محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جس نے محبت کا ایک پیالہ بھی پی لیا اور خدائی جلیل کے ساتھ مناجات اور قرب کی نعمت کا مزا چکھا کیونکہ اس نے اللہ کی محبت کی وجہ سے لذتیں پائی ہیں پھر اس کا دل محبت سے پر ہوا اور وہ اللہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے طرب سے اڑنے لگا اور اشتیاق کی وجہ سے دیوانہ وار اس کی طرف آیا ۔ ایسے محبت کرنے والے کا کیا کہنا جو اپنے رب کی خاطر افسردہ ہو ، فریفتہ ہو ، نڈھال ہو ، اس کے سوا اسے کہیں سکون حاصل نہ ہو اور نہ کسی سے الفت ہو ۔

اب لیں محبت کی تیسری حالت کو تو یہ صدیقین اور عارفین کی محبت ہے اور یہ اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ جب یہ دیکھتے ہیں اور معلوم کر لیتے ہیں کہ اللہ نے بغیر کسی علت کے ان سے ازل سے محبت کی تو یہ بھی بغیر کسی علت کے اللہ سے محبت کرتے ہیں ۔ اس محبت کی تعریف وہ ہے جو ذوالنون مصری نے کی جب ان سے سوال کیا گیا : وہ کون سی

صاف محبت ہے جس میں کوئی کدورت نہیں پائی جاتی ۔ انہوں نے جواب دیا : اللہ کی پاک و صاف محبت جس میں کوئی کدورت نہیں یہ ہے کہ دل اور اعضا سے محبت اس طرح ساقط ہو جائے کہ اس میں محبت نہ رہے اور تمام اشیاء اللہ کے ساتھ اور اللہ کیلئے ہوں۔ اور ایسا شخص محب لله کہلاتا ہے۔

ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بندے کی محبت اس وقت تک ٹھیک محبت نہیں کہلا سکتی جب تک وہ اپنی محبت کو دیکھنے سے نکل کر محبوب کے دیکھنے کی طرف نہیں آتا اس طرح کہ محبت کے متعلق جو اسے علم ہے فنا ہو جائے کیونکہ اس کا محبوب تو اس وقت بھی غیب میں موجود تھا جبکہ اسے ابھی محبت نہ ہوئی تھی ۔ لہذا جب محب نکل کر اس نسبت کی طرف آجائے تو وہ محبت کے بغیر ہی محب کہلائے گا ۔

جنید رحمہ اللہ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

محب کی صفات کے عوض محبوب کی صفات کا داخل ہو جانا ۔

یہ قول اللہ تعالی کے اس فرمان کے مفہوم کے مطابق ہے :

تاآنکہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے ، اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔

باب ۔ ۱۳ (ص ٦٠)

حال خوف

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب حال خوف کو لیں ۔ ہم نے خوف اور محبت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ حال قرب ان دونوں حالتوں کا تقاضا کرتا ہے چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ اللہ کو اپنے قریب دیکھتے ہیں تو ان کے دل پر خوف غالب آجاتا ہے اور بعض کے دلوں پر محبت غالب آجاتی ہے اور یہ اس تصدیق ، حقیقت یقین اور خشیت کے مطابق ہوتی ہے جو اللہ نے دلوں کیلئے تقسیم کر رکھی ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی اس کیلئے غیب کی کچھ باتیں کھول دیتا ہے۔ لہذا اگر بندے کا دل اپنے آقا کے قرب کی وجہ سے اس کی عظمت ، ہیبت اور قدرت کا مشاہدہ کرے تو اس سے اس کے دل میں

خوف ، حیا اور گھبراھٹ پیدا ھوگی اور اگر اس کا دل اللہ کے قرب میں اپنے آقا کی مہربانی ، قدیم عنایات ، احسانات اور اللہ کی محبت کا مشاھدہ کرے گا تو اس سے اس کے دل میں محبت ، شوق ، بے چینی ، جلن اور زندگی سے بیزاری پیدا ھوگی ۔ اور یہ تمام امور اللہ کے علم ،اس کی مشیت اور قدرت میں ھیں ۔ یہ خدائی قادر و علیم کی تقدیر ہے ۔

خوف تین قسم کا ہے : اللہ تعالی نے خوف کا اور ایمان کا ذکر اکٹھا ایک جگہ کیا ہے چنانچہ فرمایا :

(۲) فلا تخافوھم و خافون ان کنتم مؤمنین

اگر تم مؤمن ھو تو ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو

یہ جلیل القدر لوگوں کا خوف ہے ۔

اور اللہ کا فرمان :

(۳) و لمن خاف مقام ربہ جنتان

جسے اپنے رب کے سامنے پیش ھونے کا ڈر رھتا ہے اسے دو جنتیں ملیں گی

یہ درمیانہ قسم کے لوگوں کا خوف ہے ۔

اور فرمایا :

(۴) یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والأبصار

وہ اس دن سے ڈرتے ھیں جس دن دل اور نگاھیں پلٹ جائیں گی

یہ عام لوگوں کا خوف ہے ۔ اور بعض لوگ اللہ کی ناراضگی اور سزا سے ڈرتے ھیں ۔ جیسا کہ فرمایا :

یخافون یوماً تتقلب فیہ القلوب والأبصار

یہ عام لوگ ھیں ۔ ان کا خوف یہ ھوتا ہے کہ اپنے معبود کا دبدبہ جانتے ھونے ان کے دل بیقرار ھوجاتے ھیں :

رہے وسط درجہ کے لوگ تو ان کا خوف اس بات سے ھوتا ہے کہ کھیں اللہ سے تعلق منقطع نہ ھو جائے اور ان کی معرفت کی صفائی میں کدورت نہ پیدا ھو جائے ۔

شبلی رحمہ اللہ سے خوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

تجھے اس بات کا ڈر رہے کہ کھیں اللہ تمھیں تمھارے نفس کے سپرد نہ کر دے ۔

جیسا کہ ابوسعید خراز نے اپنے کسی کلام میں کھا ہے کہ میں نے کسی عارف کے

پاس خوف کی شکایت کی تو انہوں نے کہا : میری تو یہ خواہش ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کو دیکھ پاؤں جو یہ جانتا ہو کہ اللہ کا خوف کیا چیز ہے۔ پھر فرمایا : بیشتر ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی ذات کی خاطر اللہ سے ڈرتے ہیں اور اپنے نفس کو اللہ عزو(ص ٦١) جل کے حکم سے چھڑانے کی خاطر عمل کرتے ہیں ۔

ابن خبیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میرے نزدیک خائف وہ ہے جو وقت کے حکم کے تحت ہو چنانچہ ایک وقت ایسا ہو کہ مخلوق اس سے خوف کھائے اور ایک وقت ایسا ہو کہ مخلوق کو اس سے کوئی خوف نہ ہو ۔

قناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خوف کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو «عسی» اور سوف جیسے الفاظ سے نہ بہلائے ۔

کسی صوفی کا قول ہے : اللہ تعالی کے خوف کی علامت یہ ہے کہ دلوں میں جوش پیدا ہو اور اللہ کے ڈراوے سے اسے شدید خوف لاحق ہو ۔

ابن خبیق فرماتے ہیں : میرے نزدیک خائف وہ ہے جو شیطان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اپنے نفس سے ڈرے ۔

اب لیں ان خائفین میں سے ان لوگوں کو جو خاص لوگ ہیں ۔ ان کا خوف ایسا ہوتا ہے جس کے متعلق سہل بن عبداللہ نے فرمایا ہے :

اگر خوف کرنے والوں کے خوف میں سے ایک ذرہ بھی اہل زمین پر ڈال دیا جائے تو اس کی وجہ سے سب کے سب سعادتمند بن جائیں ۔ اس پر کسی نے دریافت کیا : ان خوف کنندگان کے پاس کس قدر خوف ہوتا ہے۔ جواب دیا : پہاڑ جتنا ۔

ابن جلاء فرماتے ہیں : میرے نزدیک خائف وہ ہے جو غیراللہ سے نہ ڈرے ۔

واسطی فرماتے ہیں : اکابر کو تو اللہ سے قطع تعلق ہو جانے کا ڈر ہوتا ہے اور چھوٹے لوگ عذاب سے ڈرتے ہیں ۔ اکابر کا خوف زیادہ(٥)خطرناک ہوتا ہے کیونکہ جب نفس کی رعونت کا ذرہ بھر بھی اس کے اندر رہ جائے تو بندہ نیکو کار نہیں کہلا سکتا خواہ وہ ہر طرح کی «تفویض» اور «تسلیم» پر کاربند کیوں نہ ہو ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : رعونا تہا سے مراد نفس کی تدبیریں ، نفس کے دعوے اور نفس کا اپنی اطاعت گزاری کی طرف نگاہ رکھنا ہے۔

اور رجاء اور خوف دونوں ساتھ ساتھ ہوتے ہیں ۔

۱۴ ـ باب

رجاء (امید)

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ـ امید ایک شرف والی حالت ہے ـ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(٦٦)لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة لمن کان یرجواللہ والیوم الآخر

(رسول اللہ تمہارے لئے اچھے نمونے ہیں یعنی ان لوگوں کیلئے جنہیں اللہ اور آخرت کے دن کی امید ہو)

ایک اور آیت میں فرمایا :

(٦٧)یرجون رحمته و یخافون عذابه

وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے خائف

ایک اور آیت میں فرمایا :

(٦٨) فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملاً صالحاً

جو اپنے رب سے ملاقات کی امید لگائے ہوئے ہو اسے نیک کام کرنے چاہئیں

اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ (لقاء ربه سے مراد) ثواب ربه ہے (ص ٦٢)

آنحضرت صلی اللہ علیه و سلم نے فرمایا ہے : اگر مؤمن کے خوف اور اس کی رجاء دونوں کا وزن کیا جائے تو دونوں ہم وزن نکلیں گے (٦٩)

کسی صوفی کا قول ہے : امید و بیم عمل کے دو بازو ہیں ـ عمل ان ہی دونوں کے ذریعے اڑتا ہے ـ

ابوبکر وراق فرماتے ہیں : امید خوف زدہ لوگوں کیلئے راحت کا سبب بنتی ہے اگر یہ نہ ہوتی تو ان کی جانیں ہلاک ہو جاتیں اور وہ اپنی عقلیں کھو بیٹھتے ـ

امید کی تین قسمیں ہیں : اللہ کی امید ، اللہ کی وسیع رحمت کی امید اور اللہ کے ثواب کی امید ـ

اللہ کے ثواب اور اسی کی وسیع رحمت کی امید تو ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ابھی مرید ہوں ـ انہوں نے اللہ کے احسانات کا ذکر سنا لہذا ان کی امید لگا لی ـ اور اس مرید نے

یہ بھی معلوم کر لیا کہ کرم ، فضل اور جود اللہ تعالی کی صفات میں سے ہیں لہذا اس کا دل اللہ کے اس کرم و فضل سے جس کی وہ امید لگائے رہتا ہے خوش ہوتا ہے جیسا کہ ذوالنون مصری کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب دعا کرتے تو یوں کہتے :

خدایا ! ہمارے نزدیک جو امید ہمیں اپنے اعمال سے ہے ان سے کہیں زیادہ تمہاری وسیع رحمت سے امید لگائے ہوئے ہیں اور وہ اعتماد جو ہمیں تمہاری عفو پر ہے وہ ہمیں زیادہ امید دلاتا ہے بہ مقابلہ اس بات کے کہ تو ہمیں عذاب دے گا ۔

اور جس طرح کسی صوفی نے کہا ہے : الہی ! تو ان لوگوں پر مہربانی کرتا ہے جو ارادہ کرکے تمہارے پاس آئیں یا جو اپنی مصائب میں تم پر امید لگائے رکھیں لہذا اے آرزو کنندگان کی منتہائے آرزو ہمیں فوری راحت عطا کر جو ہمیں تمہاری خوشنودی کے گھاٹ پر لا اتارے اور ہمیں تمہارے قریب کر دے ۔

اور راجی فی اللہ وہ بندہ ہوتا ہے جو رجاء میں کامل طور پر ثابت قدم ہو چکا ہو لہذا وہ اللہ سے اللہ کے سوا کسی چیز کی امید نہیں رکھتا جیسا کہ جب شبلی رحمہ اللہ سے رجاء کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

رجاء یہ ہے کہ تو خدا سے یہ امید لگائے رکھے کہ وہ تجھے اس تک پہنچنے سے پہلے ختم نہیں کر دے گا ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک بار جبکہ میں کسی جنگل میں جا رہا تھا تو مجھے ایک عورت ملی ۔ اس نے مجھ سے پوچھا : کون ہو ؟ میں نے کہا : ایک مسافر ہوں ۔ اس نے جواب میں کہا : کیا اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی مسافرت کے غم پائے جاتے ہیں ؟(۸۰)

فصل

امید و بیم کے معنی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خوف و رجاء سے منتہی اور متحققین کی زبان میں یہ مفہوم لیا جاتا ہے جو احمد بن عطاء رحمہ اللہ نے کہا جب ان سے خوف و رجاء کے متعلق سوال کیا گیا (ص ٦٣) : مخلوق کو خوف اور رجاء دونوں کی اطلاع دے دی گئی ہے اور جب تک بندہ ان دونوں کے راستوں میں نہیں چڑھتا اور دونوں کے درمیان میں سے ہو کر اوپر کو نہیں جاتا ان دونوں کے حق کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور اس کا تعلق ایسے امور کے

ساتھ ہوگا جن سے خوف و رجاء میں حقیقت کے وقت کچھ حاصل نہیں ہو سکتا پھر سوال کیا گیا : کہ یہ دونوں ۔ ان کی مراد خوف رجاء سے تھی ۔ کیا ہیں ؟ جواب دیا : یہ دونوں نفس کیلئے مہار کا کام کرتے ہیں تاکہ نفس بدک کر اپنی رعونتوں میں نہ لگ جائے اور نفس کی رعونتیں یہ امور ہیں ، ناز ، امن ، ناامیدی اور بے تعلقی ۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خوف کی ایسی تاریکیاں ہوتی ہیں جن کے نیچے آکر خوفزدہ انسان ایسا حیران و پریشان ہو جاتا ہے کہ پھر اس سے ہمیشہ کیلئے رہائی پانا چاہتا ہے مگر جب امید اپنی روشنی کی کرنیں لے کر آتی ہے تو انسان (اس پریشانی سے) نکل کر ایسی جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اسے راحت ملتی ہے اور اس پر امید غالب آجاتی ہے ، رات کی تاریکی کے بغیر دن کی خوبصورتی سود مند نہیں ہو سکتی اور ان دونوں (امید و بیم) میں کائنات کی بہبود پائی جاتی ہے ۔ یہی حال دل کا ہے کہ کبھی تو وہ خوف کی تاریکیوں کا اسیر ہوتا ہے مگر جب امید کے حالات اس پر نازل ہوتے ہیں تو وہ امیر (حاکم) بن جاتا ہے

محبت اور خوف اور رجاء ان سب کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے : ہر وہ محبت جسکے ہوتے ہوئے خوف نہ ہو آفت (۸۱) زدہ محبت ہے اسی طرح ہر وہ خوف جس کے ساتھ امید نہیں وہ بھی آفت زدہ ہے ۔ یہی حال اس امید کا ہے جس کے ساتھ خوف نہ ہو ۔

اور امید اور محبت دونوں شوق کے مقتضی ہیں ۔

۱۵ ـ باب

حال شوق

شیخ فرماتے ہیں : شوق ایک شرف والی حالت ہے ۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : کیا کوئی جنت کا مشتاق ہے ؟ رب کعبہ کی قسم جنت (میں) نیازبو کے لہلہاتے درخت ہیں ، جاری نہر اور خوبصورت بیوی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ دعا میں یوں فرمایا کرتے تھے :

خدایا ! میں تمہارے چہرے کو دیکھنے کی لذت کا خواہاں ہوں نیز اس بات کا خواہاں ہوں کہ مجھے اپنی ملاقات کا شوق بخشے ۔

اللہ تعالی کے چہرے کو دیکھنے کی لذت آخرت میں حاصل ہوگی اور اس کی ملاقات کا شوق تو اسی دنیا میں ہو سکتا ہے۔

نیز یہ بھی (ص ٦٣)مروی ہے : جسے جنت کا اشتیاق ہو گا وہ تیزی سے نیک اعمال کی طرف جائے گا یہ بھی مروی ہے :
جنت کو تین ہستیوں کا اشتیاق ہوا ، علی ، عمار اور سلمن رضی اللہ عنہم اجمعین

اور شوق تو اس بندے کا خاصہ ہے جو اپنے محبوب سے ملنے کے اشتیاق کی وجہ سے اپنی زندگی سے اکتا چکا ہو ۔

کسی صوفی سے شوق کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا : محبوب کا ذکر کرنے پر دل کا جوش میں آنا شوق ہے۔

کسی اور کا قول ہے : شوق اللہ تعالی کی وہ آگ ہے جسے وہ اپنے اولیاء کے دلوں میں روشن کرتا ہے تاکہ اس آگ سے وہ ان تمام خیالات ، ارادات ، عارضوں اور حاجتوں کو جلا دے جو ان کے دلوں میں ہوں۔

جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اگر شوق میں حظ نہ پایا جاتا تو کوئی بھی اس کی تکلیف برداشت نہ کرتا ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان لوگوں کے دل محبت سے بھر دئے گئے لہذا اللہ کے ساتھ خوشی سے اڑنے لگے اور اشتیاق کی وجہ سے دیوانہ وار اس کی طرف گئے ۔ ایسے بیقرار ، مشتاق ، اپنے رب کی وجہ سے غمزدہ ، فریفتہ اور افتادہ لوگوں کا کیا کہنا ۔ ان کیلئے تو اللہ کے سوا کوئی تسکین کی جگہ نہیں اور نہ کوئی اور ہے جس سے الفت کریں ۔

شوق میں اہل شوق کی تین حالتیں ہوتی ہیں چنانچہ بعض تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالی کے ان وعدوں کے مشتاق ہوتے ہیں جو اس نے اپنے ولیوں کے ساتھ ثواب ، کرامت، فضل اور رضامندی کے متعلق کئے ہوتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہوتے ہیں جو شدت محبت کی وجہ سے اور اپنی زندگی سے اکتا جانے کی وجہ سے محبوب کی ملاقات کے شوق میں اس کے مشتاق ہوتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آقا کے قرب کا مشاہدہ کرتے ہیں بایں طور کہ وہ موجود ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا لہذا اس کا دل اس کے ذکر سے لذت حاصل

کرتا ہے۔

اور فرمایا : اشتیاق تو اس چیز کا ہوتا ہے جو غائب ہو مگر اللہ تو موجود ہے اور کبھی غائب نہیں ہوتا لہذا یہ شخص اپنے اشتیاق کی وجہ سے اشتیاق کو دیکھنے سے ہی غائب ہوگیا اس لئے یہ شخص بغیر شوق کے ہی مشتاق کہلائے گا مگر اس کے علامات اہل شوق کے سامنے اسے اشتیاق سے موصوف کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو شوق کے ساتھ موصوف نہیں کرتا ۔

اور شوق انس کا مقتضی ہے۔

١٦ ۔ باب

حال انس

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ کے ساتھ انس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر اعتماد ہو ، اس کے پاس ہو کر سکون حاصل ہو اور اس سے مدد چاہی جائے ۔ اس سے زیادہ انس کی تشریح نہیں ہوسکتی ۔

ایک حدیث میں (ص ٦٥) مروی ہے کہ مطرف (٨٢) بن عبداللہ بن الشخیر رحمہ اللہ نے عمر بن (٨٣) عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو لکھا :

تمہیں اللہ کے ساتھ انس رکھنا چاہئے اور اسی کا ہو لینا چاہئے اس لئے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو اللہ کے ساتھ انس حاصل کرتے ہیں چنانچہ جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو جو انس انہیں حاصل ہوتا ہے وہ اس انس کے مقابلہ میں جو لوگوں کو باوجود کثیر لوگوں میں ہونے سے حاصل ہوتا ہے کہیں زیادہ ہوتا ہے اور جہاں لوگوں کو سخت وحشت محسوس ہوتی ہے وہاں انہیں سخت انس محسوس ہوتا ہے اور جہاں لوگوں کو بہت زیادہ انس حاصل ہو وہاں انہیں زیادہ وحشت ہوتی ہے۔

اور مطرف بن عبداللہ کبار تابعین میں سے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح عمر بن عبد العزیز ائمہ راشدین میں سے تھے ۔ کسی عارف کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : اللہ عزوجل کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں (پیدا کرنے سے) اللہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ انس پانے کے حقائق کو حقیقی طور پر پا لیں لہذا اللہ تعالی نے انہیں اپنے ساتھ ایسا

مشغول کر رکھا ہوتا ہے کہ وہ غیر اللہ سے قطعاً نہیں ڈرتے ۔

اور اللہ تعالی کے ساتھ وہی لوگ انس حاصل کر سکتے ہیں جن کی طہارت کامل ہو اور اسے ہر اس چیز سے وحشت ہو جو اسے اللہ سے ہٹائے رکھے تب کہیں جا کر اللہ تعالی اسے اپنے ساتھ مانوس کرتے ہیں ۔

انس میں اہل انس کی تین حالتیں ہیں ۔ بعض تو وہ ہیں جو ذکر (الٰہی) کے ساتھ مأنوس ہوتے ہیں ، غفلت سے وحشت محسوس کرتے ہیں ، عبادت گذاری سے انس ہوتا ہے اور گناہ سے وحشت جیسا کہ سہل بن عبداللہ کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : بندے کی طرف انس کی ابتدا یہ ہے کہ اس کا نفس اور اعضا عقل کے ساتھ انس محسوس کریں اور اس کی عقل اور نفس علم شریعت کے ساتھ انس محسوس کریں ۔ اور عقل ، نفس اور اعضا خالصۃً للہ عمل کرنے کے ساتھ انس محسوس کریں۔
تب کہیں جاکر بندے کو اللہ کے ساتھ انس ہوگا مراد یہ ہے کہ اسے اللہ کے پاس سکون حاصل ہوگا ۔

انس کی دوسری حالت اس بندے کی ہے جو اللہ کے ساتھ مأنوس ہو چکا ہو اور ماسوا سے اسے وحشت ہو چکی ۔ ماسوا سے مراد عوارض اور وہ خیالات ہیں جو بندے کو مشغول کر رکھتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے ذوالنون سے پوچھا کہ انس باللہ کی کیا علامت ہے ۔ فرمایا :
جب تو دیکھے کہ وہ تجھے مخلوق کے ساتھ مانوس کر رہا ہے تو (سمجھ لو) کہ وہ (اللہ) تمہیں اپنی ذات سے وحشت دلا رہا ہے اور جب دیکھے کہ وہ تمہیں مخلوق سے وحشت دلا رہا ہے تو (سمجھ لو) کہ وہ تمہیں اپنی ذات کے ساتھ مانوس کر رہا ہے۔

جنید رحمہ اللہ سے انس باللہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : (ص ٦٦)
جھجک کا اٹھ جانا مگر ساتھ ہی ہیبت (الٰہیہ) کا قائم رہنا
ابراہیم مارستانی سے انس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
محبوب کے ساتھ دل کا خوشی محسوس کرنا

انس کی تیسری حالت یہ ہے کہ انس کے ہوتے ہوئے بھی ہیبت ، قرب اور تعظیم الٰہی کو پانے کی وجہ سے بندہ اپنے انس کو نگاہ میں نہ رکھے جیسا کہ کسی اہل معرفت کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا :
اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے ہیں جنہیں اس نے اپنی ذات کی ہیبت اسی قدر دے

رکھی ہوتی ہے جس قدر غیراللہ سے انس رکھنے سے انہیں غافل کر رکھا ہوتا ۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح ذوالنون رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شخص نے ان کی طرف یہ لکھ کر بھیجا :

اللہ تجھے اپنے قرب کے ساتھ مانوس کر دے

ذوالنون رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں لکھا :

خدا تجھے اپنے قرب سے وحشت زدہ کر دے

کیونکہ جب اللہ تجھے اپنے قرب کے ساتھ مانوس کر دے گا تو یہ تمہارے اپنے اندازے کے مطابق ہوگا اور جب تجھے اپنے قرب سے وحشت زدہ کر دے گا تو یہ اس کا اندازہ ہوگا ۔

أوحشک من قربہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر اپنے قرب کی ہیبت پیدا کر دے

شبلی رحمہ اللہ سے انس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

(انس یہ ہے کہ تجھے) اپنی ذات ، اپنے نفس اور کائنات سے وحشت ہو جائے اور انس باللہ اطمینان کا مقتضی ہے ۔

۱۷ ۔ باب

حال اطمینان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۸۴)یا أیتھا النفس المطمئنة (اے نفس مطمئن)

تفسیر میں ہے کہ (مراد اس نفس سے ہے جو) ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۸۵)ألذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکراللہ ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی وجہ سے مطمئن ہوں ۔ یاد رکھو دل اللہ کے ذکر سے ہی مطمئن ہوتے ہیں

اور ابراھیم علیہ السلام کے قصے میں کہا :

(۸۶)ولکن لیطمئن قلبی (لیکن اس لئے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے)

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں :

جب بندے کے دل کو اپنے مولیٰ کے پاس سکون و اطمینان حاصل ہو جائے تو بندے کی حالت قوی ہو جاتی ہے۔ لہذا جب قوی ہو جاتی ہے تو بندے سے ہر چیز کو (ص ٦٨) انس ہوجاتا ہے۔

حسن بن علی دامغانی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :

ألذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ ۔ الایة

کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا :

(عارفین کے) دل ہشاش و بشاش ہوئے ، انہیں سکون و انس محسوس ہوا ۔

اس کے بعد اس کی یوں تشریح کی وہ اللہ کے جلال و عظمت کو پہچان کر خوش ہوئے اور اللہ کی رحمت اور فضل کو پہچان کر بشاش ہوئے اور اللہ کی حفاظت اور سچائی کو معلوم کرکے سکون میں آئے اور اللہ تعالی کے احسان اور مہربانی کو دریافت کرکے انس میں آئے

فرماتے ہیں کہ شبلی رحمہ اللہ سے ابوسلیمان دارانی کے اس قول کے متعلق سوال کیا گیا :

جب نفس اپنی قوت کو محفوظ کر لیتا ہے تو مطمئن ہوجاتا ہے

تو جواب دیا : جب نفس اپنے قوت دھندہ کو پہچان لیتا ہے تو مطمئن ہوجاتا ہے

اور اطمینان ایک بلند حالت ہے اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جس کی عقل وزنی ،ایمان قوی ، علم راسخ پاک ذکر اور اس کی حقیقت ثابت ہو چکی ہو۔

اطمینان کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جو عام لوگوں کیلئے ہے کیونکہ جب وہ اس کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اس کے ذکر سے مطمئن ہو جاتے ہیں جس سے ان کو یہ حصہ ملتا ہے کہ وسعت رزق اور دفع آفات کے لئے ان کی دعا مستجاب ہوتی ہے اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے النفس المطمئنة مراد ہے ایمان کے ساتھ (مطمئن) کہ اللہ کے سوا نہ کوئی (آفات کو) دفع کرنے والا ہے اور نہ (آفات سے) کوئی حفاظت کرنے والا ہے۔

فرمایا : دوسری قسم خاص لوگوں کیلئے ہے۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی قضا پر راضی رہتے ہیں ، اس کی آزمائش پر صبر کرتے ہیں ، (جو کچھ کرتے ہیں) اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں ، پرہیزگاری کرتے ہیں اور انہیں اللہ کے فرمان ۔

(۸۸)ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون

(اللہ تعالی متقیوں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے)

اور(۸۸)ان اللہ مع الصابرین(اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) سے سکون واطمینان حاصل ہوتا ہے۔

انہیں سکون و اطمینان اللہ تعالی کے ,,مع،، فرمانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہذا ان کے اطمینان میں ان کے اپنے اعمال کو دیکھنے کی ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

تیسری قسم خاص الخاص لوگوں کیلئے ہے۔ انہیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ ان کے باطن اللہ کی ہیبت اور تعظیم کی وجہ سے نہ مطمئن ہو سکتے ہیں اور نہ انہیں سکون حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالی کی انتہا کو کوئی نہیں پا سکتا ۔ (ص ۱۸) اور کوئی چیز اس جیسی نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ لہذا جس شخص کے باطن میں اشیاء کی یہ کیفیت ہو اس کا دل کس چیز سے مطمئن ہوگا یا کس سے سکون حاصل کرے گا اور جو شخص آرزوؤں کی پیاس کی وجہ سے ہر وقت مزید سے مزید مانگتا رہتا ہو تو وہ ایسے سمندر میں پڑ گیا جہاں کسی کا وھم بھی کام نہیں کر سکتا ۔

یہ مفہوم واسطی کے کلام کا اختصار ہے۔

اور اطمینان مشاهده کا مقتضی ہے۔

۱۸ ـ باب

حال مشاهده

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے فرمایا ہے :
(۸۹)ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب أو ألقی السمع و هو شهید
(بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جن کا دل ہو یا جو دل کو حاضر رکھ کر کان لگا کر سنیں)
یہاں شہید سے وہ شخص مراد ہے جس کا دل حاضر ہو ۔
نیز فرمایا :

(۹۰) و شاهد و مشهود (قسم ہے شاهد اور مشہود کی)

ابوبکر واسطی فرماتے ہیں : شاهد سے مراد رب ہے اور مشہود سے کائنات ۔ اللہ نے

پہلے انہیں نیست کیا پھر ہست۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس شخص نے دل سے اللہ کا مشاہدہ کر لیا اسے تمام وہ چیزیں جو اللہ کے سوا ہیں پیچھے ہٹ جائیں گی ۔ (اس کے نزدیک) ہر چیز نیست ہو جائے گی اور (دل میں)اللہ تعالیٰ کی عظمت کے پائے جانے کی وجہ سے سب کچھ غائب ہو جائے گا اور دل میں سوائے اللہ کے کچھ باقی نہ رہے گا۔

عمر بن عثمان مکی رحمہ فرماتے ہیں ، دل جو کچھ غیب کی طرف سے غیب میں پائیں وہ مشاہدہ ہے۔

عمرو بن عثمان مکی نے "مشاہدہ" کو "معاینہ" (آنکھ سے دیکھنا) نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ یہ ایک وجدانی کیفیت ہے۔

نیز فرمایا : مشاہدہ وہ حالت ہے جو رؤیت قلب اور رؤیت عیان کے بین بین ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یقین بالکل کھل جاتا ہے تو پھر رؤیت قلب سے تو ہم ہی کی زیادتی ہوتی ہے اور ایسا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا :

أعبداللہ کانک تراہ ۔ (حدیث)

(اللہ کی اُس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو ۔)

اب اللہ کے فرمان و ہو شہید کو لیں (تو اس کے متعلق) صوفیہ کہتے ہیں کہ (اس سے مراد) اشیاء کا عبرت کی آنکھ سے مشاہدہ کرنا اور غور و فکر کی آنکھ سے ان کو دیکھنا ہے (ص ٦٩) ۔

عمرو بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں : مشاہدہ سے مراد محاضرہ ہے اور محاضرہ کا مطلب ہے ایک دوسرے کے قریب ہونا جیسا کہ اللہ عزوجل نے ذکر کیا ہے :

(٩١)وسألهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر

ان سے ان بستی والوں کے متعلق پوچھو جو سمندر کے قریب رہتے تھے

مراد ہے جو سمندر کے قریب اور وہاں موجود تھے ۔

عمرو مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مشاہدہ نام ہے اس بڑھتے ہوئے یقین کا جو بارگاہ رب العزت میں حضوری کی وجہ سے اٹھتا ہے مگر اس میں دل پر پردہ پڑنے کا احتمال ہوتا ہے

ان ہی نے فرمایا : مشاہدہ حضوری ہی ہے جس سے مراد وہ قرب ہے جس کے ساتھ

علم الیقین اور حقائق یقین بھی حاصل ہوں ۔

اہل مشاہدہ کی تین حالتیں ہوتی ہیں ۔ پہلی حالت چھوٹوں کی ہے یعنی مریدین کی اور یہ وہی حالت ہے جس کے متعلق ابو بکر واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اشیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور پھر فکر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔

مشاہدہ کی دوسری حالت درمیانہ درجہ کے لوگوں کی ہے اور یہ وہی ہے جس کی طرف ابوسعید خراز رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

تمام مخلوق حق تعالی کے قبضے اور ملکیت میں ہے لہذا جب بندے کو ان امور کا مشاہدہ حاصل ہوجاتا ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہیں تو پھر بندے کے باطن اور وہم میں اللہ کے سوا کچھ نہیں رہتا ۔

اور مشاہدہ کی تیسری حالت وہ ہے جس کی طرف عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ نے کتاب المشاہدہ میں اشارہ کیا ہے فرماتے ہیں : عارفوں کے دلوں نے اللہ تعالی کا ایسا مشاہدہ کر لیا ہوتا ہے جس سے انہیں تقویت حاصل ہوتی ہے لہذا وہ ہر چیز کے ذریعے سے اللہ کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ کے ذریعے سے تمام کائنات کا ۔ لہذا اللہ کے حضور میں ان کا مشاہدہ اللہ ہی کی مدد سے انہیں حاصل ہوتا ہے چنانچہ یہ لوگ غائب بھی ہوتے ہیں اور حاضر بھی اور حاضر بھی اور غائب بھی مگر اس غیبت اور حضور میں حق تعالی الگ تھلگ رہتے ہیں لہذا یہ لوگ اللہ تعالی کا مشاہدہ ظاہر میں بھی کرتے ہیں اور باطن میں بھی اور باطن میں بھی اور ظاہر میں بھی ، آخر میں بھی اور اول میں بھی اور اول میں بھی اور آخر میں بھی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۹۲)ھوالاول والآخر والظاھر والباطن و ھو بکل شئ علیم

وہی اول بھی ہے آخر بھی ، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے

مشاہدہ ایک بلند حالت ہے اور یہ حقائق یقین کے بڑھتے ہوئے چمکاروں میں سے ہے اور یہ حالت یقین کی مقتضی ہے ۔

(ص۷۰) ۱۹ ۔ باب

حال یقین

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر یقین

کا تین طرح سے ذکر کیا ہے علم الیقین ، عین الیقین اور حق الیقین ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : اللہ تعالی سے دنیا و آخرت میں یہ تین چیزیں مانگا کرو عفو ،عافیت اور یقین ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ بھی فرمایا ہے : میرے بھائی عیسی علیہ السلام پر اللہ رحم کرے اگر انہیں اور زیادہ یقین حاصل ہو جاتا تو ہوا پر چلا کرتے ۔

عامر بن عبدقیس فرماتے ہیں : خواہ پردہ بھی کیوں نہ اٹھ جائے پھر بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ(۹۳) نہ ہوگا ۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جن امور غیب پر ایمان لا چکا ہوں ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی (یقین میں اضافہ نہ ہوگا) اور (عامر بن عبدقیس کا) یہ قول اہل غلبہ ، اہل وجد اور اہل تحقیق کا قول ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا :
مخلوق کو اسی حالت میں اٹھایا جائیگا جس حالت پر وہ مریں گے ۔

اور سنی سنائی بات کسی لحاظ سے بھی آنکھوں دیکھی بات جیسی نہیں ہو سکتی اور ہو سکتا ہے کہ ان کے قول کی ایک اور وجہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہےکہ میرے علم یقین میں زیادتی نہ ہوگی ۔

ابویعقوب نہر جوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
جب بندے کو کامل طور پر حقائق یقین حاصل ہوجاتے ہیں تو پھر اس کیلئے مصیبت نعمت اور آسودگی مصیبت بن جاتی ہے اور مکاشفہ ہی کو یقین کہا جاتا ہے ۔

مکاشفہ کی تین صورتیں ہیں ۔ (ایک یہ ہے کہ) قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ۔
(دوسرا یہ ہے کہ) یقین کے ہوتے ہوئے حقائق ایمانیہ بلا کیف اور بلا حد کھل جائیں اور تیسرا مکاشفہ اللہ تعالی کی نشانیوں کا مکاشفہ ہے اس طرح کہ اللہ تعالی انبیاء علیہم السلام کو معجزات دے کر اپنی قدرت کا اظہار کرے اور انبیاء کے سوا دیگر لوگوں کو کرامات اور مقبولیت دعا کے ساتھ ۔

یقین ایک بلند حالت ہے اور اہل یقین کی تین حالتیں ہوتی ہیں ۔ پہلی حالت چھوٹوں کی ہے اور چھوٹوں سے مراد مرید اور عام لوگ ہیں ۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی صوفی نے کہا ہے : یقین کا پہلا مقام یہ ہے کہ بندے کا اعتماد ان چیزوں پر ہو جو اللہ

کے قبضے میں ہیں اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے نا امیدی ہو ۔ یہی بات جنید رحمہ اللہ نے کہی ہے ۔ ان سے یقین کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : شک کے اٹھ جانے کا نام یقین ہے ۔

ابو یعقوب فرماتے ہیں : جب بندہ دیکھے کہ جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے (اس کا دل) اس پر راضی ہے تو سمجھ لے کہ اسے یقین کامل حاصل ہے ۔

رویم بن احمد رحمہ اللہ سے یقین کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : (ص ۷۱) دل کا ان حقائق کی تحقیق کر لینا جو اس پر وارد ہوتے ہیں ، یقین ہے ۔

دوسری حالت اوسط درجہ کے لوگوں کی ہے اور یہ خاص لوگ ہیں اور یہ وہی حالت ہے جس کا ذکر ابن عطا نے ایک سوال کے جواب میں کیا فرمایا : یقین وہ ہے جس میں اعتراضات و شکوک دائمی طور پر زائل ہو چکے ہوں ۔ نیز جیسا کہ ابو یعقوب نہرجوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : جب بندے کو حقیقی یقین حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ایک یقین سے نکل کر دوسرے یقین میں چلا جاتا ہے ہوتے ہوتے یقین اس کا وطن بن جاتا ہے ۔

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ سے یقین کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : یقین مشاہدہ ہی کو کہتے ہیں اور ہم پہلے مشاہدہ کے معنی بیان کرچکے ہیں ۔

تیسری حالت اکابر کی ہے ۔ اور یہ خاص الخاص لوگ ہیں ۔ اور یہ وہی ہے جس کا ذکر عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ نے کیا ہے ۔ یقین میں اللہ تعالی کو اپنی تمام صفات کے ساتھ حقیقی طور پر ثابت کرنا پایا جاتا ہے ۔

اور فرمایا : یقین کی تعریف یہ ہے : ان حرکات کی وجہ سے جنہیں یقین دل پر وارد کرتا ہے اور جن کی وجہ سے دل کو الہام اور القاء ہوتا ہے دلوں کا اللہ کی بارگاہ میں کھڑا رہنا یقین ہے ۔

ابو یعقوب فرماتے ہیں : بندہ اس وقت تک یقین کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان تمام اسباب کو جو اللہ اور اس کے درمیان عرش سے لے کر فرش تک ہیں منقطع نہیں کر دیتا اور (پھر ہوتے ہوتے اس کی یہ حالت نہ ہو جائے) کہ اس کی مراد صرف اللہ ہی ہو کوئی اور نہ ہو اور وہ اللہ کو ہر ماسوا پر ترجیح دے ۔

یقین میں جو اضافے ہو سکتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں ۔ جس قدر یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھتے جاتے ہیں اور دین کی فہم حاصل کرتے جاتے ہیں اسی قدر انہیں یقین

سے یقین کا اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

اور یقین تمام احوال کی اصل ہے اور اسی پر تمام احوال آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ یہی آخری حال ہے اور یہی تمام احوال کا باطن اور (باقی) تمام احوال یقین کے لئے ظاہر کا کام دیتے ہیں۔ یقین کی انتہا یہ ہے کہ ہر قسم کے شک و شبہہ کو زائل کرکے ایمان بالغیب حقیقی طور پر حاصل ہو۔ نیز یقین کی انتہا یہاں آ کر ہوتی ہے کہ بندے کو خوشی ہو۔ اسے (اللہ سے) مناجات کی حلاوت محسوس ہو اور تمام اسباب اور الزامات کو ہٹا کر نیز حقائق معین اور دل کے مشاہدہ کے ذریعے اللہ کو پاک نگاہ سے دیکھے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۹۴)انّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَات لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ

اس میں صاحب فراست لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں

(اور فرمایا)

(۹۵)و فِی الأرْضِ آیَات لِلْمُوْقِنِیْنَ

اور صاحب یقین لوگوں کے لئے زمین میں نشانیاں ہیں

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب صوفی کو حقیقت کا یقین ہو جاتا ہے تو اسے مشاہدۂ احوال حاصل ہو جاتا ہے اور جب اس پر روحانیت کے حقائق (۷۲)منکشف ہو جاتے ہیں تو پھر وہ مخلوق کی قید (۹۶) سے نکل جاتا ہے۔ اللہ نے انہیں اس طرح مخاطب کیا ہے جس سے ان کو قرب حاصل ہو یہی پردہ کا اٹھا دینا ہے جو صدیقیت کی علامت ہے نیز اللہ نے انہیں مشاہدہ سے خطاب کیا ہے چنانچہ فرمایا :

(۹۷)الصدّیقین والشّہداء والصّالحین

(صدیقین اور شہداء اور صالحین)

شہداء تو وہ ہیں جنہوں نے اپنا آپ اللہ کے پاس بیچ دیا ہو اور صالحین وہ لوگ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

****

کتـــاب اهـل صفــوت

۱ ـ بـاب

کتـاب اللہ سے مـوافقـت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی فرماتا ہے :

ھوالذی أنزل علیک الکتاب منہ آیات محکمات ھنّ امّ الکتاب وأُخر متشابھات
(خدا ھی نے آپ پر یہ کتاب اتاری ہے جسکی بعض آیات محکم ھیں اور وھی اس کتاب کی اصل ھیں اور کچھ اور آیات ھیں جو متشابہ ھیں)

اور فرمایا :

(۹۹) و ننّزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین
(ھم نے قرآن کو نازل کیا ہے یہ مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے)

اور فرمایا :

(۱۰۰) یــس والقــرآن الحکیـــم
(یس . قرآن حکیم کی قسم)

اور فرمایا :

(۱۰۱) حکمـــة بالغـــة
. (کامـل دانائـی)

نبی ﷺ نے فرمایا ہے : قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے جس کے عجائبات ختم نہیں ہونے کے اور باوجود باربار دہرانے کے یہ پرانی اور بوسیدہ نہیں ھوتی ـ جس نے اس پر اعتقاد رکھا اس نے سچ بات کی اور جس نے اس پر عمل کیا ھدایت پا گیا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جو اسے مضبوط پکڑتا ہے راہ پاتا ہے ـ

روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا : جو شخص علم حاصل کرنا چاھتا ہے اسے قرآن میں اس کی جستجو کرنی چاھئے اس لئے کہ اس میں علم الاوّلین والآخرین ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ھیں :

آلـم ذلک الکتاب لاریب فیه هدیً للمتّقین الّذین یؤمنون بالغیب

(الم ۔ یہ وھی کتاب ہے (جس کا وعدہ پہلے انبیاء کرتے آئے ھیں) اس کے (وھی کتاب ھونے میں) کوئی شبہہ نہیں یہ ان متقی لوگوں کے لئے ھدایت (کا سبب) ہے جن کا غیب پر ایمان ہے)

اس خطاب سے اھل علم لوگ سمجھ گئے کہ جو کتاب اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے وہ وھی قرآن ہے جس میں کسی مسلمان کو شک نہیں (ص ۴۲) کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور یہ کہ ان تمام دینی احکام میں جن میں انہیں مشکل پیش آئے ایمان بالغیب کے بعد ان کے لئے وضاحت ہے اور ایمان بالغیب سے مراد وہ تمام امور ھیں جو مخلوق کی نگاھوں سے اوجھل ھیں اور جن کی انہیں اللہ نے خبر دی ہے۔

اس کے بعد ایک اور آیت میں فرمایا :

(۱۰۲)و نزّلنا علیک الکتاب تبیاناً لکلّ شیء و هدًی و رحمةً و بشری للمسلمین

ھم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے اس میں ھر چیز کی وضاحت ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے ھدایت ، رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت نے ان لوگوں کوجواھل‌علم میں‌سے اھل فہم ھیں ایمان بالغیب رکھنے کے بعد یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ اللہ کی کتاب کے ھر حرف کے تحت بہت سا فہم پایا جاتا ہے اور اس کا فہم ان لوگوں کے لئے جو اس کے اھل ھیں اس تقسیم کے مطابق جو اللہ نے اسُ علم کی کر رکھی ہے ذخیرہ کیا ھوا ہے۔ اور اس کی دلیل میں انہوں نے قرآنی آیات پیش کی ھیں مثلاً اللہ تعالی کا فرمانا :

(۱۰۳) ما فرّطنا فی الکتاب من شیء

(ھم نے اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں رکھی)

اور اس کا فرمان :

(۱۰۵) و کلّ شیء أحصینا فی امام مّبین

ھم نے روشن کتاب میں ھر چیز کو محفوظ کر رکھا ہے

اور اس کا فرمان :

(۱۰٦) و ان من شيء الاّ عندنا خزائنه و ما ننزّله الاّ بقدر معلوم
ھمارے ھاں تو ھر چیز کے خزانے ھیں اور ھم اسے ایک مقررہ اندازے کے مطابق اتارتے رھتے ھیں

اللہ تعالی کے "من شی" کہنے کی تشریح میں صوفیہ کہتے ھیں کہ اس سے مراد عِلم دین اور علم احوال کے تمام وہ امور وغیرہ ھیں جو اللہ اور مخلوق کے درمیان ھوتے ھیں –

اللہ تعالی ایک اور آیت میں فرماتے ھیں :
(۱۰۷) انّ ھذاالقرآن یھدی للّتی ھی أقوم
یہ قرآن اس راستہ کی طرف رھنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے

اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اس راستہ کا پتا دیتا ہے جو سب سے زیادہ درست ہے۔ یہاں سے اہل علم میں سے جو اھل فہم لوگ ھیں انہوں نے یہ معلوم کر لیا کہ جس اصوب طریقہ کی طرف قرآن رھنمائی کرتا ہے اس سے چمٹے رھنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ اس میں تدبر و فکر کریں ، بیداری و ھوشیاری سے کام لیں اور ذکر و فکر کریں اور جب اسے پڑھیں تو حضورقلب سے پڑھیں ۔ انہیں اس کا علم اس آیت سے بھی ھوا :
(۱۰۸)کتاب أنزلناه الیک مبارک لیدبروا آیاته ولیتذکر اولوالألباب
یہ وہ مبارک کتاب ہے جو ھم نے آپ پر اتاری ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور کریں اور تاکہ عقلمند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں

پھر اس آیت سے اھل فہم نے یہ مفہوم بھی سمجھا کہ حضورقلب کے بغیر کوئی شخص تدبر ، تفکر اور تذکر کو نہیں پا سکتا کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ھیں :
(۱۰۹)ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب أو ألقی السمع و ھو شھید
بیشک اس میں ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو صاحب دل ھوں یا وہ بحضورقلب کان لگا کر سنیں

یہاں شہید سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل حاضر ھو ۔ اس کے بعد اللہ نے اسی پر ھی نہیں رھنے دیا کہ ایک اور آیت میں (ص ۴۷) دل کا بھی ذکر کر دیا چنانچہ فرمایا :
(۱۱۰) یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من أتی اللہ بقلب سلیم
جس دن مال اور بیٹے کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے سوائے ان لوگوں کے جو قلب سلیم لے کر اللہ کے پاس آئیں گے

پھر اسی قدر پر ھی نہیں رھنے دیا تاآنکہ مخلوق کیلئے قلب سلیم کیلئے ایک امام

مقرر کر دیا گیا لہذا فرمایا :

(۱۱۱)وان من شیعته لابراهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم

ان کی جماعت میں سے ابراھیم بھی ھیں جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لے کر آئے

اھل فہم کہتے ھیں کہ قلب سلیم وہ دل ہے جس میں اللہ کے سوا کوئی اور نہ ھو۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اگر کسی بندے کو قرآن کے ہر حرف کیلئے ایک ہزار فہم بھی عطا کر دی جائے پھر بھی وہ اس انتہائی فہم کو نہیں پہنچ سکتا جو اللہ تعالی نے قرآن کی صرف ایک آیت میں رکھ دی ہے۔ اس لئے کہ یہ تو اللہ کا کلام ہے اور اس کا کلام اس کی (صفتوں میں سے ایک) صفت ہے۔ لہذا جیسے اللہ کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح اس کے کلام کو سمجھنے کی کوئی انتہا نہیں۔ وہ تو صرف اسی قدر سمجھ سکتے ھیں جس قدر اللہ تعالی اپنے ولیوں کے دلوں پر اپنے کلام کے سمجھنے کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے لہذا مخلوق کا فہم اس کے انتہائی فہم تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ مخلوق کا فہم تو حادث اور مخلوق ہے اور اللہ تعالی نے قرآن میں ھدی للمتقین فرما کر ھدایت کا ذکر کیا ہے۔

۲ ۔ باب

دعوت خاصہ اور وجہ انتخاب

سہل بن عبداللہ فرماتے ھیں : (کسی کو کسی بات کی) دعوت دینا ایک عام بات ہے اور (کسی کو) ھدایت کرنا ایک خاص بات ہے اور انہوں نے اللہ تعالی کے اس فرمان کی طرف اشارہ کیا :

(۱۱۲)واللہ یدعو الی دارالسلام و یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

اللہ لوگوں کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور جسے چاھتا ہے راہ راست تک پہنچا دیتا ہے

کیونکہ دعوت دینا تو عام ہوا اور ہدایت کرنا خاص اور (پھر) ہدایت کرے بھی گئی درجے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہدایت کو اپنی مرضی پر رکھ چھوڑا ہے لہذا جن لوگوں کو اللہ اختیار کرتا ہے، یا محبت کرتا ہے یا منتخب کرتا ہے وہ اور لوگ ہیں اور جن کو دعوت دیتا ہے وہ اور ہیں ۔ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں کئی مقامات پر اصطفا کا ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا :

(ص ۵۹) (۱۱۳)قل الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی الله خیر أما یشرکون

کہدیجئے تعریف اللہ کیلئے ہے اور اللہ کے ان بندوں کیلئے سلامتی ہے جنہیں وہ منتخب کرلے ۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک قرار دیتے ہیں

اللہ تعالی نے یہاں "سلام" کہہ کر اپنے ان بندوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنہیں اللہ نے چنا اور منتخب کیا مگر واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کی کیا کیفیت ہے ۔ پھر اتنے پر ہی نہیں رہنے دیا اور ایک اور آیت میں فرمایا :

(۱۱۴)الله یصطفی من الملائکة رسلاً و من الناس

اللہ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی رسول منتخب کر لیتا ہے

مفسرین فرماتے ہیں کہ "من الناس" سے مراد انبیاء ہیں ۔ اگر اللہ تعالی بات یہیں تک رہنے دیتے تو کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ یہ اصطفا کا لفظ صرف انبیاء کیلئے استعمال ہوا ہے مگر پھر فرمایا :

(۱۱۵)ثم أورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه و منهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات

(پھر ہم نے ان لوگوں کو اپنی کتاب کا وارث بنایا جنہیں ہم نے منتخب کر لیا ۔ بندوں میں سے کچھ لوگ (تو ایسے ہوتے ہیں جو) اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں کچھ میانہ رو ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو نیکیوں میں (اوروں سے) آگے نکل جاتے ہیں)

لہذا اللہ نے بتا دیا کہ دونوں قسم کے انتخابوں میں فرق ہے یعنی وہ انتخاب جس کا ذکر رسولوں کیلئے کیا گیا اور دوسرا وہ انتخاب جس کا ذکر اللہ نے اپنے ان بندوں کیلئے کیا ہے جنہیں کتاب کا وارث بنایا ۔ اس کے بعد پھر بتایا کہ ان حالات میں جو ان کے اور اللہ کے درمیان ہیں ان میں باہمی فرق پایا جاتا ہے جیسا کہ فمنهم ظالم لنفسه (آخر آیت تک) کے

الفاظ ظاہر کرتے ہیں ۔ لہذا اصطفاء کی دو صورتیں ہوئیں ۔ ایک تو انبیاء علیہم السلام کا اصطفاء ہے کہ انہیں عصمت ، تائیدالٰہی ، وحی اور تبلیغ رسالت سے سرفراز کیا اور دیگر مسلمانوں کا اصطفاء یہ ہے کہ انہیں صفاء معاملہ ، حسن مجاہدہ ، حقائق کے ساتھ تعلق اور منازلہ (۱۱۶) کے ذریعے کیا ۔ اس کے بعد فرمایا :

(۱۱۷)لکل جعلنا منکم شرعة و منهاجا

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے شریعت اور واضح راستہ مقرر کر دیا ہے

اور فرمایا :

و لو شاء الله لجعلكم امةً واحدةً ولكن ليبلوكم فيما آتاكمْ فاستبقوا الخيرات

اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ تو تمہیں ان چیزوں میں آزمانا چاہتا ہے جو اس نے تمہیں دیں لہذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاؤ

اس آیت میں اللہ نے نیکیوں میں سبقت لے جانے ، جلدی کرنے اور لپکنے کا مجمل حکم دیا ہے مگر اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ جن نیکیوں کی طرف ان کو لپک کر جانے کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہیں ۔ اس کے بعد کئی جگہ پر اس کی تفصیل اور وضاحت بیان کی مثلاً یوں فرمایا :

(۱۱۸)هدى للمتقين (یہ متقیوں کیلئے ہدایت ہے) اور (۱۱۹)موعظة للمتقين (متقین کیلئے نصیحت ہے) (ص ٨٦) (۱۲۰)و اياي فاتقون (میرے عذاب سے بچو ۔) و اياي فارهبون مجھ ہی سے خوف کھاؤ) (۱۲۱)فلا تخافوهم و خافون (ان سے مت ڈرو مجھ سے ڈرو) ، (۱۲۲) فلا تخشوهم واخشون (ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو) (۱۲۳)فاذكروني أذكركم (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا) ،(۱۲۴)و على الله فتوكلوا (اللہ پر اعتماد کرو) ، اور (۱۲۵) اطيعواالله واطيعوا الرسول (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو) (۱۲۶)والذين جاهدوا فينا (جنہوں نے ہماری خاطر کوشش کی) ، (۱۲۷)و من شكر فانما يشكر لنفسه (جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنی ذات ہی کیلئے ایسا کرتا ہے) ، (۱۲۸)ان الله يحب الصابرين (اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) ، (۱۲۹)وما أمروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين (انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ خالص اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے عبادت کریں) اور فرمایا :(۱۳۰)رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا) پھر قانت (اطاعت گزار) مردوں اور قانتات ، صادقین اور صادقات ، صابرین اور صابرات ، خاشعین اور خاشعات کا ذکر کیا اور قرآن مجید کی کئی آیات میں توبہ ، انابہ ، تفویض ، رضا ، تسلیم ، قناعت اور ترک اختیار کا ذکر کیا ۔ پھر فرمایا :

(۱۳۱)قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقی
(آپ انہیں کہہ دیں دنیا کا ساز و سامان تھوڑا سا ہے اور آخرت ان لوگوں کیلئے ہے جو متقی بنیں)

اور فرمایا :

(۱۳۲)ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب
(یہ تو اس دنیاوی زندگی کا ساز و سامان اور اللہ کے ہاں لوٹ کر جانے کی جو جگہ ہے وہ بہت اچھی ہے)

(۱۳۳)وما الحیاۃ الدنیا الا لعب و لھو
(اس دنیا کی زندگی تو صرف لہو و لعب ہے)

(۱۳۴)وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور
(اس دنیا کا سامان تو دھوکے کا سامان ہے)

پھر فرمایا :

(۱۳۵)من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا و مالہ فی الآخرۃ من نصیب
(جو شخص آخرت کی کھیتی چاھتا ھو تو ھم اس کی کھیتی میں کچھ اور اضافہ کر دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاھتا ھو تو ھم بھی اسے اسی میں سے کچھ دے دیں گے مگر اسے آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے گا)

پھر شیطان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدواً
(شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو)

اور کہا :

(۱۳۷)أفرأیت من اتخذ الھہ ھواہ وأضلہ اللہ علی علم و ختم علی سمعہ و قلبہ و جعل علی بصرہ غشاوۃ
(کیا تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواھشات کو اپنا خدا بنا لیا ھو اللہ نے بھی یہ سب کچھ جانتے ہوئے اسے گمراہ کر دیا ھو اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی بینائی پر پردہ ڈال دیا ھو ۔)

اور فرمایا :

(۱۳۸)فأما من طغی و آثر الحیوۃ الدنیا (الایۃ)
(جو سرکش ھو گیا ھو اور اس نے اس دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ھو)

اسی قسم کی دیگر آیات جن میں (ص ») اللہ نے مخلوق کو دعوت دی ہے کہ وہ تیزی کے ساتھ آئیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر ان آیات کے ساتھ چمٹیں ۔ اور انہیں اپنا خلق بنائیں ۔ سچ بولیں اور خلوص پیدا کریں ۔

جہاں تک ان احکام کو قبول کرنے کا تعلق ہے سب مسلمان اس میں یکساں ہیں مگر ان پر صحیح طور پر عمل کرنے اور ان کے حقائق پر کاربند ہونے میں ان میں بہت فرق ہے۔ حالانکہ مخاطب تو سب کو کیا گیا ہے۔ اور ان کے تین درجے ہیں ۔

۳ ۔ باب

اس بات کا بیان کہ اللہ کے خطاب کو سننے والوں کے مختلف درجے ہیں اور یہی حال اس خطاب کو قبول کرنے والوں کا ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بعض وہ لوگ ہیں جو اس خطاب کو سن کر قبول کرتے ہیں ۔ اس کا اقرار کرتے ہیں اور ان آیات پر جن کا ہم نے ذکر کیا ہے یا نہیں کیا کیونکہ وہ بھی اسی قسم کی آیات ہیں ، عمل کرتے ہیں مگر دنیا کے امور میں مشغولیت ، غفلت ، خواھشات نفس کی تابعداری ، حقوق اللہ پر نفسانی حظوظ کو ترجیح دینے ۔ شیطان کی دعوت کو قبول کرنے ،اور جو حکم ہمیں ہماری نفسانی خواھشات کرتی ہیں ان کی طرف جھک جانے نے ان آیات پر عمل کرنے اور جس ثواب کا اللہ نے ان عمل کرنے پر وعدہ کیا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں ۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور انہیں زجر و توبیخ کی ہے چنانچہ فرمایا :

(۱۳۹) أفرأيت من اتخذ الهه هواه وأضله الله على علم

(آپ نے اس شخص کو دیکھ لیا جس نے اپنی خواھشات کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے اس بات کو جانتے ہوئے اسے گمراہ کر دیا)

اور فرمایا :

(۱۴۰)ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه

(آپ اس شخص کے پیچھے نہ لگیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواھشات کی تابعداری کرتا ہے)

اور فرمایا :

(۱۳۱)خذ العفو وأمر بالعرف

(درگزر کرنے کو اپنا وطیرہ بنالیں اور نیک کاموں کا حکم دیں)

اور فرمایا :

(۱۳۲)زین للناس حب الشهوات من النساء والبنین (شهوات مثلاً عورتیں اور اولاد کی محبت لوگوں کیلئے مزین کر دی گئی ہے) تا حسن المآب (یعنی آخر آیت تک)

پھر فرمایا :

(ص ۸۷) (۱۳۳)قل أؤ نبئکم بخیر من ذلکم للذین اتقوا تا بصیر بالعباد ۔

کیا تمہیں بتادوں کہ اس سے بھی بہترکیا ہے۔ ان لوگوں کے کیلئے جو متقی ہیں ۔ تا اللہ مخلوق کو دیکھ رہا ہے ۔

اور بعض وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کا خطاب سنا پھر اسے قبول کیا ، توبہ کی ، اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ کی اطاعت گزاری میں عمل کیا ، احوال اور منازلات میں پختہ کار ہوئے ۔ معاملات میں سچے رہے اور مقامات میں خلوص کے ساتھ رہے ۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ نے ان کیلئے تیار کر رکھی ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :

(۱۳۴)الذین یقیمون الصلاة ویؤتون الزکاة وهم بالآخرة هم یوقنون اولئک علی هدی من ربهم

(جو نماز کے پابند ہیں ، زکواۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر ان کا یقین ہے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے هدایت یافتہ ہیں)

اور فرمایا :

(۱۳۵)ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات کانت لهم جنات الفردوس نزلا

جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے جنات فردوس ان کیلئے منزل گاہ ہوں گے

اور فرمایا :

(۱۳۶)من عمل صالحاً من ذکر أو أنثی و هو مؤمن فلنحیینه حیاةً طیبةً و لنجزینهم

(نر و مادہ میں سے جس نے بھی مؤمن ہوتے ہوئے نیک اعمال کئے ہم اسے پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انہیں جزا دیں گے)

صوفیہ کہتے ہیں کہ «حیاة طیبة» سے مراد رضا باللہ اور قناعت ہے ۔

پھر فرمایا :

(۱۴۷)قد أفلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون الایۃ

(وہ مؤمن کامیاب ہوگئے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں ۔) (پوری آیت)

عمرو مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دل میں ذات باری کے سوا جو خیال بھی آئے لغو کہلائے گا ۔

مکی رحمہ اللہ نے یہ بتا دیا ہے کہ موحدین ہر اس چیز سے اعراض کرتے ہیں جو غیر اللہ ہو

پھر فرمایا :

(۱۴۸)أولئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون

(یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

قرآن مجید میں کثرت سے ان کا ذکر آیا ہے۔ اللہ نے انہیں اوروں پر یوں فضیلت دی ہے کہ اللہ نے ان کا ذکر کیا ہے اور ان سے بہت سا ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔

مخاطبین کا تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے ذکر کیا ، اور اس ذکر سے انہیں شرف بخشا اور انہیں علم اور خشیت کی طرف منسوب کیا ۔ چنانچہ فرمایا :

(۱۴۹)انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

(اللہ کے بندوں میں سے صرف وہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں جو عالم ہوں)

اور فرمایا :

(۱۵۰) و أولوا العلم قائماً بالقسط

(اور اولوا العلم جو عدل کو قائم کئے ہوتے ہیں)

اور فرمایا :

(۱۵۱)ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون

(کیا وہ لوگ جنہیں علم حاصل ہے اور وہ لوگ جنہیں علم حاصل نہیں برابر ہوسکتے ہیں)

اس کے بعد ان میں سے بھی کچھ لوگوں کو مخصوص کیا تو فرمایا :

(۱۵۲)والراسخون فی العلم

(اور وہ لوگ جن کا علم راسخ ہے)

(اس آیت میں) اللہ نے جس وصف سے انہیں مشرف کیا اس میں مزید اضافہ کر دیا (ص ۲۹)

اس کا ایک اور معنی بھی ہے۔ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : راسخون فی العلم وہ لوگ ہیں جو ارواح کے ذریعے سے غیب الغیب اور سرالسر میں راسخ ہوتے ہیں لہذا اللہ تعالی جو چاھتا ہے انہیں بتا دیتا ہے۔ جو کچھ ان آیات کا تقاضا ہے اس میں سے اللہ نے ان سے جس بات کا مطالبہ کیا ہے دیگر لوگوں سے اس کا مطالبہ نہیں کیا ۔ یہ لوگ مزید انعام حاصل کرنے کی غرض سے فہم کے ساتھ علم کے سمندر میں گھسے جس سے ان پر ذخیرہ کئے ہوئے خزانے منکشف ہو گئے اور ہر حرف اور آیت کے نیچے جو فہم اور عجائبات پائے جاتے ہیں ان پر واضح ہوگئے چنانچہ انہوں نے (ان آیات و حروف سے) موتی اور جواھرات نکالے اور دانائی کی باتیں کہیں ۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ جو مستأثرات انہوں نے مشاھدہ کئے ان کے مقابلے میں سمندر ایک تھوک کے برابر ہے۔ مستأثرات علم سے مراد وہ علم ہے جسے اللہ نے اپنے نبیوں کیلئے خاص کر رکھا ہے نیز جو اولیاء اور اصفیا کیلئے مخصوص ہے لہذا یہ لوگ صفاء ذکر اور حضورقلب کے وقت اپنے باطن کے ذریعے سے فہم کے سمندر میں گھسے اور انہوں نے جوھر عظیم کو پا لیا ۔ یہ وھی لوگ ھیں جنہیں معلوم ہے کہ یہ کلام کہاں سے نکلا ہے لہذا یہ سرچشمے پر جا پہنچے اور اس سرچشمے نے انہیں بحث کرنے جستجو اور تلاش کرنے سے بے نیاز کر دیا ۔

یہ واسطی کے کلام کی تشریح ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے اور جو کچھ واسطی نے اپنے کلام میں کہا ہے اس کی یہ وضاحت ہے جیسا کہ اس کلام کی تشریح میں ابوسعید خراز سے روایت کیا گیا ہے۔

ابوسعیدؒ فرماتے ہیں : کتاب اللہ کو سمجھنے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہوں کیونکہ اس میں علم ، فہم اور استنباط پایا جاتا ہے اور فہم کا پہلا درجہ یہ ہے کہ (کلام کو) کان لگا کر سنا جائے اور اس کو نگاھوں کے سامنے رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۱۵۳)ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب أو ألقی السمع و هو شهید

(اس میں ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو صاحب دل ہوں یا کان لگا کر سنیں اور حاضر دل والے بھی ہوں)

اور اللہ تعالی نے فرمایا :

(۱۵۴)الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه

(جو کلام کو سنتے ہیں پھر اس اچھے کلام کی تابعداری بھی کرتے ہیں)

قرآن تمام کا تمام ,,حسن,, ہے احسن کی تابعداری سے مراد یہ ہے کہ طریق فہم اور استنباط سے غور سے سننے اور کان لگانے کے وقت جو عجائبات دلوں پر منکشف ہوتے ہیں -

باب - ۴ (ص ۸۰)

قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کان لگا کر سننے اور تدبر کے ساتھ حاضر ہونے کے استنباط کی تشریح اور جو خطاب بندے کو کیا گیا ہے اسے سمجھنا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یاد رکھیں قرآن کو سنتے وقت کان لگا کر سننا اور دل کا حاضر ہونا تین طرح سے ہوتا ہے -

جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے ابوسعید خراز فرماتے ہیں : قرآن کو سننے وقت کان لگا کر سننے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ تو یہ خیال کرتے ہوئے سنے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم یہ کلام ممہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں - اس کے بعد تو اس مقام سے اور اوپر جائے تو یوں خیال کرے جیسے تو اسے جبرئیل علیہ السلام سے سن رہا ہے اور جبرئیل نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں - کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۱۵۵) و انہ لتنزیل رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک (الآیۃ)

یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اسے روح الامین نے آپ کے دل پر اتارا ہے (پوری آیت)

پھر اس سے بھی اوپر چلیں (تو یوں خیال کریں کہ) تم یہ کلام (خود) حق تعالی سے سن رہے ہو اور یہ اللہ کا یوں فرمانا ہے :

(۱۵۶) و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین

(قرآن میں سے بعض آیات/ایسی نازل کرتے ہیں جو مؤمنوں کیلئے شفاء اور رحمت ہیں)

.. اللہ کا کہنا :

(۱۵۷) تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم

(یہ کتاب خدائی عزیز و حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے)

جیسے تم یہ الفاظ خود اللہ سے سن رہے ہو ۔ اسی طرح

(۱۵۸)حم ۔ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم

حم ۔ یہ کتاب خدائی عزیز و علیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے

اللہ سے سنتے ہوئے تمہارے فہم کا منبع یہ ہے کہ تو حضورقلب سے اسے سنے اور تو دنیا کے تمام مشاغل اور اپنے نفس سے غافل ہو اور یہ حالت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب تم میں مشاہدہ کی قوت ہو ، پاک و صاف ذکر ہو ، تو اپنے ارادوں کو جمع کر لے ۔ (تمہاری طرف سے) حسن ادب ہو ، باطن پاک ہو ، سچی تحقیق ہو ، تصدیق کے ستونوں کی قوت ہو ، تو تنگی سے نکل کر وسعت کی طرف جائے ، مشاہدہ موجود ہو تاکہ غیب غیب کے اندر سرایت کر سکے (ص ۸۱) اور خدائی لطیف و خبیر کے کلام کے ذریعے اس خدا کی طرف جلدی سے پہنچ جائے جسے ہم غیب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ یہ تمام تشریح اللہ تعالی کے اس فرمان سے سمجھ میں آتی ہے اور اسی سے استنباط کیا گیا ہے :

(۱۵۹)ألذین یؤمنون بالغیب

(جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں)

ابوسعید ابن الاعرابی فرماتے ہیں : یہ لوگ اللہ تعالی کے غائب ہوتے ہوئے بھی انہیں غائب کر دیا جاتا ہے لہذا غیب میں رہ کر بھی وہ غیب (خدا جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے) پر ایمان رکھتے ہیں لہذا اگرچہ اللہ تعالی ہم سے غائب ہے مگر اس سلسلے میں ان کو کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا ۔

اور فرمایا :

(۱۶۰)یہدی للحق أفمن یہدی الی الحق أحق أن یتبع أم من لا یہدی الا أن یہدی

آپ انہیں کہہ دیں کہ اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے کیا جو ذات حق کی طرف رہنمائی کرے وہ زیادہ حقدار ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے یا وہ دیوتا جو رہنمائی تو نہیں کر سکتے البتہ ان کی رہنمائی کی جاتی ہے ۔

اور فرمایا :

(۱۶۱)فماذا بعد الحق الا الضلال فأنی تصرفون

حق کے بعد تو پھر گمراہی ہی گمراہی ہے لہذا تم کدھر کو پھرے جا رہے ہو

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مخلوق نے اللہ تعالی کی ذات میں سے جس قدر

بھی حصہ پا لیا ہے وہ تو غائب ھی غائب ہے اور وہ حقائق کی صفات سے باھر ہے۔ اللہ تعالی کے یؤمنون بالغیب فرمانے سے یہی مراد ہے۔

غیب سے مراد تمام وہ امور ھیں جن کا اللہ تعالی نے ان کے دلوں کو مشاھدہ کرایا مثلاًاللہ تعالی کی صفات و اسماء کا ثابت کرنا ، اور ان اوصاف کا ثابت جو اللہ تعالی نے اپنے لئے بیان کئے ھیں اور جو احادیث کے ذریعے سے ان تک پہنچے ھیں : لہذا ان صوفیہ نے صفات کو مانا مگر اس بات کا دعوی نہیں کیا کہ انہوں نے پورے طور سے انہیں سمجھ لیا ہے۔ کیا آپ نے اللہ تعالی کا یہ فرمان نہیں سنا۔

(۱٦۲)و لو ان ما فی الأرض من شجرة أقلام والبحر یمده من بعده سبعة أبحرها نفدت کلمات الله

(اگر روئی زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور پھر ایک سمندز کے بعد سات اور سمندر ان کی روشنائی بنیں تب بھی کلمات الٰھیہ ختم نہیں ھونے کے)

جب اللہ کے کلام کی صفت کو کوئی نہیں پا سکتا اور نہ پورے طور سے انہیں سمجھ سکتا ہے تو پھر اس کے وصف کی حقیقت ، ماھیت اور اصلیت کو کوئی کیسے پا سکتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ اھل علم میں سے جو لوگ اھل فہم ھیں ان کے نزدیک یہ طے شدہ امر ہے کہ ھر وہ چیز جس کی طرف متحققوں ، واجدوں ، عارفوں اور موحدوں نے اشارہ کیا ہے ، نیز وہ چیز جس کی انہوں نے وضاحت کی ہے اور جن کی الفاظ وضاحت نہیں کر سکتے اور جن کی طرف نہ دلالت کے ذریعے سے اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اشاروں سے سمجھایا جا سکتا ہے یعنی مختلف قسم کے معارف ، احوال ، مقامات اور اماکن وغیرہ جن کا انہوں نے ظاھر و باطن دونوں طرح سے مشاھدہ کیا ہے۔ یہ سب کچھ وھی غیب ہے جس کا اللہ تعالی نے یؤمنون بالغیب کہکر ذکر کیا ہے۔

باب ـ ۵ (ص ۸۲)

فہم قرآن میں ارباب قلوب کی صفت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اللہ تعالی نے تمام ارباب قلوب اور اھل حقائق کا ذکر کیا ہے اور ان کی صفت بیان کی ہے خواہ وہ مریدین میں سے ھوں ، عارفین میں سے ، متحققین

میں سے واجدین میں سے اور اهل مجاهدات اور ریاضات میں سے یا ان لوگوں میں سے جو مختلف قسم کی ظاهری اور باطنی اطاعت گزاریوں کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاهتے هیں جیسا کہ قرآن مجید میں اپنے فرشتوں کی صفت بیان کرتے هوئے کہا :

(۱۶۳)اولئک الذین یدعون یبتغون الی ربهم الوسیلة أیهم أقرب

یہ (فرشتے) جنهیں یہ (کفار) پکارتے هیں وہ تو خود اپنے رب کا قرب حاصل کرنا چاهتے هیں کہ (دیکھیں) کون رب کے زیادہ نزدیک هوتا ہے

اور مؤمنوں کو یوں فرمایا :

(۱۶۴)یا ایهاالذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیه الوسیلة

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے هو اللہ سے ڈرو اور اس کا قرب طلب کرو

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کا غیب پر ایمان ہے وہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاهتے هیں ۔ اس کے بعد ایک اور آیت میں جس میں مؤمنوں کو نیکیوں کی طرف لے جانے کی ترغیب دی گئی ہے اس کی مزید تشریح اور تفصیل بیان کر دی چنانچہ فرمایا :

(۱۶۵)أ یحسبون أنما نمدهم به من مال و بنین نسارع لهم فی الخیرات بل لا یشعرون

کیا یہ لوگ یہ سمجھتے هیں کہ جس مال اور اولاد سے هم ان کی مدد کرتے هیں (وہ اس لئے کرتے هیں کہ) انهیں جلدی سے بھلائی دے دیں (ایسی کوئی بات نهیں ہے) بلکہ یہ سمجھتے هی نهیں (کہ یہ مال اور اولاد ان کیلئے ابتلاء کا سبب ہے)

اس آیت سے اهل فهم نے یہ سمجھا کہ نیکیوں کی طرف لپک کر جانے کیلئے پهلا قدم یہ ہے کہ (جهاں تک هو سکے) دنیا کو کم حاصل کریں ، رزق کیلئے اهتمام کرنا چھوڑ دیں ، مال کو جمع کرنے اور (پھر مال کے هوتے هوئے) اس میں بخل کرنے سے فرار اور دوری اختیار کریں اس طرح کہ کم کو زیادہ پر ترجیح دیں اور دنیا کی رغبت پر دنیا سے منہ موڑنے کو اختیار کریں اس کے بعد اللہ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کو بھلائی عطا کرنے میں اللہ تعالی جلدی کرتے هیں ۔ چنانچہ ان کی صفت بیان کرتے هوئے فرمایا :

(۱۶۶)ألذین من خشیة ربهم مشفقون

(جو اپنے رب کے ڈر سے خوفزدہ رهتے هیں)

یهاں ان کی صفت یہ بیان کی کہ یہ ڈر کے مارے خوفزدہ رهتے هیں اور خشیت اور اشفاق دونوں اندرونی کیفیت کے نام هیں اور یہ دونوں دل کے اعمال میں سے هیں چنانچہ خشیت دل کے اندر ایک مخفی راز ہے اور ڈر کے مارے جو اشفاق هو وہ خشیت سے بھی زیادہ

مخفی ہوتا ہے۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۱٦۷)یعلم السر و اخفی

(اللہ تعالی راز کو بھی اور اس سے بھی زیادہ مخفی چیز وں کو جانتا ہے)

یوں بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے حضور میں دائمی طور پر کھڑے رہنے کی وجہ سے جوانکساری دل کے اندر پیدا ہوتی ہے وہ خشیت ہے اس شریف مرتبے اور بلند حالت کے بعد یعنی اس خشیت اور اشفاق وغیرہ (ص ۸۳) کی حالت کے بعد جس سے اللہ نے انہیں موصوف کیا ہے فرمایا :

(۱٦۸) والذین هم بآیات ربهم یؤمنون

(جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں)

حالانکہ پہلے سے ہی ان کا اللہ کی آیات پر ایمان تھا۔ لہذا (یہاں سے) (۱٦۹)معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی کی مراد ایمان کی زیادتی ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ رسالت اور نبوت (عطا کرنے) کے باوجود اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کو ایمان سے موصوف کیا ہے اور یہ اس آیت میں ہے :

(۱۷۰) فآمنوا بالله و رسوله النبی الامی الذی یؤمن بالله و کلماته

لہذا تم اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جس کا اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان ہے

اهل فہم اس آیت سے چونکے(۱۷۱) اور اس سے انہوں نے یہ مفہوم سمجھا کہ ایمان کی زیادتی کی کوئی انتہا نہیں اور یہ کہ تمام وہ (مراتب) جہاں اهل حقائق ابتدا سے انتہا تک پہنچتے ہیں وہ تمام حقائق ایمان ، ایمان کی زیادتی ایمان کے براهین اور انوار میں سے ہیں ۔ نیز یہ کہ ان کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا :

(۱۷۲) والذین هم بربهم لا یشرکون

(اور جو کسی کو اپنے رب کا شریک قرار نہیں دیتے)

اس آیت میں یہ فرمایا کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک قرار نہیں دیتے حالانکہ اللہ تعالی ان کو خشیت ، اشفاق اور ایمان کی صفات سے موصوف کر چکا ہے۔ یہاں سے اهل فہم نے یہ نتیجہ بھی نکالا اور یہ معلوم کر لیا کہ اس آیت اور شرک کے ذکر سے جو مفہوم نکالا جا سکتا ہے یہ ہے کہ یہاں وہ شرک خفی ہے جو دلوں پر طاری ہوتا ہے اس طرح کہ وہ اپنی اطاعت گزاری کو دیکھتے رہتے ہیں اور پھر اس کا معاوضہ طلب کرتے ہیں

حالانکہ صریح ایمان اس بات کا گواہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ضرر رساں ہو سکتا ہے نہ نفع پہنچانے والا ، نہ عطا کرنے والا اور نہ روکنے والا ۔ (جب انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا تو) انہوں نے دامن چن لیا ، کوشش کی اور بارگاہ الٰہی میں گریہ و زاری کی اور اس سے یہ درخواست کی کہ وہ انہیں اخلاص میں ہی صدق اخلاص کے ذریعے سے ان کے دلوں کو (شرک خفی) سے نجات دلائے ۔ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس قدر ان کا ایمان خالص ہوگا اسی قدر انہیں اپنے شرک اور ریا کی باریکیاں دکھائی دیں گی ۔ اور ریاء ایسا شرک ہے جو تاریک رات میں ایک چیونٹی کے سیاہ پتھر پر چلنے سے زیادہ مخفی ہوتا ہے ۔

سہیل بن عبداللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے : لا الہ الا اللہ کہنے والے تو بہت ہیں مگر ان میں مخلص لوگ بہت کم ہیں ۔

یہی سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دنیا تمام کی تمام جہالت ہے سوائے اس حصے کے جس سے علم حاصل ہو اور علم تمام کا تمام (ہمارے خلاف) حجت بنے گا سوائے اس علم کے جس پر ہمارا عمل ہو اور عمل تمام کا تمام ریزہ ہائی خاک ہے سوائے اس عمل کے جسے اخلاص سے کیا جائے (یہ بھی یاد رکھو کہ) اہل اخلاص کو سخت خطرہ رہتا ہے ۔

اس کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا :(ص ۸۳)

(۱۷۳) والذین یؤتون ما آتوا و قلوبهم و جلة أنهم الی ربهم راجعون

(۱۷۳) اور وہ جو کام بھی کرتے ہیں اس کے کرتے ہوئے ان کے دل خوفزدہ ہوتے ہیں (کیونکہ انہیں اس بات کا خیال ہوتا ہے) کہ انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

اس آیت سے بھی اہل فہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ باوجود اس کے کہ یہ لوگ ان احوال کی طرف جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تیزی سے جاتے ہیں اور ان تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرے سے پہلے پہنچنا چاہتے ہیں پھر بھی ان کے دل خوفزدہ ہوتے ہیں تو (لہذا اس ڈر سے وہ ڈر مراد ہے) جس کا علم حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں اور نہ ہی مخلوق میں سے کسی کو اس کا علم ہے اور یہ (اپنے اپنے) خاتمہ کا علم ہے اور اس شقاوت و سعادت کا علم جو اللہ تعالی نے اپنے علم غیب میں اپنے بندوں کیلئے پہلے سے ہی لکھ رکھی ہے (اس خیال کا ذہن میں آتے ہی) ان کے دلوں کی شاہ رگ کٹ جاتی ہے ان کی عقلیں ششدر رہ جاتی ہیں ، ان کے علوم رفوچکر ہو جاتے ہیں ، ان کی فہمیں غائب ہو جاتی ہیں اور یہ صدق دل سے اللہ کی پناہ میں آنے ، اپنی احتیاج کا اظہار کرنے اور پھر ہر دم اسی کا محتاج بن کر اللہ کی طرف

آتے ہیں ۔ اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے دریافت کیا ۔ یا رسول اللہ !
کیا الذین یؤتون ما آتوا و قلوبہم وجلة سے مراد وہ لوگ ہیں جو زنا کرتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں ؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا : نہیں بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں پھر انہیں اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سب کچھ اللہ کے ہاں مقبول ہی نہ ہو ۔ ۱
اس کے بعد فرمایا :

(۱۶۵) اولئک یسارعون فی الخیرات و ہم لہا سابقون

یہی وہ لوگ ہیں جو نیک اعمال کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف سبقت لے جاتے ہیں

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ ان نیک اعمال کی طرف جلدی کرنے سے سابقین کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے اور ان کا رتبہ چاہا جا سکتا ہے۔

٦ ۔ باب

(قرآن مجید میں) فہم و استنباط کے طریقے سے مقربین اور ابرار کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۱۶٦) والسابقون السابقون أولئک المقربون

آگے بڑھنے والے ہی آگے نکلا کرتے ہیں اور وہی پھر مقرب بھی بنتے ہیں

اس کے بعد اللہ تعالی نے یہ بیان کیا ہے کہ مقربین کو ابرار اور سابقین پر فضیلت حاصل ہے چنانچہ فرمایا :

(۱۶۷) کلا ان کتاب الأبرار لفی علیین و ما أدراک ما علیون

یقیناً ابرار کا اعمال نامہ علیون میں ہوگا اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ علیون کیا چیز ہے

اس کے بعد فرمایا :

(۱۶۸) ان الأبرار لفی نعیم علی الأرائک ینظرون

ابرار آرام و راحت میں ہوں گے ، تختوں پر بیٹھے بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے

اور ان اعزازات کا ذکر کیا (ص ۸۵) جن سے اللہ نے ان کو نوازا ہے اور ان نعمتوں اور درجات کا ذکر کیا جو علیون میں ابرار کیلئے مخصوص ہوں گے چنانچہ فرمایا :

(۱۷۹) تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم

تم ان کے چہروں ہی سے ناز و نعمت کی تروتازگی معلوم کر لو گے

مراد یہ ہے کہ اہل جنت اپنے چہروں کی تازگی سے پہچانے جائیں گے مراد ابرار کے چہروں کی تروتازگی جو اس ناز و نعمت کی وجہ سے ہو گی جس کے ساتھ تمام اہل جنت میں سے صرف یہی لوگ مخصوص کئے جائیں گے ۔ اس کے بعد فرمایا :

یسقون من رحیق

انہیں عمدہ ترین شراب پلائی جائے گی

اللہ تعالی نے اہل جنت کی صفت میں یہ نہیں فرمایا کہ انہیں عمدہ اور سر بمہر شراب پلائی جائے گی اور آخر میں فرمایا ۔

ومزاجه من تسنیم عیناً یشرب بها المقربون

اس میں تسنیم کی ملاوٹ کی جائے گی اور تسنیم ایک چشمہ ہے جہاں سے مقرب لوگ پئیں گے یہاں جنت میں اہل جنت میں سے صرف ابرار کو عمدہ سر بمہر شراب کے ساتھ مخصوص کیا گیا اس کے بعد ابرار کی شراب کو جسے رحیق مختوم کہا ہے اہل جنت کی شراب پر فضیلت دی کیونکہ اس میں تسنیم کی ملاوٹ ہو گی اور تسنیم وہ چشمہ ہے جہاں سے مقرب لوگ پئیں گے لہذا ابرار کی وہ شراب جس کی وجہ سے انہیں اہل جنت پر فضیلت دی گئی اس میں یہ وجہ بتائی گئی کہ اس میں ملاوٹ ہو گی بمقابلہ مقربین کی شراب کے جس میں ملاوٹ نہ ہوگی ۔

اس اشارے پر غور کریں کہ مقربین کی تشریح کیلئے یہ کس قدر لطیف اشارہ ہے کیونکہ اہل علیین میں سے جن ابرار کو رحیق مختوم (سر بمہر شراب) اور نضرۃ النعیم (ناز و نعمت کی تروتازگی) اور تختوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے ان کی شراب میں مقربین کی وہ شراب ملائی جائیگی جسے مقربین ہمیشہ پیتے رہیں گے ۔

اس سے اہل فہم نے دو معنی اخذ کئے ہیں ایک یہ کہ ابرار کی شراب میں ملاوٹ

ہو گی اور مقربین کی شراب خالص ہوگی جس میں کسی قسم کی ملاوٹ
نہ ہو گی جیسا کہ اللہ تعالی نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے :

(۱۸۰) ان الأبرار یشربون من کأس کان مزاجها کافوراً
(ابرار وہ شراب کا پیالہ پیئں گے جس میں کافور کی ملاوٹ ہوگی)

اس کے بعد اللہ نے ان اشیاء کا ذکر کیا ہے جو ان کیلئے اللہ نے تیار کر رکھی ہوں گی۔
اس کے بعد فرمایا :

(۱۸۱) ویسقون فیها کأساً کان مزاجها زنجبیلا عینا فیها تسمی سلسبیلا
انہیں جنت میں ایسی شراب کا پیالہ پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی ملاوٹ ہو
گی ۔ زنجبیل ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے

اس کے بعد اہل جنت کی نعمتوں میں سے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے

(ص۸٦) (۱۸۲) و اذا رأیت ثم رأیت نعیماً و ملکاً کبیراً
جب تو وہاں دیکھے گا تو تجھے نعمتیں ہی نعمتیں اور بہت بڑا ملک دکھائی دے گا

یہاں اللہ تعالی نے ایسی نعمتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی
لہذا ثمّ رأیت نعیماً فرمایا اس " نعیم " کی تعریف نہیں کی گئی کہ کیا چیز ہے مگر قصہ کے
آخر میں فرمایا :

(۱۸۳)و سقاهم ربّهم شراباً طهوراً
اور ان کے رب نے انہیں پاک شراب پلائی

چنانچہ جہاں بھی ان کے پینے کا ذکر آیا ہے اور اس سلسلے میں یشربون کہہ کر ان کے فعل
کا ذکر کیا ہے تو ان کی شراب میں ملاوٹ کا بھی ذکر کر دیا ہے مگر جب

و سقاهم ربهم شراباً طهوراً

فرمایا تو اس میں ملاوٹ کا ذکر نہیں کیا

اس کا ایک اور مفہوم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ چشمہ جو مقربین کی شراب بنے
گا اس کی ملاوٹ اس چشمے کے ساتھ کی جائے گی جو ابرار کی شراب ہے لہذا انہیں اہل
جنت پر یہ فضیلت دی گئی کہ ان کی شراب میں تسنیم کی ملاوٹ کی جائے گی اور تسنیم وہ
چشمہ ہے جہاں سے مقرب لوگ پئیں گے ابرار اور مقربین کے درمیان یہی فرق ہے۔ اللہ بہتر
جانتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا :

(۱۸۴)لا نکلّف نفساً الاّ وسعها

(اللہ تعالی کسی انسان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا)

یہاں یہ بیان کر دیا کہ مومنوں کو ان حقائق پر کاربند ہونے اور ان احوال پر اترنے میں ان کی بساط کے مطابق استطاعت دی گئی ہے کیونکہ خواہ انبیاء ہوں خواہ دیگر لوگ جو ان سے کم درجہ کے لوگ ہیں انہیں جو حقائق دیے گئے ہیں وہ اللہ تعالی کے اس فرمان میں شامل ہیں :

اتّقوا اللہ ما استطعتم

(جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو)

اس حکم سے کوئی بھی مستثنی نہیں ہے۔

۷۔ باب

قرآن مجید میں اس پر کاربند رہنے کا شدید حکم اور اس کی وجہ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یاد رکھو ! اللہ تعالی نے

فاتقوا اللہ ما استطعتم (سورہ تغابن : ١٦)

جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ کے عذاب سے بچتے رہو

فرما کر بندوں پر یہ ایک ایسا فرض واجب کر دیا ہے کہ اگر یہ ملائکہ ، انبیاء اور صدیقین کے تمام اعمال پر کاربند رہیں پھر اللہ ان سے محاسبہ کرے کہ آیا واقعی انہوں نے اس حکم کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں تو جو دلائل ان کے خلاف جانے والے ہوں گے وہ ان دلائل کے مقابلہ میں جو ان کے حق میں جائیں گے کہیں زیادہ ہوں گے ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ملائکہ ان تمام عبادات کے باوجود جو ان کی فطرت کے اندر پائی جاتی ہیں یہی کہتے رہتے ہیں ۔

سبحانک ربنا ما عبدناک حق عبادتک

(اے ہمارے رب تو پاک ہے ہم نے تمہاری عبادت کا حق ادا نہیں کیا)

(ص ۸۸) نیز کہتے ہیں :

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا (سورہ بقرہ : ۳۰)

تو پاک ہے ہمارے پاس صرف اسی قدر علم ہے جس قدر تو نے ہمیں عطا کر دیا

ملائکہ نے حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے علم اور عبادت سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ اور اللہ تعالی کے فرمان اتقوا اللہ حق تقاته (سورہ آل عمرآن : ۱۰۲) اللہ سے ڈرو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا مفہوم بھی قریب قریب وھی ہے جو فاتقوا اللہ ما استطعتم کا ہے کیونکہ بندہ خواہ ابتدائی منزل میں ہو خواہ انتہائی منزل میں تقوی تمام احوال کی اصل ہے چنانچہ جس طرح متقی کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح تقوی کی بھی کوئی انتہا نہیں ۔ اسی لئے تو ہم نے کہا ہے کہ اتقوا اللہ حق تقاته اور فاتقوا اللہ ما استطعتم کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے مگر فاتقوا اللہ ما استطعتم میں سخت گیری کا لہجہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فرض کر لیں کہ تو نے ایک ہزار رکعت نماز ادا کی اور تجھ میں ایک اور رکعت پڑھنے کی طاقت موجود ہے مگر تو نے کسی اور وقت پر اسے اٹھائے رکھا تو تو نے استطاعت کے مطابق عمل نہیں کیا ۔ اور اگر تو نے اللہ کا ایک ہزار بار ذکر کیا اور ابھی تجھ میں ایک بار اور ذکر کرنے کی طاقت پائی جاتی ہے مگر تو نے اسے کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھا ہے۔ تب بھی تو نے استطاعت کے مطابق عمل نہیں کیا ۔ اسی طرح اگر تو کسی سائل کو صدقہ کے طور پر ایک درھم دے اور تجھ میں ایک اور درھم یا پائی دینے کی استطاعت موجود ہے مگر تو ایسا نہیں کرتا تب بھی تو نے استطاعت کے مطابق عمل نہیں کیا ۔ اسی لئے تو ہم نے کہا ہے کہ ما استطعتم کے الفاظ میں سخت گیری پائی جاتی ہے۔

دیگر آیات جن میں سخت گیری پائی جاتی ہے یہ ھیں ۔

فلا و ربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی أنفسھم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیماً (سورۃ نساء : ٦٥)

تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باھمی اختلافات میں آپکو حکم نہ مانیں پھر جو فیصلہ آپ صادر فرمائیں اس کے متعلق ان کے دل تنگ نہ ہوں اور اسے مکمل طور پر تسلیم نہ کر لیں

اس آیت میں سخت گیری یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قسم کھا کر کہا ہے کہ یہ اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتے جب تک وہ اپنے باھمی اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو منصف نہیں مان لیتے پھر ان کے (فیصلے کے بعد) اگر انہوں نے اپنے دلوں میں تنگی محسوس کی ، مراد یہ ہے کہ اگر انہوں نے اپنے دلوں ، اپنے باطن اور اسرار میں آپ کے حکم کے متعلق کسی قسم کی تنگی یا نا پسندیدگی کا اظہار کیا ، مثلاً یہ کہ آپ قتل کا حکم دیں

تو وہ ایمان سے خارج ہو جائیں گے ۔ اللہ نے ان کے خارج از ایمان ہونے کے متعلق قسم کھا کر کہا ہے ۔

اگر ہم اس کا قیاس اس بات کے ساتھ کریں جس میں اللہ نے ہمیں اپنے احکام پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے نیز یہ کہ اس نے ہمیں ان اخلاق ، رزق ، مدت حیات اور اعمال پر راضی رہنے کا حکم دیا ہے جو اس نے ہمارے لئے تقسیم کر رکھے ہیں تو پھر ہمارے پاس بلکہ اکثر لوگوں کے پاس ذرہ بھر بھی ایمان نہیں رہتا ۔ اگر مخلوق کو اللہ کی وسیع رحمت کی امید نہ ہو تو سب تباہ ہو جائیں ۔

۸ ۔ باب

جو کچھ حروف اور اسماء کی فہم کے متعلق کہا ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، تمام وہ امور جن کا علوم ادراک کر سکے ہیں اور فہمیں سمجھ سکی ہیں خواہ ان کی تعبیر یا ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہو سب کے سب کتاب اللہ کے ابتدائی دو حرفوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور یہ دو حرف بسم اللہ اور الحمد للہ ہیں ۔ کیونکہ ان سے مراد باللہ اور للہ ہے۔ اس میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام وہ امور جن کا مخلوق کی فہم احاطہ کر سکتے ہیں یا ان کے فہم اور ادراک کر سکتے ہیں بذات خود قائم نہیں ہیں ، یہ سب باللہ اور للہ ہیں ۔

جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے ، شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بسم اللہ کی باء میں کس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے : فرمایا : ارواح ، اجسام اور حرکات بذات خود قائم نہیں ہیں بلکہ اللہ کے ساتھ قائم ہیں ابوالعباس بن عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا گیا : عارفین کے دل کس چیز سے سکون حاصل کرتے ہیں ۔ فرمایا : اللہ کی کتاب کے پہلے حرف کے ساتھ ، یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم کی باء کے ساتھ ، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اشیاء کا ظہور اللہ ہی کی وجہ سے ہوا ہے اور اسی کی وجہ سے فنا ہوتی ہیں ، اس کی تجلی ہی کی وجہ سے یہ خوبصورت بنی ہیں اور اس کے پردہ میں ہونے کی وجہ سے بدنما ہوتی ہیں ، اس لئے کہ اللہ کے نام میں ہیبت اور کبریائی پائی جاتی ہے اور اللہ کے نام الرحمن میں محبت

اور دوستی پائی جاتی ہے اور رحیم نام میں مدد و نصرت پائی جاتی ہے، پاک ہے وہ جس نے ان معانی کو ان کے لطائف کے درمیان پھیلا رکھا ہے ان اسماء کے ذریعے سے جو اس کی گہرائیوں میں پائے جاتے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں : بتجلیہ حسنت کے معنی ہیں اللہ کے ہاں مقبولیت کی وجہ سے۔ اسی لئے تو نیکی کو حسنة کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے اسے قبولیت بخشی ہے اور اگر قبولیت نہ بخشتا تو نیکی کو حسنة نہ کہا جاتا۔

اور باستتارہ قبحت کے معنی ہیں : اللہ کا انہیں رد کر دینے کی وجہ سے اور ان سے اعراض کرنے کی وجہ سے : یہی وجہ ہے کہ بدی کو "سیئة" کہا گیا اگر ایسا نہ ہوتا تو بدی کو "سیئة" نہ کہا جاتا۔

(ص ۸۹) ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی کے اسماء میں سے ہر اسم کو اپنایا جا سکتا ہے سوائے الرحمن کے کیونکہ یہ نام تو اللہ سے تعلق قائم کرنے کیلئے ہے نہ کہ اپنا خلق بنانے کیلئے یہی حال صمدیت کا ہے کیونکہ اس کا ادراک اور احاطہ کرنا محالات میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے : و لا یحیطون به علماً (سورہ طہ : ۱۱۰) یہ بھی کہا گیا ہے کہ "اللہ" اسم اعظم ہے کیونکہ جب اس کا الف گرا دیا جائے تو "للہ" رہ جاتا ہے اور اگر "للہ" کا لام بھی گرا دیں تو "لہ" رہ جاتا ہے مگر پھر بھی اشارہ اسی کی طرف قائم رہتا ہے اور اگر لام بھی چلا جائے تو ھاہ رہ جائے گی اور تمام اسرار اسی ھاہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ھا کے وہی معنی ہیں جو "ھو" کے ہیں (برعکس اس کے) اگر کوئی ایک حرف اللہ تعالی کے دیگر اسماء میں سے گرا دیا جائے تو معنی بگڑ جائیں گے۔ ان میں اللہ کی طرف اشارہ بھی پایا نہیں جاتا اور تعبیر کرتے وقت صحیح معنی کا احتمال نہیں رہتا لہذا اللہ کا لفظ غیراللہ کا نام نہیں ہو سکتا۔

سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : الف سب سے پہلا اور سب سے بڑا حرف ہے اور الف میں اللہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے اشیاء کو باہم مرکب کیا اور خود ان سے الگ رہا۔

ابوسعید خراز فرماتے ہیں : جب بندہ ہمہ تن اللہ ہی کا ہو لیا ہو اور اس کا کوئی عضو بھی اللہ سے ہٹ (۱۸۴) کر غیراللہ کی طرف متوجہ نہ ہوتا ہو تب کہیں جا کر (اس کی یہ حالت ہو گی) کہ جب وہ اس اللہ کے کلام کی تلاوت کرے گا جس کا ساتھ ایسا نہیں جیسے کسی مخلوق کا ساتھ ہو تو اس پر حقائق فہم وارد ہوں گے۔

ابوسعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب اللہ کی کتاب کا کوئی حرف اس حد تک ظاہر ہو جس حد تک تمہیں اللہ کے ہاں قرب اور حضوری حاصل ہے تو اس حرف کا ایک مسرب اور ایک مفہوم ہو گا جو دوسرے حرف کے مفہوم سے مختلف ہو گا ۔ چنانچہ جب تو اللہ تعالی کا یہ فرمان سنے "الم ذالک" تو الف میں ایسا علم پایا جائے گا جو تمہاری فہم میں ظاہر ہو گا اور یہ علم وہ علم نہ ہو گا جو حرف "لام" سے ظاہر ہوتا ہے اور جو تفاوت فہم میں پیدا ہوتا ہے وہ اپنی اپنی محبت ، صفاء ذکر اور قرب کے مطابق ہوتا ہے ۔

ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں : بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں ایک ہی آیت میں (غور و فکر کرتے کرتے) پانچ راتیں گزار دیتا ہوں اور (بالآخر غور کرنا چھوڑ دیتا ہوں) اگر غور و فکر کرنا نہ چھوڑوں تو کبھی بھی (اس آیت سے) آگے نہ جا سکوں اور بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت آئی اور عقل رفوچکر ہو گئی ۔ پاک ہے وہ خدا جو اس عقل کو پھر سے لوٹا دیتا ہے ۔

وھب (۱۸۵) بن ورد فرماتے ہیں : ہم نے احادیث و آداب میں غور کیا مگر قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں تدبر کرنے سے بڑھ کر کسی چیز کو دلوں کو زیادہ رفیق بنانے والا اور غم کو کھینچ کر لانے والا نہیں دیکھا ۔

۹ ـ باب

ان لوگوں کا بیان جنہوں نے قرآن مجید سے صحیح استنباط کیا ـ قرآن کے اشاروں کو صحیح طور پر سمجھا اور اس سے صحیح فہم پایا ـ نیز ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے غلط استنباط کیا ـ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فہم اور استنباط کے طور پر لوگوں نے جو کچھ نکالا ہے اس میں سے صحیح وہی ہے جس میں ان امور کو مقدم قرار نہ دیا گیا ہو جن کو اللہ نے مؤخر بنایا ہے اور ان امور کو مؤخر نہ کیا جائے جنہیں اللہ نے مقدم رکھا ہو ۔ نہ انسان اللہ سے اس کی خدائی میں جھگڑے اور نہ بندگی کی حدود سے باہر جائے ۔ نہ قرآن کے الفاظ میں تحریف کرے مثال کے طور پر ایک شخص کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے اللہ تعالی

کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا گیا :

و أیوب اذ نادی ربه أنی مسنی الضر (سورة الانبیاء : ۸۳)

تو کہنے لگا : اس کے معنی ھیں کہ مجھے اس دکھ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی

مجھے بتایا گیا ہے کہ ایک شخص سے اللہ تعالی کے فرمان :

ألم یجدک یتیماً فآوی (سورة والضحی : ٦)

کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا : یہاں یتیم سے مراد وہ دریتیم ہے جس کی مثال نہیں ہوتی ہے

اسی طرح ایک اور شخص سے اللہ تعالی کے اس قول :

قل انما أنا بشر مثلکم (سورة الکهف : ۱۱۰)

کے متعلق سوال کیا گیا تو کہا : تمہارے نزدیک تو میں تمہارے ھی جیسا انسان ہوں

یہ اور اسی قسم کی دیگر تاویلات غلط ، بہتان ، اللہ سے گستاخی ، جہالت ، اور (دین) سے بے اعتنائی کی (دلیل) ھیں اور الفاظ کو اپنے اصلی مقام و محل سے بدل کر (دوسرے مقام پر) استعمال کرنا ہے۔ اس قسم کا استنباط غلط استنباط ہو گا ۔

اب لیں درست استنباط کو تو یہ ایسا ہے جیسا ابوبکر کتانی رحمہ اللہ سے کسی نے اللہ تعالی کے فرمان

الا من أتی اللہ بقلب سلیم (سورة الشعراء : ۸۹)

کے متعلق سوال کیا تو فرمایا : فہم کے طریقہ سے قلب سلیم تین طرح کا ھوتا ہے۔ پہلا دل تو وہ دل ہے جو اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ھوتا اور دوسرا وہ ہے جب اللہ سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ کے ساتھ ھوتے ھوئے اسے کوئی اور شغل نہیں ھوتا اور نہ ھی وہ غیراللہ کو چاھتا ہے اور تیسرا وہ ہے جو اللہ سے ملتا ہے تو اس کی یہ حالت ھوتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور اسے قائم کئے ھوئے نہیں ھوتا اور اللہ کے ساتھ ھو کر وہ تمام اشیاء سے فنا ھو چکا ھوتا ہے پھر اللہ کے ساتھ ھوتے ھوئے اللہ سے بھی فنا ھو چکا ھوتا ہے۔ (۱۸٦)

اور فنی عن اللہ باللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی عبادتگزاری کی طرف قطعاً نگاہ ھی نہ کرے اور نہ اللہ کے اسُ ذکر کی طرف جو کیا کرتا ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ اسے اللہ سے محبت ہے کیونکہ اللہ تعالی نے اس کی پیدائش سے بھی پہلے اس کا ذکر کیا اور اس سے محبت کی ہے۔ اور جب مخلوق اللہ کا ذکر کرتی ہے اس کی وجہ بھی وھی اللہ کا انہیں یاد کرنا ہے نیز یہ کہ اللہ کا ان سے محبت کرنا بھی ان کا اللہ سے محبت کرنے کا سبب ہے۔

اور ان پر جو اللہ تعالی کی قدیمی عنایت ہے وہی ان کی اطاعت کی وجہ ہے۔

اور جیسا کہ شاہ کرمانی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :

(۱۸۷)الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی و یسقین و اذا مرضت فھو لیشفین

کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : جس خدا نے مجھے پیدا کیا ہے وہی مجھے اپنی راہ پر چلاتا ہے۔ نہ کوئی اور ، وہی مجھے رضا کی خوراک دیتا ہے اور محبت کی شراب پلاتا ہے اور جب میں اپنی ذات کا مشاھدہ کرنے کی مرض میں مبتلا ھوتا ہوں تو وہ مجھے اپنا مشاھدہ کرا کے اس مرض سے شفا عطا کرتا ہے۔ اور جو مجھے اپنی ذات سے مار ڈالتا ہے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ کرتا ہے۔ لہذا میرا قیام اسی کی بدولت ہے نہ بذات خود۔ اور وہ خدا جس سے مجھے یہ امید ہے کہ جس روز میں اس سے ملوں گا وہ مجھے رسوا نہ کرے گا (اس طرح) کہ میں اپنی اطاعت اور اعمال کی طرف نگاہ کروں۔ پھر میں کلی طور پر اپنی تمام حاجات اس کے پاس لے جاؤں۔

جب اسے یہ معلوم ہے کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ اللہ ھی کی مدد سے حاصل کیا ہے اور جن امور کی وہ امید لگائے ہوئے ہے وہ بھی اس کی مدد کے بغیر حاصل نہ ہوں گے تو کہا :

(۱۸۸)رب ھب لی حکماً وألحقنی بالصالحین

خدایا مجھے فیصلہ کرنے کی طاقت عطا کر اور مجھے صالحین کے زمرے میں کر دے

اور جیسا کہ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ سے اللہ کے فرمان

(۱۸۹)الذین آمنوا و تطمئن قلوبھم بذکراللہ

جو لوگ ایمان لے آئے اور ان کے دل اللہ کے ذکر کے ساتھ مطمئن ھیں

کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : مؤمن کا دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ھوتا ہے مگر عارف کا دل اللہ کے سوا کسی اور چیز سے مطمئن نہیں ھوتا۔

اور جیسا کہ شبلی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :

(۱۹۰) قل للمؤمنین یغضوا من أبصارھم

(مومنوں کو کہدیجئے کہ اپنی نگاھیں نیچی رکھا کریں)

کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : سر کی آنکھوں کو اللہ کی حرام کی ھوئی اشیا سے بند کر رکھیں اور دل کی آنکھوں کو ھر اس چیز سے جو اللہ کے سوا ھو

اور جس طرح شبلی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :

(۱۹۱) ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب أو القی السمع و هو شهید
(اس میں ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جس کا دل ہو یا حاضر ہو کر کان لگا کر سنے)

کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا : جس کا دل خود اللہ ہو۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :
لیس منی الیک قلب معنی کل عضو منی الیک قلوب

(اے خدا میرا دل جو تیری طرف لگا ہوا ہے وہ ایسا نہیں کہ تھکان محسوس کرے بلکہ میرا تو ہر عضو دل بن کر تمہاری طرف لگا ہوا ہے)

یہ تو فہم کے طریقے سے ہوا ۔ اب طریق اشارہ کو لیں تو یہ اسی طرح ہے جس طرح ابوالعباس بن عطا رحمہ اللہ نے فرمایا : (ص ۹۲) لغزشوں کے ہوتے ہوئے انسان حق کو نہیں پا سکتا ۔

انہوں نے اس قول میں اللہ تعالی کے اس فرمان کی طرف اشارہ کیا ہے
(۱۹۲) فان زللتم من بعد ما جاءتکم البینات فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم
(اگر تم واضح دلائل آنے کے بعد بھی پھسل جاؤ تو یاد رکھو اللہ عزیز و حکیم ہے)

اور جیسا کہ وہ فرمایا کرتے تھے : محب سے عذاب ساقط ہو جاتا ہے

(یہ اس لئے کہا کہ) درد کا (احساس) اس وقت تک ہوتا ہے جب تک بشری صفات (انسان میں) ہوں اور ان کا استدلال اس آیت سے تھا :
(۱۹۳) وقالت الیهود والنصاری نحن ابناء اللہ وأحباؤه قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل أنتم بشر ممن خلق
(یہود و نصاری کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں آپ فرمادیں پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے عذاب کیوں دے گا ۔ (ایسا نہیں ہے) بلکہ تم تو اس کی مخلوق سے بشر ہو)

اور جیسا کہ ابویزید بسطامی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ جب ان سے معرفت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
(۱۹۴) ان الملوک اذا دخلوا قریة أفسدوها و جعلوا أعزة أهلها أذلة وکذلک یفعلون
(جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہو جاتے ہیں تو اسے خراب کر دیتے ہیں اور وہاں کے طاقتور لوگوں کو کمزور بنا دیتے ہیں ۔ اور وہ ایسا ہی کریں گے بھی)

ان کی مراد یہ تھی کہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کسی بستی میں جا اترتے ہیں تو وہاں کے لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں ۔ اور انہیں مغلوب و مقہور بنا دیتے ہیں چنانچہ وہ اس بادشاہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے ۔ یہی حال معرفت کا ہے کہ جب یہ کسی انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے تو جو کچھ دل کے اندر ہوتا ہے اسے نکال پھینکتی ہے اور جو چیز دل میں حرکت کرنے لگے اسے جلا دیتی ہے ۔

اور جیسا کہ جنید رحمہ اللہ نے جب ان سے سوال کیا گیا کہ کیا بات ہے کہ سماع کے وقت آپ پرسکون رہتے ہیں اور آپ کے اعضا پر قطعاً کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ کیا :

(۱۹۵) و تری الجبال تحسبها جامدۃ وّ ھی تمر مرالسحاب صنع اللہ الذی أتقن کل شیی

تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ ان میں کوئی حرکت نہیں حالانکہ بادل کی طرح چل رہے ہیں یہ اس خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو محکم طور پر بنا رکھا ہے

اور جیسا کہ ابوعلی رود باری رحمہ اللہ اشارہ کیا کرتے اور جب اپنے مریدوں کو ایک جگہ اکٹھے دیکھتے تو یہ آیت پڑھا کرتے :

(۱۹۶) و ھو علی جمعھم اذا یشاء قدیر

(اللہ تعالیٰ جب چاہے انہیں اکٹھا کرنے پر قادر ہے)

بیان کیا جاتا ہے کہ جو تعریف زھری نے انسان کی کی ھے اس کی تائید میں ابوبکر زقاق نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا : اگر کلام کرے تو ایک گھڑی میں اور اگر خاموش رہے تو دن بھر ۔ اس کی تائید میں ابوبکر زقاق نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے ۔

(۱۹۷) ولو نشاء لأریناکھم فلعرفتھم بسیماھم ولتعرفنھم فی لحن القول

اگر ہم چاہیں تو ہم آپکو یہ لوگ دکھا دیں ۔ آپ انہیں ان کی علامت سے پہچان لیں گے اور ان کے طرز گفتگو سے بھی آپ انہیں پہچان جائیں گے

یہ اور اسی قسم کے دیگر اشارات سب درست اشارے ہیں ۔ اللہ بہتر جانتا ہے ۔

صوفیا کے اشارات اور ان کے استنباطات میں سے جو تیرے سننے میں آئیں ان کا قیاس ان پر کر لیا جائے تاکہ تو صحیح اور غیر صحیح کے درمیان امتیاز کر سکے عقلمند کیلئے زیادہ کہنے کے بجائے تھوڑا ھی کافی ہوتا ہے ۔ عقل ایک موجود چیز سے غیر موجود چیز کا پتا چلا لیتی ہے ۔ اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے ۔

★ ★ ★ ★ ★ ★ ★

۳ ـ کتاب (ص ۹۳)

اپنے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی زندگی کو نمونہ بنانا اور ان کے نقش قدم پر چلنا

۱ ـ باب

اھل صدق و صفا کی یہ صفت ہے کہ انہیں فہم قرآن حاصل ہے اور یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے موافقت رکھتے ھیں اور ان کی تابعداری کرتے ھیں ـ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو یوں حکم دیا ـ

(۱۹۸) قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً

(آپ انہیں فرما دیں لوگو ! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ـ)

اس آیت میں اللہ تعالی نے ھمیں بتایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ و سلم کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے اس کے بعد فرمایا :

(۱۹۹) و انک لتھدی الی صراط مستقیم صراط الذی لہ ما فی السموات والارض

آپ یقیناً سیدھی راہ کی طرف راھنمائی کرتے ھیں اور یہ راہ اس خدا کی راہ ہے جس کی ملکیت میں تمام وہ اشیاء ھیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ھیں ـ

یہاں اللہ نے اس بات کی گواھی دی ہے کہ آپ راہ مستقیم کی طرف راھنمائی کرتے ھیں ـ اس کے بعد اللہ نے ھم پر یہ بھی واجب قرار دیا کہ ہم اس بات پر ایمان رکھیں کہ آپ کی گفتار میں نفسانی خواھش قطعاً نہیں پائی جاتی چنانچہ فرمایا :

(۲۰۰) و ما ینطق عن الھوی

(آپ خواھش نفس سے بات نہیں کرتے)

اس کے بعد اللہ تعالی نے آپ کی تعریف یوں کی ہے ـ

(۲۰۱) ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم ایاتہ و یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ

(خدا وہ ہے جس نے امی لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا ۔ وہ رسول انہیں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن اور حکمت سکھاتا ہے)

اللہ تعالی نے یہاں یہ بتایا ہے کہ آپ اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور ہمیں کتاب یعنی قرآن کی تعلیم دیتے ہیں اور حکمت کی ۔ حکمت سے مراد صحیح بات اور یہ صحیح بات آپ کی سنت آپ کے آداب ، اخلاق ، افعال ، احوال اور حقائق ہیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا اور جس کے پہنچانے کا آپکو حکم دیا گیا تمام کا تمام لوگوں تک پہنچا دیا ۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۲۰۲) یا أیها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک

(اے رسول جو قرآن آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں)

مزید برآں اللہ تعالی نے جس طرح مخلوق کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اسی طرح رسول اللہ کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

(۲۰۳) أطیعوا اللہ و أطیعوا الرسول

(اللہ اور رسول کی اطاعت کرو)

نیز فرمایا :

(۲۰۴) من یطع الرسول فقد أطاع اللہ

(جس نے رسول کی تابعداری کی اس نے اللہ کی تابعداری کی)

اور اللہ تعالی نے اس آیت میں

(۲۰۵) و ما آتاکم الرسول فخذوہ

(جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو)

رسول کی ہر بات کو قبول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور جن امور سے باز رہنے کا رسول حکم دیں ان سے باز رہنے کا حکم بھی آیت میں ہے ۔

و ما نهاکم عنه فانتهوا

(اور جن امور سے منع کریں ان سے باز آ جاؤ)

پھر یہ بھی بتا دیا کہ ان کی تابعداری کرکے راہ راست حاصل کر لو گے ۔ فرمایا :

(۲۰۶) و تبعوہ لعلکم تھتدون
(ان کی تابعداری کرو تاکہ تم راہ ھدایت پاؤ)

اللہ نے ان سے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ رسول کی اطاعت کریں گے تو ھدایت پا لیں گے ۔ فرمایا :

(۲۰۷) و ان تطیعوہ تھتدوا
(اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ھدایت پا لو گے)

اور اگر ان کے فرمان کی خلاف ورزی کرو گے تو آزمائش اور عذاب الیم سے دو چار ہو گے ۔ فرمایا :

(۲۰۸) فلیحذر الذین یخالفون عن أمرہ أن یصیبھم فتنة أو یصیبھم عذاب ألیم
(جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ھیں ان کو ڈرنا چاھئے کہ کھیں ان پر کوئی آفت یا دردناک عذاب نہ آن پڑے)

اس کے بعد اللہ نے ھمیں یہ بھی بتا دیا کہ مؤمن رسول کی تابعداری ھی کے ذریعے سے اللہ سے محبت کر سکتا ہے ۔
فرمایا :

(۲۰۹) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ
(آپ انھیں کہہ دیں کہ اگر تمھیں اللہ سے محبت ہے تو میری تابعداری کرو تاکہ اللہ بھی تم سے محبت کرے)

پھر مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے اچھے نمونے کو اپنانے کا حکم دیا اور فرمایا :

(۲۱۰) لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة
(رسول اللہ کے افعال تمھارے لئے بہتر نمونہ ھیں)

مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بہت سی احادیث مروی ھیں اور ھر حدیث کی روایت معتبر لوگوں نے معتبر لوگوں سے کی ہے یہاں تک کہ وہ احادیث ھم تک پہنچیں ۔ لہذا تمام مسلمانوں کیلئے ان پر عمل کرنا واجب ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالی کا حکم ہے :

(۲۱۱) أقیموا الصلوة وآتوا الزکوة وأطیعوا الرسول
(پابندی کے ساتھ نماز ادا کیا کرو زکوٰة دیا کرو اور رسول کی اطاعت کیا کرو)

یہ بھی فرما دیا کہ جس راہ پر آپ چل رہے ھیں لہذا تمام ان لوگوں کیلئے جو آپ

کے زمانے میں موجود تھے - یا موجود نہ تھے اور ان لوگوں کیلئے جو قیامت تک آتے رہیں گے ، آپ کی تلقید کرنا ، تابعداری کرنا اور آپ کے حکم پر چلنا واجب ہوا - البتہ ان تین شخصوں پر واجب نہیں جن کے اعمال نامے لکھے نہیں جاتے (۲۱۲) - جو شخص قرآن سے اتفاق رکھتا ہو مگر رسو . اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کی پیروی نہ کرتا ہو وہ قرآن کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے اور درحقیقت وہ قرآن کی تابعداری نہیں کرتا - آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی تابعداری اور پیروی ھی أسوہ حسنہ ہے اور یہ تابعداری ان امور میں ہو گی - آپ کے اخلاق ، احوال ، جن کاموں کے کرنے کا آپ نے حکم دیا ، جن کاموں سے منع کیا ، جن کاموں کے کرنے کی طرف دعوت یا ترغیب دی اور جن کاموں سے بچنے کو کہا - ان سب میں ہمیں آپ کو اپنا نمونہ(ص ۹۰) بنانا چاھئے البتہ ان امور میں جن میں اس کے خلاف دلیل پائی گئی ہو ہم آپ کی اقتدا نہ کریں گے مثلاً اللہ تعالی کا یہ کہنا :

(۲۱۳) خالصةً لک من دون المؤمنین

(یہ حکم صرف آپ کیلئے ہے مسلمانوں کیلئے نہیں ہے)

نیز صوم وصال کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمانا : میں تمہارے جیسا نہیں ہوں

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا قربانی کے متعلق ایک حدیث میں ابوبردہ(۲۱۴) بنار کو فرمانا :

ذبح کرو مگر تمہارے بعد (ایسا ذبیحہ) کسی اور سے کفایت (۲۱۵) نہ کرے گا -

اور اسی قسم کے دیگر واقعات جن میں احکام کے مخصوص ہونے کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح دلیل پائی جاتی ہے -

اب رہے وہ امور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے تعزیرات ، احکام اور عبادات کے متعلق مروی ہیں مثلاً فرائض ، سنن ، امر ، نہی ، استحباب ، رخصتیں اور وسعت یہ تمام امور اصول دین میں سے ہیں اور ن کے متعلق علماء اور فقہاء نے کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان پر ان کے ہاں عمل بھی ہوتا ہے اور ان کے ہاں مشہور بھی ہیں - کیونکہ یہ لوگ ایسے امام ہیں جو اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت پر عمل کرنے والے اور اللہ کے دین کی مدد کرنے والے ہیں - مخلوق کے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کے سامنے حلال و حرام اور حق وباطل کی وضاحت کرتے ہیں لہذا یہ لوگ اللہ کی طرف سے مخلوق پر حجت ہیں - مخلوق کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ عوام میں سے مخصوص لوگ ہیں -

اب لیجئے ان لوگوں کو جو ان خاص لوگوں میں سے بھی خاص ھیں (تو یہ وہ لوگ ھیں) جنھوں نے جب اصول کو مضبوط کر لیا اور اللہ تعالی کی مقرر کردہ حدود کی حفاظت کی اور آپ کی سنت پر اس حد تک کاربند رہے کہ ان امور میں سے کوئی بات نہ چھوڑی جس پر ان کا عمل نہ ہو ۔ لہذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ان احادیث کو تلاش کرنا شروع کیا جو مختلف قسم کی اطاعت گزاری ، آداب ، عبادات ، اخلاق شریفہ اور پسندیدہ احوال کے بارے میں وارد ہوتی ھیں ۔ انہوں نے اپنے نفس سے مطالبہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کرتا رہے ، ان کو اپنے لئے نمونہ بنائے اور ان کے نقش قدم پر چلتا رہے اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے جو آداب ، اخلاق ، افعال اور احوال ان تک پہنچے ہوں ان کے مطابق چلے ۔ پھر کیا تھا ان لوگوں نے ان امور کی تعظیم کی جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے کی تھی اور ان امور کو چھوٹا سمجھا جن کو آپ ﷺ نے چھوٹا سمجھا ۔ ان امور کو حقیر جانا جن کو آپ نے حقیر جانا تھا ۔ اور ان امور کو کثیر جانا جن کو آپ نے کثیر جانا تھا جنکو آپ ﷺ نے ناپسند کیا انکو ناپسند کیا۔ جن کو آپ ﷺ نے اختیار کیا انہیں اختیار کر لیا ۔ جن کو آپ ﷺ نے ترک کیا ان کو ترک کیا۔ جن پر آپ نے صبر کیا ان پر صبر کیا ۔ جن سے آپ نے دشمنی رکھی ان سے انہوں نے بھی دشمنی رکھی ۔ جن سے آپ نے دوستی رکھی ان سے انہوں نے بھی دوستی رکھی ۔ جنھیں آپ ﷺ نے فضیلت دی ان کو انہوں نے بھی فضیلت دی ۔جن امور کی آپ ﷺ نے رغبت کی انکی انہوں نے بھی رغبت کی ۔ جن سے آپ ﷺ نے پرھیز کیا ان سے انہوں نے بھی پرھیز کیا ۔ کیونکہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے خلق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : آپ کا خلق قرآن تھا ۔ ان کی مراد یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی ہر بات قرآن کے مطابق ہوتی تھی ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :
مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے ۔

(ص ۹٦) ۲ ۔ باب

وہ روایات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ان اخلاق ، افعال اور احوال کے بارے میں وارد ہوئی ھیں جن کو اللہ تعالی نے آپ کیلئے اختیار کر رکھا تھا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے۔

فرمایا :

اللہ تعالی نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : میں اللہ کو تم سے بہتر جانتا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

یہ بھی صحیح روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : مجھے اختیار دیا گیا کہ میں ان دو میں سے ایک بات کو اختیار کر لوں۔ یا تو نبی اور بادشاہ بنوں یا نبی اور بندہ ۔ جبرئیل نے مجھے مشورہ دیا کہ تواضع اختیار کرو لہذا میں نے کہا کہ مجھے تو نبی اور بندہ ہونا پسند ہے کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : مجھے تمام دنیا پیش کی گئی مگر میں نے اسے قبول نہ کیا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو تو میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں گا ۔ اس میں سے صرف قرض ادا کرنے کیلئے کچھ رکھ لوں گا ۔

آنحضرت کی نسبت یہ بھی مروی ہے کہ آپ کوئی چیز آئندہ کیلئے ذخیرہ کے طور پر نہ رکھتے تھے صرف ایک بار آپ نے اپنے اعیال اور آنے والے وفدوں کیلئے ایک سال کی خوراک رکھ لی تھی ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس دو قمیصیں نہ تھیں اور آپ کیلئے آٹا چھانا نہ جاتا تھا ۔ آپ نے مرتے دم تک نہ اپنی مرضی سے اور نہ مجبور ہو کر کبھی بھی سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی ۔ آپ اگر اللہ سے یہ درخواست کرتے کہ آپ کیلئے پہاڑ سونے کے بنا دئے جائیں اور آپ سے ان کا حساب نہ لیا جائے تو اللہ تعالی ضرور ایسا کر دیتا ۔

اس قسم کی روایات اور واقعات تو بہت ہیں ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے بلال رضی اللہ عنہ سے کہا :اے بلال خرچ کئے جاؤ اور اس بات کے فکر مند نہ ہو کہ کہیں اللہ اس میں کمی نہ کر دے ۔

ایک بار بریرہ نے آپ کے سامنے کھانا رکھا جس میں سے آپ نے تھوڑا سا کھا لیا ۔ دوسری رات وہی کھانا پھر اس نے پیش کیا ۔ اس پر آپ نے فرمایا :

کیا تو اس بات سے نہیں ڈری کہ قیامت کے روز اس کا دھواں ہو گا ۔ کوئی چیز آئندہ کیلئے اٹھا کر نہ رکھا کرو ۔ اللہ تعالی ہر آنے والے دن کا رزق دیتا ہے ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا ۔ خواهش ہوئی تو کھا لیا ۔ نہ ہوئی تو نہ کھایا ۔ آپ کو اگر کسی دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کو کہا جاتا تو آپ اسے اختیار کرتے جو زیادہ آسان ہوتی ۔ آپ نہ تو زمیندار تھے نہ تاجر اور نہ کسان ۔ آپ انکساری کے طور پر پشم کا لباس اوڑھتے ۔ پیوند لگا ہوا جوتا پہنتے ۔ گدھے کی سواری کرتے ۔ بکری دوھتے ۔ جوتے اور کپڑے کو پیوند لگاتے ۔ اور گدھے پر سوار ہونے سے ناک نہ چڑھاتے اور ساتھ کسی اور کو بھی سوار کر لیا کرتے ۔

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ گانا پسند نہ کرتے اور آپکو فقر و احتیاج کا خوف نہ تھا آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ازواج پر کبھی ایک ماہ اور کبھی دو ماہ اس طرح بھی گزر جایا کرتے کہ روٹی پکانے کی غرض سے آپ کے گھر میں آگ تک نہ لائی جاتی تھی اور ان دنوں میں ان کی گزران کھجور اور پانی پر ہوتی ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ کی ازواج کو اختیار دیا گیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

یا أیها النبی قل لأزواجک ان کنتن تردن الحیاة الدنیا و زینتها (پوری دو آیتیں)

(اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش چاهتی ہو تو)

آپ کی یہ دعا ہوا کرتی تھی : خدایا میری زندگی مسکینوں کی زندگی ہو اور مروں تب بھی مسکین ہو کر مروں اور روز محشر مسکینوں کے ساتھ میرا حشر ہو ۔

آپ یہ دعا بھی مانگا کرتے : خدایا آل محمد کو روز بروز کی خوراک عطا کیا کر ۔

روایت ہے کہ بوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت کی یوں صفت بیان کیا کرتے ۔
آپ اپنے اونٹ کا گھٹنا باندھتے ۔ اونٹنی کو چارا ڈالتے ۔ گھر میں جھاڑو دیا کرتے جوتے کو ٹانکا لگاتے ۔ کپڑے کو پیوند لگاتے ۔ بکری دوھتے ۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اگر خادمہ تھک جاتی تو اس کے ساتھ مل کر چکی پیستے ۔ آپ بازار سے اپنا سودا سلف خود اٹھا کر لانے کو عار نہ سمجھتے ۔ امیر و غریب سے مصافحہ کرتے اور سلام کرنے میں پہل کرتے ۔ دعوت دہندہ کی دعوت کو رد نہ کرتے اور دعوت کے کھانے کو بنظر حقارت نہ دیکھتے خواہ وہ ردی کھجوریں ہی کیوں نہ ہوتیں ۔ آپ نرم خو اور کریم الطبع تھے

باھمی میل جول میں اچھے تھے ، خندہ پیشانی تھے آپ کے لبوں پر مسکراھٹ کے بغیر ھی تبسم ھوتا ۔ آپ ترش رو نہ تھے ۔ آپ متواضع تھے مگر اس طرح کہ اس ۔۔۔۔۔۔۔ میں ذلت کا پہلو نہ نکلتا ھو ۔ سخی تھے مگر فضول خرچ نہ تھے ، رقیق القلب تھے ، ھر وقت سر نیچا کئے رھتے ، ھر مسلمان پر رحمت کی نگاہ رکھتے ، کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھانے سے ڈکار نہیں لی اور نہ ھی للچا کر کسی چیز کی طرف ھاتھ بڑھایا ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ھیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کھلی چھوڑی ھوئی ھوا سے بھی زیادہ سخی تھے ۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو اس قدر بکریاں عطا کیں جو دو پہاڑوں کے درمیان پھیلی ھوئی تھیں ۔ جب یہ شخص بکریاں لے کر اپنے قبیلہ والوں کے پاس گیا تو کہا : لوگو ! محمد صلی اللہ علیہ و سلم تو اس شخص کی طرح مال عطا کرتے ھیں جسے فقر کا خوف نہ ھو ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نہ تو شور مچانے والے تھے ، نہ فحش گو اور نہ بدکلام ۔ آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ، زمین پر بیٹھتے ۔ بالوں کی بنی ھوئی چادر اوڑھتے ۔ مسکینوں کی صحبت مین بیٹھتے اور بازاروں میں پیدل چلتے ۔ اپنے بازو کو اپنا تکیہ بناتے ۔ اپنی ذات سے اوروں کا قصاص لیتے ۔ آپکو کبھی کسی نے قہقہہ لگا کر ھنستے نہیں دیکھا ۔ اکیلے کھانا نہ کھایا کرتے ۔ آپ نے اپنے غلام کو کبھی نہیں مارا آپ نے کسی کو اپنے ھاتھ سے ضرب نہیں لگائی اگر لگائی تو صرف اللہ کی خاطر ۔ آپ کبھی پالتی مار کر نہیں بیٹھے اور نہ سہارا لگا کر کھانا کھاتے اور فرمایا کرتے میں ایک غلام کی طرح کھانا کھاتا ھوں اور بیٹھتا ھوں تب بھی غلام کی طرح ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا حالانکہ اگر آپ اپنے رب سے درخواست کرتے کہ ابوقبیس پہاڑ کو سونے کا بنا دے تو اللہ ضرور ایسا کرتا ۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اپنے صحابہ کو لے کر ابوالھیثم بن تیہان کے گھر بن بلائے گئے آپ نے وھاں بیٹھ کر کھانا بھی کھایا اور پانی بھی پیا پھر فرمایا : یہی وہ نعمتیں ھیں جن کا تم سے سوال ھو گا ۔

ایک اور شخص نے آپکو اور پانچ صحابیوں کو دعوت پر مدعو کیا مگر میزبان کی اجازت کے بغیر ان میں چھٹا صحابی نہ شامل ھو سکا ۔

ایک حدیث میں یہ بھی روایت آتی ہے کہ آپ نے نقش و نگار والا رومال اوڑھا مگر پھر اسے پھینک دیا اور فرمایا اس کے نقش و نگار مجھے غافل کرنے ھی والے تھے ۔ (اسے لے

جاؤ اور) ابوجہم والی انبجانی چادر لا دو ۔

آپ ﷺ سے صرف ایک کپڑے میں نماز ادا کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : کیا تم میں سے ہر شخص کو دو کپڑے میسر (۲۱۷) ہوسکتے ہیں ۔

نیز فرمایا : میں تو ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی ۔

اور کہا : مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو ۔

(ص ۹۹) مگر ایک بار فرمایا : میں تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور میں یہ بات بطور فخر کے نہیں کہہ رہا ۔

ایک بار یوں فرمایا : میں کچھ لوگوں کو دیتا ہوں اور کچھ کو نہیں دیتا مگر جن لوگوں کو دیتا ہوں وہ مجھے ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کو میں نہیں دیتا زیادہ محبوب نہیں ہوتے ۔

اور فرمایا : جنت میں سب سے پہلے داخل ہو نے والے انصار میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نازک اندا‌موں سے شادی نہیں کرتے اور نہ ان کیلئے دروازے کھولے جاتے ہیں (۲۱۸) ۔

اور فرمایا : تمہارے پاس صرف اس قدر روزی ہونی چاہئے جس قدر ایک مسافر سوار کے زادراہ ہوتا ہے ۔

اور فرمایا ۔ میری امت کے محتاج لوگ جنت میں مالداروں سے آدھا دن پہلے داخل ہو جائیں گے اور یہ آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہے ۔

اور فرمایا : ہماری آپکی مراد انبیاء علیہم السلام سے تھی ۔ سخت ترین آزمائش ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ اور ایک شخص کو اس کے دین(کی حالت کے مطابق) آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اگر وہ دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے ۔

ایک شخص نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا : مجھے آپ سے محبت ہے ۔ آپ نے فرمایا : بس آزمائش کیلئے تیار ہو جاؤ ۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا ۔ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں پسند ہیں اور فرمایا : تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے ان دونوں فرمانوں میں دنیا کو (اپنی طرف منسوب نہیں کیا) بلکہ لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے اور اپنے آپکو اس میں سے نکال لیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے مرتےدم تک اینٹ پر اینٹ کھڑی نہیں کی یعنی مکان نہیں بنایا۔ اور جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس ایک صاع بھر جو کے عوض گروی تھی آپ نے نہ کوئی درہم و دینار چھوڑے اور نہ ہی آپ کا ترکہ بطور میراث تقسیم کیا گیا اور نہ آپ کے گھر میں کوئی اثاثہ تھا۔ اور فرمایا : ہم گروہ انبیاء جو ہیں ان کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور جو کچھ ہم چھوڑ جائیں مسلمانوں کیلئے صدقہ ہوتا ہے۔

آپ ہدیہ ، نذرانہ اور عطیہ قبول فرما لیا کرتے تھے۔ مگر صدقہ کی چیز نہ کھایا کرتے۔ صحابہ سے صدقہ وصول کر لیتے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : مجھے اس بات کی وحی نہیں کی گئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بنوں۔ مجھے تو یہ وحی کی گئی ہے کہ اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کروں۔ سجدہ کرنے والوں میں سے بنوں اور اپنے رب کی مرتے دم تک عبادت کرتا رہوں۔

روایت ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا : ہم نے ایک بکری ذبح کی اور خیرات کردی۔ صرف شانہ رہ گیا۔ میں نے کہا : یا رسول اللہ سب کچھ تو چلا گیا صرف شانہ بچ گیا ہے اس کے جواب میں آپ نے فرمایا :

سب کچھ بچا صرف شانہ جاتا رہا

اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ ن۔ قسم ہے قلم کی اور ان چیزوں کی جو وہ لکھتے ہیں آپ بفضل خدا دیوانہ نہیں ہیں : اور آپکو غیر منقطع ہونے والا اجر دیا جائے گا اور آپ کے اخلاق بلند ہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : اللہ تعالی مکارم اخلاق کو پسند فرماتے ہیں اور رذیل اخلاق کو ناپسند۔

اور فرمایا :مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں مکارم اخلاق پیش کروں۔

(ص ۱۰۰) آپ کے مکارم میں یہ امور شامل تھے۔ حیاء ، سخاء ، توکل ، رضا ، ذکر

سکر ، حلم ، صبر ، عفو ، درگزر کرنا ، مہربانی ، رحمت ، مدارات ، خیرخواہی ، سکینہ ، وقار تواضع ، فقر ، جود ، خیرات ، خضوع ، قوت ، شجاعت ، نرمی ، اخلاص ، خشیت ، زھد ، قناعت ، خشوع ، تعظیم ، ھیبت ، دعاء ، بکا ، بیم ، رجا (امید) پناہ ببارگاہ الہی ، تہجد ، عبادت ، جہاد اور مجاھدہ ۔

اور جیسا کہ مروی ہے : آپ متواتر غمگین رھتے ، ھمیشہ سوچ و فکر میں رہتے اور آپ کے سینے سے ھنڈیا کے جوش مارنے کی سی آواز آتی تھی ۔

نیز یہ کہ نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے ۔ اس پر کسی نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ ! اللہ نے تو آپ کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دئے ھیں ۔ تو جواب میں فرمایا : کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں ۔

آپ ان لوگوں کو دیا کرتے جو آپ کو کچھ بھی دینا نہ چاھتے تھے اور ان لوگوں سے رشتہداری قائم رکھتے جو رشتے کو توڑنا چاھتے جو آپ پر ظلم کرتے انہیں معاف کر دیا کرتے تو آپ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اور نہ اپنی ذات کی خاطر کبھی غصہ آیا ۔ البتہ جب اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی جاتی تو اس وقت اللہ کی خاطر آپکو غصہ آتا تھا ۔

آپ بیوگان کے ساتھ شفیق خاوند کی طرح پیش آتے اور یتیموں سے مہربان باپ کی طرح ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس کا مال ہو تو یہ مال اس کے وارثوں کا ھوگا اور اگر صرف اھل و عیال چھوڑ جائے تو ان کی میں کفالت کروں گا ۔

نیز فرمایا : خدایا میں ایک انسان ھوں دیگر انسانوں کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے لہذا اگر میں کسی کو کوئی برا لفظ کہہ دوں یا لعنت کروں تو اسے اس کے گناھوں کے کفارہ کا سبب بنا دینا ۔ یا جو الفاظ بھی فرمائے ھوں ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں ۔ میں نے دس سال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلم کی خدمت کی اس عرصہ میں آپ نے نہ کبھی مجھے مارا اور نہ ڈانٹا اور نہ کسی کام کے کرنے پر یہ کہا کہ تو نے ایسا کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ کہا کہ تو نے فلاں کام کیوں(٢١٩) نہیں کیا ۔

آپ کے کرم ، عفو اور حلم کی مثالوں میں سے اگر صرف اس کرم عفو اور حلم کو لیا جائے جو آپ سے فتح مکہ کے روز ظاھر ھوا تو یہ غایت درجہ کا کمال شمار ھو گا ۔ واقع یوں

ہے کہ آپ مکہ میں صلح سے داخل ہوئے حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے آپکے چچاؤں اور دوستوں کو گھاٹیوں میں محصور کرکے قتل کیا تھا ، آپ کے اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں ، آپکو مکہ سے نکالا تھا ، آپ کو خون آلود کیا تھا ، آپ پر گوبر پھینکا تھا ۔ آپ کی ذات کو اور آپ کے اصحاب کو دکھ پہنچایا تھا آپ سے بدخلقی سے پیش آئے تھے اور آپ کے ساتھ چالیں چلنے کیلئے سب نے اتحاد کر رکھا تھا مگر جب مکہ میں آپ بغیر جنگ کے داخل ہو گئے اور ان کو ذلیل و خوار کرکے ان پر غالب آگئے تو کھڑے ہو کر ایک (۲۲۰) خطبہ دیا جس میں اللہ تعالی کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا :

میں وھی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی :آج تمہیں کوئی سرزنش نہ ہوگی ۔ خدا تمہیں معاف کرے : اور فرمایا : جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے امان دی جائے ۔ اسی قسم کے دیگر کلمات جو اس سلسلے میں صحیح احادیث میں وارد ہوئے ہیں اور یہ اس قدر ہیں کہ ان تمام کا ذکر نہیں کیا جا سکتا ہم نے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے تاکہ جن کا ذکر نہیں کیا گیا ان کا اندازہ لگایا جا سکے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۳ ۔ باب

وہ روایات جو ان امور کے بارے میں آئی ہیں جو اللہ تعالی نے امت محمدیہ کیلئے مباح قرار دئے تاکہ امت کو اجازت اور وسعت دی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اقتدا کرتے ہوئے عام و خاص حالات میں ان کی توجیہ ۔

اب ان روایات کو لیجئے جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کیلئے بنی قریظہ اور بنی نضیر اور فدک کا مال جمع کر دیا تھا اور اسی طرح کی دیگر روایات ۔ اور وہ دوشالہ جو بطور ھدیہ آپکو پیش کیا گیا تھا اور وہ مجمع (۲۲۱) اور تلوار جس کی میان پر چاندی لگی ہوئی تھی اور وہ پردے جو گھر میں لٹک رہے تھے ۔ اور آپکا جھنڈا ، خچر ، اونٹنی ، گدھا ، چادر ، پگڑی ، جوتا جو نجاشی نے ھدیۃً آپکو بھیجا تھا وغیرہ وغیرہ اشیاء جن کا اکثر ذکر آتا ہے نیز یہ کہ آپ ﷺ کو میٹھی اور ٹھنڈی چیزیں مرغوب تھیں ۔ نیز یہ کہ آپ نے ایک قسم کا حلوا جسے خبیص کہتے ہیں کھایا ۔ اور یہ کہ آپ نے صحابہ سے کہا : کھاؤ اور سیر ہو کر کھاؤ ۔ اسی قسم کی دیگر روایات جو آنحضرت صلی

اللہ علیہ و سلم سے مروی ہیں ۔ ان تمام روایات کا مقصد یہ ہے کہ امت کیلئے ان چیزوں کے استعمال کرنے کی اجازت ہو تاکہ امت کے لئے تنگی نہ ہو وسعت ہو اور یہ امور ان کیلئے مباح ہو جائیں ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم قیامت تک آنے والے لوگوں کیلئے امام ہیں ۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے : مجھے (۲۲۲) بھول ڈال دی جاتی ہے تاکہ یہ بھی ایک سنت بن جائے ۔

اگر اللہ تعالی مخلوق کو ان امور میں جن کی انہیں اجازت ہے وسعت نہ دیتا اور تلاش روزگار ، مال جمع کرنا ، اپنے پاس مال رکھنا اور کوئی پیشہ اختیار کرنے کی غرض سے جائز باتوں کو اختیار کرنے کی کھلی اجازت نہ دے دیتا تو مخلوق تباہ ہو جاتی کیونکہ اللہ تعالی نے مخلوق کو مال جمع کرنے صنعت گری اختیار کرنے اور تجارت کا حکم نہیں دیا ۔ اس کی محض اجازت دی ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالی کو مخلوق کی کمزوری (۲۲۳) کا علم ہے۔ (برعکس اس کے) اللہ نے انہیں اپنی اطاعت اور پرستش کرنے کا حکم دیا ہے اور تمام مسلمانوں کیلئے اللہ کا ذکر کرنا ، شکر ادا کرنا ، اس پر توکل کرنا اور اسی کی لو لگا لینے کو مستحب قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

(ص ۱۰۲) یا أیها الذین آمنوا اذکرو اللہ ذکراً کثیراً (سورۃ احزاب : ۴۱)

مسلمانو ! اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو

اور

و علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین (سورۃ مائدہ : ۲۳)

اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ پر بھروسا کرو

اور

و ایای فارهبون (سورۃ بقرہ : ۴۰)

مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو

اور

و ایای فاتقون (سورۃ بقرہ : ۴۱)

میرے عذاب سے بچتے رہا کرو

اور اسی قسم کی دیگر آیات

ان مباح امور اور رخصتوں پر عمل کرنے میں عام لوگوں کی وہی حالت نہیں ہو سکتی جو انبیاء علیہم السلام کی ہے کیونکہ بیشتر لوگ اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے

رخصت اور مباح امور پر عمل کرتے ہیں ۔ نیز اس لئے بھی ان کے نفس نفسانی حظوظ کی طرف مائل ہوتے ہیں اور صبر کی تلخی کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ اس قدر روزی پر قناعت کرسکتے ہیں جو ان کیلئے ناگزیر ہے پھر اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جاتے ہیں ۔ بد اعمالیاں کرتے ہیں ۔ چنانچہ ان رخصتوں کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے اور نہ ہی انہیں استعمال کرتے ہیں علم کی شرائط کی پابندی کرتے ہیں ۔ مگر دوسری طرف انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو نبوت کی تائید اور رسالت کی قوت حاصل ہوتی ہے اور انہیں انوار وحی کے ذریعے سے اس قدر مہذب بنا دیا گیا ہوتا ہے کہ یہ اشیاء ان پر اثر انداز نہیں ہوتیں لہذا اگر وہ ان میں پڑتے ہیں تو اوروں کی خاطر اور اگر وہ ان مباح امور کو استعمال کرتے ہیں تو صرف اوروں کے حقوق کی خاطر نہ کہ حظ نفسانی کی خاطر کیا آپکو اللہ تعالی کا یہ ارشاد معلوم نہیں :

ما أفاء الله علی رسوله من أهل القری فلله و للرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل (سورۂ حشر : ۷)

(اهل قری یعنی بنی نضیر کا جو مال و دولت اللہ نے اپنے رسول کو بطور مال غنیمت دیا وہ اللہ ، اس کے رسول قرابت داروں ، یتیموں ، مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے)

اس آیت میں اللہ تعالی نے یہ بتایا ہے کہ جو مال اللہ نے اپنے رسول کو دلایا ہے وہ اللہ اس کے رسول قرابت داروں اور یتیموں کیلئے ہے ۔

مفسرین کا قول ہے کہ فهو لله و للرسول کے معنی یہ ہیں کہ رسول کو اختیار ہے کہ اس مال کو ان مدوں میں لگائے ۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد خمس الخمس (خمس کا پانچواں حصہ یعنی کل کا پچیسواں حصہ) ہے ۔ تو یہ مراد نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیه و سلم خمس الخمس کو (اپنی مرضی سے) جہاں چاہتے خرچ کیا کرتے تھے (۲۲۴)

کتاب اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم کی تابعداری کرنے میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں ۔ بعض وہ لوگ ہیں جو رخصتوں ، مباحات ، تاویل اور ان امور پر عمل کرتے ہیں جن کی کھلی اجازت دی گئی ہے ۔ بعض وہ ہیں جو فرائض ، سنتوں ، حدود اور احکام پر عمل پیرا (۲۲۵) ہوتے ہیں اور بعض وہ لوگ ہیں جو مذکورہ بالا تمام امور کو پختہ کر لیتے ہیں اور انہیں احکام دین کا اسی قدر علم ہوتا ہے جتنے سے کسی مسلمان کو بے خبر نہیں رہنا چاہئے ۔ مزید برآں وہ اونچے اونچے درجے کے

احوال، پسندیدہ اعمال، مکارم اخلاق، بلند امور، حقائق حقوق اور صدق پر بھی عمل پیرا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے حارثہ سے کہا : ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے، تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ؟ حارثہ نے جواب دیا : میں نے اپنی نفس کو دنیا سے علیحدہ رکھا ، راتوں کو جاگتا رہا ، دن کو پیاسا رہا اور گویا کہ میں (۲۲٦) ـــ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تو بات کو پا گیا ہے۔ اسی کو چمٹے

یا یوں فرمایا : تو ایک ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ نے منور کر رکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ باطن کے تمام وہ امور جن پر علماء نے بحث کی ہے ان کی بناء چار حدیثوں پر ہے۔(ص ۱۰۳۰) ایک تو جبرئیل والی حدیث ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا :

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہو اور دوسری حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہم کی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا : اے لڑکے اللہ کا خیال رکھو وہ تمہارا خیال رکھے گا۔

اور تیسری وابصہ کی حدیث ہے : گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھٹکے اور نیکی وہ ہے جس میں تمہارے نفس کو اطمینان ہو۔

اور چوتھی حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے روایت کرتے ہیں کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا کہنا : نہ کوئی دوسرے کو نقصان پہنچائے اور نہ باہمی ایک دوسرے کو ضرر پہنچایا کرو(۲۲۷) ۔

۴ ـ باب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اتباع کے بارے میں صوفیاء نے کیا کچھ کہا ہے۔ نیز یہ کہ صوفیاء کو اس امر میں خصوصیت حاصل ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابوعمرو عبدالواحد بن علوان رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے میں نے جنید رحمہ اللہ کو سنا کہ فرما رہے تھے :

ہمارا علم تصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث کے ساتھ منسلک (۲۲۸) ہے۔

میں نے ابوعمرو اسمعیل بن نجید کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعثمان سعید بن عثمٰن حیری کو یوں فرماتے سنا :

جس شخص نے سنت رسول کو اپنے اقوال و افعال میں حاکم بنا لیا تو اس کی گفتار میں حکمت پائی جائے گی اور جس نے خواہشات نفسانی کو اپنے اقوال و افعال میں حاکم بنایا وہ بدعت کی باتیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

ان تطیعوہ تھتدوا (سورۃ نور : ۵۴)

اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔(۲۲۹)

میں نے طیفور بسطامی کو سنا اور انہوں نے موسی بن عیسی المعروف بعمی کو کہتے سنا اور انہوں نے اپنے والد کو کہتے سنا کہ میں نے ابویزید بسطامی رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا ۔

آؤ ذرا اس شخص کے پاس چلیں جس نے اپنے آپکو ولی مشہور کر رکھا ہے تاکہ اسے دیکھیں اور وہ شخص اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھا اور اپنی عبادت اور زھد کی وجہ سے اس کی بڑی شہرت تھی طیفور نے اس کا نام بھی بتایا تھا (۲۳۰) مگر میں بھول گیا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم گئے ۔ جب وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوا تو اس نے قبلہ کی طرف تھوکا ۔ (یہ دیکھنا تھا کہ) ابو یزید نے کہا ۔ اٹھو واپس چلیں ۔ چنانچہ اس شخص سے سلام لئے بغیر واپس چلے آئے اور کہا :

یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے آداب میں سے کسی ایک ادب کو محفوظ نہیں کر سکا لہذا اس (ص۱۰۴) کے پاس مقامات اولیاء و صدیقین جن کا یہ مدعی ہے کیسے

ہو سکتے ہیں ۔

میں نے طیفور سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے موسی بن عیسی سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا ۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابو یزید رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا :

میں نے ارادہ کیا کہ اللہ تعالی سے یہ درخواست کروں کہ مجھے کھانا کھانے اور عورتوں کا زیربار ہونے سے محفوظ رکھے ۔ پھر خود ہی خیال آیا کہ اللہ سے ایسی درخواست کرنا کیونکر جائز ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایسی درخواست نہیں کی ۔ لہذا میں نے یہ درخواست نہ کی اور اللہ نے مجھے عورتوں کے زیربار ہونے سے بچا لیا چنانچہ (اب یہ حالت ہے کہ) کسی عورت کو دیکھکر مجھے پرواہ ہی نہیں ہوتی ۔ کیونکہ میرے نزدیک عورت اور (بے جان اینٹوں کی) دیوار یکساں ہوتی ہے ۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

میں نے ابوالطیب احمد بن مقاتل مکی کو فرماتے سنا کہ جس روز شبلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی اس روز میں جعفر خلدی کے پاس تھا ۔ ان کے پاس بندار دینوری آئے اور بندار شبلی رحمہ اللہ کے خادم تھے اور شبلی کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھے ۔ جعفر نے سوال کیا کہ تم مرتے وقت ان سے کیا کچھ دیکھا ۔ انہوں نے جوابدیا : جب ان کی زبان بند ہو گئی اور پیشانی پر پسینہ آ گیا تو مجھے اشارے سے کہا : مجھے نماز کیلئے وضو کرا دو ۔ میں نے وضو کرادیا ۔ مگر داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا ۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر میری انگلیوں کو اپنی داڑھی میں داخل کیا اور خلال کیا راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر جعفر رو پڑے اور کہا : ایسے شخص کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جس سے نزع کی حالت میں زبان بند ہو جانے اور پیشانی سے پسینہ چھوٹنے کے وقت بھی داڑھی کا خلال کرنا نہیں چھوڑا۔ یا اسی طرح کے کوئی اور کلمات کہے ۔

میں نے احمد بن علی الوجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی رود باری کو یوں فرماتے سنا : علم تصوف میں میرے استاد جنید(٢٣١) ہیں ، فقہ میں ابوالعباس (٢٣٢) بن سریج اور نحو اور لغت میں میرے استاد ثعلب (٢٣٣) ہیں اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم میں میرے استاد ابراھیم حربی ہیں ۔

کسی نے ذوالنون رحمہ اللہ سے پوچھا : آپ نے اللہ کو کیسے پہچانا ۔ جوابدیا : میں نے اللہ کو اللہ کے ساتھ ہو کر پہچانا اور میں نے ماسوا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی مدد سے پہچانا ۔ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر وہ وجد جس کی شہادت کتاب اللہ

اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے نہیں ملتی ، باطل ہے ۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ چالیس چالیس دن حقیقت میرے دل کو ٹھکورتی رہتی ہے مگر میں اسے اس وقت تک دل میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا جب تک کتاب و سنت کے دو گواہ اس (کی صحت کی) گواہی نہ دیں ۔

اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے متعلق جو طریقہ صوفیاء کا ہے اس کے متعلق فی الحال اسی قدر میرے ذہن میں آیا ہے اور میں بات کو لمبا کرنا بھی نہیں چاہتا تخفیف کی غرض سے جس قدر ذکر کر دیا ہے اسی پر اکتفا کریں ۔ و باللہ التوفیق ۔

۴ ـ كتاب المستنبطات

۱ ـ باب

اهل صفا کا فہم قرآن اور حدیث وغیرہ میں استنباط کا صحیح طریقہ اور اس کی تشریح

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مستنبطات کا کیا مطلب ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ مستنبطات وہ مسائل ہیں جنہیں صاحب فہم متحققین[۳۳۶] نے ظاہر و باطن میں کتاب اللہ عزوجل کی موافقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی تابعداری کرتے ہوئے اور پھر ان دونوں پر ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی عمل کرتے ہوئے اخذ کیا ہے۔ لہذا جب انہوں نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا تو اللہ تعالی نے بھی انہیں وہ علم عطا کیا جس کا انہیں علم نہ تھا اور وہ علم علم اشارہ ہے اور وہ علم ہے جو عمل کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور اللہ تعالی اپنے برگزیدہ لوگوں کے دلوں پر ان کے اعمال کے نتیجہ کے طور پر منکشف کرتے ہیں۔ اعمال کے نتیجے کے طور پر پیدا ہونے والے یہ امور ہیں ، روحانی کیفیات ، لطائف ، ذخیرہ کئے ہوئے اسرار ، عجیب و غریب علوم اور حکمت کی اچھوتی باتیں جو انہیں قرآن اور حدیث رسول اللہ پر غور کرنے سے حاصل ہوتے ہیں ـ اور یہ معانی ان لوگوں کے احوال ، اوقات اور صفاء اذکار کے اعتبار سے حاصل ہوتے ہیں ـ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

أفلا يتدبرون القرآن أم على قلوب أقفالها (سورة محمد :۲۴)

یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے ـ کیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں ـ

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرے گا اسے اللہ تعالی وہ علم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا ہوتا اور یہ وہ علم ہے جو دیگر اہل علم لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا ـ

اور اقفال قلوب سے مراد وہ زنگ ہے جو کثرت گناہ ، خواہش نفس کی تابعداری ، دنیا ک محبت ، مدت تک اللہ سے غافل رہنے ، شدت حرص ، آرام و راحت کی محبت ، خود ستائی اور اسی طرح کے دیگر امور مثلاً غفلتوں ، لغزشوں ، مخالفت اور خیانت کی وجہ سے دلوں پر چڑھ جاتا ہے اور جب اللہ تعالی اس زنگ کو سچی توبہ اور گناہ پر سچی ندامت کے ذریعے سے دلوں سے زائل کر دیتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ نے دلوں کے تالے کھول دئے ہیں اور اسے بہت سی اور باتیں اور کئی قسم کے فوائد حاصل ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ ان زوائد اور فوائد کی تشریح اپنے ترجمان کے ذریعے سے کرتا ہے اور یہ ترجمان (ص١٠٦) اس کی زبان ہے جس سے حکمت اور علم کی عجیب و غریب باتیں نکلتیں ہیں چنانچہ جب یہ لوگ ان حکمتوں کی تشریح کرتے ہیں تو ان کے مرید ، ان کے ہاں آنے والے اور طالب ان جواہر پاروں کو محفوظ رکھنے والے کانوں اور حاضر دلوں سے چن لیتے ہیں ۔ ان سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور وہ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی حالت کی اصلاح ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔ (٢٣٥)

أفلا يتدبرون القرآن و لو كان من عند غيرالله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً

کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے ۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے ۔

اس کے بعد فرمایا :

(٢٣٦) و اذا جاء هم أمر من الأمن أوالخوف أذاعوابه و لوردوه الى الرسول و الى اولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم

جب انہیں امن یا خوف کی کوئی خبر ملتی ہے تو اس کا چرچا کر دیتے ہیں اگر وہ اسے اللہ کے رسول اور معاملہ فہم لوگوں پر چھوڑ دیتے تو جو لوگ نتائج اخذ کرنا جانتے ہیں اس کو جان جاتے ۔

منهم سے مراد من أهل العلم ہے (اہل علم میں سے) اور علماء نے یہ بھی کہا کہ یہاں پر اولی الامر سے مراد اہل علم ہیں ۔ چنانچہ یہاں ایک خصوصیت تو اہل علم کی بیان کی گئی ہے اور ایک خصوصیت اہل علم میں سے ان لوگوں کی جن میں نتائج اخذ کرنے کی اہلیت پائی جاتی ہے ۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : یا رسول اللہ ! مجھے کوئی عجیب و غریب علم سکھائیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : پہلے علم میں سے تو نے کتنے حصے پر عمل کیا ہے ۔

پہلے پہلے علم کو مظبوط کر لو پھر آنا میں تجھے عجیب علم سکھاؤں گا - یا جیسا بھی آپ نے کہا ہو -

ہر زمانے میں بڑے شہروں کے فقہاء اور علماء نے قرآنی آیات اور احادیث کے ظاہری الفاظ سے استنباط کیا ہے اور یہ استنباط لوگوں میں مشہور ہیں اور ان مسائل میں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک دوسرے کے خلاف دلیل پیش کرنے کیلئے تیار کئے گئے ہیں چنانچہ ایک عالم نے اس حدیث کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمائی :

اعمال کا دارو و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملے گی چنانچہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ھجرت کی ہو گی - جیسا کہ حدیث میں ہے -

کہا ہے کہ اس ایک حدیث میں علم کی تیس اہم شقیں پائی جاتی ہیں - اور اس قسم کا نتیجہ صرف استنباط کے طریقے پر ہی نکل سکتا ہے - اہل کلام اور اہل نظر کے تمام علمی دلائل بھی اسی طرح قرآن اور حدیث سے نکالے گئے ہیں - اور یہ دلائل ان کے ہاں بنظر استحسان دیکھے جاتے ہیں اور ان کے ہاں مقبول ہیں کیونکہ ان کا مقصد تو صرف حق کی تائید کرنا ہے اور باطل کی تردید - ان سے بھی بہتر وہ استنباطات ہیں جو اہل علم نے علم کی تحقیق اور عمل میں اخلاص سے کئے ہیں مثلاً مجاهدات ، ریاضات ، معاملات اور (ان لوگوں کے استنباط ہیں) جو طرح طرح کی اطاعت گزاری کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں - اسی طرح اہل حقائق کے استنباط ہیں -

۲ - باب

معانی علوم اور احوال میں اہل حقیقت کے اخذ نتائج میں اختلاف کی کیفیت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خدا فہم کے ساتھ تیری تائید کرے اور تیرے وہم کو دور کرے - آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ اصحاب احوال اور ارباب قلوب کے بھی کچھ مستنبطات ہیں جو انہوں نے اپنے احوال کے معانی ، علوم اور حقائق کے بارے میں کئے ہیں - انہوں نے قرآن و حدیث کے ظاہری الفاظ سے لطیف اور باطنی معانی نکالے ہیں ، عجیب و غریب حکمت کی باتیں نکالی ہیں اور بے شمار اسرار نکالے ہیں - یہاں ہم ، انشاء اللہ ان میں

سے چند استنباطات کا ذکر کریں گے ۔

ان کے ہاں استنباطات میں اسی طرح اختلاف پایا جاتا ہے جس طرح اہل ظاہر میں ۔ فرق صرف یہ ہے کہ اہل ظاہر کے اختلاف کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کے قول کو غلط قرار دیا جائے مگر علم باطن کے اختلاف کا یہ مقصد نہیں ہوتا کیونکہ ان کے استنباطات فضائل ، محاسن ، مکارم ، اخلاق ، احوال ، مقامات اور درجات کے بارے میں ہوتے ہیں ۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء کا باھمی اختلاف رحمت ہے۔ اس قول کا بھی ایک مفہوم ہے چنانچہ اگر علم ظاہر میں علماء کے اختلاف کو لیا جائے تو یہ اس لئے رحمت قرار پایا کہ درست بات کہنے والا غلط بات کہنے والے کی تردید کرتا ہے اور اس کی غلطی لوگوں پر واضح کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ یہ شخص درست بات کہنے والے کی دین میں مخالفت کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے اجتناب کریں اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ دین کی خرابی کی وجہ سے تباہ ہو جاتے ۔

رہا وہ اختلاف جو اہل حقائق کے مابین ہے تو وہ بھی اللہ کی طرف سے رحمت ہے کیونکہ ان کا ہر فرد اپنے «وقت» کے مطابق بات کہتا ہے اور اپنے حال کے مطابق جواب دیتا ہے اور اپنے «وجد» کے مطابق اشارہ کرتا ہے لہذا ان کے کلام میں ہر ایک کیلئے خواہ وہ اہل اطاعت میں سے ہو ، خواہ ارباب قلوب میں سے ، مریدوں میں سے ہو یا محققین میں سے فائدہ پایا جاتا ہے اور انہیں یہ فائدہ اپنے اپنے مرتبے ، خصوصیت اور درجے کے مطابق پہنچتا ہے۔ ہم نے ان کے اختلاف کے بارے جو کچھ کہا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی نے ذوالنون رحمہ اللہ سے پوچھا کہ فقیر (ص ۱۰۸) صادق کون ہے ۔ انہوں نے جوابدیا : سچا فقیر وہ ہے جو کسی دنیاوی چیز کے ساتھ مانوس نہ ہو اور ہر چیز کو اس سے انس ہو ۔

ابو عبداللہ مغربی سے کسی نے فقیر صادق کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا : فقیر صادق وہ ہے جو ہر چیز کا مالک ہو مگر کوئی چیز اس کی مالک نہ ہو ۔

ابوالحارث اولاسی سے فقیر صادق کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا : سچا فقیروہ ہے جسے کسی چیز سے انس نہ ہو مگر ہر چیز کو اس کے ساتھ انس ہو ۔

یہی سوال یوسف بن حسین سے کیا گیا تو فرمایا : سچا فقیر وہ ہے جو اپنے « وقت» کو ہر بات پر ترجیح دے لہذا اگر اس نے اپنے «وقت» کو چھوڑ کر کسی دوسرے وقت کی طرف نگاہ کی تو وہ فقیر کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

یہی سوال حسین بن منصور سے کیا گیا تو جوابدیا : فقیر صادق وہ ہے کہ اگر اس کے پاس دنیاوی مال و اسباب میں سے کوئی چیز آجائے تو وہ اسے حقیقی رضامندی اور رغبت کے ساتھ قبول نہ کرے ۔

نوری رحمہ اللہ سے فقیر صادق کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا : جو اللہ تعالی کو دنیاوی اسباب کی خاطر «متہم» قرار نہ دے اور اسے ہر حالت میں اللہ ہی کے پاس سکون حاصل ہو ۔

یہی سوال سمنون رحمہ اللہ سے کیا گیا تو فرمایا : فقیر صادق وہ ہے جو ان چیزوں کے ساتھ جو اسے حاصل نہیں اسی طرح انس محسوس کرے جس طرح جاہل لوگ ان چیزوں کے ساتھ انس محسوس کرتے ہیں جو ان کے پاس موجود ہوتی ہیں ۔ نیز اسے چیزوں کی موجودگی سے اسی طرح وحشت ہو جس طرح جاہل کو چیز کے گم ہو جانے سے ہوتی ہے ۔

ابوحفص نیشاپوری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو فرمایا : جو ہر «وقت» کے ساتھ اس کے حکم کے مطابق چلے ۔ چنانچہ اگر (وقت کے علاوہ) کوئی اور بات اس پر وارد ہو تو وہ اسے اپنے وقت کے فیصلے کے مطابق باہر نکال دے اور اس سے وحشت محسوس کرے ۔

یہی سوال جنید رحمہ اللہ سے کیا گیا تو فرمایا : کہ وہ کسی چیز کو (پا کر) اپنے آپ کو غنی خیال نہ کرے مگر ہر چیز اسے پا کر مستغنی بنے ۔

اور جیسا کہ مرتعش نیشاپوری نے جواب دیا جب ان سے فقیر صادق کے متعلق سوال کیا گیا : جیسے جوئیں کھائیں مگر اس کے پاس ناخن ہی نہ ہوں کہ اپنے آپکو کھجلا سکے (یعنی ہمہ تن راضی برضا ہو)۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ان صوفیاء کے جواب مختلف ہیں مگر یہ جوابات ان کے «وقت» اور «حال» کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور یہ تمام جوابات بہت عمدہ ہیں اور ان میں سے ہر جواب کا کوئی نہ کوئی اہل ہے جو جس کے حسب حال وہ جواب ہو گا اور یہ بات ان کیلئے ، سودمند نعمت ، زیادتی اور رحمت کی باعث ہے ۔

۳ ۔ باب

وہ استنباطات جو فہم کے طریقے سے صوفیاء نے

نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی دیگر انبیاء علیہم الصلوات پر خصوصیت ، شرف اور فضیلت کے بارے میں کتاب اللہ سے کئے ہیں ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو استنباطات قرآن مجید سے کئے گئے ہیں ہم نے ان میں سے بعض کا ذکر اس باب میں کر دیا ہے جس میں صوفیاء کا کتاب اللہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کا ذکر ہے مگر یہاں ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خصوصیت کا ذکر کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے شرف اور دیگر انبیاء کے مقابلے میں جو خصوصیات آپ میں پائی جاتی ہیں ۔ اور قرآن میں ان کا ذکر آیا ہے اس کا استنباط انہوں نے اس آیت سے کیا ہے ۔

قل هذه سبيلى أدعوا الى الله على بصيرة أنا و من اتبعنى و سبحان الله و ما أنا من المشركين (سورة يوسف : ۱۰۸)

آپ فرما دیں : یہ میرا راستہ ہے ۔ میں اور میرے پیروکار بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اللہ پاک ہے ۔ میرا مشرکوں سے کوئی سروکار نہیں ۔

ابوبکر واسطی فرماتے ہیں : أدعوا الى الله على بصيره کا مطلب یہ ہے کہ میں ان کا مشاہدہ اپنی ذات کیلئے نہ کروں ۔ مراد یہ ہے کہ میں اپنی ذات کو دیکھوں ھی نہ تاکہ وہ میرے شواھد کی وجہ سے مجھ سے نہ کٹ جائیں ۔

اس کے ایک اور معنی یہ ہیں : اس بصیرت کی وجہ سے جو مجھے حاصل ہے مجھے یقین ہے کہ میری قدرت میں کوئی چیز نہیں ہے کہ انہیں راہ راست پر لانا میرے اختیار (۲۲۷) میں ہو ۔

اس کے ایک اور معنی یہ ہیں ۔ کہ ہمارے قبضے میں نہ ضرر ہے نہ نفع ہاں اگر اللہ ان دونوں امور کو ہمارے قریب کر دے (اور ہمارے اختیار میں دے دے) اور أنا و من اتبعنى کا مطلب یہ ہے ۔ میں نے انہیں اسی مقصد کیلئے دعوت دی ہے اللہ تعالی پاک ہے ۔ کوئی شخص اپنے مقصد اور آرزو کو اللہ کی مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا ۔

اور « ما انا من المشركين » سے مراد یہ ہے کہ اگر میں ھدایت اپنی ذات کی طرف سے خیال کروں (تو میں اللہ کا شریک بن گیا) یا اگر یہ سمجھوں کہ ھدایت ہے تو اللہ کی

طرف سے مگر میری دعوت کی وجہ سے ہے۔
اللہ کا فرمان :

قل أمر ربی بالقسط و أقیموا وجوهکم عند کل مسجد وادعوه مخلصین له الدین کما بدأ کم تعودون (الاعراف : ۲۹)

آپ انہیں کہہ دیں : میرے رب نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم اپنی مساجد میں اپنے چہروں کو اللہ کی بارگاہ میں کھڑے رکھو ۔ اور خالص اسی کی اطاعت کرتے ہوئے اسے پکارو اس نے جیسا تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تم پھر اسی طرح ہو جاؤ گے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ طریق فہم و استنباط سے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ انہیں فرما دیں کہ جو معاملات میرے ، مخلوق اور اللہ کے مابین ہیں ان میں اللہ نے عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور اقیموا وجوهکم عند کل مسجد کا مفہوم یہ ہے :
ہر وہ ارادہ جو تم کرو تو تمہارا چہرہ اور ذات ٹھیک اللہ کے سامنے ہونی چاہئے وادعوه مخلصین له الدین سے مراد یہ ہے کہ اللہ کو پکارو تو ریاء اور غرور کے بغیر پکارو اور اس کے بعد اس سہارے پر نہ بیٹھے رہو (کہ ہم نے اسے پکارا ہے) کیونکہ تم جس طرح پہلے تھے پھر اسی طرح ہو جاؤ گے۔

اور اللہ تعالی کے اس قول کے معنی :
(۲۳۸) سنریهم آیاتنا فی الآفاق و فی أنفسهم حتی یتبین لهم أنه الحق
(کہا گیا ہے کہ) اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم انہیں عنقریب ملکوت میں اپنی نعوت و صفات دکھا دیں گے تاکہ جنہیں ہم دکھلائیں ان پر واضح ہو جائے کہ یہی حق ہے اور دیگر تمام اشیا قطعی طور پر باطل ہیں ۔ اسی لئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے : سب سے سچی بات جو عربوں نے کہی وہ لبید کا یہ قول ہے۔
ألا کل شیء ما خلا الله باطل
(اللہ کے سوا ہر شیء باطل ہے)

صوفیاء نے آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے جو باتیں استنباط کیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ موسی علیه السلام نے اپنے رب سے درخواست کرتے ہوئے کہا :
(۲۳۹) رب اشرح لی صدری
خدایا میرا سینہ کھول دے

(برعکس اس کے) اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیه و سلم کی درخواست کے

بغیر ھی فرما دیا :

(۲۳۰)ألم نشرح لک صدرک

تا آخر سورہ ۔

اسی طرح ابراھیم علیه السلام نے درخواست کی ۔

(۲۳۱) و لا تخزنی یوم یبعثون

(قیامت کے روز مجھے رسوا نہ کرنا)

مگر اللہ نے اپنے حبیب کو خلیل پر فضیلت دیتے ہوئے ۔ بغیر اس کے کہ وہ درخواست کریں یوں کہا :

(۲۳۲)یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معه

اس روز اللہ تعالی اپنے نبی اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لا چکے ھیں رسوا نہ کرے گا

نیز محمد صلی اللہ علیه و سلم سے کہا :

ألم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک ۔ تا ۔ ان مع العسر یسراً

اسی سلسلے میں جو بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تمام مخلوق کو مخاطب کرکے اپنی طرف دعوت دی اور ملک اور ملکوت کا ذکر کرکے انہیں اپنی طرف رھنمائی کی اور فرمایا :

(۲۳۳) و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والأرض

اسی طرح ہم نے ابراھیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت دکھا دی

اور فرمایا :

(۲۳۴) أ فلم ینظروا الی ما خلق اللہ

(کیا انہوں نے ان چیزوں پر غور نہیں کیا جنہیں اللہ نے پیدا کیا)

نیز یہ فرمان :

(۲۳۵)أ فلم یتفکروا فی أنفسهم

(کیا انہوں نے اپنی ذات میں غور نہیں کیا)

اور

(۲۳۶) أفلا ینظرون الی الابل کیف خلقت

(کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیسا پیدا کیا گیا ہے)

آیت کے آخر تک

مگر جب محمد صلی اللہ علیہ و سلم کو مخاطب کیا تو فرمایا :

(٢٣٧)ألم تر الی ربک کیف مدالظل

(کیا آپ اپنے رب کے (اس فعل کو) نہیں دیکھتے کہ اس نے سایہ کو کس طرح لمبا کر دیا)

چونکہ خطاب حبیب سے تھا اس لئے پہلے اس کا ذکر کیا اور ألم تر الی ربک کے الفاظ کہے

اور اللہ تعالی کے فرمان

(٢٣٨) واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا

(اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا)

(ص١١١) کے معنی کے متعلق صوفیاء کہتے ہیں کہ " خلۃ " وہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو اور محبت وہ ہے جو سویداء قلب کے اندر ہو اور محبت کو محبت اس لئے کہا گیا کہ اس کی وجہ سے تمام وہ دیگر اشیاء جو دل میں ہوں مٹ جاتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ اللہ نے حبیب کو خلیل پر فضیلت دی ہے -

مزید برآں ابراہیم علیہ السلام سے کہا :

(٢٣٩) افعل ما تؤمر

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا :

ولسوف یعطیک ربک فترضی (سورۃ الضحی : ٥)

یہاں سے خلیل پر حبیب کی فضیلت کا پتا چلتا ہے -

اسی سلسلے میں صوفیاء کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی توبہ کا ذکر کیا تو فرمایا :

وعصی آدم ربہ فغوی (سورۃ طہ : ١٢١)

(آدم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور وہ بھٹک گئے)

اس آیت میں اللہ تعالی نے پہلے حضرت آدم کے قصور کا ذکر کیا ہے پھر توبہ - اس کے بعد فرمایا :

ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ و ھدی (سورۃ طہ : ١٢٢)

(پھر اللہ نے انہیں چن لیا ان کی توبہ قبول ہوئی اور اللہ نے انہیں راہ دکھا دی)

اسی طرح داؤد علیہ السلام کی خطا کا ذکر کرنے کے بعد کہا :

فغفرنا له (سورۃ ص : ۲۵)

(ہم نے اسے معاف کر دیا)

اسی طرح اس آیت میں اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کے متعلق خبر دی ۔
ولقد فتنا سلیمان و ألقینا علی کرسیه جسداً ثم أناب : قال رب اغفرلی (سورۃ ص :۳۴ـ ۳۵)

ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا تب وہ خدا کی طرف رجوع ہوئے اور کہا : خدایا ! مجھے معاف کر دے ۔

مگر ہمارے نبی سے کہا :

عفا اللہ عنک لم أذنت لھم (سورۃ التوبہ :۴۳)

(خدا تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اجازت دی تھی)

کسی صوفی کا قول ہے کہ اللہ تعالی نے پہلے عفو کا ذکر کرکے آپکو مانوس کر لیا تاکہ عتاب کے ذکر سے آپ وحشت زدہ نہ ہو جائیں ۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے :

لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تأخر (سورۃ الفتح :۲)

تاکہ اللہ آپکے پہلے اور پچھلے قصور معاف کر دے

یہاں بھی قصور کے ذکر سے پہلے مغفرت کا ذکر کیا اور قصور اور عتاب سے [illegible] ہی آپکو معاف کر دیا :

ایک اور فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے صوفیاء نے کہا ہے کہ تمام وہ معجزات جو اللہ تعالی نے انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد صلی اللہ علیہ و سلم کو بھی عطا کئے ہیں اور ان کے علاوہ اور معجزات بھی دئے ہیں مثلاً چاند کا پھٹ جانا ، انگلیوں سے پانی کا بہنا اور معراج وغیرہ ۔

مزید برآں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا پھر ہر ایک کی خصوصیت کا ذکر کیا۔
ابراہیم علیہ السلام کی مزید فضیلت یہ بیان کی کہ وہ بوصف خلت موصوف ہیں اور موسی علیہ السلام کو مکالمہ الہیہ سے سرفراز کیا ، سلیمان علیہ السلام کو ملک کے ساتھ مخصوص کیا اور ایوب کو صبر کے ساتھ مگر جو انعامات محمد صلی اللہ علیہ و سلم کو عطا کئے ان میں سے کسی ایک کو بھی ان کی طرف منسوب نہیں کیا چنانچہ : فرمایا :
لعمرکَ (تمہاری جان کی قسم) (سورۃ الحجر : ۷۲)

اے محمد

اور فرمایا :

فلاوربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (سورۃ النساء : ٦٥)

(تمہارے رب کی قسم ! ایسا نہیں ہو سکتا ۔ یہ اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتے جب تک یہ اپنے باھمی اختلافات میں آپکو حکم نہ قرار دیں)

پھر فرمایا :

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (سورۃ الفتح : ١٠)

(جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ھیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ھیں)

اور فرمایا :

فلم تقتلوھم و لکن اللہ قتلھم و ما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی (سورۃ الانفال : ۱۷)

(تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے اور جب آپ نے کنکر پھینکے تھے تو یہ آپ نے تو نہیں پھینکے تھے بلکہ اللہ نے پھینکے تھے)

لہذا جب اللہ نے آپکو یہ آداب سکھا دئے تو آپ نے کہا :

(ص ١١٢)یا اللہ میں تمہاری مدد کے ساتھ حملہ کرتا ھوں تمہاری مدد کے ساتھ ھی ادھر ادھر دوڑتا پھرتا ھوں تمہاری مدد سے جنگ لڑتا ھوں اور تمہاری مدد سے ھی کسی چیز کا قصد کرتا ھوں ۔

کسی نے شبلی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :

لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فراراً ولملئت منھم رعبا (سورۃ الکھف : ۱۸)

(اگر آپ ان پر مطلع ھو جائیں تو بھاگتے ھوئے پیٹھ دکھانے لگیں اور آپ پر رعب چھا جائے)

کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا : اے محمد ! اگر تمہیں ھمارے سوا تمام مخلوق کی خبر مل جائے تو آپ ان سے بھاگ کر ھمارے پاس آجائیں ۔

اور صوفیاء نے اللہ تعالی کے فرمان :

سبحان الذی أسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الأقصی الذی بارکنا حولہ

(پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گیا وہ مسجد اقصی جس کے گرد و نواح کو برکت والا بنایا گیا ہے)

کے متعلق کہا ہے کہ اگر آپ کی روح کو معراج کرائی گئی ھوتی جیسا کہ مخالفین کہتے ھیں تو اللہ تعالی أسری بعبدہ کے الفاظ استعمال نہ کرتے کیونکہ عبد کا اطلاق روح اور جسم

دونوں پر ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالی کے اس قول :

و کان فضل اللہ علیک عظیما (سورۃ النساء : ۱۱۳)

(آپ پر اللہ کا بہت بڑا کرم ہے)

کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو برگزیدہ اور منتخب کرنے میں آپ پر اللہ کی بہت بڑی عنایت ہے کیونکہ نبوت اور رسالت کسی کو اس کے استحقاق یا اعمال کی جزا کے طور پر تقسیم نہیں کی جاتی اگر یہ جزا اور استحقاق کی وجہ سے ہوتا تو اللہ تعالی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو دیگر انبیاء پر فضیلت نہ دیتا کیونکہ ان کے اعمال بھی زیادہ تھے اور عمریں بھی لمبی تھیں۔

اور اللہ کا یہ کہنا :

(۲۵۰) واصبر لحکم ربک فانک بأعیننا

(آپ اپنے رب کے حکم کے مطابق ڈٹے رہیں آپ ہماری نگاہوں میں ہیں)

کے متعلق کہا گیا ہے کہ اللہ نے آپکو کامل ترین خطاب اور خاص فضیلت سے نوازا ہے کیونکہ آپکو تو یوں کہا گیا :

(۲۵۱) واصبر لحکم ربک فانک بأعیننا

اور دیگر انبیاء کو یوں کہا گیا :

اصبروا و صابروا (سورۃ آل عمرآن : ۲۰۰)

اور فرمایا :

(۲۵۲)انما یوفی الصابرون أجرهم بغیر حساب (سورۃ الزمر : ۱۰)

(صابروں کو بے حساب اجر دیا جائے گا)

یہاں پر اللہ تعالی نے ان سے صبر کا مطالبہ معاوضہ کی بنا پر کیا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے صبر کا مطالبہ اس لئے کیا گیا ہے کہ آپ کی توجہ اللہ کی طرف لگی رہے۔ ایک اور جگہ فرمایا :

واصبر و ما صبرک الا باللہ (سورۃ النحل : ۱۲۷)

آپ صبر کریں اور اللہ کی مدد کے بغیر آپ سے صبر بھی نہ ہو سکے گا

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اس سے بلند و بالا ہیں کہ اللہ تعالی آپ سے ایسی بات کا مطالبہ کرے جس میں معاوضہ کا سوال پایا جائے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا مقام ایک خاص مقام ہے۔ یہ وہ چند

استنباط ھیں جو صوفیاء نے قرآن مجید سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خصوصیات کے بارے میں کئے ھیں ۔

۴ ۔ باب

وہ استنباط جو صوفیاء نے ان احادیث کی بنا پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ھیں آنحضرت کی خصوصیات اور دیگر انبیاء پر آپ کی فضیلت کے بارے میں کئے ھیں ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اب لیں ان استنباطات کو جو صوفیاء نے احادیث النبی صلی اللہ علیہ و سلم کی رو سے کئے ھیں ۔ اور یہ اسی قسم کا استنباط جس قسم کا انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول کے مفہوم میں کیا ہے جو آپ سجدہ کی حالت میں کہا کرتے تھے ۔

أعوذ برضاک من سخطک و أعوذ بمعافاتک من عقوبتک و أعوذبک منک لا أحصی ثناءً علیک انت کما أثنیت علی نفسک

یا اللہ میں تمہاری ناراضگی سے تمہاری رضامندی کے پاس پناہ لیتا ھوں اور تمہاری سزا سے تمہاری عافیت کے پاس اور تم سے تمہارے ھی پاس پناہ لیتا ھوں ۔ میں کماحقہ تمہاری ثنا نہیں کہہ سکتا تو وھی ہے جو تو نے خود اپنے متعلق کہا ہے ۔

صوفیاء کہتے ھیں اللہ تعالی نے فرمایا ہے واسجد واقترب (سورۃ العلق : ۱۹) ۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے سجدہ میں قرب کے مفہوم کو پا لیا تو بول اٹھے ۔

أعوذ برضاک من سخطک واعوذ بمعافاتک من عقوبتک

آپ نے ان کلمات میں اللہ کی صفات سے اللہ ھی کی صفات کے پاس پناہ لی ہے ۔ اس کے بعد آپ نے قرب کے ایک اور مفہوم کا مشاھدہ کیا ۔ جس کے ضمن میں وہ قرب داخل ہے جس کے ذریعے سے آپ نے اللہ تعالی کی صفات و نعوت کا مشاھدہ کیا تو یوں کہہ اٹھے أعوذبک منک ۔ (پہلے) آپ نے اللہ کی صفات سے اللہ ھی کی صفات کے پاس پناہ لی ۔ اور

جب اللہ کے ہاں پناہ لی تو آپ کا یہ فعل بھی خود اللہ ہی طرف سے تھا ۔ اس کے بعد آنحضرت کے قرب میں اور اضافہ ہوا تو آپ نے مشاہدہ کے ذریعے سے وہ مفہوم پا لیا جس نے آپکو اللہ کے ہاں پناہ لینے سے بھی فنا کر دیا ۔ لہذا بول اٹھے لا احصی ثناءً علیک ۔ قرب کے اس مقام پر پہنچ کر آپکو اللہ سے پناہ طلب کرنے میں حیا محسوس ہوئی لہذا آپ نے اللہ کی ثنا بیان کرنے میں پناہ لی ۔ جو شخص پناہ طلب کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ۔ حالانکہ یہی حقیقی مقام عبودیت ہے وہ اللہ کی ثنا کہنے کی کیسے قدرت رکھ سکتا ہے جبکہ یہ مقام ربوبیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : لا احصی ثناءً علیک ۔ پھر اس سے بھی مزید قرب کے مقام پر پہنچ کر آپ کو اللہ کی ثنا کہنے میں حیا محسوس ہوئی تو آپ نے اپنی ذات کو ثنا کہنے سے خارج کرکے اس ثنا کا ذکر کیا جو اللہ تعالی نے مخلوق سے پہلے ہی اپنی ذات کی بیان کی ہے نیز جو حمد اللہ نے مخلوق کی حمد سے پہلے خود اپنی ذات کی بیان کی ہے۔ اور پیشتر اس کے کہ مخلوق اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے اللہ نے اپنی ذات کی واحدانیت کی گواہی دی ہے۔ اسی لئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : أنت کما أثنیت علی نفسک ۔

درحقیقت یہی انتہائی قرب ہے اور حقیقی تجرید بھی یہ ہے کہ بندہ لاشیء بن جائے گویا کہ وہ کبھی تھا ہی نہیں اور اللہ تعالی اس کے نزدیک یوں ہوں جیسے وہ ازل سے چلے آ رہے ہیں ۔

الغرض اگر توحید کے بارے میں صاحب وجد لوگوں ، عارفوں اور محققین کے تمام اشارات جمع کر لئے جائیں تب بھی وہ اس مفہوم کے سینکڑویں حصے کو نہیں پہنچ سکتے جس کی طرف رسول اللہ نے اشارہ کیا ہے

نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے قول :

لو تعلمون ما أعلم لضحکتم قلیلاً و لبکیتم کثیراً و لخرجتم الی الصعدات و لما تقاررتم علی الفرش

(اگر ان تمام امور کا جنکاعلم مجھے حاصل ہے تمہیں علم ہو جائے تو تم کبھی نہ ہنسو اور اکثر روتے رہو ، بھاگ کر پہاڑوں کو چلے جاؤ اور تمہیں بستر پر قرار نہ آئے)

کے مفہوم کے متعلق صوفیاء کہتے ہیں کہ جو علم آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو حاصل تھا اگر وہ ان علوم میں سے ہوتا جو آپ پر نازل ہوئے اور آپ کو انہیں امت تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہوتا تو آپ ضرور یہ علم میں سے بھی ان تک پہنچا دیتے اور اگر پھر

اگر وہ یہ علم جان گئے ہوتے تو آپ یوں نہ فرماتے لو تعلمون ما اعلم (اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں) نیز یہ کہ اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ لوگوں میں ان کے متحمل ہونے کی طاقت ہے تو دیگر علوم کی طرح آپ انہیں یہ علم بھی سکھا دیتے ۔ مزید برآں اگر یہ علم ان علوم میں سے ہوتا جو مخلوق کے ہاں متعارف ہیں تو لوگ ضرور آپ سے اس کی تعلیم کی درخواست کرتے جبکہ آپ انہیں یہ کہہ چکے تھے لو تعلمون ما اعلم ۔ اس لئے کہ آپ کی رسالت کے حقائق اور وہ علم جو آپ کے ساتھ مخصوص تھا اگر انہیں پہاڑوں پر بھی رکھ دیا جاتا تو وہ پگھل جاتے ۔ البتہ آپ لوگوں کی استطاعت و قدرت کے مطابق (کبھی کبھی) اس علم کا ان پر اظہار کر دیا کرتے تھے ۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں :

فاعلم أنه لا اله الا الله (سورة محمد : ١٩)

(جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے)

اور کہا :

و قل رب زدنی علماً (سورة طه : ١١٤)

(یوں کہو خدایا مجھے اور علم دو)

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یوں بھی فرمایا ہے :

أنا أعلمكم بالله و لو تعلمون ما اعلم

(میں اللہ کے متعلق تم سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور اگر تم کو ان امور کا علم ہو جائے جن کا مجھے علم ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی خصوصیات میں سے ایک خصوصی امر کی طرف ایسا اشارہ کیا ہے جس کا ادراک عقل نہیں کر سکتی اور نہ (انسانوں کا) فہم وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور تمام مخلوق اسے سمجھنے سے قاصر ہے اور وہ یہ ہے :

(۲۵۳) ولست كأحدكم انی أظل عند ربی يطعمنی و يسقينی

میں تم جیسا بشر نہیں ہوں ۔ میں تو دن بھر اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں جو مجھے کھانے کو بھی دیتا ہے اور پینے کو بھی ۔

کسی انسان کی طاقت نہیں کہ وہ بتا سکے کہ کیا کھلایا اور کیا پلایا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بلند مرتبے اور مخصوص علم کے ہوتے ہوئے جو انہیں اللہ کی طرف سے عطا ہوا تھا اس کے متعلق نہ کچھ بتایا ہے اور نہ اس کی صفت بیان کی ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم یوں دعا مانگا کرتے تھے ۔

أللھم اکفلنی کفالة الولید ، لا تکلنی الی نفسی طرفة عین وجھت وجھی الیک و
ألجأت ظھری الیک لا ملجأ و لا منجا منک الا الیک ۔
خدایا میری اس طرح کفالت کر جس طرح ایک بچے کی کی جاتی ہے ایک لحظہ
کیلئے بھی مجھے اپنے نفس کے سپرد نہ کر دینا ۔ میں نے اپنا چھرہ تمھاری
طرف لگا رکھا ہے اور اپنی پشت کا سہارا تمھارے ساتھ لگا رکھا ہے
تمھارے سوا کوئی پناہ گاہ نھیں اور نہ کوئی جائے نجات ہے ۔

اسی قسم کی دیگر دعائیں ۔ ان تمام دعاؤں کے مفہوم کے متعلق کھا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے حقیقی معنوں میں خدا کے پاس پناہ لینے کا اظھار کیا ہے اور اپنی عاجزی اور احتیاج کا بارگاہ رب العزت میں کیا ہے اور یہ کبھی خیال نھیں کیا کہ آپ کی کوئی حرکت اپنی ذات کی طرف سے ہے اور نہ ھی کسی فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے ۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : باطن کی زینت اسی میں ہے کہ بندہ صدق دل سے اللہ کے پاس پناہ لے اور خدا کے سامنے اپنی حاجتمندی کا اظھار کرے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے وصال کے وقت واکرباہ کھا ۔ اس کے معنی بیان کرتے ہوئے صوفیاء نے کھا ہے کہ جو بلند مراتب آپکو وصال کے وقت دکھائے گئے ان تک پھنچنے کیلئے جلدی کرنے کی وجہ سے موت آپ کیلئے آسان کر دی گئی لھذا لقاء الھی کے شوق کی وجہ سے دنیا میں رھنے سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے و اکرباہ کھا ۔

(ص ۱۱۵) میں نے محمد بن داؤد الدینوری المعروف بدقی کو فرماتے سنا وہ کھتے تھے کہ انھوں نے جریری سے سنا ۔ جریری کھتے ھیں کہ کسی نے جنید رحمہ اللہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان :
أنا سید ولد آدم و لا فخر
(میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ھوں اور یہ فخریہ نھیں کھہ رھا)
کے معنی دریافت کئے تو فرمایا : پھلے تم وہ مفھوم جو تم سمجھے ھو پیش کر دو ۔ اس پر میں نے کھا انا سید ولد آدم و لا فخر کے یہ معنی یہ ھیں کہ یہ (فضیلت تو) اللہ کا عطیہ ہے اور عطیے پر کسی کو کیا فخر ھو سکتا ہے ۔ میرا فخر تو عطا کنندہ پر ہے ۔ یہ سن کر جنید رحمہ اللہ نے کھا : اے ابومحمد ! تو نے بھت خوب کھا ۔ یا اسی قسم کے اور الفاظ کھے ۔

جنید رحمہ اللہ سے زید رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنھا کے متعلق

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے قول کے معنی دریافت کئے گئے اور سوال کیا گیا کہ اس میں کیا حکمت تھی ۔

جنید رحمہ اللہ نے جواب دیا : زید کو لوگ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے وہ (درحقیقت) منہ بولے بیٹے تھے (حقیقی اور) ولادت کے اعتبار سے بیٹے نہ تھے ۔ اللہ نے چاہا کہ آپ اس (منہ بولے بیٹے) کی بیوی سے شادی کر لیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے اور ولادت کے بیٹے کے (احکام میں) فرق ہے ۔ (۲۵۴)
جنید سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان :

استغفروا اللہ و توبوا الیہ فانی أستغفر اللہ و أتوب الیہ فی الیوم مائۃ مرۃ

یا جو الفاظ بھی آپ کے ہوں ۔ (اللہ سے طلب مغفرت کیا کرو اور اس کی طرف رجوع کیا کرو کیونکہ میں بھی دن بھر میں ایک سو بار استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں)

کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا : اللہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا معاملہ یہ تھا کہ آپ کے درجات میں اللہ ہر لحظہ اضافہ کئے جاتا تھا ۔ لہذا جوں جوں آپ ترقی کرکے بلند درجات کی طرف جاتے اور جھانک کر پہلی حالت کی طرف دیکھتے تو بے ساختہ استغفار کرتے اور اللہ کی طرف رجوع کرتے ۔ (کہ اللہ نے اس پستی سے نکال کر اس بلندی تک مجھے پہنچایا ہے) ۔

جنید رحمہ اللہ سے جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول کے معنی دریافت کئے گئے :

رحم اللہ أخی عیسی علیہ السلام لو ازداد یقینا لمشی علی الھواء

(خدا میرے بھائی عیسی علیہ السلام پر رحم کرے اگر انہیں ذرا اور یقین حاصل ہو جاتا تو ہوا پر چلنے لگتے)

جواب میں فرمایا : واللہ اعلم ۔ عیسی علیہ السلام اپنے یقین کی بدولت پانی پر چلے اور معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ و سلم ہوا پر چلے کیونکہ عیسی علیہ السلام کے مقابلہ میں آپکو زیادہ یقین حاصل تھا لہذا فرمایا اگر ان کے یقین میں اس قدر اضافہ ہو جاتا جس قدر میرے یقین میں ہوا تھا تو وہ بھی (میری طرح) ہوا پر چلتے ۔ آپ ﷺ کا مقصد اپنی حالت کا بیان کرنا تھا ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان :

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ معہ شیء غیر اللہ عزوجل

کے معنی کے متعلق میں نے حصری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : خواہ یہ ثابت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ الفاظ کہے ہیں یا ثابت نہ بھی ہوتب بھی بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے تمام اوقات ایسے تھے کہ ان میں آپ کے باطن اور دل کے اعتبار سے اللہ کے سوا کسی اور کیلئے کوئی گنجائش نہ تھی البتہ اللہ تعالی آپکو مخلوق کی طرف لوٹاتے وقت آپ کے ظاہری اوصاف کی طرف لوٹا دیتے تھے تاکہ آپ ان کو ادب اور علم سکھائیں ۔

آپ کی ظاہری صفات پر طرح طرح کے احکام جاری کئے جاتے تھے تاکہ مخلوق کو آپ سےفائدہ حاصل ہو مگرجب آپکی ظاہری صفات پر آپ کے باطنی انوار کا ظہور ہوتا تو آپ کو مخلوق سے دور ہٹا دیا جاتا تھا جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے :

میں ایک رات بیدار ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو اپنے بستر پر نہ پایا لہذا میں نے اٹھ کر آپ کو تلاش کرنا شروع کر دیا تو میرا ہاتھ آپ کے قدموں پر پڑا آپ اس وقت سجدے میں پڑے تھے ۔ آپ کے پاؤں سیدھے کھڑے تھے اور آپ یوں کہہ رہے تھے

أعوذ برضاک من سخطک (حدیث)

(میں تمہارے پاس تمہاری ناراضگی سے پناہ طلب کر لیتا ہوں)

یہ وہ وقت ہوتا جو آپ کے باطن پر ظاہر ہوا کرتا اور انوار الہیہ آپ کی صفات پر ظاہر ہوتیں لہذا جب انوار آپ کے باطن کی طرف (۲۵۵) لوٹا دئے جاتے تو پھر آپکو آپکی ظاہری صفات کے ساتھ مخلوق کی طرف لوٹا دیا جاتا تاکہ وہ آپ کی ذات سے مستفیض ہوں اور آپکی پیروی کر سکیں ۔

صفات سے مراد آپکا ظاہر اور سر سے مراد آپکا باطن ہے ۔

۵ ۔ باب

استنباط اور فہم کے طریقے پر صوفیاء کے وہ استنباط جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث سے کئے ہیں ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم سے بصرہ میں سنا ان سے اس وقت کسی نے نبی ﷺ کے اس قول کے معنی دریافت کئے تھے۔

أطيب ما أكل الرجل من كسب يده
(پاک ترین روزی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ سے کما کر حاصل کرے)

سائل نے سوال کیا : اس حدیث میں تو ہمیں روزی کمانے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس کے جواب میں شیخ نے فرمایا : روزی کمانا نبی ﷺ کی سنت ہے اور توکل آپ کا حال ہے آپ نے روزی کمانے کو اس لئے سنت قرار دیا کہ آپ کو ان کی کمزوری کا علم تھا تاکہ جب لوگ توکل کرنے سے عاجز ہوجائیں۔ اور توکل آپ کا حال ہے۔ اور لوگ توکل میں آپ کے مرتبے سے گر جائیں تو روزی کماتے ہیں۔ اور یہ آپ کی سنت ہے۔ پڑے رہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگ تباہ ہو جاتے۔

اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر بندے نے ہاتھ اٹھا کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی اور اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی تو اسے بھی اس کا روزی کمانا ہی شمار کیا جائیگا ۔

شبلی رحمہ اللہ سے نبی ﷺ کے اس قول کے معنی پوچھے گئے : جعل رزقی تحت سیفی
(اللہ نے میرا رزق میری تلوار کے نیچے رکھا ہے)
جواب دیا : آپ کی تلوار آپ کا توکل تھا ۔ رہی ذوالفقار تو یہ تو لوہے کا ایک ٹکڑا تھا صوفیا کے ہاں اس قسم کے بہت سے استنباط ہیں ۔ اگر ذکر کرنے لگ جائں تو کتاب لمبی ہو جائے ۔

(ص ۱۱۷) اب رہے وہ استنباط جوانہوں نے دیگر معانی کے لئے حدیث سے کئے ہیں تو اس کی ایک مثال وہ ہے جو میں نے ابوعمر عبدالواحد بن علوان سے رحبہ مالک بن طوق میں سنا وہ فرماتے ہیں کہ کسی نے جنید سے نبی ﷺ کے قول :

لو توکلتم علی اللہ حق توکله لغذاکم کما یغذوالطیر تغدوا خماصاً و تروح بطاناً

اگر تم اللہ پر اسی طرح توکل کرو جو توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اسی طرح روزی دے جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو نکلتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور جب شام کو واپس جاتے ہیں تو پیٹ بھرا ہوتا ہے

کے معنی کے بارے میں سوال کیا اور کہا : آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ رزق کی تلاش میں

پرندے ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جاتے ہیں ، حرکت کرتے ہیں اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں۔

جنید رحمہ نے اس کے جواب میں کہا : اللہ تعالی فرماتے ہیں :

انّا جعلنا ما علی الأرض زینة لها (سورۃ الکھف : ۷)
(جو کچھ زمین کے اوپر ہے ہم نے اسے زمین کے لئے زینت بنا دیا ہے)

اور پرندے کا اڑنا ، ایک جگہ سے حرکت کرکے دوسری جگہ جانا اور ایک مکان سے دوسرے مکان کو منتقل ہونا اسی زینت کے لئے ہے جس کا ذکر اللہ نے کیا ہے۔ لہذا ان کی اڑان اسی زینت کے لئے ہے طلب رزق کے لئے نہیں (۲۵٦)

نبی ﷺ نے عبداللہ بن عمر سے کہا تھا : اے عبداللہ بن عمر اللہ کی یوں عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا جبرئیل کو جواب دینا جبکہ اس نے آپ سے احسان کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے جواب میں کہا تھا : تو اللہ کی یوں عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے معنی کے متعلق عمرو بن عثمان مکی کی کتاب میں میں نے یوں پڑھا ہے کأنک تراہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ رؤیت ایسی ہے جو دو چیزوں کے بین بین ہے یعنی ظاہری آنکھوں سے دیکھنے اور یقین کے درمیان ۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اسے نہ تو رویتِ عین (آنکھ کا دیکھنا) قرار دیا ہے اور نہ ہی اسے صفت یقین کی طرف لوٹایا ہے ۔ آپ نے صرف مثال کے طور پر فرمایا ہے اور یہ مثال حقائق ایمان کی نہایتوں میں سے ایک نہایت کی نشان دھی کرتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حارثہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی بات کا مطالبہ کیا تھا ۔ بشرطیکہ حارثہ والی حدیث صحیح ہو ۔

اور کَأنّ اور أنّ ہم معنی نہیں ہیں اور نہ " کَأنّ " ہو" أنّ " ہے ۔ مگر کأن رُؤیت کے معنی کے قریب قریب ضرور ہے بایں طور کہ حضور قلب کے ہوتے ہوئے نیز مشاھدہ کا ان امور کے قریب ہوتے ہوئے جن کو غیب نے چھپا رکھا ہے مشاھدہ کو غالب قرار دے دیا گیا ہے دلوں کے مشاھدہ کی یہی حقیقی دلیل ہے ۔

ابوبکر واسطی سے کسی نے نبی ﷺ کے اس قول کے معنی دریافت کئے

جبل ولیّ اللہ علی السخاء و حسن الخلق
(اللہ کے ولی کی سرشت میں سخاوت اور حسن خلق ہوتا)

جواب دیا : ولی کی سخاوت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور دل دونوں کو اللہ کو سونپ دے اور اس کا حسن خلق یہ ہے کہ اللہ تعالی کی تدبیر جس طرح بھی بدلتی رہے ولی کا خلق بھی اسی کے مطابق بدلتا رہے۔

شبلی رحمہ اللہ سے کسی نے حدیث کے ان الفاظ کے معنی دریافت کئے جس کی روایت یوں ہے :

(ص ۱۱۸) انّ النفس اذا (ص ۱۱۸) أحرزت قوتها اطمأنت
نفس جب اپنی خوراک حاصل کر لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے

فرمایا : اس کے معنی یہ ہیں کہ جب نفس خوراک دہندہ کو پہچان لیتا ہے تو مطمئن ہو جاتا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی و کان اللہ علی کلّ شیء مقیتا (سورۃ النساء : ۸۵) اللہ ہر چیز کا خوراک رساں ہے۔

کسی نے جنید رحمہ اللہ سے نبی ﷺ کے قول :

حبک الشیء یعمی و یصمّ
(تمہارا کسی چیز سے محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرا کر دے گا)

کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا : دنیا کی محبت تجھے آخرت سے اندھا اور بہرا کر دے گی۔

کسی نے شبلی رحمہ اللہ سے اس حدیث کے معنی دریافت کئے جس میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

اذا رأیتم أھل البلاء فسلوا اللہ ربّکم العافیة
(جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آزمائش میں مبتلا ہیں تواپنے رب سے عافیت مانگا کرو)
فرمایا : أھل البلاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ سے (۲۵۸) غافل ہیں

ان ہی سے نبی ﷺ سے مروی حدیث

حرام علی قلب علیه زبانية من الدنیا ان یجد حلاوة الآخرة

(جس دل پر دنیا کے پہرے دار مقرر ہوں اس پر آخرت کی حلاوت پانا حرام ہے)
کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا : آنحضرت ﷺ نے سچ فرمایا ہے اور میں تو یوں کہتا ہوں
کہ جس دل پر آخرت کے پہرہ دار ہوں اس پر توحید کی حلاوت پانا (۲۵۹) حرام ہے۔

محمد موسی فرغانی رحمہ اللہ علیہ سے نبی ﷺ سے ان الفاظ کے معنی دریافت کئے
گئے جو آپ نے ابوجحیفہ سے کہے تھے :

یا أبا جحیفة سائل العلماء و خالل الحکما و جالس الکبراء
(اے ابوجحیفہ علماء سے سوال کرتے رہا کرو دانشوروں سے دوستی لگایا کرو اور بڑے
لوگوں کی صحبت میں بیٹھا کرو۔

فرغانی رحمہ اللہ نے کہا : علماء سے حلال و حرام کے بارے میں سوال کیا کرو۔ ان
حکماء سے دوستی لگاؤ جو اس حکمت کی رہنمائی میں صدق ، صفاء اور اخلاص کے راستے پر
چلتے ہیں اور ان بڑے لوگوں کی مجلس میں بیٹھو جو اللہ کی طرف سے بات کرتے اور اس کی
ربوبیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس کے قرب کے نور سے دیکھتے ہیں۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے نبی ﷺ کے اس قول :

المؤمن تسرّہ حسنته و تسوءہ سیّئته
(مؤمن کی شان یہ ہے کہ اسے اپنی نیکی سے خوشی حاصل ہوتی ہے اور اپنی بدی سے غم
ہوتا ہے)

کے معنی دریافت کئے گئے۔

جواب دیا : اللہ کے انعامات اور اس کا فضل اس کی نیکی ہے اور اس کی برائی اس کا نفس
ہے بشرطیکہ وہ اسی کا ہو لیا ہو۔

سہل ہی سے نبی ﷺ کے قول :

الدّنیا ملعونة ملعون مافیها الا ذکر اللہ
(دنیا ملعون ہے اور ذکرالٰہی کے سوا جو کچھ بھی اس کے اندر ہے ملعون ہے)

کے معنی دریافت کئے گئے۔ فرمایا : اس مقام پر ذکر اللہ سے مراد حرام سے روگردانی ہے بایں
طور کہ جب کوئی حرام چیز اس کے سامنے آئے تو وہ اللہ کو یاد کرے اور جان لے کہ اللہ اسے

دیکھ رہا ہے لہذا وہ حرام سے اجتناب کرے گا۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ و سلم کے معانی سے استنباط کرنے میں ان کے ہاں اس قسم کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں ہم نے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے اور انشاء اللہ تعالی اتنا ہی کافی ہے۔

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ قرآن و حدیث وغیرہ سے اس طرح استنباط کرنے کے بارے میں علم کے اندر کوئی ایسا اصول ہے جس کی رو سے ایسا کیا جا سکتا ہو۔ تو ہم جواب میں کہیں گے : ہاں نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آپ کے صحابہ جمع تھے جن میں عبداللہ بن عمر بھی موجود تھے اور وہ اس وقت عمر میں سب سے چھوٹے تھے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے کہا :

(ص ۱۱۹) وہ کونسا درخت ہے جو انسانوں سے مشابہ ہے

راوی کہتا ہے کہ اس پر لوگ جنگل کے درختوں کے ناموں میں پڑ گئے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ ایسا درخت تو کھجور کا درخت ہی ہو سکتا ہے مگر میں رسول اللہ کو جواب دینے میں شرما گیا لہذا خاموش رہا تاآنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے خود فرمایا : یہ کھجور کا درخت ہے ابن عمر کہتے ہیں : میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا : میں کہنے کو تھا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تو نے کہہ دیا ہوتا تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ یا جو الفاظ بھی کہے ہوں۔

اس میں دلیل یہ ہے کہ صحابہ میں سے کوئی شخص بھی آپ کے سوال کے مطابق اس کا مفہوم نہ نکال سکا مگر عبداللہ بن عمر نے نکال لیا حالانکہ وہ عمر کے اعتبار سے ان سب سے چھوٹے تھے۔ اسی طرح ان معانی میں استنباط بھی اسی قدر ہوتا ہے جس قدر اللہ تعالی غیب سے دلوں پر ان کے معنی کھول دے۔ وباللہ التوفیق۔

****

۵ ـ کتاب

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

۱ ـ باب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قرآن میں ذکر اور ان کے معانی

اللہ تعالی فرماتے ہیں :

والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار الذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم و رضوا عنه (سورۃ التوبہ : ۱۰۰)

(مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور (وہ لوگ بھی) جنھوں نے اچھے طریقے سے ان کی تابعداری کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) ـ

اس آیت کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقون کے لفظ کا اطلاق تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم پر ہوا ہے اور ساتھہ ہی اس بات کا بھی ذکر ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور اللہ نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہیں ـ اور نص قرآنی کی رو سے سابقون ہی مقرب لوگ ہیں ـ

اور ہم پہلے باب ,الموافقہ لکتاب اللہ عزوجل، میں ذکر کر چکے ہیں کہ ابرار کے مقابلے میں مقربین خاص لوگ ہیں پھر اہل جنت میں سے ابرار خاص لوگ ہیں ـ

اب رہا اللہ تعالی کا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ' فرمانا اور اللہ تعالی ایک اور آیت میں یہ بھی فرما چکے ہیں ورضوان من اللہ أکبر ـ (اللہ کی رضامندی بہت بڑی شیء ہے) ـ

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ھیں رضوان من اللہ أکبر سے مراد یہ ہے کہ یہ رضامندی بہت بڑی اور بہت قدیم ہے کیونکہ اللہ نے اپنے قدیم علم میں رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے (ص ۱۲۰)ان کی رضا چاھی اور ان کو راضی کیا اور وہ راضی ھو گئے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

أصحابی کالنجوم بأیھم اقتدیتم اھتدیتم

(میرے صحابہ ستاروں کی مانند ھیں تم ان میں سے جس کسی کی بھی پیروی کر لو گے راہ پا لو گے)

اللہ تعالی نے ستاروں کی قسم کھائی اور نجوم وھی ھیں جن کے ذریعے سے سمندر اور خشکی میں راہ پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ان کی جسامت ، روشنی اور نور ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے صحابہ کو نجوم سے تشبیہ دی ، کواکب سے نہیں دی کیونکہ کواکب وہ چھوٹے ستارے ھیں جن سے لوگ راہ نہیں پاتے پھر یہ بھی بتا دیا کہ ان کے ظاھری اور باطنی اوصاف میں ان کی تابعداری کرنا ھدایت پانا ہے۔ ان صحابہ کا ظاھر حدود، احکام اور حلال و حرام کے علوم میں علماء و فقہاء کے ھاں مشہور ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے۔

أرحم أمتی بأمتی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ و أقواھم فی دین اللہ عمر رضی اللہ عنہ و أصدقھم حیاءً عثمان رضی اللہ عنہ و أفرضھم زید رضی اللہ عنہ واعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وأقرأھم ابی بن کعب رضی اللہ عنہ و أقضاھم علی رضی اللہ عنہ و ما أظلت الخضراء و لا أقلت الغبراء علی ذی لھجة اصدق من أبی ذر ۔

(میری امت میں سے میری امت پر سب سے زیادہ رحم کھانے والا ابوبکر رضی اللہ عنہ ھیں ۔ اللہ کے دین میں سب سے زیادہ قوی عمر رضی اللہ عنہ ھیں اور ان میں سے سب سے زیادہ سچے حیاء کرنے والے عثمان رضی اللہ عنہ ھیں ۔ سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے ابی بن کعب ھیں ۔ سب سے اچھے فیصلے دینے والے علی ھیں اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچی کلام کرنے والا نہ زیرآسمان ھوا ہے نہ بالائے زمین)

اب رھا ان کا باطن تو ھم پہلے اسی ھستی کا ذکر کرتے ھیں جس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے پہلے کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا : اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنھما (میرے بعد آنے والے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنھما کی پیروی کرنا) لہذا ھم پہلے ابوبکر کا ذکر کریں گے پھر عمر رضی اللہ عنہ کا ۔

ابوعتبہ الحلوانی کی نسبت مجھے یہ خبر ملی ہے کہ انہوں نے فرمایا : کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے اصحاب کا کیا حال تھا ۔ پہلی بات تو ان میں یہ تھی کہ انہیں اللہ سے ملاقات کرنا اس زندگی سے بھی زیادہ محبوب تھا ۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ دشمن سے خوف نہ کھاتے تھے خواہ ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ ۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ دنیاوی تنگدستی سے نہیں ڈرتے تھے ۔ انہیں اللہ کی طرف سے رزق کے پہنچنے پر اعتماد تھا اور چوتھی بات ان میں یہ تھی کہ اگر بالفرض طاعون ان سے شروع ہوتی تو یہ اپنی جگہ کو چھوڑ کر جانے والے نہ تھے تاآنکہ اللہ اپنا فیصلہ دے دے ۔ مگر عین صحت کی حالت میں بھی وہ موت سے نہایت خوفزدہ رہتے تھے ۔

محمد بن علی الکتانی رحمہ اللہ سے حکایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا :لوگ ابتداء اسلام (ص ۲۲۲) میں دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے معاملہ رکھتے تھے تا آنکہ دین پتلا پڑ گیا ۔ اس کے بعد دوسری نسل آئی تو انہوں نے وفاداری کے ساتھ ایک دوسرے سے معاملہ کیا تاآنکہ وفا بھی جاتی رہی پھر تیسری نسل نے مروت کے ساتھ معاملہ کیا تاآنکہ مروت بھی جاتی رہی اس کے بعد چوتھی نسل آئی تو انہوں نے حیا کے ساتھ معاملہ کیا تاآنکہ حیا بھی جاتی رہی ۔ اس کے بعد لوگ ایک دوسرے سے یا تو کسی لالچ کی وجہ سے یا کسی خوف کی وجہ سے معاملہ کیا کرتے رہے ۔

۲ ۔ باب

ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر اور ان کا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم میں سے ان احوال کے ساتھ مخصوص ہونے کا ذکر جن پر اس امت کے صوفیاء کا عمل ہے اور انہوں نے ان احوال کو اپنا لیا ہے اور اس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کی ہے ۔

مطرف (۲۶۱) بن عبداللہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

اگر آسمان سے کوئی ندا کرنے والا یہ ندا کرے کہ جنت میں صرف ایک شخص داخل ہو گا تو میں یہی امید رکھوں گا کہ وہ واحد شخص میں ہی ہوں گا اور اگر آسمان کا

ندا کرنے والا یہ ندا کرے کہ صرف ایک شخص دوزخ میں داخل ہو گا تو مجھے یہی ڈر دامنگیر رہے گا کہ کہیں میں ہی تو وہ شخص نہیں ہوں۔

مطرف فرماتے ہیں : اللہ کی قسم یہی عظیم ترین خوف اور عظیم ترین رجا ہے۔

ابوالعباس بن عطا رحمہ اللہ سے حکایت کی جاتی ہے کہ ان سے کسی نے اللہ تعالی کے فرمان :

کونوا ربانیین الایة (سورة آل عمران : ۷۹)

(ربانی بنو) کے معنی پوچھے تو فرمایا :

اس کے معنی ہیں کہ ابوبکر کی طرح بن جاؤ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا وصال ہو گیا تو آپ کی وفات کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام اسرار مضطرب ہو گئے تھے مگر اس واقعہ کا ابوبکر کے باطن پر کوئی اثر نہ پڑا تھا اور جب نکلے تو لوگوں سے کہا :

لوگو ! جو محمد کی پرستش کرتا تھا (اسے معلوم ہونا چاہئے کہ) وہ تو وفات پا چکے ہیں اور جو اللہ کی پرستش کیا کرتا تھا تو اللہ اب بھی زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا۔ ربانی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور ان کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے حوادث ان کے باطن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتے خواہ ان حوادث سے تمام کائنات ہی کی کیوں نہ کایا پلٹ جائے۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس امت میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اشارةً صوفیاء کی زبان ظاہر ہوئی جس سے اہل فہم(ص۱۲۲) نے ایسے لطائف نکالے جن میں عقلمندوں کو بھی وسوسے آنے لگے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : واسطی نے اپنے اس قول میں کہ صوفیاء کی زبان سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان پر ظاہر ہوئی اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام املاک اللہ کی راہ میں نکال دی اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں کہا تو اپنے اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑ آیا ہے اور انہوں نے جواب میں کہا : اللہ اور اللہ کے رسول کو۔ ابوبکر نے پہلے اللہ کا ذکر کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ذکر بعد میں کیا۔ اپنی قسم حقائق تفرید میں اہل توحید کیلئے یہ بہت بڑا اشارہ ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس کے علاوہ دیگر اشارات بھی ہیں جن سے مزید لطائف نکالے جاتے ہیں اہل حقائق کو ان لطائف کا علم ہے اور ان پر لگے رہنے اور اپنانے کیلئے وہ انہیں خوب سمجھتے ہیں۔

ان میں سے ایک ان کا وہ قول ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی

وفات پر منبر پر چڑھ کر کہا ۔ یہ وہ وقت تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل بے قرار تھے اور انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات اور آپکا صحابہ میں سے نکل کر چلے جانے سے اسلام ہی ختم نہ ہو جائے ۔ چنانچہ فرمایا :

جو تم میں سے محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی پرستش کیا کرتا تھا تو وہ تو وفات پا گئے ہیں مگر جو اللہ کی پرستش کرتا تھا تو (اسے معلوم ہونا چاہئے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا ۔

اس قول میں نکتہ یہ ہے کہ آپ توحید پر ثابت قدم رہے اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو ثابت قدم رکھا ۔

ان ہی سے وہ واقعہ ہے جو بدر کی جنگ میں پیش آیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے عرض کیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم یہ الفاظ کہہ رہے تھے ۔

اللہم ان تہلک ہذہ العصابة لم تعبد فی الارض (من بعد ذلک)(۲۶۲)

خدایا ! اگر یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر آج کے بعد زمین میں تمہاری عبادت نہ کی جائے گی)

اس وقت ابوبکر نے عرض کیا : کافی ہو گیا ہے اب آپ اللہ سے درخواست کرنا ختم کیجئے کیونکہ اللہ تعالی آپ سے کئے ہوئے وعدے پورے کرکے رہے گا ۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ ۔

اور اللہ کے وعدہ کا ذکر اس آیت میں ہے :

(۲۶۳)اذ یوحی ربک الی الملائکة أنّی معکم فثبتوا الذین آمنوا سألقی فی قلوب الذین کفرواالرعب (جب تمہارا پروردگار بذریعہ وحی فرشتوں کو کہہ رہا تھا میں تمہارے ساتھ ہوں ۔ تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا)لہذا جب صحابہ کے دل ڈگمگانے لگے تو ان میں سے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت تھی کہ جس مدد کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اس کی انہوں نے صحیح معنوں میں تصدیق کی جس سے ان کے ایمان کی کیفیت اور خصوصیت کا پتا چلتا ہے ۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے متغیر ہونے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ثابت قدم رہنے سے آپ کی کیا مراد ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کامل تھے ۔

اس کے جواب میں یوں کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم ابوبکر کے مقابلے میں اللہ تعالی کو بہتر جانتے تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں زیادہ قوی ایمان والے تھے (ص۱۲۳) لہذا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ثابت قدم رہنا اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ انہیں اللہ تعالی کے وعدے پر(۲۶۴) پورا ایمان تھا اور نبی صلی اللہ

علیہ و سلم کا تغیر اس لئے تھا کہ انہیں ابوبکر کے مقابلے میں اللہ کے متعلق زیادہ علم تھا اس لئے کہ آپکو اللہ تعالی کی طرف سے وہ علم حاصل (۲۶۵) تھا اور ہوتا رہتا تھا جس کا نہ ابوبکر کو علم تھا نہ کسی اور کو ۔ آپکو معلوم ہے کہ کبھی تند ہوا چلا کرتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا رنگ بدل (۲۶۶)جایا کرتا تھا حالانکہ اس سے کسی ایک صحابی کا بھی رنگ نہ بدلتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں وہ علم حاصل ہو جائے جو مجھے حاصل ہے تو تم کم ہنسا کرو اور بہت رویا کرو ۔ اور تم پہاڑوں کی طرف نکل کر اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور تمہیں اپنے بستروں پر قرار نہ آئے ۔

الہام و فراست کے اعتبار سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ میں خصوصیت حاصل تھی جس کا ظہور تین موقعوں پر ہوا ایک وہ وقت تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر اہل ردہ سے جنگ نہ کی جائے مگر ابوبکرصدیق رضی اللہعنہ انکے خلاف جہاد بالسیف کرنے پر ڈٹے رہے (۲۶۷) اور کہا : خدا کی قسم ! اگر یہ لوگ وہ مال زکوٰۃ جو رسول اللہ کے عہد میں ادا کیا کرتے تھے اب بھی اسی طرح ادا نہ کریں گے تو میں ان سے تلوار کے ساتھ جنگ کروں گا ۔ ابوبکر ٹھیک کہہ رہے تھے ۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صحابہ کی رائے کے خلاف کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی رائے درست تھی چنانچہ جب صحابہ کو یقین ہو گیا کہ ابوبکر کی رائے درست ہے تو سب نے ان ہی کی رائے کی طرف رجوع کیا ۔

دوسرا واقعہ یہ تھا کہ جمہور صحابہ کی یہ رائے تھی کہ اسامہ کی فوج کو واپس بلا لیا جائے مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف حکم دیتے ہوئے فرمایا :

خدا کی قسم ! جس (جھنڈے کی) گرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے لگائی ہے اسے میں نہیں کھولنے کا ۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا : میں نے تجھے جانداد عطا کر دی ہے اور تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں حالانکہ (اس وقت تک) عائشہ رضی اللہ عنہا کو صرف دو بھائیوں اور ایک بہن کا علم تھا ۔ (اور دوسری بہن ابھی تک وجود میں نہیں آئی تھی) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی حاملہ تھی ۔ ابوبکر نے کہا : میرے دل میں یہی خیال ڈال دیا گیا ہے کہ اس حمل سے لڑکی پیدا ہو گی چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔

یہ بہت کامل الہام اور فراست ہے اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی فرمایا ہے مؤمن کی فراست سے بچا کرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور بھی اوصاف ھیں جن پر اھل حقائق اور ارباب قلوب کا عمل ہے۔ اگر ان سب کا ذکر کرنے لگیں تو کتاب لمبی ہو جائے گی۔

بکر بن عبداللہ المزنی سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: ابوبکر دیگر تمام صحابہ پر کثرت صوم و صلواۃ کی وجہ سے فوقیت نہیں لے گئے بلکہ اس چیز کی وجہ سے فوقیت لے گئے جو ان کے دل کے اندر تھی۔

کسی کا قول ہے (ص۱۲۴): وہ چیز جو ان کے دل میں تھی وہ اللہ کی محبت اور خلوص تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہا کرتے: اے بنی ادم اٹھو اور اس آگ کو جسے تم نے جلا رکھا ہے بجھا دو۔

یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک بار ایسا کھانا کھا لیا جو مشتبہ تھا۔ مگر جب انہیں اس کا علم ہو گیا تو اسے قے کر ڈالا اور کہا: خدا کی قسم میں اس کھانے کو نکال کر رھوں گا خواہ اس کے ساتھ میری جان ھی کیوں نہ نکل جائے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:
جس جسم کی پرورش حرام کی غذا سے ہوئی ہو اس کیلئے دوزخ کی آگ زیادہ موزوں ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے: میں یہ چاھتا ھوں کہ میں ایک سبزی ہوتا، چوپائے مجھے کھاتے اور مجھے پیدا نہ کیا گیا ہوتا۔

ان کا ایسا کہنا عذاب الہی اور یوم حساب کے ڈر کی وجہ سے تھا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں قرآن مجید میں سے صرف تین آیتوں میں مشغول رہا ھوں۔ ایک آیت یہ ہے۔
(۲۶۸) و ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو و ان یردک بخیر فلا رادّ لفضلہ
(اگر اللہ تعالی تمھیں کوئی دکھ پہنچانا چاھیں تو اسے وھی خود ھی دور کر سکتا ہے کوئی اور نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاھیں تو اس کی عنایات

کوئی روک بھی نہیں سکتا)

اس آیت سے مجھے یقین ہو گیا کہ اگر اللہ مجھ سے بھلائی کرنا چاہیں گے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اگر مجھے دکھ دینا چاہیں گے تو اس کے سوا کوئی اور اسے دور بھی نہیں کر سکتا ۔

دوسری آیت یہ ہے :

(۲۶۹) اذکرونی أذکرکم

(تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کروں گا)

چنانچہ میں ھمہ تن اللہ تعالی کے ذکر میں لگ گیا اور باقی تمام اشیاء کی یاد کو چھوڑ دیا ۔

تیسری آیت یہ ہے :

(۲۷۰) و ما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها

(زمین میں جو چلنے پھرنے والا جانور ہے اس کا رزق اللہ تعالی کے ذمے ہے)

خدا کی قسم جب سے اس آیت کو پڑھا ہے میں روزی کمانے کے ارادے سے کبھی کہیں نہیں گیا کہا جاتا ہے کہ یہ اشعار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہیں ۔

یا من ترفع بالدنیا و زینتها   لیس الترفع رفع الطین بالطین

اے وہ انسان جو دنیاوی زیب و زینت پر اترا رہا ہے مٹی کو مٹی کے ساتھ بلند کرنے میں کوئی فخر کی بات نہیں

اذا أردت شریف النفس کلهم   فانظر الی ملک فی زی مسکین

جب تو شریف ترین انسان کو دیکھنا چاہے تو اس بادشاہ کو دیکھ جو مسکینوں کے لباس میں ہو

ذاک الذی عظمت فی الناس رأفته   وذاک یصلح للدنیا و للدین

یہی لوگوں پر بڑی عنایات کرنے والا شخص ہے

اور یہی شخص دنیا اور دین کی صلاحیت رکھنے والا ہے

جنید رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا :توحید کے بارے میں

بہترین کلمات وہ ہیں جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہے :
پاک ہے وہ خدا جس نے اپنی معرفت کا سوائے اس کے اور طریقہ نہیں بنایا کہ انسان یہ اقرار کرے کہ میں اللہ کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہوں ۔

(ص ۱۲۵) ۳ ۔ باب

عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب لیجئے عمر رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

گزشتہ امتوں میں محدثوں اور وہ لوگ ہوا کرتے تھے جن سے اللہ تعالی کلام کیا کرتے تھے اگر اس امت میں کوئی ایسا شخص ہو سکتا ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں ۔

کسی اہل فہم سے محدث کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ صدیقین کے درجات کا بلند ترین مقام ہے ۔

ان کے محدث ہونے کی علامات خود ان کی ذات سے نمایاں ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ایک بار وہ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے تو خطبہ کے دوران بلند آواز سے کہا : ساریہ پہاڑ کا رخ کرو ۔ حالانکہ اس وقت ساریہ نہاوند کی جنگ میں مشغول تھا ۔ اس نے وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سن لی اور وہ پہاڑ کی طرف ہو لئے اور دشمن پر غلبہ پا لیا ۔

کسی نے ساریہ سے دریافت کیا : تجھے یہ کیسے معلوم ہو گیا ؟ جواب دیا : میں نے عمر کی آواز سن کر (پہچان لی تھی) وہ یا سارية الجبل الجبل کہہ رہے تھے ۔

ابوعثمان نہدی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قمیص پہنے ہوئے دیکھا جس میں بارہ جگہ پیوند لگے ہوئے تھے اور وہ اس وقت خطبہ دے رہے تھے ۔

مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : خدا اس شخص پر رحم کرے جو مجھے میرے عیب بتائے ۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : شیطان عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سے ڈرتا ہے ۔

عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو گا وہ اپنے غصے کی بھڑاس نہ نکالے گا اور جو شخص اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہو گا وہ ہر اس چیز کو جو اس کے دل میں آئے نہیں کر گزرے گا اور اگر قیامت نہ ہوتی تو پھر دنیا کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا۔

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا : کاش میری والدہ نے مجھے جنا نہ ہوتا ۔ کاش میں یہ تنکا ہوتا ؛ کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا ۔

یہ بھی مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا : جب بھی میں کسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں تو اللہ نے مجھ پر چار احسان کئے ہیں ۔ ایک یہ کہ یہ ابتلا و آزمائش میرے دین کی نہ تھی اور دوسرے یہ کہ (اسی قدر تھی کبھیں) اور زیادہ سخت نہ تھی اور یہ کہ اس مصیبت میں میں اللہ کی رضامندی سے محروم نہیں رہا ۔ اور چوتھے یہ کہ مجھے اس پر ثواب ملنے کی امید ہے ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے : اگر صبر و شکر دو اونٹ ہوتے تو مجھے اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ ان میں سے کس پر سوار ہوا ہوں(۲۷)

ایک شخص نے حضرت عمر کے پاس تنگدستی کی شکایت کی ۔ آپ نے اس سے پوچھا : کیا تیرے پاس آج رات کا کھانا ہے ۔ اس نے کہا : ہاں ۔ اس پر آپ نے کہا : تو تنگدست نہیں ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہیں (ص۱۲۶) جس جیسا صحیفہ اعمال لے کر اللہ سے ملاقات کرنا مجھے زیادہ محبوب سوائے اس کپڑوں میں لپٹے ہوئے اس عمر کے ۔

راوی کہتا ہے : ایک روز علی رضی اللہ عنہ نے ، دوپہر کے وقت عمر رضی اللہ عنہ کو دوڑتے دیکھا تو ان سے دوڑنے کا سبب پوچھا : جواب دیا : کسی نے زکوٰۃ کے اونٹ لوٹ لئے ہیں ان کی تلاش میں نکلا ہوں ۔ یہ جواب سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :
اے عمر تو نے بعد کے آنے والے خلفاء کو تھکا دیا ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اھل حقائق نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا مقتدا بنایا ہے اور ان کے خصائص کو اپنایا ہے مثلاً گدڑی پہننا ، ناملایم اور کھردری زندگی ، ترک خواھشات ، مشتبہ امور سے اجتناب ، کرامات کا اظہار ، اور جب حق کو کھڑا کرنا اور باطل کو مٹانا مقصود ھو تو اس بات کی پرواہ نہ کرنا کہ کوئی انہیں برا بھلا کہے گا ـ حقوق میں قرابت داروں اور اجنبیوں کو یکساں سمجھنا اور شدید ترین عبادات میں مسلسل لگا رھنا اور اسے کارثواب(۲۷۲) سمجھنا ـ جیسا کہ ان سے مروی ہے اور اس کا بیا ن لمبا ہے ـ

رھا یہ واقعہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مسجد میں بیٹھا ھوا دیکھا تو انہیں روزی کمانے کا حکم دیا نیز ان کا وہ مراسلہ جو سلمان رضی اللہ عنہ کے نام تھا ـ تو ھو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ حکم اس لئے دیا ھو کہ یہ لوگ مسجد میں بیٹھے رھنے سے کمزور پڑ جائیں گے اور یہ کہ ان کی نگاھیں لوگوں کی طرف لگی رھیں گی یا اسی قسم کی کوئی اور بات دیکھی ھو گی جس پر انہوں نے انہیں روزی تلاش کرنے کا حکم دیا ھو ـ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے اصحاب الصفہ کو تو دیکھا ھوا تھا اصحاب صفہ کی تعداد تین سو سے کچھ اوپر تھی اور انہوں نے ان کا مسجد میں بیٹھے رھنا ناپسند نہیں کیا اور نہ ھی انہیں مسجد سے نکل جانے اور روزی تلاش کرنے کا حکم دیا ـ

مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں اپنے بھائی زید بن الخطاب سے کہا اگر تم چاھو تو میں اپنی زرہ اتار کر تمہیں پہننے کو دے دیتا ھوں جس پر زید نے جواب دیا تھا ـ مرتبہء شہادت مجھے بھی اسی قدر محبوب ہے جس قدر تجھے ـ

ان کے یہ الفاظ ایک بہت بڑا اشارہ ہے جس سے ان کے توکل کی حقیقت کا پتا چلتا ہے ـ اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں ھیں ـ یہاں پر تھوڑا سا بیان ھی کافی ہے ـ

مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے دیکھا ہے کہ عبادت چار چیزوں میں پائی جاتی ہے اول اللہ تعالی کے فرائض کا ادا کرنا دوم اللہ کی حرام قرار دی ھوئی چیزوں سے اجتناب کرنا ـ تیسرے اللہ تعالی کے ثواب کی خاطر نیک کاموں کا حکم دینا ـ چہارم اللہ کے غضب سے بچنے کی خاطر اوروں کو برے کاموں سے روکنا ـ

(ص ۱۲۷) ۳ ۔ باب

عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر

شیخ فرماتے ھیں : اب لیجئے عثمان رضی اللہ عنہ کو ۔ ان کی خصوصیت تمکین تھی اور ,,تمکین،، متحققین کے اعلی مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے ۔

متحققین صوفیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جن باتوں پر عمل کرتے ھیں ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی ایک متقدم صوفی سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے ,,وسعتوں،، میں داخل ہونے کے متعلق سوال کیا ۔ انہوں نے جواب دیا : انبیاء اور صدیقین کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں اور وسعتوں میں داخل ہونے کو جو صدیقین کے احوال میں شمار کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ اشیاء میں داخل بھی ہوں اور باہر بھی ہوں ۔ نیز یہ کہ وہ اشیاء کے ساتھ بھی ہوں اور ان سے جدا بھی ہوں بعینہ اسی طرح جس طرح یحیی بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عارف کی کیا صفت ہے ۔ جواب دیا : عارف وہ شخص ہے جو لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان سے جدا ہو ۔[۱۲۳]

ابن الجلاء رحمہ اللہ سے پوچھا گیا : سچا فقیر کون ہے ۔ جواب دیا : جس کا اشیاء میں داخل ہونا اوروں کی خاطر ہو اپنی ذات کیلئے نہ ہو ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہی کیفیت تھی کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ کہیں اسلام میں خلل پڑ جائے تو میں اس مال کے ذریعے سے اس خلل کو دور کر سکوں گا تو میں یہ مال کبھی بھی جمع نہ کرتا ۔ چنانچہ جس شخص کی یہ کیفیت ہو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ مال کا خرچ کر دینا اس کے نزدیک مال کو پاس رکھنے سے زیادہ محبوب ہو اور خرچ کر دینا جمع کرنے کے مقابلے میں زیادہ پیارا ہو چنانچہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش العسرہ کیلئے ساز و سامان دیا نیز بئر رومہ کو خریدا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

اب عثمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا ۔ جو چاھیں کریں۔

ان کی نسبت یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے ایک

غلام کے ھاتھ ایک ھزار درھموں کی ایک تھیلی بھیجی اور غلام سے کہا : اگر ابوذر یہ تھیلی قبول فرمائیں تو تمھیں اللہ کی رضا کیلئے آزاد کر دوں گا ۔

یہاں سے معلوم ھو گیا کہ ان کا مال اس قسم کے کاموں کیلئے تھا اور یہ کیفیت صرف اس بندے کی ھو سکتی ہے جسے کمال معرفت حاصل ھو ۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے سہل بن عبداللہ کو یوں کہتے سنا وسعتوں میں داخل ھونا صرف اس شخص کو جائز ہے جو اذن خداوندی کو پہچانتا ھو ۔ لہذا جب اللہ کی طرف سے اجازت ھو تو وہ اس قدر خرچ کرے جس قدر خرچ کرنے کی اللہ تعالی نے اسے اجازت دی ھو اور اگر مال کو اپنے پاس روکے رکھے تو اللہ تعالی کی اجازت کے مطابق روکے لہذا اللہ تعالی جو مال اس کے پاس جمع کر دیتے ھیں وہ اس کی نگہداشت لوگوں کے حقوق کی خاطر کرے نہ کہ حظ نفس کی خاطر ۔ اس کی مثال اس منتظم کی سی ہے جو اپنے آقا کے مال میں آقا کے اذن سے اسی طرح تصرف کرتا ہے جس طرح ایک مالک ۔ اور یہ مقام سخت مشکل مقام ہے جس میں بہت سے لوگوں نے غلطی کھائی ہے اور وہ اس مقام کے مدعی بن بیٹھے ھیں حالانکہ یہ لوگ درحقیقت بندۂ دنیا ھیں مگر وہ یہی سمجھتے ھیں کہ انہیں یہ مقام حاصل ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ نے کہا : بسااوقات ایسا ھوتا ہے کہ ایک بندے کے پاس دنیا ھوتی ہے مگر پھر بھی وہ اپنے وقت کا زاھد ترین انسان ھوتا ہے ۔

اس پر کسی نے سوال کیا : مثلاً کون ؟

جواب دیا : عمر بن عُبدالعزیز رحمہ اللہ ۔

عمر بن عبدالعزیز اپنی خلافت کے دور میں اس تیل میں جو ان کی ذات کیلئے جلایا جاتا اور اس تیل میں جو عوام کے کاموں کیلئے جلایا جاتا امتیاز کیا کرتے تھے ۔ وہ اپنے چراغ کو نَے کے تین ٹکڑوں پر رکھا کرتے تھے حالانکہ ان کے قبضے میں دنیا کے خزانے تھے ۔ جن لوگوں نے غنا کو فقر پر فضیلت دی ہے انہیں یہیں سے غلطی لگی ہے ۔ یہ لوگ اس حقیقت امری سے غافل ھیں کہ یہ لوگ دنیاوی اسباب کی وجہ سے غنی نہ کہلاتے تھے اور نہ ھی یہ بات تھی کہ انہیں دنیا کے نہ ھونے کی وجہ سے فقیر کہا جاتا تھا ان کی مالداری اللہ کے ساتھ تھی اور ان کی احتیاج بھی اسی کی طرف تھی ۔

اھل حقائق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جس فعل کو اپناتے ھیں وہ ان کا وہ عمل ہے جس کی روایت یوں ہے کہ ایک بار وہ اپنے باغ سے ایندھن کا گٹھا خود اٹھا کر لائے

حالانکہ ان کے پاس کتنی غلام تھے ۔ کسی نے ان سے کہا :آپ نے اپنے کسی غلام کو کیوں نہ اٹھانے کو کہا جواب دیا : میں یہ کر سکتا تھا مگر یہ آزمانا چاھتا تھا کہ آیا ایسا کر سکتا ھوں یا نہیں یا کیا میرا نفس اسے ناپسند کرتا ہے ۔ یا جو الفاظ بھی فرمائے ھوں ۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ھو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے نفس کی خبر گیری کرتے رھتے تھے اور اسے محنت کی مشق بھی کراتے رھتے تاکہ اس مال پر مطمئن ھو کر نہ بیٹھے رھیں جو ان کے پاس جمع تھا ۔ کیونکہ وہ اس معاملے میں اوروں کی طرح نہ تھے ۔

ان کی نسبت یہ بھی مروی ہے کہ وہ مقام ابراھیم کے پیچھے کھڑے ھو کر رات کے وقت سر اور منہ پر کپڑا لپیٹے ھوئے ایک رکعت میں سبع (۲۴۴) طُوَل بڑھا کرتے تھے ۔

ان ھی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا :(۲۴۵)
میں نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے نہ کبھی گانا گایا ہے اور جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیعت کی ہے میں نے اپنا دایاں ھاتھ عضو مخصوص کو نہیں لگایا ۔

اور جس بات سے یہ پتا چلتا ہے کہ تمکین ، ثبات اور استقامت ان کے مخصوص اوصاف تھے وہ روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جس دن انہیں شہید کیا گیا وہ اپنی جگہ سے نہیں ھٹے اور نہ ھی کسی کو جنگ کرنے کی اجازت دی اور نہ ھی قرآن مجید کو اپنی گود سے ھٹا کر رکھا تاآنکہ انہیں شہید کر دیا گیا اور خون بہہ کر قرآن پر بڑا جس سے قرآن آلودہ ھو گیا خون اس مقام پر بڑا جہاں یہ آیت لکھی ھوئی تھی :

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ وَ هُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ (سورۃ بقرہ : ۱۳۷)

ان لوگوں کے مقابلہ میں اللہ آپکو کافی ہے اور وہ سمیع و علیم ہے ۔

میں نے ابو عمرو بن علوان سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک رات میں نے جنید رحمہ اللہ کو اپنی مناجات میں یوں کہتے ھوئے سنا :
خدایا ! کیا تو مجھے اپنا قرب عطا کرکے دھوکا دینا چاھتا ہے اور اپنے سے مجھے ھٹانا چاھتا ہے یا کیا تو اپنا وصل عطا کرکے مجھے اپنے سے منقطع کر سکتا ہے ۔ ایسا کبھی نہ ھو گا ایسا کبھی نہ ھو گا ۔

اس پر میں نے ابو عمرو سے پوچھا : ہیہات ہیہات، کہنے سے ان کی کیا مراد ہے فرمایا : اس سے مراد تمکین ہے ۔

یہ بھی مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا : میں نے تمام کی تمام

بھلائی چار چیزوں میں پاتی ہے ۔ پہلی یہ کہ نوافل کے ذریعے سے اللہ کے ساتھ محبت کا اظہار کرو دوسری یہ اللہ کے احکام کی (پابندی میں) ثابت قدم رہو ۔ تیسری یہ کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہو اور چوتھی یہ کہ اللہ سے حیا کرو کیونکہ تم اس کی نگاہ میں ہو ۔

۵ ۔ باب

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ذکر

شیخ فرماتے ہیں ۔ اب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو لیجئے تو میں نے احمد بن علی الوجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی رودباری کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا :

خدا امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ سے راضی ہو اگر وہ جنگوں میں مشغول نہ رہتے تو ہمیں علم طریقت کے بہت سے معانی بتاتے ۔ یہ وہ شخصیت تھے جنہیں اللہ تعالی نے علم لدنی عطا کر رکھا تھا اور علم لدنی وہ علم ہے جو خضر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھا ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں : (۲۷۷)وَ عَلَّمْنَاہ مِنْ لَدُنَّا عِلمًا (ہم نے اسے اپنے پاس سے علم عطا کیا) آپ خضر اور موسی علیہما السلام کا قصہ سن چکے ہیں اور ان کے یہ الفاظ بھی سن چکے ہیں ۔

انکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْراً (سورۃ الکہف :٦٧)
(آپ میرے ساتھ چل کر صبر نہ کر سکیں گے)

جن لوگوں(۲۷۸) نے ولایت کو نبوت پر فضیلت دی ہے انہیں یہیں سے غلطی لگی ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس کی تردید اس باب میں کریں جس میں ایسا کہنے والوں کا ذکر ہو گا ۔

امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ کو چند امور میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم میں خصوصیت حاصل ہے اور وہ یہ ہیں :

بزرگ معانی ، لطیف اشارے ، اچھوتے الفاظ و عبارت ، توحید و معرفت کا بیان ، ایمان اور علم وغیرہ ۔ نیز ان میں وہ شریف خصلتیں پائی جاتی تھیں جنہیں صوفیاء میں (ص۱۳۰)

اهل حقائق نے اپنایا ہے۔ اگر ہم ان سب کا ذکر کرنے لگیں تو کتاب لمبی ہو جائے مگر ہم صرف تھوڑا سا ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ تاکہ طوالت سے بچے رہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی نے آپ سے سوال کیا: آپ نے اپنے رب کو کن چیزوں سے پہچانا۔ جواب دیا: ان امور سے جن کے ذریعے اس نے مجھے اپنی معرفت عطا کی۔ نہ تو کوئی تصویر اس کے مشابہ ہو سکتی ہے اور نہ ہی حواس کے ذریعے سے اس کا ادراک ہو سکتا ہے۔ نہ لوگوں سے اس کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ باوجود دور ہونے کے قریب ہے اور باوجود قریب ہونے کے بعید ہے۔ وہ ہر چیز کے اوپر ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس کے نیچے ہے وہ ہر چیز کے نیچے ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس کے اوپر ہے۔ ہر چیز کے آگے ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں چیز اس (۲۲۹) کے آگے ہے۔ وہ اشیاء کے اندر داخل ہے مگر نہ اس طرح جس طرح ایک چیز دوسری چیز کے اندر داخل ہوتی ہے۔ نہ تو وہ کسی چیز سے ہے، نہ کسی چیز کے اندر اور نہ کسی چیز کے ساتھ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی یہ صفات ہیں مگر غیر اللہ میں یہ صفات نہیں۔

امیرالمؤمنین علی رضی اللہ عنہ خطبہ میں کہا کرتے: اللہ تعالی نے تمام اشیاء کو پیدا کیا ہے مگر کسی ایسی چیز سے نہیں جو اس کے ساتھ تھی اور نہ ہی کسی ایسی چیز سے جس کی پیمائش پر اس نے چیزوں کو بنایا اور نہ ہی کسی چیز کے نمونہ پر اشیاء کو بنایا۔ ہر صانع نے جو کچھ بنایا ہے کسی چیز سے بنایا ہے اور ہر عالم جاہل ہونے کے بعد عالم بنا ہے۔ اللہ تعالی عالم ہیں لیکن (ایسے نہیں کہ) جاہل ہونے کے بعد عالم بنے ہوں۔

حضرت علی کا ایمان کے بارے میں یہ قول ہے جسے عمرو بن ھند نے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو یوں فرماتے سنا:
ایمان پہلے دل میں ایک سفید داغ کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ جوں جوں ایمان بڑھتا جاتا ہے یہ سفیدی بھی دل میں بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب ایمان کامل ہو جاتا ہے۔ تو تمام دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق دل میں پہلے سیاہ داغ کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جوں جوں منافقت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے دل کی سیاہی میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور جب منافقت کمال کو پہنچ جاتی ہے تو تمام دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

ایک شخص نے اٹھ کر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایمان کے متعلق سوال کیا

فرمایا: ایمان کا دار و مدار چار چیزوں پر ہے: صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ اس کے بعد صبر کی صفات بیان کیں اور کہا: اس کے دس مقام ہیں: اسی طرح یقین، عدل اور

جہاد ہے اور ہر ایک کے دس دس مقامات بیان کئے -

اگر یہ درست ہو کہ انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے احوال و مقامات پر گفتگو کی -

کسی نے امیر المؤمنین سے دریافت کیا : وہ کون شخص ہو سکتا ہے جو تمام عیوب سے سلامت رہا ہو -

فرمایا : جس نے عقل کو اپنا حاکم ، احتیاط کو اپنا وزیر ، نصیحت کو اپنی مہار ، صبر کو اپنا قائد ، تقوی پر ثابت قدم رہنے کو اپنا معاون ، خوف خداوندی کو اپنا ہمنشین اور موت اور بوسیدگی کو اپنا انیس بنایا ہو -

کمیل(۲۸۰) بن زیاد کی حدیث میں ہے :

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا : یہاں (بہت بڑا) علم ہے کاش مجھے اس کا کوئی حامل مل جاتا (ص۱۳۱) چنانچہ صحابہ میں ان کی خصوصیت یہی تھی کہ آپ توحید اور معرفت الٰہی کی تشریح ووضاحت سے کیا کرتے تھے اور قوت بیان کامل ترین معانی اور اعلی ترین احوال میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

وَ اِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوتُوا الكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّه لِلنَّاسِ (سورۂ آل عمران : ۱۸۷)

جب اللہ نے ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی وعدہ کیا کہ تم اس کتاب کی لوگوں کے سامنے وضاحت کرو گے -

نیز اللہ تعالی نے فرمایا ہے : هٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ (سورۂ آل عمران : ۱۳۸) یہ لوگوں کے لئے واضح بیان ہے -

انسان اسی بیان کی بدولت تو کمال شرف کو پہنچتا ہے - اس لئے کہ ہر عقلمند انسان کو علم حاصل نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر وہ شخص جسے علم حاصل ہو اچھی طرح بیان کر سکتا ہے لہذا جب کسی بندے کو عقل ، علم اور بیان عطا کر دیا جائے تو وہ کمال کو پہنچ گیا -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ کی نسبت یہ بات مشہور ہے کہ انہیں جب دین کی کسی بات میں مشکل پیش آتی تو وہ علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کرتے تھے اور آپ اس اشکال کو اپنے بیان سے حل کر دیا کرتے تھے -

روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا :

اپنے دوست سے آہستہ آہستہ محبت رکھا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دن تمہارا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن سے آہستہ آہستہ دشمنی کیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک دن وہ تمہارا دوست بن جائے ۔

ان کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیت المال کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا : اے سونے ، اے چاندی کسی اور کو دھوکا دینا ۔(۲۸۱)

یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک قمیص جس کی قیمت تین درہم تھی پہنی اور اسے اپنی انگلیوں کے سرے سے کاٹ ڈالا ۔

یہ بھی روایت میں ہے کہ انہوں نے اجرت پر کام کیا اور اجرت میں کھجوروں کا ایک مد حاصل کیا جسے اٹھا کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں لے آئے اور رسول اللہ نے اسے کھایا ۔

یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا اگر تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے ملنا چاہتا ہے تو قمیص کو پیوند لگایا کر ، جوتے کی مرمت کیا کر اور اپنی آرزوؤں کو کم کیا کر اور اتنا کھا کہ شکم سیر نہ ہو ۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :
اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا ۔

کہا جاتا ہے کہ جب انہیں شہید کیا گیا تو حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر چڑھ کر کہا :
اے اہل کوفہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو تمہارے سامنے اور تمہاری موجودگی میں شہید کیا گیا ۔ خدا کی قسم انہوں نے چار سو درہموں کے سوا دنیا کی کوئی چیز پیچھے نہیں چھوڑی اور یہ رقم انہوں نے خادم خریدنے کی نیت سے الگ رکھ لی تھی ۔

کہا جاتا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا اور رنگ بدل جاتا ۔ جب آپ سے پوچھا جاتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے تو آپ فرماتے :
جو امانت اللہ نے آسمانوں ، زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی اور انہوں نے اس بوجھ کے اٹھانے سے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس کے اٹھانے کا ذمہ لے لیا تھا اس کے (ص۱۳۲) ادا کرنے کا وقت آگیا ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جس چیز کے اٹھانے کا میں نے ذمہ لیا تھا اسے اچھی طرح سے ادا کر سکوں گا یا نہیں ۔

علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : میرے اور میرے نفس کی مثال اس بکریاں چرانے والے کی سی ہے کہ وہ اگر انہیں ایک طرف سے اکٹھا کرتا ہے تو وہ دوسری طرف سے بکھر جاتی ہیں ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اس قسم کے بہت سے احوال ، اخلاق اور افعال پائے جاتے ہیں اور صوفیاء میں سے جو لوگ ارباب قلوب ، اہل اشارات اور اہل وجد ہیں وہ ان احوال سے چمٹے رہتے ہیں چنانچہ جس نے دنیا کو کلیۃً ترک کر دیا اور اپنی تمام املاک کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور بے لوث ہو کر فقر و تجرید کی بساط پر بیٹھ گیا تو اس کا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اور جس نے کچھ مال اللہ کی راہ میں صرف کیا اور کچھ اپنے اہل و عیال ، رشتہ داروں اور حقوق کے ادا کرنے کی غرض سے رکھ لیا تو اس کے امام عمر رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اور جس نے اللہ کی خاطر مال جمع کیا اور اللہ ہی کی خاطر اپنے پاس روکے رکھا ، اللہ کی خاطر دیا ، اللہ کی خاطر خرچ کیا تو اس میں اس کے امام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ۔ اور جو دنیا کے نزدیک ہی نہیں جاتا خواہ اس کے پاس دنیا بغیر تلاش کے جمع ہی کیوں نہ ہو جائے اور وہ اسے دھتکار دے اور اس سے بھاگے تو اس میں اس کے امام علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں :

یہ بھی مروی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : تمام کی تمام بھلائی چار چیزوں میں جمع کر دی گئی ہے خاموشی ، گویائی ، نگاہ اور حرکت ۔ جس گویائی میں اللہ کا ذکر نہ پایا جائے وہ لغو ہے جس خاموشی میں فکر نہ ہو سہو ہے ، جس نگاہ کو عبرت حاصل کرنے کیلئے استعمال نہ کیا جائے وہ غفلت ہے اور جو حرکت اللہ کی عبادت کیلئے نہ ہو وہ سستی ہے ۔ لہذا اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی گفتار کو ذکر بنا لیا ، خاموشی کو فکر ، نگاہ کو عبرت اور حرکت کو عبادت اور یہ لوگ اس کی زبان اور ہاتھ سے بچے رہیں ۔

٦ ۔ باب

اہل صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بیان

شیخ فرماتے ہیں : اصحاب صفہ کی تعداد جیسا کہ حدیث میں آیا ہے تین سو سے کچھ اوپر تھی ۔ یہ لوگ نہ کھیتی باڑی کی طرف رجوع کرتے ، نہ دودھ دینے والے

جانوروں (کو پالنے) کی طرف ، اور نہ تجارت کی طرف ۔ ان کا کھانا پینا اور سونا (سبھی کچھ) مسجد میں ہوتا تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان سے موانست کرتے ۔ ان کے پاس بیٹھتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا کرتے اور لوگوں کو ان کی تعظیم کرنے اور ان کو افضل جاننے کی ترغیب دلایا کرتے ۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کئی جگہ پر ان کا ذکر کیا ہے (ص۱۳۳)ان میں سے ایک یہ ہے :

(۲۸۲)للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ

ان فقراء کیلئے جو اللہ کی راہ میں روک دئے گئے ہیں ۔

اور اللہ تعالی کا قول :

(۲۸۳)ولا تطرد الذین یدعون ربھم

ان لوگوں کو کبھی دھکیل نہ دینا جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں ۔

اور

(۲۸۴) واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم

جو لوگ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں آپ اپنے نفس کو ان کے پاس روکے رکھئے

اللہ تعالی نے آپکو ان لوگوں کی خاطر عتاب بھی کیا ۔ فرمایا :

(۲۸۵)عبس و تولی أن جاءہ الأعمی

تیوری چڑھائی اور پشت کرکے چل دئے (کیا یہ) اس لئے کیا کہ ایک نابینا ان کے پاس آیا تھا ۔

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے ۔ اس آیت کے نزول کے بعد جب کبھی آپ اسے دیکھ پاتے تو کہتے : ارے تو وہی شخص ہے جس کی خاطر اللہ نے مجھے عتاب کیا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے گرد اصحاب صفہ بیٹھ جاتے تو آپ وہاں سے اس وقت تک خود نہ اٹھتے تھے جب تک کہ وہ خود وہاں سے اٹھ کر نہ چلے جاتے اور جب آپ ان سے مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ ان سے پہلے انؓ کے ہاتھ سے نہ کھینچتے تھے ۔

کبھی آپ ایسا کرتے کہ آپ انہیں مالداروں اور صاحب ثروت پر ان کی استطاعت کے مطابق تقسیم کر دیتے ، چنانچہ کسی کے ساتھ تین کسی کے ساتھ چار یا پانچ ۔

شیخ فرماتے ہیں : بعض اوقات سعد بن معاذ ان میں سے اسی آدمیوں کو ساتھ لے کر

اپنے گھر جاتے اور انہیں کھانا کھلاتے ۔

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں : میں نے ستر ایسے اصحاب صفہ کو دیکھا ہے جو صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جن کا کپڑا گھٹنوں تک بھی نہ پہنچتا تھا ۔ اور وہ رکوع کرتے وقت کپڑے کو دونوں ھاتھوں سے پکڑ لیتے کہ کہیں ستر نہ کھل جائے ۔

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں : عباء پہننے کی وجہ سے ہم سے بھیڑ بکریوں کی سی بو آتی ہے ۔

عبداللہ بن طلحہ کہتے ھیں : ایک دن ھم اصحاب صفہ کے پاس بیٹھے تھے ۔ ھم نے کہا : یا رسول اللہ ۔ کھجور کھا کھا کر ھمارے پیٹ جل گئے ھیں اور آپ نے مردار جانور کا کھانا حرام قرار دے دیا ہے ۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے منبر پر چڑھ کر فرمایا :بعض لوگوں کو کیا ھو گیا ہے کہ دن چڑھتے ھی یہ کہنا شروع کر دیتے ھیں کہ کھجور کھا کھا کر ھمارے پیٹ جل گئے ھیں ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کھجور اھل مدینہ کی خوراک ہے انہوں نے ھماری غمخواری کرتے ہوئے یہ کھجوریں ھمیں دی ھیں اور اس میں ھم نے تمہیں غمخواری کے طور پر کچھ دے دی ھیں قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے ایک یا دو ماہ سے رسول اللہ کے گھر سے روٹی (پکانے) کی وجہ سے دھواں (۲۸٦) نہیں اٹھا ۔ اس عرصے میں ان کی خوراک صرف کھجور اور پانی رھا ہے ۔

اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کے سامنے اپنا عذر پیش کیا ہے ان کی شکایت کی تردید نہیں کی اور نہ ھی انہیں بذریعہ کسب یا تجارت روزی کمانے کا حکم دیا ۔

(ص۱۲۳)ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اھل صفہ کی ایک جماعت کے پاس ٹھہر گئے وہ عریانی کے باعث ایک دوسرے کے پیچھے چھپے ہوئے تھے اور ایک شخص انہیں قرآن پڑھکر سنا رھا تھا اور وہ رو رھے تھے ۔

اب رہے وہ صحابہ جو اھل صفہ میں سے نہ تھے تو ان میں سے ھر ایک کے بارے میں ایسی روایات آئی ھیں جن سے معلوم ھوتا ہے کہ وہ بعض اوصاف میں منفرد تھے اور ان پسندیدہ احوال ، پاکیزہ اعمال اور مکارم اخلاق کا پتا چلتا ہے جو خاص ان میں پائے جاتے تھے اور یہ وہ احوال ھیں جن کو صوفیہ کے اھل حقائق نے اپنایا ہے اور ان کی پیروی کرنے میں صوفیہ کا مقصد صحیح راہ کا تلاش کرنا ہے اس کا بیان بہت لمبا ہے مگر ھم اس میں سے

کچھ حصے کا ذکر کریں گے تاکہ اس سے اس حصے کا بتا چل جائے جسے ہم نے ذکر نہیں کیا ۔ ان شاء اللہ تعالی ۔

۷۔ باب

اسی سلسلے میں دیگر صحابہ کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب لیں طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو ۔ زیاد بن حدیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں : میں نے طلحہ بن عبیداللہ کو (جبکہ وہ حاکم تھے) ایک مجلس میں جہاں ایک لاکھ سے زائد لوگ جمع تھے دیکھا اور وہ اپنے ہاتھ سے اپنے تہمد کا حاشیہ سی رہے تھے ۔

اب لیجئے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ۔ الحارث بن عمیرہ ان کی نسبت بیان کرتے ہیں : میں معاذ بن جبل کے پاس اس وقت تھا جب وہ نزع کی حالت میں تھے اور کہہ رہے تھے :

(۲۸۸)اخنق خنقک فوعزتک انی لأحبک

جس طرح چاہو گلا گھونٹ ڈالو ۔ تمہاری عزت و جلال کی قسم مجھے تم سے محبت ہے ۔

اب لیجئے عمرآن بن حصین رضی اللہؐ عنہ (متوفی سنہ ۵۲) کو ۔ ان کا قول ہے : میری خواہش یہ ہے کہ میں مٹی ہوتا ، ہوائیں مجھے ادھر ادھر اڑاتیں اور میں پیدا نہ کیا جاتا ۔ انہوں نے یہ الفاظ عذاب کے ڈر سے کہے تھے ۔

ثابت بنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عمرآن بن حصین کو تینتیس سال پیٹ کی شکایت رہی ایک بار ان کے دوست ان کی عیادت کو آئے اور کہا : ہم آپ کی طویل علالت کی بنا پر آپ کے پاس نہیں آتے (کہ کہیں آپ کو ہمارے آنے سے تکلیف نہ ہو) آپ نے کہا : ایسا مت کیا کرو کیونکہ جو بات میرے رب کو زیادہ محبوب ہے وہ مجھے بھی زیادہ محبوب ہے ۔

اب رہے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :

وان جهنم لمو عدهم أجمعين
ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے

تو انہوں نے چیخ ماری اور اپنا ھاتھ اپنے سر پر رکھا پھر تین دن ادھر ادھر بھاگتے رہے۔

(ص۱۳۵)ایک حدیث میں ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ ابوالدرداء کی زیارت کیلئے عراق سے شام تک پیدل گئے آپ کے اوپر ایک گاڑھا کمبل تھا ، سر ڈھانپا ھوا تھا (۲۸۸) اور رنگ بدلا ہوا تھا ۔ کسی نے آپ سے کہا : آپ نے تو اپنے نفس کا چرچا کر دیا ۔ آپ نے جواب دیا :

بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے ۔ میں تو ایک غلام ہوں وھی کچھ پہنتا ھوں جو غلام پہنا کرتے ھیں جب آزاد ھو جاؤنگا تو جبہ پہنوں گا ۔ انہوں نے یہ بات اس کمبل کے کناروں(۲۸۹) کے بوسیدہ ھونے کی وجہ سے کہی ۔

اب لیں (۲۹۰) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو ، وہ فرماتے ھیں : میں جاھلیت کے زمانہ میں تاجر تھا ۔ جب اسلام لے آیا تو چاھا کہ تجارت کے ساتھ ساتھ عبادت بھی کرتا رھوں مگر ایسا نہ کر سکا لہذا میں نے تجارت پر عبادت کو ترجیح دی ۔

شیخ فرماتے ھیں : کسی نے ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ابوالدرداء کی افضل ترین عبادت کیا تھی ۔
فرمایا : تفکر اور اوروں سے عبرت حاصل کرنا۔

اب لیں(۲۹۱) ابوذر رضی اللہ عنہ کو تو ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : اللہ تعالی کی خاطر حق بات پر قائم رھنے نے میری یہ حالت کر دی ہے کہ اب کوئی شخص میرا دوست نہیں رھا اور یوم حساب کے ڈر نے میرے بدن پر گوشت نہیں رھنے دیا اور اللہ تعالی کے ثواب پر یقین رکھنے نے میرے گھر میں کوئی چیز نہیں رھنے دی ۔

ان کی ھی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : مجھے ایک ایسے دن کے غم نے جسے میں حاصل نہیں کر سکا مار ڈالا ہے ۔

اس پر کسی نے پوچھا : وہ کونسا دن ہے ۔

جواب دیا : میری آرزو میری موت کے دن سے بھی آگے نکل گئی ہے ۔ میں تو چاھتا ھوں کہ خدا نے مجھے ایک درخت بنایا ھوتا جسے لوگ کاٹتے ۔

انہیں ایک دعوت میں بلایا گیا (جب وہاں پہنچے تو) وہاں گانے کی آواز سنائی دی لہذا یہ کہتے ہوئے واپس چلے آئے جس شخص نے اپنی موجودگی سے کسی جماعت کی تعداد بڑھائی اس کا شمار ان ہی لوگوں میں ہو گا اور وہ جن لوگوں کے عمل پر خوشنودی کا اظہار کرے گا وہ ان کا شریک کار سمجھا جائیگا ۔

حبیب بن مسلمہ (۲۹۲) رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار درہم لے جا کر ابوذر رضی اللہ عنہ کو پیش کئے مگر انہوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا : ہمارے پاس ایک بکری ہے جس کا دودھ ہم پیتے ہیں اور ایک سواری کا جانور ہے جس پر سوار ہو کر ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جلد منتقل ہو جاتے ہیں لہذا ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے ۔

رہے ابوعبیدہ (۲۹۳) بن الجراح رضی اللہ عنہ تو ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ طاعون کے دنوں میں ان کے ہاتھ پر ایک گلٹی نکل آئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ کو اس سے رنج پہنچا اور انہیں خطرہ لاحق ہو گیا (کہ کہیں مہلک ثابت نہ ہو) مگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ انہیں اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں ہیں ۔

ایک شخص ان کے پاس آیا اور سوال کیا مگر آپ نے اسے کچھ نہ دیا ۔ وہ شخص دوبارہ آیا اور دوبارہ سوال کیا اور ابوعبیدہ نے اسے کچھ دے دیا اور کہا کہ جس ذات نے تجھے دیا ہے اور جس نے تمہیں بھی دیا تھا وہ ذات ، ذات خدا عزوجل ہے ۔

ان کا قول ہے : میں چاہتا ہوں کہ (۲۹۴) میں اپنے گھر والوں کا ایک مینڈھا ہوتا ، میرے گوشت کو دانتوں سے کاٹا جاتا اور (۲۹۵) میرا شوربا پی لیا جاتا اور مجھے پیدا نہ کیا جاتا ۔

رہے عبداللہ (۲۹۶) بن مسعود رضی اللہ عنہ تو ۔ مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے : دو ناپسند چیزیں کیا ہی اچھی ہیں ، موت اور فکر ۔ مجھے اس بات کی فکر ہی نہیں کہ مجھے ان دونوں میں سے پہلے کس میں مبتلا کیا جاتا ہے ۔

ان کی نسبت یہ بھی مروی ہے کہ ان کے گھر میں ابابیلوں کے گھونسلے تھے ۔ اور ان کے بیٹے بھی تھے ۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان گھونسلوں کو توڑ کیوں نہیں دیتے ۔

جواب دیا : میرے (۲۹۷) بیٹوں کا مر جانا مجھے زیادہ محبوب ہے بمقابلہ اس کے کہ میں ان سے ابابیلوں کے گھونسلوں میں سے ایک انڈا توڑ دوں ۔

اب لیں براء بن مالک کو ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : میں براء بن مالک کے پاس گیا ۔ انہوں نے اپنے دونوں پاؤں دیوار پر لگا رکھے تھے اور گنگنا رہے تھے ۔

میں نے کہا : بھائی صاحب ! اسلام لے آنے اور قرآن (پڑھنے) کے بعد یہ گنگنا نا کیسا ؟

جواب دیا : بھائی ! شعر تو عربوں کا دیوان (رجسٹر) ہے ۔ اس کے بعد کہا : کیا تمہارا خیال ہے کہ میں بستر پر مروں گا جبکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی موجودگی میں ننانوے جنگجوؤں کو قتل کر چکا ہوں ۔ علاوہ ان کے جن کے قتل میں اور لوگ بھی مرے ساتھ شریک تھے پھر جب شہرک (۲۹۸) شاہ تستر کی جنگ ہوئی تو ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا : میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا :

کتنی ایک شخص جو چیتھڑوں میں ہوں گے اور جن سے لوگ بے اعتنائی برتتے ہوں گے وہ اگر اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے کوئی بات قسم کھا کر کہہ دیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے براء بن مالک ان ہی میں سے ہیں ۔

یہ حدیث سن کر براء نے کہا : خدایا میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے درجہ شہادت نصیب کرنا ۔ اور میرے ساتھیوں کو فتح نصیب کرنا ۔

ابوموسی کہتے ہیں کہ اسی دعا کا اثر یہ ہوا کہ براء شہید ہوئے اور اللہ تعالی نے ان کے ساتھیوں کو فتح عطا کی ۔

اب لیجئے عبداللہ (۲۹۹) بن العباس رضی اللہ عنہ کو ۔ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے : بیٹھنے کیلئے بہترین جگہ تمہارے گھر کی تہ ہے کہ نہ کوئی تجھے دیکھ سکے اور نہ تو کسی کو دیکھ سکے ۔

ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ فرمایا کرتے تھے : اللہ تعالی اپنے بندے کی دعا سننے کے شوق میں اسے فقر میں مبتلا کر دیتے ہیں ۔

کہا جاتا ہے کہ (۳۰۰) ان کے رخسارے اکثر روتے رہنے کی وجہ سے جوتے کے تسمے کی طرح ہو گئے تھے ۔

یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا : میں کپڑے کو پیوند لگا کر پہنوں اور اللہ کے ہاں مجھے بلندی حاصل ہو مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اس کے کہ میں ایسے کپڑے پہنوں جو مجھے خالق کے ہاں ذلیل کر دیں اور مخلوق کے نزدیک بلند کر دیں ۔

اب لیں کعب (۳۰۱)الاحبار رضی اللہ عنہ کو تو روایت ہے کہ انہوں نے کہا :
(ص۱۳۷) کوئی شخص اس وقت تک آخرت کا شرف حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ مدح و ثنا کو ناپسند نہ کرے اور اللہ کی خاطر لوگوں کی ملامت حاصل نہ کرے ۔

کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : بندہ حج اور جہاد کا کامل اجر اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ تکلیف پر صبر نہ کرے ۔
حارثہ(۳۰۲) رضی اللہ عنہ ۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :
جو شخص ایسے بندۂ خدا کو دیکھنا چاہے جس کے دل کو اللہ نے نور ایمان سے منور کر رکھا ہو وہ حارثہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے ۔

ابوھریرہ(۳۰۳) رضی اللہ عنہ : ثعلبہ بن مالک فرماتے ہیں : میں نے دیکھا کہ ابوھریرہ ایندھن کا ایک گٹھا اٹھائے ہوئے ہیں وہ ان دنوں مروان بن حکم کی طرف سے امیر(۳۰۴) مقرر کئے گئے تھے اور انہوں نے مجھے کہا : اے ابومالک کے بیٹے اپنے حاکم کیلئے راستہ چھوڑ دو۔ میں نے کہا : خدا تمہارا بھلا کرے ، کوئی دوسرا اسے اٹھا سکتا تھا مگر پھر بھی انہوں نے وہی الفاظ کہے : اے ابومالک کے بیٹے اپنے امیر کیلئے راستہ چھوڑ دو ۔

روایت ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو رونے لگ گئے ۔ کسی نے کہا : آپ کیوں رو رہے ہیں ؟ جواب دیا : بیابان کی دوری ، زاد راہ کا نہ ہونا ، یقین کی کمزوری اور دشوار گزار گھاٹی ہے جہاں سے اترے تو یا جنت میں گئے یا جہنم میں ۔

ابوھریرہ فرماتے ہیں : میں نے رات کے تین حصے کر رکھے ہیں ۔ ایک تہائی نماز کے کیلئے ، ایک تہائی سونے کیلئے اور ایک تہائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی احادیث یاد کرنے کیلئے۔

انس (۳۰۵) بن مالک رضی اللہ عنہ : انس فرماتے ہیں :
قیامت کے دن جو لوگ سب سے پہلے حوض (کوثر) پر وارد ہوں گے وہ دبلے پتلے لوگ ہوں گے جو رات چھاتے ہی غمناک ہو جاتے ہیں ۔

عبداللہ بن(۳۰٦) عمر رضی اللہ عنہ : یہ فرمایا کرتے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے عہد میں ہم مسجد کے سوا کہیں نہ سوتے تھے اور ہم تھے بھی کنوارے ۔ اس وقت ہمارا نہ کوئی مسکن تھا اور نہ پناہ لینے کی جگہ ۔
ان ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ فرمایا :

تم ایسے لوگوں کے سوا جن کی دینداری پر تمہیں اعتماد ہو کسی سے دوستی نہ کیا کرو ۔

آپ فرمایا کرتے : تم اپنا کھانا پرہیزگار اور پاک صاف آدمی کے سوا کسی کو نہ کھلایا کرو اور خود بھی پرہیزگار اور پاک و صاف آدمی کے سوا کسی کا کھانا نہ کھایا کرو۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : ابن آدم پر وہ اشیاء مسلط کر دی گئیں جن سے وہ ڈرتا ہے اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور سے نہ ڈرتا ہوتا تو اللہ بھی اس پر کسی کو مسلط نہ کرتا ۔

حذیفہ بن (۳۰۷) الیمان رضی اللہ عنہ : روایت ہے کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا :

میرے لئے سب سے زیادہ پرسکون دن وہ ہوتا ہے جس دن میں گھر آؤں تو گھر والے میرے پاس کسی چیز کی ضرورت کی شکایت کریں ۔

ان ہی کا قول ہے : بہت سی خواہشات جو محض ایک گھڑی کے لئے ہوتی ہیں، انسان کو طویل غم میں مبتلا کر دیتی ہیں ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک دعوت میں بلایا گیا اور انہوں نے وہاں ایرانیوں کا سا لباس دیکھا لہذا واپس چلے آئے اور کہا : (ص۱۳۸) جو شخص جن لوگوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے اس کا شمار پھر ان ہی میں ہوتا ہے ۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ : سعید بن المسیب رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے احد کے دن یوں دعا کی :
خدایا ! میں تجھے قسم دے کر کہتا ہوں کہ میں دشمنوں سے ملوں اور جب ملوں تو وہ مجھے قتل کرکے میرا پیٹ چاک کریں پھر ناک ، کان وغیرہ کاٹ ڈالیں اس کے بعد جب تجھے ملوں اور تو مجھ سے پوچھے تجھے کیوں قتل کیا گیا اور میں جواب دوں : تمہاری خاطر۔

سعید کہتے ہیں : چنانچہ یہ دشمن کے سامنے گئے اور انہوں نے انہیں قتل کر ڈالا

اور ان سے اسی طرح کیا گیا جیسا کہ انہوں نے دعا میں کہا تھا ۔

صفوان(۳۰۸)بن محرز المازنی رضی اللہ عنہ : یہ کہا کرتے تھے : میں اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہوں اگر روٹی مل جاتی ہے تو کھا لیتا ہوں۔ خدا اس دنیا کو دنیا والوں کی طرف سے بری جزا دے ۔ جب تک زندہ رہے یہی کہتے رہے۔

ابوفروہ رضی اللہ عنہ : یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں سے تھے ۔ بنی سلیم کے آزاد کردہ غلام تھے ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ یہ ایک میل تک سفر کر گئے مگر اتنے عرصے میں اللہ کا ذکر نہ کیا ۔ لہذا واپس لوٹ آئے اور وہ مسافت اللہ کا ذکر کرتے ہوئے دوبارہ طے کی ۔ جب طے کر چکے تو کہا : خدایا ! ابوفروہ کو نہ بھولنا کیونکہ ابو فروہ تمہیں نہیں بھولتا ۔

ابو بکرہ(۳۰۹)رضی اللہ عنہ : یہ ایک قبر کے پاس پہنچے تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ لوگوں نے چلا چلا کر انہیں پکارا جب ہوش میں آئے تو فرمایا : جب کوئی شخص مرتا ہے یا کوئی جانور مرتاہے وہ مجھے میری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اس پر کسی نے سوال کیا :ایسا کیوں ہے ؟ جواب دیا : مجھے ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میں اس زمانے تک زندہ نہ رہوں جس میں میں نہ امر بالمعروف کر سکوں اور نہ نہی عن المنکر۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ : ان کی نسبت مروی ہے کہ ایک بار یہ رو پڑے اور ان کی بیوی بھی رو پڑی ۔ انہوں نے بیوی سے رونے کا سبب پوچھا ۔ اس نے جواب دیا : آپکو روتے دیکھ کر میں بھی رو پڑی ۔ عبداللہ نے کہا : (میں تو اس لئے رویا ہوں کہ) مجھے صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ میں جہنم پر وارد ہوں گا یہ نہیں بتایا کہ میں وہاں سے نکل کر بھی جاؤں گا یا نہیں ۔

تمیم داری رضی اللہ عنہ : بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار یہ تمام رات قیام کی حالت میں روتے رہے اور صرف یہ آیت پڑھتے رہے تاآنکہ صبح ہو گئی ۔

(۳۱۰)أم حسب الذین اجترحوا السیئات أن نجعلهم كالذین آمنوا و عملوا الصلحات سواء محیاهم و مماتهم ساء ما یحكمون

جن لوگوں نے برے اعمال کئے ہیں کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں بعینہ ان لوگوں کی طرح قرار دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کیا بلحاظ زندگی کے اور کیا بلحاظ موت کے ۔

عدی (۳۱۱) بن حاتم رضی اللہ عنہ : ان کی نسبت مروی ہے کہ وہ چیونٹیوں پر ترس

کھاتے ہوئے ان کے لئے روٹیوں کو ریزہ ریزہ کرکے ڈالا کرتے۔

ابورافع رضی اللہ عنہ : یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں عرض کیا کہ سب سے افضل کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا :
ہر وہ شخص جس کا دل کھوٹ اور حسد سے پاک ہو اور صدوق اللسان ہو (زبان کا سچا ہو) پھر عرض کیا گیا کہ مخموم القلب سے کیا مراد ہے۔
(ص۱۳۹) فرمایا : پرہیزگار اور پاک باطن جس میں نہ کدورت پائی جائے ، نہ سرکشی اور نہ حسد ، وہ خود دنیا سے دشمنی رکھے اور آخرت سے محبت۔

اس پر صحابہ نے کہا : ہم میں ابو رافع مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے سوا کوئی اور آدمی ایسا نظر نہیں آتا۔

محمد(۳۱۲) بن کعب رضی اللہ عنہ : بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا :
جب اللہ تعالی کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتے ہیں (۱) اسے دین کی سمجھ عطا کی جاتی ہے۔(۲) دنیا سے بے رخی پیدا کر دی جاتی ہے اور (۳) اسے اپنے نفس کے عیب دکھا دئے جاتے ہیں۔

زرارہ بن أوفی رضی اللہ عنہ : ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بنی قشیر کی مسجد میں نماز پڑھائی جب یہ آیت پڑھی۔
(۳۱۳)فاذا نقر فی الناقور فذلک یؤمئذ یوم عسیر
(جب سنکھ پھونکا جائیگا تو یہ بہت سخت دن ہو گا)
تو گر پڑے اور جان دے دی۔
حنظلہ (۳۱۴) کاتب رضی اللہ عنہ : روایت ہے کہ انہوں نے کہا :
ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں تھے تو آپ نے جنت اور دوزخ ہمیں اس طرح یاد دلائی گویا یہ دونوں ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جب میں گھر واپس آیا تو کسی بات پر ہنس پڑا پھر جب لوگوں سے ملا تو میں نے کہا : حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔
یہ سنکر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا : کیا بات ہے (کہ تو ایسے الفاظ کہہ رہا ہے)۔
میں نے انہیں واقعہ بتایا تو فرمانے لگے : ہم بھی ایسا کیا کرتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سنکرحنظلہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمام واقعہ ذکر کیا اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

اے حنظلہ ! اگر تمہاری حالت تمہارے گھروں میں بھی وہی رہے جو میرے پاس ہوتے ہوئے ہوتی ہے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر مصافحہ کرنے کو آئیں ۔ یا اسی قسم کے اور کوئی الفاظ فرمائے ۔ اے حنظلہ یہ وقت وقت کی بات ہے۔

(۳۱۵)لجلاج ۔ ان کی کنیت ابوکثیر ہے۔ ابوداؤد سجستانی کی کتاب میں ایسا ہی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں سے تھے۔ کیونکہ روایت ہے کہ انہوں نے کہا : میں پچاس سال کا تھا جب میں رسول اللہ پر ایمان لایا ۔ لجلاج نے ایک سو بیس سال کی عمر میں وفات پائی یہ فرماتے ہیں :

جب سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لایا ہوں میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ۔ اسی قدر کھاتا ہوں جس قدر کفایت کر جائے اور اسی قدر پیتا بھی ہوں۔

ابو(۳۱٦)جحیفہ رضی اللہ عنہ : روایت ہے کہ ان کی بیوی نے تیس درہم چھپا کر رکھے اور بھول گئیں یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا ۔ اس کے بعد اسے یاد آئے ۔ اس پر ابوجحیفہ نے اسے کہا :

اپنی(۳۱۷)عدت گزارو ۔ تم اس گھر کی بری مکین ہو ۔ اگر اس عرصے کے اندر میں مر جاتا تو میرا شمار اللہ کے ہاں خزانہ جمع کرنے والوں میں ہوتا ۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے وفات پائی اور ابھی آپکا زمانہ ہماری آنکھوں کے سامنے تازہ ہے۔ آپ نے نہ کوئی درہم ، نہ کوئی دینار ، نہ پیسہ ، نہ گندم اور نہ جو چھوڑے ۔

حکیم(۳۱۸)بن حزام رضی اللہ عنہ : روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا :

(ص۱۳۰) مجھ پر کوئی ایسا دن نہیں آیا کہ میں نے کسی حاجتمند کو یا کسی معاملہ میں مدد طلب کرنے والے کو اپنے پاس نہ دیکھا ہو (اگر ایسا دن آجاتا تو) میں اسے ان مصائب میں سے شمار کرتا جن پر میں اللہ سے اجر کی درخواست کروں ۔

اسامہ(۳۱۹)رضی اللہ عنہ : ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے ایک گھوڑا دو ماہ کی مدت دے کر خریدا ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو اس بات کا پتہ چلا تو فرمایا : اسامہ بڑی لمبی امید لگائے ہوئے ہیں ۔

بلال(۳۲۰)اور صہیب(۳۲۱) رضی اللہ عنہما : روایت ہے کہ یہ دونوں عربوں کے ایک قبیلہ کے ہاں گئے اور دونوں نے ان سے رشتہ مانگا ۔ قبیلہ والوں نے پوچھا : تم کون ہو ؟ انہوں نے جواب دیا : بلال اور صہیب ، ہم دونوں گمراہ تھے اللہ نے ہمیں صحیح راہ پر چلا دیا ، ہم غلام تھے ، اللہ نے ہمیں آزاد کیا ، ہم مفلس تھے اللہ نے ہمیں مالدار بنایا ۔ اگر رشتہ دو گے تو

ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے اور اگر انکار کر دو گے تو سبحان اللہ ۔ انہوں نے کہا : الحمد للہ تمہاری شادی کر دی جائے گی ۔ اس پر صہیب نے بلال سے کہا : تو نے جنگوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ مل کر سابقہ کارناموں کا ذکر کیوں نہ کیا ۔ بلال نے کہا : میں(۳۲۲)نے سچ کہا ،اسی سچ کہنے کی بدولت تمہاری شادی ہوئی ہے ۔

عبداللہ بن ربیعہ اور مصعب بن (۳۲۲)عمر رضی اللہ عنہما : یہ دونوں ایک دوسرے کے بھائی بنے ہوئے تھے عبداللہ فرماتے ہیں : جب میں مصعب کو دیکھا کرتا تو ان کی حالت زار دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے کیونکہ میں نے انہیں مکہ میں آسودہ حال دیکھا تھا ۔ ان کے سر پر بالوں کے چھتے تھے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ میں مدینہ کے کسی باغ میں چلا جاتا اور وہاں کھجوروں کے ایک مُدّ کے عوض رہٹ (۳۲۴) چلایا کرتا تھا اور وہ کھجوریں لا کر مصعب کو دیا کرتا تھا ۔

ایک روز مصعب بن عمر (درست عمیر ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں آئے ۔ اس وقت آپ کے پاس تھوڑا سا حیس(۳۲۵)تھا ۔ مصعب نے آدھا کھا لیا اور باقی آدھا لے جا کر عبداللہ کو دیا ۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے عبدالرحمن (۳۲۶) بن عوف اور سعد(۳۲۷) بن ربیع رضی اللہ عنہما کے مابین رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا ۔ سعد رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں ۔ انہوں نے عبدالرحمن سے کہا : آؤ ہم آپس میں مال بانٹ لیں اور میں ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں تاکہ تو اس سے نکاح کر سکے مگر عبدالرحمن اس کے لئے رضامند نہ ہوئے ۔ انہوں نے کہا : مجھے بازار کا راستہ بتادو ۔ چنانچہ وہ بازار گئے اور مال کمایا تاآنکہ قدرے کھجوریں ، گھی اور پنیر جمع کر لیا ۔

ان کے متعلق یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ہاں ایک مہمان آگیا آپ کے گھر والوں کے پاس کچھ نہ تھا ۔ اتنے میں انصار میں سے ایک شخص آپ کے پاس آ نکلا اور وہ اس مہمان کو اپنے (۳۲۸) گھر لے گیا اس کے سامنے کھانا رکھا اور بیوی سے کہا : چراغ بجھا دو ۔ خود اس طرح ہاتھ بڑھاتے رہے گویا کھانا کھا رہے ہیں تاآنکہ مہمان نے کھانا کھا لیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اسے کہا : تمہارا مہمان سے یہ برتاؤ اللہ کو بہت پسند آیا ہے اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ص۱۴۱)

(۳۲۹)و یؤثرون علی أنفسهم و لو کان بهم خصاصة

اوروں کو اپنی جان سے مقدم جانتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج کیوں نہ ہو

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے کسی ایک صحابی کو بکری کا سر ھدیہ دیا گیا تو انہوں نے کہا : میرے بھائی کو اس کی مجھ سے زیادہ ضرورت ہے لہذا انہوں نے وہ سر اس بھائی کی طرف بھیج دیا ۔ اس طرح ایک آدمی اس سر کو دوسرے کی طرف بھیجتا رہا تاآنکہ سات گھروں سے یہ سر پھر پھرا کر پھر پہلے شخص کے پاس آگیا ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ھیں :آیت ۔
و یؤثرون علی أنفسھم و لو کان بھم خصاصة
ان ھی لوگوں کے بارے میں نازل ھوئی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : صحابہ رضوان اللہ علیہم کے حالات میں اس قسم کے بہت واقعات ھیں ۔ ان میں سے ھر ایک میں وہ اوصاف جن کا ھم نے ذکر کیا ہے خصوصیت سے پائے جاتے ھیں ۔ اور مؤمنوں کو اس قسم کے افعال و اخلاق اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ قسم قسم کی عبادات انہوں نے کی ھیں ان پر عمل پیرا ھوں نیز وہ حکمت کی باتیں جو انہوں نے فرمائی ھیں ان پر کاربند ھوں۔ ھم نے بہت سی باتوں میں سے تھوڑی سی باتوں کا ذکر کیا اس سے ھمارا مقصد یہ ہے کہ ھدایت طلب کرنے والے مقصد اور مراد پر مطلع ھو جائیں اور صحابہ کے بارے میں جو احادیث ھم نے ذکر کی ھیں ان میں سے ھر ایک میں اشارہ اور لطافت پائی جاتی ہے تاکہ ان لوگوں کی خصوصیت کا علم ھو جائے ۔ اس کا بیان اور شرح بھی بعینہ اسی طرح ہے جس طرح ان لوگوں کا جن کا باب کی ابتدا میں پہلے ذکر ھو چکا ہے میری مراد اس باب سے ہے جس میں ائمہ اربعہ ، ابوبکر ، عمر ، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر ہے اور ان شاءاللہ اس کی تشریح غور و فکر کرنے والوں پر مخفی نہیں ۔

۴ ـ آداب کتاب صوفیہ

آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی کا فرمان ہے ـ
ج۸۰(۳۳۰)یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم و أهلیکم ناراً
(مومنو ! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)

(ص۱۴۲)مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو ادب سیکھاؤ اور علم پڑھاؤ تاکہ تم اس کے ذریعے انہیں دوزخ کی آگ سے بچا سکو ـ

نبی صلی اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :(۳۳۱)
بہترین چیز جو ایک والد اپنی اولاد کو عطا ـــ ـ ـکر سکتا ہے وہ حسن ادب ہے ـ

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :
اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور خوب ادب سکھایا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ فرمانا فأحسن أدبی (مجھے خوب ادب سکھایا) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو تمام انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں خاص ادب سکھایا گیا تھا ورنہ تو ہر نبی کو اللہ ہی نے ادب سکھایا ہے روایت ہے کہ کسی نے محمد بن سیرین سے سوال کیا : وہ کونسا ادب ہے جو بندے کو اللہ کے زیادہ قریب کر دیتا ہے اور بندہ کے لئے زیادہ قرب کا سبب ہو ؟

جواب دیا : اللہ کی ربوبیت کی معرفت اور اس کی اطاعت گزاری ؛ خوشی میں اس کا شکر ادا کرنا اور دکھ میں صبر کرنا ـ

حسن بن ابی الحسن بصری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا : لوگ بہت سے آداب سیکھتے ہیں ان میں سے کونسا ایسا ادب ہے جو دنیا میں زیادہ مفید اور آخرت میں زیادہ ثواب حاصل کرنے کا سبب ہو ۔

فرمایا : دین کی سمجھ حاصل کرنا کیونکہ یہ ادب متعلمین کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیتا ہے ۔ نیز مفید ترین ادب دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا ہے کیونکہ یہ تجھے رب العالمین کے قریب کر دے گا اور تیسرے یہ جاننا کہ تمہارے ذمے اللہ کے کون کون سے حقوق ہیں ۔ ان تینوں باتوں میں کمال ایمان پایا جاتا ہے ۔

سعید بن المسیب فرماتے ہیں : جس شخص کو یہ معلوم نہیں کہ اس کے ذ کون کون سے اللہ کے حقوق ہیں اور وہ اللہ کے اوامر پر کاربند نہیں ہوتا اور اس کے نوا سے اجتناب نہیں کرتا اس کا ادب سے کوئی سروکار نہیں ۔

کلثوم غسانی فرماتے ہیں : ادب کی دو قسمیں ہیں ، قولی اور فعلی لہذا جو شخص ادب میں اپنے نفس کے ساتھ نرمی برتے گا اسے عمل کا ثواب نہ ملے گا اور جو شخص اپنے فعلی آداب کے ذریعے سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے گا اللہ تعالی اسے دلوں کی محبت عطا کر دیں گے اور عیبوں کو اس سے دور ہٹا دیں گے اور اسے متعلمین کے ثواب میں سے حصہ دیں گے ۔

(۲۲۹)مروی ہے کہ ابن المبارک نے فرمایا : بہت سے علم کے مقابلہ میں ہمیں تھوڑے ادب کی زیادہ ضرورت ہے ۔

ابن المبارک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : عارف باللہ کیلئے ادب ایسی قدر ضروری ہے جس قدر مبتدی کیلئے توبہ ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ادب فقراء کا سہارا ہے اور مالداروں کیلئے زینت ۔

ادب کے اعتبار سے لوگوں کی مختلف حالت ہوتی ہے اور ان کے تین گروہ ہیں ۔ اہل دنیا ، اہل دین اور تیسرے اہل دین میں سے مخصوص لوگ ؛ اہل دنیا کے آداب یہ ہیں : فصاحت و بلاغت ، (ص۱۴۳)علوم کا حفظ کرنا ، بادشاہوں کے قصے کہانیاں ،اشعار عرب اور مختلف قسم کی صنعتوں کا جاننا ۔

مگر جو لوگ اہل دین ہیں ان کے بیشتر آداب وہ ہیں جو نفس کو سدھانے ، جوارح کو مؤدب بنانے ، باطن کو پاک کرنے ، حدود (خداوندی) کی حفاظت کرنے ، نفسانی خواہشات

کو ترک کرنے ، مشتبہ امور سے اجتناب کرنے (تمام دنیا سے یکسو ہو کر) اللہ کی عبادت گزاری کرنے اور نیک کام کرنے میں جلدی کرنے کیلئے ہوتے ہیں ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کے بارے میں حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا :
جس نے اپنے نفس کو آداب کے ساتھ مغلوب کر لیا وہ شخص اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرے گا ۔

ان ہی کا قول ہے : ان لوگوں نے اللہ کے احکام بجا لانے کیلئے اللہ ہی سے مدد چاہی لہذا یہ اللہ کے ادب پر ڈٹے رہے ۔

کہا جاتا ہے : افضل ترین ادب توبہ اور نفس کو نفسانی خواہشات سے روکنا ہے
کسی صوفی سے نفس کے آداب کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

نفس کا ادب یہ ہے کہ تو اسے نیکی کی شناخت کرائے اور نیک کام کرنے پر ابھارے اور بدی کی شناخت کرائے اور برے کام کرنے سے اسے باز رکھے ۔

کہا جاتا ہے کہ ادب اشیاء کا کمال ہے لہذا پاک و صاف ادب انبیاء اور صدیقین کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اہل دین میں سے مخصوص لوگوں کے بیشتر آداب یہ ہیں :

دلوں کو پاک رکھنا ، اپنے باطن پر نگاہ رکھنا ، عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کی پاسداری کرنا ، وقت کی محافظت کرنا ،(۳۳۳)خواطر ، عوارض ، بوادی اور طوارق کی طرف توجہ نہ کرنا ، ظاہر و باطن کا یکساں ہونا ، طلب کے موقعہ پر اور قرب (الہی) کے مقام پر حسن ادب کا خیال رکھنا اور (بارگاہ رب العزت کی) حضوری ، قرب اور وصال کے وقت بھی ایسا ہی کرنا ۔

(۳۳۴)میں نے (۳۳۵)احمد بن محمد بصری رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جلا جلی (۳۳۶) البصری سے سنا :

توحید ایک ایسا موجب ہے جو ایمان کو واجب کر دیتا ہے لہذا جس کا ایمان نہیں اس کی توحید بھی نہیں اور ایمان ایک ایسا موجب ہے جو شریعت کو واجب قرار دیتا ہے ، لہذا جس کی شریعت نہیں اس کا نہ ایمان ہے اور نہ توحید ؛ اور شریعت ایک ایسا موجب ہے جو ادب کو واجب قرار دیتا ہے لہذا جس کا ادب نہیں اس کی نہ شریعت ہے نہ ایمان اور نہ توحید ۔

ابوالعباس بن عطا رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ادب فی نفسہ کیا چیز ہے ؟
فرمایا : مستحسن امور پر ڈٹا رہنا ۔
پھر سوال کیا گیا : مستحسنات پر ڈٹا رہنے سے کیا مراد ہے ؟
فرمایا :یہ کہ تو ظاہر و باطن میں اللہ سے ادب کے ساتھ معاملہ رکھے لہذا جب تمہاری یہ کیفیت ہو جائے گی تو تو ادیب ہو گا خواہ تو عجمی کیوں نہ ہو ۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا :

اذا نطقت جاءت بکل ملاحة وان سکتت جاءت بکل جمیل(۲۲۹)

جب بولتی ہے تو ہر طرح کی نمکین باتیں کرتی ہے اور اگر چپ رہتی ہے تو ہر قسم کی خوبصورتی پیش کرتی ہے ۔

(ص۱۴۳)شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مختصر یہ کہ صوفیہ کے ہاں سفروحضر میں کچھ آداب ہیں کچھ اوقات و اخلاق کے آداب ہیں ، سکون و حرکت کے آداب ہیں اور یہ لوگ اور لوگوں کے مقابلہ میں ان آداب کے ساتھ خصوصیت رکھنے میں معروف ہیں اور ان ہی کی بدولت یہ لوگ اپنے ساتھیوں اور ہم جنسوں کے ہاں معروف و مشہور ہیں اور ان ہی کی وجہ سے انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی ہے اور ان ہی آداب کی وجہ سے سچے اور جھوٹے کے درمیان اور مدعین اور محققین کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے ۔ ہم نے ہر باب میں ان کے آداب کا کسی قدر بیان دے دیا ہے مگر ہم نے ہر باب کو اختصار سے بیان کیا ہے تاکہ غور کرنے والے ان پر غور کریں اور ان پر مطلع ہو جائیں ۔ انشاءاللہ تعالی ۔

۲ ۔ باب

وضوء اور طہارت کے متعلق ان کے آداب

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وضوء اور طہارت کے سلسلے میں پہلا ادب جس کی ضرورت پڑتی ہے وہ علم کی جستجو ، اس کا سیکھنا ، فرائض اور سنن کا جاننا اوران

امور کا جاننا ہے جو مستحب ہیں نیز وہ امور جو مکروہ ہیں ، جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کی طرف دعوت دی گئی ہے اور فضیلت حاصل کرنے کے لئے جن کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور ان تمام امور کی تفصیل کا علم صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب ہم اسے سیکھیں ،کسی سے پوچھیں ، جستجو کریں اور اس کے حاصل کرنے کا اہتمام کریں تاکہ ہم بڑی احتیاط سے اور کتاب و سنت کے مطابق احسن اور اتم امر کی تابعداری کرتے ہوئے اس علم کو حاصل کر سکیں مگر اس کے ساتھ ہی ہم ان لوگوں کو برا نہ کہیں اور نہ دل سے ان لوگوں کو برا سمجھیں جو زیادہ احتیاط اور زیادہ شدت کے ساتھ ان پر عمل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کو رخصت پر عمل کرنا اسی طرح محبوب ہے جس طرح عزمیت پر عمل کرنا۔ صوفیاء کے علاوہ دیگر لوگوں کو کئی ایک مشاغل اور سبب ہوتے ہیں جن کے لئے انہیں دوڑ دھوپ اور اہتمام کرنا پڑتا ہے لہذا اگر یہ لوگ رخصت اور ان امور پر عمل پیرا ہوں جن میں ہمیں وسعت دی گئی ہے تو ان کا عذر معقول ہو گا۔ مگر متصوفہ اور وہ لوگ جو اسباب دنیا کو ترک کر چکے ہوتے ہیں اور انہیں کوئی (دنیاوی) مشغلہ بھی نہیں ہوتا اور انہوں نے اپنے نفس کو عبادت اور زہد کیلئے (ص۱۳۵)فارغ کر رکھا ہوتا ہے اگر یہ لوگ گناہ سے نہ بچتے رہیں ، اپنے آپکو پاک نہ رکھیں ؛ کامل اور پورا وضوء کرنے میں اہتمام نہ کریں اور طہارت اور نظافت کے سلسلے میں احتیاط اور کمال کو پکڑے نہ رہیں تو ان کا عزر قبول نہ ہو گا۔ لہذا جس شخص کا صرف یہی شغل ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ان امور میں اپنی استطاعت کے مطابق اپنی کوشش صرف کر دے۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ؛

(۲۲۸)فاتقوا اللہ ما استطعتم

اللہ سے ڈرو جتنا ممکن ہو

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جو ہر نماز کیلئے تازہ وضوء کرتے ہیں اور نماز کا وقت ہونے سے پہلے ہی تازہ وضوء کر لیتے ہیں تاکہ وضوء سے فارغ ہوتے ہی نماز کیلئے کھڑے ہو جائیں۔

اس سلسلے میں ان کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خواہ سفر میں ہوں خواہ حضر میں ہر وقت باوضو رہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ معلوم نہیں کب موت آجائے ،اس لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۲۲۹)فاذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعةً ولا يستقدمون

اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر اچانک موت آجائے تو یہ دنیا سے با وضوء

ہونے کی حالت میں جائیں

میں نے حصری رحمہ اللہ (۳۷۱ھ) کو فرماتے سنا : بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں رات کے وقت بیدار ہو جاتا ہوں مگر جب تک اٹھ کر تازہ وضوء نہ کروں مجھے دوبارہ نیند نہیں آتی ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ باوضوء ہو کر سوتے تھے پھر جب بیدار ہوتے تو (نیند کی وجہ سے)ان کا وضوء ٹوٹ چکا ہوتا تھا اس لئے نیا وضوء کرتے ۔ انہوں نے یہ اپنا دستور بنا رکھا تھا کہ جب سوئیں تو باوضوء سوئیں ۔

ایک بہت بڑے شیخ وسوسہ وضوء میں مبتلا تھے لہذا وہ وضوء کیلئے بہت سا پانی بہایا کرتے ۔ میں نے انہیں یوں فرماتے سنا :

ایک رات میں عشاء کی نماز کیلئے تازہ وضوء کر رہا تھا اور پانی بہائے جا رہا تھا تاآنکہ آدھی رات گذر گئی مگر پھر بھی دل کو تسلی نہ ہوئی اور وسوسہ بھی دور نہ ہوا لہذا میں رو پڑا اور کہا : خدایا مجھے معاف کر دو ۔ اس پر غیب سے ندا آئی اے فلاں ! معافی علم کے اندر ہے ۔ اس کی مراد یہ تھی کہ علم کو استعمال کرو ۔ یہی معافی ہے ۔

ابونصر فرماتے ہیں : یہ ابوعبداللہ الرودباری (۳۶۹ھ) کا (۳۳۰)واقعہ ہے کہا جاتا ہے کہ شیطان انسان کے تمام اعمال میں سے اپنا حصہ لینے کی کوشش کرتا ہے لہذا اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ اپنا حصہ اس طرح لے کہ انسان امر مأمور میں کچھ زیادہ کر دے (ص۱۳۶) یا اس طرح کہ کچھ کم کر دے ۔

ابن الکرنبی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے اور یہ جنید رحمہ اللہ کے استاد تھے ۔ کہ ایک رات وہ جنبی ہو گئے اس وقت انہوں نے ایک گاڑھا اور موٹا مرقعہ پہن رکھا تھا جس کی ایک آستین اور کپڑے کے ٹکڑے جعفر خلدی کے پاس (۳۳۱) تھے اور اس آستین میں چند رطل تھے ۔

شیخ فرماتے ہیں :ابن الکرنبی رات کے وقت دریا کے کنارے پر گئے اس وقت سخت سردی پڑ رہی تھی ۔ سردی کی وجہ سے ان کے نفس نے پانی میں داخل ہونے سے سرکشی کی مگر وہ مع مرقعہ کے پانی میں گھس گئے اور اسی طرح پانی میں غوطے لگاتے رہے اور پھر نکل آئے اور کہا میں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ جب تک یہ مرقعہ میرے بدن پر ہی نہ خشک ہو جائے گا اسے نہ اتاروں گا چنانچہ وہ مرقعہ ایک ماہ کے بعد سوکھا ۔ ان کا اس سے مقصد

اپنے نفس کو ادب سکھانا تھا کیونکہ اس نے اللہ کے اس حکم کی کہ جنابت سے غسل کیا جائے سرکشی کی تھی -

سہل بن عبداللہ اپنے مریدوں کو حکم دیا کرتے کہ خوب پانی پیو اور زمین پر کم گراؤ ۔ آپ فرمایا کرتے کہ پانی میں حیات پائی جاتی ہے اور اس کی موت یہ ہے کہ اسے زمین پر گرا دیا جائے ۔ ان کا خیال تھا کہ کثرت سے پانی پینے سے نفس کمزور ہو جاتا ہے ، نفسانی خواهشات مر جاتی ہیں اور طاقت کمزور پڑ جاتی ہے -

ابوعمرو الزجاجی (م۳۴۸ھ) کئی سال مکہ میں مقیم رہے مگر قضاء حاجت کیلئے حرم سے باہر نکل جایا کرتے تھے اور یہ تقریباً میل کا فاصلہ ہے ۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے ۔ یہ حرم کے حدود میں قضاء حاجت نہیں کرتے تھے ۔ تیس سال تک ان کا یہی حال رہا ۔

ابراهیم خواص رحمہ اللہ جب جنگل میں جاتے تو اپنے ساتھ صرف پانی کا ایک لوٹا لے جاتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ اس میں سے کم پانی پیتے ، وضوء کیلئے پانی بچا رکھتے ان کے نزدیک پانی سے وضوء کرنا پیاس کے وقت پانی پینے سے بہتر تھا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ دریا کے کنارے پر جا رہے ہوتے تھے پھر بھی اپنا چھاگل پانی سے بھرا رکھتے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات پیشاب کی سخت ضرورت پڑ جاتی ہے اور لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے دریا کے کنارے پر پیشاب کرنے کیلئے بیٹھنا اور ستر کھولنا ممکن نہیں ہوتا لہذا اگر ان کے پاس چھاگل یا کوزہ (ص۱۴۷) ہوتا تو وہ کنارے سے ہٹ کر علیحدگی میں چلے جاتے تو یہ ان کیلئے زیادہ بچاؤ کی بات ہوتی ۔

پیشاب کرتے ہوئے زیادہ ملنے کو یہ لوگ ناپسند کرتے کیونکہ اس سے رگیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان پیشاب کو روک نہیں سکتا اور اس سے شدید تقطیر بول کا مرض لاحق ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح پیشاب کا روکنا بھی پسند نہیں کیا جاتا ہاں اگر کمیاب ہو یا کوئی اور مجبوری ہو تو پھر مکروہ نہیں ۔

اور میں طہارت کے بعد تہمد کے مقابلہ میں پاجامہ پہننا زیادہ پسند کرتا ہوں البتہ قضاء حاجت کیلئے تیاری کے وقت تہمد کا اتارنا نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے ۔ ہر وہ لباس جسے خنزیر کے بالوں سے سیا جائے خواہ کم ہو خواہ زیادہ اور خواہ گیلا ہو یا خشک اس کے پہننے سے پرهیز کریں ۔ اسی لئے تو صوفیاء جوتا پہننا پسند کرتے ہیں ۔

اور کہا جاتا ہے کہ جب تو کسی صوفی کو دیکھے کہ اس کے پاس نہ لوٹا ہے اور نہ کوئی کوزہ تو سمجھ لو کہ اس کا ارادہ نماز ترک کرنے (۲۳۲)اور ستر کھولنے کا ہے خواہ وہ یہ بات مانے یا نہ مانے۔

میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا ہے جو عبادت گزار لوگوں کی ایک جماعت میں کچھ عرصہ رہا اور وہ سب کے سب ایک ہی گھر میں رہتے تھے مگر کسی نے اسے بیت الخلا کو جاتے ہوئے یا آتے ہوئے نہیں دیکھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنا ایک طریقہ بنا رکھا تھا اور اس بات کی عادت ڈال رکھی تھی کہ ایک مقررہ وقت پر قضاء حاجت کیلئے جائے اور وہ ایسا وقت ہوتا جب بیت الخلاء میں کوئی نہ ہوتا تاکہ اسے کوئی بھی بیت الخلاء کو جاتے ہوئے یا آتے ہوئے نہ دیکھ سکے۔

میں نے ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے صرف قضاء حاجت کے وقت ہوا خارج کرنے کی عادت ڈالی ہوئی تھی اور وہ اس وقت یا تو جنگل میں ہوتا یا ایسی جگہ ہوتا جہاں خلوت ہو۔

ابراهیم خواص رحمہ اللہ مکہ سے تنہا نکلتے اور کوفہ پہنچ جاتے مگر اس تمام عرصے میں انہیں مٹی سے تیمم کرنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ وہ جو پانی پینے کیلئے ساتھ رکھتے اسے وضوء کیلئے محفوظ رکھتے۔

شیوخ میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو ضرورت کے سوا حمام میں جانا پسند نہیں کرتے تھے اگر انہیں مجبور ہو کر حمام میں جانا ہی پڑتا تو اس وقت وہاں جاتے جب وہاں کوئی اور نہ ہوتا اور جب تک حمام کے اندر رہتے اپنا تہمد نہ کھولتے اور حمام والوں کو اپنے بدن کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتے اور جو وہ مانگتے دے دیتے تاکہ وہ انہیں وافر پانی دیں مگر پھر انہیں اپنے قریب نہ آنے دیتے۔ اگر یہ اکھٹے ہو کر جاتے تو ایک دوسرے کا بدن مل دیتے۔ اور اگر حمام میں (۲۳۳) ان کے علاوہ کوئی اور شخص بھی ہوتا تو یہ اپنا منہ دیوار کی طرف کئے رکھتے تاکہ ان کی نگاہ ان کے ستر پر نہ پڑے۔

صوفیاء میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اپنے کسی ساتھی کو حمام میں تہمد کے بغیر داخل نہ ہونے دیتے تھے۔

بغل کے بالوں کا نوچنا اور موئی زہار کا مونڈنا ان کے ہاں مستحب امر ہے اگر کسی کو مونڈنا نہ آتا ہو تو اسے چاہئے کہ علیحدگی میں اپنے ہاتھ سے بال اڑانے والا پوڈر استعمال کر لے۔

جیسا کہ مجھے علم ہے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کے مرید ایک دوسرے کا سر مونڈا کرتے تھے ۔

(۳۳۵)میں نے عیسی قصار رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا : سب سے پہلے شبلی رحمہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے میری مونچھیں تراشیں ۔ میں ان کا خادم تھا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک جماعت نے اتباع سنت کی غرض سے سر کی مانگ نکالنا پسند کیا ہے ۔ نوجوانوں کے لئے (۳۳۶) یہ مکروہ ہے اور بوڑھے کیلئے اچھی بات ہے بشرطیکہ وہ سنت پر عمل کرنا چاہتے ہوں ۔

ایک صوفی فرمایا کرتے : فرض کرو کہ فقر اللہ کی طرف سے ہے ۔ مگر میلا کچیلا رہنا کہاں کی سنت ہے ۔

صوفیاء کے نزدیک محبوب ترین امور یہ ہیں ، صاف ستھرا رہنا ، پاک رہنا ، کپڑے دھونا ، مسواک کرتے رہنا ، ایسے مقام پر پڑاؤ ڈالنا جہاں جاری پانی ہو ، وسیع فضاء ہو ، ان مسجدوں میں اترنا جو آبادی سے ایک طرف ہوں ، خلوت میں رہنا ، ہر جمعہ کے دن غسل کرنا خواہ موسم گرما ہو یا سرما ، عمدہ خوشبو لگانا ، بہترین خوشبو جاری پانی ہے ، ہمیشہ غسل کرتے رہنا ، تازہ وضو کرنا ، اچھی طرح وضو کرنا ۔

اگر کوئی شخص پاکیزگی کی خاطر زیادہ کوشش سے کام لے مثلاً یہ کہ (قضاء حاجت کیلئے) دور نکل جائے ، جاری پانی کی تلاش کرے ، اس پانی کو استعمال نہ کرے جو متغیر ہو چکا ہو ، پاک جگہوں کی تلاش کرے ، ظاہری اعضاء کو اچھی طرح ملنا اور باطنی اعضاء اور وہ مقام جہاں شکن پڑتے ہوں یا آپس میں مل جاتے ہوں وہاں تک پانی پہنچانے کا خیال رکھنا ، نتھنوں میں پانی ڈالنا ، تمام اعضاء پر پانی گزارنا خواہ غسل میں ہوں خواہ وضوء میں وغیرہ وغیرہ یہ سب امور وسوسہ میں شمار نہیں ہوتے ۔ اور پرہیز کرنا اور پاک و صاف رہنا اس وسوسے میں شامل نہیں جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس لئے کہ یہ تمام امور اللہ تعالی کے اس حکم کے تحت آتے ہیں ۔

(۳۳۷) فاتقوا اللہ مااستطعتم

جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو

جس وسوسے سے شریعت نے منع کیا ہے وہ وسوسہ ہے جو تجھے علم کی حدود سے باہر لے جائے مثلاً یہ کہ تو فرائض کو چھوڑ کر فضائل میں لگ جائے یا یہ کہ تو علم کے خلاف کرے اور تو ان لوگوں کی نماز کو باطل قرار دے جو ایک مد پانی سے وضو کرتے ہیں اور

ایک صاع سے غسل کرتے ھیں ۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ بندہ ھر موقعہ پر وہ کام کرے جو اس موقعہ کے زیادہ مناسب ھو ۔ لہذا جب پانی میسر آجائے تو احتیاط کی خاطر اچھی طرح وضو کرے یہاں تک کہ اسے اطمینان ھو جائے اور جب باافراط پانی نہ ملے تو پھر بہتر یہی ہے کہ نیا وضو اور طہارت تھوڑے سے پانی ھی سے کرے ۔ جیسا کہ حدیث میں مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب وضو کیا کرتے تو مٹی تر نہ ھونے پاتی تھی ۔

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ھیں : میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے اس کے چہرے پر زخم تھا اور بارہ سال تک مندمل نہ ھوا تھا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کیلئے پانی مضر تھا مگر پھر بھی وہ شخص ھر نماز کیلئے وضو کرنا ترک نہ کرتا تھا ۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے جس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا ۔ لوگوں نے اس کے علاج کیلئے ایک طبیب کو بلایا اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی رقم خرچ کی ۔ طبیب نے کہا کہ اس کو چند دنوں کیلئے پانی استعمال نہ کرنا چاھیئے اور گدی کے بل لیٹے رھنے کا حکم دیا ۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا اور اپنی بینائی کے جاتے رھنے کو پسند کیا مگر وضو اور طہارت کو ترک کرنا پسند نہیں کیا اور یہ بزرگ ابو عبداللہ الرازی المقری تھے (۲۳۸) ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم بن اوھم کو اسہال کی شکایت ھو گئی ۔ چنانچہ رات بھر میں ستر سے زیادہ بار انہیں قضاء حاجت کیلئے اٹھنا پڑا ۔ وہ ھر بار تازہ وضو کرتے اور دو رکعت نماز ادا کرتے ۔

ابراھیم خواص کی موت کرے کی جامع مسجد میں پانی کے اندر واقع ھوئی ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں پیٹ کی بیماری لگی ھوئی تھی ۔ لہذا قضاء حاجت کے بعد پانی میں گھس کر اپنا بدن دھوتے ۔ ایک بار بدن دھونے کی عرض سے پانی میں داخل ھوئے تو وھیں ان کی روح پرواز کر گئی ۔ ۔

وضو اور طہارت کے متعلق صوفیاء میں سے اھل صفوت کے جو آداب ھیں اس وقت مجھے اسی قدر ذھن میں آئے ھیں ۔ وباللہ التوفیق ۔

باب ۔ ۳

نماز کے بارے میں ان کے آداب کا ذکر

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ھیں : اب لیجئے ان کے ان آداب کو جو نماز کے بارے میں ھیں تو پہلا ادب یہ ہے کہ نماز کے متعلق جو مسائل بھی ھیں ان سب کا علم ھو مثلاً ۔ نماز کے فرائض سنن ، آداب فضائل اور نوافل کا جاننا وغیرہ ۔ علماء سے اکثر پوچھتے رھنا اور ان مسائل کو

کرید کرید کر دریافت کرنا جن کی ضرورت رهتی ہے اور جس سے کسی مسلمان کو غافل نہیں رهنا چاهیئے ، کیونکہ نماز دین کا ستون ہے ، عارفوں کی آنکھوں کا قرار ، صدیقین کی زینت اور مقربین کا تاج ہے ، نماز کا مقام دراصل خدا سے اتصال کا مقام ہے ، قرب ، هیبت ، خشوع ، خشیت ، تعظیم ، وقار ، مشاهده ، مراقبه ، اسرار ، اللہ سے مناجات ، اللہ کے حضور میں کھڑے ہونے ، اللہ کی طرف متوجه ہونے اور ماسوا سے اعراض کرنے کا مقام ہے۔

اب رهے عوام الناس تو انہیں اپنے علماء کی تقلید کرنی چاهیئے ـ انہیں اپنے فقہاء سے دریافت کرتے رهنا چاهیئے اور ان کے اقوال پر اعتماد کرنا چاهیئے ـ مثلاً ایسے امور جن کے کرنے کی اجازت ہے یا وسعت دے دی گئی ہے ، یا علماء نے فتوی دیا ہوا ہے یا ایسی تاویلات جن کے متعلق اللہ نے وسعت دے رکھی ہے ـ

لیکن جو لوگ اهل تصوف میں سے هیں یا وہ ایسے خاص لوگ هیں جنہیں عوام کے مقابله میں امتیاز حاصل ہے اور وہ پیشه وری کو ترک کرنے اور مخلوق سے تعلقات منقطع کرنے کی وجه سے ان سے کناره کش ہوتے هیں اور اللہ عزوجل هی کے ہو لیتے هیں اور اللہ والے ہونے کی وجه سے لوگوں میں معروف ہوتے هیں یا وہ اللہ کی طرف منسوب ہوتے هیں ان کیلئے اس بات کی اجازت نہیں که وہ آداب صوفیه سے پیچھے هٹے رهیں یا یه که نماز کے احکام کے بارے میں اهتمام کرنا ، ان کی خاطر تکلیف اٹھانا ، عمدگی سے ادا کرنا ، نماز کے فرائض و سنن کے احکام ، نماز کے فضائل ، نوافل اور آداب کیلئے تکلیف اٹھانا چھوڑ دیں ـ اس لئے که ان لوگوں کا تو اس کے سوا کوئی اور کام هی نہیں ہے ـ ان کیلئے یه بھی مناسب نہیں که کسی اور بات کا نماز سے بڑھ کر اهتمام کریں ـ چنانچه اس سلسلے میں پہلا ادب یه ہے که وہ وقت سے پہلے هی نماز کی تیاری کر رکھیں تاکه اول وقت جسے شریعت میں پسند کیا گیا ہے ان سے چھوٹنے نه پائے اور یه اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب انہیں نماز کے اول وقت کا علم ہو ـ اور وہ علم اور پہچان کے بغیر ایسا نه کر سکیں گے ـ نیز انہیں زوال کے وقت اور اس بات کا علم ہونا چاهیئے که هر وقت و آن میں اور هر ملک میں زوال کے سایه کی کیا مقدار ہوگی ـ نیز یه بھی علم ہو که هر هر وقت پر کتنے قدموں کا زوال ہونا چاهیئے اور اس میں کس قدر کمی یا بیشی ہوگی ـ اور اگر اس کے پاس کوئی پیمانه نه ہو تو وہ اس کا حساب اپنے قد کی مقدار سے لگا سکے ـ اسے یه معلوم ہونا چاهیئے که کس مقام پر (زوال کا وقت) اس کے قد کے سایه جتنا ہوگا اور وہ اس کا حساب اپنے قدموں سے لگائے ـ اسی طرح صوفی کو ستاروں ، قمر کی منزلوں ان کے طلوع و غروب اور منازل قمر سے هر ستارے کے طلوع ہونے کی باری کے متعلق کسی

قدر واقفیت ہونی چاہیئے تاکہ جب رات کے وقت وہ ستاروں کی طرف دیکھے تو اس پر یہ بات مخفی نہ ہو کہ رات کا کس قدر حصہ گذر چکا ہے اور کس قدر حصہ ابھی صبح ہونے میں باقی ہے۔ اسے قطب اور دیگر ستاروں کے جاننے کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ جن کے ذریعے وہ قبلہ کا پتا چلا سکے اور اسی وقت یہ صحیح طور پر معلوم ہو سکے گا جب وہ اس کی کوشش کرے گا اور اسے ہر شہر کی سمت کا بھی علم ہوگا یہاں تک کہ اسے یہ بھی معلوم ہو کہ شہر کعبہ سے کس جہت میں واقع ہے۔ یہ بات اسے صرف اس صورت میں صحیح طور پر معلوم ہو سکتی ہے جبکہ وہ مکہ میں رہنے کے زمانہ میں اس کا پتا چلاتا رہتا ہو اور جب اسی شہر کی طرف لوٹ کر آئے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ مکہ سے کس سمت میں واقع ہے اور یہ کہ وہ شہر جب قطب ، جدی اور فرقدان کے بالمقابل آئے گا تو کہاں ہوگا۔

رہے سیارات تو صوفی کیلئے ان کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ شب کے وقت سفر کرتے ہوئے وہ صحیح راہ پاسکے کیونکہ بعض اوقات وہ جنگل میں ہوگا یا سمندر کا سفر کر رہا ہوگا اس وقت اسے ان امور کی ضرورت محسوس ہوگی۔

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں : صادق کی علامت یہ ہے کہ جنوں میں سے کوئی نہ کوئی جن اس کا تابع ہو تاکہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو وہ اسے اس کیلئے اکسائے اور اگر سویا ہوا ہو تو بیدار کر دے۔

بعض صوفیاء نے رات اور دن میں کچھ اوراد مقرر رکھے ہوتے ہیں مثلاً عبادت ، ذکر اور تلاوت قرآن اور انکا یہ وطیرہ مدت سے چلا آتا ہے یہاں تک کہ یہ ان کی عادت بن چکی ہوتی ہے لہذا یہ کہیں بھی ہوں خواہ دن ہو خواہ رات انہیں اس میں غلطی نہیں لگتی۔

اب رہے نماز میں داخل ہونے کے وہ آداب جو نماز کی تیاری کر لینے اور اول وقت شروع ہو چکنے کے بعد آتے ہیں اور جب اس نے نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کر لیا ہو تو وہ یہ ہیں : نیت (۳۵۰) کے ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہنا اس طرح کہ نیت نہ تو تکبیر سے پہلے اور نہ تکبیر نیت سے پہلے ، دونوں بیک وقت ہوں۔

جنید رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : ہر چیز کا ایک بہترین حصہ ہوتا ہے اور نماز کا بہترین حصہ پہلی تکبیر ہے۔ مراد یہ ہے کہ تکبیرۂ اولی وہ تکبیر ہے جو نیت سے متصل ہوتی ہے اور اس کے بغیر نماز ہی جائز نہیں ہوتی اور نیت یہ ہے کہ تو ارادہ کرے کہ تمہاری نماز اللہ عزوجل کیلئے ہے لہذا جب صحیح ارادہ ہو گا تو پھر اس کے بعد جو باطل باتیں تمہاری نماز کے اندر گھس آئیں گی ان سے تمہاری نماز تو فاسد نہ ہو گی البتہ اس کی فضیلت میں ضرور کمی واقع ہو جائے گی اور نماز کیلئے تمہارا عہد اور نیت کافی رہ جائے گی۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : نیت اللہ کے ساتھ ہوتی ہے اللہ کیلئے ہوتی ہے اور اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو آفات بندے کی نماز میں نیت کر لینے کے بعد داخل ہوتی ہیں وہ دشمن (شیطان) کی طرف سے ہوتی ہیں اور صرف یہی دشمن کا حصہ ہے اور یہ حصہ خواہ کتنا زیادہ کیوں نہ ہو اس نیت کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ کے ساتھ، اللہ کیلئے اور اللہ کی طرف سے ہو خواہ یہ کس قدر کم ہی کیوں نہ ہو۔

ابوسعید فراز رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا : نماز میں کیسے داخل ہونا چاہئے ؟

فرمایا : تو اللہ کی طرف اس طرح (۳۵۱) متوجہ ہو جس طرح تو اس کی طرف قیامت کے دن متوجہ ہو گا اور جس طرح تو اس وقت اللہ کے حضور میں کھڑا ہو گا اور تیرے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو گا ، اللہ تمہاری طرف متوجہ ہو گا اور تو اس سے مناجات کر رہا ہو گا اور تجھے علم ہو گا اور تجھے یہ بھی معلوم ہو گا کہ جس کے حضور میں تو کھڑا ہے وہ ایک عظیم الشان شہنشاہ ہے کسی عارف سے دریافت کیا گیا : تکبیر اولی کیسے کہنی جائے

(ص ۱۵۳)فرمایا : جب تو اللہ اکبر کہے تو اللہ کے الف کے تلفظ کے ساتھ ہی تمہارے ذہن میں ہو کہ اللہ عظیم ہے اور لام کا تلفظ کرتے ہوئے تمہارے ذہن کے اندر اس کی ہیبت ہو اور ھاء کہتے ہوئے مراقبہ اور قرب الٰہی کا خیال ہو۔

ایک اور صوفی کا قول ہے جب تو تکبیر اولی کہے تو یہ جانتے ہوئے کہے کہ اللہ تعالی تمہارے وجود کو دیکھ رہا ہے اور تمہارے دل کی باتوں کو جانتا ہے اور نماز کے اندر تو یوں خیال کرتا رہے کہ جنت تمہاری دائیں جانب ہے اور دوزخ تمہاری بائیں جانب۔

نماز کے آداب میں سے ایک یہ ادب ہے کہ جب بندہ نماز میں داخل ہو تو پھر اس کے دل میں اس اللہ کے سوا جس کے حضور میں وہ کھڑا ہے کوئی اور چیز نہیں ہونی چاہئے تاکہ وہ اللہ کے کلام کو پہچان سکے اور ہر آیت کا ذوق و فہم اخذ کر سکے کیونکہ اسے نماز کے اسی قدر حصے کا ثواب ملے گا جس قدر وہ سمجھ کر ادا کر رہا ہے۔

ابوسعید خراز اپنی کسی کتاب میں نماز کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

جب پہلی تکبیر کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھائے اس وقت تمہارے دل میں اللہ کی کبریائی کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی تکبیر کے وقت تمہارے نزدیک اللہ سے کوئی چیز بڑی ہونی چاہئے یہاں تک کہ تو اللہ کی کبریائی کے خیال میں (اس قدر محو ہو جائے) کہ دنیا اور آخرت دونوں کو بھول جائے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابوسعید خراز رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اللہ اکبر کہے تو پھر اس کے دل میں اللہ کے سوا کوئی اور چیز موجود ہو تو وہ اللہ اکبر کہنے میں سچا نہ ہو گا۔

اس کے بعد جب وہ قرآن کی تلاوت کرنے لگے تو ادب یہ ہے کہ وہ اپنے دل کے کانوں سے یوں مشاهده کرے جیسے وہ اس کلام کو خود اللہ سے سن رہا ہے یا یوں سمجھے کہ وہ خود بڑھ کر کلام اللہ کو سنا رہا ہے۔

ابوسعید خراز فرماتے ھیں : اس ادب میں اھل فہم کیلئے بہت بڑا علم ہے۔

اور جب رکوع کرے تو اس کا ادب یہ ہے کہ تو بدن کو سیدھا(۲۵۲) کھڑا رکھے مگر کمر کو جھکا دے اور عاجزی کرے یا بن طور کہ یوں ہو جیسا اس کا جوڑ جوڑ عرش کی جہت میں نصب کیا ہوا ہے اس کے بعد وہ سبحان ربی العظیم کہے اور اس کے دل میں کوئی چیز بھی اللہ سے عظیم تر نہ ہو اور اپنے نفس کو چھوٹا سمجھے یہاں تک کہ وہ غبار سے حقیر تر ہو جائے۔

پھر جب سر اٹھائے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو یوں سمجھے کہ اللہ اس کے الفاظ سن رہا ہے۔

پھر جب سجدہ میں جائے تو اس میں اس کا ادب یہ ہے کہ سجدے کے اندر اس کے دل میں کوئی چیز اللہ سے زیادہ اس کے قریب نہ ہو کیونکہ سجدے کی حالت میں بندہ اللہ سے قریب ترین ہوتا ہے لہذا بندے پر واجب ہے کہ وہ اپنی زبان سے اللہ تعالی کو ہر قسم کی ضد سے منزہ جانے اور اس کے دل میں اللہ سے بڑھ کر نہ کوئی بزرگ ہو نہ طاقتور، اور اسی کیفیت پر اپنی نماز مکمل کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے دل میں اس قدر خوف اور ھیبت طاری ہو کہ وہ قریب ہو کہ غم سے گھل جائے۔ نماز کے اندر اس کی سب سے بڑی مشغولیت یہی ہو کہ وہ نماز میں مشغول ہے تاکہ وہ نماز کی حالت میں اس ذات کے سوا جس کے حضور میں وہ کھڑا ہے کسی اور چیز کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

تشہد اور دعا کی حالت میں بھی اس کی یہی کیفیت ہونی چاھئے نیز جب وہ سلام پھیر رہا ہو، ان تمام حالات میں وہ جو کچھ کہہ رہا ہو اسے سمجھ رہا ہو اسے معلوم ہو کہ وہ کیا خطاب کر رہا ہے کس سے مخاطب ہے تاآنکہ وہ اسی عہد پر جس پر نماز میں داخل ہوا تھا نماز سے خارج ہو۔

یہ وہ آداب ھیں جو مجھے ابوسعید خراز کی کتاب میں ملے ھیں۔

میں نے ایک جماعت کو دیکھا ہے کہ وہ لمبی نماز پڑھنا ناپسند کرتے تھے اور ھلکی نماز ادا کرنے کو پسند کرتے تھے تاکہ پیشتر ازاں کہ انھیں نماز کے دوران وسوسہ پیدا ہو نماز سے فارغ ہو جائیں اور جب نماز سے فارغ ہوں تو اسی نیت اور ارادے پر ہوں جسے لے کر وہ نماز میں داخل ہوئے تھے۔

۴ ۔ آداب نماز کے متعلق ایک اور فصل

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : ایک ادب تو یہ ہے کہ جب بندہ نماز کے وقت سے

پہلے ہی نماز کے آداب بجا لا رہا ہو تو وہ ایسا ہے کہ جیسا وہ نماز ہی میں ہے اس کا اٹھ کر نماز کی حالت میں آنا ایک ایسی حالت سے اٹھنا ہو گا جس کے بغیر نماز ہی نہیں ہو سکتی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کے ہاں نماز سے پہلے یہ آداب ہیں ، مراقبہ ، خواطر اور عوارض سے دل کی نگہبانی کرنا ۔ نیز اس بات کی نگرانی کرنا کہ ذکراللہ کے سوا دل پر کسی اور کے ذکر کا خیال ہی نہ آئے ۔ لہذا جب وہ حضور قلب سے نماز کیلئے کھڑا ہو گا تو ایسا ہو گا گویا وہ نماز ہی سے اٹھ کر نماز کی طرف آیا ہے اور جس نیت اور عہد سے وہ نماز میں داخل ہوا تھا وہ بدستور اسی پر قائم ہے اور نماز سے خارج ہو کر وہ پھر اسی حضور قلب ، نگہداشت قلب اور مراقبہ کی حالت کی طرف لوٹے گا گویا وہ ابھی (ص۱۰۵) تک نماز ہی میں ہے اگرچہ درحقیقت نماز میں نہیں ۔

یہ نماز کا ادب ہے ۔

مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہے نماز ہی کے اندر ہوتا ہے ۔

یہی وہ ادب ہے جس کی نمازی کو نماز کی حالت میں ضرورت ہوتی ہے نیز اس وقت بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے جب وہ نماز سے پہلے نماز کے انتظار میں ہو ، جیسا کہ میں نے تمہارے سامنے بیان کر دیا بشرطیکہ یہ بات تمہاری سمجھ میں آگئی ہو ۔ ان شاءاللہ تعالی ۔

میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالی کی ہیبت کی وجہ سے ان کا چہرہ پہلی تکبیر پر ہی سرخ و زرد ہو جاتا ہے ۔

میں نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جو رکعتوں کی تعداد یاد نہ رکھ سکتا تھا لہذا وہ کسی ایک مرید کو پاس بٹھا لیتا جو شمار کرتا رہتا کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دل کی نگہبانی کرتے رہتے تاکہ وہ اس عہد پر ثابت قدم رہیں جس کے ساتھ وہ نماز میں داخل ہوئے ہیں لہذا انہیں خدشہ رہتا کہ کہیں انہیں غلطی نہ لگ جائے اس لئے کہ انہیں پتا ہی نہ رہتا کہ انہوں نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں ۔ اسی لئے وہ اس شخص کی مدد لیتے جو رکعتوں کو شمار کرتا رہتا تاکہ انہیں رکعتوں کے بارے میں یقین ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی ہیں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی بھی سکت نہ تھی مگر جب نماز کا وقت آتا تو ان کی قوت لوٹ آتی اور اٹھ کر میخ کی طرح محراب میں کھڑے ہو جاتے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو پھر سے پہلی کمزوری کی حالت میں آجاتے اور اپنی جگہ سے اٹھ نہ سکتے تھے ۔

میں نے ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا ہے جو جنگل میں تنہا سفر کیا کرتا اور اپنے اوراد کو کبھی نہ چھوڑتا تھا مثلاً نوافل ، تہجد ، فضائل اور سنتیں اور وہ آداب جنہیں وہ حضر میں بجا لایا کرتا تھا اور وہ کہا کرتا کہ سفروحضر میں صوفیاء کے حالات یکساں ہونے چاھئیں ۔

میرا ایک بھائی تھا جو ایک ھی مقام پر رھتا اور وھیں مرید اس کی صحبت میں رھتے اس کی عادت تھی کہ جب کوئی چیز کھاتا تو اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کرتا اسی طرح پانی پیتا تو اٹھ کر دو رکعت نماز ادا کرتا ، کپڑا پہنتا تو یہی کرتا مسجد میں داخل ہوتا تو یہی کرتا اور جب نکلنے کا ارادہ کرتا تب بھی یہی کرتا ، جب خوش ہوتا یا غمناک ہوتا یا غصے میں ہوتا تو اٹھ کر دو رکعتیں ادا کرتا ۔

ھمارے مریدوں میں کچھ لوگ (ص۱۵٦) ابوعبداللہ بن جابان کی صحبت میں سفر کو جا رہے تھے ان کے متعلق انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ جنگل میں ایک میل تک چلے جاتے اور اپنی باری سے جانور پر سوار ہونے کا ارادہ کرتے تو دو رکعت ادا کئے بغیر سوار نہیں ہوتے تھے ۔

صوفیاء کے آداب میں سے یہ بھی ایک ادب ہے کہ یہ مکہ اور دیگر شہروں میں امامت کرنا اور صف اول میں نماز ادا کرنا پسند نہیں کیا کرتے تھے اور نہ ھی لمبی نما ز پڑھنا پسند کرتے ۔ امامت تو اس لئے کہ خواہ ان میں کوئی شخص حافظ قرآن کیوں نہ ہوتا پھر بھی یہ لوگ اس شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا پسند کرتے جو سورۂ فاتحہ اور کوئی اور سورت اچھی طرح ادا کر سکتا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : امام ضامن ہوتا ہے ۔

اور صف اول میں نماز نہ پڑھنا اسلئے ہےکہ لوگ مزاحمت کرکے پہلی صف میں نماز ادا کرنا چاھتے ھیں کیونکہ حدیث میں صف اول میں نماز ادا کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے ۔ مگر ان لوگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایثار کرتے ہوئے اس ثواب کو اوروں کیلئے رھنے دیں مگر جب جگہ خالی ھو تو پھر وہ صف اول کی فضیلت کو غنیمت جانتے ھیں ۔ —

رھا نماز کا لمبا نہ کرنا تو جسقدر نماز لمبی ہوگی اسی قدر لغزشیں اور وسوسے بھی زیادہ ہوں گے ۔ اور اعمال کو صحیح طور پر ادا کرنے میں مشغول ہونا کثرت اعمال اور لمبی نماز سے بہتر ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی نسبت مروی ہے کہ آپ کی نماز بہت ھی ھلکی ہوتی مگر کامل ہوتی میں نے ابن علوان کو فرماتے سنا : جنید رحمہ اللہ باوجود بڑھاپے اور

ضعف کے نماز کے اوراد یعنی نوافل کا ادا کرنا ترک نہ کرتے تھے ۔

کسی نے اس کے متعلق آپ سے سوال کیا تو فرمایا : وہ حالت جس کی بدولت میں ابتدا ھی میں اللہ تک پہنچ گیا ھوں اسے میں اب اس آخری وقت میں کیسے چھوڑ سکتا ھوں۔

نماز میں ان کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ نماز کے حصے ھیں ، محراب میں ھوتے ھوئے دل کا حاضر رھنا اور خدائے وھاب کے حضور میں عقل کا حاضر رھنا اور شکوک و شبہات سے خالی ھو کر دل سے خشوع و خضوع کرنا اور ارکان بدن کا نگہداشت کے بغیر ھی عاجزی (ص۱۵۸) کرنا ۔ کیونکہ حضور قلب کے وقت پردے اٹھ جاتے ھیں اور عقل کے حاضر رھنے سے عتاب اٹھ جاتا ہے اور دل کے خشوع کے ھوتے ھوئے دروازے کھل جاتے ھیں اور ارکان بدن کے خضوع سے ثواب حاصل ھوتا ہے ، لہذا جو شخص حضور دل کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتا وہ غافل نمازی ہے اور جس نے حضور عقل کے بغیر نماز پڑھی وہ نسیان کار نمازی ہے اور جس نے خشوع قلب کے بغیر نماز ادا کی وہ خطا کار نمازی ہے اور جس نے اعضاء بدن کی عاجزی کے بغیر نماز ادا کی وہ جفاکار نمازی ہے اور جس نے ان تمام امور کو مکمل کیا وہ پورا پورا نمازی ہے ۔

نماز کے بارے میں ان کے یہ وہ آداب ھیں جو اس وقت میرے ذھن میں آئے ھیں ۔ و باللہ التوفیق ۔

۵ ۔ باب

زکوٰۃ اور صدقات کے متعلق صوفیاء کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں :اب صوفیاء کے ان آدا ب کو لیں جو زکوٰۃ کے متعلق ھیں ۔ تو(پہلی بات تو یہ ہے کہ)اللہ تبارک و تعالی نے ان پر زکوٰۃ فرض ھی نہیں کی اس لئے کہ حق سبحانہ نے انہیں اس قدر مال ھی دیا ھوتاجس پر زکوٰۃ اور صدقہ فرض ہو جائے۔

مطرف (۳۵۳) بن عبداللہ بن الشخیر کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : اللہ تعالی کی مجھ پر یہ نعمت کہ اس نے مجھے دنیا کی چند چیزوں سے محروم کر

رکھا ہے عظیم تر ہے بمقابلہ ان چیزوں کی نعمت کے جو اس نے مجھے عطا کر رکھی ہیں -

اہل تصوف کا یہی حال ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی ان پر یہ نعمت کہ اس نے ان کو دنیا کی چند چیزوں سے محروم کر رکھا ہے ان چیزوں کی نعمت کے مقابلہ میں عظیم تر ہے جو اس نے انہیں عطا کر رکھی ہیں - بایں طور کہ اگر اللہ نے دنیا کی بہت سی چیزیں انہیں عطا کر رکھی ہوتیں (تب بھی یہ ان کے نزدیک کوئی بڑی نعمت نہ ہوتی) -

(۲۵۴)اسی سلسلے میں ایک صوفی نے جو اہل دنیا میں سے تھا کہا ہے :

(۳۳۵)و ما وجبت علی زکوٰۃ مال وهل تجب الزکواۃ علی کریم

مجھ پر کبھی بھی مال کی زکواۃ واجب نہیں ہوئی بھلا سخی شخص پر کبھی زکواۃ واجب ہو سکتی ہے

(۱۵۸)یہ شخص اس بات پر فخر کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مجھ پر زکوٰۃ کبھی فرض ھی نہیں ہوئی اس کی مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے پاس مال رہنے ھی نہیں دیا کہ جمع ہو کر اس قدر ہو جائے کہ اس پر زکواۃ واجب ہو سکے -

مجھے(۲۵۵)ابراھیم بن شیبان رحمہ اللہ کے متعلق یہ خبر ملی ہے کہ ان کی ملاقات شبلی رحمہ اللہ سے ہوئی - ابراھیم لوگوں کو ان کے پاس جانے ، ان کے پلس کھڑا ہونے اور ان کا کلام سننے سے منع کیا کرتے تھے - ابراھیم نے امتحان کے طور پر شبلی رحمہ اللہ سے سوال کیا : پانچ اونٹوں پر کس قدر زکواۃ واجب ہو گی -

جواب ملا : درحقیقت صرف ایک بکری واجب ہے مگر جو کچھ ہم پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ تمام اونٹ صدقہ میں دے دئے جائیں - ان کی مراد یہ تھی کہ جس مذھب کا ہم دعوی کرتے ھیں وہ تو یہ ہے -

یہ جواب سنکر ابراھیم نے کہا : اس حکم کے بارے میں تم اکابر میں سے کسی کی مثال پیش کرو -

شبلی نے جواب دیا : ابوبکر صدیق میرے لئے اس حکم میں پیشوا ھیں - انہوں نے اپنا تمام مال دے دیا تھا - تو نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا تھا : تو اپنے اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑ کر آیا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب میں عرض کیا تھا : اللہ اور اللہ کا رسول -

یہ جواب سن کر ابراھیم رحمہ اللہ شبلی رحمہ اللہ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے اور

اس کے بعد کسی کو ان کے پاس جانے سے نہیں روکا۔

زکوٰۃ کے بارے میں صوفیاء کی ایک جماعت کے یہ آداب ہیں :

وہ زکوٰۃ کا مال نہیں کھاتے ، نہ مال زکوٰۃ مانگتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے زکوٰۃ کا مال قبول کر لینا جائز قرار دیا ہے اور اگر وہ مال زکاۃ کھا لیں تو یہ ان کے لئے حلال و طیب ہو گا ، مگر وہ ایسا نہیں کرتے تاکہ دیگر فقراء کو اپنی ذات پر ترجیح دیں اور کمزور لوگوں کی راہ میں حائل نہ ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ جب کبھی کوئی محمد بن منصور کو جو ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ علیہما کے مرید تھے زکوٰۃ یا صدقہ یا کفارہ یمین (قسم کا کفارہ) کا مال دیتا یا ان کے پاس اس قسم کی کوئی چیز لائی جاتی اور انہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس قسم کا مال ہے تو وہ نہ تو خود لیتے اور نہ ہی اپنے فقراء مریدوں میں تقسیم کرتے دیتے اور فرماتے : جو بات میں اپنی ذات کیلئے پسند نہیں کرتا وہ میں اپنے ساتھیوں کیلئے بھی پسند نہیں کرتا ۔ اور اگر ان کے پاس کوئی چیز لائی جاتی اور انہیں اس بات کا علم نہ ہوتا کہ صدقہ یا زکوٰۃ کی چیز ہے تو لے لیتے ۔ اور اس میں سے کھا بھی لیا کرتے ۔

مگر دیگر صوفیاء اس قسم کے امور میں فراخی دینے کے قائل نہیں وہ اپنے ہاتھ حرص اور سوال کیلئے نہیں بڑھاتے اور نہ ان چیزوں کی طرف بڑھاتے ہیں جن میں ان پر احسان پایا جاتا ہو ۔ خواہ وہ سوال کے بغیر کیوں نہ حاصل ہوئی ہو پھر بھی اس سے پرہیز کرتے ۔

مجھے ایک صوفی بھائی کے متعلق خبر ملی ہے کہ وہ اپنے فقراء بھائیوں بالفاظ دیگر فقراء صوفیہ پر ہر سال ایک ہزار دینار خرچ کیا کرتے اور قسم کھا کر کہا کرتے کہ انہوں نے ان پر ایک درھم بھی زکوٰۃ کے مال میں سے خرچ نہیں کیا اور نہ ہی انہیں دیا ہے ۔ میں نے اس شخص کو خود دیکھا ہے ۔

ابوعلی مشتولی(۲۵۶)رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صوفیاء پر اس قدر مال خرچ کیا کرتے کہ مصر کے تاجر بھی حیرت زدہ ہو جاتے اور کہتے ہمارے سارے مال مل کر بھی ان تمام اخراجات کو پورا نہیں کر سکتے ۔ کہا جاتا ہے کہ ابوعلی مشتولی رحمہ اللہ پر کبھی زکوٰۃ واجب نہ ہوتی تھی ۔

میں نے مشائخ صوفیہ میں سے ایک جلیل القدر صوفی کو کہتے سنا :(ص۱۵۹)
میری ایک مالدار شخص کے ساتھ گہری دوستی تھی اور میرے دل میں اس کی

محبت اور تعظیم تھی ۔ جب زکواۃ نکالنے لگتا یا صدقہ تقسیم کرنے لگتا تو مجھے یاد کرتا ۔ اس سے اس کی تمام محبت میرے دل سے نکل جاتی ۔

میں نے ایک مشہور امام کے رقعہ میں جو انہوں نے ایک صوفی فقیر کی طرف لکھا تھا دیکھا ہے اس میں یوں لکھا تھا :

بھائی میں نے تمہاری طرف ایک چیز بھیجی ہے جو نہ تو زکواۃ کے مال میں سے ہے اور نہ خیرات اور(اسے قبول کر لینے میں)آپ پر اللہ کے سوا کسی کا احسان بھی نہیں ہے لہذا میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ اسے قبول فرما کر مجھے مسرور کریں ۔

مگر جو مال بغیر طمع اور سوال کے حاصل ہوا ہو اور نہ ہی اس کی طرف دل لگا ہوا ہو اور وہ ہو بھی ایسے لوگوں کی طرف سے جو نہ تو صوفیا کو جانتے ہیں اور نہ ان کے احوال کے مدعی ہیں ، نہ ان سے ان کی نشست و برخاست ہے اور نہ ان کے اصول سے واقف ہیں تو ایسی حالت میں اسے رد کرنا مناسب نہ ہوگا ۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی :

جو مال بغیر سوال کے اور بغیر اس کے کہ تمہارا دل اس کی طرف لگا رہا ہو اللہ تجھے دیں اسے لے لو اور رد نہ کرو کیونکہ اس صورت میں تو اللہ کی عطا کردہ چیز کو رد کر رہا ہو گا ۔

اب جب وہ اسے رد نہیں کرتا اور لے لیتا ہے تو اسے اختیار ہے کہ اگر خود کھا لے تو یہ اس کیلئے حلال و طیب ہو گا اور اگر وہ کسی ایسے شخص کو دے دیتا ہے جس کے متعلق اسے علم ہے کہ وہ اس کا اس سے زیادہ حقدار ہے تو یہ بھی اچھی بات ہو گی ۔

میں نے ابوبکر محمد بن داؤد دقی کو فرماتے سنا : ابوبکر فرغانی کا نام ان مساکین کے زمرے میں لکھا ہوا تھا جنھیں ماہ رمضان میں وظیفہ ملا کرتا تھا ۔ وہ ہر رات وظیفہ لے لیتے اور جا کر اپنی ایک پڑوسن بڑھیا کو دے دیتے ۔ اس عورت کا نام ان وظیفہ لینے والوں میں نہ تھا ۔

کسی ایک صوفی کا قول ہے : جو شخص اللہ سے لیتا ہے عزت کے ساتھ لیتا ہے اور جو غیر اللہ کی خاطر لیتا ہے وہ ذلیل ہو کر لیتا ہے ۔ جو اللہ کی خاطر نہیں لیتا تو عزت کے ساتھ ایسا کرتا ہے اور جو غیر اللہ کی خاطر نہیں لیتا وہ ذلت سے ایسا کرتا ہے اور جس نے لینے اور دینے میں اپنے تصوف کی بنیاد کسی اور حیز پر رکھی تو وہ سخت خطرے میں ہوگا ۔ اللہ کو معلوم ہے کہ کون صائب ہے اور کون خطاوار ۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ۔ جو شخص اللہ کی خاطر لیتا ہے اللہ کی خاطر دیتا ہے اور اللہ کی خاطر ترک کرتا ہے اس کی

سچائی اس بات سے معلوم ہوگی جب اس کے نزدیک عطیہ دینا اور نہ دینا ، تکلیف کی زندگی اور راحت کی زندگی یکساں ہوں ۔

صوفیاء کا ایک گروہ ہے جو زکواۃ اور صدقات کو ہدیہ ، ہبہ ، ایثار اور غمخواری پر (ص۔۱٦۰) ترجیح دیتا ہے ۔ یہ لوگ کہتے ہیں ۔ اللہ تعالی نے مالداروں کے مال میں فقراء کا حق مقرر کر رکھا ہے لہذا جب ہم لیتے ہیں تو اپنا وہی حق لیتے ہیں جو اللہ نے ہمارے لئے مقرر کر رکھا ہے لہذا اسے نہ لینا بے معنی بات ہے ۔ اور یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ جو چیز اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے لئے اختیار کر رکھی ہے اسے چھوڑ کر ہم کسی اور چیز کو اختیار نہ کریں گے ۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ زکواۃ اور صدقہ نہ لینا ایک طرح کی اکڑ ہے اور اس سے مراد فقر کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا ہے ۔

اس سلسلے میں ابومحمد مرتعش رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار وہ اپنے مالدار تاجر مریدوں کی مجلس میں تھے کہ ان کی نظر ایک شخص پر پڑی جس کے پاس کچھ روٹیاں تھیں جو وہ مسکینوں اور سائلوں میں تقسیم کر رہا تھا ۔ مسکین اور بھکاری اس پر لپک رہے تھے راوی کہتا ہے کہ یہ دیکھکر مرتعش اپنے مریدوں میں سے اٹھ کر اس شخص کی طرف گئے اور ایک روٹی لے کر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھے ۔ کسی نے ان سے ان کے اس فعل کے متعلق سوال کیا تو فرمایا : مجھے اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نہ اٹھوں اور روٹی نہ لوں تو میرا نام فقراء کے رجسٹر سے خارج نہ کر دیا جائے ۔

مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

مالدار ، طاقتور اور صحیح و سالم بدن والے انسان کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں لہذا جن لوگوں نے صوفیہ کیلئے زکواۃ اور صدقہ کا لینا ناپسند کیا ہے وہ اسی حدیث کی بنا پر ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

مالداری یہ نہیں کہ کسی کے پاس بہت سا اسباب دنیا ہو مالداری تو نفس اور دل کی مالداری ہے ۔

لہذا یہ لوگ اگرچہ دنیاوی اسباب کے اعتبار سے فقیر ہیں مگر مالداروں سے بھی زیادہ غنی ہیں کیونکہ ان کی مالداری تو اللہ عزوجل کے ساتھ ہوتی ہے ۔

ہمارے اس قول کی تائید میں بیان کیا جاتا ہے کہ علی بن سہل اصبہانی رحمہ اللہ نے کہا ہے ، جس شخص نے اس خیال سے ہمارے مریدوں کو کچھ دیا کہ وہ فقیر ہیں تو اس کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ یہ لوگ تو اللہ کی مخلوق میں مالدار ترین لوگ ہوتے ہیں ۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان :

لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرّة سویّ

(مالدار ، صحیح البدن اور طاقتور انسان کیلئے صدقہ لینا جائز نہیں)

کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ ایک معین صدقہ تھا جو اپاہجوں ، مریضوں اور آفت زدہ لوگوں کیلئے مخصوص تھا کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان :

انما الصدقات للفقراء والمساکین (سورۃ توبہ :٦٠)

(صدقات صرف فقراء اور مساکین کیلئے ہیں ۔)اور اللہ نے اس پر غیر فقیر کی شرط نہیں لگائی اور فقیر کے اصلی معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو مزید برآں فقیر کے پاس تو اخلاق ، احوال ، فضائل اور اسرار ہوتے ہیں ۔

کہا جاتا ہے لفظ ،،فقر،، فقارالظہر (مہرهائے پشت) سے ماخوذ ہے اور ان ہی مہروں سے پشت قائم رہتی ہے ۔ لہذا جب یہ ٹوٹ جائے اور کمزور پڑ جائے اور اسے قائم رہنے کیلئے دوسروں کا محتاج ہونا پڑے تو اسے فقیر کہیں گے کیونکہ اسے اپنی کمزوری اور کھڑا رہنے کیلئے اوروں کا محتاج بننا پڑتا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

ص١٦١)اور جن لوگوں نے صدقہ قبول کرنا اس لئے ناپسند کیا ہے کہ صدقہ کو لوگوں کی میل کچیل کہا گیا ہے تو واضح ہو کہ یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ صدقہ ،صدقہ کنندہ کے بوجھ اور گناہ جھاڑ دیتا ہے اگر صدقہ و زکواۃ لینا فقراء کیلئے معیوب ہوتا یا اس میں ان کی بے عزتی پائی جاتی کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہے تو یہی بات ان لوگوں کیلئے بھی معیوب ہوتی ہے جو صدقات وصول کرنے کیلئے مقرر کئے گئے ہوتے ہیں نیز ان لوگوں کیلئے جو مؤلفۃ القلوب ہیں یا مقروض ہیں یا مجاهد ہیں یا مسافر ۔

دنیا میں جس شخص کے پاس کوئی چیز بھی نہیں اور مال نہ ہونے کی وجہ سے وہ صدقات کی فضیلت سے محروم ہو تو اللہ نے اس کے لئے اقوال و افعال کا صدقہ مقرر کر دیا ہے جن کی فضیلت مالی صدقات سے کم نہیں ۔ چنانچہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

لوگوں سے مدارات کرنا بھی صدقہ میں شامل ہے اور تمہارے اپنے بھائی کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے اور یہ بھی صدقہ ہے کہ اپنے برتن میں سے کچھ اپنے بھائی کے برتن میں ڈال دے ۔

بشر بن حارث رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے :

اے اصحاب حدیث ! حدیث کی زکواۃ ادا کیا کرو ۔

کسی نے دریافت کیا : حدیث کی زکاۃ کیا ہے۔

فرمایا : ہر دو سو حدیث میں پانچ پر عمل کرنا۔

ان کی مراد یہ تھی کہ ہر ان دو سو حدیثوں میں سے جنہیں تم لکھتے اور یاد کرتے ہو۔

جس شخص پر زکواۃ واجب ہو جائے تو اس کیلئے چار باتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ درحقیقت زکواۃ ادا کرنے والا کہلا سکے۔ پہلی یہ ہے کہ اس نے بذریعہ حلال مال کمایا ہو۔ دوسری یہ کہ اس نے فخر و مباہات کی نیت مال نہ کمایا ہو اور ان لوگوں سے جو اس کے مقابلے میں کم مال رکھتے ہیں اپنی ذات کو بلند و بالا سمجھنے کی غرض سے مال جمع نہ کیا ہو تیسری یہ کہ حسن خلق اور سخاوت کی ابتدا اپنے اہل و عیال سے کرے اور چوتھی یہ کہ جن لوگوں کو زکواۃ دے ان پر نہ تو احسان جتائے اور نہ دکھ دے۔

اور زکواۃ فقراء کا حق ہے جو اللہ نے مالداروں کے مال میں سے مقرر کر رکھا ہے لہذا جو شخص انہیں مال زکواۃ دے گا وہ درحقیقت ان ہی کا مال انہیں دے رہا ہوگا۔ اس میں (زکواۃ دھندہ) تین باتوں کو حاصل کر لیتا ہے رضائے خدا ، قیامت کے روز حساب کی سختی سے رہائی اور دردناک عذاب سے نجات۔

باب ۔ ٦

روزہ اور روزے کے متعلق صوفیاء کے آداب

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : اللہ تعالی فرماتے ہیں :

الصوم لی و أنا أجزی به

روزہ میرے لئے رکھا جاتا ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تمام عبادات میں سے صرف روزے کو مخصوص کرنے کا کیا مطلب ، جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ تمام عبادات اللہ ہی کے لئے کی جاتی ہیں اور وہی ان کی جزا بھی دے گا۔ لہذا الصوم لی و أنا أجزی به سے کیا مراد ہے۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ تمام فرض عبادات میں سے روزے کو خصوصیت حاصل ہے کیونکہ دیگر فرض عبادات میں اعضا کی حرکت پائی جاتی ہے اور لوگ ان حرکات کو دیکھ سکتے ہیں ، صرف روزہ ایسی عبادت ہے جس میں اعضاء کی حرکت نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا : روزہ میرے لئے ہے۔

دوسرے معنی اللہ تعالی کے ۔ لی ۔ کہنے میں ہیں ۔ چنانچہ مقصد یہ ہے کہ صمدیت (بے نیازی) کی صفت صرف میرے لئے ہے کیونکہ ۔ صمد ۔ اسے کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو اور اسے کھانے پینے کی احتیاج نہ ہو ۔ لہذا جس نے میرے اخلاق کو اپنایا اسے میں ایسی جزا دوں گا جو کبھی کسی بشر کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی ہو ۔

نیز و أنا اجزی بہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالی نے تمام نیک کاموں پر ثواب کا وعدہ کیا ہے جو ایک سے لیکر دس گناہ تک ہوگا پھر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہوگا باستثناء روزہ دار کے اور روزہ دار صابر ہیں جن کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے ۔

انما یوفی الصابرون أجرھم بغیر حساب

(صابروں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا)

لہذا روزہ شمار کردہ نیکیوں اور ان کے ثواب سے خارج ہوا کیونکہ روزہ نام ہے نفس کا اپنی مالوف چیزوں سے پرہیز کرنے اور اعضاء کا تمام خواہشات سے رکنے کا ۔ درحقیقت اگر کوئی صابر ہے تو وہ روزہ دار ہے ۔

اسی سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : جب تو روزہ رکھے تو تمہارے کان ، تمہاری بینائی ، تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ بھی روزہ رکھیں ۔

اور یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم میں کوئی شخص روزہ رکھے تو وہ نہ تو بد کلامی کرے اور نہ فسق کی کوئی بات کرے اگر کوئی شخص اسے گالی دے تو اسے چاہیئے کہ اسے کہدے : میں روزہ دار ہوں ۔

روزے کی صحت اور روزہ رکھ کر روزہ دار کا حسن ادب یہ ہے کہ اس کا صحیح ارادہ ہو ، اپنی نفسانی خواہشات سے جدا رہے ، اپنے اعضاء کی حفاظت کرے ، کھانا پاک ہو ، دل کی نگہبانی کرے ، ہر لحظہ و ہر دم ذکر کرتا رہے ، جس رزق کا اللہ نے خود ذمہ لے رکھا ہے اس کیلئے اہتمام نہ کرے ۔ اپنے روزے کی طرف نگاہ نہ رکھے اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے خوفزدہ رہے اور اس کے ادا کرنے میں اللہ کی مدد کا طلبگار رہے مذکورہ بالا امور روزہ دار کے آداب میں سے ہیں ۔

سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پندرہ دن میں صرف ایک بار کھانا کھاتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں صرف ایک بار کھاتے ۔

میں نے اس کے متعلق کسی شیخ سے دریافت کیا تو فرمایا : وہ ہر رات صرف خالص پانی سے افطار کر لیا کرتے تھے ۔

(ص۱۶۳)ابوعبید بسری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا تو وہ گھر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے اور بیوی سے کہتے کہ ہر رات

کھڑکی میں سے ایک روٹی ڈال دیا کرے ـ پھر رمضان ختم ہونے پر ہی وہاں سے نکلتے ـ اس کے بعد جب ان کی بیوی اس کمرے میں داخل ہوتی تو دیکھتی کہ تیس کی تیس روٹیاں کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہیں ـ

رہا نفلی روزہ تو صوفیاء کی ایک جماعت ہمیشہ روزے سے ہوتی خواہ سفر میں ہوں خواہ حضر میں تاآنکہ وہ اللہ سے جا ملتے ـ روزہ رکھنے میں ان کا ادب اس حدیث کے مطابق تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : الصوم جنة (روزہ ڈھال ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کس چیز سے بچاؤ کی ڈھال ہے ـ صوفیاء اس کے معنی کے بارے میں کہتے ہیں کہ روزہ آخرت میں دوزخ سے بچاؤ کا سبب ہے اس لئے کہ اس دنیا کے اندر روزہ ان دشمنوں کے تیروں سے بچاؤ کا سبب ہے جو اسے دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور یہ دشمن یہ ہیں ـ شیطان . نفس . خواہشات دنیا اور شہوات لہذا جس نے روزے کو مسلسل اختیار کئے رکھا تو اس نے اس ڈھال کے ذریعے ان دشمنوں کی چالوں سے بچاؤ کی صورت اختیار کی تاکہ انہیں کوئی ایسا موقعہ نہ ملے کہ اس پر غالب آجائیں اور آگ میں جھونک دیں ـ

میں نے احمد بن محمد بن سنید سے جو دینور کے قاضی تھے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے رویم رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : میں دوپہر کے وقت بغداد کی ایک گلی میں سے گزرا ـ اس وقت مجھے پیاس لگ رہی تھی لہذا میں نے ایک گھر کے دروازے پر جا کر پانی مانگا ـ ایک لڑکی نے گھر کا دروازہ کھولا اور ایک نیا کوزہ ٹھنڈے پانی سے بھر کر لائی ـ جب میں اس سے کوزہ لینے لگا تو اس نے کہا : کس قدر افسوس کی بات ہے کہ صوفی ہو اور پھر دن کے وقت پانی پئے ـ اس لڑکی کے ان الفاظ سے مجھے سخت ندامت ہوئی اور عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی بھی روزہ نہ چھوڑوں گا ـ

مؤلف کتاب کہتا ہے ایک اور جماعت نے داؤد علیہ السلام کا روزہ اختیار کر رکھا ہے کیونکہ ان کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : بہترین روزہ وہ ہے جو میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا ہے وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے ـ

صوفیاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان افضل الصیام سے أشد الصیام مراد لی ہے (سخت ترین روزہ) ـ ان کے خیال میں اس طرح کا روزہ صوم دھر کے مقابلے میں زیادہ مشکل اور سخت ہوتا ہے ـ کیونکہ جب نفس ہمیشہ روزہ رکھنے کا مالوف اور عادی ہو جائے تو اس کیلئے روزہ کو ترک کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا ایسا ہے کہ اس میں نفس کو نہ روزہ رکھنے کی عادت (ص۱۶۳) پڑتی ہے اور نہ رکھنے کی ـ بھی

وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اسے سخت ترین روزہ کہا ہے۔

اس سلسلے میں سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت حکایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے: جب تمہارا شکم سیر ہو تو اس اللہ سے بھوک کا مطالبہ کرو جس نے تمہیں شکم سیری میں مبتلا کیا ہے اور جب تمہیں بھوک لگے تو اس خدا سے شکم سیری کا مطالبہ کرو جس نے تمہیں بھوک میں مبتلا کیا ہے ورنہ اگر مدت لمبی ہو گئی تو تم سرکش ہو جاؤ گے۔

ابوعبداللہ احمد بن جابان رحمہ اللہ نے پچاس سال سے زائد عرصے تک روزے رکھے، نہ سفر میں روزہ چھوڑا نہ حضر میں۔ ایک دن ان کے مریدوں نے بہت کوشش کے بعد ان سے روزہ چھڑوا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کئی دن بیمار رہے یہاں تک کہ ان سے فرض (نماز) بھی چھوٹنے کو تھی۔

لہذا جن لوگوں نے مسلسل روزہ نا پسند کیا ہے تو یہ صرف اس لئے کہ کہیں نفس اس کا عادی نہ ہو جائے کیونکہ جب نفس کسی بات سے مالوف ہو جاتا ہے اور اسے اس کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر اس کا اس بات پر قائم رہنا حظ نفس کی خاطر ہوتا ہے نہ اس کے حقوق کی خاطر۔ لہذا اس سلسلے میں ادب یہی ہے کہ انسان نفس اور اس کی مالوف چیزوں کو اکٹھا نہ کرے خواہ وہ چیز عبادت یا اطاعت گزاری ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اپنے حظوظ کی طرف مائل ہوتا ہے اور حقوق ادا کرنے میں کمزور ہوتا ہے۔ اطاعت گزاری سے اسے طبعی نفرت ہوتی ہے۔ لہذا جب اسے کسی قسم کی عبادت سے الفت ہو جائے تو جن لوگوں کو نفس کی معرفت حاصل ہے اور انہوں نے اسے آزمایا ہوا ہے اور انہیں اس کی چالوں اور فریب کاریوں کے متعلق پورا علم حاصل ہے وہ اسے متہم کرنے لگ جاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا: ایک شخص میری صحبت میں رہتا تھا وہ بہت روزے رکھا کرتا تھا اور بہت نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ مجھے اس سے تعجب ہوا مگر جب میں نے اس کے کھانے کی طرف غور سے دیکھا تو اسے غیر طیب جگہوں سے حاصل کیا ہوا پایا۔ ابراھیم فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے اسے ساری جائداد خیرات کر دینے کا حکم دیا اور اسے لے کر سفر کو نکل گیا میں اسے رزق حلال کھلاتا جو ایسے ذرائع سے حاصل کیا گیا ہوتا جن کا مجھے علم تھا اور جن ذرائع کو میں پسند کیا کرتا تھا۔ ابراھیم کہتے ہیں: جب وہ مدت تک میری صحبت میں رہا تو اس کی یہ حالت ہوگئی کہ فرض ادا کرنے کیلئے مجھے اسے کوڑے مار کر اٹھانا پڑتا۔

اب رہے صوفیاء اور مجرد فقیر جنہوں نے ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر رکھا ہوتا ہے اور وہ تمام دنیاوی اسباب کو ترک کر چکے ہوتے ہیں اور جو رزق اللہ نے ان کیلئے تقسیم کر رکھا ہو اس پر قانع رہتے ہیں اور انہیں یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ اللہ کب غیب سے انہیں روزی دے گا اور کس کے ہاتوں بھیجے گا تو ان لوگوں کے اوقات اس روزہ دار کے اوقات کے مقابلے جو اس معلوم اور معہود کھانے کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کی افطاری کیلئے تیار کیا گیا ہو زیادہ مکمل ہوں گے۔ اگر یہ فقرا روزہ رکھ لیں تو فضیلت کے اعتبار سے کوئی روزہ ان کے روزے کے برابر نہیں ہوگا۔

جن فقراء کا میں نے ذکر کیا ہے اگر وہ روزہ رکھیں تو اس روزہ رکھنے میں بھی ان کے ہاں کچھ آداب ہیں چنانچہ ان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جماعت میں سے کوئی شخص اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے کیونکہ اگر وہ روزہ رکھ لے تو اس کے ساتھیوں کے دل اس کی افطاری (مہیا) کرنے کی طرف لگے رہیں گے حالانکہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اپنے ساتھیوں کی رضامندی سے روزہ رکھ لے اور بے روزہ ساتھیوں کو کھانے کی کوئی چیز مل جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ روزہ دار ساتھی کے افطار کے وقت کا انتظار کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی ایسا ساتھی ہو جسے کھانے کی اشد ضرورت ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روزہ دار کے افطار کے وقت کوئی اور چیز انہیں بطور نذرانہ مل جائے جس (۳۵۷) سے وہ افطار کر لے۔ البتہ اگر روزہ دار کمزور ہو تو اسکی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی افطاری کے وقت تک انتظار کر لیں یا اگر وہ روزہ دار ان کا پیر ہے تو اس کی تعظیم کی خاطر ان کا انتظار کر لیں۔

روزہ دار کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنا حصہ لے کر اسے افطار کے وقت کیلئے اٹھا رکھے۔ یہ بات اس کی (باطنی) حالت کے ضعف کا سبب بنے گی۔ ہاں اگر وہ شخص کمزور ہے تو کمزوری کی بنا پر ایسا کر سکتا ہے۔

اور اگر یہ ایسے لوگ ہوں جنہیں روزہ رکھنے کی عادت ہے اور ان میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں جو روزہ رکھنے کے عادی نہیں تو ایسی صورت میں روزہ داروں کو اجازت نہیں کہ وہ بے روزہ لوگوں کو اپنی حالت کی طرف دعوت دیں۔ مگر اگر روزہ نہ رکھنے والے روزہ داروں کا ساتھ دینا چاہیں (تو کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر بھی روزہ دار کا بے روزہ لوگوں کا روزہ نہ رکھنے میں ساتھ دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ روزہ نہ رکھنے والا روزہ رکھ کر روزہ دار کا ساتھ دے تاوقتیکہ وہ شخص ان کا مرید نہیں بن جاتا۔ لہذا جب مرید بن گیا تو پھر روزہ نہ رکھنے والے کا روزہ داروں کا ساتھ دینا بہتر ہوگا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے مگر جب ان کے بھائی ان کے پاس آئے ہوتے تو پھر ان کا ساتھ دیتے ہوئے وہ بھی روزہ نہ رکھتے اور فرماتے : بھائیوں کا ساتھ دینے کی فضیلت روزہ دار کے روزہ رکھنے سے کم نہیں ۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب(۲۵۸)روزہ نفلی روزہ ہو یا اسی قسم کی کوئی اور بات کہی ہے

کہا جاتا ہے کہ جب تو کسی صوفی کو نفلی روزہ رکھنے دیکھے تو اسے متہم(۲۵۹)کرو کیونکہ اس میں دنیا کی کوئی بات پیدا ہوگئی ہے۔

اگر یہ ایسے لوگوں کی جماعت ہو جو باہم سفر میں ہوں ۔ برادرانہ طرز معاشرت ہو ۔ ہم جنس ہوں اور ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو ابھی ابھی مرید بنا ہو اور وہ اسے روزہ رکھنے کی ترغیب دلانا چاہتے ہوں تو اس صورت میں اگر یہ لوگ اس کا ساتھ نہ دیں تو انہیں اس کی افطاری کا اہتمام کرنا پڑے گا اور اس کیلئے کھانا مہیا کرنا ہوگا اور اس کی حالت کو اپنی حالت (۲۶۰) پر محمول کرنا ہوگا ۔

اور اگر ایسی جماعت ہو جن کے ساتھ ان کا پیر بھی موجود ہے تو ان لوگوں کو اپنے پیر کا ساتھ دینا ہوگا ۔ اگر پیر روزہ رکھے گا تو ان کو بھی روزہ رکھنا ہوگا اور اگر چھوڑے گا تو انہیں بھی چھوڑنا ہوگا البتہ اگر شیخ خود انہیں اس کے خلاف کرنے کا حکم دے تو پھر انہیں اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا ہوگی ۔ اس لئے کہ شیخ جانتا ہے کہ کونسی بات ان کے حال کے مناسب ہے اور کونسی نہیں ۔

ایک جلیل القدر پیر کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے اتنے سال غیر اللہ کے لئے روزہ رکھا ۔ بات یہ تھی کہ ان کی صحبت میں ایک نوجوان رہا کرتا تھا اور یہ پیر صاحب اس لئے روزہ رکھتے کہ وہ نوجوان بھی انہیں دیکھکر ان کا طریقہ اختیار کرے اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے وہ بھی روزہ رکھے ۔

میں نے ابوالحسن مکی رحمہ اللہ کو بصرہ میں دیکھا ہے ۔ یہ صائم الدھر تھے اور جمعہ کی رات کو کھانا کھاتے ۔ ان کی ہوتے ایک ماہ کی خوراک ۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے (ص۱۶۶) چار دانگ تھی ۔ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے اور کھجور کی چھال کی رسیاں بٹ کر بیچا کرتے تھے ۔ ابن سالم نے ان سے قطع تعلق کر لیا تھا اور کہتے کہ جب تک یہ روزہ رکھنا ترک نہ کرے گا اور روٹی نہ کھائے گا میں اس سے سلام بھی نہ لوں گا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے متعلق یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہ کھانا نہیں کھاتے ۔

واسط کے رہنے والے ایک شخص کے متعلق مجھے خبر ملی ہے کہ وہ کئی سال تک (مسلسل) روزہ رکھتا رہا مگر وہ ہر روز غروب آفتاب سے پہلے ہی افطار کر لیتا صرف ماہ رمضان میں غروب آفتاب کے بعد افطار کرتا ـ بعض لوگوں نے اس کے اس فعل کو ناپسند کیا کیونکہ یہ بات علم کے خلاف تھی اگرچہ یہ نفلی (۳٦۱) روزہ تھا ـ مگر ایک گروہ نے اسے پسند کیا اس لئے کہ یہ شخص بھوکا رہ کر اپنے نفس کو ادب سکھانا چاہتا تھا اور اپنے روزہ کو دیکھکر نیز اس کے ثواب کو دیکھکر جس کا اللہ تعالی نے روزہ داروں سے وعدہ کر رکھا ہے کچھ فائدہ نہ اٹھاتا تھا اور نہ ہی اس سے دل لگائے ہوئے ہوتا تھا ـ

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کے اس عمل کو ناپسند کیا ہے وہی درست کہتے ہیں ـ کیونکہ جب اس نے روزہ کی نیت کر لی تو پھر اسے اس کو پورا کرنا چاہئے اور اگر اس نے روزہ کی نیت نہیں کی تو اس کا شمار دل (۳٦۲) بہلانے والوں میں سے ہوگا نہ کہ روزہ داروں میں ـ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے ـ

شبلی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کہا : کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ تو ابدی روزہ رکھے ـ اس نے سوال کیا : یہ ابدی روزہ کیا ہوتا ہے ـ شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا : تو اپنی بقیہ عمر کو یوں سمجھے کہ یہ ایک دن ہے اور اس دن کا روزہ رکھ لے ـ

روزہ کے متعلق صوفیہ کے یہ وہ آداب ہیں جو سردست مجھے یاد ہیں ـ اور خدا ہی درست بات کی توفیق دینے والا ہے ـ

۷ ـ باب

حج کے بارے میں ان کے آداب کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حج کے بارے میں ان کا پہلا ادب یہ ہے کہ صوفی حجتہ الاسلام یعنی فرضی حج کو ادا کرنے کا اہتمام کرے اور جس طرح بھی ہو اسے حج

کیلئے جانے کا راستہ اور اس کی استطاعت ہو وہ حج کیلئے روانہ ہو جائے اور اس میں اپنی جان تک کی بازی لگا دے ۔ اسے ان رخصتوں اور وسعتوں کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے جن کا دکر علم شریعت میں آتا ہے۔ اس کیلئے یہ بھی مناسب نہیں کہ حج اسلام کو چھوڑ کر گھر میں بیٹھ رہنے کے لئے شرعی رخصتوں کو ڈھونڈے مثلا یہ کہ اس کے پاس نہ زادراہ ہے نہ سواری ۔ ہاں اگر کوئی لازمی فرض اسے حج سے روک دے تو پھر جائز ہوگا ۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

و للہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (سورۃ آل عمران : ۹۷)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے گھر کا قصد کریں یعنی وہ لوگ جنہیں وہاں تک جانے کی قدرت حاصل ہے

نیز فرمایا:

و أذن فی الناس بالحج یأتوك رجالا (سورۃ الحج : ۲۷)

(لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجئے وہ آپ کے پاس پیادہ آئیں)

تفسیر میں رجالۃ بھی آیا ہے ۔

و علی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق (سورۃ الحج : ۲۷)

(اور لاغر اونٹوں پر آئیں جو دور دراز گھاٹیاں طے کرتی ہوئی آئی ہوں)

اللہ نے پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو پیدل چل کر آئیں ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :(ص ۱٦۷)

جو شخص اسلام کا حج ادا کئے بغیر مر جائے (پھر ہمیں کیا وہ جو چاہے ہو کر مرے) خواہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی ہو کر ۔

یہی وجہ ہے کہ ان سے حج ادا کرنے کو کہنا اپنی جگہ پر موجود ہے خواہ ان کے پاس زادراہ اور سواری کا انتظام ہو یا نہ ہو ۔ کیونکہ صوفیاء کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جہاں تک فرائض کا تعلق ہے وہ اس طریقے پر عمل کرتے ہیں جس میں زیادہ احتیاط پائی جائے اور علم شریعت میں سے اسے اختیار کرتے ہیں جو زیادہ کامل ہو ۔ کیونکہ امور رخصت پر عمل کرنا تو عوام کا کام ہے اور کھلی اجازت اور تاویلات پر عمل کرنا کمزور لوگوں کا حال ہے اور یہ رخصت عوام پر اللہ کی طرف سے رحمت ہے

حج کرنے سے عوام کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ان ہی شرائط کے مطابق ہو جن کا علم فقہاء کو ہے اور ان شرائط میں تو علماء ، خواص اور عوام سب یکساں ہیں اور یہ علم ،

علم مناسک ہے ، اس کے فرائض ، سنن ، احکام اور حدود کا علم ہے۔ مگر یہاں ہمارا مقصد تو ان لوگوں کے آداب بیان کرنا ہے جن کے حج کا طریقہ وہی نہیں ہے جو عوام کا ہے۔ اور یہ لوگ تین قسم کے ہیں ۔ ایک تو وہ ہیں جو ایک بار فرضی حج ادا کرنے کے بعد بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے اوقات کی محافظت اور احوال کی نگرانی میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ یہ لوگ سلامتی چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں جو مشقت انہیں اٹھانی پڑتی ہے اس کی آزمائش میں نہیں پڑتے اور نہ ان مشکلات میں پڑنا چاہتے ہیں جو حج کے فرائض ادا کرنے ، اس کے مناسک کو پورا کرنے اور اس کے حدود کی حفاظت کرنے میں انہیں اٹھانی پڑتی ہے۔

میں نے ابن سالم کو یہ فرماتے سنا کہ سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ نے صرف ایک اسلامی حج (یعنی حج فرض) کیا ہے۔ یہ حج انہوں نے سولہ برس کی عمر میں کیا تھا : اس وقت ان کا زاد راہ بھونا ہوا جگر تھا جسے کوٹ لیا گیا تھا ۔ جب بھوک لگتی تو اس میں سے تھوڑا سا پھانک لیتے ۔

اسی طرح ابویزید بسطامی نے بھی صرف ایک اسلامی حج کیا اور جنید رحمہ اللہ نے بھی اور جلیل القدر مشائخ رحمہم اللہ نے صرف یہی حج کیا ۔

اُن لوگوں کے پاس اِس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے صرف ایک بار حج کیا تھا مشائخ صوفیہ کا ایک اور گروہ ہے۔ جنھوں نے جب دنیاوی تعلقات منقطع کر لئے ، وطن کو چھوڑا ، بھائیوں سے جدا ہوئے تو بیت اللہ الحرام اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر کی زیارت کا رخ کیا لہذا انہوں نے ریگستان ، ویران زمینوں اور چٹیل میدانوں کو سفر خرچ اور زاد راہ کے بغیر ہی طے کیا یہ نہ تو شاہراہ پر چلے اور نہ کسی رفیق کو سفر میں ساتھ لیا ، نہ میلوں کو شمار کیا ، نہ پڑاؤ کو ، نہ قیام گاہوں کی تلاش کی اور نہ گھاٹ کی ، نہ اسباب دنیا پر اعتماد کیا اور نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا ۔ پھر حج کر لینے کے باوجود ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا لہذا یہ مقامات حج کی طرف جانے کو ترک نہیں کرتے ۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔(ص۱٦۸)

و اذ جعلنا البیت مثابۃً للنّاس و أمنا (سورۃ البقرہ : ۱۲۵)

(جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کیلئے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ اور امن کا مقام بنا دیا)

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار حج کر لینے سے ان کی آرزو پوری (۳٦۳) نہیں ہوتی ۔

حج کے بارے میں ان کے آداب کا ذکر کماحقہ نہیں کیا جا سکتا ۔ البتہ ہم یہاں ان

کی کچھ حکایات جو ہمیں ملی ہیں بیان کر دیتے ہیں ان سے ان کے آداب ، ان کے صحیح ارادوں ، بلند مراتب ، احوال اور صفات کا پتا چل جائے گا ۔

میں نے احمد بن علی الوجیہی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا :

حسن قزاز دینوری رحمہ اللہ نے ننگے پاؤں اور ننگے سر بارہ حج کئے ۔ جب ان کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا تو پاؤں کو زمین پر رگڑ دیتے اور پھر چل پڑتے مگر صحیح توکل کی وجہ سے (کانٹا نکالنے کیلئے) سرنگوں نہ کرتے ۔

ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک بار بصرہ میں کھانا کھاتے ، ایک بار نباج میں اور پھر ایک بار مدینہ میں اور جب مکہ میں داخل ہوتے تو ان کے پیٹ پر موٹاپے کی وجہ سے شکن پڑے ہوتے تھے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراہیم بن شیبان نے کہا کہ ابوعبداللہ مغربی رحمہ اللہ بیابان میں جاتے تو انہوں نے ایک تہمد اور ایک سفید چادر پہن رکھی ہوتی تھی اور ان کے پاؤں میں جوتے کا جوڑا ہوتا (یوں چلتے) گویا کسی بازار میں سے جا رہے ہیں مگر جب مکہ میں داخل ہوتے اور حج سے فارغ ہوتے تو میزاب کے نیچے کھڑے ہو کر (پھر سے) احرام باندھ لیتے اور اسی احرام کی حالت میں مکہ سے روانہ ہو جاتے اور اسی حالت پر قائم رہتے تاآنکہ پھر مکہ آجاتے ۔

میں نے جعفر خلدی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے : میں نے بیابان کا سفر کیا اس وقت میں نے سفید قمیص پہن رکھی تھی اور ہاتھ میں ایک کوزہ تھا ۔ میں نے بطانیہ کے مقام پر جو ریگستان میں واقع ہے دکانیں اور تاجر دیکھے ۔ ان کے پاس بصرہ سے قافلے آتے تھے

ابراہیم خواص رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : اس ایک راستے کے علاوہ جہاں عام لوگ اور قافلے چلتے ہیں مجھے بیابان کے انیس راستے معلوم ہیں ۔ ان میں سے دو راستے ایسے ہیں جہاں سے سونا اور چاندی نکالی (۳۶۳) جاتی ہے ۔

ابراہیم خواص رحمہ اللہ کے متعلق جعفر حکایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا : میں بیابان میں ایک مقام پر اپنے تمام ارادوں کو یکجا جمع کرکے بیٹھا ہوا تھا اور میں نے کئی وقتوں کا کھانا نہیں کھایا تھا ۔ اسی حالت میں مجھے خضر علیہ السلام ہوا میں گزرتے ہوئے دکھائی دئے مگر میں نے انہیں دیکھتے ہی سر نیچا کر لیا اور آنکھیں بند کر لیں اور ان کی طرف نہ دیکھا ۔ یہ دیکھکر وہ آکر میرے پاس بیٹھ گئے تب میں نے سر اٹھایا ۔

خضر علیہ السلام نے مجھے کہا : (ص۱٦٩)اے ابراهیم اگر تو میری طرف دیکھ لیتا تو میں کبھی بھی تمہارے پاس نہ آتا ۔

ابراهیم رحمہ اللہ کے بارے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : میں ایک سال مکہ سے نکلا اور عہد کر لیا کہ جب تک قادسیہ نہ پہنچوں گا کچھ نہ کھاؤں گا ۔ جب ربذہ کے مقام پر پہنچا اور وہاں سے نکلا تو کیا دیکھ رہا ہوں کہ ایک بدوی پیچھے سے آواز دے رہا ہے مگر میں نے مڑ کر نہ دیکھا ۔ اس نے آکر مجھے پکڑ لیا ۔ اس کے ایک ہاتھ میں سونتی ہوئی تلوار تھی اور دوسرے ہاتھ میں دودھ کا ایک پیالہ تھا اور کہا :اگر یہ پیالہ نہ پیو گے تو گردن اڑا دوں گا ۔ ابراهیم کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں ششدر رہ گیا اور اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر پی لیا ۔ اور وہ واپس چلا گیا ۔ اس کے سوا مجھے کوئی اور بات دکھائی نہیں دی تاآنکہ میں قادسیہ میں داخل ہو گیا ۔

ان صوفیاء کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان سب کا ذکر نہیں کیا جا سکتا اور جس قدر ہم نے بیان کر دی ہیں وہ ان لوگوں کے لئے کافی ہیں جو ہماری مراد کو جانتے ہیں ۔

اب لیجئے صوفیاء کے تیسرے گروہ کو تو انہوں نے بھی پسند کیا کہ مکہ میں اقامت گزیں ہوں اور وہیں پناہ لیں اور وہ وہیں کے ہو رہیں کیونکہ اللہ تعالی نے اس قطعہ ارض اور اس کے مقامات کو بڑی فضیلت اور شرف عطا کر رکھا ہے نیز اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے نفس (یہاں پر مقیم ہونے سے) متنفر ہیں اور یہ کہ یہاں قیام کرنا ان کے بس کی بات نہیں کیونکہ یہ تو ایسا علاقہ ہے جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی جیسا کہ خود اللہ تعالی نے فرمایا ہے اور یہ علاقہ حجاز کا علاقہ ہے جو خواهشات اور لذات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے بالخصوص ان لوگوں کے لئے جن کی خوراک غیب سے حاصل ہوتی ہو اور رزق وہ ہو جو ان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہو اور آسائش معدوم ہو ۔ لہذا جب نفس کو یہ امور حاصل نہ ہوں تو بے چین ہونا اس کی فطرت ہے اور بندے کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ احکام الہیہ کے سامنے پر سکون رہے ۔ تب کہیں جا کر مردان (خدا) کے مقامات واضح ہوتے ہیں ۔

مکہ میں مجاور بن کر رہنے میں ان کے ہاں خاص آداب ہیں جن میں سے میں بعض کا ذکر ان حکایتوں کے دوران کروں گا جو مجھ تک پہنچی ہیں ۔

میں نے ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری الدقی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابوعبداللہ بن الجلاء اٹھارہ سال مکہ میں مقیم رہے مگر اس عرصے میں انہوں نے کوئی ایسا کھانا نہیں کھایا جو مصر سے وہاں لایا جاتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ مصر سلطانی اراضی میں سے

تھا اور قدماء وہاں کا کھانا کھانے سے پرہیز کیا کرتے تھے ۔ نیز اس کھانے سے جو وہاں سے درآمد کیا جاتا تھا (ص۱۷۰) لہذا ابن الجلاء صرف زمزم کا پانی پیا کرتے تھے ۔ وہ اسے خود اپنے چھاگل اور اپنی رسی سے نکالا کرتے تھے کیونکہ جو ڈول اور رسیاں وہاں لٹکائی ہوتی تھیں وہ بھی شاہی مال سے ہوتی تھیں ۔

ابو بکر کتانی رحمہ اللہ کی نسبت حکایت ہے کہ انہوں نے طواف کرتے ہوئے بارہ ہزار بار قرآن مجید پڑھا ۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ ابوعمرو زجاجی تیس سال تک مکہ میں مقیم رہے مگر جب حاجت ضروری پیش آتی تو قضاء حاجت کیلئے حرم سے باہر جاتے ، ہر روز تین عمرے کرتے اور تین دن میں ایک بار کھانا کھاتے اور ستر سے زائد حج کرکے وفات پائی ۔

میں نے دقی کو سنا وہ فرما رہے تھے : میں نو سال مکہ میں مقیم رہا میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر رکھا تھا کہ ایک مقام پر دو نمازیں نہ پڑھوں گا ۔ بھوک کی وجہ سے میری یہ حالت ہوتی کہ جب میں کسی جنازہ کو دیکھتا تو کہتا : کاش اس میت کی جگہ میں ہوتا ، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آتا کہ ارے کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو فاقہ تم پر گزر رہا ہے اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے ۔ میں انہی خیالات میں مگن ہو جاتا اور ساری بھوک غائب ہو جاتی ۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص مکہ میں ایک دن اور ایک رات بھوکا رہ سکتا ہے وہ دیگر شہروں میں تین دن تک بھوکا رہ سکتا ہے ۔

صوفیاء یہ بھی کہا کرتے کہ مکہ میں اقامت گزیں ہونے سے انسان کے اخلاق بدل جاتے ہیں ۔ اس کا باطن ظاہر ہو جاتا ہے اور صرف مردان خدا ہی وہاں صحیح طور پر قیام پذیر ہو سکتے ہیں ۔

میں نے احمد (۳٦۵) طرسوسی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابراھیم بن شیبان کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابراھیم خواص رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : فقراء میں سے ایک شخص کئی سال تک مکہ میں مقیم رہا ہمیں اس کے بیٹھنے کے طرز کی خوبی ، کثرت طواف اور عمرہ اور اپنے فقر کی حفاظت سے حیرت ہوتی ۔

ابراھیم فرماتے ہیں : کہ میں نے دل میں خیال کیا کہ میں کچھ پیسے اس کے پاس لے جاؤں تاکہ اس طرح میں اس کے ساتھ کھل کر بات کر سکوں ۔ فرماتے ہیں : میں نے بہت

سے پیسے لے جا کر ان کے خرقے کے کنارے پر ڈال دئے ۔ اس نے میری طرف دیکھا ، خرقے کو لیا اور پیسوں کو زمین پر گرا دیا ۔ اور مسجد سے باہر نکل گیا ۔ جب اس نے پیسے گرا دئے تو میں کنکریوں میں سے انہیں چننے لگا ۔ جب اس نے پیسے گرائے اور بنظر حقارت ٹھکرایا اس وقت میں نے کسی کو اس سے زیادہ باعزت نہیں دیکھا اور نہ اپنے سے زیادہ ذلیل دیکھا جب میں انہیں سنگریزوں سے چن کر اکٹھا کر رہا تھا ۔

رہے وہ لوگ جو سفر کرکے وہاں گئے اور وہاں کا قصد کرنے کے سلسلے میں جو مصائب ان کو لاحق ہوئے وہ ان کے عادی ہو گئے تو اس کی دو وجہیں ہیں ۔ ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : ارادہ اور قصد کرکے صرف تین مسجدوں کو جانا روا ہے ۔ مسجد حرام ، میری مسجد اور مسجد بیت المقدس ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان جب تک وطن میں مقیم رہتا ہے وہ (ص۱۸۱) اپنے جاننے اور پہچاننے والے لوگوں میں اور ان امور میں رہتے ہوئے جن سے وہ مالوف ہو چکا ہوتا ہے بعض احوال کا مدعی بنتا ہے ۔ مثلا توکل ، رضا ، سکون ، تسلیم اور تفویض مگر جب وہ اپنے وطن اور جاننے اور پہچاننے والے لوگوں سے جدا ہوتا ہے تو اس کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور اس کا دعوی بھی باطل ہو جاتا ہے ۔

نیز کہا جاتا ہے کہ سفر کو اس لئے سفر کہا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے اخلاق کو ظاہر کر دیتا ہے ۔

لہذا جب انہوں نے اپنے نفسوں کو پہچان لیا اور ان کا عجز ، ضعف اور حرص انہیں معلوم ہو گیا اور انہوں نے ان پوشیدہ (عیوب کا) جو ان کی ذات میں تھے معاینہ کر لیا تو انہوں نے ان اخلاق کو بدلنے اور ان کی مخالفت کرنے کیلئے قدم اٹھایا ۔ انہوں نے اپنے نفسوں کے دعاوی سے دھوکا نہیں کھایا اور نہ ہی ان کی دھوکا بازیوں اور طمع سے بے فکر رہے ۔

مجھے معلوم ہوا کہ ان میں سے کچھ لوگ مکے میں مقیم رہے ۔ ان میں سے کوئی شخص اگر دن کے وقت اٹھ کر طواف کیلئے جاتا تو یہ سب اس پر نکتہ چینی کرتے اور کہتے : (۳٦٦) یہ لو یہ شخص بھیک مانگنے کیلئے جا رہا ہے ۔ اسے اس قسم کا طعنہ اس لئے دیا جاتا کہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا کہ طواف کے دوران اسے ایسے لوگ مل جاتے جو فقراء پر عنایت کرنے کی غرض سے انہیں کچھ دے دیتے ۔ اسی لئے تو یہ لوگ ان احوال میں ایک دوسرے پر نکتہ چینی کرتے تھے ۔

ان کے آداب میں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ حج کا پختہ عہد کر لیں تو پھر اسے

پورا کریں اور اگر حج کے مہینوں کے علاوہ کسی مہینے میں میقات سے پہلے ہی احرام باندھ لیں تب انہیں اسے پورا کرنا ہوگا خواہ اس میں ان کی جان کیوں نہ چلی جائے ۔ اور جب کعبہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیں تو راستہ اختیار کر لینے کے بعد یہ لوگ راستے سے منحرف نہیں ہوتے اور نہ ہی شدت کی گرمی یا سردی یا زاد راہ کا نہ ہونا انہیں اس راہ پر روانہ ہونے سے روک سکتا ہے ۔

میں نے احمد بن دلویہ کو سنا وہ فرما رہے تھے : میں نے اپنے نفس پر یہ لازم قرار دے رکھا تھا کہ شام سے واپس لوٹ کر مکہ پہنچوں گا ۔ ان دنوں شدت کی سردی پڑ رہی تھی لہذا میں نے اپنے لئے تاویلیں (اور بہانے) تلاش کرنے شروع کر دئے لہذا ابوعمران طبرستانی سے عرض کی کہ کوئی ایسی صورت بتائیں جس سے نہ جانے کی اجازت مل سکتی ہو اور میں اپنے علم کو استعمال کر سکوں ۔ مگر انہوں نے مجھے صرف اتنا کہا : اگر تجھے (۳۶۸) اپنی جان کا ڈر ہے تو اسے سمندر میں ڈال دے ۔ میں ان کا اشارہ سمجھ گیا اور سفر کے لئے نکل پڑا (نتیجہ یہ ہوا کہ) یہ میرے لئے خیر و برکت کا سبب بنا اور حج بھی کر لیا ۔

ان کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب بیابان میں داخل ہوں تو ہر نماز کی فرض رکعات پوری پڑھیں اور قصر نہ کریں اور نہ ہی تیمم کریں اور جو عبادات یہ وطن میں کیا کرتے تھے جہاں تک ممکن ہو سکے ان میں سے کوئی ایک بھی ترک نہ کی جائے ۔ اگرچہ علم کی رو سے انہیں ترک کرنے کی اجازت ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سفر اور حضر میں کوئی فرق نہیں اور نہ ہی ان کے سفروں کی کوئی مدت مقرر ہوتی ہے اور نہ ہی یہ لوگ میلوں ، پڑاؤ اور منزلوں کے اعتبار سے سفر طے کرتے ہیں لہذا جب انہیں حق تعالی کی طرف سے کہیں قیام کرنے کا حکم ملتا ہے تو یہ قیام کر لیتے ہیں اور جب چلاتے ہیں تو چل پڑتے ہیں اور جب کسی جگہ انہیں اتارتے ہیں تو اتر پڑتے ہیں ۔

پھر جب میقات پر پہنچتے ہیں تو اپنے بدنوں کو غسل سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ توبہ کے ذریعے اپنے دلوں کو غسل دیتے ہیں ۔ (ص۱۶۲) پھر جس طرح احرام کیلئے کپڑے اتارتے ہیں ، ننگے ہوتے ہیں ، گرہیں کھولتے ہیں ۔ تہمد اور چادر پہنتے ہیں اسی طرح اپنے باطن سے کینہ اور حسد اتار پھینکتے ہیں اور اپنے دلوں سے خواہشات اور حب دنیا کی گرہیں کھول دیتے ہیں اور اس سلسلے میں تمام وہ امور جنہیں وہ ترک کرتے ہیں پھر دوبارہ ان کی طرف رجوع نہیں کرتے ۔

ان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب یہ

لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک

(میں حاضر ہوں خدایا میں حاضر ہوں ، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں)
پکارتے ہیں تو پھر صوفی کو نفس ، شیطان اور خواہشات نفس کی طرف دعوت دینے والوں کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ تلبیہ کہکر پہلے ہی سے حق تعالی کے حکم کو تسلیم کر چکا ہے اور اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ اللہ کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔

پھر جب وہ اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کے گھر کو دیکھتے ہیں تو اپنے دلوں کی نگاہوں سے اس خدا کو دیکھتے ہیں جس نے انہیں اس گھر کی طرف آنے کی دعوت دی ۔ اس کے بعد جب وہ اپنے بدنوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں تو اس وقت ان کا ادب یہی ہے کہ وہ اللہ کے اس فرمان کو ذہن میں رکھیں ۔

(۳٦٨) و تری الملائکة حافین من حول العرش

(تو ملائکہ کو عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے دیکھے گا)

گویا وہ فرشتوں کو طواف کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں ۔

اس کے بعد جب مقام ابراھیم کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو انہیں ذہن میں بات رکھنی چاہئے کہ یہ ایک ایسے بندے کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے جس نے اللہ سے اپنا عہد پورا کیا لہذا اللہ تعالی نے بھی اولین اور آخرین کو ان کے قدم بہ قدم چلنے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے تم بھی اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرو ۔

اس کے بعد جب یہ حجراسود کو چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے ایسا کرتے ہیں کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کے ساتھ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں لہذا اس بیعت کے بعد ادب یہی ہے کہ ان کا ہاتھ اپنی مراد اور خواھش کی طرف نہ بڑھے ۔

پھر جب (کوہ) صفا پر آئیں تو پھر ادب یہی ہے کہ اس کے بعد انہیں کسی قسم کی کدورت لاحق نہ ہو ۔ کیونکہ ان کے دل صاف ہو چکے ہوتے ہیں ۔ پھر جب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑیں اور تیزی سے چلنے لگیں تو ادب اسی میں ہے کہ اپنے دشمن (شیطان) سے بھاگنے میں جلدی کریں اور اپنے نفس ، خواھشات اور شیطان کی تابعداری کرنے سے بھاگیں ۔

اور جب منی پہنچیں تو وھاں کا ادب یہ ہے کہ ملاقات کی تیاری کر لیں ہو سکتا ہے کہ ان کی آرزو بر آئے ۔ پھر جب عرفات پہنچیں تو ادب یہی ہے کہ وہ اپنے جانے پہچانے (خدا) سے تعارف پیدا کریں ، اپنے حشر و نشر اور قبر سے دوبارہ اٹھنے کو یاد کریں ۔ پھر جب عرفات پر قیام کریں تو اس مقام کا ادب یہی ہے کہ یوں کھڑے ہوں گویا اپنے آقا کے سامنے

کھڑے ھیں اور اس کے بعد وہ کبھی بھی اس سے منہ نہ موڑیں گے۔

اس کے بعد جب امام کے ساتھ یہاں سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوں تو اس وقت یہ خیال رکھیں کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالی کی عظمت و جلال پائی جائے پھر جب امام کے ساتھ آگے چلیں تو دنیا و آخرت کو پس پشت ڈال دیں ۔ پھر جب کنکریاں پھینکنے کیلئے پتھر توڑیں تو ان پتھروں کے ساتھ اپنے باطنی ارادوں، اندرونی خواھشات اور پوشیدہ شہوات کے (بت) بھی توڑ دیں ۔

(ص ۱۷۳)اس کے بعد جب مشعر حرام کے مقام پر اللہ کا ذکر کریں تو یہ پاس ادب رہے کہ ان کے ساتھ ساتھ مشاعر کی تعظیم . مشاہد کا باشرف ہونا اور وھاں کی حرام کردہ باتوں کی بھی تعظیم پائی جائے ۔

اس کے بعد جب کنکریاں پھینکیں تو نہایت ادب کے ساتھ پھینکیں اپنے اعمال کو نگاہ میں رکھیں اور اپنے افعال کا مشاھدہ کرتے رھیں ۔ اس کے بعد جب سر منڈائیں تو ادب یہی ہے کہ اپنے باطن سے خود ستائی کی محبت کو بھی ساتھ ھی مونڈ ڈالیں ۔ اس کے بعد جب قربانی کا جانور ذبح کریں تو اس وقت کا ادب یہ ہے کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اپنے نفس کو ذبح کریں ۔

پھر جب لوٹ کر طواف زیارت کیلئے آئیں اور کعبہ کے پردوں کو چمٹیں تو ادب یہی ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ نہ چمٹیں ۔ اور یہاں پناہ لے لینے اور چمٹنے کے بعد کسی مخلوق کے پاس پناہ نہ لیں ۔ اس کے بعد جب لوٹ کر منی پہنچیں اور ایام تشریق میں وھاں قیام کریں اور ھر چیز ان کیلئے حلال ھو جائے تو ادب یہی ہے کہ وہ جن امور کو اپنے لئے حرام قرار دے چکے ھیں انہیں حلال نہ سمجھیں مثلا اپنے آقا کی مخالفت . حظوظ نفس کی تابعداری اور ان کا جو وقت پاک و صاف ھو چکا ہے اسے دوبارہ مکدر نہ کریں اور مناسک حج ادا کرنے کے بعد اللہ تعالی کی وسیع رحمت کے سوا کسی اور پر تکیہ نہ کریں کیونکہ انہیں اس بات کا یقین نہیں کہ آیا ان کا حج قبول بھی ہوا ہے یا نہیں اور اپنے تمام کاموں کیلئے اللہ سے مدد طلب کریں اور اپنے ظاھر سے بھی اور باطن سے اللہ ھی کے پاس فریاد کریں کیونکہ وھی ان کی تکلیف کو زائل کرنے اور نجات دلانے پر قادر ہے۔

ابراھیم خواص کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے بیابان میں اهل معرفت میں سے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو لوگوں کو توکل کا حکم دیا کرتا تھا ۔ یہ شخص سترہ دن (بھوکا رھنے) کے بعد کسی دنیاوی چیز کی طرف مائل ہوا ۔ ایک دوسرے شیخ

نے اسے اس سے منع کیا مگر وہ نہ مانا ۔ لہذا شیوخ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنی جماعت سے نکال دیا ۔

میں نے دقی کو یوں فرماتے سنا : میں مصر گیا تو زقاق کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ میں نے سلام کیا ۔ پوچھا : کہاں سے آئے ہو ؟ میں نے کہا : حجاز سے ۔ انہوں نے کہا حجاز کی ایک کہانی سن لو : میں بنی اسرائیل کے بیابان میں سترہ دن تک سرگرداں پھرتا رہا ۔ اس عرصے میں نہ کچھ کھایا اور نہ پیا ۔ اس کے بعد مجھے دور سے دھندلی سی چیز دکھائی دی ۔ دل ھی دل میں میں امیدیں لگانے لگا مگر جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک فوج اپنے امیر کے ساتھ بحر قلزم کی طرف جا رہی ہے ۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ تو فوجی ہیں تو مجھے مایوسی ہوئی ۔ انہوں نے مجھے کھانا پیش کیا مگر میں نے نہ کھایا ۔ پانی پیش کیا ۔ میں نے نہ پیا ۔ اس کے بعد ان کے امیر نے مجھے کہا : تمہاری تو ایسی حالت ہو رہی ہے کہ اس حالت میں تمہارے لئے مردار کھا لینا بھی جائز ہے تو ہمارے کھانے کو کیوں نہیں کھاتا ۔ میں نے جواب دیا : جب ہم علم کے مطابق عمل کرتے ہوئے لوگوں کے مابین رہتے ہیں تب بھی ہم تم لوگوں سے کھل جانا پسند نہیں کرتے پھر ایسی حالت میں ہم تم سے کیسے کھل سکتے ہیں ۔ اور وقت ھمہ تن حقیقت ہے ۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

حکایت ہے کہ ان سے ان کی ایک آنکھ کے بارے میں پوچھا گیا ۔ ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی ۔ جواب دیا : کئی دنوں تک میں بیابان میں سرگردان پھرتا رہا ۔ میں نے اس وقت بوریا پہن رکھا تھا ۔ میری آنکھ دکھنے لگی اور میں اسے بوریا سے پونچھتا رہا جس سے میری آنکھ بہہ گئی ۔

(سراج کہتے ہیں) یہ واقعہ انہیں اسی سفر میں پیش آیا جس میں انہیں فوجی اور ان کا امیر ملا تھا ۔ اور یہ دو (الگ الگ) حکایتیں ہیں ایک ابراھیم خواص کی اور دوسری دقی کی ۔ دونوں کے راوی ابوبکر زقاق ہیں ۔

۸ ۔ باب

فقراء ایک دوسرے سے کیا آداب بجا لاتے ہیں اور سفروحضر میں ان کے کیا احکام ہیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جنید رحمہ اللہ کا قول ہے : فقر مصیبت کا ایک

سمندر ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے جو مصیبتیں آئیں وہ بہرتن عزت کی باعث ہوتی ہیں۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب فقیر کا علم قوی ہو تو اس کی محبت کمزور ہوتی ہے مگر جب یہ علم کمزور ہو تو محبت قوی ہوتی ہے اور فقیر کے لئے یہی مناسب ہے کہ اسے محبت پر بالادستی ہو۔

میں نے دمشق میں دقی رحمہ اللہ سے سنا : فرما رہے تھے کہ میں نے ابوبکر زقاق رحمہ اللہ کو مصر میں یوں فرماتے سنا : چالیس سال سے میں ان فقراء کی صحبت اور معاشرت میں ہوں اس عرصے میں میں نے یہی دیکھا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے کھانے کی چیز لے لیتے ہیں یا اس شخص سے لیتے ہیں جو ان سے محبت رکھتا ہو اور جس شخص میں فقر کی حالت میں پرہیزگاری اور ورع نہ ہوگی وہ حرام محض کھائے گا۔

ابوعبداللہ بن الجلاء رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا :
فقر کی حالت میں سچے فقیر کے تین آداب ہوتے ہیں (۱) ضرورت پڑے تو مانگے نہیں (۲) اور جب کچھ مل جائے تو اسے رد نہ کرے اور (۳) لے لینے کے بعد اسے کسی اور وقت کیلئے اٹھا نہ رکھے۔

(ص۸۷)کسی اور کا قول ہے : فقر کی حالت۔ سچے فقیر کے تین آداب ہیں نہ تو وہ کسی سے کچھ مانگے نہ کسی سے بیہودہ جھگڑے اور اگر کوئی اس سے جھگڑے تو یہ خاموش رہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا : فقیر کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے : اپنے باطن کی حفاظت فرضوں کا ادا کرنا اور اپنے فقر کی حفاظت۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فقیر ہر بات کرنے پر قادر ہوتا ہے مگر ایک بات پر قادر نہیں ہوتا اور وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ،،وقت،، پر اس کی مدت گزر جانے تک صبر نہیں کر سکتا

ابراھیم خواص رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : سفروحضر میں فقراء یعنی صوفیاء میں بارہ خصلتیں پائی جانی چاھئیں :
پہلی یہ ہے وہ اللہ کے کئے ہوئے وعدوں پر مطمئن رھیں دوسری یہ کہ وہ مخلوق سے کسی قسم کی امید نہ لگائیں تیسری یہ کہ وہ شیطانوں سے عداوت لگائے رکھیں۔ چوتھی۔ اللہ کے احکام پر کان لگائے رکھیں پانچویں : وہ تمام مخلوق پر مشفق ہوں چھٹی : مخلوق کی اذیت برداشت کرتے رھیں۔ ساتویں : مسلمانوں سے خیرخواھی کرنا کبھی ترک نہ کریں

آٹھویں : حق تعالی کی جگہوں پر تواضع سے چلیں ۔ نویں : اللہ تعالی کی معرفت میں مشغول رھیں ۔ دسویں : ھمیشہ باوضو رھیں ۔ گیارھویں : ان کا تمام سرمایہ فقر ھو ۔ بارھویں : کم و بیش جو کچھ بھی ھو اس پر راضی رھیں نیز ان امور پر جنھیں یہ خواہ پسند کرتے ھوں خواہ ناپسند اور وہ اللہ کی طرف سے ھوں انھیں یکساں سمجھیں ، ان پر راضی رھیں ، اللہ کے شکر گزار رھیں اور اسی پر اعتماد رکھیں ۔

ان میں سے کسی ایک کا قول ہے : جس نے فقر کے ثواب کی خاطر فقر کو طلب کیا وہ فقر ھی کی حالت میں مرے گا ۔

کسی صوفی کا قول ہے : جب کسی فقیر کی عقل زیادہ ھو تو اس کے دل کی صفائی جاتی رھتی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : صوفیاء کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ جو چیز انھیں اللہ کی طرف سے بغیر سوال اور خواھش کے حاصل ھو اس کے متعلق انھیں یہ نھیں کہنا چاھئے کہ یہ میری ہے اور یہ تیری اور نہ کبھی گفتگو کرتے ھوں یوں کہیں میں نے تو تمہاری خاطر ایسا کیا مگر تو نے میری لئے کچھ نہ کیا اور نہ یہ کہیں کہ میں یوں کروں گا تاکہ ایسا ھو اور نہ یوں کہیں کہ میں ایسا نہ کروں گا کہ کہیں ایسا نہ ھو جائے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم بن شیبان رحمہ اللہ نے کہا : جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ میرا جوتا ہے یا میرا چھاگل ہے تو پھر ھم اس کی صحبت میں نھیں بیٹھتے ۔

ابوعبداللہ احمد القلانسی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اور یہ جنید کے استاد تھے : میں بصرہ میں فقراء کی ایک جماعت کے پاس گیا تو انھوں نے میری تعظیم و تکریم کی ، ایک بار میں نے کسی سے یوں کہہ دیا : میرا تہمد کہاں ہے اس پر میں ان کی نگاھوں سے گر گیا ۔

(ص۱۷۶)ابراھیم بن المولد الرقی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں طرسوس گیا تو مجھے بتایا گیا کہ تمہارے بھائیوں میں سے کچھ لوگ یہاں ھیں اور وہ تمام ایک ھی گھر میں اکٹھے رھتے ھیں لہذا میں ان کے پاس گیا اور وھاں سترہ فقیروں کو دیکھا جو یک دل (ویک جان) تھے ۔

کسی نے ابوعبداللہ (۳۶۹) احمد القلانسی رحمہ اللہ سے پوچھا : تو نے اپنے مذھب کی بنیاد کس بات پر رکھی ۔ جواب دیا : تین باتوں پر ، ایک یہ کہ ھم اپنے واجبی حق کا بھی کسی سے مطالبہ نہ کریں مگر اپنی ذات سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا مطالبہ کرے اور ھم ان

تمام اعمال میں جو ہم کرتے ہیں اپنی ذات کو متہم قرار دیں اور کہیں کہ ہم نے ان میں کوتاہی کی ہے۔

کسی اور کا قول ہے : ہم نے اپنے مذہب کی بنیاد تین باتوں پر رکھی ہے۔ امرونہی کی تابعداری کرنا ، فقر سے ہمکنار ہونا اور مخلوق سے شفقت سے پیش آنا ۔

کسی صوفی کا قول ہے : جب تو کسی فقیر کو دیکھے کہ وہ حقیقت سے گر کر علم کی طرف گیا ہے تو سمجھ لو کہ اس نے (فقر پر قائم رہنے کے) ارادے کو فسخ کر دیا ہے اور اپنے عہد کو توڑ دیا ہے۔

ابراهیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فقراء یعنی صوفیاء کے ہاں یہ بات آداب میں سے نہیں سمجھی جاتی کہ ان کے پاس دنیاوی سامان ہو جس کی طرف وہ ضرورت کے وقت رجوع کر سکیں یا یہ کہ اس کے دو ہاتھ ہوں جن سے وہ کام کر سکے یا یہ کہ اس کے پاس زبان ہو جس کے ذریعے بھوک کے وقت کچھ مانگ سکے یا یہ اس کے پاس اس قدر قوت ارادی ہو جس سے مصیبت کے وقت لوگوں کے در پر دستک دے سکے ۔ یہ تمام امور صوفیاء کے لئے دنیاوی اشیاء شمار ہوں گے ، ان کا ذخیرہ شمار ہوں گے اور صوفیاء کے "رب" ہوں گے ۔

جنید فرماتے ہیں : جب تو کسی فقیر سے ملے تو تجھے اس سے مہربانی کے ساتھ اسے ملنا چاہئے نہ کہ علم کے ساتھ اس لئے کہ مہربانی سے اس میں انس پیدا ہوگا اور علم سے وحشت ۔

باب ۹

صحبت کے بارے میں ان کے آداب

شیخ ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مشائخ کی ایک جماعت نے ابراهیم بن شیبان کی نسبت بیان کیا ہے کہ وہ فرمایا کرتے :

جو شخص " میرا (۳۶۹)جوتا " اور"میرا چھاگل" کہتا ہے ہم اس کی صحبت ترک کر دیتے ہیں ۔

کسی شخص نے سہل سے کہا : میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ سہل نے جواب دیا : جب ہم دونوں میں سےایک مر جائے گا تو پھر جس کی صحبت دوسرا شخص اختیار

کرے گا اسی کی صحبت میں اب ھی سے رہے۔

ایک شخص نے ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے پوچھا :: میں کس کی صحبت اختیار کروں جواب دیا : اس شخص کی صحبت اختیار کرو جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ تم بیمار پڑو تو وہ تمہاری عیادت کو آئے اور اگر گناہ کرو تو تمہیں معاف کر دے ۔

(ص۱۸۷)کسی صوفی کا قول ہے : ہر وہ ساتھی جس کو تم کہو آؤ چلیں اور وہ کہے : کہاں ؟..تو ایسا شخص تمہارا ساتھی نہیں ہو سکتا ۔

مروی ہے کہ ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا : اللہ کی صحبت اختیار کرو تو اس شرط پر کرو کہ تم اس کے احکام کے ساتھ مطابقت کرو گے ، مخلوق کی صحبت اختیار کرو تو باھمی خیرخواھی کی بنا پر کرو ، اپنے نفس کی صحبت اختیار کرو تو اس خیال کو ذھن میں رکھ کر کرو کہ تم اس کی مخالفت کرو گے ۔ شیطان کے ساتھ صحبت اختیار کرو تو اس کی عداوت کرنے اور جنگ کرنے کے خیال سے کرو ۔

احمد بن یوسف زجاجی فرماتے ھیں : جب دو شخص ایک دوسرے کی صحبت میں ھوتے ھیں تو ان کی مثال دو نوروں کی سی ھوتی ہے کہ دونوں مل کر وہ ان امور کا مشاھدہ کرتے ھیں جن کا وہ باھم اکٹھا ھونے سے پہلے مشاھدہ نہیں کرتے تھے اور باھمی اختلاف ہر جدائی کی بنیاد ہے اور یہ اختلاف شیطان کے لطائف میں سے ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے وہ دو شخصوں کے مابین جدائی ڈال دیتا ہے جو اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت رکھتے ھیں ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں پچاس سال صوفیہ کی صحبت میں رہا پھر اس عرصے میں میرے اور ان کے درمیان کوئی مخالفت کی بات نہیں ھوئی ۔ کسی نے پوچھا : یہ کیسے ؟ جواب دیا :اس لئے کہ میں ان کی صحبت میں اس شرط پر رہتا تھا کہ اپنے نفس کی مخالفت کرتا رھوں گا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے ابوحفص نیساپوری کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا جس کے سر کے اگلے حصے کے بال اڑے ھوئے تھے ۔ وہ بالعموم خاموش رہتا اور کسی سے بات نہ کرتا تھا میں نے ابوحفص کے مریدوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے ۔ انہوں نے جواب دیا : کہ یہ شخص ابوحفص کی صحبت میں رہ کر ھماری خدمت کرتا ہے اس نے ابوحفص پر ایک لاکھ درھم اپنے پاس سے خرچ کیئے ھیں اور ایک لاکھ اور قرض لے کر خرچ کئے ھیں مگر اس کے باوجود ابوحفص اسے ایک کلمہ کہنے کی اجازت نہیں دیتے ۔

ابویزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں ابوعلی سندھی کی صحبت میں رہا ـ میں انہیں وہ باتیں سکھایا کرتا تھا جن سے وہ اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کر سکیں اور وہ مجھے اس کے عوض توحید اور حقائق سکھاتے تھے ـ

ابوعثمان فرماتے ہیں : میں بچپن میں ابوحفص رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا ـ انہوں نے مجھے نکال دیا اور فرمایا : میرے پاس مت بیٹھا کرو ـ ان کے ان الفاظ کے مقابلے میں میں نے یہ نہیں کہا کہ اپنی پیٹھ ان کی طرف کروں اور نکل جاؤں بلکہ میں نے اپنا چہرہ ان کی طرف کئے رکھا اور پیچھے ہٹتا گیا تاآنکہ ان کی نظر سے اوجھل ہو گیا ـ میں نے نیت کر لی کہ ان کے دروازے پر ایک گھڑا کھود لوں گا اور اس میں پڑا رہوں گا اور جب تک وہ حکم نہ دیں گے نہ نکلوں گا ـ جب انہوں نے میری یہ حالت دیکھی تو مجھے پاس بلایا ـ بوسہ دیا اور مجھے اپنے خاص مریدوں میں شامل کر لیا یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی ـ

میں نے ابن سالم کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ساٹھ سال سہل بن عبداللہ کی صحبت میں رہا ـ ایک دن میں نے ان سے کہا : میں نے ساٹھ سال آپ کی خدمت کی ہے اور آپ نے ایک دن بھی مجھے ان لوگوں سے جو آپ کے پاس آتے ہیں ملاقات نہیں کرائی ـ ان کی مراد (ص۷۸)ابدال اور اولیاء سے تھی ـ انہوں نے فرمایا : تو تو خود انہیں ہر روز میرے پاس لے کر آتا ہے . کیا تم نے فلاں تہبند والے اور مسواک والے کو نہیں دیکھا جو تم سے باتیں کر رہا تھا وہ ان ہی میں سے تھا ـ

ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہم عہد جوانی میں ابوعبداللہ مغربی کی صحبت میں تھے وہ ہمیں ساتھ لے کر بیابانوں کا سفر کیا کرتے تھے ان کے ساتھ ایک بوڑھا تھا جس کا نام حسن تھا یہ شخص ان کی صحبت میں ستر(۷۰)سال گزار چکا تھا ـ جب کبھی ہم میں سے کوئی غلطی کرتا یا شیخ اس سے ناراض ہوتے تو اس بوڑھے حسن سے سفارش کراتے تاکہ ابوعبداللہ پھر پہلی سی عنایت کرنے لگیں ـ

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنے ایک مرید سے کہا : اگر تو درندوں سے ڈرتا ہے تو میری صحبت میں نہ رہو ـ

یوسف بن حسین رازی فرماتے ہیں : میں نے ذوالنون سے دریافت کیا کہ میں کس کی صحبت اختیار کروں : فرمایا : ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جس سے تو کوئی ایسی بات بھی نہ چھپا سکے جس کا علم صرف اللہ کو ہے ـ

جب کوئی شخص ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہنا چاہتا تو وہ اسے تین شرطوں

پر اجازت دیتے ہیں کہ خدمت کرنے اور اجازت دینے کا حق انہیں ہوگا دوسرے یہ کہ تمام وہ اشیا جو (مریدین) بطور نذرانہ کے ان کے پاس لے کر آئیں ان میں ان کا اسی قدر اختیار ہوگا جس قدر مرید کا ۔ اس پر ایک مرید نے کہا : مجھ میں ان شرائط پر عمل پیرا ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ اس پر ابراہیم رحمہ اللہ بولے : مجھے تمہارا سچ بولنا بہت پسند آیا ہے۔

ابراهیم بن ادھم رحمہ اللہ کسی باغ میں باغبانی کرنے یا فصل کی کٹائی کرنے سے جو اجرت ملتی اسے اپنے مریدوں پر خرچ کیا کرتے تھے ۔

ابوبکر کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک شخص میری صحبت میں رہا مگر اس کے متعلق میرے دل پر بوجھ رہتا ۔ ایک دن میں نے اسے اس بوجھ کو دور کرنے کی غرض سے کچھ دیا چادر یا کوئی اور کپڑا مگر پھر بھی وہ بوجھ دور نہ ہوا ۔ اس کے بعد میں اسے لے کر گھر آیا یا کسی اور جگہ گیا اور کہا : اپنے پاؤں میرے رخسارے پر رکھو ۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا ۔ میں نے کہا تجھے ایسا کرنا پڑے گا لہذا اس نے ایسا کیا ۔ اس طرح جو بوجھ میرے دل پر تھا جاتا رہا ۔ یا اسی قسم کی کوئی اور بات انہوں نے بیان کی ۔

ابونصر کہتے ہیں : دقی نے مجھے یہ قصہ سنایا اور کہا : میں نے شام سے لے کر حجاز تک کا سفر صرف اس لئے کیا کہ ابوبکر کتانی سے اس قصے کے متعلق دریافت کروں۔

ابوعلی رباطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں عبداللہ مروزی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا ان کی صحبت میں میرے آنے سے پہلے وہ بیابانوں میں زادسفر لئے بغیر چلے جاتے تھے جب میں ان کی صحبت میں آیا تو فرمایا : کیا پسند کرتے ہو۔ آیا تم حکم دینے والا بننا چاہتے ہو یا میں بنوں۔ میں نے کہا : آپ ہی حکم دینے والے بنیں ۔ اس پر انہوں نے فرمایا : اب تم پر لازم ہوگا کہ تم میری اطاعت کرو۔ میں نے کہا : جی ہاں۔ پھر آپ نے ایک تھیلا لیا اور اس میں زادسفر ڈالا اور اپنی پشت پر ڈال لیا ۔ جب میں کہتا : جناب مجھے اٹھانے دیجئے تو فرماتے : کیا میں تمہارا امیر (ص۱۷۹)نہیں ہوں۔ لہذا تجھے میری اطاعت کرنی چاہئے ابوعلی کہتے ہیں کہ ایک رات بارش آگئی تو وہ رات بھر میرے سر پر چادر لئے کھڑے رہے اور میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ بارش کو روک رہے تھے میں دل میں کہتا کاش میں مر جاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں ۔ اس نے مجھے کہا : جب کوئی شخص تمہاری صحبت میں رہے تو تم اس سے اسی طرح صحبت رکھنا جیسا کہ تو نے مجھے دیکھا ہے۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب

کرو ۔ جابر بھی ہوں اور اللہ سے غافل بھی ہوں ۔مداھنت کرنے والے قاریوں سے اور جاھل صوفیوں سے باھمی صحبت کے متعلق ان کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا ۔ میں نے ان حکایات میں ان کا جو وصف بیان کر دیا ہے ان کی صحبت اسی کے مطابق ہوا کرتی تھی ۔ عقلمند کے لئے تھوڑا بیان کافی ہوا کرتا ہے ۔ اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے ۔

١٠ ۔ باب

علمی مقابلہ کے بارے میں ان کے آداب کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے احمد بن علی وجیہی رحمہ اللہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابومحمد جریری کو یوں کہتے سنا : مذاکرہ کی خاطر بیٹھنا اوروں کو نفع پہنچانے کے باب کو بند کر دینے کے مترادف ہے ۔

ابویزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جس نے متکلم کی خاموشی سے فائدہ نہیں اٹھایا وہ اس کے کلام سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : صوفیاء اس امر کو ناپسند کیا کرتے تھے کہ کسی کی زبان سے اس کے دل کے اعتقادات سے زائد بات نکلے ۔

ابومحمدجریری رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا : انصاف اور ادب یہی ہے کہ وہ شخص جو علم معرفت میں بلند مرتبہ ہو اس علم کے متعلق اس وقت تک بات نہ کرے جب تک کہ کوئی اس سے سوال نہ کرے ۔

ابوجعفر الفرجی رحمہ اللہ جو ابوتراب نخشبی کے مرید تھے فرماتے ھیں : بیس سال تک میری یہ حالت رھی ہے کہ جب بھی میں نے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو بات کرنے سے پہلے ھی وہ مقام میری منزل بن جاتا ۔

ابوحفص رحمہ اللہ فرماتے ھیں : بات کرنا صرف اس شخص کیلئے جائز ہے جسے خاموش رہنے پر عذاب کا خطرہ ہو ۔

وهی فرماتے هیں : ایک شخص ابوعبد اللہ احمد بن یحیی الجلاء رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ھوا اور اس نے توکل کے متعلق کوئی مسئلہ پوچھا ۔ اس وقت ان کے پاس کچھ اور لوگ بھی موجود تھے لہذا اس وقت انہوں نے جوابؓ دیا اور گھر میں داخل ھو کر ایک تھیلی جس میں چار دانگ تھے لے آئے اور فرمایا : ان کا کچھ خرید لاؤ (ص۱۸۰) اس کے بعد اسی شخص کے سوال کا جواب دیا : کسی نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو جواب دیا مجھے خدا سے شرم آئی کہ چار دانگوں کے ھوتے ھوئے توکل پر گفتگو کروں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعبداللہ حصری نے ابن یزد اینار سے علمی مقابلہ کے وقت کہا : میں تو مخلوق کے پاس غیب کی خبر کے سوا کچھ نہیں پاتا ھو سکتا ہے کہ تم ھی یہ غیب ھو ۔ حصری کہتے ھیں کہ انہوں نے مجھے یہ الفاظ دھرانے کو کہا مگر میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا ۔

ابراھیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ھیں : یہ علم تو صرف ان لوگوں کو زیب دیتا ہے جو اس علم کے ذریعے اپنے وجد کی تشریح کریں اور اس علم کے ذریعے اپنے فعل (و کردار) کی بات کریں ۔

ابوجعفر صیدلانی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : کسی شخص نے ابوسعید خراز رحمہ اللہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا اور وہ اپنے سوال کے دوران اشارات کئے جاتے ۔ ابو سعید رحمہ اللہ نے جواب میں کہا : ھم تمہارے اشاروں کے بغیر ھی تمہارے مقصد اور منشا تک پہنچ گئے ھیں کیونکہ وہ لوگ جو اللہ کی طرف جس قدر زیادہ اشارے کرتے ھیں وہ اسی قدر زیادہ اللہ سے دور بھی ھوتے ھیں ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اگر مجھے معلوم ھو جائے کہ اس آسمان کے نیچے کوئی اور علم ھمارے اس علم کے مقابلے میں زیادہ شرف والا ہے تو میں دوڑ کر اس علم اور صاحب علم کے پاس جاؤں گا ۔ تاکہ اس سے وہ علم سن سکوں اور اگر مجھے یہ معلوم ھو جائے کہ ھمارے اس وقت کے مقابلے میں جو ھم اپنے ساتھیوں اور شیوخ کے ساتھ گزارتے ھیں اور ھمارے مسئلوں اور علمی مقابلوں سے زیادہ شرف والا ہے تو میں اٹھ کر اس تک چلا جاؤں گا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : کوئی گروہ یا کوئی قوم جو کسی علم کیلئے جمع ھوئے ھوں میرے نزدیک صوفیاء کی جماعت سے زیادہ شرف والے نہیں اور نہ ھی ان کا علم ان کے علم سے زیادہ شرف والا ہے اگر ایسا نہ ھوتا تو میں کبھی بھی ان کی مجلس میں نہ بیٹھتا مگر میرے نزدیک درحقیقت اسی طرح ھیں (جیسا کہ میں نے بیان کر دیا ہے) ۔

ابوعلی رودباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارا یہ علم صرف اشاروں ہی اشاروں میں ہوتا ہے ۔ جب عبارت میں آ جاتا ہے تو مخفی ہو جاتا ہے ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کسی نے مجھ سے ابوحاتم عطار رحمہ اللہ اور ان کی فضیلت کا ذکر کیا وہ اس وقت بصرہ میں تھے لہذا میں مصر سے سفر کرکے بصرہ پہنچا ۔ بصرہ کی جامع مسجد میں گیا تو دیکھا کہ وہ وہاں بیٹھے ہیں اور ان کے گرد ان کے مرید بیٹھے ہیں اور آپ گفتگو فرما رہے ہیں ۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو پہلی بات جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ میں تو ایک شخص کی خاطر یہاں بیٹھا ہوا ہوں مگر وہ ایک شخص کہاں ہے اور کون ہے جو اس ایک شخص کو یہاں لے آئے پھر میری طرف اشارہ کرکے کہا تو ہی تو وہ شخص ہے ۔ پھر کہا : اللہ تعالی نے انہیں جن باتوں کا اہل بنایا ہے وہ ان پر ظاہر کر دی ہیں اور جو امور ان پر لازم قرار دئے ہیں اللہ نے ان کی ان امور میں مدد کی اور جو امور ان پر ظاہر کئے ان سے ان کو غائب کر دیا لہذا یہ لوگ اللہ کی مدد سے اسی کیلئے عمل کرتے ہیں اور اس سے پھر اسی کی طرف لوٹتے ہیں ۔

(ص۱۸۱) جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : اگر (۲۷۱) ہمارا یہ علم کوڑی پر ڈال دیا جاتا تو تب بھی ہم میں سے ہر شخص اپنا حصہ اپنی مقدار کے مطابق لے لیتا ۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ ایک دن شبلی رحمہ اللہ نے اپنے اہل مجلس سے کہا : تم درحقیقت گلے کا ہار ہو تمہارے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے اور فرشتے تم پر رشک کریں گے ۔

اس پر ایک شخص نے کہا : ان پر فرشتے کس بات پر رشک کریں گے ۔
جواب دیا : اس لئے کہ یہ لوگ اس علم کی باتیں کرتے ہیں ۔

میں نے جعفر خلدی سے سنا وہ فرما رہے تھے میں نے جنید کو یوں فرماتے سنا : سری سقطی رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ لوگ جامع مسجد میں تمہارے حلقے میں بیٹھتے ہیں ۔ میں نے کہا : ہاں ایسا ہی ہے : وہ میرے بھائی ہیں باہم مذاکرہ کرتے ہیں اور ہم ایک دوسرے سے مستفید ہوتے ہیں ۔ اس پر انہوں نے کہا :
اے ابوالقاسم تم پر افسوس ہے تو تو بیہودہ لوگوں کا ڈیرہ بن گیا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : جب سری سقطی رحمہ اللہ مجھے کوئی مفید بات بتانا چاہتے تھے تو کوئی مسئلہ مجھ سے پوچھتے ۔ ایک دن فرمانے لگے ۔

(۲۷۲)برخوردار ! شکر کیا ہے میں نے کہا : شکر یہ ہے کہ ان نعمتوں کے مقابلے میں جو اللہ نے ہم پر کی ہیں تو اس کی نافرمانی نہ کرے ۔ سری رحمہ اللہ نے میرا جواب پسند کیا ۔ وہ مجھے اس جواب کو دہرانے کو کہا کرتے اور کہا کرتے : شکر کے بارے میں تو نے کیسے کہا تھا : اسے ذرا پھر کہو ؛ لہذا میں اسے دہراتا ۔

ابونصر کہتے ہیں : مجھے یہ حکایت ابوعلی رودباری کی تحریر میں ملی ہے اور انہوں نے اسے جنید کی روایت سے بیان کیا ہے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت مذکور ہے کہ ان سے علم کے مسائل پوچھے جاتے مگر وہ ان پر گفتگو نہ کرتے تھے ۔ پھر کچھ عرصے کے بعد انہوں نے ان مسائل پر گفتگو کرنا شروع کر دیا اور خوب گفتگو کرتے ۔ کسی نے پوچھا : آپ پہلے ایسا کیوں نہیں کیا کرتے تھے ؛ جواب دیا : اس وقت ذوالنون زندہ تھے ۔ میں ان کی زندگی میں ان کی تعظیم کی بنا پر اس علم پر گفتگو کرنا پسند نہ کرتا تھا ۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ مکہ میں کوئی شخص ہے جس سے میں اس علم کی کوئی ایک بات حاصل کر سکتا ہوں ۔ ان کی مراد علم معرفت سے تھی ۔ تو میرے دل میں فوراً یہ خیال آئے گا کہ میں پیدل چل پڑوں خواہ یہ فاصلہ ہزار فرسنگ کا کیوں نہ ہو تاکہ میں یہ ایک کلمہ ان سے سن سکوں ۔

ابوبکر زقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے جنید رحمہ اللہ سے ایک بات فناء کے متعلق سنی اور اس سے مجھ میں جوش پیدا ہو گیا ۔ اس بات کو چالیس سال گزر چکے ہیں مگر اب تک میں اس کی گہرائیوں میں پڑا ہوا ہوں ۔

میں نے دقی سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ انہوں نے زقاق کو یہی حکایت بیان کرتے ہوئے سنا ہے ۔

میں نے دقی سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ کسی نے ابوعبداللہ بن الجلاء رحمہ اللہ سے پوچھا : تمہارے باپ کو جلاء کیوں کہا گیا ؟ جواب دیا : وہ لوہے کو صیقل کرنے والے جلاء نہ تھے (ص۱۸۲) بلکہ بات یوں ہے کہ جب وہ صاحب دل لوگوں سے گفتگو کرتے تو انہیں گناہوں کے زنگ سے پاک کر دیا کرتے تھے ۔

حارث محاسبی فرمایا کرتے : دنیا میں نایاب ترین چیز وہ عالم ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو نیز وہ عارف ہے جو حقیقت کے متعلق گفتگو کرتا ہو ۔

میں نے ابن علوان رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے جب کوئی شخص جنید رحمہ اللہ کے پاس آکر ان سے ایسا مسئلہ دریافت کرتا جو اس وقت ان کی حالت کے مطابق نہ ہوتا تو جنید رحمہ اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے اور اگر وہ اصرار سے اپنا سوال دھراتا تو فرماتے حسبنااللہ و نعم الوکیل ۔ (ہمیں خدا کافی ہے اور وہی بہترین ہستی ہے جس کے سپرد ہم اپنے کام کر سکیں) ۔

ابوعمرو الزجاجی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : جب تو کسی شیخ کی مجلس میں بیٹھے اور وہ کسی علم پر گفتگو فرما رہے ہوں اور اس وقت تجھے پیشاب کی اشد ضرورت پڑ جائے تو ایسی حالت میں اگر تو اسی جگہ پر پیشاب کر دے تو یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیشاب تو پانی سے دھونے سے پاک کیا جاسکتا ہے مگر وہاں سے اٹھ جانے سے جو فوائد تم کھو دو گے انہیں تم کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابن الکرینی سے کہا : اگر کوئی شخص کسی ایسے علم پر گفتگو کر رہا ہو جس میں اس کا عمل علم کے مطابق نہ ہو تو ایسی صورت میں آپ کیا پسند کریں گے اس کا خاموش رہنا یا گفتگو کرنا اس پر انہوں نے تھوڑی دیر کیلئے سر جھکا دیا پھر سر اٹھا کر کہا : اگر یہ شخص تو ہے تو پھر گفتگو کرتے رہو ۔

شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے : اس علم کے بارے میں تم کیا کہتے ہو جس کے مقابلے میں علماء کا علم تہمت کے برابر ہو ۔

سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس نے اپنے علم سے اپنی ذات کو مزین کیا(۲۷۳)اس کی نیکیاں بھی بدیاں ہوں گی ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان حکایات میں سے ہر حکایت کی تشریح ، استنباط اور وضاحت ہے جو انشاءاللہ اہل فہم پر مخفی نہیں ۔

۱۱ ۔ باب

ان آداب کا ذکر جو کھانا کھاتے ، اجتماعات اور ضیافتوں میں ان کے ہاں عمل میں لائے جاتے ہیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابو القاسم جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے

کہ انہوں نے کہا :اللہ عزوجل کی طرف سے فقراء یعنی صوفیاء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے ۔ کھانا کھاتے وقت کیونکہ وہ اس وقت کھاتے ہیں جب انہیں کھانے کی شدید حاجت ہو اور علمی مذاکرہ کے وقت ، کیونکہ وہ صدیقین اور اولیاء کے حالات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں اور سماع کے وقت ، کیونکہ وہ سنتے ہیں تو حق تعالی کی طرف سے سنتے ہیں اگر کھڑے ہوتے ہیں تو وجد میں آکر کھڑے ہوتے ہیں ۔

ابوالعباس(۲۷۳)احمد بن محمد بن مسروق طوسی فرماتے ہیں : مجھ سے محمد بن منصور طوسی نے کہا اور ان دنوں ابوالعباس (۲۷۴)ان کے ہاں بطور مہمان مقیم تھے : ہمارے ہاں تین دن قیام فرمائیں اور اگر کچھ دن اور قیام فرمائیں گے تو یہ آپ کا ہم پر صدقہ ہوگا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سری سقطی رحمہ اللہ فرمایا کرتے : افسوس اس لقمے پر جس پر مجھے اللہ کی طرف سے کوئی گرفت نہ ہو اور نہ کسی مخلوق کا مجھ پر احسان ہو ۔

ابوعلی نورباطی فرماتے ہیں : جب تمہارے پاس کوئی فقیر آئے تو اسے کچھ کھانے کو دو اور جب کوئی فقیہ آئے تو اس سے کوئی مسئلہ پوچھو اور جب کوئی قاری آئے تو اسے محراب کی راہ دکھاؤ ۔

ابوبکر کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کہ ابوحمزہ رحمہ اللہ نے فرمایا : میں سری رحمہ اللہ کے پاس گیا تو وہ میرے لئے ستو لے کر آئے اور اس کا آدھا حصہ پیالے میں ڈالنے لگے ۔ میں نے کہا : آپ کیا کر رہے ہیں ۔ میں تو یہ سب ایک ہی بار پی جاؤں گا ۔ اس پر وہ ہنس پڑے اور فرمایا : تمہارے لئے یہ بات حج سے بھی افضل ہے ۔

ابوعلی رودباری جب فقراء کو ایک جگہ اکٹھے دیکھتے تو یہ آیت بطور شہادت پیش کرتے :

(۲۷۵)و ہو علی جمعہم اذا یشاء قدیر

(اللہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر ہے)

ابوعلی فرماتے ہیں : جب ایک مقام پر فقراء اکٹھے ہوں تو یہ ان کیلئے زیادہ آرام دہ بات ہوتی ہے اور انہیں کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے اور گواہی کے طور پر یہ آیت پڑھتے ۔

(۲۷۶)قل اللہ یجمع بیننا ثم یفتح

(آپ انہیں کہہ دیں اللہ ہمیں اکٹھا کرے گا پھر کھولے گا)

جعفر خلدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ کھانے سے کھانے جیسے تم دیکھ رہے ہو کہ

ہمارے ساتھی کھانے ہیں اسے شدید بھوک کہا جاتا ہے۔

جعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تم کسی فقیر کو دیکھو کہ وہ بہت کھانا کھا رہا ہے تو سمجھ لو کہ اس کی ان تین وجہوں میں سے ایک وجہ ضرور ہے۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ اس پر ایک وقت ایسا گزرا ہے جب اسے شدید بھوک لگی ہوگی یا یہ کہ وہ کسی آئندہ آنے والے وقت کی پیش بینی کر رہا ہے یا یہ کہ وہ موجودہ وقت کی خاطر ایسا کر رہا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اگر فرض کر لیا جائے کہ تمام کی تمام دنیا ایک لقمہ ہے جو ایک بچے کے منہ میں ہو تب بھی مجھے اس بچے کی حالت پر رحم (۲۷۷) آئے گا ۔

(ص۱۸۳)ان ھی نے فرمایا : اگر دنیا و مافیہا ایک لقمہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا اور مخلوق کو کسی درمیانی واسطہ کے بغیر اللہ کے ساتھ چھوڑ دیتا ۔

کسی صوفی کا قول ہے : کھانا کھانے کی تین صورتیں ہیں بھائیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں تو بے تکلف ہو کر کھائیں دنیا والوں کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں تو ادب کے ساتھ کھائیں اور فقراء کے ساتھ کھائیں تو ایثار کے ساتھ ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ امور فقراء کے آداب میں سے نہیں ہیں کیونکہ فقراء صوفیہ کے آداب یہ ہیں کہ کھانا کھاتے وقت نہ تو مغموم ہوں نہ وحشتناک ، نہ تکلیف کرنے والے اور نہ ھی انہیں ایک ایسی ردی چیز کو جو زیادہ مقدار میں ہو ایسی پاک و عمدہ چیز پر جو کم مقدار میں ہو ترجیح دینی چاہئے اور نہ ھی اس کے کھانے کا کوئی معین وقت ہونا چاہئے پھر جب کھانا حاضر ہو تو وہ ایک دوسرے کے منہ میں لقمے نہ ڈالیں اور اگر ڈالیں تو کوئی بھی انکار نہ کرے اور صوفیہ اس کھانے کو جو زیادہ مقدار میں ہو اور ثقیل ہو ناپسند کرتے ہیں ۔ انہیں جس قدر زیادہ بھوک لگی ہوگی کھانا کھاتے ہوئے ان کا ادب اسی قدر اچھا ہوگا ۔

میں نے ایک جلیل القدر شیخ کو یوں کہتے سنا : ایک بار میں دس دن تک بھوکا رہا ۔ اس عرصے میں میں نے کچھ بھی نہیں کھایا ۔ اس کے بعد میرے سامنے کھانا لایا گیا تو میں اسے صرف دو انگلیوں سے کھانے لگا کھانا لانے والے نے کہا : سنت طریقہ استعمال کرو اور تین انگلیوں سے کھاؤ ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم بن شیبان رحمہ اللہ نے فرمایا : اسی سال گزر گئے ہیں مگر اس عرصے میں میں نے اپنی خواہش سے کھانا نہیں کھایا ۔

ابوبکر کتانی دینوری رحمہ اللہ بغداد میں تھے اور وہ کوئی ایسی چیز نہیں کھاتے تھے (۲۷۹) جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ سوال کر رہے ہیں یا یہ کہ وہ سوال کیلئے آپکو پیش کر رہے ہیں ۔

روایت ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : یہ کمینہ پن ہے کہ انسان اپنے دین کو کھانے کا وسیلہ بنائے ۔

ابوتراب فرماتے ہیں : مجھے کھانا پیش کیا گیا مگر میں نے نہ کھایا اس کی سزا میں مجھے چودہ دن بھوکا رہنا پڑا ۔ میں سمجھ گیا کہ یہ مجھے سزا دی گئی ہے لہذا میں نے اللہ سے فریاد اور توبہ کی ۔

جنید رحمہ اللہ فرمایا کرتے : صوفیاء کے تمام معاملات کی اصلاح پاک کھانے ، پاک پہننے اور پاک مسکن سے ہوتی ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا : صوفیاء کھانا کھاتے ہیں تو مریضوں کی طرح کھاتے ہیں اور سوتے ہیں تو ڈوبنے والے کی طرح ۔

ابوعبداللہ حصری فرماتے ہیں : کئی سال تک میری یہ حالت رہی کہ میں نہ تو یہ کہہ سکتا کہ مجھے خواہش نہیں ہے اور نہ ہی میرے لئے یہ مناسب تھا کہ کھا لوں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ فتح موصلی رحمہ اللہ بشر حافی رحمہ اللہ کے ہاں گئے اور وہ موصل سے ان کی زیارت کو آئے تھے ۔ بشر نے ایک درہم نکالا اور احمد الجلاء کو جو ان کا خادم تھا دیا اور کہا : بازار جا کر عمدہ کھانا اور عمدہ سالن لے آؤ ؛ احمد کہتے ہیں : میں جا کر صاف ستھری روٹی خرید لایا اور میں نے (دل میں) کہا(ص۱۸۵) کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے دودھ کے سوا کسی چیز کیلئے یوں دعا نہیں مانگی ۔

أللھم بارک لنا فیه و زدنا منه

(خدایا اس میں ہمیں برکت اور مزید بر مزید دئے جا)

لہذا میں نے دودھ اور عمدہ کھجوریں خریدیں اور لے آیا اور ان کے سامنے رکھ دیں ۔ انہوں نے جتنا کھانا تھا کھا لیا اور باقی کو ساتھ لے کر نکل گئے ۔ جب چلے گئے تو بشر نے اپنے پاس موجود لوگوں کو بتایا کہ یہ فتح موصلی تھے جو میری زیارت کو آئے تھے ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بیٹھ کر کھانے کیلئے کیوں نہیں کہا ؟ پھر فرمایا : مہمان کا حق نہیں کہ وہ میزبان کو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو کہے ۔ کیا تمہیں

معلوم ہے کہ میں نے ماک کھانا خرید کر لانے کا کیوں حکم دیا تھا ۔ اس لئے کہ طیب کھانا کھانے سے انسان کی زبان سے شکر کے کلمات نکلتے ہیں ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ باقی ماندہ کھانے کی چیزوں کو کیوں ساتھ لے گئے ۔ (اس کی وجہ یہ تھی کہ) جب کسی کو صحیح توکل حاصل ہو جائے تو پھر کسی چیز کا ساتھ لے جانا کچھ نقصان نہیں دیتا ۔

کسی نے معروف کرخی رحمہ اللہ سے کہا : جو شخص آپ کو دعوت دیتا ہے آپ اس کے ہاں چلے جاتے ہیں فرمایا : میں تو ایک مہمان ہوں مجھے جہاں اتارتے ہیں اتر جاتا ہوں۔

روایت ہے کہ ابوبکر کتانی نے کہا : یہاں مکہ میں ایک سال تقریباً تین سو فقراء و مشائخ جمع ہوگئے اور وہ سب کے سب ایک ہی جگہ رہتے ان کے مابین علمی باتیں اور مزاکرہ نہ ہوا کرتا تھا ۔ ان میں باہمی اخلاق ہوتا مہربانی اور ایثار ہوتا تھا ۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے جب تو دنیا یا آخرت کی کوئی حاجت حاصل کرنا چاہے تو پھر جب تک وہ حاجت پوری نہ ہو جائے کھانا نہ کھاؤ کیونکہ کھانا کھانے سے دل مردہ ہو جاتا ہے ۔

روایت ہے کہ رویم رحمہ اللہ نے فرمایا : بیس سال ہو چکے ہیں مگر اس عرصہ میں میرے دل میں کھانے کا خیال ہی نہیں آیا البتہ جب سامنے کھانا آجاتا تو خیال بھی آجاتا ۔

میں نے ابوعبداللہ احمد بن عطا رود باری کو سنا وہ فرما رہے کہ ابوعلی رودباری رحمہ اللہ نے سفید چینی کے کئی بار خریدے اور حلوائیوں کو بلایا ۔ انہوں نے اس چینی کی ایک دیوار بنائی اور اس پر کنگرے بنائے اور دیوار پر کمرے بنائے جو پرنقش و نگار ستونوں پر کھڑے کئے ۔ یہ سب کچھ چینی سے بنایا اس کے بعد صوفیہ کو دعوت دی ۔ انہوں نے تمام دیوار وغیرہ کو گرا کر توڑ دیا اور سب کچھ لوٹ لیا ۔

میں نے ابوعبداللہ رودباری رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابوعلی رودباری رحمہ اللہ نے بیان کیا : ایک شخص نے ضیافت کی تو ایک ہزار چراغ روشن کئے کسی نے اسے کہا :تو نے اسراف کیا ہے ۔ اس شخص نے جواب دیا : گھر کے اندر جاؤ اور جو چراغ تمہیں غیراللہ کیلئے جلایا ہوا معلوم دے اسے بجھا دو ۔ وہ شخص گھر کے اندر چراغوں کو بجھانے کی غرض سے گیا مگر ایک چراغ کو بھی بجھا نہ سکا اور لاجواب ہوگیا۔

ابوعبداللہ حصری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے احمد بن محمد سلمی کو یوں فرماتے سنا : میں مکہ میں تھا اور تین دن سے میں نے کھانا نہیں

کھایا تھا ۔ میرے (ص۱۸٦) دل میں خیال آیا کہ میں ناسکون اور ان فقراء اور اہل فضیلت لوگوں کو اکٹھا کروں جو حرم میں ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے گیارہ خیمے کرایہ پر لئے اور ہر طرف سے نذرانے آنے لگے اور یہ سلسلہ گیارہ دن تک جاری رہا مگر انہوں نے ان دنوں میں خود کچھ نہیں کھایا :

۱۲ ۔ باب

سماع اور وجد کے وقت ان کے آداب کا ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : سماع کے لئے تین باتیں ضروری ہیں ورنہ اس کا نہ سننا بہتر ہے ۔ ساتھی ، وقت اور جگہ ۔

حارث محاسبی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے ۔ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں اسے نفع ہوگا مگر یہ تینوں چیزیں ہمیں میسر نہیں آئیں دیانتداری کے ساتھ ساتھ اچھا قول ۔ اپنے نفس کو محفوظ رکھتے ہوئے خوبصورت چہرہ اور وفاداری کے ہوتے ہوئے اچھی دوستی ۔

احمد بن مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب ذوالنون رحمہ اللہ بغداد آئے تو صوفیاء میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے ۔ ان لوگوں کے ساتھ ایک قوال بھی تھا ۔ صوفیاء نے ذوالنون سے درخواست کی کہ قوال کو کچھ بول بولنے کی اجازت دیں ۔ ذوالنون نے اجازت دے دی ۔ قوال نے یہ **بول** شروع کیا :

صغیـــــر هـــــواک عذبنی فکیـــــف بـــه اذااحتنکا

تمہاری تھوڑی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال رکھا ہے ۔ اگر مجھ پر پورے طور پر غالب آجائے تو پھر کیا کیفیت ہوگی ۔

وانـــت جمعـــت مـــــن قلبـــی هـــــوئً قـــد کان مشترکا

تو نے میرے دل کی محبت کو جس میں (پہلے) اور لوگ بھی شریک تھے (صرف اپنے لئے) جمع کر لیا ہے ۔

أمـــــا تـــــرثـــــی لمکتئب اذا ضحـــک الخلـــــــی بکـــــی

کیا تجھے اس غمزدہ پر رحم نہیں آتا جس کی یہ حالت ہے کہ وہ روتا رہتا ہے اور جو عشق میں مبتلا نہیں وہ ہنس رہا ہے

یہ سنتے ہی ذوالنون رحمہ اللہ اٹھے اور منہ کے بل گر پڑے خون ان کی پیشانی سے ٹپک رہا تھا مگر زمین پر نہ گرتا تھا ۔

احمد کہتے ہیں کہ اس کے بعد ان صوفیاء میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے بناوٹی وجد کا اظہار کیا اس پر ذوالنون رحمہ اللہ نے فرمایا : اس خدا کو یاد کرو جو تمہیں اٹھتے (بیٹھتے) دیکھتا ہے۔ یہ سن کر وہ شخص بیٹھ گیا

شیخ فرماتے ہیں : سماع کے وقت جھومنے اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں ابراہیم مارستانی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا : مجھے بتایا گیا ہے کہ موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے ایک بیان کیا تو ایک شخص نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی ۔ اس پر موسی علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اسے کہیں کہ اپنے کپڑے مت پھاڑ و دل کو پھاڑ و ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سماع کی تعریف اور وجد کا بیان ایک مکمل باب میں آئے گا ۔ ان شاءاللہ تعالی ۔

(ص۱۸۷)جنید کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : علم کی فضیلت کے ہوتے ہوئے اگر وجد میں کمی واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ حرج اسی میں ہے کہ علم کم ہو اور وجد زیادہ ۔

اس کے معنی یہ ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ علم کی زیادتی اس بات کی مقتضی ہے کہ سماع کے وقت سننے والے کی طاقت کے مطابق جوارح کو حرکات کرنے سے قابو میں رکھا جائے تاکہ وہ کوشش کرکے اعضاء پر قابو رکھ سکے ۔ وجد کی حالت کو بتکلف پیدا کرنا اور تکلیف کرکے کھڑا ہونا سوءادب سمجھا جاتا ہے۔ البتہ جو فقراء دنیا و ما فیہا سے علیحدگی اختیار کر چکے ہوں ان کے لئے کھڑا ہو جانا اور اسی طرح ہنسی کی بات کہنا کہ نہ تو آداب سے باہر جائیں اور نہ سماع سے دل لگا بیٹھیں تو ان کے لئے ایسا کرنا مناسب ہے۔ پھر بھی ان کے لئے بھی بہتر ہے کہ سماع نہ سنیں ۔

سماع کے وقت اہل سماع کے اندر گھس جانا اور ان سے مزاحمت کرنا سوء ادب سمجھا جاتا ہے۔ حضور دل سے پرسکون رہنا اور سننے والوں کے مقاصد اور معانی کو سمجھنا

ان کے ساتھ بتکلف مداخلت کرنے سے بہتر ہے۔ بعض اوقات یہ تکلف عادت بن جاتا ہے اور پھر دل پر سخت بوجھل اور ,,وقت،، کے لئے زیادہ تاریکی کا سبب بنتا ہے۔ اور ہر وہ دل جو دنیا کی محبت میں ملوث ہو اس کا سماع بیہودہ ہوگا خواہ اس سماع میں اس کی جان کیوں نہ تلف ہو جائے اور روح کیوں نہ چلی جائے۔

۱۳۔ باب

لباس کے بارے میں ان کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ نے سفید یعنی دھلی ہوئی قمیص پہنی۔ اس پر احمد رحمہ اللہ نے کہا : کاش آپ اس سے بھی عمدہ قمیص پہنتے۔ یا اسی قسم کا کوئی اور کلمہ کہا۔ انہوں نے جواب میں کہا : کاش میرا دل دلوں میں ایسا ہوتا جیسے دیگر کپڑوں کے مقابلے میں میری یہ قمیص(۲۷۹)۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : تم لوگ تین درہم کی عباء تو پہن لیتے ہو اور تمہارا دل یہی چاہتا ہے کہ پانچ درہم کی ہو۔ تمہیں اس بات سے شرم نہیں آتی کہ تمہاری خواہشات تمہارے لباس سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔

ان ہی کی نسبت مجھے بتایا گیا ہے کہ فرمایا کرتے : کوتاہ لباس پہننے میں تین اچھی خصلتیں پائی جاتی ہیں ؛ سنت ، ستھرا پن اور چھتڑوں کا اضافہ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کچھ لوگ بشر بن الحارث رحمہ اللہ کے پاس آئے۔ انہوں نے گدڑیاں پہن رکھی تھی۔

بشر رحمہ اللہ نے فرمایا : لوگو ! اللہ سے ڈرو اور اس لباس کا مظاہرہ نہ کرو کیونکہ اسی لباس سے لوگوں میں معروف ہو اور اسی کی بدولت تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ یہ سن کر سب کے سب خاموش رہے پھر ان میں سے ایک نوجوان نے اٹھ کر کہا : شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں ان لوگوں میں سے بنایا جو اس لباس کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہیں اور اسی کی وجہ سے ان کی تعظیم کی جاتی ہے۔ خدا کی (ص۱۸۸) قسم ہم ضرور اس لباس کا مظاہرہ کریں گے تاآنکہ دین کل کا کل اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔ یہ سن کر بشر رحمہ

اللہ نے کہا : اے بچے ! تو نے بہت خوب کہا ! تمہارے جیسے ہی گدڑی (مرقعہ) پہن سکتے ہیں ۔

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو سنا : وہ فرما رہے تھے کہ میں نے جریری کو یوں کہتے سنا : بغداد کی جامع مسجد میں ایک فقیر تھا جو خواہ سردی کا موسم ہو یا گرمی کا ایک ہی کپڑا پہنا کرتا تھا ۔ کسی نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو جواب دیا : مجھے بہت سے کپڑے پہننے کا بڑا اشتیاق تھا ۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں جہاں میں نے اپنے فقراء کی جماعت میں سے کچھ لوگوں کو ایک دسترخوان پر بیٹھے ہوئے دیکھا ۔ لہذا میں نے بھی ان کے ساتھ بیٹھنا چاہا تو فرشتوں کی ایک جماعت نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے وہاں سے اٹھا دیا اور کہا : یہ ان لوگوں (کا دسترخوان) سے ہے جن کے پاس صرف ایک کپڑا ہے اور تیرے پاس تو دو قمیصیں ہیں لہذا تو ان کے ساتھ نہ بیٹھے گا ۔ اس پر میں بیدار ہو گیا اور عہد کر لیا کہ مرتے دم تک صرف ایک کپڑا پہنا کروں گا ۔

ابوحفص حداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو دیکھے کہ فقیر کی روشنی اس کے کپڑوں میں ہے تو پھر اس سے نیکی کی امید نہ رکھ ۔

یحیی بن معاذ رازی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ابتداء حال میں وہ پشمینہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہنا کرتے تھے پھر آخری عمر میں تشو اور نرم لباس پہننے لگے ۔ کسی نے اس کا ذکر ابویزید رحمہ اللہ کے پاس کر دیا تو انہوں نے فرمایا : بیچارہ یحیی ادنی درجے کی چیز پر قائم نہ رہ سکا لہذا اس خوش بختی پر کیسے قائم رہ سکے گا ۔

میں نے طیفور رحمہ اللہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ جب ابویزید کی وفات ہوئی تو انہوں نے اس قمیص کے سوا جس میں ان کی وفات ہوئی کوئی اور چیز نہیں چھوڑی اور یہ قمیص عاریۃ لی گئی تھی لہذا اسے اس کے حقیقی مالک کو واپس دے دیا گیا ۔

جب ابن الکرینی کی وفات ہوئی اور یہ جنید رحمہ اللہ کے استاد تھے ، انہوں نے گدڑی پہن رکھی تھی جس کی ایک آستین اور تریزیں جعفر خلدی کے پاس تھیں اور جیسا مجھے بتایا گیا ہے اس میں تیرہ رطل تھے کہا جاتا ہے کہ ابوحفص نیشاپوری رحمہ اللہ تشو کی قمیص اور فاخرہ لباس پہنا کرتے تھے اور ان کے گھر کے اندر ریت بچھائی ہوئی تھی ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لباس کے بارے میں فقراء کے آداب یہی ہیں کہ وہ وقت کے مطابق چلیں ۔ جب صوف یا نمدہ یا گدڑی مل جائے تو یہی پہن لیں اور اگر کچھ اور مل جائے تو وہی پہن لیں اور فقیر صادق تو جو لباس بھی پہن لے اسے زیب دیتا ہے اور ہر وہ

لباس جو وہ پہنتا ہے اس کیلئے جلال اور رعب کا باعث ہوتا ہے۔ وہ نہ تو تکلف سے کام لیتا ہے اور نہ کوئی خاص لباس اختیار کرتا ہے اور اگر اس نے کوئی زائد کپڑا پہن رکھا ہو تو جن لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان سے غمخواری کرتا ہے اور اپنی ذات پر اپنے بھائیوں کو ترجیح دیتا ہے اور اس ایثار کی طرف وہ اپنی نگاہیں نہیں لگائے رکھتا ۔ اس کے نزدیک نئے کپڑوں کے مقابلے میں پھٹے پرانے کپڑے زیادہ محبوب ہوتے ہیں ۔ زیادہ اور عمدہ لباس سے وہ تنگدل ہوتا ہے اور کم اور پھٹے پرانے کپڑوں کا بڑا حریص ہوتا ہے (ص۱۸۹) اور صاف ستھرا پن اور پاکیزگی کا وہ بتکلف خیال رکھتا ہے۔ اور اگر میں ان امور کا ذکر کرنے لگ جاؤں جو اس سلسلے میں ضروری ہیں تو بات لمبی ہو جائے گی ۔ جتنا بیان کیا جا چکا ہے وہی کافی ہے ۔

۱۴ ۔ باب

سفر میں ان کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابو علی رودباری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس وقت آپ سفر کرنے کا عزم کر چکے تھے ۔ اس شخص نے کہا : اے ابوعلی کیا آپ کچھ فرمائیں گے ابوعلی نے جواب میں کہا : ارے ! صوفیاء تو نہ کسی وعدہ کی بنا پر اکٹھے ہوا کرتے اور نہ ہی مشورہ کرکے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ۔

کہا جاتا ہے کہ کسی نے رویم رحمہ اللہ سے پوچھا : جب کوئی مسافر سفر کا ارادہ کرے تو پھر سفر کے اندر اسے کیا کیا آداب بجا لانے چاہئیں ۔

جواب میں فرمایا : اس کے قدم اس کے ارادے سے آگے نہ نکلنے پائیں ۔ جہاں اس کا دل ٹھہر جائے وہی اس کی منزل ہونی چاہئے ۔

میں نے مذکورہ بالا حکایت عیسی قصار رحمہ اللہ سے سنی تھی اور وہ کہتے ہیں کہ یہ سوال میں نے ہی رویم سے کیا تھا ۔

محمد بن اسمعیل رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے بیان کیا : میں ابوبکر زقاق رحمہ اللہ اور ابوبکر کتانی رحمہ اللہ مسلسل بیس سال سفر کرتے رہے نہ کسی سے

خلا ملا رکھتے اور نہ کسی کی مجلس میں بیٹھتے ۔ جب کسی شہر میں داخل ہوتے اور وہاں کوئی بزرگ ہوتا تو اس کے سلام کو جاتے اور رات ہونے تک اس کی خدمت میں بیٹھتے جب رات ہوتی لوٹ کر کسی مسجد میں چلے آتے ۔ کتانی آگے بڑھ کر نماز پڑھنی شروع کر دیتا اور صبح ہونے تک پڑھتا رہتا اور نماز میں ایک قرآن ختم کرتا ۔ اور میں اور زقاق قبلہ رو ہو کر بیٹھ جاتے اور غور و فکر میں لگ جاتے تاآنکہ فجر ہو جاتی ۔ مزید برآں ہم میں سے ہر ایک شخص صبح کی نماز عشا کے وضو سے ادا کرتا اور اگر ہم میں کوئی ایسا شخص ہوتا جو سو جاتا تو ہم اسے اپنے سے افضل سمجھتے ۔

ابوالحسن مزین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فقیر کی شان یہ ہے کہ ہر روز کسی نئی منزل میں ہو اور مرے تو دو منزلوں کے درمیان مرے ۔

اور مزین کبیر رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں ایک روز ابراہیم خواص رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک بچھو ان کی ران پر دوڑ رہا ہے ۔ میں نے اٹھ کر اسے مارنا چاہا مگر انہوں نے مجھے روک دیا اور فرمایا : اسے رہنے دو ، ہر چیز ہماری محتاج ہے ہم کسی کے محتاج نہیں ۔

جب شبلی رحمہ اللہ اپنے ساتھی مسافروں میں سے کسی ایک کو دیکھتے کہ وہ چور ہو چکا ہے تو فرماتے : افسوس کیا اس چیز سے چھٹکارا مل سکتا ہے جس کے بغیر کوئی چارا ہی نہ ہو ۔

(ص۱۹۰)کہا جاتا ہے کہ ابوعبداللہ نصیبی نے بیان کیا : میں نے تیس سال سفر کئے مگر اس عرصہ میں میں نے اپنے مرقعہ پر کوئی پیوند نہیں لگایا اور نہ ہی راستہ سے ہٹ کر کسی ایسی جگہ گیا ہوں جہاں دنیاوی آسائش پائی جاتی ہو اور نہ کسی ایسے شخص کا ساتھ چھوڑا جو میرے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی چیز ساتھ لے لے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کہ صوفیاء کے آداب میں سے یہ بات نہیں کہ گردش کرنے یا ملکوں کی سیاحت کرنے یا رزق کی تلاش میں سفر کریں البتہ یہ لوگ حج ، جہاد ، شیوخ کی ملاقات ، صلہ رحم ، ازالہ ظلم ، طلب علم یا کسی ایسے شخص کی ملاقات کی غرض سے کرتے ہیں جس سے یہ لوگ علوم احوال کا استفادہ کر سکیں ۔ یا یہ لوگ کسی ایسے مقام کا سفر اختیار کرتے ہیں جیسے شرف و فضیلت حاصل ہو مگر وہ سفر کی حالت میں اپنے ان اخلاق اور اوراد کو جنہیں وہ اقامت کی حالت میں کیا کرتے تھے ترک نہیں کرتے اور نہ ہی نماز کے قصر کرنے یا رمضان کا روزہ ترک کرنے کو غنیمت جانتے ہیں ۔ جب جماعت

کی صورت میں ہوتے ہیں تو پیدل چلتے ہیں ۔ کمزور ترین شخص بھی پیدل چلتا ہے اور وہ شخص ان کی خدمت کرتا ہے جو سب سے زیادہ شفیق ہو۔ ان میں سے جب کوئی قضاء حاجت کیلئے جاتا ہے تو وہ اس کے فارغ ہونے تک ٹھہر جاتے ہیں اور اگر کوئی پیچھے رہ جائے تو اس کا انتظار کرتے ہیں ۔ اگر کوئی چلتے چلتے عاجز آجائے یا بیمار پڑ جائے اس کی تیمارداری میں کھڑے رہتے ہیں اور جہاں نماز کا وقت آجائے تو وہاں سے نماز ادا کئے بغیر آگے نہیں چلتے ۔ البتہ اگر ان کے ساتھ پانی ہو یا پانی کے نزدیک پہنچ چکے ہوں (تو پھر آگے چل پڑتے ہیں) ۔ یہ تو کمزور لوگوں کا حال ہے ۔

اب لیں طاقتور لوگوں کا حال تو اس کا بیان ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے یوں دیا ہے ۔ مجھ سے جو چیز ڈری ہے تو میں اس پر سوار ہو گیا ہوں ۔ یا جیسا ابوعمران نے جواب دیا جب ان سے گھبراہٹ اور اس کمزوری کے متعلق سوال کیا گیا جو مسافر کو سفر میں لاحق ہوتی ہے : فرمایا : جب تجھے اس کا ڈر ہو تو اسے سمندر میں پھینک دو ۔ ان کی مراد یہ ہے کہ جب تو اللہ تعالی کی طرف روانہ ہو چکا ہے تو پھر تو کسی چیز کی پرواہ نہ کر کہ تجھ پر کیا گزرتی ہے ۔ اور یہ بزرگ ابوعمران طبرستانی ہیں ۔

ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مسافر کو سفر میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اسے ان کے بغیر سفر اختیار نہیں کرنا چاہئے (۱) علم جو اس کے امور کا بندوبست کرے (۲) پرہیزگاری جو اسے ان برے کاموں سے روکے (۳)وجد جو اسے اٹھائے رکھے اور اخلاق جو اسے بچائے رکھیں ۔

ابوبکر کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب کوئی فقیر یمن کا سفر اختیار کر لے اور پھر دوبارہ وہاں لوٹ کر آئے تو فقراء اس سے تعلقات منقطع کر لیا کرتے تھے ۔ اور ایک دوسرے کو اس سے الگ رہنے کا مشورہ دیا کرتے تھے ۔

کہا جاتا ہے کہ سفر کو سفر اس لئے کہا گیا کہ یہ (مردان خدا) کے اخلاق کو نکھارتا ہے صوفیاء کے سفر کی حالت جو آداب ہیں ان میں سے مجھے اس وقت اسی قدر یاد ہیں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۱۵ ۔ باب

صوفیاء کے ان آداب کا بیان جو وہ اپنے ساتھیوں کی خاطر بجا

لاتے ہیں ، مثلا جاہ و جلال کو قربان کر دینا ، بھیک مانگنا اور ان کی خاطر حرکت میں آنا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابوعبداللہ الصبیحی کے مریدوں کی ایک جماعت کو یوں کہتے سنا : فقیر کا فقر اس وقت تک صحیح فقر نہیں کہلا سکتا جب تک وہ اپنی تمام املاک سے بے تعلق نہیں ہو جاتا پھر جب وہ اپنی تمام املاک سے بے تعلق ہو جاتا ہے تو اس سے اس کے لئے جاہ و جلال پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کیلئے جاہ و جلال کا قربان کر دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ جاہ قربان کر دینے کے بعد اس کے نفس کی قوت باقی رہ جاتی ہے لہذا وہ اپنا نفس بھی اپنے ساتھیوں پر قربان کر دیتا ہے بایں طور کہ وہ ان کی خدمت کرتا ہے اور ان کے کاموں کیلئے دوڑ دھوپ کرتا ہے تب کہیں جا کر اسے صحیح فقر حاصل ہوتا ہے۔

میں نے ابوعبداللہ رودباری رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے ۔ مظفر قرمیسینی رملہ آئے اور ان کے ساتھ (۳۸۰) بھی تھے ۔ شہر کے مالدار لوگ ان دونوں کی بڑی تعظیم کرتے لہذا یہ دونوں اپنی جاہ کو قربان کرتے اور فقراء پر مال خرچ کرتے تھے ۔ (پھر یہ حالت ہوگئی) کہ ان کی کوئی جاہ نہ رہی ۔ کوئی شخص انہیں کچھ نہ دیتا نہ مانگنے سے اور نہ بطور قرض اور نہ بطور گرو کے تب کہیں جا کر ان کا وقت اچھا گزرنے لگا ۔

ابراہیم بن شیبان سے کسی نے کہا : مظفر قرمیسینی کا کیا حال ہے (یعنی نہ) دو خرقے ، سؤال اور اپنے ساتھیوں کی خدمت ۔ انہوں نے جواب دیا : مظفر قرمیسینی نے اللہ کی خاطر فتوّت میں قدم رکھا ہے لہذا وہ اب اس قدم کو پیچھے ہٹانا نہیں چاہتے جسے انہوں نے اللہ کی خاطر اٹھایا تھا ۔

بغداد میں ایک صوفی تھے جنہیں سوال کی ذلت اٹھائے بغیر کھانے کو کچھ نہ ملتا ۔ کسی نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا : میں نے بھیک مانگنا اس لئے اختیار کیا ہے کہ میرا نفس اسے سخت ناپسند کیا کرتا تھا ۔ (لہذا اسے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہوں)۔

ایک جلیل القدر شیخ کسی شہر میں گئے ۔ وہاں انہوں نے ایک مرید دیکھا جس کا نفس ہر قسم کی اطاعت گزاری ، عبادت ، فقر اور کم کھانے کو قبول کر چکا تھا اور ان امور کی وجہ سے وہ عوام میں خوب مقبول ہو گیا تھا ۔ اس شیخ نے اسے کہا : یہ تمام عبادات جو تو کرتا ہے یہ تب ہی درست ہو سکتی ہیں کہ تو لوگوں کے در سے روٹی کے ٹکڑے گداگری کرکے لائے اور صرف گداگری سے حاصل کی ہوئی خوراک کھائے ۔ مرید کو یہ بات مشکل معلوم ہوئی اور اس نے ایسا نہ کیا ۔ لیکن جب اس کی عمر بڑی ہو گئی تو وہ بھیک مانگنے

پر مجبور ہو گیا اور محتاج ہو گیا ۔ وہ سمجھتا تھا کہ مریدی کے زمانے میں اس شیخ کے حکم کی مخالفت کرنے کی یہ مجھے سزا ملی ہے ۔

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :(۳۸۱) یہ مرید ابوعبداللہ المقری تھے اور جس شیخ نے انہیں بھیک مانگنے کا حکم دیا تھا وہ ابوعبداللہ سجزی تھے ۔

(ص۱۹۲)مجھے ایک ایسے شخص کے متعلق جو ان کے اماموں میں سے تھا بتایا گیا ہے کہ وہ روزہ رکھتے اور افطاری کیلئے لوگوں کے در سے ٹکڑے مانگا کرتے اور دوسری رات کے افطار کے وقت تک کچھ اور نہ کھاتے تھے ۔ ایک شخص اس بات کو پا گیا اور اس نے ان کے سامنے کھانا لا کر رکھا مگر انہوں نے نہ کھایا ۔ چونکہ لوگوں کو ان کا علم ہو گیا تھا لہذا اس جگہ کو چھوڑ کر چلے گئے اور دوبارہ وہاں نہیں آئے ۔

ممشاد دینوری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بعض اوقات ان کے فقراء بھائیوں کی ایک جماعت ان کے ہاں آجاتی تو وہ بازار جا کر دکانوں سے ٹکڑے مانگتے اور اپنی جھولی میں جمع کرکے ان کے پاس لے آتے ۔

بنان حمال رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ میں طفیلی ہوں ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے ایک فقیر کو دیکھا جو دن کو روزہ رکھتا اور مغرب کے بعد بازار کو نکل جاتا اور ہر دکان سے ایک لقمہ لیتا ۔ جب اس قدر کھا لیتا جس سے جان بچ سکے تو اپنی جگہ پر چلا آتا ۔ ایک رات میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ۔ میں نے لوگوں سے بہت سی روٹیاں ، گوشت ، مٹھائی اور پھل لیا اور اسے دیا ۔ ہوتے ہوتے اس کے پاس ان اشیاء کا ایک بڑا ذخیرہ ہوگیا ۔ جب واپس جانے لگا تو مجھے کہا : کیا تو شہر کا کوتوال ہے ؟ میں نے کہا : نہیں : میں تو بنان حمال ہوں ۔ اس پر اس نے تمام وہ اشیاء جو اس کے پاس جمع ہو گئی تھیں میرے منہ پر دے ماریں اور کہا : ارے طفیلی کیا تو یہ کام کرتا ہے یہ کام تو ہمارے ہاں کوتوال شہر کرتا ہے ، مشائخ ایسا نہیں کیا کرتے جس شخص کو بھی تو کہتا ہے لاؤ وہ تمہیں تمہاری خواهش کے مطابق دے دیتا ہے ۔

کسی مرید کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کیلئے کچھ مانگ کر لایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اس نے بھی کھایا ۔ مشائخ کی ایک جماعت نے اس کا ان کے ساتھ مل کر کھانا پسند نہیں کیا اور اسے کہا : تمہارے نفس نے تجھے دھوکا دیا ہے (درحقیقت) تو جو کچھ مانگ کر لایا ہے اپنی ذات کے لئے لایا ہے اگر اپنے ساتھیوں کے لئے مانگا ہوتا اور ان کی خاطر اپنی عزت قربان کی ہوتی تو تو ان کے ساتھ مل کر نہ کھاتا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے لئے بہی حکم ہے کہ جب بھیک مانگنا اس کی عادت بن جائے اور اس پر اس کا نفس مطمئن ہو تو ایسا کرنا چھوڑ دے۔ اور جو شخص محض ضرورت کے مطابق مانگتا ہے اور صرف اتنا لیتا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ۔ اور اگر لوگ اسے اس کی حاجت سے زیادہ دے دیں تو اسے صرف اتنا لینا چاہئے جو اس کی حاجت کے مطابق ہو اور باقی اور لوگوں کو دے دے اور مانگ کر کھانا تقوی کے ساتھ کھانے سے بہتر ہے۔ اور جب فقیر بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے تو اس کا کفارہ اس کی سچائی ہے ۔

ایک شخص پر کئی دن کھانا کھائے بغیر گزر گئے ۔ وہ ایک اجنبی ملک میں تھا ،اس کی حالت مرنے کے قریب ہو گئی مگر اسے نے پھر بھی کسی سے سوال نہ کیا کسی نے اسے کہا کہ تم سوال کیوں نہیں کرتے ۔ اس نے جواب دیا نبی صلی اللہ علی و سلم کے اس فرمان نے مجھے سوال کرنے سے روکا ہے :

اگر سائل سچا ہے تو اسے رد کرنے والا فلاح نہیں پا سکتا ۔

لہذا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی مسلمان مجھے رد کر دے اور نبی ـــی اللہ لیہ و سلم کے فرمان کے مطابق وہ فلاح نہ پائے ۔

(ص ۱۹۳) ۱۶ ـ باب

اس بات کا بیان کہ اگر انہیں کوئی چیز حاصل ہو جائے (تو انہیں کیا کرنا چاہئے)

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابو یعقوب نہر جوری نے بتایا کہ میں نے ابویعقوب سوسی کو یوں فرماتے سنا : جب ہم ارجان میں تھے تو ایک فقیر ہمارے پاس آیا ۔ ان دنوں سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ تعالی بھی وہیں تھے ؛ فقیر نے کہا : تم لوگوں پر اللہ کی عنایت ہے اور میں آزمائش میں مبتلا ہوں۔ سہل نے کہا : جب سے تو فقر کے پیچھے لگا ہے تو آزمائش کے دفتر میں گرفتار ہے۔ بتاؤ یہ آزمائش کیا ہے۔ فقیر نے کہا : مجھے دنیا کی کوئی چیز بطور نذرانہ ملی ہے اور میں نے یہی پسند کیا کہ اسے غیر قرابت داروں کو دوں ایسا کرنے سے میرا ایمان اور حال جاتا رہا ۔ اس پر سہل ؒ نے ابویعقوب سوسی ؒ سے کہا : اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں ۔ جواب دیا : اس کی وہ آزمائش جو اس کے "حال" کے بارے میں ہے اس کے ایمان کی آزمائش کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے۔ یہ سن کر سہل ؒ نے کہا : کیا تمہارے جیسی

شخصیت ایسی بات کہتی ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خیرنساج نے فرمایا : میں کسی مسجد میں گیا تو وهاں ایک فقیر کو دیکھا ۔ میں اسے پہچانتا بھی تھا ۔ مجھے دیکھتے ہی وہ مجھے چمٹ گیا اور رونے لگ گیا اور کہنے لگا : اے شیخ مجھ پر عنایت کیجئے کیونکہ میں سخت آزمائش میں مبتلا ہوں ۔ میں نے پوچھا : وہ کیا ہے کہنے لگا : میری مصیبت جاتی رہی ہے اور عافیت حاصل ہو گئی ہے اور تجھے معلوم ہے کہ یہ ایک بڑی بھاری آزمائش ہے ۔

نساج فرماتے ہیں : اسے دنیا کی کوئی چیز حاصل ہوئی تھی ۔

ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تم میں سے کسی پر انعامات الہیہ ہونے لگیں تو اسے اپنی ذات پر رونا چاهئے کیونکہ اس کے ساتھ ایسا طرز اختیار کیا گیا ہے جو صالحین کا طرز نہیں ۔

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : بنان حمال کے پاس ایک ہزار دینار لائے گئے اور ان کے سامنے انڈیل دئے گئے انہوں نے انڈیلنے والے کو کہا : انہیں واپس لے لو خدا کی قسم اگر ان پر اللہ کا نام کندہ نہ ہوتا تو میں ان پر پیشاب کرتا ۔ دیکھو یہ شخص مجھے ان کی چمک سے دھوکا دینا چاہتا ہے ۔

وہ فرماتے ہیں ، ابن بنان رحمہ اللہ کو چار سو درہم بطور نذرانہ ملے وہ اس وقت سوئے ہوئے تھے ۔ لوگوں نے انہیں ان کے سر کے پاس رکھ دیا ۔ اسی وقت انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے جس نے دنیا سے اپنی کفایت سے زائد لیا اللہ تعالی اس کا دل اندھا کر دیتے ہیں ۔ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے ان میں سے صرف دو دانگ لئے اور باقی واپس کر دئے ۔

میں نے ابن علوان رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : ابوالحسین نوری کے پاس تین سو دینار لائے گئے ان کی جائداد فروخت کی گئی تھی جس کی یہ رقم تھی ۔ وہ نہر صراۃ کے پل پر بیٹھ گئے اور ایک ایک کرکے (ص۱۹۴)پانی میں ڈالتے گئے اور کہتے گئے : اے میرے آقا ! کیا تو مجھے ان درهموں کے ذریعے دھوکا دے کر اپنے سے دور کرنا چاہتا ہے ۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ نے بتایا کہ ابن زہری جنید رحمہ اللہ کے مریدوں میں سے تھے ۔ انہیں دنیا کی کوئی چیز مل گئی لہذا انہوں نے فقراء سے علیحدگی اختیار کر لی ۔ ایک دن میری ان سے ملاقات ہو گئی ۔ ان کی آستین میں ایک رومال تھا جس میں بہت سے درہم تھے

۔ ہمیں دور سے دیکھ کر کہنے لگا : دوستو ! اگر تم فقر کے ساتھ باعزت ہو تو ہم مالداری کے ساتھ باعزت ہیں لہذا ہم ایک دوسرے سے کیسے مل سکتے ہیں ۔ یہ کہا اور وہ تمام درہم جو ان کی آستین میں تھے انہوں نے ہماری طرف پھینک دئے ۔

ابوسعید بن الاعرابی فرماتے ہیں : ایک شخص ابواحمد قلانسی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا ۔ پھر وہ ان سے کچھ عرصے تک غائب رہا ۔ جب سفر سے واپس آیا تو اس کے پاس دنیا تھی اور مال جمع ہو گیا تھا ۔ ہم نے ابواحمد سے پوچھا : کیا آپ ہمیں اس کی زیارت کو جانے کی اجازت دیتے ہیں ۔ انہوں نے فرمایا : نہیں ، کیونکہ جب تک ہماری صحبت میں رہا فقر کی بنا پر ہمارے ساتھ رہا ۔ اگر اپنی پہلی حالت پر رہتا تو ہمارے لئے اس کی زیارت کیلئے جانا مناسب تھا مگر اب جب وہ سفر سے اس حالت میں واپس آیا ہے لہذا اس پر ہماری زیارت کو آنا واجب ہے ۔

ابوعبداللہ حصری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : ابوحفص حداد رحمہ اللہ رملہ میں رہے تو انہوں نے دو خرقے پہن رکھے تھے اور ان کی کمر میں ایک ہزار دینار تھے ۔ ان پر دو بھی تین اور (یہاں تک کہ) چار دن بھی (بغیر کھائے کے) گزر جاتے پھر بھی وہ ان دیناروں سے کوئی چیز خرید کر نہ کھاتے تھے ۔ انہوں نے یہ دینار فقراء کی اعانت کیلئے رکھے تھے تاآنکہ سب ختم ہو گئے ۔

حصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں قحط کے زمانہ میں شبلی رحمہ اللہ کے ساتھ نکلا تاکہ ان کے بچوں کیلئے کچھ ڈھونڈ لائیں ۔ وہ ایک شخص کے پاس گئے جس نے انہیں بہت سے درہم دئے ۔ حصری کہتے ہیں ہم اس شخص کے پاس سے چلے آئے اور میری آستین درہموں سے بھری ہوئی تھی ۔ راستے میں جو فقیر ہمیں ملتا شبلی رحمہ اللہ اسے ان دراہم سے دیتے تاآنکہ چند درہم باقی رہ گئے ۔ میں نے کہا : آقا ! گھر میں بچے بھوکے پڑے ہوئے ہیں ۔ شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا : میں کیا کر رہا ہوں ۔ بڑی کوشش کے بعد میں نے باقی ماندہ درہموں کا کچھ تیل اور گاجریں خرید لیں اور ان کے بچوں کے پاس لے گیا ۔

کہا جاتا ہے کہ ابوجعفر دراج رحمہ اللہ نے بتایا : میرا ایک دوست ایک دن قضاء حاجت کیلئے گیا تو میں نے اس کا تھیلا لے کر اسے ٹٹولنا شروع کر دیا ۔ مجھے اس میں تھوڑی سی چاندی ملی جو چار درہموں کے برابر تھی ۔ اس پر مجھے اس دوست پر حیرت ہوئی جبکہ ہم پر کئی موقعے ایسے گزرے تھے کہ ہم نے کچھ نہ کھایا تھا ۔ جب وہ واپس آیا تو میں نے کہا : آپ کے تھیلے میں اس قدر چاندی تھی اور ہم بھوکے ہیں ۔ انہوں نے کہا : افسوس ! تو نے اسے لے لیا ہے ۔ اسے واپس کر دو ۔ پھر کہنے لگے اچھا لے لو اور اس سے کچھ خرید لاؤ ۔ میں

نے کہا : آپ کو آپ کے معبود کی قسم (مجھے بتاؤ)اس چاندی کا کیا قصہ ہے ۔ فرمانے لگے اللہ تعالی نے مجھے دنیا کی کوئی چیز نہ دی تھی ، نہ سونا اور نہ چاندی سوائے (ص۱۹۵)اس کے لہذا میں نے ارادہ کر لیا کہ یہ میرے ساتھ دفن ہوگی تاکہ قیامت کے دن میں اسے اللہ کو واپس کر دوں اور کہوں کہ یہ ہے جو تو نے مجھے دنیا کی چیزوں میں سے دیا تھا ۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

شیخ فرماتے ھیں : (۳۸۳) معتضد کے وزیر نے ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کو کچھ مال دیا تاکہ اسے صوفیاء میں تقسیم کر دیں نوری نے یہ مال ایک مکان میں پھینک دیا اور بغداد کے صوفیاء کو جمع کیا اور کہا : تم میں سے جس کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو وہ گھر کے اندر جا کر اپنی ضرورت کے مطابق لے لے چنانچہ کسی نے ایک سو درھم لئے ، کسی نے زیادہ اور کسی نے کم ۔ کچھ فقراء ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ نہ لیا ۔ جب درھم ختم ہو گئے اور کچھ باقی نہ رہا تو فرمایا : تم لوگ خدا سے اسی قدر دور ہو جس قدر تم نے درھم لئے ھیں اور تمہارا قرب اللہ سے اسی قدر ہے جس قدر تم نے نہیں لیا ۔

۱۷ ـ باب

ان لوگوں کے آداب کا بیان جو روزی کماتے تھے اور دنیاوی اسباب میں تصرف کرنے میں بھی لگے رہتے تھے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا : جس شخص نے کسی کو روزی کمانے کا طعنہ دیا اس نے گویا سنت پر طعن کیا اور جس نے توکل پر طعن کیا اس نے ایمان پر طعن کیا۔

جنید رحمہ اللہ سے توکل کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : پانی کوئیں میں سے نکالا جاتا ہے (تب ھی پی سکتے ھیں) اور دانا چگا جاتا ہے۔

اسحٰق مغازلی رحمہ اللہ نے بشر بن حارث رحمہ اللہ کی طرف لکھا اور یہ اسحق مشائخ میں سے تھے۔ اور بشر تکلے بنانے کا کام کیا کرتے تھے ۔ خط کا یہ مضمون تھا : مجھے بتایا گیا کہ تو تکلے بنا کر اپنی معاش کے فکر سے بے پرواہ ہو گیا ہے۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالی تمہارے کان اور بینائی چھین لے تو پھر تم کس کے پاس پناہ لو گے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر بشر نے اپنا پیشہ ترک کر دیا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔

کسی شخص نے ابن سالم رحمہ اللہ سے بصرہ میں سوال کیا اور اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ ابن سالم رحمہ اللہ پیشہ وری کی فضیلت بیان کر رہے تھے اس شخص نے کہا : اے شیخ ! ہمیں روزی کمانے کا حکم دیا گیا ہے یا توکل کا۔ ابن سالم رحمہ اللہ نے جواب دیا : توکل رسول اللہ ﷺ کا حال تھا اور کسب ، ان کی سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے روزی کمانا اس لئے سنت قرار دیا کہ آپ کو ان کی کمزوری کا علم تھا تاکہ لوگ توکل کے مقام سے جو آپ کا حال ہے گر جائیں تو کم از کم طلب معاش کے درجے سے جو آپ کی سنت ہے تو نہ گریں ۔ اگر آنحضرت ﷺ ایسا نہ کرتے تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا : جو شخص روزی کمانے کی ذلت کا مزہ نہیں چکھتا اس میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی ۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرمایا کرتے : تمہارا پیشہ تمہیں (۲۸۴) تفویض اور توکل سے نہیں روکتا بشرطیکہ تو روزی کمانے کے دوران ان دونوں کو ضائع نہ کر دے ۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسعید خراز رحمہ اللہ ایک سال قافلے کے ساتھ شام سے مکہ کو روانہ ہوئے ۔ ایک بار ایسا ہوا کہ یہ رات بھر بیٹھے اپنے ساتھی صوفیاء اور فقراء کے جوتے مرمت کرتے رہے ۔

ابوحفص رحمہ اللہ فرماتے ہیں :ایک بار میں نے اپنا پیشہ چھوڑ دیا مگر پھر وہی (لوہار کا) کام کرنا شروع کر دیا :اس کے بعد میرے پیشے نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر یہ کام نہیں کیا ۔

کسی ایک فقیر نے ذکر کیا کہ دمشق میں ایک سیاہ فام انسان تھا جو صوفیہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا وہ روزانہ جا کر چونا کوٹنے کا کام کیا کرتا جس سے اسے تین درھم مل جاتے ۔ وہ اسے تین دنوں میں کھاتا ۔ جب اسے اجرت ملتی تو اس سے کوئی کھانے کی چیز خرید کر اپنے ساتھیوں کے پاس لے آتا ۔ ان کے ساتھ اس میں سے صرف ایک لقمہ کھاتا اور اپنے کام کو لوٹ جاتا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالقاسم منادی رحمہ اللہ اپنے گھر سے نکل کر جاتے اور جب ان کے پاس دو دانگ کے برابر رقم ہو جاتی تو راستے سے ہی اپنے گھر کو لوٹ آتے خواہ کوئی بھی وقت ہوتا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا : جب کوئی مرید تین دن

بھوکا رھنے کے بعد کسی دنیاوی سامان کی طرف مائل ھو تو اس کیلئے یہی مناسب ہے کہ کسی پیشہ میں لگ جائے یا بازار جا کر (سوداگری کرے) کیونکہ وہ فقر کا اھل نہیں ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ ابراھیم بن ادھم نے فرمایا: بہادروں کا کام کیا کرو یعنی حلال کی روزی کمایا کرو اور اپنے عیال پر خرچ کیا کرو۔

ابونصر رحمہ اللہ فرماتے ھیں: جو شخص روزی کمانے میں مشغول ھو اس کا ادب یہی ہے کہ وہ وقت پر فرائض ادا کرنے سے غافل نہ رہے اور نہ ھی خیال کرے کہ اسے اسی پیشہ کی وجہ سے روزی مل رھی ہے۔ نیز یہ کہ اس کا یہ ارادہ ھو کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان سے انصاف برتے گا اور جب اپنی کمائی سے کوئی چیز اھل و عیال پر خرچ کرنے کے بعد بچ جائے تو اسے جمع نہ کرے اور نہ اپنے پاس روکے رکھے۔ بلکہ ان فقراء بھائیوں پر خرچ کرے جن کا نہ کوئی ذریعہ معاش ہے اور نہ ان کے پاس دنیا کی کوئی چیز اور نہ ھی وہ کسی سے کچھ مانگتے ھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس آزمائش میں مبتلا ہے پھر بھی وہ ان ھی میں سے ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جن کا کوئی ذریعہ معاش نہیں جب انہیں کوئی چیز مل جائے تو اس کی مدد کریں اور اپنی ذات سے بڑھ کر اس کے سامان کا اھتمام کریں۔

(ص۱۹۷)ابوحفص رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بیس سال سے زائد عرصہ تک ھر روز ایک دینار مزدوری کرکے لاتے اور صوفیاء پر خرچ کرتے اور احتیاج (۳۸۴) کے باوجود کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ اور مغرب اور عشا کے درمیان جا کر لوگوں کے در سے خیرات اکٹھی کر لاتے۔

شبلی رحمہ اللہ نے ایک شخص سے کہا: تمہارا کیا پیشہ ہے۔ اس نے کہا: موچی ھوں۔ شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا: ٹانکے پر ٹانکہ لگاتے لگاتے اللہ کو ھی بھول گیا ہے۔

ذوالنون فرماتے ھیں: جب عارف روزی کی تلاش میں نکلے تو (سمجھ لو کہ) اس کا عرفان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

۱۸ ۔ باب

لینے اور دینے کے آداب کے بارے میں نیز یہ کہ فقراء کو کیسے آرام پہنچایا جائے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھے جعفر خلدی نے بتایا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنیدؒ کو سنا وہ فرماتےہیں کہ میں نے سری سقطی رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : مجھے حصول جنت کا ایک مختصر سا طریقہ آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ ، کسی سے کچھ نہ لے اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی چیز ہو کہ تو کسی کو دے سکے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : کسی شخص کے لئے کسی سے کچھ لینا اس وقت تک مناسب نہیں جب تک لینے کے مقابلے میں دینا اسے زیادہ محبوب نہ ہو ۔

ابوبکر احمد بن حمویہ رحمہ اللہ جو صبیحی رحمہ اللہ کے مرید تھے فرماتے ہیں جس نے اللہ کی خاطر کچھ لیا اس نے عزت کے ساتھ لیا ۔ جس نے اللہ کی خاطر کچھ ترک کیا اس نے بھی عزت کے ساتھ ترک کیا اور جس نے غیراللہ کیلئے کچھ لیا اس نے ذلت کے ساتھ لیا اور جس نے غیراللہ کیلئے ترک کیا اس نے ذلت کے ساتھ ایسا کیا ۔

میں نے احمد بن علی الوجیہی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے زقاق رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : یوسف صائغ مجھے مصر میں مل گئے ان کے پاس ایک تھیلی تھی جس میں درہم تھے ۔ انہوں نے یہ تھیلی مجھے دینی چاہی مگر میں نے ان کا ہاتھ پیچھے کو ہٹا دیا اور دوبارہ فرمایا : اسے لے لے اور رد نہ کر ۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں کسی چیز کا مالک ہوں یا یہ کہ میں تجھے کچھ دے رہا ہوں تو کبھی نہ دیتا ۔ (۳۸۵)

میں نے احمد بن علی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : میں نے فقراء کے ساتھ مہربانی کرنے میں ابن رفیع سے بڑھ کر کسی کو اچھے آداب والا نہیں دیکھا ۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے رات ان کے ہاں گزاری تو میں نے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ فقیر صادق کی علامت یہ ہے کہ وہ نہ سوال کرے اور (اگر کوئی دے تو) رد بھی نہ کرے اور پھر (لے لینے کے بعد) اسے اپنے پاس نہ رکھے ۔ جب میں نے ان (ص۱۹۸)جدا ہونے کاارادہ کیا تو انہوں نے کچھ درہم ساتھ لے لئے اور میری اس جانب کھڑے ہوگئے جس جانب میں نے لوٹا اٹھایا ہوا تھا اور مجھ سے کہا : آپ نے سہل رحمہ اللہ کا قول کیسے بیان کیا تھا ؟ جب میں نے قول بیان کر دیا اور کہا : نہ مانگ اور نہ رد کر تو انہوں نے وہ درہم میرے لوٹے میں ڈال دئے اور واپس چلے گئے ۔

ابوبکر زقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سخاوت یہ نہیں کہ مالدار محتاج کو دے سخاوت تو درحقیقت یہ ہے کہ محتاج مالدار کو دے ۔

ابومحمد مرتعش رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : تمہارا لینا صرف اس صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ تمہارا اصل مقصد ذات الہی ہو جس سے تو لے رہا ہے لہذا تو لے تو اسی کی خاطر نہ کہ اپنی ذات کی خاطر ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جعفر خلدی رحمہ اللہ نے جنید سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ ایک دن میں ابن کرینی کے پاس گیا ۔ اس وقت میرے پاس کچھ درہم تھے جو میں انہیں دینا چاہتا تھا اور میرا خیال تھا کہ انہیں میرے متعلق علم نہیں ہے ۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ درہم لے لیں ۔ انہوں نے جواب دیا : مجھے ان کی ضرورت نہیں اور لینے سے انکار کر دیا میں نے پھر عرض کیا : اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو میں ایک مسلمان ہوں آپ کے لے لینے سے مجھے خوشی ہوگی لہذا آپ مجھے خوش کرنے کی خاطر لے لیں ۔ چنانچہ انہوں نے وہ درہم لے لئے ۔

ابوالقاسم (۳۸۶) منادی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہ کسی پڑوسی کے گھر سے دھواں نکلتا دیکھتے تو اس وقت جو شخص ان کے پاس ہوتا اسے کہتے اس گھر والوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو جو کچھ تم پکا رہے ہو اس میں سے کچھ ہمیں بھی دینا ۔ کسی نے کہا : ہو سکتا ہے کہ وہ پانی گرم کر رہے ہوں ۔ کہا : جاؤ ان کے پاس ۔ یہ مالدار کس کام کیلئے ہیں ۔ بس اسی لئے ہیں کہ ہمیں کچھ دیں اور قیامت (۳۸۹) کے دن ہماری سفارش کریں ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں حسین بن (۳۸۸) المصری کے پاس کچھ درہم لے کر گیا ۔ ان کی بیوی کے ہاں بچہ ہوا ہے اور وہ اس وقت صحراء میں تھے اور کوئی بھی نا ں نہ تھا مگر انہوں نے درہم قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ میں نے درہموں کو لے کر اس کوٹھری میں پھینک دئے جس میں ان کی بیوی تھی اور کہا : اری یہ تمہارے لئے ہیں ۔ اس پر ان سے حیلہ بن نہ آیا ۔

یوسف بن حسین رحمہ اللہ تعالی سے سوال کیا گیا : اگر میں کسی شخص سے اللہ کی خاطر برادرانہ تعلقات قائم کروں اور پھر اپنا سارا مال اسے دے دوں تو کیا جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے اس میں سے اس کا حق ادا کیا ہے یا نہیں ۔ فرمایا : تو نے حق کیسے ادا کیا جبکہ تو نے مال لینے کی ذلت تو اسے تھونپ دی اور دینے کی عزت خود لے لی اس لئے کہ دینے میں بلندی ہے اور لینے میں ذلت ۔

(ص ۱۹۹) ۱۹ ـ باب

متاهل اور صاحب اولاد لوگوں کے آداب

شیخ فرماتے ھیں : ابوسعید بن الاعرابی فرماتے ھیں کہ ابواحمد القلانسی کی شادی کا سبب یہ ھوا ، اور ان کا نام مصعب بن احمد ہے ، کہ ان کے مریدوں میں سے ایک نوجوان نے ان کے ایک دوست کی لڑکی کا رشتہ مانگا مگر جب نکاح کا وقت آیا تو اس نوجوان نے انکار کر دیا : قلانسی کو لڑکی کے باپ سے شرم آئی ـ یہ حال دیکھکر ابواحمد نے کہا : سبحان اللہ ایک شخص اپنی شریف زادی سے شادی کر رہا ہے اور تو انکار کر رہا ہے ـ اب تم ابواحمد سے اس کا نکاح کرو ـ اس شخص نے ابواحمد کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ اللہ کے ھاں میری اس قدر منزلت ہوگی کہ آپ جیسا شخص میرا داماد بنے اور نہ ھی یہ معلوم تھا کہ میری بیٹی کو اللہ کے ھاں اس قدر منزلت حاصل ہے کہ آپ جیسا شخص اس کا خاوند ھو ـ ابوسعید فرماتے ھیں کہ وہ لڑکی تیس سال ان کے ھاں رھی اور باکرہ کی باکرہ رھی ـ یا ازیں قبیل کوئی اور کلمات کہے ـ

محمد بن علی قصار کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی بیوی بھی تھی اور بچے بھی تھے ـ ان کی ایک چھوٹی سی بچی تھی ـ ایک روز ان کے پاس ان کے کچھ دوست بیٹھے تھے کہ بچی نے چلا کر کہا : اے آسمان کے رب ھم کو انگور چاھئیں (یہ سن کر) محمد بن علی ھنسے اور کہا : میں نے انہیں یہی ادب سکھایا ہے کہ جب انہیں کسی چیز کی ضرورت ھو تو اللہ تعالی سے مانگیں مجھ سے نہ مانگیں ـ

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ بنان حمال رحمہ اللہ کی اولاد تھی ـ بعض اوقات ان کا بیٹا روتا اور کہتا : اباجان مجھے روٹی چاھئے ـ وہ اسے تھپڑ مار کر کہتے جاؤ باپ کی طرح بھیک مانگو ـ وجیہی کہتے ھیں کہ ایک دن میں آیا تو بیٹے نے کہا ابا جان مجھے مشمش چاھئے ـ اس پر انہوں نے بچے کا ھاتھ پکڑا اور مشمش فروش کے پاس آئے اور کہا اسے ایک قیراط کی خوبانیاں دے دو جس کے عوض میں تمہاری خوبانیاں بیچنے کیلئے آواز کرتا رھوں گا تاآنکہ یہ سب بک جائیں دکاندار نے بچے کو خوبانیاں دے دیں اور بنان وھاں کھڑے آواز کرتے رہے ـ لوگو ! اس بچے سے وہ غذا خرید لو جو فنا ہوگی اور باقی نہ رہے گی ـ تھوڑا ھی وقت گزرا تھا کہ دکاندار نے سب خوبانیاں بیچ لیں ـ

کہتے ھیں کہ ابراھیم بن ادھم نے فرمایا : جب فقیر شادی کر لیتا ہے تو اس کی مثال

اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو کشتی پر سوار ہو پھر جب ان کے ہاں بچہ ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ غرق ہو گیا اور یہ حکایت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کی جاتی ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بشر بن حارث رحمہ اللہ نے کہا : اگر مجھے روزی کمانے اور حاجتوں کا اہتمام کرنے پر مجبور ہونا پڑے تو مجھے یہ ڈر رہے گا کہ کہیں سپاہی نہ بن جاؤں ۔

ابوشعیب براثی رحمہ اللہ کی ایک جھونپڑی تھی ۔ وہاں سے ایک دنیادار عورت کا گزر ہوا اور ان سے کہا کہ میں آپ سے شادی اور آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں ۔ اس نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور ابوشعیب رحمہ اللہ نے اس سے شادی کر لی ۔ جب وہ جھونپڑی میں داخل ہونے لگی تو اس کی نگاہ کپڑے کے ایک ٹکڑے پر پڑی ۔ اس نے کہا : جب تک تو اس کپڑے کو نکال نہ دے گا جھونپڑی میں داخل نہ ہونگی ۔ کیا میں نے تجھے یہ کہتے نہیں سنا : زمین ابناء آدم کو پکار پکار کر کہہ رہی ہے آج تو تو میرے اور اپنے درمیان کوئی چیز حائل کرکے رکھتا ہے حالانکہ تو کل ہی میرے پیٹ میں آجائے گا ۔ لہذا میں اپنے اور تمہارے درمیان کوئی رکاوٹ کی چیز نہیں رکھنے کی اس پر براثی نے اس ٹکڑے کو باہر پھینک دیا ۔ پھر کہا : اندر آجاؤ ۔ وہ اندر آگئی اور دونوں کئی سال تک اللہ کی عبادت میں لگے رہے تاآنکہ اسی حالت پر ان کی وفات ہوئی ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس نے شادی کر لی ہو یا اس کی اولاد ہو تو اس کا ادب یہ نہیں ہے کہ اولاد کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ ان کے فرائض سرانجام دے البتہ اگر ان کی باطنی حالت بھی اس جیسی ہو (تو پھر ان کو اللہ پر چھوڑ دینا جائز ہوگا) ۔

صوفیاء کے آداب میں یہ بھی شامل نہیں کہ مالدار عورت سے شادی کریں اور اپنی بیویوں کے آرام و راحت میں لگے رہیں (بلکہ) فقیر کا ادب یہ ہے کہ کسی فقیر اور کم مال والی عورت سے شادی کرے اور اس سے انصاف کا برتاؤ کرے اگر کوئی مالدار عورت اس کی طرف مائل ہو تو اسے اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا ۔

فتح موصلی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو لے کر اسے بوسہ دیا ۔ فتح فرماتے ہیں کہ (اسی وقت) میں نے غیب سے ندا سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے : اے فتح ! کیا تجھے ہماری محبت کے ہوتے ہوئے کسی اور سے محبت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی

۔ فتح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنے کسی بچے کو کبھی بوسہ نہیں دیا ۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اولاد تھی آپ انہیں بوسہ بھی دیا کرتے تھے گلے بھی لگاتے اور سینے سے بھی لگاتے تھے ۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں عرض کیا : یا رسول اللہ ! میرے دس بچے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا ۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

جو کسی پر رحم نہیں کھاتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تو اس قیاس میں بہت دور نکل گیا ہے ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تو قیامت تک تمام مخلوق کے امام ہیں ۔ اور اللہ تعالی کی طرف سے عصمت ، نبوت کی قوت اور انوار رسالت تمام کے تمام آپ کے ساتھ رہتے تھے ۔ آپ پر دنیاوی اشیاء کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی آپ اشیاء کے اندر حظ نفس کی خاطر داخل ہوتے تھے ۔ کیونکہ آپ کی تمام حرکات و سکنات امت کو ادب سکھانے کی خاطر ہوتی تھیں ۔ امت کے لوگوں میں نہ وہ قوت ہے اور نہ وہ خصوصیت ۔ اور جب اللہ تعالی بنظر عنایت دیکھتے ہیں تو اللہ کو غیرت آتی ہے کہ وہ اپنے دل سے ماسوا کی طرف متوجہ (۲۸۹)ہوں ۔

۲۰ ۔ باب (ص ۲۰۱)

بیٹھنے اور ہمنشینی کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بیان کیا جاتا ہے کہ سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا بیٹھنا ہو تو مسجد میں بیٹھو کیونکہ یہ ایسی دکانیں ہیں جن کا کوئی دروازہ نہیں کہ بند ہو جائے) ۔

سری رحمہ اللہ سے مروت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا : مروت نفس کو میل کچیل سے بچانے اور ہمنشینی میں لوگوں سے انصاف کرنے کا نام ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ کرے تو یہ اس کی مہربانی ہوگی ۔

کسی شیخ کا قول ہے ۔ فقیر کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس کے سرین اس کا سجادہ ہوں ۔ ان کی مراد یہ تھی کہ کثرت سے بیٹھے رہنے سے سرین سجادہ سے چمٹ جائیں ۔

ابویزید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں ایک رات نماز کے لئے اٹھا پھر تھک کر بیٹھ گیا اور پاؤں پھیلا دئے ۔ اسی وقت میں نے غیب سے آواز سنی : جو بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھے اسے اچھے آداب بجا لانے چاھئیں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراھیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا : ایک بار میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا تو غیب سے ندا آئی کیا تو بادشاھوں کی مجلس میں اسی طرح بیٹھا کرتا ہے ۔ اس کے بعد میں کبھی بھی ایسے نہیں بیٹھا ۔

ابراھیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے ایک فقیر کو نہایت خوبصورتی سے بیٹھا ہوا دیکھا میں اس کی طرف بڑھا ۔ اس وقت میرے پاس کچھ درھم تھے جو میں نے اس کی گود میں پھینک دئے ۔ اس نے کہا : میں نے یہ بیٹھک ایک لاکھ درھموں سے حاصل کی ہے کیا میں اسے ان چند درھموں کی خاطر بیچ دوں ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مخالفین کی صحبت میں بیٹھنے سے روح اندھی ھو جاتی ہے اور مخالفین کی طرف دیکھنے سے ذوق ختم ھو جاتا ہے ۔

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابن مملولہ عطار دینوری کو دیکھا انہیں ایک ھمنشین سے تکلیف پہنچی تھی ؛ میں نے کہا : کیا آپ ایسے شخص کی صحبت میں رھتے ھیں ۔ ابن مملولہ رحمہ اللہ نے جواب دیا : اس سے جدائی ممکن نہیں ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ جب تمہیں اپنے کسی بھائی کا حال معلوم کرنے میں دقت پیش آئے تو اس کے ھمنشین سے اس کا اندازہ کر لو ۔

شیخ فرماتے ھیں : حسن قزاز آشوب چشم کی بیماری میں مبتلا تھے اور وہ رات کے وقت بالعموم بیٹھے رھتے ۔ ان سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا : تصوف کی بنیاد تین باتوں پر ہے ؛ کھائے تو سخت بھوک کے وقت کھائے ۔ بولے تو سخت ضرورت کے وقت اور سوئے تو جب سوئے جب نیند کا غلبہ ھو ۔

جعفر رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جنید رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے :اگر مجھے یہ معلوم ھوتا کہ تمہارے پاس بیٹھنے سے دو رکعت نماز پڑھنا افضل ہے تو میں کبھی بھی تمہارے پاس نہ بیٹھوں (۳۹۰) ۔

۲۱ ـ باب (ص ۲۰۲)

بھوک کے بارے میں ان کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یحیی بن معاذ رحمہ اللہ نے فرمایا : اگر مجھے علم ہو جائے کہ بازار میں کہیں بھوک بکتی ہے (تو ضرور خرید لیتا کیونکہ) آخرت کے طالبوں کے لئے ، جب وہ بازار جائے اس کے سوا کسی اور چیز کا خریدنا مناسب نہ ہوتا ۔

نیز فرمایا : بھوک کی چار قسمیں ہیں ۔ یہ مریدوں کیلئے ریاضت ، توبہ کرنے والوں کیلئے تجربہ ، زاھدوں کیلئے تدبیر اور عارفوں کیلئے بزرگی ۔

فرماتے ہیں : جب بھی سہل رحمہ اللہ کو بھوکا رہنا ہوتا تو طاقتور ہو جاتے تھے اور جب کچھ کھا لیتے تو کمزور پڑ جاتے تھے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تمہارا شکم سیر ہو جائے تو اس خدا سے جس نے تمہیں سیری شکم میں مبتلا کیا ہے بھوک مانگ اور جب بھوک لگے تو اس خدا سے جس نے تمہیں بھوک میں مبتلا کیا ہے سیری مانگ ورنہ اگر ایک حالت طول پکڑ گئی تو تم سرکش ہو جاؤ گے ۔

ابوسلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے بھوک کو اپنے خزانوں میں جمع کر کھا ہے وہ اسے خصوصیت کے ساتھ صرف اپنے محبوبوں کو دیتا ہے ۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ سے بھوک کی حقیقت کے متعلق ایک بات سنی اور وہ یہ ہے انسان اپنی روزمرہ کی خوراک میں صرف اس قدر کم کرتا جائے جس قدر بلی کے کان ۔ اس پر میں نے کہا : آپ نے کل بھی یہی بات بیان کی تھی اور یہی بات سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کے متعلق بیان کی جاتی ہے کہ وہ بیس سے کچھ زیادہ دنوں کھانا نہیں کھاتے تھے ۔ اس پر انہوں نے فرمایا : سہل رحمہ اللہ تعالی کھانا ترک نہ کرتے تھے بلکہ کھانا انہیں ترک کر دیتا تھا ۔ کیونکہ ان کے دل پر کچھ کیفیات وارد ہوتیں تھیں جن میں مشغول ہونے کی وجہ سے کھانا کھانے سے غافل ہو جاتے تھے ۔

میں نے عیسی قصار رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : بھوک کا ادب یہ ہے کہ فقیر سیری کے وقت بھوک کو گلے لگائے تاکہ جب اسے بھوک لگے تو یہ پہلے سے ہی بھوک سے مانوس ہو چکا ہو ۔

ایک شیخ نے کسی صوفی کو یہ کہتے سنا کہ میں بھوکا ہوں۔ شیخ نے کہا : تو جھوٹ کہتا ہے۔ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ نے یہ کیسے حکم لگا دیا کہ یہ جھوٹ کہہ رہا ہے ؟ جواب دیا : بھوک اسرار الہیہ میں سے ایک سر ہے جسے اللہ نے اپنے خزانوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اور اللہ یہ سر ان لوگوں کو عطا نہیں کرتا جو اس کا افشا کر دیں۔

فرماتے ہیں : ایک صوفی کسی شیخ کے پاس گیا۔ شیخ نے کھانا پیش کیا اور صوفی نے کھا لیا۔ شیخ نے پوچھا : تو نے کتنے عرصے سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس نے جواب دیا : پانچ دن سے۔ شیخ نے فرمایا : تیری بھوک محتاجی کی وجہ سے نہیں ہے، تیری بھوک بخل کی وجہ سے ہے۔ تیرے پاس کپڑے ہیں پھر بھی تو بھوکا رہتا ہے۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے۔

باب ـ ۲۲ (ص ۲۰۳)

مرض کے دوران مریضوں کے آداب کا بیان

شیخ فرماتے ہیں : میں نے ممشاد دینوری کے کسی مرید کو ممشاد رحمہ اللہ کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ ایک بار سخت بیمار پڑ گئے تو ان کے مرید ان کی عیادت کیلئے آئے۔ انہوں نے پوچھا : آپ کا کیا حال ہے ؟ جواب دیا : مجھے معلوم نہیں، بیماری کو پوچھو وہ مجھے کیسا پا رہی ہے۔ مریدوں نے پھر سوال کیا : آپ اپنے دل کو کیسا پا رہے ہیں ؟ جواب دیا : میں تو تیس سال ہوئے دل کھو چکا ہوں۔

میں نے محمد بن معبد بانیاسی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے کردی صوفی کو دیکھا وہ اس وقت چھ ماہ سے بیمار چلے آرہے تھے۔ لوگ عیادت کو آتے۔ ان کے بدن کے ایک حصے میں کیڑے پڑ چکے تھے۔ اگر کوئی کیڑا گر پڑتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر اسی جگہ پر رکھ دیتے۔

ذوالنون رحمہ اللہ اپنے ایک مرید کی عیادت کو گئے تو فرمایا : جو شخص اپنے محبوب کی مار پر صبر نہیں کرتا وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہے۔ مریض نے جواب میں کہا : جس نے محبوب کی مار سے لذت حاصل نہیں کی وہ اپنی محبت میں سچا نہیں ہے۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی یہ عادت تھی کہ جب ان کا کوئی مرید بیمار پڑجاتا تو اسے کہتے : جب تو شکایت کرنا چاہے تو "اوہ" کہنا کیونکہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ہے

جس سے مریض کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اوخ نہ کہنا کیونکہ یہ شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

میں نے ابوبکر احمد بن جعفر طوسی رحمہ اللہ کو دمشق میں یوں کہتے سنا: ابو یعقوب نہر جوری کو کئی سال تک پیٹ میں درد رہا اور یہ ایک قسم کی چبھن تھی جسے وہ پیٹ میں محسوس کرتے تھے اور فرمایا کرتے مجھے اس کی ایک دوا معلوم ہے جو ایک قیراط چاندی کی آتی ہے۔ اس سے یہ بیماری جاتی رہتی ہے مگر آپ اس کا علاج نہ کرتے تھے تاآنکہ اس دنیا سے چل بسے۔

اس کے متعلق میں نے کسی شیخ سے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: علاج یہ تھا کہ لوہا گرم کرکے اس مقام کو داغ دیا جائے مگر آپ اس علاج کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے منع فرمایا ہے۔

ثوری رحمہ اللہ بیمار پڑ گئے تو ان کے ایک شاگرد ان کی عیادت کو نہ آئے۔ کچھ عرصہ بعد آئے اور عذر پیش کرنے لگے ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: عذر پیش نہ کرو کیونکہ شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ عذر پیش کرنے والا جھوٹ نہ بولے۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کو خونی بواسیر کی بیماری تھی لہذا انہیں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا پڑتا۔ آپ فرمایا کرتے مجھے اس کی دوا معلوم ہے جس پر ایک قیراط خرچ آتا ہے مگر انہوں نے اس کا علاج مرتے دم تک نہیں کیا۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا (ص۲۰۳) تو مجھے بتایا گیا کہ آپ نے اس کا علاج اس لئے نہیں کیا کہ اس کے لئے ستر کھولنا اور طبیب کو دکھانا پڑتا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک بار بشر حافی رحمہ اللہ بیمار پڑ گئے۔ طبیب آیا۔ بشر طبیب کے پاس اپنی تکلیف بیان کرنے لگے۔ کسی نے ان سے کہا: اے ابونصر کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں یہ شکایت شمار نہ ہو جائے۔ انہوں نے جواب دیا: ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو اسے بتا رہا ہوں کہ قادر مطلق مجھ پر کس طرح قادر ہے۔

میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کتاب جعفر خلدی رحمۃ اللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی فرماتے ہیں کہ جنید رحمہ اللہ سخت بیمار پڑ گئے تو آپ کہا کرتے: بات وہی ہے جو ذوالنون رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اے وہ خدا جس کے عطیوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ہمیں وہ چیز عطا کر جس کا ہم شکریہ ادا کریں۔ اور کبھی یوں فرماتے۔ یہ بیماری تو ان کے لئے ہر اس چیز سے غذا ہے جسے اللہ حاضر کر دے۔

۲۳ ۔ باب

مشائخ کے آداب ، ان کا اپنے مریدوں سے نرمی اور مہربانی سے پیش آنا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں سے کہا کرتے : اگر یہ معلوم ہو کہ دو رکعت نماز پڑھ لینا تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے ساتھ کبھی نہ بیٹھوں ۔

بشر حافی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک دن جبکہ سخت سردی پڑ رہی تھی کپڑے اتار دئے اور آپ ٹھٹھر رہے تھے ۔ ہم نے ان سے پوچھا : اے ابونصر ! کیا بات ہے فرمایا : مجھے فقراء یاد آگئے تھے کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور ان کی غمخواری کرنے کے لئے میرے پاس بھی کچھ نہ تھا ۔ لہذا میں نے یہی پسند کیا کہ اپنی ذات کے ساتھ ان سے غمخواری کروں ۔

میں نے دقی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں مصر میں تھا اور ھماری فقراء کی ایک جماعت مسجد میں بیٹھی تھی کہ زقاق رحمہ اللہ آگئے اور ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگ گئے ۔ ہم نے کہا جب فارغ ہوں گے تو ہم اٹھ کر انہیں سلام کہیں گے ۔ آپ اٹھے اور ھمارے پاس چلے آئے اور ھمیں سلام کیا ۔ ہم نے کہا : ھمارا زیادہ حق ہے کہ آپ کو سلام کرنے آئیں ۔ آپ نے جواب دیا : اللہ تعالی نے کبھی یہ عذاب میرے دل کو نہیں دیا

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے جریری رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا : میں حج کرکے آیا تو سب سے پہلے جنید رحمہ اللہ کے ہاں سلام کرنے کے لئے گیا اور دل میں کہا کہ کہیں ان کو میرے پاس آنے کی زحمت نہ ہو پھر میں گھر آگیا ۔ جب صبح کی نماز پڑھ چکا مڑ کر کیا دیکھتا ہوں کہ جنید رحمہ اللہ میرے پیچھے ھیں ۔ میں نے عرض کیا : آقا ! میں سب سے پہلے صرف آپ کو اس لئے سلام کرنے کو گیا تھا کہ (ص۲۰۵)آپ کو یہاں آنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے ۔ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : یہ (یعنی میرا تمہارے پاس آنا) تو تمہارا حق ٹھہرا اور وہ (یعنی تمہارا مجھے سلام کو آنا) تمہاری مہربانی تھی ۔

ابوسعید بن الاعرابی فرماتے ھیں : ایک نوجوان ابن صائغ کے نام سے مشہور تھا ۔ اس کا باپ بڑا مالدار تھا ۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر صوفیاء کے ساتھ ہو لیا اور ابواحمد قلانسی رحمہ اللہ کی صحبت میں آگیا ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ابواحمد کے پاس کچھ

درھم آجاتے تو وہ اس کے لئے چپاتی ، بھنا ھوا گوشت اور مٹھائی خرید لاتے اور خاص اسی کو دیتے ۔

جعفر خلدی سے مروی ہے وہ فرماتے ھیں کہ ایک شخص جنید رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور صوفیاء کے ساتھ مل کر فقر کی حالت میں بیٹھنے کا ارادہ ظاھر کیا ۔ وہ فرماتے ھیں کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو اسے یوں کہتے سنا : اپنا سارا مال خرچ نہ کرو ۔ اس قدر اپنے پاس رکھ لو جو تمہارے لئے کافی ھو اور باقی خرچ کر دو اور جو مال تو اپنے پاس رکھے اس میں سے کھاتے رھو اور حلال کی روزی کمانے کی کوشش کرو اپنا سارا مال خرچ نہ کرنا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ (بعد میں) تمہارا نفس اس کا مطالبہ کرے گا ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم جب کسی بات کا ارادہ کرتے تو اسے (۳۹۱) پختگی سے کرتے ۔

میں نے وجیہی کو سنا وہ فرما رہے تھے : میں نے ابوعلی رودباری کو یوں فرماتے سنا ھم کچھ لوگ جنگل میں تھے اور ھمارے ساتھ ابوالحسن عطوفی بھی تھے ۔ اکثر ایسا ھوتا کہ ھم کو شدید بھوک لگتی اور راستے کا بھی پتہ نہ چلتا تو ابوالحسن ایک ٹیلے پر چڑھ کر بھیڑیوں کی طرح آواز نکالتے تاکہ قبیلے کے کتے سن کر بھونکنے لگ جائیں ۔ پھر وہ ان کتوں کی آواز کے پیچھے لگ جاتے اور قبیلے کے لوگوں سے کھانے کی کوئی چیز لے آتے ۔

ابوسعید خراز کہتے ھیں : کہ میں رملہ گیا تو وھاں ابوجعفر قصاب کے پاس بھی گیا اور رات وھیں گزاری پھر وھاں سے نکل کر بیت المقدس گیا وہ وھیں میرے پیچھے پہنچ گئے اور ساتھ روٹی کے چند ٹکڑے لے آئے اور کہا : معاف کرنا یہ ٹکڑے گھر میں موجود تھے مگر مجھے معلوم نہ تھا ۔

۲۴ ۔ باب

مریدوں اور مبتدیوں کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ کی کتاب میں یوں پایا ہے : حکمت اللہ تعالی کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے جس کے ساتھ وہ مریدوں کے آداب کو تقویت دیتا ہے جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے کسی فقیر نے یا کسی شیخ نے سوال کیا : (صوفیاء کی) حکایت بیان کرنے سے مریدوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے ۔ جواب دیا :

حکایتیں اللہ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مریدوں کے دلوں کو تقویت دیتا ہے۔ اس پر میں نے کہا : کیا اس کی شہادت قرآن مجید سے ملتی ہے۔ جواب دیا ہاں اور قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی :

(۲۹۳)وکلا نقص علیک من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادک

(رسولوں کے یہ تمام قصے جو ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں یہ آپ کے دل کو ثابت قدم رکھنے کی خاطر بیان کئے جاتے ہیں)

یحییٰ فرماتے ہیں : مریدوں کے دلوں کے لئے حکمت پنکھے کا کام کرتی ہے تاکہ اس سے دنیا کے شعلوں کو دور ہٹا دیا جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ممشاد دینوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے : سچے فقیر کو دیکھ کر میری آنکھوں کو قرار حاصل ہوتا ہے اور حقیقی مرید کو دیکھ کر میرا دل خوش ہوتا ہے۔

ابوتراب رحمہ اللہ فرماتے ہیں : عارفوں کا ریا مریدوں کے اخلاص کی طرح ہے۔

ابوعلی بن الکاتب فرماتے ہیں : جب کوئی مرید ہمہ تن اللہ ہی کا ہو لیتا ہے تو اسے پہلا فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ وہ ماسوا سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا : جب مرید ,,مقام حیرت،، میں پڑ جائے (تو اسے کیا کرنا چاہئے)۔

فرمایا : حیرت دو وجہ سے ہوا کرتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی گناہ کے سرزد ہونے کی وجہ سے شدید خوف طاری ہو جائے۔ اور دوسری یہ کہ دل پر اللہ تعالیٰ کی عظمت واضح ہو جائے۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابتدا میں جب مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا کرتا تو میں آنکھ میں نمک ڈالا کرتا تھا پھر جب اور زیادہ غلبہ ہوتا تو سلائی گرم کرکے آنکھ میں لگایا کرتا تھا۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مرید کا ادب اور اس کی ارادت کے سچے ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس پر رقت ، شفقت ، مہربانی ، سخاوت غالب ہو اور بندگان خدا اور اس کی مخلوق کی ہر قسم کی ناپسند بات کو برداشت کرے تاکہ وہ بندگان خدا کیلئے زمین بن جائے جس کے اوپر وہ دوڑیں اور اسے اپنے شیخ کیلئے ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح ہونا چاہئے اور بچے کے سامنے مہربان باپ کی طرح۔ اسے تمام مخلوق کے ساتھ بھی اسی طرح

رهنا چاهئے کہ ان کی تکلیف سے اسے تکلیف هو اور ان کے مصائب پر یہ غمناک هو۔ ان کی اذیت پر صبر کرے کیونکہ سچے مریدوں سے اللہ تعالی کا ارادہ یہی ہے کہ وہ مخلوق پر اسی طرح مہربان هوں جس طرح اللہ مہربان ہے۔ مزید برآں مرید کو انبیاء صدیقین ، اولیاء اللہ کے اور اللہ کے محبوبوں کے آداب کو اپنانا چاهئے تاآنکہ وہ حجابات جو ان کے اور اللہ کے درمیان هیں اٹھ جائیں ۔ لہذا جب وہ ان آداب پر کاربند هوگا اور ان اخلاق کو اپناتا رہے گا وہ اللہ تعالی سے مدد کا طالب هوگا ، اللہ پر بھروسہ کئے هوگا اور اس پر راضی هوگا ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے هیں : مرید کا دل ان امور میں مشغول هونا چاهئے ، فرائض کا ادا کرنا ، گناہ سے استغفار کرنا اور مخلوق سے سلامتی چاهنا ۔

(ص۲۰۷)کسی نے یوسف بن حسین رحمہ اللہ سے سوال کیا : مرید کی کیا علامت ہے ؟ جواب دیا : جو ہر اس شخص کے ساتھ میل جول نہ رکھتا هو جس کی ارادت اس کی ارادت جیسی نہ هو اور یہ کہ اس کا دشمن بھی اس سے اسی طرح محفوظ هو جس طرح ایک دوست ۔ نیز مزید یہ علامت ہے کہ جو کچھ وہ چاهتا هو وہ اسے قرآن میں پائے ، اپنے علم کے مطابق عمل کرے ، جن امور کا اسے علم نہیں ان کا علم حاصل کرے ، جن امور سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے انہیں ترک کر دے ، اللہ کی وعید سے نجات چاهنے کا بہت هی خواهشمند هو اور اللہ کے وعدوں کے پورا هونے کا خواهشمند هو اور ماسوا کو ترک کرکے اپنے نفس کے ساتھ مشغول رہے ۔

ابوبکر بارزی رحمہ اللہ فرماتے هیں : جب پہلے هی قدم پر مرید کو خوفناک راستہ چلنا پڑے تو اسے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاهئے کیونکہ اس کے بعداسے راحت هی راحت ملےگی ۔

باب ۔ ۲۵

ان لوگوں کے آداب کا بیان جو تنہا رهنا چاهتے هیں اور خلوت اختیار کرتے هیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے هیں : بشر حافی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے : صوفی کو خلوت میں اللہ سے ڈرتے رهنا چاهئے ، اسے گھر هی کے اندر پڑا رهنا چاهئے اور اللہ عزوجل اور اس کے کلام (یعنی قرآن مجید) سے انس هونا چاهئے ۔

میں نے دقی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے دراج کو یوں فرماتے سنا : ابوالمسیب ایک بڑا آدمی تھا اور ویران مسجدوں میں تنہا پڑا رہتا تھا ۔ ایک رات میں نے اسے ایک مسجد میں پا لیا اور میں نے کہا : تو کہاں سے آیا ہے ؟ اس نے جواب دیا : میں ہر جگہ سے تعلق رکھتا ہوں ؛ میں نے کہا جس شخص کا ہر جگہ سے تعلق ہو اس کی کیا نشانی ہے : جواب دیا : وہ نہ تو کسی سے خوف کھاتا ہو اور نہ کوئی چیز اس سے وحشت زدہ ہو ۔ دراج کہتے ہیں : میں شبلی رحمہ اللہ کو اس کے پاس لے گیا : اس نے شبلی کی طرف دیکھ کر کہا یہ تو اصطبل (۳۴۳) کا جانور نہیں ہے اگر ہے تو اس کی نشانی کہاں ہے ۔ دراج کہتے ہیں کہ یہ کلمات سن کر شبلی رحمہ اللہ نے چیخ ماری پھر اپنے منہ پر تھپڑ مارا اور دیوانہ وار نکل گئے اور کہتے گئے : خدا کی قسم یہ سچ کہتا ہے اگر یہ اصطبل کے جانوروں میں سے ہوتا تو اس کی علامت کہاں ہے ۔

• جنید رحمہ اللہ سے خلوت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : سلامتی ان لوگوں کا ساتھ دیتی ہے جو سلامتی چاہتے ہوں اور مخالفت چھوڑ دیں نیز ان امور کی طرف باربار جھانکنا چھوڑ دیں جن سے علیحدہ رہنے کو علم واجب قرار دیتا ہے ۔

ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا : صرف طاقتور لوگ ہی تنہا رہنے کی طاقت رکھتے ہیں مگر ہمارے جیسے لوگوں کیلئے اکٹھے رہنا ہی زیادہ مفید ہے کیونکہ ہم لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں

(ص۲۰۸)میں نے ابوحفص عمر خیاط رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : کہ انہوں نے ابوبکر بن المعلم کو انطاکیہ میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے کہ ساٹھ سال کے بعد مجھے کلمہ شہادت پڑھنے کو کہا گیا ؛ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا ساٹھ سال تک میں لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا رہا ۔ جب میں تنہائی میں چلا گیا اورحکام پہاڑ کے اندر گیا تو جب میں اپنے ان اوراد کیلئے اٹھنا چاہتا جو لوگوں کے اندر رہنے کے زمانے میں میری عادت بن چکے تھے تو مجھ سے اٹھا نہ جاتا تھا لہذا میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ابھی تک مجھے اللہ تعالی پر ایمان ہی نہیں ہے ۔ لہذا میں نے ازسرنو کلمہ شہادت پڑھا اور دس سال تک حکام پہاڑ میں پڑا رہا تاآنکہ میرے اوراد خلوت میں اسی طرح خالص اور پاک ہوگئے جس طرح لوگوں کے اندر رہنے کے زمانے میں ہوا کرتے تھے ۔

ابراھیم خواص رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے جنگل میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کا ادب اچھا اور دل حاضر تھا ۔ خواص رحمہ اللہ نے اس سے اس کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا : میں ان لوگوں میں جن سے میری جان پہچان تھی . توکل

رضا اور تفویض (کے ادعاء پر) عمل کیا کرتا تھا مگر جب ان سے جدا ہو گیا تو ان چیزوں(۳۹۴) میں سے میرے پاس ایک ذرہ بھر نہ رہا۔ لہذا میں یہاں آگیا ہوں تاکہ اپنے نفس سے مطالبہ کروں کہ جن باتوں کا تو مطالبہ کیا کرتا تھا وہ باتیں ان سے علیحدہ ہو کر کرکے دکھاؤ۔

۲٦ ۔ باب

صداقت اور دوستی کے بارے میں ان کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ذوالنون رحمہ اللہ کا قول ہے: دوست کی طرف جانے کا راستہ دور نہیں ہوا کرتا اور محبوب سے کوئی جگہ تنگ نہیں ہو جاتی۔

میں نے ابوعمر اسمعیل بن نجید رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعثمان کو یوں فرماتے سنا: جو شخص تجھ سے محض اس خیال سے دوستی رکھتا ہے کہ تو معصوم ہے تو اس کی دوستی پر اعتماد(۳۹۵) نہ رکھ۔

ابن سماک رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے جعفر خلدی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ان کے کسی دوست نے ان سے کہا: میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کل ہم ایک دوسرے کو عتاب کریں گے تو انہوں نے جواب میں کہا: میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے کی غلطی پر پردہ ڈالیں گے کہا جاتا ہے کہ جو دوستی ملاقات کی وجہ سے بڑھتی ہو دوستی کے اعتبار سے اس میں کھوٹ پایا جاتا ہے کسی سے حقیقی دوستی کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا: حقیقی دوستی وہ ہے جو نہ تو اچھے برتاؤ کی وجہ سے بڑھے اور نہ برے برتاؤ کی وجہ سے کم ہو۔ اور یہ قول یحیی بن معاذ رازی رحمہ اللہ کا ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے: دوست سے اعراض کرنے سے اس کی دوستی برقرار رہتی ہے

(ص۲۰۹)جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے ابوالعباس بن مسروق رحمہ اللہ نے فرمایا: دوستی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

وقفہ کے ساتھ دوست سے ملا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے

کسی نے یحیی بن معاذ رحمہ اللہ سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے: جواب دیا: جس کا دشمن اس کی بیماری(۳۹٦) ہو اور دوست مصیبت اس کا بھی کوئی حال ہو

سکتا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں کچھ لوگوں کو دیکھا کرتا تھا ۔ ان پر ایک نگاہ ڈالنا ہی میرے لئے کافی تھا اور یہی ایک نگاہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک میرا زاد ہوا کرتی ۔

کسی شیخ کا قول ہے : جب مجھے ثابت ہو چکا ہو کہ فلاں کی دوستی صحیح دوستی ہے تو پھر اس بات کی مجھے پرواہ نہیں کہ کب ملاقات ہوگی ۔

روایت ہے کہ نوری رحمہ اللہ نے فرمایا : دوست سے کسی بات کا حساب نہیں لیا جاتا اور دشمن کیلئے کوئی چیز شمار نہیں کی جاتی ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تمہارا کوئی دوست ہو تو پھر تو ایسی بات کرکے جسے وہ ناپسند کرتا ہو اسے دکھ نہ دے ۔

فرماتے سنا : جو شخص پائیدار دوستی چاہتا ہو ۔ اسے اپنے پرانے دوستوں کی دوستی کو محفوظ رکھنا چاہئیے ۔

۲۷ ۔ باب

موت کے وقت ان کے آداب کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھے ابومحمد ہروی کی نسبت بتایا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا : جس دن شبلی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی میں اس رات وہیں ٹھہرا رہا ۔ وہ رات بھر یہ دو شعر پڑھتے رہے :

کل بیت أنت ساکنه غیر محتاج الی السرج

ہر وہ گھر جہاں تم سکونت رکھتے ہو وہ چراغوں کا محتاج نہیں ہے

وجهک المأمول حجتنا یوم یأتی الناس بالحجج

جس دن لوگ اپنے اپنے دلائل پیش کریں گے اس دن تمہارا وہ چہرہ جس کی ہم امید لگائے ہوئے ہیں ہماری دلیل ہوگا ۔

ابن الفرجی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ کے ایک سو بیس لوٹے والوں کو دیکھا ہے مگر ان میں سے صرف دو شخص فقر (۳۹۹) پر مرے۔

کسی صوفی نے کہا ہے کہ ان دو فقیروں میں ایک تو ابن الجلاء رحمہ اللہ تھے اور دوسرے ابوعبید بسری رحمہ اللہ۔

ابن بنان مصری رحمہ اللہ کے دل پر کوئی چیز وارد ہوئی تو وہ دیوانوں کی طرح سرگردان رہے۔ لوگوں نے انہیں بنی اسرائیل کے جنگل کے اندر ریت میں پڑا ہوا پایا۔ انہوں نے آنکھ کھول کر اپنے مریدوں کی طرف (ص۲۱۰)دیکھا اور کہا : میں(۳۹۸)تو یہاں چر رہا ہوں کیونکہ دوستی کی یہی چراگاہ ہے۔ یہ الفاظ کہے اور جان دے دی۔ اس حکایت کی روایت وجیہی رحمہ اللہ نے کی ہے۔

میں نے وجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباری کو یوں فرماتے سنا : میں مصر گیا اور وہاں کچھ لوگوں کا مجمع لگا ہوا دیکھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہم ایک ایسے شخص کے جنازہ میں شامل تھے جس نے کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا :

کبـرت همـنـة عبد طمعـت فی أن تراكا

جس شخص کی ہمت نے تجھے دیکھنے کی خواہش کی اس کی یہ بڑی ہمت ہے

یہ سنتے ہی اس نے چیخ ماری اور جان دے دی۔

میں نے اپنے ایک ساتھی کو کہتے ہوئے سنا کہ ابویزید رحمہ اللہ نے موت کے وقت یوں کہا :

میں نے تجھے جب یاد کیا تو غفلت سے یاد کیا مگر تو نے مجھے (کافی) مہلت دے کر میری جان قبض کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اپنے استاد ابن الکرینی کی موت کے وقت ان کے پاس بیٹھا تھا کہ انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور کہا : (بہت) دور ہے لہذا میں نے اپنا سر نیچا کر لیا انہوں نے پھر دھرا کر کہا : (بہت) دور ہے۔ ان کی مراد یہ تھی کہ تو خواہ آسمان کی طرف خواہ زمین کی طرف دیکھکر اس کی طرف اشارہ کرے وہ اس سے زیادہ تمہارے قریب ہے۔

جریری رحمه اللہ فرماتے ھیں : میں جنید رحمه اللہ کی وفات کے وقت ان کے پاس تھا ۔ وہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے ۔ میں نے کہا : اے ابوالقاسم ! کیا آپ اس مقام تک پہنچ نہیں چکے اور آپ کی تکلیف جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں اس حد تک پہنچ چکی ہے ۔ بہتر ہو اگر آپ ذرا آرام لے لیں ۔ انہوں نے جواب دیا : اے ابومحمد ! یہی وہ گھڑی ہے جس میں مجھے (سجدے میں پڑے رہنے کی) زیادہ ضرورت ہے ۔ لہذا وہ سجدے ھی میں پڑے رہا تاآنکہ وہ میری موجودگی میں دنیا سے چل دئے ۔

بکران دینوری رحمه اللہ فرماتے ھیں : میں شبلی رحمه اللہ کی وفات کے وقت موجود تھا ۔ مجھے کہنے لگے میرے دل پر ایک درھم کا اثر باقی ہے جو میں نے ناحق لے لیا تھا اور میں نے اس درھم کے مالک سے بازار میں منہ موڑ لیا تھا (۲۹۹) ۔ اس سے بڑھ کر مجھے کسی اور بات کی فکر نہیں ۔ پھر فرمایا : نماز کے لئے مجھے وضو کرادو ۔ میں نے وضو کرا دیا مگر ان کی داڑھی کا خلال کرنا بھول گیا ۔ اس وقت ان کی زبان بند ہو چکی تھی ۔ لہذا انہوں نے میرا ھاتھ پکڑ کر اپنی داڑھی (۳۰۰) میں ڈال دیا اور جان دے دی ۔

ابوالحسن نوری رحمه اللہ کی وفات کا سبب یہ شعر تھا جو انہوں نے سنا تھا :

لا زلت أنزل من ودادک منزلاً   تتحیر الألباب عند نزوله

(میں تمہاری دوستی کی ایک ایسی منزل میں اترتا رہا جہاں اترتے ہوئے عقلیں خیرہ ہوتے جاتی ھیں)

سن کر وجد میں آئے اور دیوانہ وار صحراء کو نکل گئے ۔ وھاں کے ایک جنگل میں داخل ہوگئے جسے کاٹ دیا گیا تھا اور جس کی جڑیں تلوار کی طرح رہ گئی تھیں ۔ وہ ان پر چلتے رہے اور صبح تک یہی شعر دھراتے رہے ۔ ان کے دونوں پاؤں سے خون بہہ رہا تھا پھر بدمست آدمی کی طرح گر پڑے ۔ ان کے دونوں پاؤں سوج گئے اور جان دے دی ۔

میں نے دقی رحمه اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے ایک صبح ھم ابوبکر زقاق رحمه اللہ کے پاس تھے (ص۲۱۱)اور وہ کہہ رہے تھے ۔ خدایا ! تو مجھے کب تک یہاں رہنے دے گا ۔ ابھی پہلی نماز کا وقت نہ ہوا تھا کہ ان کی وفات واقع ہوگئی ۔

ابن عطار رحمه اللہ کی وفات کا سبب یہ ہوا کہ انہیں وزیر کے سامنے پیش کیا گیا وزیر ان سے درشت کلامی سے پیش آیا ۔ ابن عطار رحمه اللہ نے کہا : ارے نرمی سے بات کرو ۔ اس پر وزیر نے حکم دیا کہ اس کا جوتا ان کے سر پر مارا جائے ۔ اسی میں ان کی وفات ہوئی

ابراھیم خواص کی وفات رے کی جامع مسجد میں ہوئی ۔ انہیں پیٹ کی بیماری تھی ۔ ان کی یہ حالت تھی کہ جب قضاء حاجت سے فارغ ہوتے تو پانی میں داخل ہو کر غسل کرتے ایک بار پانی کے اندر گئے تو وہیں ان کی روح پرواز کر گئی ۔

ابوعمران اصطخری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابوتراب نخشبی رحمہ اللہ کو مرے ہوئے سیدھا کھڑا دیکھا اور آپ کو کوئی چیز سہارا نہ دے رہی تھی ۔

میں نے ابوعبداللہ احمد بن عطا کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک فقیر کو یوں کہتے سنا :

جب یحیی اصطخری کی وفات کا وقت آیا تو ہم ان کے گرد بیٹھ گئے ۔ ہم میں سے ایک شخص نے انہیں کہا : کلمہ شہادت پڑھئے ۔ اس پر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے پھر ہم میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور کہا ۔ کہو اشہد أن لا الہ الا اللہ اور اس کا ہاتھ چھوڑ دیا پھر ساتھ والے کا ہاتھ پکڑا تاآنکہ ہر ایک سے کلمہ شہادت پڑھایا اس کے بعد چت لیٹ گئے اور ان کی روح پرواز کر گئی ۔

کسی نے جنید رحمہ اللہ کے پاس ذکر کیا کہ ابوسعید خراز رحمہ اللہ موت کے وقت کئی بار وجد میں آئے ۔ تو جنید رحمہ اللہ نے کہا : کوئی عجب نہیں کہ ان کی روح اشتیاق کی وجہ سے (بار بار) ان کی طرف اڑ کر آتی ہو ۔

مجھے سردست ان کے آداب میں سے اسی قدر یاد ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا وہ ان سے بھی زیادہ ہیں ۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے ۔

****

٦ ـ کتاب مسائل اور ان کے جوابات میں ان کے اقوال میں اختلاف

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں چند مسائل میں ان کے اختلافات کا ذکر کروں گا ـ ان میں ہر ایک نے الگ الگ اور مختلف جواب دئے ہیں ـ جہاں جہاں علماء اور فقہاء کو اور اہل ظاہر میں سے ان لوگوں کو جن کا یہ فن نہیں ہے دقت پیش آتی ہے اس کی تشریح بھی کروں گا ـ

۱ـ مسئلہ :ء جمع و تفریق ـ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جمع اور تفرقہ دو نام ہیں ـ جمع سے مراد متفرق امور کو جمع کرکے یکجا کر دینا ہے اور تفرقہ جمع کی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا ـ لہذا جب تمہاری مراد جمع ہوگی تو کہے گا ،،اللہ،، اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے مگر جب الگ الگ کرے گا تو کہے گا ، دنیا ، آخرت اور کائنات : اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے ـ

(۳۰۲)شهد الله أنه لا اله الا هو

(خدا گواہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

یہاں اللہ نے جمع کر دیا ہے ـ اس کے بعد الگ الگ کیا تو فرمایا :

والملائكة واولوالعلم قائماً بالقسط

اور ملائکہ اور صاحب علم لوگ عدل وانصاف کے ساتھ گواہ ہیں)

اسی طرح اللہ تعالی کا یہ فرمان :

(۳۰۳)قولوا آمنا بالله (کہدو ہم اللہ پر ایمان لائے)

یہاں جمع کر دیا ـ پھر الگ کیا تو کہا :

وما انزل الينا وما انزل الى ابراهيم

لہذا جمع اصل ہے اور تفرقہ فرع ـ اور فروع ہی سے اصول کی پہچان ہوتی ہے اور فروع کا ثبوت بھی اصل سے ہی ملتا ہے لہذا ہر وہ جمع جو تفرقہ کے بغیر ہو زندقہ (بے دینی) ہے اور ہر تفرقہ جو جمع کے بغیر ہو وہ معطلہ(۳۰۴)کا دین ہوگا ـ متقدمین صوفیہ نے جمع اور تفرقہ پر بحث کی ہے ـ

ابوبکر عبداللہ بن طاہر الیبھری سے سوال کیا گیا کہ صوفیاء نے جمع اور تفرقہ کے معانی میں کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جواب دیا : بعض لوگوں نے اس کا اشارہ اس امر کی طرف کیا ہے کہ ان کی "جمع" آدم علیہ السلام میں ہے اور "فرق" ان کی ذریت میں ۔ بعض نے یوں اشارہ کیا ہے کہ ان کی "جمع" تو معرفت میں ہے اور فرق احوال میں ۔

جنید رحمہ اللہ نے "جمع" اور تفرقہ" کے بارے میں یہ اشعار کہے ہیں ۔

(۲۰۵)فتحققتک فی سـری فناجاک لسانی

اے خدا میں نے تجھے اپنے باطن میں پالیا لہذا میری زبان نے تجھ سے باتیں کیں

فاجتمعنـا لمعان وافتـر قنـا لمعان

بعض اوصـاف میـں ہم جمـع ہوگئے اور بعض میـں الگ الگ

ان یکن غیبک التعـــظیم عن لحظ عیانی

اگرچہ تیری تعظیم نے تجھے میری نگاہوں سے غائب کر دیا ہے

فلقد صیرک الوجـــد من الأحشاء دانی

مگر میرے وجد نے تجھے میرے باطن سے قریب کر دیا ہے

ایک اور نے کہا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ نوری رحمہ اللہ ہیں : حق تعالی کے ساتھ جمع ہونا غیراللہ سے تفرقہ ہے اور غیراللہ سے تفرقہ اللہ کے ساتھ جمع ہونا ہے۔

کسی اور کا قول ہے : جمع ایسا اتصال ہے جس میں صوفی اپنی انابت کا مشاہدہ نہیں کرتا ۔ اگر انابت کا مشاہدہ کرلے تو پھر وصل نہ رہے گا ۔ اور تفرقہ ان لوگوں کیلئے شہود ہے جو ان دونوں کے الگ الگ ہونے کا مشاہدہ کریں ۔

ایک اور گروہ کہتا ہے : جو حق کے ساتھ جمع ہوگا وہ اپنے اوصاف سے جدا ہوگا ۔ اور جو اپنے (ص۲۱۳)اوصاف میں "جمع" ہوگا وہ حق سے جدا ہوگا ۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں کیونکہ حق تعالی کے ساتھ جمع ہونا اپنی حجت سے بے تعلق ہونا اور اسے منتشر کرنا ہے اور حق کے ساتھ جمع ہونا حق کی وجہ سے حجاب میں آنا ہے اور اس سے الگ ہونا ہے۔

ایک اور کہتا ہے :بشریت کا مشاہدہ کرتے ہوئے جن امور کو بشریت جمع کرے وہ جمع ہے اور اس کا غائب ہونا تفرقہ ۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو اپنی ذات کی طرف دیکھے گا تو تفرقہ ہوگا اور جب اپنے رب کی طرف دیکھے گا تو «جمع» ہوگا اور اگر تمہارا قیام کسی اور کی وجہ سے ہے تو تو مردہ ہے جمع اور تفرقہ کے معنی کے بارے میں یہ مختصر سا بیان ان لوگوں کیلئے ہے جو اس کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔ ان شاءاللہ ۔

۲ ۔ مسئلہ فنا و بقا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابو یعقوب نہر جوری رحمہ اللہ سے فنا اور بقا کی صحت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : جب بندہ بارگاہ رب العزت میں کھڑا ہو اور وہ اس بات کی طرف نہ دیکھے کہ وہ کھڑا ہے تو یہ فنا ہے اور عبودیت کے احکام میں اللہ تعالی کے موجود ہونے کو دیکھنا فنا ہے ۔

ان ہی ابویعقوب رحمہ اللہ سے فنا و علم بقا کے صحیح ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :فنا میں عبودیت بندے کے ساتھ ہوتی اور بقاء یہ ہے کہ رضاء الہی کو استعمال کیا جائے اور جس شخص کے ساتھ فنا و بقا میں عبودیت نہ ہو وہ محض مدعی ہی مدعی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فناء اور بقاء دو اسم ہیں اور یہ اس موحد بندے کی دو صفتیں ہیں جو اپنی توحید کے اندر رہتے ہوئے عام لوگوں کے درجے سے خاص لوگوں کے درجے کو پہنچنا چاہتا ہے ۔

ابتدائی مراحل میں فناء و بقاء کے معنی یہ ہیں : علم کی بقاء کی وجہ سے جہالت کا فنا ہو جانا اور اطاعت گزاری کی بقاء کی وجہ سے معصیت کاری کا فنا ہو جانا اور ذکر کی بقاء سے غفلت کا فنا ہو جانا اور اللہ تعالی کی ان عنایات کو جو اس نے اپنے علم میں پہلے ہی سے بندے کیلئے مقرر کر رکھی ہیں انہیں نگاہ میں قائم رکھتے ہوئے اپنی حرکات کر دیکھنے سے فنا ہو جانا ۔

اس مسئلہ پر گزشتہ مشائخ نے بحث کی ہے چنانچہ سمنون رحمہ اللہ کہتے ہیں :
فنا کی حالت میں بندے کو حق تعالی اٹھا رکھتے ہیں اور محمول ہونے کی حالت میں اس پر واردات کا نزول ہوتا ہے اور یہ صفات دیگر صفات تک پہنچا دیتی ہیں ۔

نیز فرمایا : مقام فنا کی ابتدا «وجد» سے ہوتی ہے اور بقاء کے لئے مشاهدات ہوتے ہیں

(ص۲۱۴)ابوسعید خراز رحمہ اللہ ۔ اللہ تعالی کے فرمان :

(۳۰۶)وما بکم من نعمة فمن اللہ

(جو نعمت بھی تمہارے پاس ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے)

کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ (اس آیت میں) اللہ تعالی نے مخلوق کو اپنے افعال میں ہوتے ہوئے بھی ان افعال سے خالی قرار دیا ہے اور یہ بات حالت فنا کی پہلی منزل ہے۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے کہا : جنید رحمہ اللہ سے فنا کے بارے میں سوال کیا گیا : تو میں نے انہیں یوں کہتے ہوئے سنا : جب بندہ اپنے اوصاف سے فنا کو بھی فنا کر دے تو وہ ہمہ تن بقا حاصل کرلیتا ہے۔

جعفر رحمہ اللہ کہتے ہیں : میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا : اس وقت ان سے کسی نے فنا کے متعلق سوال کیا تھا ۔ تمہارا اپنے اوصاف سے ہمہ تن گنگ ہو جانا اور اپنی ذات کو ہمہ تن عمل میں لگائے رکھنا فنا ہے۔

ابن عطاؒ فرماتے ہیں : جو شخص شاہد حق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی شاہد نفس سے فنا نہیں ہوتا اور نہ ہی حق کے ساتھ ہوتے ہوئے حق سے فنا ہوتا ہے اور بارگاہ رب العزت کے تصور میں ہوتے ہوئے بھی اس حضوری سے غائب نہیں ہوتا وہ شاہد حق کو حاصل نہیں کر سکتا ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو شخص حق کے ساتھ ہو کر حق سے فانی ہو جاتا ہے اس لئے کہ حق تعالی حق کو قائم رکھتے ہیں وہ شخص ربوبیت سے بھی فانی ہو جاتا ہے عبودیت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اور فرمایا : میرے خیال میں اس قول کے کہنے والے رویم رحمہ اللہ ہیں کسی نے ان سے فنا و بقاء کے بارے میں سوال کیا تھا ۔ جواب دیا : علم فنا کی ابتدا حقائق بقاء میں اترنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کو ہر ماسوا پر ترجیح دینا اور اللہ کے ساتھ ہو کر ہر حال کی دیکھ بھال کرنا تاآنکہ صرف وہی ایک حظ ہو جائے اور ماسوا فنا ہو جائے تاآنکہ جو عبادت وہ اللہ کیلئے اور اللہ کی مدد سے کرتے ہیں اس سے بھی فنا ہوجائیں لہذا اس کے بعد جو حالت ہوگی اسے عقلیں عقلوں کے ساتھ نہیں پا سکتیں اور نہ ہی زبانیں اسے بیان کر سکتی ہیں ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۳۰۷)کل من علیها فان (جو کچھ زمین پر ہے فانی ہے)

چنانچہ فانی کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کا حظ اللہ تعالی کے ذکر کے وارد ہونے کی وجہ سے جاتا رہے۔ اس کے بعد جو حظ اسے اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتا

ہے وہ ختم ہو جاتا ہے پھر ذکر الٰہی کا نگاہ میں رکھنا (کہ میں نے ذکر کیا ہے) یہ بھی فنا ہو جاتا ہے ہوتے ہوتے اس کا حظ صرف اللہ تعالٰی کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ پھر حظ کو دیکھ کر جو حظ اسے اللہ تعالٰی کی طرف سے ملا ہوتا ہے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے اس کے فنا الفناء اور بقا البقاء کی وجہ سے جو حظ اسے اپنے حظ کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے۔

اس کی بحث تو لمبی ہے مگر جس قدر ہم نے بیان کر دیا ہے اسی قدر کافی ہے۔ ان شاءاللہ تعالٰی۔

(ص ۲۱۵) ۳ ۔ مسئلہ حقائق

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے جعفر رحمہ اللہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے سری سقطی رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا اور آپ اس وقت اہل حقائق کی صفت بیان کر رہے تھے : وہ کھاتے(۳۰۸)ہیں تو مریضوں کی طرح اور سوتے ہیں تو اس شخص کی طرح جو ڈوب رہا ہو۔

جنید رحمہ اللہ سے حقیقت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : میں اس کا ذکر کروں گا پھر یہ بھی اس میں چھوڑ دوں گا اور یہ بھی(۳۰۹)۔

ابوتراب رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حقیقت کی علامت مصائب ہیں۔

کسی اور نے کہا ہے : حقیقت کی علامت مصائب کا اٹھ جانا ہے۔

رویم رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : کامل ترین حقائق وہ ہوتے ہیں جو علم سے مطابقت رکھیں۔

میں نے وجیہی رحمہ اللہ کو سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر صیدلانی رحمہ اللہ کو سنا : وہ فرما رہے تھے : حقائق کی تین قسمیں ہیں : ایک وہ جو علم کی تابع ہو دوسری وہ جس کے ساتھ علم بھی پایا جائے اور تیسری وہ جو علم سے چھلک کر باہر نکلے۔

ابوبکر زقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں بنی اسرائیل کے جنگل میں تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ علم حقیقت علم شریعت کا مخالف ہے اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ببول کے درخت کے نیچے بیٹھا ہے اس نے چلا کر کہا : اے ابوبکر ہر وہ حقیقت جو شریعت کے خلاف ہو کفر ہے۔

کسی صوفی سے کہا گیا اور میرے خیال میں وہ رویم رحمہ اللہ ہیں ، اللہ بہتر جانتا

ہے : بندہ عبودیت کو کب حقیقی طور پر سمجھ سکتا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا : جب وہ اپنی باگ اللہ پر چھوڑ دے اور اپنی حیلہ بازی اور قوت سے بیزار ہو جائے اور یہ جان لے کہ ہر چیز کا مالک خدا ہے اور اسی سے قائم ہے ۔

رویم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صحیح ترین حقیقت وہ ہے جو علم سے مطابقت کھائے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حقائق اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ دل کے اندر تاویل کرنے کی گنجائش باقی رہ جائے ۔

مزین کبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اھل حقائق نے جو کچھ حقائق میں پایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کوئی گم شدہ چیز نہیں ہے کہ اس کی تلاش کی جائے اور نہ ھی اس کی کوئی انتہا ہے کہ کوئی اسے پا سکے لہذا جس نے موجود چیز کو پا لیا اسے اس موجود سے دھوکا لگا ہے کیونکہ ھمارے پاس جو کچھ موجود ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جو ھمیں حال معلوم ہوا ہے اور علم جب کھلتا ہے تو حالت کے بغیر ھی کھل جاتا ہے ۔

(ص۲۱٦)میں نے حسین بن عبداللہ رازی کو یوں فرماتے سنا : کسی نے عبداللہ طاھر البصری رحمہ اللہ سے حقیقت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا : حقیقت تو ھمہ تن علم ہے ۔ پھر سوال کیا گیا : علم کیا ہے ؟ جواب دیا : علم ھمہ تن حقیقت ہے ۔

روایت ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا : زبانیں تین ھیں لسان علم ، لسان حقیقت ، اور لسان حق ۔ لسان علم وہ ہے جو تم تک کتنی واسطوں سے پہنچتا ہے اور لسان حقیقت جو اللہ تعالی نے بلاواسطہ صوفیاء کے باطن تک پہنچائی مگر لسان حق تک پہنچنے کا کوئی طریقہ نہیں ۔

ابوجعفر قروی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : انسانیت کی حقیقت یہ ہے کہ تجھ سے کسی انسان کو اذیت نہ پہنچے کیونکہ اسم(۳۱۰)(انسان) کی بذات خود یہ حقیقت ہے کہ ھر چیز کو اس کے ساتھ انس ھو ۔

کسی صوفی سے سوال کیا گیا کہ واصل باللہ ھونے کی کیا حقیقت ہے ؟ جواب دیا : عقل کا جاتا رھنا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : حقائق لازمہ اور قوی و محکم ارادوں نے اھل حقائق کے جس قدر اسباب تھے کاٹ ڈالے ھیں اور ان کے تمام (۳۱۱) مفروضوں کو ممنوع قرار دیا ہے اور ھر اس تاویل کی حقیقت کو کھول دیا ہے جس سے یہ وھم پیدا ھو کہ شاید یہی صحیح مفہوم

ہے لہذا ان کے نزدیک محض صحت حال کی خاطر اور راہ طریقت پر ہمیشہ چلتے رہنے میں
باربار کوشش کرنے کیلئے حق علم کے واضح براھین اور حق کے روشن دلائل سے حاصل ہوتا ہے
واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وہ حقائق جو اللہ تعالی نے خزانوں میں جمع کر رکھے
ہیں جب ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ دیگر روشن (۳۱۳) حقائق کوحجاب میں کر دیتے ہیں ۔

۴ ۔ مسئلہ صدق

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے جعفر خلدی رحمہ اللہ نے بتایا کہ انہوں نے
جنید رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : جس کسی نے صدق دل سے کسی چیز کو حاصل کرنا چاہا
اور پھر کوشش بھی کی اس نے اسے پا لیا اگر وہ چیز تمام کی تمام اسے حاصل نہ ہو تو کچھ
نہ کچھ وہ ضرور حاصل کرے گا ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے دیکھا جیسے آسمان سے اتر کر دو فرشتے
میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا : صدق کیا ہے ؟ میں نے جواب دیا : اپنے عہد
کا پورا کرنا اس پر ان دونوں نے کہا : تو نے سچ کہا (یہ کہکر) دونوں آسمان کو چلے گئے اور
میں انہیں دیکھتا رہ گیا یعنی یہ سب کچھ خواب میں ہوا ۔

یوسف بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میرے نزدیک صدق یہ ہے ۔ تنہائی سے
محبت رکھنا اللہ عزوجل سے مناجات کرنا اور ظاہر و باطن دونوں میں مطابقت رکھنا اور اس
کے ساتھ زبان کی سچائی اور مخلوق کی طرف نگاہ نہ رکھتے ہوئے نفس کی (اصلاح کی
طرف) (ص۲۷)مشغول رہنا ہے مگر اس سے قبل ارادہ ہو علم حاصل کر لیا ہو اور اس علم
کی تابعداری کرتا ہو مزید برآں خوراک ، لباس اور خوراک کو حاصل کرنے کا طریقہ سب
صحیح ہوں ۔

کسی نے کسی فلسفی سے پوچھا : صادق کی کیا علامت ہے ؟
جواب دیا : اپنی اطاعت گزاری کو چھپائے رکھنا ۔

پھر سوال کیا : کس بات سے صادق لوگوں کے دل کو سب سے زیادہ آرام پہنچتا ہے۔
جواب دیا : اللہ تعالی عفو (کی بو کو) سونگھ لینے سے اور اللہ کے ساتھ حسن ظن
رکھنے سے ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دنیا کے اندر صدق اللہ کی تلوار ہے جس پر پڑتی ہے

کاٹ ڈالتی ہے کسی نے حارث رحمہ اللہ سے صدق کے متعلق سوال کیا تو۔
جواب دیا : ہر حال میں اللہ صدق کا ساتھ دیتا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صدق کی حقیقت یہ ہے کہ ہم ہر حالت میں اللہ تعالی (کے احکام کی) موافقت کریں۔

ابو یعقوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ظاہر و باطن میں حق کی موافقت کرنا صدق ہے اور صدق مقال کی حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر جہاں انسان کو جان کا خطرہ ہو انسان حق کے ساتھ رہے۔

کسی اور سے صدق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : صدق یہ ہے کہ اپنے ارادے کی طرف صحیح توجہ ہو۔

۵ ۔ مسئلہ اصول یعنی اصول مذہب صوفیہ

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کے پانچ اصول ہیں : دن کو روزہ رکھنا ، رات بھر نماز پڑھنا ، عمل میں خلوص کا ہونا ، اعمال کی اس طرح نگرانی کرنا کہ ایک مدت تک ان پر کاربند رہے اور ہر حال میں اللہ پر بھروسا کرنا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعثمان رحمہ اللہ نے فرمایا : ہمارے مذہب کی اصل دو باتیں ہیں خاموشی اور اللہ تعالی کے علم پر اکتفا کرنا۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : احوال میں کمی کا واقع ہونا فرعی بات ہے اس سے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا البتہ جس بات سے نقصان ہوتا ہے وہ صوفی کا اصول سے ذرہ بھر بھی پیچھے ہٹنا ہے۔ چنانچہ جب اصول مضبوط ہو جائیں تو پھر فروع میں کمی واقع ہونے سے نقصان نہیں ہوتا۔

ابواحمد قلانسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارے مذہب کی بنیاد تین باتوں پر ہے۔ ایک یہ ہے کہ ہمارا جو حق لوگوں پر واجب ہے ہم اس کا تو مطالبہ نہ کریں اور دوسری یہ کہ اپنی ذات سے لوگوں کے حقوق کا مطالبہ نہ کریں اور تیسری یہ کہ جو اعمال ہم کرتے ہیں ہم ان میں اپنے کو کوتاہی کرنے کا ملزم قرار دیں۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارے سات اصول ہیں (۱) کتاب اللہ کو

مضبوط پکڑے رہنا (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی پیروی کرنا (۳) أکل حلال (۴) کسی کو اذیت نہ پہنچانا (۵) گناہوں سے بچتے رہنا (۶) توبہ کرتے رہنا (۷) لوگوں کے حقوق ادا کرتے رہنا

میں نے حصری رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : ہمارے چھ (۴۱۴) اصول ہیں : (۱) ہمیشہ باوضو رہنا (۲) خدائے قدیم کو یکتا جاننا (۳) اپنے بھائی بندوں سے جدائی اختیار کرنا (۴) وطن چھوڑنا (۵) اور ہر وہ بات جس کا ہمیں علم ہے یا نہیں ہے بھول جانا ۔

کسی فقیر کا قول ہے : ہمارے سات اصول ہیں : (۱) فرائض کا ادا کرنا (۲) حرام چیزوں سے پرہیز کرنا (۳) تعلقات کا منقطع کر لینا (۴) فقر کو گلے لگانا (۵) مطالبہ نہ کرنا (۶) کسی دوسرے وقت کیلئے کسی چیز کو اٹھا کر رکھ چھوڑنا ترک کرنا (۷) اور ہر وقت اللہ کے ساتھ لو لگائے رکھنا ۔

٦ ۔ مسئلہ اخلاص

جنید رحمہ اللہ سے اخلاص کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : اپنی ذات کی طرف دیکھنا چھوڑ دینا اور اپنے افعال سے فنا ہو جانا ۔

ابن عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں : آفات سے پاک و صاف ہونا اخلاص ہے ۔

حارث محاسبی فرماتے ہیں : ہمارا جو معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہے اس میں سے مخلوق کو نکال دینا اخلاص ہے اور (اس سلسلے میں) پہلی مخلوق خود ہمارا نفس ہے ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : عدو (شیطان) کی خرابی سے جو چیز خلاصی پا جائے وہ اخلاص ہے ۔

ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس بات کا علم فرشتے تک کو نہ ہو کہ اسے لکھ سکے اور شیطان کو بھی علم نہ ہو کہ اسے خراب کر سکے اور انسان کا نفس اس پر غرہ بھی نہ ہو پس وہی اخلاص ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا : لا الہ الا اللہ کہنے والے تو بہت ہیں مگر مخلص لوگ کم ہیں ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صرف مخلص لوگ ہی ریاء کو پہچانتے ہیں ۔

ایک بار اور جنید رحمہ اللہ سے اخلاص کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا : ہمارا جو معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہے اس میں سے مخلوق کو نکال دینا اخلاص ہے اور سب سے پہلی مخلوق خود ہمارا نفس ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شیخ نے کہا : جب تجھ سے کوئی پوچھے کہ اخلاص کیا ہے تو کہہ دے ۔

اللہ کی طرف جاتے ہوئے صرف اسی ایک کا ارادہ رکھنا اور ہمارا جو معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ ہے اس میں سے مخلوق کو نکال دینا اور تمام حیلوں اور طاقت کو اللہ پر چھوڑ دینا اخلاص ہے اور مخلص کی عـــلامت یہ ہے کہ اللہ سے مناجات کرنے کی خاطر خلوت سے محبت رکھے اور اللہ تعالی کی بندگی میں لگے رہنے کی وجہ سے مخلوق سے کم تعارف پیدا کرنا اور اللہ تعالی کے معاملہ میں یہ ناپسند کرنا کہ مخلوق کو اس کا علم ہو ۔

اور جیسا کہ میرا خیال ہے ابوالحسین نوری رحمہ اللہ سے اخلاص کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

مخلوق کے ساتھ موافقت کرنے کو ترک کر دینا اخلاص ہے ۔

(ص ۲۱۹) > ۔ مسئلہ ذکر

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کسی نے ابن سالم رحمہ اللہ سے ذکر کے متعلق پوچھا تو میں نے انہیں یوں فرماتے سنا : ذکر کی قسمیں ہیں (۱)ذکر باللسان ، اسی سے ایک نیکی کی دس گنا جزا ملتی ہے (۲)ذکر بالقلب ، اس سے ایک نیکی کی جزاسات سو گنا ملتی ہے اور تیسرا ذکر ایسا ہے کہ نہ تو اس کے ثواب کا وزن کیا جا سکتا ہے اور نہ شمار ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت سے پُرہونا اور اس کے قرب سے حیا کرنا ۔

کسی نے ابن عطاء رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ذکر کا باطن پر کیا اثر ہوتا ہے ۔ فرمایا : جب ذکر اپنی چمک دمک کے ساتھ باطن پر وارد ہوتا ہے تو بشریت درحقیقت اپنی تمام رعونتوں کے ساتھ جاتی رہتی ہے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر وہ شخص جو ذکر کرنے کا دعوی کرتا ہے ذاکر نہیں ہو سکتا ۔

سہل رحمہ اللہ سے ذکر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

حقیقی طور پر یہ جان لینا کہ اللہ تعالی تمہیں دیکھ رہے ہیں لہذا تو اسے اپنے دل سے یہ سمجھے کہ وہ تمہارے قریب ہے ،اور اس سے حیا کرے اپنی ذات اور اپنے تمام احوال کے مقابلہ میں اسی کو اختیار کرے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے فرمایا ہے :
(۳۱۴)اذکروا اللہ کذکرکم آباءکم أو أشد ذکراً
اللہ کو تم اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے آبا و اجداد کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ

پھر ایک اور آیت میں فرمایا:
(۳۱۵)اذکروا اللہ ذکراً کثیراً (اللہ کو بہت یاد کیا کرو) یہ حکم پہلے حکم کے مقابلہ میں زیادہ مختصر ہے ۔

پھر ایک اور آیت میں فرمایا :
(۳۱۶)اذکرونی أذکرکم (تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں یاد کروں گا)

لہذا جس طرح ذکر کرنے والوں کو مختلف الفاظ میں خطاب کیا گیا ہے اسی طرح ذکر کرنے والوں کی بھی حالت مختلف ہوتی ہے ۔

شیخ فرماتے ہیں : کسی شیخ سے ذکر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
مذکور(یعنی اللہ تعالی جس کا ذکر کیا جاتا ہے) تو ایک ہی ہے مگر ذکر اور ذکر میں فرق ہوتا ہے اور ذاکر لوگوں کے دلوں کا محل بھی جدا جدا ہوتا ہے اور اصل ذکر تو یہ ہے کہ لوازم کے اعتبار سے حق تعالی کے حکم کو مانا جائے ۔

ذکر دو قسم کا ہوتا ہے ایک ذکر تو یہ ہے کہ تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن کی جائے اور دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالی کو یاد کرنے کے شرائط کو پورا کرتے ہوئے دلوں کو اس بات (ص ۲۲۰)کی تنبیہ کرنا کہ اللہ ایک ہے ،اس کے اسماء و صفات کیا ہیں اس کا احسان کس طرح عام پھیلا ہوا ہے اور یہ کہ اس کی تقدیر تمام مخلوق میں جاری و ساری ہے چنانچہ جن لوگوں پر رجا غالب ہوتی وہ اللہ تعالی کے وعدوں کو ذہن میں رکھ کر ذکر کرتے ہیں ، خائفین کا ذکر اللہ کے وعید کی بنا پر ہوتا ہے اور متوکلین کا ذکر اس بنا پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے انپر یہ واضح کردیا ہوتا ہے کہ وہ انکا مددگار ہے اور مراقبین کا علم ان معلومات کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ تعالی انہیں عطا کرتا ہے اور محبوں کا ذکر اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ اللہ تعالی کی نعمتوں پر غوض و خوض کرتے ہیں ۔

شبلی رحمہ اللہ سے ذکر کی حقیقت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
ذکر کو بھول جانا

ان کی مراد یہ تھی کہ تو اس بات کو بھول جائے کہ تو نے اللہ کا ذکر کیا ہے نیز یہ کہ تو اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جائے ۔

۸ ۔ مسئلہ استغناء

جنید رحمۃ اللہ سے سوال کیا گیا :ان دونوں میں سے کس میں زیادہ کمال پایا تھا استغناء باللہ میں یا افتقار الی اللہ عزوجل میں ۔

جواب دیا : افتقار الی اللہ ہی استغناء باللہ کا موجب ہوتا ہے ۔ لہذا جب افتقار الی اللہ صحیح طور پر پایا جائے تو استغناء باللہ کمال کو پہنچ جاتا ہے لہذا یہ کہنا کہ ان میں سے کونسا زیادہ کامل ہے مناسب نہیں اس لئے کہ یہ دو ایسی حالتیں ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی لہذا جس نے افتقار کو درست کر لیا اس کا استغناء بھی درست ہو جاتا ہے ۔

شیخ فرماتے ہیں : یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا : استغناء کی کیا علامت ہے ؟

فرمایا : جس کا استغناء دین کی خاطر ہو دنیا کی خاطر نہ ہو ۔

پھر سوال کیا گیا : مالدار انسان کب قابل تعریف اور غیر مذموم ہوتا ہے ؟

فرمایا : جب مالدار چیزوں کو جائز طریقوں سے لیتا ہو اور مال کو لوگوں کے حقوق میں صرف کرنے سے بخل نہ کرتا ہو ، مال کمانے کیلئے نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرتا ہو اور اپنی تجارت میں گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرتا ہو اور اس کا دل اللہ کو چھوڑ کر مال کی طرف نہ لگا ہوا ہو اور نہ ہی وہ مال کے کھو جانے سے افسردہ خاطر ہو ، نہ مال کو پا کر خوش ہو اور وہ مالداری کی حالت میں اللہ کا محتاج رہتا ہو اور فقر کی حالت میں اللہ تعالی کے ساتھ استغناء محسوس کرتا ہو اور اپنے مال کو اپنے پاس جمع رکھنے میں وہ سمجھتا ہو کہ وہ اللہ کے خزانچیوں میں سے ایک خزانچی ہے چنانچہ اس کی مالداری اسے (دینی) فائدہ پہنچانے والی ہو نقصان پہنچانے والی نہ ہو ۔ جب اس کی یہ صفات ہوں گی تو وہ کامیاب ہونے والوں اور نجات پانے والوں میں سے ہوگا مگر جنت میں فقراء سے پانچ سو سال بعد داخل ہوگا ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث ہے کہ میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے ۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ سے اس غنا کے متعلق پوچھا گیا جو ہر قسم کے غنا پر مشتمل ہو۔

(ص۲۲۱)جواب دیا :(وہ غنا جو ہر قسم کی غنا پر مشتمل ہے وہ ہے جس میں) انسان غنی سے بھی مستغنی ہو۔ کیونکہ جب تو مالداری کی وجہ سے مستغنی ہو تو تو اس کا محتاج ٹھہرا مگر جب تو اپنی ذات کو اس غنی کی وجہ سے مستغنی نہ سمجھتا ہو بلکہ اللہ تعالی کے ساتھ سمجھتا ہو تب تو اس غنا اور غیر غنا سے بھی مستغنی ہوگا۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس انسان کو اللہ تعالی نے غنا کی حقیقت سے آگاہ کرکے تقویت بخشی ہو اس کے فاقہ کے تمام اسباب زائل ہو جاتے ہیں۔

۹۔ مسئلہ فقر

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فقر آزمائش کا سمندر ہے اور اللہ تعالی کی آزمائش تمام کی تمام عزت ہے۔

ان ہی سے دریافت کیا گیا : فقیر صادق کب اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہو :

جواب میں فرمایا : جب یہ فقیر اللہ تعالی کے ساتھ دل سے معاملہ کرنے والا ہو۔ جن چیزوں سے اسے محروم کیا گیا ہو ان میں اللہ کی موافقت کرنے والا ہو چنانچہ وہ فقر کو اللہ تعالی کی طرف سے ایک ایسی نعمت شمار کرتا ہوں جس کے زائل ہونے کا اسی طرح خطرہ لاحق رہے جس طرح مالدار کو اپنی دولت کے زائل ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ صابر ہو ، فقر کو باعث ثواب سمجھتا ہو۔ اس بات پر خوش ہو کہ اللہ نے اس کیلئے فقر کو اختیار کر رکھا ہے ، اپنے دین کی حفاظت کرتا ہو۔ اپنی فقیری کو لوگوں سے چھپا کر رکھتا ہو ، یوں ظاہر کرتا ہو کہ وہ لوگوں سے ناامید ہو چکا ہے اور اپنے فقر میں اپنے رب کے ساتھ مستغنی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

﴿۲۱۶﴾للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ

(صدقات ان فقراء کیلئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دئے گئے ہوں)

لہذا جس کسی فقیر کی یہ صفات ہونگی وہ جنت میں دولتمند لوگوں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوگا اور قیامت کے دن اسے اللہ کے سامنے پیش ہونے اور حساب دینے سے بچا لیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالی۔

ابن جلاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس شخص میں فقر کی حالت میں ورع نہ پائی

جائے وہ خالص حرام خور ہوگا اور اسے معلوم بھی نہ ہوگا ۔

جنید رحمہ اللہ سے پوچھا گیا : سب سے زیادہ عزت والا کون ہے ۔
جواب دیا : وہ فقیر جو راضی بہ رضا الہی ہو ۔

مزین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فقر یہ ہے کہ فقیر ہمیشہ محتاج رہے ۔

مزین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب کوئی فقیر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ اس سے پہلے علوم کے ساتھ موصوف تھا تو وہ اپنے وجود میں حیران و پریشان ہوگا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کوئی انسان اس وقت تک حقیقی فقر کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک اسے اس بات کا پختہ یقین نہ ہو چکا ہو کہ قیامت کے روز کوئی شخص اس سے زیادہ فقر والا نہ ہوگا ۔

۱۰ ۔ مسئلہ روح

اور روح کے بارے میں لوگوں کے اقوال

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ارواح ، اجسام اور خیالات کا وجود بذات خود قائم نہیں ہے بلکہ اللہ (ص۲۲۲)تعالی کی ذات کی وجہ سے قائم ہے ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ارواح لطیف بن گئیں پھر جب حقیقت کی محبت نے تکلیف دی تو لٹک گئیں لہذا انہوں نے کوئی ایسا معبود نہ دیکھا جو معبود ہونے کا اہل ہو بغیر اس کے کہ وہ اس شاھد کے قریب آجائے بغیر اس کے کہ اس کا مشاہدہ ہو اور تجھے یقین ہو جائے گا کہ حادث اپنی سقیم صفت کے ہوتے ہوئے ذات قدیم کو نہیں پا سکتا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے واسطی کے کلام میں روح کی بحث دیکھی ہے ۔
فرماتے ہیں :
روحیں دو ہیں :ایک وہ جس سے مخلوق کی حیات قائم ہے اور دوسری وہ روح جو دل کی روشنی کا سبب بنتی ہے ۔ اسی روح کے متعلق اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے :
(۳۱۸)وکذلک أو حینا الیک روحاً من أمرنا
اسی طرح ہم نے آپ کے پاس اپنے حکم سے روح کی وحی بھیجی ہے

روح کو اس لطافت کی وجہ سے روح کہا گیا مگر جب جوارح اپنے وقت میں کوئی

بے ادبی کر بیٹھتے ھیں تو روح کو تعلق الہی کی چبھن سے محجوب کر دیا جاتا ہے۔

پھر فرمایا: جب کسی دن یا کسی وقت ان ملاحظات کی طرف روح پر کوئی گناہ واقع ھوتا ہے تو یہ ملاحظات مخاطبات کو پہچان لیتے ھیں اور معاملات کی طرف اشارہ کرتے ھیں۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں: یہ دو چیزیں ھیں؛ روح اور عقل نہ تو روح روح کی طرف کوئی محبوب چیز بھیج سکتی ہے اور نہ عقل کی طاقت ہے کہ کسی ناپسند چیز کو عقل سے روک سکے۔

ابوعبداللہ نباجی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا:
جب عارف واصل باللہ ھو جاتا ہے تو اس میں دو روحیں ھوتی ھیں ایک روح ایسی ھوتی ہے جو نہ بدلتی ہے اور نہ اس میں تغیر پیدا ھوتا ہے اور دوسری روح وہ ھوتی ہے جس میں تغیر بھی پیدا ھوتا ہے اور رنگ بھی بدلتی ہے۔

کسی ایک کا قول ہے: روحیں دو ھیں: روح قدیم اور روح بشری اور اس قائل نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول بطور دلیل پیش کیا ہے۔
تنام عیناى ولا ینام قلبی
(میری آنکھیں سو جاتی ھیں مگر دل نہیں سوتا)

وھی فرماتے ھیں: نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا ظاھر تو بشری روح کی وجہ سے سو جاتا تھا مگر آپ کا باطن بیدار رھتا تھا اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ھوتی تھی۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول: انما انسی لأ سن (مجھے بھول میں ڈالا جاتا ہے تاکہ یہ سنت بن جائے)۔ اور آپ نے اپنے متعلق یہ کہا ہے کہ آپ بھولتے نہیں۔ (۳۱۹) آپ کا یہ قول اس بات کی خبر دیتا ہے کہ آپ میں روح قدیم تھی۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ فرمان بھی ہے:
لست کأحدکم انی أظل عند ربی
(میں تم جیسا نہیں ھوں میں تو دن بھر اپنے رب کے پاس ھوتا ھوں)
اور یہ روح قدیم کی صفت ہے کیونکہ آپؐ نے اس روح کے متعلق وہ وصف بیان کیا ہے جو ارواح میں نہیں پایا جاتا۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں: جو بات اس قائل نے روح کے متعلق کہی ہے درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ قدیم قدیم سے جدا نہیں ھو سکتا اور مخلوق کا قدیم کے ساتھ اتصال

نہیں ہو سکتا ۔ خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ سے سنا : اس وقت کسی نے ان سے سوال کیا تھا کہ کیا ثواب و عتاب روح اور جسم دونوں کو ہوگا یا صرف جسم کو تو انہوں نے فرمایا : اطاعت گزاری یا معصیت کاری جسم سے روح کے بغیر سرزد نہیں ہوتی اور نہ ہی جسم کے بغیر روح سے کہ ثواب و عتاب صرف جسم کو ہو اور روح کو نہ ہو یا یہ کہ صرف روح کو ہو جسم کو نہ ہو۔

۱۱ ۔ مسئلہ اشارہ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اشارہ سے کیا مراد ہے تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔

تبارک الذی (برکت والی ہے وہ ذات)

اور "الذی" کا لفظ کنایہ کی مانند ہے اور کنایہ اپنی لطافت میں اشارہ کی طرح ہوتا ہے اور اشارہ کو اکابر اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر وہ اشارہ جو مخلوق حق کی طرف کرے وہ لوٹ کر ان ہی کی طرف آجائے گا تاآنکہ وہ حق کے ساتھ حق کی طرف اشارہ نہ کریں مگر ان کے پاس کوئی ایسی راہ نہیں ہے۔

ابو یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں :جو شخص اللہ تعالی سے سب سے زیادہ دور ہے وہی اس کی طرف سب سے زیادہ اشارے کرتا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک شخص جنید رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہا جنید رحمہ اللہ نے آنکھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا ۔ تو اس شخص نے کہا : اے ابوالقاسم ! اس کی طرف اشارہ نہ کریں کیونکہ وہ اس سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہے ! یہ سن کر جنید رحمہ اللہ نے کہا : تو سچ کہتا ہے اور ھنس پڑے ۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : ھمارے مرید درحقیقت توحید پرست ہیں مگر کسی کو وھاں تک راہ نہیں ملی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے ایک شخص کو کہا :اے ! تو اس کی طرف

اشارہ کر رہا ہے(ص۲۲۴)کب تک اشارہ کرتا رہے گا اسے خود تمہاری طرف اشارہ کرنے دو۔

ابویزید رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں : جس نے علم کی مدد سے اس کی طرف اشارہ کیا وہ کافر ہوا اس لئے کہ صرف معلوم شیء کی طرف علم کے ذریعے سے اشارہ کیا (۳۲۰) جاتا ہے اور جس نے معرفت کے ذریعے سے اشارہ کیا وہ ملحد ہے کیونکہ صرف محدود چیز کی طرف معرفت کے ذریعے سے اشارہ کیا جا سکتا ہے (۳۲۱)۔

میں نے دقی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ زقاق رحمہ اللہ سے "مرید" کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : حقیقی مرید وہ ہے جو اللہ کی طرف اشارہ کرے تو محض اشارے کے ساتھ ہی وہ اللہ کو پالے۔

پھر سوال کیا گیا : اور جو مرید کامل حال والا ہو ؟
جواب دیا : اس کی یہ حالت ہونی چاہئے کہ وہ اشارے کے بغیر ہی اللہ کو پالے یہ مسئلہ جنید رحمہ اللہ کے نام سے مشہور ہے۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارے اشارے کا قرب القرب دراصل بعدالبعد ہے۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو کسی شخص کو عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھے تو اس کا طریقہ ورع کا طریقہ ہوگا اور جب علم کی طرف اشارہ کرتے دیکھے تو اس کا طریقہ ،طریقۂ عبادت ہوگا اور جب تو اسے رزق میں امن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھے تو اس کا طریقہ زھد کا طریقہ ہوگا اور جب تو اسے معجزات کی طرف اشارہ کرتے دیکھے تو اس کا طریقہ ابدال کا طریقہ ہوگا اور جب اللہ تعالی کے احسانات کی طرف اشارہ کرتا دیکھے تو اس کا طریقہ عارفوں کا طریقہ ہوگا۔

ابوعلی رودباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہمارا یہ علم اشارے ہی ہیں مگر جب لفظوں میں آجائے تو مخفی ہو جاتا ہے۔

کسی شخص نے ابویعقوب سوسی رحمہ اللہ سے کوئی مسئلہ پوچھا اور وہ اپنے سوال کے دوران اشارہ بھی کئے جاتا تھا اس پر ابویعقوب نے فرمایا : ہم تو اس اشارے کے بغیر تمہارے جواب تک پہنچ سکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اس کے اشاروں کو ناپسند کیا ہے۔

۱۲ ـ متفرق مسائل

۱ ـ مسئلہ ظرف

کسی نے جنید رحمہ اللہ سے سوال کیا : ظرف کیا چیز ہے ؟
جواب دیا : ہر ادنی خلق سے پرہیز کرنا اور ہر بلند خلق کو اپنانا ظرف ہے نیز یہ کہ تو اللہ تعالی کی خاطر عمل کرنے کے بعد یہ بات خیال میں نہ لائے کہ تو نے کوئی عمل کیا ہے

۲ ـ مسئلہ مروت

احمد بن عطاء رحمہ اللہ سے مروت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :
مروت یہ ہے کہ جب تو کوئی عمل اللہ کی خاطر کرے تو یہ خیال نہ کرے کہ میں نے بہت عمل کر لیا ہے اور جب بھی تو کوئی عمل کرے تو ایسا ہو جیسے تو نے کوئی عمل نہیں کیا اور تیرا ارادہ اس سے بھی زیادہ کرنے کا ہو ۔

مسئلہ

(ص ۲۲۵) ۳ ـ صوفیاء کو صوفی کیوں کہا گیا

ابن عطا فرماتے ہیں : انہیں دیگر لوگوں کی کدورتوں سے پاک ہونے اور اشرار کے درجے سے خارج ہونے کی وجہ سے صوفی کہا گیا ہے ۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس گروہ کو صوفی اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ عابد لوگوں کے ظاہری خلق کو استعمال کرتے ہیں اور صاحب وجد لوگوں کے مراتب کی وجہ سے مخلوق سے قطع تعلق کر چکے ہوتے ہیں ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان کا صوفی نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نفسوں کا کچھ بچاکھچا ان میں (۲۲۲)باقی رہ گیا تھا اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی نام بھی ان پر چسپاں نہ ہوتا ۔

کسی صوفی کا قول ہے : ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ یہ لوگ اللہ تعالی کی مدد کی

روح کو سونگھتے ھیں اور اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنے کے وصف سے قوت حاصل کرتے ھیں

۴ ۔ مسئلہ رزق

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : انسان کا رزق کو بغیر تلاش کے پا لینا اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کو صاحب رزق کی تلاش کا حکم دیا گیا ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے :اگر میں وقت سے پہلے رزق کو تلاش کروں تو یہ مجھے نہ ملے گا اور اگر وقت گزر جانے کے بعد تلاش کروں تب بھی نہ ملے گا ۔ اور اگر وقت پر تلاش کروں تو خود اللہ تعالی میری مدد کریں گے ۔

ابویعقوب رحمہ اللہ تعالی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : رزق کے اسباب کے متعلق لوگوں کے مختلف اقوال ھیں چنانچہ بعض کہتے ھیں : رزق کا سبب تقوی ہے اور انہوں نے قرآن مجید کے ظاھری الفاظ سے استدلال کیا ہے :

(۳۲۳)و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً و یرزقہ من حیث لا یحتسب

(جو اللہ کے عذاب سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے لئے کوئی راستہ نکال لیں گے اور اسے اس طرح رزق دیں گے کہ اسے وھم و گمان بھی نہ ھوگا)

ان لوگوں کو اس استدلال میں غلطی لگی ہے ۔ اور صحیح علم تو اللہ کے پاس ہے کیونکہ انسان کی پیدائش ھی اس کے رزق کا سبب ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ھیں :

(۳۲۴)خلقکم ثم رزقکم (تمہیں پیدا کیا پھر رزق دیا)

اس آیت میں اللہ تعالی نے اس بات کی تخصیص نہیں کی کہ مومن کو ملے گا اور کافر کو نہیں ۔

ابویزید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے کسی عالم کے سامنے اپنے ایک مرید کی تعریف کی تو اس عالم نے کہا : وہ کہاں سے معاش حاصل کرتا ہے میں نے کہا : مجھے اس بات میں شک ھی نہیں ہے کہ اس کا ایک خالق ہے (جو اسے ضرور رزق دے گا) لہذا میں اسے اس کے رازق کے متعلق کیوں سوال کرتا ۔ یہ جواب سن کر وہ عالم شرمندہ اور لاجواب ھو گیا ۔

۵ ۔ مسئلہ

جنید رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا : جب بندے کا نام جاتا رہتا ہے اور اللہ کا حکم

ثابت ہو جاتا ہے (تو کیا کیفیت ہوتی ہے) -

جواب دیا : جان لو ،اللہ تم پر رحم کرے جب اللہ کی معرفت بہت بڑھ جاتی ہے تو بندے کے آثار فنا ہو جاتے ہیں اور اس کے نشانات مٹ جاتے ہیں تب کہیں جا کر علم حق رونما ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے حکم کا نام ثابت ہو جاتا ہے -

٦ ـ مسئلہ

کسی نے جنید رحمہ اللہ سے سوال کیا : کسی بندے کے نزدیک اس کی تعریف کرنے والا اور مذمت کرنے والا کب یکساں ہوتے ہیں -

فرمایا : جب اسے اس بات کا علم ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اس کی تخلیق (۳۷۵)پانی سے ہوئی ہے -

کسی نے ابن عطاء رحمہ اللہ سے پوچھا : صوفی کو سینہ کی سلامتی کب حاصل ہو جاتی ہے یا یوں پوچھا : کس چیز سے سینہ کی سلامتی حاصل ہو سکتی ہے -

فرمایا : حق الیقین کا علم حاصل کر لینے سے اور حق الیقین قرآن ہے - اس کے بعد اسے علم الیقین عطا کیا جاتا ہے پھر وہ عین الیقین کا مطالعہ کرتا ہے تب کہیں جا کر اس کا سینہ سلامت رہتا ہے اوراسکی نشانی یہ ہے کہ بندہ اللہ کی قضاءاور تقدیر پر اسکی ہیبت اور محبت کی وجہ سے راضی رہے اور اللہ کو حفیظ و وکیل جانتا رہے بدون اس کے کہ درمیان میں کوئی تہمت حائل ہو -

۷ ـ مسئلہ

ابوعثمان رحمہ اللہ سے اس غم کی نسبت سوال کیا گیا جو انسان کو لاحق ہوتا ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کی وجہ کیا ہے : فرمایا : روح اس کے گناہ اور قصوروں کو نفس کے خلاف محفوظ کر رکھتی ہے اور نفس خود ان گناہوں کو بھول جاتا ہے - اس کے بعد جب روح دیکھتی ہے کہ نفس نے کچھ ہوش سنبھالا ہے تو وہ نفس کے سامنے اس کی بداعمالیاں پیش کرتی ہے جس سے نفس پر انکساری طاری ہو جاتی ہے اور نفس گھلنے لگتا ہے - یہی وہ غم ہے جو اسے لاحق ہوتا ہے مگر اسے پتا نہیں چلتا کہ کہاں سے آیا ہے -

۸ ـ مسئلہ فراست

یوسف بن حسین رحمہ اللہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث

اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنوراللہ تعالی
(مؤمن کی فراست سے بچتے رہا کرو کیونکہ وہ اللہ تعالی کے نور کی مدد سے دیکھتا ہے)
کے متعلق سوال کیا گیا ؛ جواب دیا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ فرمان درست ہے اور یہ اہل ایمان کی خصوصیات میں سے ہے اور جن لوگوں کا دل اللہ نے روشن کر رکھا ہو اور سینہ کھول رکھا ہو ان کے لئے مزید انعام اور بزرگی کا سبب ہے مگر کسی شخص کو خواہ اس کی فراست اکثر صحیح نکلتی ہو اور شاذونادر غلط نکلتی ہو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے نفس کیلئے صاحب فراست ہونے کی بزرگی کا فیصلہ دے دے کیونکہ جو شخص اپنے حق میں اس بات کا فیصلہ نہ دے سکتا ہو کہ حقیقی ایمان والا ہے یا ولی ہے یا یہ کہ وہ سعادتمند ہے وہ اس بزرگی کی فضیلت کا کیسے فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ تو اہل ایمان پر اللہ کا فضل ہے مگر اس میں کسی خاص شخص کی طرف اشارہ نہیں پایا جاتا ۔

۹ ۔ مسئلہ

ابراهیم خواص رحمہ اللہ سے وهم کے متعلق سوال

ابراهیم خواص رحمہ اللہ سے وهم کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا : عقل اور فہم کے بین بین ٹھہرے ہونے کو وهم کہتے ھیں کیونکہ یہ حالت نہ تو عقل کی طرف منسوب ہے کہ اس کی صفات میں شمار ہو اور نہ فہم کی طرف منسوب کہ اس کی صفات میں شمار ہو ۔ یہ توقف کرنا ہے۔ اس کی مثال اس روشنی کی ہے جو سورج اور پانی کے درمیان ہو۔ نہ تو وہ سورج کی طرف منسوب ہوتی ہے اور نہ پانی کی طرف نیز اس کی مثال اس اونگھ کی سی ہے جو نیند اور بیداری کے درمیان کی حالت ہے چنانچہ وہ شخص نہ تو سویا ہوا ہوتا ہے اور نہ بیدار۔ اس کے بعد اس کا«صحو»اسے (۳۲۶) متحرک کرتا ہے اور صحو یہ ہے کہ عقل فہم کے اندر نفاذ کرے یا فہم عقل میں تاکہ انسان ان دونوں کے درمیان (حیرت زدہ ہو کر) کھڑا نہ رہ جائے فہم عقل کا مغز ہے اور ہر چیز کا مغز اس کا خالص ترین حصہ ہوتا ہے۔

۱۰ ۔ مسئلہ

ابویزید بسطامی رحمہ اللہ سے اللہ تعالی کے فرمان :
(۳۲۸)ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا (الاية)

(پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو کتاب کا وارث بنایا)
کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا : "سابق" وہ لوگ ہیں جنہیں محبت کے کوڑے لگائے گئے ہوں ، شوق کی تلوار سے ذبح کیا گیا ہو اور وہ ہیبت خداوندی کے دروازے پر گرا پڑا ہو ۔

"مقتصد" وہ ہے جسے حسرت کے کوڑے لگائے گئے ہوں ندامت کی تلوار سے اسے ذبح کیا گیا ہو اور اللہ کے کرم کے دروازے پر گرا پڑا ہو ۔

ظالم وہ ہے جسے امید کے کوڑوں سے مارا گیا ہو ، حرص کی تلوار سے ذبح کیا گیا ہو عقاب الٰہی کے دروازے پر گر پڑا ہو ۔

کسی اور نے کہا ہے : ظالم لنفسہ وہ شخص ہے جسے اللہ سے حجاب میں رہنے کی سزا دی گئی ہو اور مقتصد وہ ہے جو دروازے کے اندر داخل ہو چکا ہو اور "سابق بالخیرات" وہ ہے جو مالک وہاب کی بساط پر سجدے میں پڑا ہوا ہو ۔

کسی اور نے کہا ہے : "ظالم" کو حد سے تجاوز کرنے پر ندامت کی سزا دی جاتی ہے اور "مقتصد" پر اللہ تعالی کی نگہبانی اور احاطہ شامل ہوتا ہے اور "سابق بالخیرات" بساط خداوندی پر دل سے سجدہ ریز ہوتا ہے اور الظالم لنفسہ جیسا کہ اشارہ سے واضح ہے اللہ تعالی سے حجاب میں ہوتا ہے اور مقتصد اس بات کی طرف صریح اشارہ ہے کہ وہ اللہ کی حفاظت میں ہوتا ہے اور سابق بالخیرات اس بات کی طرف صحیح اشارہ ہے کہ محبوب ہوتا ہے ۔

کسی اور کا قول ہے : الظالم لنفسہ (۳۲۹) د ہے مقتصد ب اور سابق بالخیرات م

۱۱ ۔ مسئلہ تمنی

کسی نے رویم بن احمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا : کیا مرید کو کسی بات کی آرزو کرنے کی اجازت ہے ؟
جواب دیا :اسے آرزو کرنے کی اجازت نہیں ۔ البتہ امید لگائے رکھنے کی اجازت ہے ۔ کیونکہ تمنا کرنے میں یہ پایا جاتا ہے کہ اس کی نگاہ نفس کی طرف ہے اور امید میں یہ پایا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے قدیم حکم کی طرف نگاہ لگائے ہوئے ہے ۔ تمنا نفس کی صفت ہے اور امید دل کی ۔ واللہ اعلم ۔

۱۲ ـ مسئلہ

ستر نفس

کسی نے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے ستر نفس کے متعلق سوال کیا تو فرمایا :
نفس کا ایک راز ہوتا ہے جو فرعون کے سوا کسی مخلوق پر واضح نہیں ہوا چنانچہ اس نے أنا ربکم الأعلی (ص۲۲۸)(میں تمہارا بلند ترین رب ہوں) کہہ دیا اور اس کے سات آسمانی حجاب ہیں اور سات ارضی ـ جس قدر بندہ اپنے نفس کو ایک زمین کے بعد دوسری زمین میں دفن کئے جاتا ہے اسی قدر اس کا دل ایک آسمان سے دوسرے آسمان کو بلند ہوئے جاتا ہے چنانچہ جب تو نفس کو تحت الثری میں دفن کر دیتا ہے تو تو اپنے دل کے ساتھ عرش تک جا پہنچتا ہے ـ

۱۳ ـ مسئلہ

شبلی رحمہ اللہ سے غیرت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : غیرت دو قسم کی ہے . غیرت بشری اور غیرت الٰہی ؛ بشری غیرت لوگوں پر ہوتی ہے اور غیرت الٰہی وقت پر بایں طور کہ اسے ماسوا کی خاطر ضائع کیا جائے ـ

۱۴ ـ مسئلہ

فتح بن شخرف (۳۲۹) رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ذوالنون (۳۳۰) کے استاد اسرافیل سے سوال کرتے ہوئے کہا : اے شیخ ! کیا اسرار کو لغزش سے پہلے سزا دی جاتی ہے۔ انہوں نے کئی دن تک اس کا جواب نہ دیا : پھر فرمایا : اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ کیا عمل کرنے سے پہلے سزا دی جاتی ہے تو پھر جواب یہ ہے کہ ہاں دی جاتی ہے ـ فتح کہتے ہیں :اس کے بعد انہوں نے زور سے چیخ ماری اور پھر صرف تین دن زندہ رہ کر فوت ہو گئے ـ

۱۵ ـ مسئلہ

ابوبکر محمد بن موسی الفرغانی المعروف بالواسطی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا؛ دلوں کی کیا صفت ہے ـ

جواب دیا : دلوں کی تین حالتیں ہوتی ہیں : ممتحنہ(۳۳۱)،مصطلمہ(۳۳۲) اور (۳۳۳)ان کی پہلی حالت انتساف ہے (منتسفہ) جسے ابتدا ہی سے یہ تحقیقی طور پر

معلوم ہو چکا ہو کہ وہ پہلے کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۔ اس کے بعد جب حضوری میں آجائے تو تو اصطلام(۳۳۴) کی منزل میں پہنچ جاتا ہو اور یہ موت ہے ، مٹ جانا ہے اور فنا ہے۔ یہ ہے تمہاری ابتدا اور انتہا تاکہ تو یہ نہ کہے کہ میں خود آگے بڑھا اور پیچھے ہٹا ۔ ان تینوں حالتوں نے زبانوں کو گنگ کر دیا ہے۔

۱۶ ۔ مسئلہ

جریری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آزمائش کیا ہے۔ جواب دیا : آزمائش کی تین قسمیں ہیں مخلصوں کے لئے یہ سزا اور عقوبت ہے ، سابقین کے لئے تطہیر اور کفارہ ہے اور انبیاء اور صدیقین کیلئے ان کی خود اختیار کردہ چیز ہے۔

۱۷ ۔ مسئلہ

حب اور ود میں فرق

حب میں دوری بھی ہوتی ہے اور قرب بھی مگر ود میں نہ تو مقاطعہ ہوتا ہے نہ دوری اور نہ قرب (ص۲۲۹)حب کا شاہد حق الیقین ہوتا ہے ، ود کا عین الیقین اور صبابت (۳۳۵) (عشق) کا شاہد علم الیقین ۔

ود میں ایسا وصل ہوتا ہے جو باہمی یعنی دو طرفہ مواصلت کے بغیر ہوتا ہے اس لئے کہ وصل پائیدار ہوتا ہے اور مواصلت میں وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔

۱۸ ۔ مسئلہ گریہ

ابوسعید قراز رحمہ اللہ سے گریہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : ایک گریہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے ایک (۱) وہ ہوتا ہے جو ہم اللہ کے پاس کرتے ہیں اور ایک اللہ پر ہوتا ہے۔

وہ گریہ (۲) جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ اس لئے ہوتا ہے کہ بندہ مدت دراز تک اللہ سے دور رہنے کے عذاب میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور وہ اس مدت دراز کو جو بغیر ملاقات کے گزر گئی یاد کرتا ہے۔ اور ایک گریہ(۳) اس ڈر سے ہوتا ہے کہ کہیں تعلق نہ کٹ جائے اور ایک گریہ(۴)اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے کوتاہی کرنے والوں کو سزا کی دھمکی دے رکھی ہے ایک گریہ(۵) اس گھبراہٹ کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی وجہ وہ حادثات ہوں جو بندے کو اللہ تک پہنچنے سے محروم کر دیتے ہیں لہذا اسے ڈر پیدا ہو جائے ۔

اور جو گریہ(٦) اللہ کی طرف ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کا باطن تکلف کے ساتھ اس کی میلان کرنے کا جوش پیدا کرے ۔ اور ایک گریہ(٧) اس کے اشتیاق کی وجہ سے روحوں کے اڑنے سے پیدا ہوتا ہے ایک گریہ(٨)اس فریفتگی کی وجہ سے ہوتا ہے جو بندے کو اللہ کیلئے ہو(٩)
ایک گریہ آہ و زاری کا ہوتا ہے ایک گریہ(١٠)اس لئے ہوتا ہے کہ بندے کو بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے۔ ایک گریہ(١١) اس رقت کی وجہ سے ہوتا ہے جو اللہ کے پاس شکایت کرنے سے پیدا ہو ۔ ایک گریہ(١٢)اللہ کا قرب مانگتے ہوئے اس کے سامنے ذلت کی بساط پر لوٹنے سے پیدا ہوتا ہے ۔ ایک گریہ(١٣) دوسروں سے آگے بڑھنے کیلئے ہوتا ہے جب اسے یہ خیال ہو جائے کہ اسے تو پیچھے ہٹا دیا گیا ہے ۔ ایک گریہ(١٤) اس ڈر سے ہوتا ہے کہ کہیں راستہ نہ کٹ جائے اور یہ وہاں تک نہ پہنچ سکے ایک گریہ(١٥) اس لئے ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لقاء الٰہی کا اہل ہی نہیں ہے ایک گریہ(١٦) اس حیا کی بنا پر ہوتا ہے کہ وہ کن آنکھوں سے اللہ کو دیکھے گا اس کے بعد اللہ پر گریہ(١٧) اس وقت ہوتا ہے جب کسی وقت معمول کے خلاف اللہ سے پیچھے ہٹا دیا گیا ہو اور ایک گریہ (١٨) اس خوشی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ اللہ تک پہنچ گیا ہے جب اللہ کے احسانات اسے اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہوں۔ اس شیرخوار بچے کی طرح جو ماں کا دودھ بھی پی رہا ہوتا ہے اور روتا بھی جاتا ہے گریہ کی یہ اٹھارہ قسمیں ہیں ۔

١٩ ۔ مسئلہ شاہد

جنید رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا : شاہد کو شاہد کیوں کہا جاتا ہے ؟
فرمایا : شاہد حق تعالیٰ ہے کیونکہ وہ تمہارے ضمیر اور اسرار میں موجود ہے ۔ انہیں دیکھ رہا ہے اور وہ اپنی مخلوق اور بندگان میں اپنے جمال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ لہذا جب کوئی دیکھنے والا اس کی طرف دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا علم اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس نے اللہ کی طرف نظر کی ہے ۔

اور صوفیہ کا شاہد یہ ہے کہ وہ مریدوں کی منزل طے کرے اور جملہ عارفین کا مشاہدہ کرے اور ان کا مشاہدہ کرے جو شاہد نام کے حامل ہیں ۔ وہ شاہد جو غیب میں موجود ہے نہ وہ تنگ دل ہوتا ہے ۔ نہ سست اور نہ تغافل برتتا ہے۔ لہذا اگر یہ مرید کی طرح غافل ہو جائے تو شاہد نہ کہلائے گا ظاہر مخلوق میں ہر وہ چیز جس میں اس کے سوا کچھ اور ہی چیز جاری ہو وہ باطل ہے ۔ لہذا وہ صوفیہ کا طریقہ نہیں ہو سکتا ۔

۲۰ ـ مسئلہ

صفاء معاملہ اور صفاء عبادت کا مسئلہ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی کے حرم کے مشائخ اکٹھے ہو کر ابوالحسین علی بن جندالقرشی رحمہ اللہ کے پاس آئے اور انہوں نے ان سے صفاء معاملہ اور صفاء عبادت کے متعلق سوال کیا ۔

جواب دیا : عقل کا کام رھنمائی کرنا ہے اور حکمت کا کام اشارہ کرنا ہے اور معرفت کا کام شہادت دینا ہے چنانچہ عقل رھنمائی کرتی ہے ۔ حکمت اشارہ کرتی ہے اور معرفت اس بات کی گواھی دیتی ہے کہ ان چار چیزوں کی پاک و صاف معرفت کے بغیر کوئی شخص پاک و صاف عبادت کو نہیں پا سکتا ۔ پہلی اللہ کی معرفت ہے ۔ دوسری نفس کی معرفت تیسری موت کی معرفت اور چوتھی ان امور کی معرفت جو موت کے بعد آتے ھیں مثلاً اللہ کا وعدہ یا وعید ۔ چنانچہ جس نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی وہ اس کے حقوق ادا کرنے کا پابند رہے گا جس نے معرفت حاصل کر لی وہ اس کی مخالفت اور اس کے خلاف جہاد کرنے کیلئے تیار رہے گا جس نے موت کی معرفت حاصل کر لی وہ اس گھاٹ پر وارد ہونے کیلئے تیار رہے گا اور جس نے اللہ کے وعید کا مشاھدہ کر لیا وہ ان امور سے باز رہے گا جن سے اللہ نے منع کیا ہے اور اس کے احکام بجا لائیگا ۔

اللہ تعالی کے حقوق کی نگہبانی تین طرح سے ہو سکتی ہے ۔ وفاء ادب اور مروت سے ۔ وفاء یہ ہے کہ دل یکسو ہو کر اس کے ازلی نور کی مدد سے اس کی فردانیت کی طرف لگ جائے اور اسی کے ساتھ زندگی گزارنے اور اس کی وحدانیت کے مشاھدہ میں ثابت قدم رہے ۔ ادب یہ ہے کہ دل پر گزرنے والے خیالات سے اپنے اسرار کو محفوظ رکھے اپنے اوقات کی حفاظت کرے اور حسد اور ہر قسم کی عداوت سے قطع تعلق کرلے ۔ مروت یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً دونوں طرح سے ذکر پر ثابت قدم رہے ۔ زبان کی حفاظت کرے ۔ نگاہ کو بچائے رکھے اور خوراک اور لباس کی نگہداشت رکھے اور یہ سب کچھ ادب سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ دنیا اور آخرت میں ادب ہر بھلائی کی اصل ہے ۔ اور اللہ ھی توفیق دینے والا ہے ۔

۲۱ ـ مسئلہ

سخی کی صفت ہے

حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کریم وہ ہے جسے یہ خیال ہی نہ آئے کہ اس نے کسے دیا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کریم وہ ہے جو تجھے اس بات کی ضرورت نہ پڑنے دے کہ تو کسی کو اس کے پاس بطور وسیلہ یا سفارشی لے جائے۔

۲۲ ۔ مسئلہ
سخاوت کے بارے میں

ایک گروہ کہتا ہے :ارادہ کے ظاہر ہونے سے قبل ہی کسی کو اس کی مراد تک پہنچا دینا سخاوت ہے ایک دوسرا گروہ کہتا ہے : کسی کو اس کی امید سے زیادہ دینا سخاوت ہے۔

۲۳ ۔ مسئلہ
فکر کے بارے میں

حارث محاسبی رحمہ اللہ سے فکر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : اشیاء کا حق تعالی کی مدد سے قائم ہونے کے متعلق فکر کرنا ۔

کچھ لوگ یوں کہتے ہیں : تفکر سے ہی صحیح عبرت حاصل ہوتی ہے۔

اور لوگ کہتے ہیں : اللہ تعالی کی تعظیم کا اس حد تک ہونا کہ اس سے دل پر ہو جائے فکر ہے۔

اور فکر اور تفکر میں فرق یہ ہے کہ تفکر میں دل کو دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے اور جو باتیں (ص ۱۳۱) دل جان چکا ہے ان پر ان کا ٹھہرا رہنا فکر ہے۔

۲۴ ـ مسئلہ

اعتبار کے بارے میں

ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :ایک چیز سے دوسری چیز پر دلیل پکڑنا اعتبار ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے : جس میں ایمان واضح ہو جائے اور اسے عقلیں کامل طور پر سمجھ جائیں اعتبار ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے : جو بات غیب میں جاری ہو چکی ہو اور کوئی مانع اسے لوٹا نہ سکے اعتبار ہے۔

۲۵ ـ مسئلہ

نیت کیا ہے

ایک اور گروہ کہتا ہے : کسی بات کے کرنے کا عزم کر لینا نیت ہے۔

ایک اور گروہ کہتا ہے : اسم عمل کی معرفت کا نام نیت ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتےہیں : افعال کی صورت اپنے سامنے لانا نیت کہلاتا ہے۔

ایک اور کہتا : مؤمن کی نیت اللہ عزو جل ہی ہے۔

۲۶ ـ مسئلہ

صحیح (صواب) کیا چیز ہے ؟

ایک گروہ کہتا ہے : صرف توحید صحیح بات ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر وہ بات جو تو (اذن) الٰہی سے کہے صواب ہے۔

۲۷ ـ مسئلہ

جنید رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا : مخلوق پر شفقت کرنا کیا

فرمایا : شفقت علی الخلق یہ ہے : مخلوق جو کچھ بھی تجھ سے مانگے اور تو انہیں دے یہ شفقت ہے نیز یہ کہ تو ان پر ان امور کا بار نہ ڈالے جنہیں وہ اٹھا نہیں سکتے اور نہ ہی تو ان کو مخاطب کرتے ہوئے ایسی باتیں کہے جن کا انہیں علم نہیں ہے۔

۲۸ ۔ مسئلہ پرہیزگاری

ایک گروہ کہتا ہے : امر و نہی پر کاربند رہنے کا نام پرہیزگاری ہے۔

ایک دوسرا گروہ کہتا ہے : مشتبہ امور کو ترک کرنے کا نام پرہیزگاری ہے۔

ایک اور گروہ کہتا ہے : جس طرح کعبہ مکہ کا حرم ہے اسی طرح مؤمن کی پرہیزگاری اس کا حرم ہے۔

ایک اور گروہ کہتا ہے : پرہیزگاری دل کے اندر ایک ایسا نور ہوتا ہے جس کے ذریعے سے حق و باطل میں امتیاز کیا جاتا ہے سہل ، جنید ، حارث اور ابو سعید رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین فرماتے ہیں : ظاہر و باطن کا یکساں ہونا پرہیزگاری ہے۔

۲۹ ۔ مسئلہ سر

کسی کا قول ہے : سر (راز) وہ ہے جسے نفس کے خیالات بھی محسوس نہ کر سکیں ۔ سر وہ ہے جسے حق تعالی نے غائب کر رکھا ہو اور اسی وجہ سے خود اس کی نگرانی کرتا ہو۔

ایک گروہ کہتا ہے ۔ سر کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک سر حق ہے اور وہ ایسا سر ہے جس پر حق تعالی بلاواسطہ خود نگاہ رکھے ہوئے ہوں اور دوسرا سر مخلوق کا ہوتا ہے اور وہ ایسا سر ہے جس پر حق تعالی کی بالواسطہ نگاہ ہو۔

اور کہا جاتا ہے : سر وہ ہے جو سر کا بھی سر ہو یہی حقیقی سر ہے اور اسے حق تعالی ہی ظاہر کرتے ہیں اور جو مخلوق کی وجہ سے ظاہر ہو وہ سر نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ حسین بن منصور حلاج نے فرمایا : ہمارے راز اچھوتے ہیں ان تک کسی کے وہم کی رسائی نہیں (ص۲۳۲)یوسف بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مردان (خدا) کے دل اسرار کی قبریں ہیں (۳۲۶) ۔

ان ہی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : اگر میرا تکیہ بھی میرے راز پر

مطلع ہو جائے تو میں اسے اکھیڑ کر پھینک دوں گا (شعر)۔

حاس بسر قد أسر جميعها وكلاهما في سرها مسرور

یہ اس سر کو محسوس کر رہا ہے جسے اس نے کامل طور پر چھپا رکھا ہے اور دونوں اس سر میں خوش ہیں۔

ما سر مسرور يشير بسره منه اليه مساوياً مغرور

اے دھوکا کھانے والے مسرور کا وہ سر جو اپنے سر سے اسی طرف اشارہ کرتا ہو یکساں نہیں۔

ایک(۳۳۸)اور کہتا ہے:

يا سر سر يدق حتى يخفى على وهم كل حي

اے سر کے سر جو اس قدر دقیق ہے کہ ہر زندہ کے وہم سے بھی مخفی رہتا ہے۔

و ظاهر باطن تجلى من كل شيء لكل شي

وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور اس کی تجلی ہر چیز سے اور ہر چیز کیلئے ہوتی ہے

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لعمري مااستودعت سري و سرها سوانا حذاراً أن تشيع السرائر

اپنی قسم! میں نے اپنا اور اس کا سر کسی اور کو نہیں سونپا کہ کہیں یہ اسرار فاش نہ ہو جائیں۔

ولا لاحظته مقلتاى بلحظة فتشهد نجوانا العيون النواظر

اور میری آنکھوں نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا کہ دیکھنے والی آنکھیں ہماری سرگوشی کو دیکھ سکتیں۔

ولكن جعلت الوهم بيني و بينه رسولا فأدى ماتكن الضمائر

مگر میں نے وہم کو اپنے اور اس کے درمیان قاصد بنایا لہذا اس نے ضمیر کی پوشیدہ باتوں کو

اس تک پہنچا دیا ۔

سر دست ان کے اسی قدر مسائل میرے ذہن میں آئے ہیں لیکن ان کے مسائل اس قدر ہیں کہ ان کا ذکر کرنا ممکن نہیں ۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : علم کے دو برابر برابر حصے ہیں ایک نصف حصہ سوال کرنے کا ہے اور ایک جواب کا اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

****

کتاب مکاتبات . صدور ، اشعار ، دعوات اور رسائل

۱ ـ باب

ان کی باہمی خط و کتابت

میں نے احمد بن علی الکرجی سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ جنید رحمہ اللہ نے ممشاد دینوری رحمہ اللہ کی طرف (ص۲۳۳)ایک خط لکھا ـ جب یہ خط ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے پلٹ کر اس کی پشت پر یوں لکھ دیا :

درست بات کہنے والے درست بات کہنے والوں کی طرف کچھ لکھ کر نہیں بھیجا کرتے اور نہ ہی ان میں حقیقت کے بارے میں کبھی اختلاف پیدا ہوا ہے ـ

ابوسعید خراز رحمہ اللہ نے ابوالعباس احمد بن عطاء رحمہ اللہ کی طرف لکھا :
کیا آپ مجھے کوئی ایسا شخص بتا سکتے ہیں جو کامل طور پر پاک ہو ، اپنے نفس کے اثر سے بری ہو ، اللہ کی طرف سے ،اللہ کی مدد سے اور اللہ کی خاطر ، وہ اللہ کی مدد اللہ کی خاطر حق پر وہاں کھڑا ہو جہاں حق تعالی نے اسے کھڑا کیا ہو ،اس طرح کہنے یہ بات اس کے حق میں ہو اور نہ خلاف ـ حق تعالی اس سے اس کا دل بہلاتے رہتے ہیں اور اس کے لئے بھی آزمائش کی بات ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے مخلوق کیلئے بھی ـ اگر آپ کسی ایسے کو جانتے ہوں تو مجھے اس کا پتا دیجئے تاکہ میں انہیں درخواست کروں کہ مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں ـ

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ نے بغداد کے صوفیاء کی ایک جماعت کیطرف ایک لکھا جسمیں لکھا:تم حق کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک تم ان میں

ہوئے راستوں کو طے (۳۴۸) نہ کر لو اور ان ہلاک کرنے والے بیابانوں کا سفر نہ اختیار کر لو۔

جب یہ خط پڑھا گیا تو اس وقت جنید، شبلی اور ابومحمد جریری رحمہم اللہ سب موجود تھے جنید رحمہ اللہ بولے: کاش مجھے علم ہوتا کہ ان راستوں میں داخل ہونے والا کون ہے۔

جریری رحمہ اللہ بولے: کاش مجھے علم ہوتا کہ ان راستوں سے کون (بچ کر) نکل سکتا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ بولے: کاش (۳۴۹) میں ان کی بو بھی نہ سونگھتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ کو ایک خط میں لکھا:
اے ابوالقاسم! آپ اس حالت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو بلند ہوئی پھر ظاہر ہوئی اور ظاہر ہو کر غالب آئی اور غالب ہو کر سب کو مغلوب کر لیا۔ پھر ڈیرہ ڈال کر قرار پکڑا۔ اس کے شواہد مٹ ہوئے ہیں اور اوہام مسا ہو چکے ہیں۔ زبانیں گنگ ہیں اور علوم کے نشانات مٹ چکے ہیں۔ اگر تمام مخلوق ایسی حالت والے انسان کے گرد جمع ہو جائے تو اس سے اس کی نفرت میں اضافہ ہی ہوگا اور اگر مخلوق مہربان ہو کر اس کی طرف آئے تو یہ ان سے اور بھی زیادہ دور جائیگاالقصہ اس شخص کی یہ حالت ہے کہ اسکے گلے میں طوق ہے اور پاؤں میں بیڑیاں جس کا اثر اس کی عقل پر بھی پڑتا ہے لہذا اس نے حیلہ کیا اور حق تعالیٰ کی مدد سے حق تعالیٰ کے مقابلے کیلئے نکل آیا اور مخلوق اس کیلئے رکاوٹ بن گئی۔
اس کے نیچے یہ دو شعر لکھے:
(ص۲۴۳)یا ہلال السما کطرف (۳۴۰) کلیل فاذا ما بدا أضا طرفیه

اے آسمان کے چاند جو محبوب کی چشم مست کی طرح ہے۔ جب رونما ہوتا ہے آسمان کے دونوں اطراف کو روشن کر دیتا ہے۔
کنت أبکی علی منه فلما أن تولی بکیت منه علیه

میں اس کی وجہ سے اپنی ذات پر رویا کرتا تھا مگر جب منہ موڑ کر چلا گیا تو اس کی وجہ سے اسی پر مجھے رونا آیا۔

راوی کہتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے اس رقعہ کو ایک بدھ سے دوسری بدھ تک اپنے پاس رکھ چھوڑا اس کے بعد اس رقعہ کے نیچے لکھا:

اے ابوبکر ! مخلوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو(ہماری تو یہ حالت ہوا کرتی تھی کہ)ایک کلمہ کو لیتے پھر اسے سونگھتے اور اس کی تعریف کرتے اور تہہ خانوں میں گھس کر اس کلمہ کو بولتے تو آکر اکابر خلق کے سامنے بے لگام ہو گیا ہے۔ مخلوق کے ہزار درجے ہیں اور جو کچھ تو نے بیان کیا ہے یہ تو سب سے پہلے (یعنی ادنی) درجے کی بات ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں رملہ میں تھا اور وہاں ایک ہاشمی شخص تھا اور اس کی لونڈی تھی جو اپنی سریلی آواز اور بول میں مہارت کی وجہ سے مشہور تھی ۔ ہم نے ابوعلی رودباری رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ اس ہاشمی کو ایک رقعہ لکھیں جس میں اس لونڈی کے پاس جانے کی اجازت مانگی جائے تاکہ ہم اس لونڈی سے کچھ بول سن سکیں ۔ اس پر انہوں نے میری موجودگی میں قلم برداشتہ لکھا :

بسم اللہ الرحمن الرحیم : خدا تجھے تیری التجا تک پہنچا دے اور تیری امید بر لائے ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پاس ایک گھاٹ ہے جہاں آکر اہل وجد کے دل وارد ہوتے ہیں اور وفاداری کا عہد کرتے ہوئے وہاں ایسی شراب پیتے ہیں جس سے انہیں حقائق صفا حاصل ہوتے ہیں ۔ اگر ہمیں وہاں آنے کی اجازت مل جائے تو ہم اس گھاٹ کے مالک سے درخواست کریں گے کہ اغیار کی عدم موجودگی سے اس مجلس کو زینت بخشے اور اسے دیکھنے والوں کی نگاہوں سے چھپائے رکھے اور ہمارا آنا آپ کی اجازت ملنے پر موقوف ہے۔ والسلام ۔

میں نے ابوعلی بن ابی خالد صوری سے صور ہی میں سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا اور اس میں یہ دو شعر لکھے :

ان کتمی أبا علی لحبیـــک فراراً من التشارک فیه

اے ابوعلی تم سے جو مجھے محبت ہے اسے میں اس لئے چھپاتا ہوں کہ اس میں کوئی اور میرا شریک نہ بن جائے ۔

حبـذا روذبـار ماذی علینا لک حقـا و ذاک منه بتیه

روذبار کے کیا کہنے : اس کے ہم پر کس قدر حقوق ہیں اور یہ بات اس کیلئے باعث فخر ہے۔

(ص۲۳۵)ابوعلی صوری کہتے ہیں : اس سے کچھ دنوں کے بعد میری ان سے ملاقات ہوگئی ۔ اس وقت میرے ہاتھ میں ایک کتاب تھی ۔ انہوں نے اسے میرے ہاتھ سے لے کر اس کی پشت پر لکھا :

أغـراک بالحـب حب فی تخبیه لطف الجنـان و عطف فی تعتبه

ایسی محبت نے تجھے محبت کرنے پر اکسایا ہے جس کی ناکامی میں جنت کا سا لطف پایا جاتا ہے اور جس کے عتاب میں شفقت پائی جاتی ہے۔

یا ابـن الصبابـات عن ورد بلا صدر تجمـت صفـو الهـوی فی غیـر مطلبه

اے ابن عشق ! جو اس گھاٹ پر ایک بار آجائے پھر واپس نہیں جا سکتا تو نے پاک و صاف محبت کو غلط مقام سے حاصل کرنا چاہا ہے۔

فف تحـت صفتـه بالـود منـک له مستهتـراً بتباریـح الشجـون به

تو اس کے چبوترے کے نیچے اس محبت کی خاطر ٹھہرا رہ جو تمہیں اس سے ہے اور تجھے محبوب کے غم کی تکالیف پر فریفتہ ہونا چاہئے۔

شیخ فرماتے ھیں : ذوالنون رحمہ اللہ کا ایک مرید بیمار ہو گیا تو اس نے ذوالنون رحمہ اللہ کو دعا کرنے کیلئے لکھا ۔ اس کے جواب میں ذوالنون نے لکھا :

اے بھائی ! تو نے مجھ سے یہ درخواست کی ہے کہ خدا سے درخواست کروں کہ تم سے اپنی نعمتوں کو زائل کر دے ۔ بھائی ! یاد رکھو ، اہل صفا ، اصحاب الھمم اور خاصان (۳۳۱) خدا کو بیماری کے ساتھ انس ہوتا ہے کیونکہ ان لوگوں کیلئے مرض (آخرت میں) شفایاب ہونے کا سبب بنتا ہے۔ جس نے مصیبت کو نعمت شمار نہیں کیا وہ دانشمند نہیں ہے جو اس ذات سے امن میں نہیں جو اس پر مہربان ہے (تو سمجھ لو کہ) وہ ان لوگوں سے امن میں رہنا چاہتا ہے جو اس پر اتہام لگائیں ۔ تمہیں اے بھائی ! خدا سے شرم آنی چاہئے تاکہ تو آئندہ اس کا شکوہ نہ کر سکے ۔ والسلام ۔

کسی شخص نے ذوالنون رحمہ اللہ کی طرف لکھا : خدا تمہیں اپنے قرب سے مانوس کر دے ۔

اس کے جواب میں ذوالنون رحمہ اللہ نے لکھا : خدا تمہیں اپنے قرب سے وحشت زدہ کر دے کیونکہ جب اللہ تجھے اپنے قرب کے ساتھ مانوس کر دے گا تو تمہاری اپنی قدر و منزلت کے مطابق ہوگا مگر جب وہ تمہیں اپنے قرب سے وحشت زدہ کر دے گا تو یہ اس کی اپنی قدر کے مطابق ہوگا اور اللہ کی قدر کی کوئی انتہا نہیں تاکہ وہ تمہاری یہ حالت کر دے کہ تم ہر وقت اس کے پاس فریادی بن کر آتے رہو ۔

میں نے جعفر خلدی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا : سری سقطی رحمہ اللہ نے ایک رقعہ مجھے دے کر کہا : ابھی میری حاجت

روانی کرو ۔ میں نے جب رقعہ کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ میں نے بادیہ میں ایک حدی خواں کو یوں حدی خوانی کرتے سنا :

(ص۲۳٦)أبکی وھل تدریـن ما یبکینی أبـکی حذاراً أن تفارقینی

و تقطعی و صلی و تھجرینی

میں رو رہا ہوں اور کیا تجھے کچھ معلوم بھی ہے کہ میں کیوں رو رہا ہوں ۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو مجھ سے جدائی اختیار کر لے ۔ اور میرے وصل کو کاٹ کر مجھے ہجر میں ڈال دے ۔

رودباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک دوست نے مجھے خط میں لکھا :

آپ کی طرف میرا یہ خط بھیجنا اسی طرح ہے جس طرح آپ سے میری محبت ہے آپ ہی کا ایک نور ہے جس نے میری آنکھوں کی آپ کی طرف رہنمائی کی ۔ (اور جس نے) آپ کے سوا کسی اور کی طرف نگاہ کرنے سے روک رکھا ہے ۔ والسلام ۔

ابوعبداللہ نے بھی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھا : دوست کا منظور نظر بن جانے کے بعد تو نوجوانوں کی سی جہالت میں کیونکر پڑ گیا ۔ اتصال کی محافظت کرنے کے باوجود تجھے وصال کی رسی کاٹنے پر کس چیز نے ترغیب دی ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب کسی کا خط آتا ہے تو اس سے وہی خوشی حاصل ہوتی ہے جو اس کے قریب ہونے سے حاصل ہو ۔

ایک جلیل القدر شیخ نے کسی اور شیخ کی طرف لکھا : مجھے آپ کا جو اشتیاق ہے اس نے مجھے آپ کی طرف اشارہ کرنے سے روک رکھا ہے اور جو قرب آپ کی طرف سے حاصل ہوا ہے اس نے مجھ سے اس بات کی تکلیف دور کر دی ہے کہ آپ کو یاد کرتا رہوں لہذا آپ کی حقیقت ظاہر ۔ علامات روشن اور دبدبہ غالب ہے ۔ جب آپکا دبدبہ ظاہر ہوا تو میری معرفت پیچھے ہٹ گئی اور اس کے وارد ہوتے ہی عقل غافل ہوگئی اور جب میں اس کے ظاہر ہونے کے بیان کی تشریح کرنے لگا تو میرا علم اس سے قاصر رہا اور تمہاری حقیقت کے غلبے کے وقت میری عبارت تشریح کرنے سے قاصر رہی ۔ والسلام ۔

میں نے ابوالطیب احمد بن مقاتل مکی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابو الخیر تیناتی رحمہ اللہ نے جعفر خلدی رحمہ اللہ کی طرف خط میں لکھا :

فقراء کی جہالت کا بار آپ پر ہے کیونکہ آپ دنیادار لوگوں کی طرف مائل ہو کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے لہذا وہ جاہل کے جاہل رہ گئے ۔

یوسف بن الحسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ایک دانا کے پاس شکایت کی کہ میں دنیا کی طرف مائل ہو گیا ہوں۔ نیز یہ کہ میں اپنی طبیعت میں وہ اخلاق محسوس کر رہا ہوں جنہیں میں اپنی ذات سے اپنی ذات کیلئے پسند نہیں کرتا تو انہوں نے اس کے جواب میں لکھا :

بسم اللہ الرحمن الرحیم : آپ کا خط ملا ۔ جو کچھ آپ نے لکھا ہے اسے میں سمجھ گیا ہوں۔ خدا آپکو بزرگی دے آپ کا مخاطب ان امور میں جن کی آپ شکایت کر رہے ہیں آپ کا شریک ہے اور آپ کی طرح وہ بھی اس مصیبت میں مبتلا ہے۔ اگر آپ مسلسل دعا کرتے رہیں اور اس کے در پر دستک دیتے رہیں کیونکہ جو بدستور دروازہ کھٹکھٹاتا رہتا ہے اور کھٹکھٹانے سے تھکتا نہیں وہ ضرور اندر داخل ہو کر رہتا ہے اور جس صفائی اور (ص۲۴۷)پاکیزگی کے آپ خوہاں ہیں وہ اگر آپ کو حاصل ہو چکی ہے تو پھر جس مصیبت میں آپ مبتلا ہیں اسی طرح رہنے دیں یعنی ایسے برے کاموں کا مرتکب ہونا جن سے تجھے نہ کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیاوی اور تو ایسے لوگوں کے فریب جانے سے پرہیز کرتا رہ جن سے تعلقات قائم رکھنے سے تجھے غفلت اور بیکاری کا خطرہ لاحق رہے اور ان تمام امور کے خلاف تو قناعت اور اکتفا سے مدد لے اور خدا سے یہ درخواست کرو کہ وہ تمہیں محض عملی توبہ نہیں بلکہ پاک کرنے والی توبہ عطا کرے ۔ والسلام ۔

یوسف بن الحسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک دانا نے دوسرے دانا کو خط لکھا جس میں یہ دریافت کیا کہ اصلاح نفس کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کے جواب میں اس نے کہا :
میرے اپنے نفس کی خرابی نے مجھے اس قدر مصروف کر رکھا ہے کہ تمہاری اصلاح کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی اور اپنے نفس کو چھوڑ کر کسی اور کیلئے مجھے گنجائش بھی نظر نہیں آتی ۔ والسلام ۔

فرماتے ہیں کہ ابوالعباس احمد بن عطا رحمہ اللہ نے ابوسعید خراز رحمہ اللہ کو ایک خط میں لکھا :
آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے چلے جانے کے بعد فقراء اور ہمارے ساتھیوں نے ایک دوسرے سے جھگڑنا شروع کر دیا ہے۔

اس کے جواب میں ابوسعید رحمہ اللہ نے لکھا : آپ نے جو لکھا ہے کہ ہمارے ساتھی میرے چلے آنے کے بعد ایک دوسرے سے جھگڑنے لگ گئے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالی ان پر غیرت کھاتے ہیں کہ کہیں یہ باہم مل کر مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں ۔

روذباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک دوست نے اپنے دوست کو خط لکھا : آپ کی دوستی تو مسلسل چلی آرہی ہے لہذا آپ میرے شہر میں آئیں اور میری دوستی کو زیادہ کر دیں ۔ قبیلے کے دشمنوں سے ملاقات کرنے سے بچتے رہنا وہ یہی سمجھتے رہیں کہ تو اکھڑ طبیعت والا ہے ۔

ایک شیخ نے خط لکھا جس میں یوں لکھا تھا ۔ مجھے یہ خط جعفر خلدی رحمہ اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا ہے۔جب میں جدائی کے کڑوا پن میں غور و فکر کرتا ہوں تو یہ مجھے وصل کی حلاوت سے حظ اٹھانے سے روکتا ہے اور میری آنکھ تمہارے قرب سے قرار پانے کو ناپسند کرتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری دوری سے اسے گرم ہونا پڑے لہذا جب ہم اکٹھے ہوتے ہیں تو میرا جگر بھڑک رہا ہوتا ہے اور دور ہوتا ہوں تو آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں اور میں کہتا ہوں جیسا کسی شاعر نے کہا ہے :

وما فی الدھر أشقی من محب وان وجدالھوی حلوا لمذاق

دنیا میں عاشق سے بڑھ کر کوئی بدبخت نہیں
خواہ وہ عشق کو لذیذ ہی کیوں نہ سمجھتا

تراہ باکیاً فی کل حین مخافة فرقة أو لاشتیاق

تو اسے ہمیشہ روتا ہوا دیکھے گا یا تو جدائی کے خوف سے یا اشتیاق کی وجہ سے

فیبکی ان نأوا شوقاً الیھم و یبکی ان دنوا خوف الفراق

جب وہ دور چلے جاتے ہیں تو ان کے اشتیاق کی وجہ سے روتا ہے اور اگر قریب آجائیں تو فراق کے ڈر سے روتا رہتا ہے ۔

فتسخن عینه عند التناءی و تسخن عینه عند التلاقی

لہذا دوری کے وقت بھی اس کی آنکھ گرم ہوتی ہے اور ملاقات کے وقت بھی ۔

(ص۲۳۸)حسین بن جبریل مرندی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا شمار أجلہء مشایخ میں ہوتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میرے پاس مکہ سے ایک خط آیا اور یہ خط ان کے کسی شاگرد نے لکھا تھا ۔ انہوں نے اپنے مریدوں کے سامنے اس خط کو پڑھ کر سنایا

خط میں لکھا تھا :

اے شیخ ! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کے تمام مریدوں کو کوئی نہ کوئی رفیق مل گیا ہے صرف میں رفیق کے بغیر رہ گیا ہوں ۔ پھر میں نے طواف کے دوران ایک ہرنی کو طواف کرتے دیکھا وہ مجھے پسند آگئی لہذا میں نے اسے ہی اپنا رفیق بنا لیا ۔ ہر روز میرے پاس دو جو کی روٹیاں ہوتی ہیں ایک اپنے لئے اور ایک اس کے لئے ۔ وہ کئی مہینوں تک رات دن میرے پاس رہا ۔ ایک رات ایسا ہوا کہ مجھے افطاری کیلئے فراغت نہ ملی اور افطاری میں دیر ہو گئی ۔ جب افطار کرنے لگا تو دیکھا کہ اس نے دونوں روٹیاں کھا لی ہیں ۔ میں نے اسے کہا : تجھ پر افسوس ہے تو نے مجھ سے خیانت کی ہے ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے ہیں اور وہ شرم کے مارے مجھے چھوڑ کر چلا گیا ۔ اب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کے مرید میرے لئے اللہ سے دعا کریں کہ وہ اسے دوبارہ میرے پاس بھیج دے ۔

فرماتے ہیں کہ شاہ کرمانی رحمہ اللہ نے ابوحفص رحمہ اللہ کو لکھا : جب میں اپنے تمام کے تمام معاملے کو ایک مصیبت سمجھ رہا ہوں تو بہہ کئی مصیبتیں بن جائے گا تو پھر کیا کیفیت ہوگی ۔

ابوحفص رحمہ اللہ نے جواب دیا : اپنی مصیبتوں سے الفت رکھو مگر اس الفت کے ہوتے ہوئے مصائب کے ہی نہ ہو لو ۔

ابن مسروق رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سری سقطی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ سری سقطی رحمہ اللہ نے کہا ایک دوست نے مجھے خط لکھا جس کے جواب میں میں نے یوں لکھا :

بھائی ! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اس خدا کے عذاب سے ڈرو جو اپنے اطاعت گزار بندوں کو سعادتمند بناتا ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے خدا اس سے اس کی نافرمانی کا انتقام لیتا ہے لہذا تمہاری اطاعت گزاری اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو جانے کا سبب نہ بنے اور نہ ہی تمہاری نافرمانی اس بات کی باعث بنے کہ تو اس کی رحمت سے مایوس ہو جائے خدا ہمیں بھی اور تمہیں بھی ان لوگوں میں سے بنائے جو بچ بچ کر چلنے والے ہیں بدون اس کے کہ وہ مایوس ہوں اور اس سے امید لگانے والوں میں سے بنائے بدون اس کے کہ ہم دھوکا کھا جائیں ۔ والسلام ۔

جنید رحمہ اللہ نے علی بن سہل اصبہانی رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا :

اے بھائی ! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حقائق لازمہ ۔ قوی اور مضبوط عہد و

بیان اور صحیح اور پکے عزائم نے لوگوں کے تمام اسباب کاٹ ڈالے ہیں اور ہر حائل ہونے والی چیز کو درمیان میں سے ہٹا دیا ہے اور تمام مخفی اسرار کو باہر نکال دیا ہے اور ان تاویلات کو جو صحیح مفہوم کے بارے میں شک میں ڈال دیں واضح کر دیا ہے لہذا اب ان کے نزدیک صحیح حالت کے ہونے ہونے حق تمام لوازمات سے پاک ہے آپ کو اس طریقے پر ہمیشہ لگے رہنے کیلئے کوشش کو اور تیز کرنا ہوگا مگر یہ علم کے واضح دلائل کی روشنی میں اور حق کے واضح دلائل کی بنا پر ہونا چاہئے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان صوفیاء کے مکاتبات اور رسائل اس قدر زیادہ ہیں کہ کئی اجزاء میں بھی ان کا جمع کرنا ممکن نہیں ۔ ہم نے جیسا کہ اس وقت ممکن ہو سکا ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا ہے کیونکہ لمبے مراسلے مثلاً نوری رحمہ اللہ کا جنید رحمہ اللہ کی طرف وہ خط جو انہوں نے ابتلاء کے مسئلہ کے بارے میں لکھا تھا ۔ابوسعید خراز رحمہ اللہ کا نوری رحمہ اللہ کی طرف خط ۔ جنید رحمہ اللہ کا یحیی بن معاذ کی طرف ۔ نیز یوسف بن حسین رحمہ اللہ کی طرف اور ان دونوں کے جوابات ۔ عمرو مکی ابن عطاء کی طرف خط وغیرہ ۔ ہمارے لئے ان سب کا ذکر کرنا ممکن نہیں ۔ صرف ایک خط پیش کرتے ہیں جو جنید رحمہ اللہ نے ابو بکر الکسائی (۳۳۱) رحمہما اللہ کی طرف لکھا اور یہ ۔ ان شاءاللہ ۔ مختصر سا رسالہ ہے :

ابوبکر کتانی کے نام جنید رحمہما اللہ کا خط

بھائی ! جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی تو تو کہاں ہوگا ۔ جب گھر ویران ہو جائیں گے تو تمہارا گھر کہاں ہوگا ۔ جب فرود گاہیں چٹیل میدان ، بے آب و گیاہ اور ویران ہو چکی ہوں گی اس وقت تمہاری فرودگاہ کہاں ہوگی ۔ جب تمام جگہیں مٹ کر بے نشان ہو چکی ہوں گی اس وقت تمہارا مکان کہاں ہوگا ۔ جب تمام خبروں کا ذریعہ منقطع ہو چکا ہوگا اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی ۔ جب دیکھنے والوں کی (۳۳۲) نگاہیں خیرہ ہو چکی ہوں گی اس وقت تمہاری نگاہ کہاں ہو گی ۔ جب دیکھنے اور سوچنے کا کوئی موضع و محل نہ رہا ہوگا اس وقت تو کیا سوچ سکے گا ۔ دن اور رات کی گردش کے ہوتے ہوئے تمہیں کیونکر سکون حاصل ہو سکتا ہے ۔ جب دردناک تقدیریں واقع ہوں گی تو تو کسی طرح اپنا بچاؤ کر سکے گا ۔ اور جب صبر و عزاء کی سبیل نہ رہی ہوگی اس وقت تو کس طرح صبر کر سکے گا ۔ لہذا اگر تو رو سکتا ہے تو اب رو لے اور اس طرح رو جس طرح وہ غمناک ، بیکلی اور دردمند عورت روتی ہے جس کے ہزاروں عزیز مر چکے ہوں اور عظیم

المرتبت اولاد ہلاک ہو چکی ہو اور سابقہ محافظت تباہ ہو چکی ہو اور شفقت کرنے والے بزرگ (دنیا سے) جا چکے ہوں اور ان انوکھی قسم کے جھٹکے وارد ہوئے ہوں۔ اور متزلزل کر دینے والی آندھیاں ان پر پے در پے آئی ہوں۔ اور یکے بعد دیگرے تند اور جڑ سے اکھیڑ دینے والی آندھیاں چلتی رہی ہوں اور اس کے اعتکاف کو درہم برہم کر دیا ہو اور معرفت الہیہ کے روشن چہرے دکھائی دئے ہوں لہذا تمہاری جائے پناہ کہاں ہوگی اور تو نکل کر کہاں تک جا سکے گا جبکہ عقل کے پرنے اڑ چکے ہوں گے، دل پاش پاش ہو چکے ہوں گے۔ عقلیں اپنی جگہ سے (ص۔۲۴۰)اکھڑ چکی ہوں گی۔ اور تمام کی تمام خبریں اچھالی گئی ہوں گی اور تو تاریک مصائب میں مبتلا ہوگا۔ ستارے بے نور ہو چکے ہوں گے اور راستے مشتبہ ہوں گے جن کی تاریکی نے تجھے اس کے راستوں میں آمد و رفت کرنے سے بھٹکا دیا ہو اور جس کی زمین و آسمان تمہارے اوپر چھائے ہوئے ہوں گے پھر بے کیفیت تجھے موجوں کے تھپیڑوں موجزن، ڈھانپ لینے والے اور متحرک سمندر میں لے جائے گی جس کے مقابلے میں ہر سمندر یا لہر، ہیچ ہوگی اور وہ اس کے سامنے ایسا ہوگا جیسے سمندر کے سامنے تھوک یا لہر۔ اس نے تو تجھے گھنی موجوں میں پھینک رکھا ہے۔ چنانچہ وہ تجھے اپنی تہ بہ تہ موجوں میں پھینک دے گا اور اپنے شدید ہولناک اور حرکت کرنے والے پانی کے ساتھ تمہارے اوپر چڑھ آئے گا۔ اس وقت تمہارا ان تباہ کن ہلاکتوں سے کون نجات دھندہ ہوگا اور وہاں سے کون تمہیں نکالے گا۔

اے ابوبکر! میں یہ خط تمہاری طرف لکھ رہا ہوں۔ میں خدا کی بہت تعریف کرتا ہوں اور اس دنیا و آخرت میں عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں۔ تمہاری طرف سے مجھے خطوط مل گئے تھے۔ ان میں جو کچھ تو نے لکھا تھا اسے میں سمجھ گیا تھا۔ تمہارے ذہن میں جو خیالات آئے ہیں وہ (در حقیقت) مجھے جواب دینے سے مانع نہیں آئے۔ جس غم کا تو نے ذکر کیا ہے اس سے مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ میرے نزدیک تمہاری حالت اس شخص کی سی نہیں جس پر عتاب نازل ہوا ہو بلکہ میرے نزدیک تمہاری حالت اس شخص سی کی ہے جس پر اللہ کی توجہ ہو۔ تمہاری اپنی مصیبت ہی کافی ہے پھر میں کیوں اس میں اضافے کا سبب بنوں۔ میں تم پر شفقت کرنے والا ہوں۔ مجھے جواب لکھنے سے صرف اس بات نے روکا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خط کا مضمون تمہاری لاعلمی سے کسی اور کے ہاتھ لگ جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت ہوئی کہ میں نے اصفہان کے کچھ لوگوں کو ایک خط لکھا۔ کسی نے اسے کھول کر اس کی نقل لے لی۔ اس خط کی بعض باتیں کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکیں اور میں انہیں اس الجھن سے نکالتے نکالتے تھک گیا۔ مجھے اس سے ان کی خاطر بہت رنج اٹھانا پڑا۔ مخلوق کے ساتھ نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ ان کے

سامنے ایسی باتیں لانا جنہیں وہ جانتے ہی نہیں اللہ پر مہربانی نہیں کہلا سکتی اور نہ ہی یہ کہ انہیں ایسے کلام سے خطاب کیا جائے جسے وہ سمجھ ہی نہ سکیں مگر بعض اوقات بغیر قصد اور ارادے کے ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

(ص۲۳۱)خدا تمہاری حفاظت اور بچاؤ کرے اور ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلامتی عطا کرے ۔ خدا تم پر رحم کرے ۔ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے زمانے کے لوگوں کو پہچانو لوگوں سے ان امور کا خطاب کرو جنہیں وہ جانتے ہوں اور جن امور کو وہ نہیں جانتے انہیں ترک کر دو ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ جس بات سے لوگ ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کی مخالفت اور دشمنی کرتے ہیں ۔ لوگوں کی مثال تو ان سو اونٹنیوں کی سی ہے جن میں ایک بھی سواری کے قابل نہ ہو ۔ اللہ تعالی نے علماء و حکماء کو رحمت بنایا ہے اور اس رحمت کو بندگان پر پھیلا دیا ہے لہذا تو اس لئے عمل کرتا جا کہ تو اوروں کیلئے رحمت بنے ۔ اگر اللہ تعالی نے تجھے اپنی ذات کیلئے مصیبت بنا رکھا ہے تو تجھے چاہئے کہ جب تو مخلوق کے پاس جائے تو اپنی حالت کو ترک کرکے ان کی حالت میں ان کے پاس جائے اور ان کے محل و مرتبہ کے مطابق دل سے ان سے باتیں کرو ۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بھی اور ان کے لئے بھی تبلیغ کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہوگا ۔ والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے یہ قصہ اور رسالہ اس لئے اس کتاب میں درج کیا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کنندہ اس پر غور کرے اور جو صحیح اشارات اور فصیح عبارات یہاں درج کی گئی ہیں ان سے مستفید ہو اور اسے معلوم ہو کہ ان کا آپس میں خط و کتابت کرنے کا کیا طریقہ ہے کیونکہ ہر طبقہ کے لوگوں کے مابین خط و کتابت کرنے کا اپنا اپنا طریقہ ہوتا ہے ۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

خطوط اور رسائل کے ابتدائی حصے

جنید رحمہ اللہ کے خطوط کے ابتدائی حصے

بھائی : خدا تجھے اپنے برگزیدہ بندوں میں سے بنا دے اور اپنی ملکیت میں رکھ کر تمہارے اندر مجتمع۔ کی کیفیت پیدا کر دے اور اہل دانش کے علم کے ساتھ تجھے مخصوص کر دے اور تجھے وہ معرفت عطا کرے جو تمہارے لئے مناسب ہو اور تمہارے ان ارادوں کو پورا کرے جو تو اپنی ذات سے اللہ کیلئے چاہتا ہے ۔ پھر تمہیں تمہاری ذات سے نجات دلا کر اسے لئے کرے پھر اس کے خیال سے بھی فارغ کرکے اپنے لئے اور اپنے ساتھ کر لے

تاکہ جن خیالات میں وہ تمھیں بلٹنا چاہے ان میں ان مشاھدات کے ساتھ جو تجھے کرائے جائیں تمھیں منفرد بنا دے اور کوئی شاھد تجھ تک نہ پہنچ سکے اور نہ اس حالت سے نکال سکے - یہ بالکل ابتدائی حالت ہے جس سے اللہ تعالی ان تمام نشانات کو محو کر دیتا ہے جو یکے بعد دیگرے تم پر وارد ھوتے ھیں - اور یہ وہ نشانات ھوتے ھیں جو اس نے اپنے کرم سے تم سے اپنی بلند ذات کے ساتھ مخفی کر رکھے ھوں کیونکہ جن امور کو اس نے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے وہ بہت بلند امور ھوتے ھیں اس کے بعد وہ ذات تمھیں تمھاری ذات کیلئے تمھاری ذات سے الگ کرکے ,,تفرید تجرید،، کی ابتدائی حالت میں نیز ھونے والی ,,تفرید،، کی حقیقی صورت میں لے آتا ہے- یہی وجہ ہے کہ جب وہ منفرد ھوتا ہے تو فنا کر دیتا ہے اور یہ فنا اس شاھد کو فنا کر دیتی ہے جو حق تعالی کی طرف سے اس سے پہلے وارد ھو چکا ھوتا ہے - مگر یہ سب صرف اس وقت ھوتا ہے جب مخلوق کی (ص۲۳۲)موجودگی کو فنا کر دیا جاتا ہے- تب کہیں جا کر حق تعالی کی طرف سے حق کیلئے حقیقت الحقیقہ واقع ھوتی ہے - اسی سلسلے کے وہ امور ھیں جو اس کی حقیقت کی وجہ سے جس میں علم کی انتہا علم توحید پر ھوتی علم,,تفرید التجرید،، پر وارد ھوئے - اللہ تعالی نے اس علم کی بڑی تعظیم کی ہے اور اسے ان کثیرالتعداد لوگوں سے جو اس کی طرف منسوب ھوتے ھیں اس کے مدعی بنتے ھیں اس کی تحقیق کرتے ھیں اور اسے اپنے لئے منتخب کرتے ھیں چھپائے رکھا ہے-

ایک اور خط کا ابتدائی حصہ : خدا کرے خصوصیت پانے کی حقیقت تجھے نفس کی علامات سے مردہ کر دے اور نہایت مخفی طریقہ سے تجھے اپنے نفس کے حظ کو دیکھنے سے بچا کر اپنے جلال و بزرگی میں مشغول کر رکھے تاکہ اس کی یاد کے دوران تو اپنے ذکر اور حال کی طرف توجہ ھی نہ کر سکے پھر اللہ تمھیں یہ بات یاد دلائے کہ اس نے تجھے ازل قدیم میں یاد کیا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ تمھاری آزمائش کا وقت نہیں آیا تھا- اور نہ اس مصیبت کی حالت کی *ابتدا* پیدا ھوئی تھی - اللہ جو چاھتا ہے کرتا ہے اور وہ اس بات پر قادر بھی ہے -

ایک اور خط کی ابتدا : خدا تمھیں اپنی اطاعت کے ساتھ عزت بخشے اور اپنی دوستی کے ساتھ مخصوص کرے - تجھ پر اپنی ,,پردہ پوشی،، کا جھول ڈالے اور اپنے نبی کی سنت کی پیروی کی توفیق دے - تجھے اپنی کتاب کی فہم عطا کرے ، تمھاری زبان سے حکمت کی باتیں نکلوائے اور تجھے اپنے قرب کے ساتھ مانوس کرے اور فوائد کے ساتھ تجھے مخصوص کرے ، تجھے مزید (انعامات) عطا کرے ،اپنے دروازے پر لگائے رکھے *ایسی خدمت پر تجھے* لگائے رکھے تاکہ تو اس کا موافق بن جائے اور اس کی محبت کے پیالے کو چکھنے والا ھو جائے تاکہ اس دنیا کی زندگی دوسری دنیا کی زندگی کے ساتھ متصل ھو جائے اور ایک حیات

دوسری حیات کے ساتھ اور روح روح کے ساتھ ۔ اس سے نعمت مکمل ہوگی اور تو عتاب سے بچ جائے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صحیح عافیت ہوگی اور کامل سلامتی ۔

ایک اور خط کی ابتدا : غیب کی خبروں کی عجیب و غریب باتیں تمہارے لئے رونما ہوں اور وہ حقائق رونما ہوں جو اپنے مکانوں کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان کو پوشیدہ رکھنے کی عجیب باتوں کرجو رازھیں انہیں تم پر واضح کر دے ۔ اور حقیقت تجھے اپنے ان عطیوں کے ساتھ مخاطب کرے جواب تک پوشیدہ رہے ہیں ۔ اس ذات کی زبان میں جو اپنی پوشیدہ جگہ سے گویا ہے کیونکہ واضح ترین گفتار وہی ہوتی ہے جو اپنے بیان کے حکم کو واضح کر دے ۔ واضح ترین گفتار وہ نہیں جو اپنی زبان سے فصاحت کی تصریح کرے ۔ بلکہ وہ ہے جسے حق تعالی اپنی مراد کے اعلان کرنے پر واقف کر دے مگر یہ بات اپنے وقت اور ساعت سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی ۔ ان امور کو سمجھنے کیلئے وہ لوگ مقصود ہیں جو اپنے زمانے کے لوگوں میں موجود ہونے بھی یکتا ہیں ۔

ایک اور خط کی ابتدا : اللہ تعالی تجھے اس طرح اپنی حفاظت میں لے جس طرح وہ اپنے خاص احباب کو لیتا ہے۔ اور تجھے بھی اور ہمیں بھی اپنی رضامندی کے طریقوں پر ثابت قدم رکھے اور تجھے اپنے انس کے خیموں میں داخل کرے ۔ اور تجھے اپنی طرح طرح کی بخششوں کے باغات میں بلند مرتبے پر پہنچائے اور تمام احوال میں تمہاری اس طرح حفاظت کرےجس طرح وہ ماں کے پیٹ کے اندر بچے کی حفاظت کرتا ہے ۔ پھر تمہیں ایسی دائمی حیات بخشے جو حیات قیومی میں سے لی گئی ہو اس طرح کہ اس کے ساتھ ابدی دوام بھی ہو اور تمہاری اپنی چیزوں سے تمہیں علیحدہ کرکے اپنے ساتھ لگا لے اور وہ چیزیں جو اس کی ہیں تمہارے ساتھ لگا دے ۔ تاکہ تو ان کی دوامی حالت میں اس ذات کے ساتھ اکیلا رہ جائے ، نہ تو تو ہو نہ تمہاری کوئی ملک کی چیز ہو اور نہ اس کا علم ہو ، ہو تو خدائے واحد ہو ۔

یہ ابتدائی حصے تمام کے تمام جنید رحمہ اللہ کے خطوط کے ہیں ۔ ان میں لطیف اشارے اور مخفی رموز پائے جاتے ہیں جن سے مشکل حقائق کی تشریح ہوتی ہے اور پوشیدہ امور کو بتلاتے ہیں اور تجرید توحید اور حقیقت تفرید کے بارے میں صوفیا کی جو خاص خصوصیت ہے اس کو بتلاتے ہیں ۔ جو شخص ان رسائل کو پڑھے اسے انہیں غور سے پڑھنا چاہئے کیونکہ ان میں اهل فہم کیلئے فوائد ہیں اور ان لوگوں کیلئے جنہیں اس علم کے ساتھ دلچسپی ہے مزید فوائد ہیں اور ان امور کی معرفت حاصل کر لینے سے دلوں کے لئے منفعت ہی منفعت ہے ۔ خدا ہی درست بات کی توفیق دینے والا ہے۔

جنید رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر صوفیاء نے تمہیدیں لکھی ہیں میں ان میں سے چند ایک کا ذکر کروں گا ان شاءاللہ تعالی ۔

ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کے خط کی ابتداء

اللہ تجھے احوال کی تکمیل کی انتہائی غایت کو پہنچنے اور منظم ہونے کی حالت میں اپنے ساتھ مانوس رکھے اور جو لوگ تمہاری دائمی فضیلت اور عافیت میں تمہارے خاص دوست رہے ہوں ان کے دلوں کو بھی تمہارے ساتھ مانوس رکھے ۔ اور جو امور تم پر واضح ہو چکے ہیں خدا کرے وہ زندگی بھر اور پھر وفات کے بعد بھی تمہارے ساتھ رہیں اور جہاں ہماری امیدیں نہیں پہنچ سکتیں اور جن انتہائی احوال تک ہماری رسائی نہیں ہم پر مہربانی فرما کر ہمیں عطا کرے اور اپنے لطف و کرم اور احسان سے جس کا اس نے تمہیں عادی بنا رکھا ہے تمہاری فضیلت میں اضافہ کرے اور اللہ تعالی اس سلسلے میں جیسا کہ ہم امید لگائے ہوئے ہیں ہم پر احسان کرے ۔

ابوسعید الاعرابی کے خط کی ابتدا

اللہ تمہاری اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ ایک بچے کی کرتا ہے اور ہمیں بھی اور تمہیں بھی[۳۴۳] اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے وہ نیک بندے جن کے دلوں سے اس نے پردے ہٹا دئے ہیں لہذا وہ اللہ کے وعدوں اور وعید کا مشاہدہ کر لیتے ہیں ۔ لہذا اگر ان میں سے کوئی خائفہ ہے (تو وہ اللہ سے امید بھی لگائے رکھتا ہے اور یہ امید اس سے دور نہیں ہوتی، اور جو اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو خوف (اس کے دل میں) ہر وقت موجود[۳۴۴] رہتا ہے ۔ یہ لوگ اللہ کی محبت کی آگ سینکتے ہیں اور اور اسی کی ہیبت کے سامنے سر جھکاتے ہیں ۔ محبت اور امید نے انہیں اس قدر وسعت دے رکھی ہوتی ہے کہ یہ ناامید نہیں ہوتے اور خوف کا ان پر اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ یہ نہ تو دھوکا کھاتے ہیں اور نہ بے خوف ہو کر بیٹھ جاتے ہیں ۔ لہذا یہ خوف اور رجا کے درمیان کھڑے رہتے ہیں ۔ شوق (الٰہی) انہیں بے قرار کئے رکھتا ہے اور ذوق بے چین کر رکھتا ہے حسن ظن ان کا رہنما ہوتا ہے اور (نیک اعمال کے) چھوٹ جانے کا خوف انہیں اکسا رہا ہوتا ہے ۔ توفیق الٰہی ان کی پیشرو ہوتی ہے اور محبت ان کی سواری ۔ یہ طالب بھی ہیں اور مطلوب بھی ۔ راستے کی علامات ان کے لئے روشن کی جاتی ہیں ، گھاٹ معمور ہیں اور یہ انہیں منافع کی طرف اشارہ کرتے رہتے ہیں لہذا یہ عجیب و غریب امور اور فوائد لے کر واپس آتے ہیں ۔

ان ھی کے ایک اور خط کی ابتدا : خدا تجھے تمہاری اپنی ذات سے مردہ کرکے اپنی ذات کے ساتھ زندہ کر دے ۔ تجھے فہم عطا کرکے تمہیں تقویت دے اور تمہارے دل کو ہر قسم کے وھم و خیال سے خالی کر دے ۔ اپنا قرب عطا کرکے تجھے مسافت (کے سوال) سے فنا کر دے اور اپنا انس عطا کرکے وحشت سے ۔

ان ھی کے ایک اور خط کی ابتدا : خدا تمہاری اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ اس بچے کی کرتا ہے جس پر وہ رحم کرتا ہے اور تمہیں اس طرح بچائے جس طرح وہ اپنے معصوم ولیوں کو بچاتا ہے اور تجھے ان انعامات کی معرفت عطا کرے جو اس نے تم پر کر رکھے ھیں اور ان امور کو تمہارے اندر سے نکال دے جو تمہاری فطرت میں ھیں ۔ تمہیں تمہارے اس نفس سے حجاب میں کر دے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان حائل ھو کر تمہیں اس سے منقطع کر دیتا ہے اور تجھے اس کی تمام رکاوٹوں اور شر سے بچائے رکھے ۔ تجھے اپنے عمل کی طرف نگاہ کرنے ،اپنی کوشش کے نتائج کو دیکھنے اور اپنی ذات کو پاکباز کہنے سے بچائے اور تجھے نفس کی غلامی سے آزاد کرے ۔ اس کی حیرت کے اسباب اور بے کار تکالیف سے محفوظ رکھے ۔ تجھے اس نفس سے چھڑا کر خاص اپنی ذات کیلئے بنا لے تاکہ تجھ میں حقیقی عبودیت پائی جائے اور تمہارے اعمال ، خواہ تھوڑے ھی کیوں نہ ھو پاک و صاف ھوں اور تمہاری کوشش خواہ کس قدر معمولی کیوں نہ ھو ، بارآور ھو اور تمہاری زندگی پاکیزہ ھو خواہ تیری موت ھی کیوں نہ واقع ھو چکی ھو تاکہ یہ تجھے اس زندگی کے ساتھ ملا دے جس کے بعد موت نہیں آنے کی اور اس بقا کے ساتھ ملائے جس کے بعد فنا نہیں ۔ تمہارے تمام معاملات کا اس طرح ولی بنے کہ ان کے انجام نیک ھوں بعینہ اس طرح جس طرح اس نے تمہاری تمہارے معاملات کی ابتدا میں حیرت زدہ ھونے سے بچانے میں مدد کی تھی ۔ جن امور کو وہ شروع کرتا ہے انہیں مکمل کرنے کا وھی مالک ہے ۔

ابوسعید خراز کے ایک خط کی ابتدا :

خدا تجھے اپنے ذکر میں مشغول رکھ کر تجھے تیرے نفس سے محفوظ رکھے ۔ اور تجھے تیری صفات سے غافل کرکے تجھ پر اس کا شکر ادا کرنے کی حقیقت واضح کر دے اور تجھے اپنی ذات کے متعلق اس قدر علم عطا کرے کہ اسے تمہارے تمام افعال کا علم ہے تاکہ تو ان لوگوں میں سے ھو جائے جن کے لئے راہ راست پر چلنے کے تمام حیلے جمع کر دئے گئے ھوں (۳۳۵)اور اس طرح تمہارا مرتبہ بھی بلند کر دے اور فصاحت و بیان کے دروازے کھول دے ۔ اور میں اللہ تعالی سے درخواست کرتا ھوں کہ تم میں جو کیفیت "فرق"(۳۳٦)کی ہے اسے "جمع" کی کیفیت بنا دے اور جسے اس نے جمع بنایا ہے اسے "فرق" میں بدل دے وھی ان سب باتوں کا

مالک اور ان پر قدرت رکھنے والا ہے۔

ان ہی کے ایک اور خط کی ابتدا :

خدا تجھے اپنے ذکر کی بدولت تمہارے نفس سے بچائے رکھے اور اس ذکر میں اپنے شکر کے ذریعے سے تصرف کرے اور اپنی توجہ کی بدولت تجھے تنہا نہ رہنے دے ، تجھے اپنے گرامی انعامات عطا کرے اور تجھے شدید قوت سے اپنی پناہ میں رکھے ۔ بیشک وہی ان امور کا مالک اور ان پر قادر ہے۔

ایک اور خط کی ابتدا ۔ میرے خیال میں یہ بھی خراز رحمہ اللہ ہی کا خط ہے۔

اللہ تعالی تجھے بلند علم عطا کرے اور تجھے ایسے ذکر میں یکتا کر دے جو تیرے لئے ایک محفوظ مقام کا کام دے اور تجھے اپنی نگہبانی سے ایک طرف نہ ہٹنے دے اور اپنی دوستی کی وجہ سے تجھے منفرد ہستی بنا دے اور جن امور کی رعایت کرنے کا کام اس نے تجھے سونپ رکھا ہے تیرا والی بنے اور اس میں وہ تیرا ساتھ دے اور تیری مدد کرتا رہے۔ تیری طرف توجہ دے اور تجھے شفا بخشے۔ اپنا ذکر تجھے عطا کرے اور تجھ سے موالات رکھے ۔ تجھے اپنی اطاعت کے ساتھ مانوس رکھے اور تیرا درجہ بلند کرے اور تجھے تیرے نفس اور خواهشات نفس کے سپرد نہ کرے ۔

کردی[۳۴۷]صوفی ارموی کے خط کی ابتدا : خدا تجھے وہی عطیے دئے جائے جو اس نے تجھے عطا کر رکھے ہیں اور تجھے اس ذات کی طرف رجوع کرانے کے ذریعے سے جس نے سوچ و بچار کا مادہ (تیرے اندر) پیدا کیا ہے تمہیں تیری باطنی صفات سے محفوظ رکھے اور تمہیں تمہاری ذات کی ابتدائی (حقیقت) کا مشاہدہ کراکے تمہارے نفس سے بچائے رکھے ۔ اور جس چیز سے اس نے ابتدا کی ہے وہ ایک عظیم چیز ہے اور تجھے اس مقام پر اتارے جہاں سے تو یہ دیکھ لے کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور اس ارادے کا کیا مقصد ہے۔ ان سے ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے وہ اپنے تسلیم و رضا کی وجہ سے یوں خیال کرتے ہیں کہ وہ اس ذات کے ساتھ راز کی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے مدارات سے پیش آتی ہے لہذا ان کے ارادے چلتے چلتے اس ذات کے سامنے پیش ہو جاتے ہیں جو ان پر مہربان ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں وہ کام کئے جن سے انہیں خوشی ہوئی اور وہ اللہ کی محبت کے میدانوں میں ادھر ادھر پھیل گئے ۔ اٹھتے ہوئے انوار توحید اور چمکدار تجرید انہیں اڑا کر لے گئی پھر جب اس ذات سے الگ ہوئے تو اس طریقے پر الگ ہوئے کہ یہ بھی اسی کے لئے اور اسی کی خاطر تھا اور

پھر ان کی وھی پہلی کی سی حالت ھوگئی ۔

دقی رحمہ اللہ کے ایک خط کی ابتدا:

جو عزت آپ کو اللہ تعالی کی طرف سے حاصل ھوئی ہے آپکو مبارک ھو ۔ آپ تو اس کے دوستوں کے فریادرس ھیں اور اس سے موافقت رکھنے والوں کے جائے پناہ ۔ آپ لوگوں کو اس کی معرفت کا راستہ دکھاتے ھیں اور آپ کی نسبت اسی خدائے واحد کے ساتھ ہے ۔ آپ اس کے متعلق اسی کی مدد سے لوگوں کو خبر دیتے ھیں ۔ آپ وہ ذات ھیں جسے اللہ نے اپنی قدیم ازلیت میں اپنی ذات کیلئے منتخب کر رکھا ہے اور جسے اپنے پوشیدہ راز پر مطلع کر دیا ہے اور جسے اپنی قدرت کے جاری ھونے کا مشاھدہ کرا دیا ہے اور جس کی زبان پر حکمت کی باتیں جاری کرا دی گئی ھیں اور جسے اس لئے کھڑا کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں (ص۲۳٦)کی اس کی طــــرف رھنمائی کرے ۔ اللہ نے آپکو مریدوں اور ان لوگوں کیلئے معیار بنایا ہے جو محقق ھیں اور خدا تک پہنچ چکے ھیں اور جو اس بات کی تیاری میں لگے ھیں کہ اس کی اور اچھی طرح وضاحت کر لیں اللہ ان تمام امور کا مالک ہے اور اس تک اس کی مدد کے بغیر رسائی نہیں ھو سکتی ۔ والسلام ۔

دقی کے ایک خط کا ابتدائی حصہ :

خدا تجھے معزز بنائے اور بلند کرے اور تمہیں اپنے عطیوں کے ذریعے اپنا مقرب بنائے ۔ تم پر اپنے عطیے نچھاور کرے اور تجھے ان سے راضی کر دے ۔ تجھے اپنی آزمائش سے اپنی پناہ میں رکھے اور شفا بخشے اور جو امور اس نے تجھ پر واجب قرار دئے ھیں ان میں وہ تیرا والی اور مددگار ھو ۔ وہ صاحب قدرت ولی ہے ۔ وہ ان لوگوں پر مہربان ہے جو اس کے پاس پناہ لیں اور جو اس پر اعتماد رکھیں ان کا نگہبان ہے ھم خود بھی ھر مصیبت سے اللہ کی پناہ میں آتے ھیں اور تمہیں بھی اسی کی پناہ میں لیتے ھیں اور ھر قسم کی خطاکاری سے اسی کی پناہ اور مغفرت کے طالب ھیں ۔

ایک اور خط کی ابتداء :

خدا اپنی عنایت سے تجھ سے دوستی سے پیش آئے اور تجھے اپنے عطیوں اور لطف سے محروم نہ کرے اور تجھے اپنی آزمائش اور سختی سے اپنی پناہ میں رکھے اور تمہارے افعال کی وجہ سے تمہیں اپنے ذکر سے محجوب نہ کر دے اور نہ ھی تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہیں اپنے شکر سے پردے میں کرے ۔ وہ قدرت رکھنے والا والی ہے ۔

ایک اور ابتداء :

خدا تمہیں اسی طرح بچائے رکھے جس طرح وہ اپنے متقی لوگوں کو بچائے رکھتا ہے اور تمہارے اندر عشق سلیم و دیعت کر دے اور اپنا بلند ذکر تم پر واضح کر دے اور تجھے اپنی دائمی توجہ کے ساتھ مانوس کر دے ۔ وہ قدرت رکھنے والا والی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس بات نے ہمیں ان رسائل ، صدور اور مکاتیبات کو اس کتاب میں جمع کرنے کی ترغیب دی ہے یہ ہے کہ ان میں معانی اور اشارات پائے جاتے ہیں (اور ہماری غرض یہ ہے کہ) غور کرنے والے ان پر غور کریں اور انہیں ان رسائل وغیرہ سے ان لوگوں کے مرتبے اور ان کے لطیف اشارات اور پاک باطن کا پتا چل جائے اور اس بات کا پتا چل جائے کہ ان لوگوں کو فہم ، علم ، عقل اور ادب میں خصوصیت حاصل ہے اس لئے کہ اہل معرفت اور اہل ادب کے ہاں یہ دستور ہے کہ جب انہیں اپنے ہمجنسوں سے مجالست اور میل جول کا موقعہ نہ ملے تو ان کے مخاطبات ،اشعار اور مکاتیبات سے انہیں پہچانیں ۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۳ ۔ باب

صوفیاء کے وہ اشعار جو ان کے احوال اور اشارات کے متعلق کہے گئے ہیں

بیان کیا جاتا ہے کہ یوسف بن حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک معتبر آدمی کو ذوالنون رحمہ اللہ کی نسبت حکایت کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے یوں کہا :

(ص۲۴۷)اذا ارتحل الکرام الیک یوماً لیلتمسوک حالاً بعد حال

جب کسی روز شرفاء کوچ کرکے تمہارے پاس اس لئے آئیں کہ تم سے ایک «حال» کے بعد دوسرے «حال» کا مطالبہ کریں ۔

فان رحالنا حطت رضاءً بحکمک عن حلول وارتحال

ہم نے تو ہر قیام اور کوچ کو نظر انداز کرکے تمہارے حکم پر رضامند ہوکر(تمہارے ہاں) ڈیرہ ڈال رکھا ہے ۔

أنخنا في فناءک يا الهي الیک مفوضین بلا اعتلال

اے خدا ہم نے تمہاری بارگاہ میں مقیم ہو کر رہنا اختیار کر لیا ہے اور بغیر کسی حیلے اور بہانے کے سب کچھ تمہارے سپرد کر دیا ہے۔

فسُنا کیف شئت ولا تکلنا الی تدبیرنا یا ذاالمعالی

اب جس طرح چاہو ہماری تدبیر کرو۔ اے بزرگی والے ! ہمیں ہماری تدبیروں پر نہ چھوڑ دینا۔

یہ اشعار بھی ذوالنون رحمہ اللہ کے ہیں :

من لاذ بالله نجا بالله و سره مر قضاه الله

جس نے اللہ کے پاس پناہ لی وہ اللہ کی مدد سے نجات پا گیا اور وہ اللہ کی قضا کے جاری ہونے سے خوش ہوا۔

ان لم تکن نفسی بکف الله فکیف أنقاد لحکم الله

اگر میرا نفس اللہ کے قبضے میں نہ ہوگا تو میں اللہ کے حکم کی کیسے فرمانبرداری کروں گا۔

لله أنفاس جرت ثه لاحول لی فیها بغیر الله

اس سانس کی کیا بات ہے جو اللہ کیلئے جاری ہوا ہو اللہ کی مدد کے بغیر مجھ میں کوئی طاقت نہیں۔

ابوعمرو بن علوان نے مجھے جنید رحمہ اللہ کے یہ اشعار سنائے۔

تغرب أمری عند کل غریب فصرت عجیباً عند کل عجیب

میرا معاملہ ہر اس شخص کو عجیب معلوم ہوا جو اپنی ذات کو انوکھا سمجھتا تھا چنانچہ میں ہر عجیب شخص کو عجیب معلوم ہونے لگا۔

(۳۳۸)وذاک لأن العارفین رأیتهم علی طبقات فی الهواء رتوب

اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ عارفین مختلف طبقات میں ثابت قدم ہو کر ہوا میں چل رہے ہیں۔

فأصبح أمري ليس يدرک غوره　　سوی أنني للعارفين خطيب

پھر میری یہ حالت ہو گئی کہ کوئی شخص میرے معاملات کی تہ تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ لوگوں کو صرف اتنا علم تھا کہ میں عارفوں کا خطیب ہوں۔

جلنے اور عذاب میں مبتلا ہونے کے بارے میں جنید رحمہ اللہ کے یہ اشعار ہیں:

یا موقد النار فی قلبی بقدرته　　لو شئت أطفیت عن قلبی بک النارا

اے اپنی قدرت سے میرے دل میں آگ جلانے والے اگر تو چاھتا تو میرے دل کی اس آگ کو بجھا سکتا تھا۔

لا عار ان مت من خوف و من حذر　　علی فعالک بی لا عار لا عارا

اگر میں خوف کے مارے یا تمہارے ان کارناموں سے بچاؤ کرتے ہوئے جو تو میرے ساتھ کر رہا ہے میں مر جاؤں تو میرے لئے یہ بات ہرگز عار کا سبب نہ ہوگی۔

ان ھی کے یہ شعر بھی ہیں:

یا مسعری أسفاً یا متلفی شغفاً　　لو شئت أنزلت تعذیبی بمقدار

اے میرے اندر غم کی آگ جلانے والے اور اے عشق سے مجھے فنا کرنے والے اگر تو چاھتا تو مجھ پر ایک خاص اندازے کے ساتھ مجھ پر عذاب نازل کرتا۔

حاشاک من استغفا ناتی فکیف وقد　　أو لیتنی نعماً طاحت بأذکار

جو فریاد میں تمہارے پاس کر رہا ہوں اس سے میں معذرت چاھتا ہوں اور میں کیسے معذرت نہ چاھوں جبکہ تو نے مجھ پر اس قدر انعامات کر رکھے جنھوں نے میرے اذکار کو فنا کر دیا ہے

میں نے رملہ میں احمد بن علی الوجیہی رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ ابو الحسین نوری نے ابوسعید خراز رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ اشعار بھی لکھے:

(ص۲۳۸)لعمری ما استودعت سری و سره　　سوانا حذاراً أن تشیع السرائر

اپنی جان کی قسم اس ڈر سے کہ کہیں راز کی باتیں فاش نہ ہو جائیں میں نے اپنا اور اس کا راز کسی تیسرے شخص کو نہیں بتایا۔

لاحظته مقلتای بنظرة　　فتشهد نجوانا القلوب النواظر

اور نہ ہی میری دونوں آنکھوں نے اسے ایک نظر دیکھا ہے کہ دیکھنے والے دل ہماری سرگوشی کو دیکھ سکتے۔

ولکن جعلنا الوھم بینی و بینہ رسولاً فأدی ماتکن الضمائر

مگر میں نے صرف وہم کو اپنے اور اس کے درمیان قاصد بنایا تھا جس نے دلوں کی چھپی ہوئی باتیں محبوب کو پہنچا دیں۔

قناد رحمہ اللہ نے ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کے یہ اشعار پیش کئے ہیں جن میں نوری اپنی حالت کے کھو جانے کا رونا رو رہا ہے۔

أنعی الیک اشارات القلوب معاً لم یبق منھن الاّ دارس العلم

میں تمہارے پاس دلوں کے ان اشاروں کا رونا روتا ہوں جن کے صرف مٹے ہوئے نشانات رہ گئے ہیں۔

أنعی الیک قلوباً طال ماھطلت سحائب الجود منھا أبحر الحکم

میں تمہارے پاس ان دلوں کا رونا روتا ہوں جن کی سخاوت کے بادل مدت تک حکمت کے سمندروں کی بارش برساتے رہے۔

أنعی الیک نفوساً طاح شاھدھا فیما ورا الحیث بل فی شاھد القدیم

میں تمہارے پاس ان نفوس کا رونا روتا ہوں جن کا شاھد ,,لا مکان،، میں فنا ہو گیا نہیں بلکہ شاھد قدیم میں فنا ہو گیا۔

أنعی الیک لسان الحق مذ زمن أودی و اذکارہ فی الوھم کالعدم

میں ایک زمانہ سے تمہارے پاس ,,لسان حق،، کا رونا رو رہا ہوں جو اس وقت فنا ہو گئی جب کہ اس کے اذکار عدم کی طرح ابھی وھم ہی میں تھے۔

أنعی الیک بیاناً تستکین لہ أسماع کل فصیح مقول فھم

میں تمہاری اس فصاحت و بلاغت کا رونا روتا ہوں جس کے سامنے ہر فصیح ظریف اللسان فہیم انسان کے کان عاجزی کرتے ہیں۔

أنسی و حقـک أخلاقـاً لطائفة　　کانـت مطاياهـم فی مکمـن الکظم

تمہارے حق کی قسم ! میں تمہارے پاس ان لوگوں کے اخلاق کا رونا روتا ہوں جن کی سواریاں حلق کے نہاںخانے میں تھیں۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھے جعفر خلدی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ کے یہ دو شعر پڑھ کر سنائے :

فلما جفیت و کنت لا اجفی　　و دلائل الهجران لا تخفی

مجھ سے کیوں جفا کی گئی حالانکہ اس سے قبل مجھ سے جفا نہ کی جاتی تھی اور جدائی کے دلائل مخفی نہیں رہ سکتے۔

وأراک تسقینی و تمزجنی　　و لقد عهدتک شاربی(۳۳۹) صرفا

میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو مجھے پلاتا ہے اور ملاوٹ کرکے پلاتا ہے۔ مجھے تو وہ زمانہ یاد ہے جب تو مجھے خالص شراب پلایا کرتا تھا۔

عبداللہ بن حسین بیان کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن حسین بصری کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں جنید رحمہ اللہ کی مجلس میں تھا کہ ایک شخص نے ان سے کوئی سوال کیا تو جنید رحمہ اللہ نے یہ اشعار پڑھے :

نم علی سر وجده النفس　　والدمع من مقلتیه ینبجس

سانس نے اس کے وجد کا راز فاش کر دیا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو پھوٹ پھوٹ کربہہ رہے تھے۔

مدلـه هائـم له حرق　　أنفاسه بالحنین تختلس

وہ حیران ہے، دیوانہ ہے اسے جلن ہے اس کے سانس آہ و زاری کے ذریعے جھپٹ لئے جاتے ہیں

مهـذب عارف له فطن　　من نور انس الحبیب یقتبس

مہذب ہے عارف ہے صاحب فہم ہے اور محبوب کے انس کے نور سے روشنی حاصل کرتا ہے۔

(ص۲۳۹)یا بأبی الأشعث الغریب فتی　　لیس له دون حوله أنس

اس پراگندہ موی اور اجنبی انسان پر میرا باپ قربان ہو جس کا اپنی مراد کے سوا کسی سے انس نہیں ہے۔

یا بأبـی جسمـہ الـزکی وان کان علیـہ خلیـق دنس

اس کے پاک جسم پر میرا باپ قربان ہو اگرچہ اس نے پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ابوبکر دقی رحمہ اللہ نے یہ اشعار مجھے دمشق میں سنائے دقی فرماتے تھے کہ ابوعلی احمد بن محمد رودباری رحمہ اللہ نے اپنے یہ اشعار مجھے پڑھ کر سنائے۔

حد القنـاعة محـو الـکل منـک اذا لاح المزیـد بحـد عنـہ مطلع

قناعت کی تعریف یہ ہے کہ تم سے ہر چیز مٹ جائے جب اس سے جھانکنے والی حد کے ساتھ اضافہ ظاہر ہو۔

فان تحقـق وصف الوجـد مشتملا علی الاشارات لم یلوی(۳۵۰)علی الطمع

اگر وجد کا وصف اشارات پر مشتمل ہو کر حقیقی طور پر حاصل ہو جائے تو پھر (صاحب وجد) کسی لالچ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

شیخ فرماتے ہیں : مجھے وجیہی رحمہ اللہ نے یہ اشعار سنائے اور وجیہی فرماتے ہیں کہ انہیں ابوعلی رودباری رحمہ اللہ نے اپنے یہ اشعار مجھے سنائے :

کتبـت الیـکم بمـاء الجفون و قلبـی بمـاء الھـوی مشرب

میں نے آنکھوں کے پانی سے تمہاری طرف لکھا اور میرا دل عشق کے پانی سے رنگا ہوا ہے۔

و کفـی تخط و قلبـی یمل(۱۵۱) و عینـای تمحـو الـذی نکتب

میرا ہاتھ لکھ رہا ہے اور دل لکھا رہا ہے اور جو کچھ ہاتھ لکھتا ہے اسے میری دونوں آنکھیں مٹا رہی ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں : ابوعبداللہ احمد بن عطاء رودباری رحمہ اللہ نے اپنے خالو ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کے اشعار سنائے :

تأمـل من بعيـد تاميله حلـول فنـاءک صفـو الوصال

پاک و صاف وصل نے تمہارے صحن میں اترنے کی آرزو کرنے کے بعد

موانـع عن احتـواء الوصال اليـک عن الوصـل فی کل حال

ان موانع پر غور کیا جو ہر حالت میں وصل کو تمہارے پاس اکٹھا ہونے سے روکتے ہیں ۔

أن يرد عليـک الصفات بنعـت التمـکن عنـد الکمال

اس شرط پر کہ یہ صفات کو کمال تک پہنچنے کے وقت صفت تمکین سے مزین کرنے تمہاری طرف لوٹا دے ۔

فاقنـع بقنعتـه أن تراه ففـت مدی لحظـه فی النوال

لہذا اتنے پر ہی قناعت کر لو کہ تو اسے دیکھ لے اور پھر اس کی نگاہ کی حد سے(اس کے دیدار کے)عطیے کے ساتھ آگے چلو ۔

ان ہی کے یہ اشعار ہیں :

انـی أجلک عن روحـی وأبذلها فداء عبـدک روح أنـت واهبها

میں تمہیں اپنی روح سے کہیں زیادہ بزرگ سمجھتا ہوں (مگر پھر بھی) اسے تم پر قربان کرتا ہوں ۔ وہ روح تمہاری ہی عطا کی ہوئی ہے تمہارے بندے کی طرف سے فدیہ ہے ۔

و کیف تفدیـک روح أنـت واهبها و قد منتـت علـی من یفتدیـک بها

وہ روح جس کا تو خود عطا کنندہ ہے تم پر کیسے قربان ہو سکتی ہے حالانکہ تو نے ہی تو فدا کنندہ پر اس کا احسان کیا ہے ۔

(ص۲۵۰)شیخ فرماتے ہیں :ابوبکر احمد بن ابراہیم المؤدب البیروتی نے مصر میں مجھے خواص رحمہ اللہ کے یہ اشعار سنائے :

صبـرت علـی بعض الأذی خوف کله ودافعـت عن نفسـی لنفسـی فعزت

میں نے کسی قدر اذیت پر اس خیال سے صبر کیا کہ کہیں تمام کی تمام اذیت مجھ پر نہ آن پڑے اور اپنے نفس کی خاطر اپنے نفس سے اذیت کو دور کیا تو یہ اکڑ بیٹھا ۔

و جرعتهـا المـکروه حتـی تدربت و لو جرعتـه جملة لا شمأزت

میں نے اسے ناپسندیدہ امور گھونٹ گھونٹ کرکے پلائے تاآنکہ یہ ان کا عادی بن گیا اگر یہ اسے یکبارگی پی لیتا تو متنفر ہو جاتا۔

ألا رب ذل ساق للنفس عزة و يارب نفس بالتعزز ذلت

سن لو کہ بہت سی ذلتیں نفس کے لئے عزت کھینچ لاتی ہیں ، اور بہت سے نفس عزت کے ہوتے ہوئے بھی ذلیل ہوتے ہیں ۔

اذا ما مددت الکف ألتمس الغنی الی غیر من قال اسئلونی فشلت

اگر میں مالداری حاصل کرنے کی خاطر اس ذات کے سوا جس نے اسئلونی (مجھ سے مانگو) کہا کسی اور کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو خدا کرے یہ ہاتھ شل ہو جائیں ۔

ساصبر نفسی ان فی الصبر عزة وأرضی بد نیائی وان هی قلت

اے نفس میں صبر کرونگا کیونکہ صبر ہی میں عزت ہے اور میری دنیا خواہ کم ہی ہو میں اس پر راضی رہوں گا۔

مجھے ابوحفص عمرالشمشاطی نے رملہ میں خواص رحمہ اللہ کے اشعار سنائے :

لقد وضح الطریق الیک قصداً فما أحد أرادک یستدل

تمہاری طرف قصد کرکے آنے کا راستہ واضح ہے لہذا جو تمہارا ارادہ کرکے آئے اسے پتا پوچھنے کی ضرورت نہیں ۔

فان ورد الشتاء ففیک صیف فان ورد المصیف فأنت ظل

اگر موسم سرما آجائے تو تو گرمائش کاسبب ہے

اور اگر موسم گرما ہو تو تو چھاؤں ہے

عمر کہتا ہے کہ ان اشعار کا مفہوم قرآن مجید سے لیا گیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

کلا معی ربی سیہدینی (سورۃ الشعراء : ٦٢)

(ایسا نہ ہوگا ۔ کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے جو مجھے صحیح راہ پر لگائے گا)

یہ اشعار سمنون رحمہ اللہ کے ہیں اور سمنون کو سمنون المحب کہا جاتا ہے ۔ وہ ان اشعار میں اپنے وجد کو بیان کر رہے ہیں ۔

هبنی وجدتک بالعلوم و وجدها من ذا ، یجدک بلاوجود یظهر

فرض کر لو میں نے تمہیں علوم اور ان کے «وجد» کے ذریعے پالیا ۔ کون ہے جو تمہیں ظاہری وجود کے نہ ہوتے ہوئے بھی پالے ۔

أیقظتنی بالعلم ثم ترکتنی حیران فیک ملدداً لا أبصر

تو نے مجھے علم کے ساتھ بیدار کیا مگر پھر تم نے مجھے اپنی ذات کے بارے میں حیران و پریشان کر دیا کہ میں دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔

یا غائباً والدهر یبرز عزه مالاح منک صغیره قد یبهر

اے غائب جس کی قدرت کا اظہار زمانہ کر رہا ہے تمہاری تھوڑی سی صفات جب ظاہر ہوتی ہیں تو ہمیں تعجب میں ڈال دیتی ہیں۔

قد کنت أطرب للوجود مروعاً طوراً یغیبنی و طوراً أحضر

کبھی وہ وقت تھا کہ میں وجد سے متعجب ہو کر طرب میں آتا تھا وہ کبھی مجھے غائب کر دیتا اور کبھی حاضر کر دیتا۔

أفنی الوجود بشاهد مشهوده یفنی الوجود و کل معنی یحضر

اس نے "شاهد" کے ذریعے "وجد" کو فنا کر دیا جس کا "مشهود" ہر اس کیفیت کو فنا کر دیتا ہے جو موجود ہو۔

و طرحتنی فی بحر قدسک سابحاً أبغیک منک بلاوجود یظهر

تو نے مجھے اپنے "قدس" کے سمندر میں پھینک دیا اور میں اس میں تیر رہا ہوں۔ میں تجھے تم ہی سے طلب کرتا ہوں بدون اس کے کہ تمہارا وجود ظاہر ہو۔

ان ہی کے یہ اشعار بھی ہیں:

شغلت (٣٥٢) قلبی عن الدنیا و لذتها فانت فی القلب شیء غیر مفترق

تو نے میرے دل کو اپنے ساتھ مشغول کرکے دنیا اور دنیا کی لذات سے غافل کر رکھا ہے چنانچہ دل کے اندر تم اس طرح سمائے ہوئے ہو کہ اسے اب جدا نہیں کیا جاسکتا۔

(ص٢٥١)وما تطابقت الأجفان عن سنة الا وجدتک بین الجفن والحدق

جب میری آنکھ کے سوتے اونگھ کی وجہ سے باہم مل جاتے ہیں تو میں تمہیں سوتوں اور آنکھ کے درمیان پاتا ہوں۔

جن باتوں کی تعلیم میں نے جعفر خلدی رحمہ اللہ سے حاصل کی ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے جنید رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ابوالحسن سری سقطی رحمہ اللہ اکثر یہ ابیات پڑھا کرتے تھے:

ولما ادعیت الحب قالت کذبتنی فمالی أری الأعضاء منک کواسیا

جب میں نے محبت کا دعوی کیا تو کہنے لگی تو جھوٹ کہتا ہے۔ (اگر تو سچ کہتا ہے تو) تمہارے اعضاء گوشت سے ڈھکے ہوئے کیوں دکھائی دیتے ہیں ۔

فما الحب حتی یلصق الجلد بالحشی و تذبل حتی لا تجیب المنادیا

محبت تو یہ ہے کہ تمہاری کھال انتڑیوں کے ساتھ لگ جائے اور تو اس قدر لاغر ہو جائے کہ کسی پکارنے والے کو جواب تک نہ دے سکے ۔

و تنحل حتی لا یبقی لک الهوی سوی مقلة تبکی بها أو تناجیا

اور تو اس قدر نحیف ہو جائے کہ عشق تمہاری آنکھوں کے سوا کوئی چیز نہ چھوڑے تو اسی سے روئے اور اسی سے مناجات کر لے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں ان کے کمرے میں گیا اور وہ ایک چھیڑے سے اس کمرے میں صفائی کر رہے تھے اور گنگنا رہے تھے :

و ما رمت الدخول علیه حتی حللت محلة العبد الذلیل

جب تک میری حالت ایک ذلیل غلام کی سی نہیں ہو گئی میں نے اس کے پاس جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا ۔

و أغضیت (۳۵۲) الجفون علی قذاها و صنت النفس عن قال و قیل

میں نے اس کی اذیت پر صبر کیا اور اپنے نفس کو لوگوں کی قیل و قال سے بچا لیا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سری یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے :

ما فی النهار ولا فی اللیل لی فرج فما أبالی أطال اللیل أم قصرا

نہ دن میں میرے غم کی کشائش ہوتی ہے نہ رات میں لہذا مجھے اس بات کی کیا فکر کہ رات لمبی ہے ۔ چھوٹی ۔

ابوعمرو الزنجانی (۳۵۳) نے تبریز میں مجھے یہ شعر سنائے اور کہا : شبلی رحمہ اللہ موت کے وقت یوں کہہ رہے تھے :

قال سلطان حبه أنا لا أقبل الرشا

اس کی محبت کے بادشاہ نے کہا : میں رشوت قبول نہیں کرتا

فسلـوه فديته لم قتلـى تحرشا

میں اس پر قربان جاؤں ذرا اس سے یہ تو پوچھو مجھے دھوکے سے کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔

یہ شعر بھی ان ہی کے ہیں :

أظلـت علينـا منـک يومـاً غمامة أضـاءت لنـا برقـاً و أبطـى رشاشها

ایک دن تمہاری طرف سے بدلی چھائی جس نے بجلی تو چمکائی مگر چھینٹے برسانے میں دیر کر دی ۔

(ص۲۵۲)فلا غيمهـا يجلـو فييأس طامع و لا غيثهـا يأتـى فيـر وى عطاشها

نہ ہی اس کے بادل چھٹتے ہیں کہ امیدوار ناامید ہو کر بیٹھ جائے اور نہ ہی بارش برستی ہے کہ پیاسے سیراب ہوں۔

اس کے بعد نساج سے کہا : اس سلسلے میں تمہارا کہاں مقام ہے۔ نساج نے جواب دیا : جہاں ذلت ہے۔ یہ سن کر شبلی رحمہ اللہ نے کہا : میری موجودگی میں ذلت کا نام لے رہے ہو اور انہوں نے الفاظ نساج کے "مقام ذلت" پر غیرت کھا کر کہے ۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھے :

لقـد فضلـت ليلـى علـى النـاس كالتى علـى ألف شهـر فضلـت ليلة القدر

لیلی کو تمام لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے جس طرح لیلۃ القدر کو ایک ہزار ماہ پر فضیلت دی گئی ہے

فيـا حبهـا زدنـى جوى كل ليلة و ياسلـوة الأيـام مرعـدک الحشر

اے لیلی کی محبت ہر رات میری سوزش میں اضافہ کئے جاؤ اور اے ترک عشق میں تجھ سے حشر کے دن کا وعدہ کرتا ہوں۔

و عينـان قال الله كونـا فكانتا فعـولاں بالألبـاب ما فعـل الخمر

اور دو آنکھیں ہیں جنہیں اللہ نے حکم دیا کہ بن جاؤ تو بن گئیں یہ عقلوں پر وہی اثر کرتی ہیں جو شراب کرتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا : میری مراد .موٹی آنکھیں، نہیں ہیں - میری مراد تو دل کی آنکھیں ہیں جو سینوں کے اندر ہوتی ہیں لہذا اس شخص کیلئے خوشخبری ہے جس کے دل میں آنکھ ہو . سننے والے کان ہوں اور سندیدہ الفاظ اس کے بعد ابو الفرج عکبری نے کہا : میں نے ان سے غیرت ۔ کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا :

بشری غیرت اشخاص کیلئے ہوتی ہے اور غیرت الہیہ وقت پر ہوتی ہے جب کوئی ماسوا کی خاطر وقت کو ضائع کر دے - اس کے بعد یہ اشعار پڑھے :

ذاب مما فی فؤا دی بدنی　　و فؤادی ذاب مما فی البدن

میرا بدن اس چیز کی وجہ سے گھل گیا جو میرے دل میں ہے اور میرا دل اس چیز سے گھل گیا جو بدن میں ہے -

فاقطعوا حبلی و ان شئتم صلوا　　کل شیء منکم عندی حسن

اب چاہو تو مجھ سے تعلقات منقطع کر لو اور چاہو تو قائم کر لو تمہاری تو ہر چیز مجھے اچھی لگتی ہے -

صح عند الناس أنی عاشق　　غیر أن لم یعلموا عشقی لمن

لوگوں کو ٹھیک معلوم ہو گیا ہے کہ میں عاشق ہوں مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ میں کس کے عشق میں مبتلا ہوں اور کچھ علمی باتوں کا ذکر چھڑا تو یہ اشعار کہے :

و شغلت عن فهم الحدیث سوی　　ما کان منک و حبکم شغلی

ان باتوں کے سوا جو تمہاری طرف سے ہوں میں لوگوں کی باتیں سمجھنے سے اپنے شغل میں لگا ہو اور میرا شغل تمہاری محبت ہے -

و ادیم نحو محدثی نظری　　أن قد فهمت و عندکم عقلی

میں اپنی نگاہیں اس شخص کی طرف لگائے رکھتا ہوں جو مجھ سے باتیں کر رہا ہوتا ہے (تاکہ میں یہ ظاہر کروں) کہ تمہاری بات کو میں نے سمجھ لیا ہے حالانکہ میری عقل تمہارے پاس ہوتی ہے -

اور وہ اپنی مجلس میں اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے :

رآنی فأورانی (۳۵۵) عجائب لطفه　　فهمت و قلبی بالفراق یذوب

اس نے مجھے دیکھا اور اپنی عنایات کے عجائب مجھے سمجھا دئے لہذا میں دیوانہ وار پھرنے لگا اور میرا دل فراق کی وجہ سے گھل رہا تھا ۔

(ص۲۵۲)فلا غائب عنی فأسلو بذکرہ ولا ھو عنی معرض فأغیب

وہ نہ تو مجھ سے غائب ہے کہ میں اس کے ذکر سے دل بہلاؤں اور نہ وہ مجھ سے منہ پھیرے ہوئے ہے کہ میں غائب ہو جاؤں ۔

ان ہی کے یہ شعر بھی ہیں :

جری السیل فاستبکانی السیل اذجری و فاضت لہ من مقلتی غروب

سیلاب آیا تو اس نے مجھے رونے پر اکسایا لہذا میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے

یکون اجاجاً دونکم فاذا انتھی الیکم تلقی طیبکم فیطیب

یہ سیلاب تم تک پہنچنے سے پہلے کھاری تھا مگر جب تمہارے پاس پہنچا تو اس نے تمہاری مٹھاس حاصل کر لی اور میٹھا ہو گیا کہا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے مصائب پر صبر کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے :

أتذکر ساعةً ألعقت فیھا وأنت و لیدھا عسلا وُ صبرا

کیا تجھے وہ گھڑی یاد ہے جبکہ تو ابھی پیدا ہی ہوا تھا تو تجھے اس وقت شہد اور ایلوا چٹایا گیا تھا ۔

لتعلم أن ھذا الدھر یمسی و یصبح طعمہ حلواً و مرا

تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اس زمانے کا ذائقہ صبح کو میٹھا ہوتا ہے اور شام کو کڑوا ۔

فلا یملاک محبوب سروراً و ان وافاک مکروہ فصبرا

لہذا تجھے محبوب چیز سے خوش نہیں ہونا چاھئے اور اگرتجھ پر کوئی مصیبت آجائے تو صبر کرو

و ان فارقت فی دنیاک ذنباً فقل فی اثرہ یارب غفراً

اگر تو اس دنیا میں گناہ کر بیٹھے تو گناہ کرکے کہو : خدایا ! مجھے معاف کر دو۔

اور یہ اشعار یحیی بن معاذ رازی رحمہ اللہ کے ہیں :

أموت بداء لا یصاب دوائیا ولا فرج مما أری فی بلائیا

میں بیماری سے مر رہا ہوں مگر میری دوا ہی نہیں مل رہی اور جو کچھ میں اس مصیبت میں دیکھ رہا ہوں اس کی کوئی کشائش نہیں۔

یقولون یحیی جن من بعد صحة ولا یعلم العذال ما فی حشائیا

لوگ کہتے ہیں تندرستی کے بعد یحیی دیوانہ ہو گیا ہے اورملامت گروں کو معلوم نہیں کہ میرے اندر کیا ہے

اذا کان داء المرء حب ملیکه فمن غیره یرجو طبیباً مداویا

جب کسی انسان کی بیماری اس کے آقا کی محبت ہو پھر وہ اس کے علاوہ کس معالج طبیب کی امید رکھ سکتا ہے۔

مع اللہ یقضی دهره متلذذاً تراه مطیعاً کان أو کان عاصیا

تو دیکھ رہا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ لذت سے اپنا زمانہ گزار رہا ہے خواہ مطیع ہو کر خواہ نافرمان ہو کر۔

ذرونی و شانی لا تزیدون کربتی و خلوا عنانی نحو مولی الموالیا

مجھے میری حالت پر چھوڑ دو ، میری مصیبت کو اور نہ بڑھاؤ اور میری باگ کو چھوڑ دو کہ میں آقاؤں کے آقا کے پاس جاؤں۔

ألا فاهجرونی فی قطیعتی ولا تکشفوا عما یجن فؤادیا

مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ مجھ سے تعلقات منقطع کر لو مگر جو کچھ میرے دل کے اندر چھپا ہوا ہے اسے مت ظاہر کرو۔

کلونی الی المولی و کفوا ملامتی لأنس بالمولی علی کل مابیا

مجھے میرے آقا کے سپرد کر دو اور مجھے ملامت کرنے سے باز آجاؤ تاکہ میں ان تمام مصائب کے باوجود جو میں جھیل رہا ہوں اپنے مولی کے ساتھ مانوس ہو جاؤں۔

ابوالعباس بن عطا رحمہ اللہ نے یہ اشعار شکر کے متعلق کہے ہیں :

وکم ید لک عندی ما شکرت لها حملتها أنت عنی مع بوادیکا

تمہارے مجھ پر بہت سے احسانات ہیں جن کا میں نے شکریہ ادا نہیں کیا ۔ باوجود تمہارے "بادی"(۳۵۶) کے تو ان احسانات کو میری طرف سے اٹھا ۔

ضعفت عن حملها عجزاً لتحملها لکن أیادیک تحملها أیادیکا

میں اپنی کمزوری کی وجہ سے انہیں نہ اٹھا سکا تاکہ تو انہیں اٹھا لے مگر تمہارے احسانات کو تمہارے ہی ہاتھ اٹھا سکتے ہیں ۔

(ص۲۵۴)ان ہی کے یہ شعر بھی ہیں :

کیف شکری لمن به بحسن الشکر و منه شکری له فی الوداد

میں اس ہستی کا کیسے شکر ادا کر سکتا ہوں جس کی بدولت شکر ادا کرنا بھی اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس دوستی میں اسی طرف سے میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں ۔

انما یشکر المحبون وجداً و صفاء من خاصة الانفراد

محب لوگ اپنی علیحدگی پسند خوبی کی وجہ سے وجد اور صفائی کے ذریعے سے شکر ادا کرتے ہیں ۔

ان ہی کے شعر یہ بھی ہیں :

(۳۵۷) حقاً أقول لقد کلفتنی شططاً حملی هواك و صبری ان ذا لعجیب

میں سچ کہتا ہوں کہ تو نے مجھے حد سے زیادہ تکلیف دی ہے ۔ تمہارے عشق کا بار اٹھانا اور پھر صبر کرنا بہت عجیب بات ہے ۔

جمعت شیئین فی قلبی له خطر نوعین ضدین تبرید و تلهیب

میرے مرتبے والے دل میں تو نے دو چیزیں جمع کر دی ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد

ہیں ٹھنڈا کرنا اور شعلہ زن کرنا ۔

نار تقلقنی والشوق یضرمها فکیف یجتمعا روح و تعذیب

آگ مجھے بیقرار کر رہی اور شوق اس آگ کو بھڑکا رہا ہے
لہذاراحت اور عذاب کیسے ایک جگہ اکٹھے

ہو سکتے ہیں

لا کنت ان کنت أدری کیف یسلمنی صبری علیک و صبری صبر أیوبا

اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میرا صبر مجھے کیسے تمہارے سپرد کر رہا ہے تو خدا کرے میں دنیا میں نہ رہوں ۔ اور میرا صبر تو صبر ایوب ہے ۔

لما تحقق بالبلوی اقشعر لها فظل من ثقلها عریان مکروبا

جب اس نے مصیبت کو اچھی طرح سے سمجھ لیا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے پھر اس کے بارگراں کی وجہ سے ننگا اور مصیبت زدہ ہو گیا ۔

قد مسنی الضر و الشیطان ینصب لی و أنت ذوقوة والعبد منکوب

مجھے دکھ پہنچا ہے اور شیطان مجھے دکھ دے رہا ہے تو صاحب قوت ہے اور بندہ مصیبت زدہ ہے ۔

فلا تکلنی الی نفسی فیظفربی من کان یقربنی اذ کنت محجوبا

اے خدا تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر دے ورنہ وہ مجھ پر قابو پا لیگا ۔ جب میں تم سے حجاب میں جاؤں گا تو پھر کون میرے قریب آئے گا ۔

یہ اشعار ابوحمزہ صوفی رحمہ اللہ کے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک کنوئیں میں گر پڑے ۔ لوگوں نے اسے پاٹ دیا ۔ اس کے بعد ایک درندہ آیا جس نے کنوئیں کے اوپر کے حصے سے مٹی ہٹا دی اور خود نیچے اترا ۔ ابوحمزہ اس کی ٹانگ سے لپٹ گئے اور درندے نے انہیں کنوئیں میں سے نکال دیا ۔ اس وقت انہوں نے غیب سے ندا سنی ۔ اے ابوحمزہ یہ اچھا طریقہ ہے ہم نے تمہیں ایک ہلاکت کے ذریعے دوسری ہلاکت سے نجات دی ہے یعنی درندے کے ذریعے سے کنوئیں سے بچا لیا ہے ۔ اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے :

نهانی حیائی منک أن أکتم الهوی وأغنیتنی بالفهم عنک من الکشف

وہ حیا جو مجھے تم سے ہے اس نے مجھے عشق کو چھپانے سے منع کیا اور تو نے مجھے بات سمجھا کر اسے کھول کر بیان کرنے سے مستغنی کر دیا۔

تلطفت فی أمری فأبدأت شاهدی　　الی غائبی واللطف یدرک باللطف

تو نے مجھ پر کرم کیا تو میں نے اپنے موجود حال کا اظہار اپنے غائب مالک کے پاس کر دیا اور مہربانی کا پتا مہربانی ھی سے چلتا ہے۔

ترائیت لی بالغیب حتی کأنما　　تبشرنی بالغیب أنک فی الکف

تو غیب میں مجھے اس طرح دکھائی دیا گویا تو مجھے غیب میں اس بات کی بشارت دے رہا ہے کہ تو میرے ھاتھ میں ہے۔

أراک وبی من هیبتی لک وحشة　　فتؤنسنی باللطف منک و بالعطف

جب میں تمہاری ہیبت کی وجہ سے وحشت میں ھوتا تو تمہیں دیکھ لیتا ھوں تو تو مجھے اپنے لطف و کرم سے میری وحشت کو دور کر دیتا ہے۔

و تحیی محبا أنت فی الحب حتفه　　و ذی عجب کون الحیاة مع الحتف

اور تو اس محب کو زندہ کرتا ہے جس کے لئے محبت میں تو خود اس کی موت کا سبب ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ موت کے ھوتے ھوئے زندگی بھی ھو۔

(ص۲۵۵)ابونصر بشر بن الحارث رحمہ اللہ کے یہ اشعار ھیں :

لا تعجبن لوحدتی و تفردی　　و من التفرد فی زمانک فازدد

میری تنہائی اور اکیلے پن پر تعجب نہ کر　　اپنے دور میں اسی اکیلے پن میں اضافہ کئے جاؤ

ذهب الاخاء فلیس ثم أخوة　　الا التملق باللسان وبالید

برادرانہ تعلقات (دنیا سے) جاتے رہے لہذا اب کوئی اخوت نہیں اب صرف زبان اور ھاتھ کی چاپلوسی رہ گئی ہے۔

و اذا تکشف لی بما فی قلبه　　عاینت ثم نقیع سم الأسود

جو کچھ اس (بھائی) کے دل میں ہے اگر مجھ پر ظاہر ھو جائے تو میں اس میں کالے ناگ کا

گھلا ہوا زہر دیکھوں گا ۔

یوسف بن حسین رحمہ اللہ کے یہ اشعار ہیں :

احب من الاخوان کل مواتی غبیا عمی الطرف عن عثرات

میں ہر اس بھائی سے محبت رکھتا ہوں جو مجھ سے موافقت کرتا ہو اور میری لغزشوں سے بے خبر اور اندھا ہو کر رہے ۔

یوافقنی فی کل أمر أحبه و یحفظنی حیا و بعد وفاتی

وہ ان تمام امور میں جن کو پسند کرتا ہوں میری موافقت کرتا ہو اور زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد میری حفاظت کرتا ہو ۔

فمن لی بهذا لیتنی قد وجدته فقاسمته مالی و من حسناتی

کون ہے جو مجھے ایسا دوست مہیا کر دے ۔ کاش ایسا شخص مجھے مل جاتا تو میں اپنا مال اور اپنی نیکیاں اس کے ساتھ بانٹ لیتا ۔

یہ اشعار ابوعبداللہ قرشی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں :

و أنت خلیط النفس فی کل شأنها و لکن نفس الذات منک مباینه

تم ہر حالت میں میرے نفس کے ساتھ ملے ہوئے ہو مگر تم بذات خود اس سے جدا رہتے ہو ۔

تخامرها حتی کأنک أنها و تفنی نواها فالقوی بک فانیه

تو میرے نفس کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے جیسے تو اور وہ ایک چیز ہو ۔ اس کے قوی فنا ہو جاتے ہیں تو ان کی فنا تمہاری وجہ سے ہے ۔

یعارضها الواشون فیک بکل ما یقلقها فی سرها والعلانیة

چغلخور تمہارے بارے میں اس کے راستے میں ہر چیز کے ساتھ حائل ہوتے ہیں جو اسے ظاہر و باطن میں بے چین کر دے ۔

و بلغتها ما کنت أنت لها به فتعذرهم فی کل ما کان کائنة

تو نے اسے تمام وہ باتیں پہنچا دیں جو تو نے اس کیلئے پیدا کی تھیں لہذا جو بات بھی ہو تو

انہیں معذور سمجھتا ہے ۔

لقد قرحت آماقها فيک مرة و قد قرحت منها السويداء ثانية

اس کی آنکھوں کے کونے تو ایک بار تمہاری خاطر زخمی ہو چکے ہیں اور دوسری بار اس کا سویداء قلب زخمی ہوا ۔

ابوعبداللہ ہیکلی رحمہ اللہ نے ابوعبداللہ قرشی رحمہ اللہ کی طرف یہ اشعار لکھ کر بھیجے :

ذات هويته تكون مذكره معروفة تحت الخواطر منكره

وہ ایسی ذات ہے جس کی حقیقت کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے وہ ہمارے خیالات کے تحت معروف بھی ہے اور غیر معروف بھی ۔

لا تجتلى عين العقول ضياءها فلها بها الأبصار عنها مبصره

عقل کی آنکھ اس کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی لہذا ہماری آنکھیں اسے دیکھ کر اسی کے ساتھ مشغول ہو جاتی ہیں ۔

وأعز ممتنع مكان تناول منها على من لا يراها مخبره

جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ اس کی حقیقت کے متعلق کوئی شخص خبر نہیں دے سکتا اس کے لئے اس کا حاصل کرنا نہایت مشکل ہے ۔

سبل المكارم كلها الا بها مسدودة عنها المذاهب مقفمه

اس کی مدد کے بغیر معرفت کے تمام طریقے بند اور ویران پڑے ہیں ۔

فاذا علقت بها و غبت بعينها عنها تجلت للعقول مخبره

جب تیرا تعلق اس کے ساتھ ہوگا اور اس کی ذات کے ساتھ ہو کر اس سے غائب ہوگا تب کہیں جا کر یہ عقل کے سامنے ہوگی ۔ اور اپنی ذات کے متعلق خبر دے گی ۔

(ص۲۵٦)یہ اشعار ابوسعید خراز رحمہ اللہ کے ہیں :

قلب يحبک لا يؤمى الى أحد تكاد همته تلقاک بالخبر

جس دل کو تم سے محبت ہوگی وہ کسی اور کی طرف اشارہ نہ کرے گا اور اس کی ہمت تمہاری معلومات حاصل کرکے تمہیں ملنے کیلئے آئے گی۔

فؤاده بک مشغوف و مهجته تذوب من فلق التقريب والنظر

اس کا دل تم پر فریفتہ ہے اور اس کی جان اس کے قریب آنے اور اسے دیکھنے کی بے چینی کی وجہ سے گھل رہی ہے۔

فلب بها تجتنی الأذهان فطنته اذا سمت بک یاعزی و مفتخری

اے میری عزت اور فخر جب اذہان تمہاری مدد سے بلندی حاصل کریں تو میرا دل وہ دل ہے جس کے متعلق ذہن محبوبہ کی مدد سے فہم حاصل کرتے ہیں۔

مربخات من الشجو الدفین لها کوامن جمعت فی السمع و البصر

جو غم ان کے اندر مدفون ہے اس کی وجہ سے یہ کمزور ہو چکے ہیں اور ان کے سمع و بصر میں بہت سے پوشیدہ امور جمع ہو گئے ہیں۔

سبحان من لو یشا أبدی عجائبها حتی تری سرها فی الوجه کالقمر

پاک ہے خدا۔ اگر وہ چاہے تو اس کے عجائب ظاہر کر دے تاکہ تو اس کے راز کو چہرے میں چاند کی طرح دیکھ لے۔

ابوعبداللہ قرشی کے اشعار کا ہیکلی کی طرف سے جواب۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اشعار ابوسعید خراز رحمہ اللہ کے ہیں۔

اذا ألبس الحق المحق حقیقة من الوجد بانت عن نعوت السرائر

جب حق تعالی کسی حق بات کہنے والے کو وجد کی وجہ سے حقیقت کا لباس پہنا دیتا ہے تو پھر یہ باطن کی صفات (رذیلہ) سے الگ ہو جاتا ہے۔

و لیس لأن السر سمی بما بلی علیه به لکن أوصاف قادر

بات یوں نہیں کہ کہیں راز کو راز ان امور کی وجہ سے کہا گیا جو اس کے ساتھ لگے ہوں اس پر وارد ہوں یا اس کی وجہ سے ہو بلکہ یہ تو قادر مطلق کے اوصاف ہیں۔

ولا تأب عن منکونها لفظ عارف ولکن بتمثیل اللطیف المأثر

جب کوئی عارف اس کے پوشیدہ امور کے متعلق کوئی بات کہے تو اس کا انکار نہ کر البتہ اگر تو لطیف کارناموں والے کی مثال دے کر کہے تو ٹھیک ہوگا ۔

اذا طلعت شمس علیھا . بنورھا　　فأنت خلیط للشعاع المباشر

جب سورج اپنے نور کے ساتھ اس پر طلوع ہو تو جو شعاع تمہارے ساتھ لگے گی تم اس کا ساتھی کہلاؤ گے ۔

بعید من الذات العزیز مکانھا　　و لم تعر من نعت لنعتک قاھر

اس کا مقام ذات عزیز سے دور ہے اور وہ اس کی اس صفت سے عاری نہیں جو تمہاری صفت پر غالب آئے ۔

ابوالحدید نے یہ اشعار قرشی کی طرف لکھ کر بھیجے :

أھابک أن أقول ھلکت وجداً　　علیک و قد ھلکت علیک وجدا

میں تجھے یہ بات کہنے سے ڈرتا ہوں کہ میں "وجد" کی وجہ سے ہلاک ہو گیا حالانکہ درحقیقت بات یہی ہے کہ میں وجد کی وجہ سے ہلاک ہوا ہوں ۔

و لو أن الرقاد دنا لطرفی　　جلدت جفونھا بالدمع جلدا

اور اگر نیند میری آنکھ کے قریب آجائے تو میں اس کے پپوٹوں کو آنسوؤں کے کوڑے لگاتا ہوں

ابوعبداللہ (قرشی) نے جواب میں یہ لکھا :

ولکننی أقول حییت حقاً　　اذاالوجد المبرح منک (۳۵۸) بھدا

مگر میں تو یوں کہتا ہوں کہ جب تمہاری طرف سے دکھ دینے والے وجد کا تحفہ میرے پاس آتا ہے تو میں حقیقی طور پر زندہ ہو جاتا ہوں ۔

(ص۲۵۷)و ان حل الرقاد بجفن عینی　　رقدت اجابة لک لا لأحدا

اگر نیند میری آنکھوں کے پپوٹوں پر واقع ہوتی ہے تو میں تمہارے حکم کو ماننے کیلئے سو جاؤں گا ۔ اس لئے نہیں کہ میں سکون حاصل کروں ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان اشعار میں کچھ مشکل اشعار بھی ہیں اور کچھ

واضح بھی ۔ ان اشعار میں صوفیاء کے لطیف اشارے اور دقیق معانی ہیں لہذا جو انہیں پڑھے اسے غور سے پڑھنا چاہئے تاکہ وہ ان کے حقیقی مقصد اور رموز سے واقف ہو جائے اور ایسا نہ ہو کہ وہ ان اشعار کے کہنے والے کی طرف نامناسب باتیں منسوب کر دے اور جب کہیں اشکال پیدا ہو جائے اور اسے بات سمجھ میں نہ آئے تو اسے چاہئے کہ جو لوگ اسے سمجھ سکتے ہیں ان سے ان کے معانی دریافت کرے کیونکہ ہر بات کا ایک موقعہ و محل ہوتا ہے اور ہر علم کا الگ الگ جاننے والا ہوتا ہے اگر اس کی تشریح کرنے لگ جائیں تو کتاب لمبی ہو جائے گی ۔

۴ ۔ باب

وہ دعائیں جو اہل صفا میں سے متقدمین مشائخ مانگا کرتے تھے

ذوالنون رحمہ اللہ کی دعا : خدایا طاقت ہے تو تیری ہے اور فضل ہے تو تیرا ہے۔ تمام مخلوق کے اندر طاقت اور قوت کی مدد تیری ہی طرف سے ہے۔ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ تم پر نہ کمزوری واقع ہو سکتی ہے اور نہ جہالت ۔ کمی یا بیشی تم میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں کر سکتی تو مقابلے میں کیونکر آسکتے ہیں جب کہ تو نے ان دونوں کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی یہ تمہیں بدل دینے کا ارادہ کر سکتے ہیں جبکہ یہ تیری ہی مخلوق ہیں ۔ یہ تیری ایجاد کی ہوئی یا پیدا کی ہوئی کیونکر نہیں ہو سکتیں جبکہ تو خود ان دلائل کی بنا پر موجود ہے جو تمہارے وجود کی دلیل ہیں ۔ تیری مخلوق کو تیرے سوا کوئی اور پیدا نہیں کر سکتا ۔ اے وہ خدا جس کی یہ شان ہے کہ ہر مدروک اسی کی مخلوق ہے۔ تو برکت والا ہے اور مدروکات میں سے ہر محدود چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے تیری ذات وہ ذات ہے جسے دنیا کے اندر رہتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور جگہ تجھ سے مستغنی نہیں ہو سکتی ۔ تیرے سوا جو مخلوق بھی ہے وہ تجھے صرف اس حالت میں پہچان سکتی ہے کہ وہ تیری وحدانیت کا اقرار کرے اور تیری مخلوق میں سے صرف وہ لوگ ناواقف ہو سکتے ہیں جن کی معرفت ناقص ہے۔ کوئی چیز تجھے کسی دوسری چیز سے سہو میں نہیں ڈال سکتی اور کوئی شخص تیری قدرت کو محدود نہیں کر سکتا کوئی جگہ تجھ سے خالی نہیں اور کوئی حالت تمہیں کسی دوسری حالت سے غافل نہیں کر سکتی ۔

ذوالنون کی ایک اور دعا :

خدایا ! ہماری آنکھوں کو ایسا بنا کہ ان سے آنسوؤں کے فوارے چھوٹیں اور ہمارے

سینے عبرت (ص۲۵۸)اور جلن سے پر ہوں اور ہمارے دلوں کو ایسا بنا کہ وہ آسمان کے دروازوں کی نہروں (۲۵۹) کی موجوں میں غوطہ زن ہوں ۔ تمہارے خوف سے جنگلوں اور بیابانوں میں حیران و پریشان پھرتے رہیں ۔ خدایاہماری آنکھوں کے لئے اپنی معرفت کا دروازہ کھول دے اور ہماری معرفت کو ایسا فہم عطا کر جو تمہاری حکمت کے نور کو دیکھ سکے اے وہ خدا جو والہین کے دلوں کا حبیب ہے اور اس کی رغبت کرنے والوں کی انتہائی آرزو۔

یہ دعا بھی ذوالنون رحمہ اللہ کی ہے :

خدایا ! تو اپنے ولیوں کے ساتھ تمام مؤنسوں سے بڑھ کر انس رکھنے والا ہے اور جو لوگ تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں تو اپنی مدد کی وجہ سے ان کی اجتماع گاہوں کے زیادہ قریب ہے لہٰذا ان کے ضمیر ان کے اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں ۔ خدایا ! میرا راز میرے لئے ایک کھلی ہوئی بات ہے اور غمناک ہو کر تیرے پاس آتا ہوں جب گناہ مجھے وحشت زدہ کر دیتا ہے تو تیری یاد مجھے مانوس کر دیتی ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تمام امور کی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اور تمام امور تیرے ہی فیصلوں سے صادر ہوتے ہیں ۔ خدایا ! کون ہے جو مجھ سے زیادہ کمزوری اور کوتاہی کے قریب ہوگا جبکہ تو نے خود مجھے کمزور پیدا کیا ہے اور کون ہے جو تم سے زیادہ معاف کرنے کا حق رکھتا ہو تیرے پاس ازل سے میرے بارے میں علم ہے اور تیرا حکم مجھے اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ میں نے تیری ہی اجازت سے تیری اطاعت کی اور اس میں مجھ پر تیرا احسان ہے ۔ اور میں نے جو نافرمانی کی اس کا علم بھی تیرے پاس ہے اور اس میں تمہارے حق میں اور میرے خلاف حجت قائم ہوتی ہے۔ تیری رحمت کے واجب ہونے کا واسطہ دے کر میں درخواست کرتا ہوں نیز اپنی حجت کے منقطع ہو جانے اپنی احتیاج اور تمہارا مجھ سے مستغنی ہونے کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ تو میری ظاہری اور باطنی خطاؤں کو معاف کر دے ۔

یوسف بن حسین رحمہ اللہ کی دعا :

خدایا ! میں تیری نعمتوں کی پیداوار ہوں لہٰذا تو ہمیں ایسا نہ بنا کہ تیری سزا اس پیداوار کو کاٹ دے ۔ خدایا ! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو ہم سے چاہتا ہے۔ اے وہ خدا جس نے ہماری درخواست کے بغیر ہی ہمیں ایمان باللہ عطا کیا پھر ہماری درخواست کے ہوتے ہوئے تو ہمیں اپنی عفو سے محروم نہ رکھ کیونکہ ہم تیری طرف لوٹنے والے ہیں اور تیری مسلسل نافرمانی کرنے سے توبہ کرنے والے ہیں ۔ ہم تیرے مطیع اور تیری طرف رجوع کرنے والے ہیں ۔ خدا وہ اسلام اور ایمان جس کے ذریعے تو نے ہماری ہدایت کی ہے اور جس کا تو نے ہم پر احسان کیا ہے قبول فرما اور ہمیں معاف کر دے ۔ خدایاتیری نعمتیں ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور ان کا شکر ادا کرنے کے لئے تو ہمارا ذخیرہ ہے۔ تیری عزت کی قسم تیری

مدد کے بغیر کوئی بھی تیرا شکر ادا نہیں کر سکتا ۔

یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ایک دانا آدمی کو دعا میں یوں کہتے سنا :
تمام تعریف اس خدا کیلئے ہے جس نے ان چیزوں پر شکر ادا کیا جو خود اس نے ہمیں عطا کی ہوئی تھیں ۔ اور ان امور پر مذمت کی جن سے اگر چاہتا تو (ہمیں) بچا سکتا تھا ۔ اس نے مخلوق کی طرف خود اپنا شکریہ ادا کیا کیونکہ وہ ایسا خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

وہی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو اپنی مناجات میں یوں کہتے ہوئے سنا :
(ص۲۵۹)أیا جود ربی ناج ربی بحاجتی فمـا لی الـی ربـی سواک شفیع

اے میرے رب کی سخاوت میری حاجت کیلئے میرے رب کو پکار کیونکہ تمہارے سوا میرے رب کے پاس میرا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے ۔

جنید رحمہ اللہ کی دعا ۔ یہ دعا کتاب المناجاۃ سے لی گئی ہے ۔
خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں ، اے بہترین سننے والے اور اے اکرم الاکرمین ! میں تجھے تیری بزرگی اور سخاوت کا واسطہ دیتا ہوں ۔ اور تیرے کرم و فضل کا واسطہ اے سخیوں کے سخی اور تیرے احسان اور مہربانی کا واسطہ اے بہترین عطا کرنے والے میں تجھ سے اس طرح درخواست کرتا ہوں جس طرح ایک عاجز متواضع ، ذلیل اور کمزور انسان درخواست کرتا ہے ۔ اسے تیری شدید احتیاج ہے اور جس نے اپنی مجبوری کے مطابق اپنی حاجت کو تمہارے سامنے پیش کیا ہے اور جسے ان چیزوں کی طرف عظیم رغبت ہے جو تیرے پاس ہیں ۔ جسے یہ بھی معلوم ہے کہ تیری مرضی کے بغیر کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور کوئی سفارش کرنے والا تیری اجازت کے بغیر تیرے پاس سفارش نہیں کر سکتا ۔ تو نے میری بہت سی برائیوں پر پردہ ڈالا اور بہت سی مصیبتوں کو مجھ سے ٹال دیا ، اور بہت سی لغزشوں کو معاف کر دیا اور بہت سی غلطیوں کو بخش (۲۶۰) دیا اور بہت سی ناپسند باتوں کو دور کر دیا اور بہت سی ثنا خوانیوں کو تو نے نشر کر دیا ۔ اے فریادیوں کی آواز سننے والے اور اے خاموش رہنے والوں کے مخفی رازوں کو جاننے والے اور خلوت میں حرکت میں آنے والے لوگوں کے افعال پر اطلاع پانے والے اور اے دوڑ دھوپ کرنے والوں کے چھوٹے اور بڑے کاموں کو دیکھنے والے میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے برے اعمال کی وجہ سے میری آواز کو اپنے تک پہنچنے سے مت روک اور میرے جو پوشیدہ راز تجھے معلوم ہوئے ہیں ان کی وجہ سے مجھے رسوا نہ کر اور میری خلوت کے (ان افعال پر) جن کا تجھے علم ہے مجھے سزا نہ دے ۔

ہر حال میں مجھ پر مہربانی کر اور ہر حال میں مجھ پر کرم فرما ۔ اے میرے خدا ! اے میرے آقا ! اے میرے سہارے میں تمہارے پاس پناہ لیتا ہوں ، فریاد کرتا ہوں اور اپنے باطن کی بیماریوں کے خوف کی کثرت کی وجہ سے تجھ سے پناہ کا خواہاں ہوں کہ کہیں یہ میرے ضمیر اور دل کے ساتھ چمٹ نہ جائیں اور میرے سینے کو (ان بیماریوں سے) پر نہ کر دیں اور میری عقل اور زبان کو تیرے ذکر کے ساتھ خوش ہونے سے اور میرے جسم کو تمہاری خدمت کیلئے حرکت کرنے سے نہ روک دیں کیونکہ جو نقص اور کوتاہی مجھے اس بات سے روکے ہوئے ہے میں اس کی قید و بند میں ہوں ۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ ان امور کو میری یاد سے نکال کر باہر پھینک دے اور انہیں میرے دل تک پہنچنے سے روک دے اور میرے روز و شب کے اوقات کو (ص۲٦۰)اپنے ذکر سے معمور کر دے ۔ اور انہیں اپنی عبادت میں مسلسل لگائے رکھ تاکہ تمہاری بارگاہ میں ایک ہی بار وارد(۳٦۱)ہونا ہو اور ایک ہی حال جس میں نہ اکتانا پایا جائے نہ سستی ، نہ ملال اور نہ کوتاہی تاکہ جب پہل کرنے کا موقعہ ہو تو میں لپک کر تمہاری طرف آؤں اور سبقت لے جانے کے میدانوں میں انہیں لا کر تمہارے پاس چھوڑ دوں اور اے اکرم الاکرمین مجھے ان لذیذ اور خوشگوار چیزوں کا ذائقہ عطا کر ۔

میں نے ابوسعید دینوری رحمہ اللہ کو اطرابلس میں اپنی مجلس میں یوں دعا مانگتے سنا :

خدایا میں تجھ سے اس حق کا واسطہ دیکر درخواست کرتا ہوں جو میرا تیرے ذمے ہے کیونکہ جو حق تمہارا تمہارے ذمے لازم ہے اس سے بڑھکر کوئی حق زیادہ حقدار نہیں ہوسکتا۔ نیز اس حق کا واسطہ جو تیرا اهل حق کے ذمے ہے۔نیز اس حق کا واسطہ جو تجھ پر اهل حق کا ہے اور ہر ذی حق کے اس حق کا واسطہ جو ازل میں ہی تجھ پر واضح ہو گیا تھا کیونکہ تجھے تو ہر چیز کا علم ہے اور تو ہر چیز کا مالک ہے اور تجھے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے محمد صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما اور مجھ سے ایسا ایسا کر ۔

عمر بن (۳٦۲) بحر سے حکایت ہے کہ انہوں نے مندرجہ ذیل دعا شبلی سے سن کر یاد کر لی تھی ۔ شبلی یہ دعا مانگا کرتے تھے :

اے خدا ! سب تعریفیں تیرے لئے ہیں اے آسمانوں اور زمینوں کی روشنی اور اے آسمانوں اور زمینوں کی رونق ۔ اور اے وہ خدا جس کی ذات سے آسمان اور زمین قائم ہیں ، اے آسمانوں اور زمینوں کے نور ، اس حق کا واسطہ جو تیرے ناموں کا تجھ پر ہے ۔ اور ان

(کتابوں کا) واسطہ جو تو نے نازل کیں اور ان لوگوں کے حق کا واسطہ جن کو تو نے اپنی نازل کردہ کتابوں کی فہم عطا کی ۔ اے اللہ اور اے وہ خدا جس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اے وہ خدا جو اللہ کہلاتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما ۔ انہیں ایک جگہ جمع کر دے اور انہیں منتشر نہ کر۔ ان کے ظاہر پر رحم کر اور ان کے باطن کو معمور کر دے تو خود ان کی حفاظت اور نگہبانی کر اور ہر عوض کا تو خود ان کیلئے عوض بن ، ان پر رحم فرما اور ایک لمحہ یا اس سے بھی کم وقت کیلئے بھی انہیں ان کی ذات پر نہ چھوڑ دے ہر اس حق کا واسطہ جو تو خود ہے انہیں لدنی امور میں متقی اور بزرگ بنا ۔ اور انہیں ان لوگوں میں سے بنا جو جب کوئی بات کہتے ہیں تو تحقیق سے کہتے ہیں اور جب خاموش ہوتے ہیں تو (اس وقت ان کے دل میں) تمہارے سوا کوئی نہیں ہوتا ۔

یہ دعا یحیی بن معاذ رازی رحمہ اللہ کی ہے :

اے میرے خدا ، اے میرے آقا اور میری آرزو اور جس کی مدد سے میرے اعمال کی تکمیل ہوتی ہے

اور وہ کہا کرتے :

(ص۲٦١)خدایا ! جب میرے عمل کی زبان تھک جاتی ہے تو میں تجھے اپنی امید کی زبان سے پکارتا ہوں۔ اے میرے خدا تمہاری طرف سے دلوں پر جو الہامات ہوتے ہیں وہ کیا ہی پاکیزہ ہیں ۔ غیب کے وطنوں میں تمہارے ساتھ راز کی باتیں کرنا کیا ہی لذیذ ہے۔ خدایا جب قیامت کے روز تو مجھ سے پوچھے گا کہ اے میرے بندے تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی کیونکر جرأت کی تو میں جواب میں کہوں گا :اے میرے آقا تیرے احسانات (نے مجھے یہ جرأت دلائی) اگر تو اپنے دشمنوں کے ساتھ مجھے بھی دوزخ میں داخل کرے گا تو میں انہیں بتادوں گا کہ میں دنیا میں تم سے محبت رکھتا تھا کیونکہ تو میرا آقا ہے اور ہر چیز کو ترک کرکے تو ہی میرا مقام ہے۔

اور وہ یوں بھی کہا کرتے :

خدا ! اگر تو مجھے نجات دے گا تو اپنی عفو کی بدولت نجات دے گا اور اگر عذاب دے گا تو اپنے عدل سے ایسا کرے گا ۔ میں اپنی حالت پر راضی ہوں کیونکہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں ۔ خدایا تجھے معلوم ہے کہ مجھ میں دوزخ کی آگ کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں اور مجھے یہ معلوم ہے کہ میں جنت کا اہل نہیں ہوں اب تمہاری عفو کے سوا کوئی چارا نہیں ۔

نیز کہا :

الٰہی ! میرے آقا ! میرے سردار ! تیری عنایت نے مجھے بداعمالیوں سے روکے رکھا اگرچہ ان میں میری بدبختی تھی اور تمہارے انعامات سے مسرور ہونے نے مجھے نیک اعمال سے روکے رکھا اگرچہ اسی میں میری نجات تھی مجھے جو خوشی تمہاری ذات کی وجہ سے ہے اس نے مجھے اپنی ذات کے ساتھ خوش ہونا بھلا دیا ۔

نیز فرمایا کرتے : خدایا ! میں تیرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں اور تیری مدد سے تیرا راستہ پانا چاہتا ہوں ۔ میری حجت میرے اعمال نہیں بلکہ تیری نعمتیں ہیں ۔ میرا خیال نہیں کہ قیامت کے روز اس شخص کا تو اپنے عدل سے محاسبہ کرے گا جسے آج تو نے اپنے احسانات سے ڈھانپ رکھا ہے اور تیرے عفو نے تمام گناہوں کو اپنے اندر لے رکھا ہے اور تیری رضامندی نے تمام امیدوں کو اپنے اندر لے لیا ہے ۔ اگر تو اپنے بندے پر عفو کی سخاوت نہ کرتا ہوتا تو تیرا بندہ کبھی دوبارہ گناہ نہ کرتا ۔

نیز کہتے :

الٰہی ، سیدی ، مولائی اور اے وہ خدا جو تمام اشیاء میں سے وہی ایک میرے استغنا کا سبب ہے ۔ میں نے گناہ کرتے کرتے اپنے نفس کو تباہ کر دیا ہے خدایا توبہ کے ذریعے اسے پھر مجھے دے دے ۔ تو جانتا ہے کہ تیرے سخی بندے ان لوگوں کو جو ان پر ظلم کرتے ہیں معاف کر دیتے ہیں ۔ میں نے اپنی ذات پر ظلم کیا ہے اور تو اکرم الاکرمین ہے ۔ لہذا تو مجھے معاف کر دے ۔ خدایا ! تجھے معلوم ہے کہ ابلیس تیرا اور میرا دونوں کا دشمن ہے ۔ اس کے غم کو زیادہ شدید بنانے اور اس کی چالوں کو کاٹنے کیلئے تمہاری مغفرت کے سوا کوئی چیز زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہو سکتی ۔ لہذا اے ارحم الراحمین مجھے معاف کر دے ۔

میں نے عمر ملطی کو انطاکیہ میں یوں کہتے سنا : میں نے ایک شیخ سے دعا کرنے کی درخواست کی اس نے کہا : ارے میں تو تمہارے لئے دعا کروں گا مگر اس وقت تمہارا موجود ہونا ضروری ہے ۔ اگر میں دعا کروں اور تو اس وقت موجود نہ ہو تو میری دعا کا کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔

(ص۲٦۲)حکایت ہے کہ ابراھیم بن ادھم رحمہ اللہ کشتی میں جا رہے تھے کہ سمندر موجزن ہو گیا ۔ کشتی والوں نے لوگوں کو اپنا ساز و سامان کشتی میں پھینکنے کا حکم دیا ۔ کسی نے ان سے کہا : اے ابواسحاق ! ہمارے حق میں دعا کیجئے انہوں نے جواب دیا : یہ دعا کا وقت نہیں ، یہ تسلیم و رضا کا وقت ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے : جو دعا صدق دل سے نکلے گی اسے اللہ تعالی قبول فرما

گے -

شیخ فرماتے ہیں : میں نے جعفر رحمہ اللہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ جب سری سقطی رحمہ اللہ دعا کیا کرتے تو کہتے :

خدایا ! تو مجھے جو عذاب بھی دینا چاہے دے لے مگر اپنی ذات سے حجاب میں رکھنے کی ذلت کا عذاب نہ دینا -

روایت ہے کہ ابو حمزہ(۲٦١)رحمہ اللہ نے سری سقطی رحمہ اللہ سے کہا : میرے حق میں دعا کیجئے تو انہوں نے فرمایا : خدا مجھے اور تجھے دونوں کو طوبی درخت کے نیچے اکٹھا کر دے کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اولیاء اللہ جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ پہلے طوبی کے نیچے استراحت فرمائیں گے -

ابومحمد جریری سے حکایت ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم طبرستانی کو یوں فرماتے سنا : میں نے خضر رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے مجھے دس کلمات کی تعلیم دی اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے گنتے بھی گئے -

خدایا ! میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے یہ دس باتیں عطا کر دے (۱) میں بطریق احسن تمہاری طرف متوجہ ہو جاؤں ،(۲)تمہاری باتوں کی طرف کان لگاؤں (۳)تمہاری باتوں کو سمجھوں (۴)تمہاری باتوں میں مجھے بصیرت حاصل ہو (۵) تمہاری اطاعت میں لگا رہوں (٦)تمہیں ہمیشہ چاہتا رہوں (۷)تمہاری خدمت کرنے میں پیش قدمی کروں (۸)تمہارے معاملات میں حسن ادب کا لحاظ رکھوں (۹)اپنی ذات کو تمہیں سونپنے کی ٹھنڈک پاؤں اور (۱۰)تمہاری ذات کو آنکھوں سے دیکھوں -

ابوعبید بسری رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں : میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا : مائی صاحبہ ! مجھے کوئی دعا سکھا دیں - وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا : یوں دعا مانگا کرو :خدایا ! میری مشقت کو کم کر دو اور میری اچھی طرح سے مدد کرو اور میرے دنیاوی اور اخروی امور میں میری مدد کرو

ابوعبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مائی صاحبہ کچھ اور بھی-تو فرمایا : اے ابوعبید تمہارے لئے اسی قدر کافی ہے-

ایک شیخ یوں دعا مانگا کرتے تھے : خدایا جب میں محفل میں ہوتا ہوں تو تمہیں یوں پکارتا ہوں جس طرح آقا کو پکارا جاتا ہے اور جب خلوت میں ہوتا ہوں تو تمہیں اس طرح پکارتا ہوں جس طرح دوستوں کو پکارا جاتا ہے-

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ایک شیخ سے دریافت کیا کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کو سونپ رکھا ہو ان کے لئے دعا مانگنے کا کیا طریقہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا :

اس قسم کا شخص دو طرح سے دعا مانگے گا ایک یہ کہ دعا مانگنے سے اس کا ارادہ(۳۶۳)ظاہری اعضا کو مزین کرنا ہو اس لئے کہ دعا بھی ایک قسم کی خدمت ہے اور اس خدمت سے دعا کنندہ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو مزین کرے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دعا مانگنے کا حکم دیا ہے لہذا وہ اس حکم کی تعمیل کیلئے دعا مانگے گا۔

جنید رحمہ اللہ کی دعا :

الہی ، سیدی و مولای جس کا تم پر یقین ہو اس کے حق میں تم سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اور جو تیرے عذاب سے ڈرتا رہے اور تیرا قصد کرے اس کیلئے تجھ سے بڑھ کر کون وسیع رحمت والا ہو سکتا ہے اور جو چلے اور تمہاری اطاعت گزاری میں لگا رہے اس پر تم سے جلدتر کون رحم کھانے والا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام کے تمام تمہاری نعمتوں میں بس رہے ہیں اور اس مہربانی کی وجہ سے جو تم ان پر کرتے ہو یہ تمہاری عبادت کرتے ہیں۔ جو غم انہیں تمہاری وجہ سے لاحق ہوتے ہیں وہ انہیں تیرے پاس لے آتے ہیں اور تمہارے پاس پہنچکر ان کا صرف ایک مقصد رہ جاتا ہے اور تیری مدد سے ان کے دل تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں تیرے سوا ہر چیز سے ان کی لذتیں مٹ چکی ہیں ، اور یہ لذتیں صرف تیری ذات کیلئے جمع ہو گئی ہیں۔ لہذا ان کی توجہ صبح و شام تیری طرف لگی رہتی ہے اور ہر حالت میں تیری طرف متوجہ رہتے ہیں اور تمام احوال میں وہ تجھے ہی اختیار کرتے ہیں۔ اے میرے خدا ، اے میرے آقا ، اے میرے مولا میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی مہربانی سے تو میرا نگہبان ، مددگار ، بچانے والا اور رحم کرنے والا بن جا۔ اس لئے کہ میں تیرے پاس آکر پناہ لیتا ہوں اور تیرے پاس فریاد لے کر آیا ہوں تیری طرف
کٹے ہوئے ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے ، میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

یہ وہ چند دعائیں ہیں جو یہ لوگ اپنے مقاصد اور احوال کیلئے مانگا کرتے تھے اور ان لوگوں کیلئے جو ان میں غور کرنا چاہیں اور ان سے برکت حاصل کرنا چاہیں یہ مختصر سی دعائیں ہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۵ ـ باب

وہ وصیتیں جو انہوں نے ایک دوسرے کو کیں

ایک شیخ فرماتے ہیں : میں نے رویم رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو انہوں نے فرمایا : بیٹا ! یہاں تو روح کو قربان کرنے کے سوا کچھ نہیں اگر تم یہ کر سکتے ہو تو فبہا ورنہ صوفیہ کی بے کار باتوں میں نہ پڑنا ۔

(ص۲۶۴)یوسف بن حسین رحمہ اللہ کے مریدین ان کے پاس اکٹھے ہو کر آئے اور درخواست کی کہ ہمیں نصیحت فرمائیں ۔

فرمایا :ان تمام امور میں جن کو تم نے مجھے کرتا دیکھا ہے میری پیروی کرو سوائے دو باتوں کے ۔ ایک یہ کہ اللہ پر بھروسا کرکے قرض نہ لو اور دوسرے یہ کہ نوخیز بچوں کی صحبت میں نہ بیٹھنا ۔

کسی نے سری سقطی رحمہ اللہ سے درخواست کی کوئی نصیحت کیجئے ۔ تو فرمایا : اللہ پر توکل کرتے ہوئے کہیں قرض نہ لے لینا اور نوخیز لڑکوں کے چہروں کی طرف نہ دیکھنا ۔

ایک شخص نے ابوبکر بارزی رحمہ اللہ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کسی ایک چیز سے مالوف ہونے ، اپنی عادت اور آرام طلبی کو اپنا شیوہ بنانے سے بچو

ابوالعباس بن عطا رحمہ اللہ نے اپنی ایک نصیحت میں جو انہوں نے اپنے بھائیوں کو کی فرمایا :

امور ظاہری کی بنا پر غمزدہ ہونے سے پرہیز کرو ۔ جو کچھ اللہ تعالی چاہیں اسے اختیار کرو اور ان امور کو اختیار نہ کرو جن کو تم چاہتے ہو ۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنید رحمہ اللہ ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرما رہے تھے :

سب سے پہلے اپنے نفس کی طرف توجہ دو اور اپنے عزم میں تاخیر کرو ۔ یہ نہ کرنا کہ عزم پہلے کر لو اور نفس کو پیچھے ڈال دو ۔ اس طرح نفس بہت سست ہو جائے گا ۔

میں نے ابوسعید خراز رحمہ اللہ کی کتاب میں ان کی ایک نصیحت پڑھی ہے جو انہوں کسی مرید یا دوست کو کی تھی فرماتے ہیں :

اپنے دوستوں سے خلوص سے پیش آؤ اور اہل دنیا سے مل جل کر رہو۔ بظاہر ان کے اندر موجود رہو مگر اپنے عمل سے ان کی مخالفت کرو۔ اپنے دین کو برباد(۳۶۵)مت کرو۔ اگر وہ ہنسیں تو تم روؤ اور اگر وہ خوش ہوں تو تم غمناک ہو۔ اگر وہ استراحت کریں تو تم سنجیدگی سے کام میں لگے رہو۔ اگر وہ سیر ہو کر کھائیں تو تم بھوکے رہو۔ اگر وہ دنیا کا ذکر کریں تو تم آخرت کا ذکر کرو۔ تم کم کلام کرنے کم دیکھنے ، کم حرکت کرنے ، کم کھانے اور پینے اور کم لباس پر صابر رہو تاآنکہ اللہ تعالی تمہیں اپنی رحمت سے جنت میں جہاں چاہے رہنے کی جگہ دے۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ اپنے کسی مرید کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

اے مرید ! میری نصیحت کو یاد رکھنا ،اللہ کے ثواب کو حاصل کرنے میں راغب رہنا اور یہ صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ تو اپنے خبیث نفس کی طرف متوجہ رہے اور اسے عبادت گزاری کے ذریعے سے گھلا دے۔ اس نفس سے الگ رہو اور اس کی مخالفت کرتے کرتے اسے مار ڈالو۔ اللہ کے سوا ہر چیز سے اسے مایوس کرکے اسے ذبح کر ڈالو اور اللہ سے شرماتے شرماتے اسے قتل کر ڈالو۔ تمہارے لئے اللہ کی ذات کافی ہونی چاہئے۔ نیکی کے ہر کام کی طرف لپک کر جاؤ اور ہر مقام پر اس طرح عمل کرو کہ تمہارے دل میں یہی کھٹکا لگا رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا یہ عمل قبول نہ ہو۔ یہ مقبولیت ، اخلاص (ص۲۶۵)اور صدق کے حقائق ہیں۔ تاآنکہ تو نجات پا جائے اور اللہ کے ہاں پہنچ جائے۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔

وصیت جو ذوالنون رحمہ اللہ نے اپنے کسی بھائی کو کی :

بھائی ! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی شرف اسلام سے بلند تر نہیں اور نہ ہی کوئی بزرگی تقوی سے بڑھ کر ہو سکتی ہے اور کوئی عقل ورع سے زیادہ حفاظت کرنے والی نہیں اور توبہ سے بڑھکر کوئی شفارش کنندہ کامیاب نہیں ہوسکتا اور عافیت سے بڑھکر کوئی لباس بزرگ نہیں ہو سکتا اور سلامتی سے بڑھ کر کوئی بچاؤ کی چیز سے زیادہ بچاؤ کرنے والی نہیں ہو سکتی ، اور کوئی خزانہ قناعت سے بڑھ کر دولت مند نہیں ہو سکتا قوت لایموت پر رضامند رہنے سے بڑھ کر کوئی مال فاقہ کو دور کرنے والا نہیں۔ جس نے بقدر ضرورت روزی پر اکتفا کی اس نے آرام پایا۔ لالچ تھکان کی کنجی ہے اور انسان کو چور کر دینے والی سواری ہے۔ اور حرص گناہوں میں پڑنے کا سبب بنتی ہے اور لالچ اپنے اندر تمام برے عیب لئے ہوئے ہے۔ ہم نے بالعموم دیکھا ہے کہ جھوٹی طمع اور ناکام امید و آرزو محرومیت کا سبب بنتی ہے اور بہت سے منافع(۳۶۶)انجام کار خسارے کا سبب بنتے ہیں۔

جنید رحمہ اللہ نے اپنے ایک کلام میں اپنے کسی مرید کو کہا : میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جب ہونے والا حال وارد ہو جائے تو پھر سابق حال کی طرف توجہ نہ کرنا۔

شیخ فرماتے ہیں : میں نے ابوعبداللہ خیاط دینوری رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔

انہوں نے فرمایا : میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کے سوا کوئی اور ایسی خصلت ہوگی جسے کوئی آفت نہ آسکتی ہو۔

میں نے عرض کیا : وہ کیا ہے ؟

فرمایا :اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اسے نیکی سے یاد کرنا اور اس کے لئے دعا کرنا۔

ابوبکر وراق رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : عزت کی خواہش میں میں نے اپنی عزت بیچ ڈالی اور ذلت کے ڈر سے ذلت کو خرید لیا۔ جس نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اس کی یہی جزا ہے۔

ایک شخص ذوالنون رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا مجھے نصیحت کیجئے :

ذوالنون نے کہا : میں تمہیں کیا نصیحت کروں .اگر اللہ تعالی نے اپنے علم غیب میں صدق توحید کے ساتھ تمہاری تائید کر رکھی ہے تو یہ بات تو تمہارے پیدا ہونے سے پہلے اور آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک (ص٢٦٦)پہلے ہی تمہارے حق میں طے پا چکی ہے۔

یہی نبیوں اور مرسلوں کی دعا ہے اور یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر محض لوگوں کو پکارنے سے ڈوبنے والے کو نجات نہیں مل سکتی۔

میں نے ابومحمد المہلب بن احمد بن مرزوق مصری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا :

جب ابومحمد مرتعش رحمہ اللہ کی وفات کا وقت آگیا تو انہوں نے مجھے وصیت کی کہ میں ان کا قرض ادا کر دوں۔ ان کے ذمے اٹھارہ درھموں کا قرض تھا۔ جب ہم آنہیں دفن کر چکے اور ان کے بدن کے کپڑوں کی قیمت اٹھارہ درہم لگائی گئی لہذا میں نے انہیں اٹھارہ درھموں سے بیچ ڈالا۔ یہ رقم عین قرض کے برابر نکلی اور ہم نے ان کا قرض ادا کر دیا۔اس کے بعد مشائخ کا اجتماع ہوا اور انہوں نے ان کا تھیلا لیا۔ اس میں ان کا کچھ سامان تھا یعنی وہی کچھ جو تھیلے میں ہوا کرتا ہے چنانچہ ہر ایک نے اس میں سے کچھ لیا اور چلے گئے۔

ایک شخص ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کونسی

نصیحت کیجئے ۔

ابراهیم رحمہ اللہ نے کہا : اللہ کو یاد کرتے رہو اور اسے کبھی نہ بھولو اور اگر یہ نہ کر سکو تو پھر موت کو کبھی نہ بھولو ایک شیخ سے کسی نے درخواست کی کہ کوئی نصیحت کیجئے ؛ تو انہوں نے فرمایا :اپنا نام قاریوں کے رجسٹر سے مٹا ڈالو کسی نے ابوبکر واسطی رحمہ اللہ سے کہا : کوئی نصیحت کیجئے ؛ تو انہوں نے فرمایا :

اپنے سانس اور اپنے اوقات کا شمار رکھا کرو ۔ والسلام

ایک اور سے کسی نے کہا : نصیحت کیجئے ؛ تو کہا :(یہ چیزیں اختیار کر لو)فقر ، ذلت اور اللہ سے جا ملنا ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک بار میں المقطم پہاڑ پر جا رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص غار کے دروازے پر بیٹھا ہے اور یوں کہہ رہا ہے :

پاک ہے وہ خدا جس نے میرے دل کو مایوسی سے پاک کر دیا اور اسے امیدوں سے معمور کر دیا ۔ لہذا خدا سے مایوسی میرے دل سے جا چکی ہے اور اللہ سے امید نے مجھے اس تک پہنچا دیا ہے ۔

جب میں نے غور سے دیکھا تو عبادت نے اسے مریض بنا دیا ہوا تھا اور زهد نے اس کے جسم کو زخمی کر دیا ہوا تھا جب میں اس کے پاس گیا تو مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ اس پر میں نے اس سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو اس نے کہا : دیکھو ! اللہ کی طرف سے ایک لمحہ کیلئے بھی مایوس نہ ہونا ، خوشی اور غمی دونوں کو باہم رکھو ، اپنا تعلق اللہ سے جوڑے رکھو ، اس سے تمہیں اس روز خوشی ہوگی جب باطل لوگ خسارے میں ہوں گے ۔

اس پر میں نے عرض کیا : کچھ اور بھی فرمائیے ۔

اس نے جواب دیا : صرف اسی قدر کافی ہے ۔

ایک شخص نے ذوالنون رحمہ اللہ سے کہا : مجھے کوئی نصیحت کی بات کہیں ۔

انہوں نے فرمایا : یقین کو چھوڑ کر شک کو اختیار نہ کرو اور اپنے نفس کی طرف سے تسکین کے سوا کسی (ص۲۶۷)چیز پر رضامند نہ ہو اور اگر سارے زمانے کی مصیبت تم پر نازل ہو جائے تو اسے صبر و خوبی سے برداشت کرو ۔ اپنی آرزوؤں کو خدائے دائم و خبیر کی طرف پھینکو تم دیکھو گے کہ وہ تمہاری آرزوؤں کو پورا کرے گا ۔ اللہ کے ساتھ وصل کو غنیمت جانو کیونکہ اللہ تعالی کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے اس سے الفت لگا رکھی ہے اور اس کے ساتھ مانوس ہیں ، اسے پہچانتے ہیں اور اس کی معرفت کی بنا پر اس سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور عین یقین کے ساتھ اس کے ساتھ تعلق جوڑے ہوئے ہیں

لہذا ان کی آنکھیں اس بزرگ خدا کی طرف اٹھی رہتی ہیں جو بڑی قدرت والا ہے۔ اللہ انہیں اپنے وصل کی حلاوت بلاتا ہے اور اپنے ساتھ خلوص سے چلنے کی لذت کی چاشنی انہیں عطا کرتا ہے چنانچہ عرش کے گرد ان کے رونے کی آواز آتی ہے۔ ان کی دعا میں گرگراہٹ پائی جاتی ہے اور ان کی دعا کی مقبولیت کیلئے آسمان کے دروازے کھلتے ہوئے چرچراتے ہیں۔

جنید اپنی ایک وصیت میں فرماتے ہیں :

بھائی ! عمل کئے جاؤ (پھر عمل کرنے میں) جلدی کرو بیشتر ازآنکہ موت تمہیں جلدی سے آ لے۔ جلدی کرو پھر کہتا ہوں کہ جلدی کرو بیشتر ازآنکہ تمہیں جلدی سے دبوچ لیا جائے۔ اللہ نے تمہیں تمہارے گزشتہ بھائیوں کے متعلق نصیحت کی ہے اور تمہارے ان دوستوں اور ساتھیوں کے متعلق نصیحت کی ہے جو دنیا سے منتقل ہو چکے ہیں۔ یہی تمہارا وہ حصہ ہے جو تمہارے پاس رہے گا اور جس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس میں تمہارا نقصان ہے، نفع نہیں ہے۔ تمہارے لئے میری یہی نصیحت ہے اسے قبول کرو، اسے قابل تعریف پاؤ گے اور اس پر عمل پیرا ہو کر کامیاب ہو گے۔ والسلام۔

یہ ان لوگوں کی چند نصیحتیں ہیں۔ اسی میں ان کے مقاصد کی تخصیص پائی جاتی ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۸ ـ کتاب السماع

۱ ـ باب

اچھی آواز ، سماع اور سننے والوں میں تفاوت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی کا فرمان ہے ۔
یزید فی الخلق ما یشاء (۳۶۸)
(اپنی مخلوق میں جس بات کا چاھتا ہے اضافہ کر دیتا ہے)

مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ(ما یشاء سے مراد)پاکیزہ اخلاق اور عمدہ آواز ہے ۔

حدیث میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :
اللہ تعالی نے جتنے نبی بھیجے ھیں ان سب کی آواز عمدہ آواز ہوتی تھی

(ص۲٦۸)نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :
اللہ تعالی کسی بات کی طرف اس قدر کان لگا کر نہیں سنتے جس قدر وہ اچھی آواز والے نبی کے کلام کو سنتے ھیں ۔(الحدیث)

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :
اللہ تعالی اچھی آواز سے قرآن پڑھنے والے آدمی کی آواز کو زیادہ کان لگا کر سنتے ھیں بمقابلہ اس انسان کے جو اپنی گانے والی رنڈی کی آواز کو سنتا ہو ۔

حدیث میں ہے : داؤد علیہ السلام کو عمدہ آواز عطا کی گئی تھی یہاں تک کہ جب وہ زبور پڑھا کرتے تو جن و انس و وحوش اور پرندے سبھی کان لگا کر سنا کرتے تھے ۔ اور بنی اسرائیل اکٹھے ہوتے اور سنتے اور ان کی مجلس سے چار سو جنازے ان لوگوں کے اٹھائے جاتے جو (ان کی آواز کی وجہ سے) مر گئے ہوتے ۔ جیسا کہ حدیث میں مروی ہے ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے ابوموسی کے متعلق اس آواز کی

وجہ سے جو انہیں دی گئی تھی فرمایا :

ابوموسی کو آل داؤد کی بانسریوںمیں سے ایک بانسری دی گئی ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فتح مکہ کے دن قرآن مجید پڑھا تو آپ نے الفاظ کو لمبا کیا اور بار بار حلق سے آواز نکالتے تھے۔

مروی ہے کہ معاذ بن جبل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا :اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں اسے خوب اچھی طرح سے ادا کرتا۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

قرآن کو اپنی آواز سے مزین کیا کرو۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۔ اللہ بہتر جانتا ہے ایک یہ کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ قراءت قرآن کو خوبصورت بنائے بایں طور کہ قرآن پڑھتے وقت آواز کو بلند رکھے اس سے آواز عمدہ ہو جاتی ہے اور نغمہ بھی اچھا ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے جو غیر مخلوق ہے لہذا یہ کسی مخلوق کی آواز سے خوبصورت نہیں بن سکتا نہ ہی اس نغمے سے خوبصورت بن سکتا ہے جو بتکلف پیدا کیا گیا ہو۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ تم اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ مزین کیا کرو لہذا اس صورت میں معنی کے اعتبار سے عبارت میں تقدیم و تاخیر ہو گئی جس طرح اس آیت میں

(۳٦٨)ألحمد لله الذى أنزل على عبده الكتاب و لم يجعل له عوجاً قيماً

(تعریف اس خدا کی ہے جس نے اپنے بندے پر سیدھی کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی)

اس آیت کے معنی میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔

انزل الكتاب على عبده قيما و لم يجعل له عوجا

قرآن مجید میں ایسا بہت جگہ آیا ہے۔

اور اللہ تعالی نے بری آواز کی مذمت بھی کی ہے ؛ چنانچہ فرمایا :

(۳٦٩)ان أنكر الأصوات لصوت الحمير

گدھے کی آواز مکرہ ترین آواز ہے۔

(ص٢٦٩)بری آواز کی مذمت کے ضمن میں عمدہ آواز کی تعریف پائی جاتی ہے۔

حکماء نے عمدہ آواز اور اچھے نغموں کی خوبیوں کے متعلق بحث کی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت کچھ کہا ہے۔

ذوالنون رحمہ اللہ سے عمدہ آواز کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
یہ ایسے مخاطبات اور حق کی طرف اشارے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہر طیب مرد اور عورت کے اندر ودیعت کر رکھا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یحی بن معاذ رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :
عمدہ آواز اس دل کے لئے جس میں اللہ کی محبت ہو ، ہوا کا ایک جھونکا ہے۔

کسی اور کا قول ہے : عمدہ نغمہ اللہ کی طرف سے ایک جھونکا ہوتا ہے جسے اللہ ان دلوں کیلئے چلاتا ہے جو اللہ کی آگ میں جل رہے ہوں۔

میں نے احمد بن علی وجیہی کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی رودباری کو سنا کہ ابوعبداللہ الحارث بن اسد محاربی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے :
تین چیزیں ہیں جب حاصل ہو جائیں تو ان سے فائدہ ہوتا ہے مگر یہ تینوں ہم میں مفقود ہیں : دینداری کے ہوتے ہوئے عمدہ آواز ،اپنے آپکو بچاتے ہوئے خوبصورت چہرہ اور وفاداری کے ہوتے ہوئے اچھی دوستی ۔

بندار بن حسین رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے :
عمدہ آواز ایسی حکمت ہے جو (۲۷۰)بات کا جواب دیتی ہے اور یہ ایک سلیم آلہ ہے جو رسیلی آواز اور لطیف زبان سے ادا کی جاتی ہے اور یہ صاحب قوت اور صاحب علم خدا کے اندازے میں (جو اس نے مقرر کر رکھے ہیں) ایک اور لطیف بات جو اللہ تعالی نے عمدہ آواز میں ودیعت کر رکھی ہے یہ ہے کہ جب کوئی بچہ درد کی وجہ سے اپنے بستر میں روتا ہے اور پھر وہ عمدہ آواز سنتا ہے تو وہ چپ ہو جاتا ہے اور سو جاتا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ پہلے زمانے کے لوگ سوداوی مرض کے مریض کا علاج عمدہ آواز سے کیا کرتے تھے اور مریض صحتیاب ہو جاتا تھا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان رازوں میں سے جو اللہ تعالی نے عمدہ اور بلند آوازوں میں رکھ رکھے ہیں ایک یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگل میں جب اونٹ تھک جاتا ہے اور چلتے چلتے سست پڑ جاتا ہے تو حدی خوان حدی خوانی شروع کر دیتا ہے جسے سن کر اونٹ اپنی گردنیں لمبی کر لیتے ہیں اور حدی خوان کی طرف کان لگا کر حدی خوانی سنتے

ہیں اور رفتار تیز کر دیتے ہیں یہاں تک کہ محمل ان کی تیز رفتاری سے حرکت کرنے لگ جاتا ہے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر حدی خوان حدی خوانی بند کر دے تو اونٹ بھاری بوجھ اور تیز رفتاری کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیتے ہیں حالانکہ اس آواز کے بند ہونے سے پہلے انہیں بوجھ اور تھکان (ص ۲۷۰)محسوس ہی نہیں ہوتا تھا اور اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ اونٹ حدی خوان کی حدی خوانی کو کان لگا کر سنتے تھے۔

شیخ فرماتے ہیں : اس سلسلے میں مجھے دقی نے دمشق میں ایک قصہ(۲۷۱) سنایا : اس وقت کسی نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تھا ۔ تو انہوں نے جواب میں کہا :

میں بادیہ میں تھا اور وہاں عربوں کے ایک قبیلہ کے ہاں گیا ۔ ان میں سے ایک شخص نے میری ضیافت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا ۔ خیمے کے اندر پہنچ کر میں نے ایک سیاہ فام غلام کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھا ۔ پھر میں نے خیمے کے سامنے کچھ مرے ہوئے اونٹ دیکھے اور ایک اور اونٹ دیکھا جو دبلا تھا اور اس قدر مرجھایا ہوا تھا کہ ابھی مرا کہ مرا ۔ دقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھے اس جکڑے ہوئے بچے نے کہا : آپ آج رات میرے آقا کے ہاں مہمان ہیں اور وہ آپکی بڑی تعظیم کرتا ہے آپ اس کے پاس سفارش کرکے میری بیڑیاں کھلوا دیں ۔ وہ آپ کی بات کو رد نہیں کرے گا ۔ دقی فرماتے ہیں : جب میرے سامنے کھانا رکھا گیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا ۔ یہ بات میزبان کو بڑی ناگوار معلوم ہوئی ۔ اس نے اس کا سبب پوچھا تو میں نے کہا : جب تک آپ اس بچے کا گناہ معاف نہیں کر دیں گے اور اس کی بیڑیاں نہ کھول دیں گے میں کھانا نہ کھاؤں گا ۔ میزبان نے کہا : ارے بابا ! اس نے تو مجھے فقیر کر دیا ہے اور میرے تمام اونٹ ہلاک کر دئے ہیں اور اس نے مجھے اور میرے عیال کو دکھ دیا ہے ۔ میں نے پوچھا : اس نے کیا کیا ہے ؟ اس نے کہا : اس بچے کی آواز بہت سریلی ہے اور میں ان اونٹوں کی باربرداری پر زندگی گزارتا ہوں ۔ اس نے ان پر بھاری بوجھ لاد دیا اور حدی خوانی کی اور تین راتوں کی مسافت ایک رات میں طے کر لی اور یہ اس کی سریلی حدیٰ خوانی کی وجہ سے تھا ۔ جب یہ اونٹ ہمارے پاس پہنچے اور ان سے بار اتارا گیا تو اس ایک اونٹ کے سوا سب مر گئے ۔ آپ میرے مہمان ہیں ۔ میں آپ کی تعظیم کی خاطر اسے معاف کرتا ہوں ۔ دقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس پر اس نے اس کی بیڑیاں کھول دیں اور ہم نے کھانا کھایا ۔ جب صبح ہوئی تو میں نے اس کا گانا سننا چاہا ۔ لہذا میں نے اسے گانا سنانے کو کہا : اس پر میزبان نے اسے کہا کہ وہ اس اونٹ پر حدی خوانی کرے جس پر کنوئیں سے پانی لایا جاتا ہے ۔ بچہ آگے بڑھا اور وہ اس اونٹ کو ہانکنے اور اسے حدی سنانے لگا ۔ جب اس نے آواز بلند کی تو اونٹ دیوانہ ہو گیا (ص۲۷۱)اور اس نے اپنی رسیاں کاٹ ڈالیں اور میں خود منہ کے بل گر پڑا ۔ میرا خیال نہیں کہ میں نے کبھی

اس سے بہتر آواز سنی ہو ۔ اس کا مالک چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا :ارے تو میرے ساتھ کیا کرنا چاھتا ہے تو نے تو میرے اونٹ کو خراب کر دیا ۔ یہاں سے چلے جاؤ ۔

دقی رحمہ اللہ نے اسی طرح قصہ بیان کیا ہے ۔ یا ان کے جو الفاظ بھی ہوں ۔ واللہ اعلم ۔

میں نے احمد بن الطلی کو انطاکیہ میں کہتے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا کہ بشر فرماتے تھے کہ میں نے اسحق بن ابراھیم موصلی سے پوچھا : گانے میں کون ماھر ہو سکتا ہے ؟ اس نے جواب دیا : جسے اپنے سانس پر قابو ہو ، سانس کو روکنے میں اوروں پر فوقیت رکھتا ہو اور جھٹ کر آواز لگانے کا اسے لطیف پیرایہ آتا ہو ۔ (۲۴۲)

۲ ـ باب

سماع اور اس کے معنی کے بارے میں اختلافات

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مجھے بتایا گیا ہے کہ کسی نے ذوالنون رحمہ اللہ سے سماع کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا :

یہ حق تعالی کی طرف سے وارد ہونے والا ایک کیف ہوتا ہے جو دلوں کو بیقرار کرکے حق تعالی کی طرف لے جاتا ہے لہذا جس نے اسے حق کے ساتھ سنا وہ صاحب حق ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کے ساتھ سنا وہ زندیق ہوا ۔

احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ھیں کہ میں نے ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ سے سماع اور ان قصائد کو سننے کے متعلق سوال کیا جو خوش الحانی سے پڑھے جاتے ھیں تو انہوں نے فرمایا :

(۲۴۳)یہ دو کیا ھیں کہ ایک کے مقابلے میں مجھے زیادہ محبوب ہوں ۔

ابویعقوب نہر جوری رحمہ اللہ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :

جلن کی وجہ سے یہ ایک ایسی کیفیت ہوتی ہے جس سے اسرار کی طرف رجوع کرنے کا اظہار ہوتا ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے :اھل معرفت کے لئے سماع روحانی غنا کا لطف ہے کیونکہ دیگر اعمال کے مقابلہ میں یہ وصف دقیق اور رقیق ہوتا ہے اور رقیق ہونے کی وجہ سے اس کا ادراک بھی رقت طبع سے ہوتا ہے اور اھل سماع کے نزدیک اس کی صفائی اور لطف کی

وجہ سے اس کا ادراک بھی باطن کی صفائی سے ہوتا ہے۔

ابوالحسین دراج رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے :
سماع نے مجھے بہاء(الٰہی)کے میدانوں میں سے ایک میدان میں سرگرداں کر دیا پھر وجود حق نے عطا کرتے وقت مجھے وجود عطا کیا پھر صفائی کا پیالہ پینے کو دیا جس کی وجہ سے میں نے منازل رضا کو پا لیا اور یہ مجھے وہاں سے نکال کر سیر و تفریح کے باغات و فضا میں لے گیا۔

(ص۲۷۲)جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے شبلی رحمہ اللہ سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا :
سماع بظاہر تو آزمائش ہے مگر باطن میں عبرت ہے لہذا جو شخص اشارہ کو سمجھتا ہو اس کیلئے اس عبرت کا سننا جائز ہے ورنہ سمجھ لو کہ اس نے آزمائش کو دعوت دی اور مصیبت کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا۔

جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے :
سماع سننے کے لئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے ورنہ سماع نہ سننا چاہئے۔ پھر سوال کیا گیا : یہ تین باتیں کیا ہیں۔ جواب دیا : وقت ، جگہ اور ساتھی۔

کہا جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو عمدہ کو پسند نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا ہے یا یہ کہ کوئی چیز اس کے دل پر وارد ہو کر اسے مشغول کر رکھتی ہے اور اسے سماع سے غافل کر دیتی ہے۔

جعفر رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ سے حکایت کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے فرمایا :
فقراء پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے (۱) سماع کے وقت ، کیونکہ وہ سنتے ہیں تو حق کی طرف سے سنتے ہیں اور کھڑے ہوتے ہیں تو وجد کی وجہ سے۔ دوسرے۔ علمی مقابلہ کے وقت ، کیونکہ اس وقت ان کی گفتگو صدیقین اور اولیاء کے حالات کے متعلق ہوتی ہے اور تیسرے کھانا کھاتے وقت کیونکہ وہ صرف فاقہ کی حالت میں کھاتے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں : ابوعلی رودباری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا :
کاش ہم اس سے کلیۃً نجات پالیتے

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ سے صوفی کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا :
صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہو اور سامان دنیا اوروں کو دے دیتا ہو۔

میں نے ابوالطیب احمد بن مقاتل عکی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ جعفر نے بتایا کہ ابوالحسین بن زیری جنید رحمہ اللہ کے مریدوں میں سے تھے اور وہ ایک فاضل شیخ تھے ۔ وہ بالعموم سماع کی مجالس میں جایا کرتے ۔ اگر اچھا لگتا تو چادر بچھا کر بیٹھ جاتے اور کہتے : فقیر اپنے دل کا ساتھ دیا کرتا ہے جہاں اسے اپنا دل مل جائے وہیں بیٹھ جاتا ہے اور اگر اچھا نہ لگتا تو کہتے : سماع تو اہل دل کیلئے ہے اور جوتا لیتے اور واپس چلے آتے ۔

میں نے حصری رحمہ اللہ کو گفتگو کے دوران یوں کہتے سنا :
میں اس سماع کو کیا کروں جو سنانے والے کے سماع کو بند کرتے ہی ختم ہو جاتا ہے سماع تو مسلسل اور غیر منقطع ہونا چاہئے ۔

ان سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : دائمی پیاس اور دائمی شراب ہونی چاہئے چنانچہ جس قدر زیادہ اسے پئیں اسی قدر اس کی پیاس بڑھتی جائے ۔

(۲۷۳) ۳ ۔ باب

عام لوگوں کے سماع کا بیان اور ان کے لئے اس کا جواز بشرطیکہ وہ اچھی آواز سے ترغیب و ترھیب کا بیان سنیں اور اس میں آخرت کے حاصل کرنے کی ترغیب پائی جائے

بندار بن حسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو شخص عمدہ سماع کو پسند نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کے حواس میں نقص پایا جاتا ہے اس لئے کہ ہر دنیاوی حظ جس سے انسان حظ حاصل کرتا ہے اس میں تکلف پایا جاتا ہے خواہ وہ حظ جائز حظ ہی کیوں نہ ہو بجز سماع کے کہ ہر وہ مباح چیز جو مقاصد فاسدہ سے پاک ہو اس میں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی اور ہر وہ شخص جو سماع کو خوش طبعی ، نغمے سے لذت حاصل کرنے اور آواز اچھی لگنے کی وجہ سے سنے اس کیلئے سماع نہ حرام ہے اور نہ ممنوع ، بشرطیکہ اس کا ارادہ فساد ، مخالفت دین ، لہو و لعب اور حدود اللہ کو ترک کرنا نہ ہو ۔ ان شاءاللہ تعالی ۔

فصل

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سماع کے جائز ہونے کی ایک دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے ۔

(۲۶۴)و فی أنفسکم أفلا تبصرون
(اور تمہارے نفسوں کے اندر ، کیا تم دیکھتے نہیں ہو)
اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول :
(۲۶۵)سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی أنفسھم
(ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور خود ان کی اپنی ذات میں دکھا دیں گے)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نفسوں میں ہمیں کیا دکھایا وہ یہ ہے کہ اس نے ہمیں ہمارے خمسہ کے اندر یہ دکھایا کہ یہ ایک چیز اور اس کی ضد کے مابین امتیاز کر سکتے ہیں مثلاً آنکھ دیکھ کر خوبصورت اور بدصورت میں امتیاز کر لیتی ہے اور ناک خوشبو اور بدبو میں امتیاز کر لیتی ہے اور منہ ذائقہ کے ذریعے مٹھاس اور کڑواہٹ میں امتیاز کر لیتا ہے اور ہاتھ چھو کر نرم اور کھردری چیز میں امتیاز کر لیتے ہیں ۔ یہی کان کا حال ہے کہ یہ عمدہ ، غیر عمدہ اور مکروہ آواز میں امتیاز کر لیتے ہیں ؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :
(۲۶۶)ان أنکر الأصوات لصوت الحمیر
(مکروہ ترین آواز گدھے کی آواز ہے)

(ص۲۷۴)اللہ تعالیٰ کا بری آواز کی مذمت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عمدہ آواز قابل تعریف ہے اور ان دونوں (اچھی اور بری آواز) میں صرف سماع یعنی کان لگا کر سننے ، حضور قلب ، ادراک فہم اور وہم کو دور کرکے غور کرنے سے ہی امتیاز کیا جا سکتا ہے۔

۲ ۔ ایک اور فصل

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے اہل جنت کیلئے تیار کر رکھی ہیں، چنانچہ جن نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں بیریاں جن کی کانٹ چھانٹ کی گئی ہو ؛ تہ بہ تہ کیلے کے درخت اور کثیر تعداد میں پھل ؛ اور اللہ نے پرندوں کے گوشت کا ذکر کیا ہے ، موٹی آنکھوں والی حوروں ، ابریشم ، استبرق ، سربمہر شراب ، تخت ، محلوں ، بالا خانوں ، درختوں اور نہروں وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یوں بھی کہا ہے ۔
(۲۶۷)فی روضة یحبرون
(انہیں جنت کے باغ میں خوش رکھا جائے گا)

مجاھد کہتے ہیں : یہاں مراد اس سماع سے ہے جو وہ جنت میں رقت آمیز آواز مثل

پسند نغموں کے ساتھ خوبصورت لڑکیوں اور حور عین سے سنیں گے ۔ وہ اپنی اپنی آواز میں یوں کہہ رہی ہوں گی :

ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں ہم کبھی بھی نہ مریں گے ؛ ہم نازک اندام ہیں ہم پر مصائب نہ آئیں گے ۔ جیسا کہ خود حدیث کے اندر موجود ہے ۔

ان تمام اشیاء میں سے اللہ تعالی نے شراب کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی فرمایا ہے : جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اسے آخوت میں پینے کو نہ دی جائے گی البتہ اگر توبہ کر لے(تو پھر دی جائیگی)لہذا سماع منجملہ ان چیزوں کے قرار پایا جن کا ذکر اللہ نے جنت کی نعمتوں میں کیا ہے اور دنیا میں مؤمنین کیلئے مباح قرار دیا ہے۔ ان تمام میں سے صرف شراب کو حرام قرار دیا ہے اس لئے کہ اس کے بارے میں قرآن کا صریح حکم ، حدیث نبوی اور حدیث کے ظاہری الفاظ موجود ہیں ۔

۳ ـ ایک اور فصل

نبی صلی اللہ علیہ و سلم عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں دیکھا کہ دو لڑکیاں گانا گا رہی اور دف بجا رہی ہیں مگر آپ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا : اور جب عمر رضی اللہ عنہ ان پر ناراض ہوئے اور کہا : کیا رسول اللہ کے گھر میں شیطان کی بانسری بجائی جا رہی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

اے عمر ؛ انہیں کرنے دو جو کچھ یہ کرتی ہیں کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے۔ اگر گانا ممنوع ہوتا تو عید اور غیر عید دونوں کا یکساں حکم ہوتا ۔ اس قسم کی احادیث بہت ہیں ۔

اور جیسا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے اور اس وقت انہیں بخار ہو رہا تھا وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے :

(ص۲۷۵)کل امرىء مصبح فى أهله والموت أدنى من شراك نعله

ہر شخص کو اپنے گھر میں مرصبح بخیر، کہا جاتا ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی اس کے زیادہ قریب ہوتی ہے ۔

اور جس طرح بلال رضی اللہ عنہ کہ جب بخار کا زور ہو جاتا تو بلند آواز سے کہتے

ألا ليت شعرى هل أبيتن ليلة بواد و حولى اذخر و جليل

و هل أردن یوماً میاه مجنة و هل یبدون لی شامة وّ طفیل

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ آیا میں وادی میں ایک رات گزاروں گا اور میرے گرد اذخر اور جلیل (جیسی خوشبودار بوٹیاں) ہوں گی اور کیا میں کسی روز مجنہ کے پانیوں پر وارد ہوں گا اور کیا شامہ اور طفیل پہاڑ مجھے دکھائی دیں گے)

اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا لبید رضی اللہ عنہ کا یہ شعر پڑھا کرتیں :

ذهب الذین یعاش فی أکنافهم و بقیت فی خلف کجلد الأجرب

جن کے زیر عاطفت ہم زندگی گزارا کرتے تھے چل بسے اور بعد کے لوگوں کے درمیان میں اس طرح رہ گیا جس طرح خارشی اونٹ کی کھال (کہ کوئی قریب نہیں آتا)

اس کے بعد فرماتیں : خدا لبید پر رحمت بھیجے اگر وہ ہمارا زمانہ پا لیتا(تو خدا معلوم)اس کی کیا حالت ہوتی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے اشعار کہے ہیں ۔ اور اس کا بیان لمبا ہے مجھے ابوعبداللہ حسین بن خالویہ نے سنایا وہ کہتے ہیں کہ انہیں ابن الانباری نے یہ اشعار مرفوع سند سے سنائے (صحابی) کہتے ہیں کہ کعب بن زہیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ اشعار سنائے :

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول متیم اثرها لم یفد مکبول

سعاد مجھ سے جدا ہو گئی لہذا آج میرا دل بیمار ہے۔ اس کے چلے جانے کے بعد اس کا غلام بن گیا ہے ۔ بیڑیوں میں جکڑا ہوا ہے اور کسی نے اس کا فدیہ ادا کرکے (اسے چھڑایا ہی نہیں)

وما سعاد غداة البین اذظعنوا الا أغن غضیض الطرف مکحول

جس وقت سعاد کا قبیلہ کوچ کر رہا تھا اس وقت وہ ناک میں بولنے والی پست نگاہ والی اور سرمیلی آنکھوں والی تھی ۔

شجت(۲۹۱)بذی شبم من ماء محنیة صاف بأبطح اضحی و هو مشمول

اس (شراب میں) وادی کے موڑ کا ٹھنڈا اور صاف پانی ملایا گیا ہے یہ پانی پتھریلی زمین سے گزر کر آیا ہے اور اس پر باد شمال چل چکی ہے۔

تنفی الریاح القذی عنه و أفرطه من صوب ساریة بیض یعالیل

ھوائیں اس پانی سے تنکے ھٹاتی رھتی ھیں اور اسے سفید تہ بہ تہ بادلوں نے شام کو آنے والے بادل کی بارش سے پر کر دیا ہے

أكرم بهـا خلة لو أنهـا صدقت　　موعودهـا ولـو ان النصـح مقبول

یہ اگر اپنا وعدہ سچ کر دکھاتی یا نصیحت قبول کر لیتی تو یہ کیا ھی معزز محبوبہ ھوتی

لكنهـا خلة قد سيط من دمها　　فجـع و ولـغ و اعـراض و تبديل

مگر یہ تو ایسی محبوبہ ہے کہ جن کے خون میں ان امور کی آمیزش ہے دردمند کرنا ، جھوٹ بولنا ، اعراض کرنا اور ایک عاشق کی جگہ دوسرا بدل لینا

كانـت مواعيـد عرقـوب لهـا مثلا　　و ما مواعيدهـا الا الأباطيل

اس کے وعدے (جھوٹے وعدے کرنے والے) عرقوب کے سے تھے ۔ اس کے تمام وعدے جھوٹے وعدے ھیں

أرجـو و آمـل ان يعجلن فی أبد　　ومـا لهـن اخـال الدهـر تعجيل

مجھے امید ہے کہ یہ جلد کسی جگہ قیام پذیر ھوگی مگر میرا خیال نہیں کہ یہ کبھی (واقعی) جلدی کریں گے

(ص۲۷٦)وما تمسک بالوصل الذی زعمت　　الا كمـا يمسـک المـاء الغرابيل

جس وصل کا اسے دعوی ہے اسے اس طرح پکڑتی ہے جس طرح چھلنی پانی کو

فلا يغرنـک ما منـت ومـا وعدت　　ان الأمانـی والأحـلام تضليل

جو آرزو تجھے یہ دلائے یا جو وعدہ یہ کرے اس سے دھوکا نہ کھانا ۔ آرزو اور خواب گمراہ کن ھوا کرتے ھیں

أمسـت سعـاد بأرض لن يبلغها　　الا العتـاق النجيبـات المراسيل

اب سعاد تو اس (دور دراز) ملک کو جا چکی ہے جہاں صرف اصیل ، عمدہ اور آرام سے چلنے والی اونٹنیاں ھی پہنچا سکتی ھیں

و لن يبلغهـا الا عذافرة　　فيهـا علـی الأيـن ارقـال و تبغيل

وہاں تو صرف قوی اونٹنی ہی پہنچا سکتی ہے جو باوجود تھکان کے تیز رفتاری سے چلتی ہو

ضخم مقلدھا فعم مقیدھا   فی خلقھا عن بنات النحل تفضیل

اس کا ہار پہننے کا حصہ موٹا اور بیڑی لپٹنے کا حصہ پر گوشت ہے۔ نیز اونٹ کی دیگر بیٹیوں کے مقابلہ میں اس کا جسم افضل ہے

حرف أخوھا أبوھا من مھجنة   و عمھا خالھا موداء شملیل

یہ بڑی قدآور ہے۔ اس کا بھائی اس کا باپ ہے اور دونوں دوغلی اونٹنی سے ہیں۔ اس کا چچا اس کا خالو ہے، رام اور تیز رفتار ہے

مروی ہے کہ (ان اشعار کو سن کر) نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: بعض اشعار (براز) حکمت ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکمت مؤمن کی گمشدہ چیز ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اشعار کا پڑھنا جائز ہے تو پھر خواہ یہ اچھے نغمے یا اچھی آواز کے ساتھ پڑھے جائیں یا حدی خوانی ہوں خواہ حدر، نصب، رمل اور رجز سے ایک ہی بات ہے بشرطیکہ ان میں فاسد مقاصد، باطل ارادے، حد سے تجاوز کرنا، دین کی مخالفت اور دشمنی نہ پائی جائے۔ واللہ اعلم۔

۴ ۔ ایک اور فصل

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علما و فقہاء میں سے جو مقتدا ہیں ان ہی کے ایک گروہ نے سماع کی اجازت دی ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے۔ ان میں سے ایک مالک بن انس (۱۸۰ء) ہیں۔ ان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار دوپہر کے وقت ایک شخص کے دروازے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اسے گاتے ہوئے اور یوں کہتے ہوئے سنا:

ما بال قومک یا رباب   خزراً کأنھم غضاب

اے رباب تمہاری قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ترچھی نگاہوں سے یوں دیکھتے ہیں جیسے وہ غصے میں ہوں

روای کہتا ہے کہ یہ سن کر مالک نے اس شخص سے کہا: تو نے اسے صحیح طور پر ادا نہیں کیا اور اپنے نفس کو قیلولہ کرنے سے بھی روک دیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس شخص نے کہا: مجھے اسے کس طرح ادا کرنا چاہئے تھا۔ اس پر مالک نے کہا: تو یہ چاہتا ہے کہ

لوگوں سے کہہ سکے کہ تو نے یہ راگ مالک (۱) سے سیکھا ہے۔

امام مالک اور اہل مدینہ کی مشہور روایت تو یہی ہے کہ وہ سماع کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس کے جواز کے متعلق عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ اور تابعین سے روایات (ص۲۷۷)آئی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی سماع اور شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ اس سے مروت میں فرق نہ آتا ہو۔

ابن جریج کی نسبت، باوجود ان کی بزرگی کے، بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا: یمن سے آکر مکہ میں میرے قیام پذیر ہونے کا سبب دو شعر تھے جو میں نے ایک دن سنے اور وہ یہ ہیں:

باللہ قولی لہ من غیر معتبة ماذا أردت بطول المکث بالیمن

ان کنت ألممت ذنبا أو هممت بہ فما وجدت بترک الحج من ثمن

تمہیں خدا کا واسطہ اسے بغیر ناراضگی کے یہ کہہ دینا کہ یمن میں اس قدر دیر تک قیام کرنے سے تمہارا کیا مقصد تھا اگر تو نے کوئی گناہ کیا تھا یا ارادۂ گناہ کیا تھا (تو کیا ہو گیا تھا) مگر تو نے حج کو ترک کر دینے سے کچھ نہ پایا۔

ابن جریج کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ سماع کی اجازت دیا کرتے تھے۔ اس پر کسی نے ان سے کہا: جب قیامت کے دن تمہاری پیشی ہوگی اور تمہارے نیک و بد اعمال کو پیش کیا جائے گا تو تمہارا سماع کس طرف ہوگا اس پر ابن جریج نے کہا: نہ نیکیوں میں ہوگا اور نہ بدیوں میں کیونکہ یہ بمشابہ اس لغو کے ہے جسے نہ نیکی میں شمار کیا جاتا ہے اور نہ بدی میں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

(۲۸۱)لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی أیمانکم
(خدا تمہیں تمہاری لغو قسموں پر گرفت نہیں کرتا)

شیخ فرماتے ہیں: عام لوگوں کیلئے سماع کے جائز ہونے کے بارے میں یہ مختصر سی فصلیں ہیں بشرطیکہ ان کے ساتھ سماع میں مقاصد فاسدہ نہ پائے جاتے ہوں اور نہ ہی وہ اس حدیث ممانعت کے تحت آتے ہوں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے سارنگی، مزامیر، باجے کوبہ اور ڈھول سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ ایسا سماع تو اہل باطل کا ہی فعل

ہے اور یہ ان صحیح احادیث کی رو سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہیں ممنوع ہے۔

۴ ۔ باب

خاص لوگوں کے سماع کا بیان اور اس میں ان کا باھمی امتیاز

میں نے ابوعمرو اسمعیل بن نجید رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعثمن سعید بن عمان رازی الواعظ کو یوں کہتے سنا : سماع تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک سماع تو مریدوں اور مبتدیوں کا ہے جس سے وہ احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں مگر اس میں فتنہ اور ریاکاری کا خطرہ پایا جاتا ہے دوسری قسم کا سماع صدیقین کا ہوتا ہے جو سماع سے اپنے احوال میں مزید ترقی کے خواہاں ہوتے ہیں (ص۲۸۸)اور وہ سماع میں وہ باتیں سنتے ہیں جو ان کے حال اور اوقات کے مطابق ہوں۔

اور تیسری قسم کا سماع عارفین میں سے اہل استقامت لوگوں کا سماع ہے۔ یہ لوگ اان امور میں جو ان کے دلوں پر سماع (۳۸۲) کے دوران وارد ہوں مثلاً حرکت یا سکون اللہ پر نہ اعتراض کرتے ہیں اور نہ ناپسند کرتے ہیں یا جس طرح بھی انہوں نے کہا ہو۔

ابویعقوب اسحق بن محمد بن ایوب نہر جوری سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا : اہل سماع کے تین طبقے ہیں :ایک طبقہ تو وہ ہے جنہیں وقت کے حکم کے مطابق اپنے سکون اور حرکت میں پچھاڑ دیا گیا ہوتا ہے اور دوسرا طبقہ خاموش اور ساکن الصفتہ ہوتا ہے اور تیسرا گروہ اپنے ذوق میں بھٹکتا رہتا ہے اور یہ ان میں سے کمزور ترین طبقہ ہے۔

مروی ہے کہ بندار بن حسین رحمہ اللہ نے کہا : سماع تین قسم کا ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو طبیعت کے تقاضے کے مطابق سنتے ہیں ، بعض حال کے تقاضے کے مطابق اور بعض حق کے ساتھ سنتے ہیں ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو طبیعت کے تقاضے کے مطابق سنتا ہے اس میں خاص و عام سب مشترک ہیں اور ہر ذی روح کو عمدہ آواز بھلی معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی تو روح کی جنس میں سے ایک روحانی چیز ہے اور اس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور جو اپنے حال کے مطابق سنتا ہے تو وہ جب سنتا ہے تو غور سے سنتا ہے یہاں تک کہ اس پر کوئی نہ کوئی کیفیت وارد ہو جاتی ہے مثلاً عتاب کا ذکر یا خطاب یا وصل ، ہجران ، قرب اور بعد کا

ذکر یا کسی ایسی چیز پر افسوس جو ھاتھ سے نکل گئی ھو ، یا جدائی کا خوف یا عہد کا ایفاء یا وعدہ کا پورا کرنا ، یا وعدہ خلافی ، یا بیچینی اور اشتیاق کا ذکر یا کسی سے اتصال کی خوشی یا جدائی کا غم یا کسی چیز کے حاصل نہ ہونے کی حسرت یا اس چیز سے مایوسی جس کی امید لگائے ہوں ، یا پاک محبت کا ذکر یا دوستی پر قدرت ، منظور نظر ہونے کے بعد جوانی کی جہالت کا درمیان میں حائل ھو جانا ، یا محبوب کو دیکھتے ہوئے نگہبان خدا کی حفاظت کا ذکر کرنا ، یا غموں اور طرح طرح کے فتنوں کی تکالیف ، آنکھوں سے آنسو بہانا ، رونا اور گریہ و زاری کرنا یا نئی سے نئی حسرتوں کا پیش آنا ۔

لہذا جب ان امور میں سے کوئی ایسا حال اس پر وارد ھو جو اس کے حال کے عین مطابق ھو تو اس کی مثال اس آگ جلانے والے کی ہوگی جو اس کے باطن میں صفاء وقت اور آگ جلانے کی طاقت کے مطابق آگ (ص۲۷۹)جلا رہا ھو ۔ لہذا اس طرح جو آگ مشتعل ہوتی ہے وہ شرارے پھینکنے لگتی ہے اور اس کا اثر اعضا پر ظاھر ہوتا ہے اور اس کی ظاہری صفات پر تغیر ، حرکت ، اضطراب اور ہیجان ظاہر ہوتا ہے پھر وہ اپنی طاقت کے مطابق یا تو اپنی ذات پر قابو پالیتا ہے یا اس وارد کے قوی ہونے کی وجہ سے قابو نہیں پا سکتا ۔ پاک ہے وہ خدا جو ان کی تدبیر کا والی ہے،اور جو ان کی حفاظت کرتا ہے ۔ اگر ان پر اللہ کا فضل ، رحمت اور مہربانی نہ ھو تو ان کی عقلوں کے طوطے اڑ جائیں ، ان کی جانیں ہلاک ھو جائیں اور ان کی ارواح فنا ھو جائیں ۔

اور جو حق کے ساتھ سنتا ہے اس پر یہ احوال وارد نہیں ہوتے اور نہ ھی وہ ان احوال کی طرف توجہ کرتا ہے اور نہ ان افعال کا مشاھدہ کرتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ احوال شریف احوال ھیں پھر بھی ان میں بشری حظ کی آمیزش پائی جاتی ہے اور ان کا انسانی حدود کے ساتھ تعلق ہوتا ہے ۔ اور باوجود کمزور ہوں کے یہ پاک ہوتے ھیں اور انہیں غلطی کا خطرہ لگا رھتا ہے تاآنکہ ان کا سماع باللہ(اللہ کے ساتھ)للہ (اللہ کیلئے)من اللہ(اللہ کی طرف سے)اور الی اللہ (اللہ کی طرف)ھو اور یہ وھی لوگ ہوتے ھیں جو حقیقت کو پہنچ چکے ہوتے ھیں اور خالص اخلاص اور پاک توحید کے مقام کو پا لیا ہوتا ہے ۔ لہذا اس کی بشریت کی(آگ)بجھ چکی ہوتی ہے اور ان کے نفسانی حظوظ فنا ھو چکے ہوتے ھیں ۔ صرف ان کے حقوق باقی رہ گئے ہوتے ھیں ۔ چنانچہ وہ اللہ تعالی کی مدد سے کسی سبب ، بشری حظ اور روح کا کسی نعمت سے خوش ہونے بغیر ھی موارد حق کا مشاھدہ کرتے ھیں لہذا جب ان کے اسرار پر سماع وارد ہوتا ہے تو وہ اللہ کی حکمت ، اس کی قدرت کے آثار ، اس کی مہربانی کے عجائبات اور اس کے علم غیب کی عجیب و غریب چیزوں کا مشاھدہ کرتے ھیں ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہے اپنا فضل کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے :اہل سماع سماع میں تین قسم کے ہیں ۔ ایک قسم ابناء الحقائق کی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سماع میں حق سے مخاطب ہونے کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو سماع میں کچھ سنتے ہیں اس میں اپنے احوال ، اوقات اور مقامات سے مخاطب ہونے کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ ان کا علم کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے اور جس بات کی طرف وہ سماع میں اشارہ کریں اس میں ان سے صدق کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور تیسری قسم مجرد فقراء کی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام تعلقات منقطع کر لئے ہوتے ہیں اور ان کے دل دنیا کی محبت ، مال جمع کرنے اور مال خرچ کرنے میں بخل کرنے سے ملوث نہیں ہوتے ہوتے لہذا یہ لوگ اپنے پاک دلوں کے ذریعے سنتے ہیں اور یہی لوگ دراصل سماع کے اہل ہیں اور یہ تمام لوگوں کے مقابلے میں سلامتی کے زیادہ قریب اور فتنے سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

(ص۲۸۰) ۵ ۔ باب

سننے والوں کے طبقات کے بیان میں

شیخ فرماتے ہیں : سماع میں سننے والے مختلف طبقوں میں بٹ جاتے ہیں چنانچہ ایک طبقہ صرف قرآن کو سننا اختیار کر لیتا ہے اور کسی اور چیز کو نہیں سنتے ۔ اور ان کا استدلال قرآن مجید کی یہ آیت ہے ۔

(۳۸۳)و رتل القرآن ترتیلا

(قرآن اچھی آواز سے پڑھا کرو)

نیز اللہ کا قول :

(۳۸۴)ألا بذکر اللہ تطمئن القلوب

(دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل ہوتا ہے)

اور

(۳۸۵)مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر اللہ

(اس قرآن کے احکام اور آیات) دھرا کر بیان کئے گئے ہیں جن کو سننے سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں پھر اللہ کی طرف (مائل ہو کر)ان کے بدن اور دل نرم ہو جاتے ہیں)

نیز اللہ کا یہ قول :

(۲۸۶)الذین اذا ذکر اللہ و جلت قلوبھم
(یہ وہ لوگ ھیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ھیں)
نیز یہ قول :
(۲۸۷)لو أنزلنا ھذا القرآن علی جبل (الایۃ)
(اگر ھم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف کے مارے خشوع کرتا اور پھٹ جاتا)
نیز یہ قول :
(۲۸۸)و ننزل من القرآن ما ھو شفاء
(ھم نے قرآن کو شفا بنا کر نازل کیا ہے)
نیز یہ قول :
(۲۸۹)الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنہ
(جو لوگ بات سنتے ھیں تو اچھی باتوں کی پیروی کرتے ھیں)
اس سلسلے میں بہت سی آیات آئی ھیں :

ان کی دوسری دلیل نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول ہے : قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کیا کرو اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول سے جب آپ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کہا :
قرآن پڑھ کر سناؤ
ابن مسعود نے عرض کیا : کیا میں آپکو پڑھ کر سناؤں جبکہ یہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :میں اوروں سے سننا زیادہ پسند کرتا ھوں
اور براء رضی اللہ عنہ کے اس قول سے :
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو والتین والزیتون پڑھتے ھوئے سنا اور میں نے آپ سے بہتر پڑھنے والے کو نہیں دیکھا ۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول سے : ھود اور دیگر سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے ۔

نیز ابوموسی اشعری کے بارے میں آنحضرت کے اس قول سے : اسے آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے ۔

نیز آنحضرت کے اس قول سے جب کہ آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ سب سے اچھا

پڑھنے والا کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا : جو پڑھتے وقت یوں نظر آئے کہ اسے اللہ کا ڈر ہے۔

نیز اس واقعہ سے : آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا گزر اہل صفہ پر ہوا اور وہ عریانی کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہے تھے اور ایک شخص انہیں قرآن پڑھ کر سنا رہا تھا۔

نیز اس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ آیت پڑھی :
(ص۲۸۱) (۳۹۰)فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید
(اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت میں سے گواہ لے آئیں گے)
تو غش کھا کر کر گر پڑے

اور اس سے کہ آپ نے یہ آیت پڑھی :
(۳۹۱)ان تعذبھم فانھم عبادک
اگر تو انہیں عذاب دے گا (تو تو قادر و مالک ہے) کیونکہ یہ تمہارے بندے ہیں تو رو پڑے

نیز اس سے کہ جب (قرآن پڑھتے ہوئے) آپ کسی رحمت کی آیت پر پہنچتے تو دعا مانگتے اور خوش ہوتے اور جب عذاب کی آیت پر پہنچتے تو دعا کرتے اللہ سے پناہ مانگتے۔

اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ لہذا جو شخص قرآن سننا پسند کرے تو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :
ایسی قراءت سے کوئی فائدہ نہیں جس میں تدبر نہ پایا جاتا ہو۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر سننے والوں کا دو طرح سے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو اللہ کا یہ قول ہے :
(۳۹۲)و منھم من یستمع الیک حتی اذا خرجوا من عندک قالوا للذین أوتو العلم ماذا قال انفاً اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم
(ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگا رہتے ہیں تاآنکہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں انہوں نے ابھی کیا بات کہی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے زنگ چڑھا رکھا ہے

یہ لوگ صرف کانوں سے قرآن سنتے تھے مگر ان کے دل غائب ہوتے تھے اسی لئے اللہ ان کی مذمت کی ہے اور ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا ہے۔ ان ہی کے متعلق اللہ نے کہا ہے :

(۳۹۳)ولا تکونوا کالذین قالوا سمعنا و هم لا یسمعون

(تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا مگر (درحقیقت) وہ سنتے نہیں ہوتے

دوسری قسم وہ جس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے :

(۳۹۴)و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری أعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق، یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشاهدین)

(جب وہ اس کتاب کو سنتے ہین جو اس رسول پر نازل کی گئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے اور وہ بول اٹھتے ہیں ۔ پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو شاہدوں میں لکھ دے)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جب قرآن سنا تو اس وقت ان کے دل بھی حاضر تھے لہذا اللہ نے ان کی اس صفت کی تعریف کی قرآن میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں ۔ اور اگر میں اس سلسلے میں ان تمام واقعات کا ذکر کرنے لگوں تو کتاب لمبی ہو جائے اور حد اختصار سے نکل جائے مثلا وہ لوگ جنہیں قرآن سننے سے غشی طاری ہوئی یا جو لوگ رونے لگ گئے ۔ اور جن لوگوں کے اعضاء جدا ہوگئے اور صحابہ ، تابعین اور تبع تابعین سے لے کر آج تک جن لوگوں پر غشی طاری ہوئی مثلا صحابہ میں زرارہ بن اوفی جیسے شخص کا ذکر کریں کہ انہوں نے امامت کرائی اور قرآن کی ایک آیت پڑھی تو غش کھا کر گرے اور جان دے دی ۔

یا تابعین میں ابوجہیر جنہیں صالح مری نے قرآن پڑھ کر سنایا تو انہوں نے چیخ ماری اور جان دے دی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوعلی مغازلی نے شبلی رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ بعض اوقات میرے کانوں میں کوئی آیت پڑتی ہے تو یہ مجھے اشیاء کو ترک کرنے اور دنیا سے اعراض کرنے کیلئے تنبیہ کرتی ہے مگر بعد میں پھر سے اپنی پہلی حالت کی طرف اور لوگوں کی طرف لوٹ آتا ہوں ۔ پھر اس پر بھی قائم نہیں رہتا اور مجھے پہلے وطن کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے پھر کہا : قرآن کے جو الفاظ تمہارے کانوں میں پڑیں اور وہ تمہیں اللہ کی طرف کھینچ کر لے جائیں تو یہ اللہ کی طرف سے مہربانی اور اس کا لطف و کرم ہوگا اور جب تجھے اپنے نفس کی طرف لوٹا دیا جائے تو یہ بھی اس کی شفقت ہے کیونکہ تم اللہ کی طرف متوجہ ہونے میں اپنی قوت و طاقت سے صحیح طور پر بیزار نہیں ہوئے ۔

احمد بن ابی الحواری ابوسلیمان دارانی سے حکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا :

بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں ایک ہی آیت میں پانچ پانچ راتیں لگا دیتا ہوں اگر اس آیت میں غور و فکر کرنا نہ چھوڑ دوں تو کبھی آگے نہ چل سکوں۔ اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت آتی ہے جس سے عقل پرواز کر جاتی ہے۔ پاک ہے وہ خدا جو اسے پھر سے لوٹا دیتا ہے۔

جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں سری سقطی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو ان کے پاس ایک شخص کو دیکھا جو بیہوش پڑا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس شخص نے قرآن کی ایک آیت سنی ہے جس سے اس پر غشی طاری ہو گئی ہے۔ میں نے کہا: میں اسے وہی آیت پھر پڑھ کر سناتا ہوں چنانچہ جنید رحمہ اللہ نے وہ آیت پڑھی اور وہ ہوش میں آگیا۔ سری نے مجھ سے دریافت کیا: تو نے یہ بات کیسے دریافت کر لی۔ میں نے جواب دیا: یعقوب علیہ السلام کی بینائی کا جانا مخلوق کی خاطر تھا اور پھر مخلوق ہی کے ذریعے وہ دوبارہ بینا ہوئے۔ اگر ان کا نابینا پن حق تعالی کی خاطر ہوتا تو مخلوق کے ذریعے بینا نہ ہوتے۔ سری رحمہ اللہ نے اس استدلال کو بہت پسند کیا۔

کسی صوفی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں ایک رات یہ آیت پڑھ رہا تھا:

(۳۹۵)کل نفس ذائقة الموت

(ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے)

اور میں اس آیت کو بار بار پڑھنے لگا۔ یکایک غیب سے آواز آئی: تو کب تک اس آیت کو دہراتا رہے گا جبکہ تو چار ایسے جنوں کو قتل کر چکا ہے جنہوں نے پیدائش سے لے کر آج تک آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا تھا۔

میں نے ابوالطیب احمد بن مقاتل عکی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں رمضان کے مہینے میں ایک رات شبلی رحمہ اللہ کے ساتھ مسجد میں تھا اور وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ امام نے یہ آیت پڑھی:

(۳۹۶)ولئن شئنا لنذهبن بالذي أوحينا اليک ثم لا تجدلک به علينا وكيلا

(اگر ہم چاہتے تو جو قرآن ہم نے تم پر بطور وحی نازل کیا ہے اسے واپس لے لیتے اور تمہیں ہمارے خلاف اس بارے میں کوئی مددگار نہ ملتا)

یہ سنتے ہی انہوں نے چیخ ماری۔ میں نے یوں سمجھا کہ ان کی روح پرواز کر گئی ہے۔ دیکھا تو ان کا رنگ سبز ہو گیا تھا اور وہ کانپ رہے تھے اور کہہ رہے تھے کیا احباب کو

اس طرح خطاب کیا جاتا ہے اور وہ یہ الفاظ باربار دہرا رہے تھے ۔

(ص۲۸۳)لہذا جن لوگوں نے قرآن سننا پسند کیا انہوں نے ان آیات اور واقعات کی بنا پر اختیار کیا جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

قرآن کو سنتے وقت ان امور پر اعتماد ہونا چاہئے ؛ حضور قلب . تدبر . تفکر . تذکر اور اس حالت پر جو اس آیت کے پڑھنے سے اس کے دل پر وارد ہوتی ہے تاکہ جب وہ قرآن سنے تو اس پر وہی حالت غالب ہو لہذا اگر اس پر کوئی حالت طاری نہ ہوگی اور نہ اس کے دل پر قرآن کے سننے سے وجد طاری ہو . نہ موافق اور نہ بیقرار کرے تو اس کی مثال اس شخص کی سی جو اس چیز کو بلا رہا ہو جو سن ہی نہیں سکتی ۔

۷۔ باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے قصائد اور اشعار سننا پسند کئے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب لیں اس گروہ کو جنہوں نے قصائد اور اشعار سننا پسند کیا تو ان کی ظاہری دلیل نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول ہے :

ان من الشعر لحكمة (۴۹۹)

بعض اشعار دانائی کے اشعار ہوتے ہیں

یہ گروہ کہتا ہے کہ قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور یہ کلام اللہ کی صفت ہے اور وہ حق ہے۔ جب یہ ظاہر ہو تو انسان میں اس کی برادشت کی طاقت نہیں کیونکہ قرآن تو غیر مخلوق ہے جس کے متحمل ہونے کی طاقت مخلوق صفات میں نہیں ۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کے مقابلے میں زیادہ اچھا ہے اور نہ ہی اسے مخلوق نغموں کے ذریعے مزین کیا جا سکتا ہے بلکہ برعکس اس کے اشیا کو اس سے مزین کیا جاتا ہے۔ قرآن تو اس سے خوبصورت چیز ہے۔ اس کے حسن کے ہوتے ہوئے کوئی خوبصورت چیز اچھی نہیں معلوم ہو سکتی ۔ اللہ تعالی کا قول ہے :

(۳۹۸)و لقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مذكر

ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

نیز فرمایا :

(۳۹۹)لو أنزلنا هذاالقرآن علی جبل لرأیته خاشعاً متصدعاً من خشیة الله
(اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو اسے عاجزی کرنے والا دیکھتا اور وہ اللہ کے ڈر سے پھٹ جاتا)

(ص۲۸۴)اسی طرح اگر اللہ تعالی قرآن کو اس کے تمام حقائق کے ساتھ دلوں پر نازل فرماتا اور اس کی تلاوت کرتے وقت اس کی ہیبت کا ایک ذرہ منکشف ہو جاتا تو دل پھٹ جاتے ۔ حواس باختہ ہو جاتے ۔ دہشت زدہ اور حیران ہو جاتے ۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کا بالعموم یہ حال ہے کہ وہ کتنی بار قرآن ختم کر جاتے ہیں پھر بھی قراءت کرتے ہوئے ان کے دلوں پر کسی قسم کی رقت طاری نہیں ہوتی اور اگر قراءت کے ساتھ عمدہ آواز یا عمدہ اور دلسوز نغمہ ہو تو وہ رقت محسوس کرتے ہیں اور قرآن کے سننے سے لذت پاتے ہیں مزید برآں اگر یہ عمدہ آواز اور عمدہ نغمہ قرآن کے علاوہ کسی اور چیز پر ہو اور پھر اسے وہی رقت اور وہی لذت اور مزہ محسوس ہو تو اس سے یہ رقت ، صفا ، لذت اور وجد جسے یہ لوگ قرآن کی طرف سے سمجھ رہے ہیں اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو پھر قراءت کے وقت ان پر یہ کیفیت ہمیشہ طاری ہوا کرتی ۔

عمدہ نغمے طبائع انسانی کے عین موافق ہیں اور جو نسبت انہیں طبائع انسانی سے ہے وہ حظوظ کی نسبت ہے حقوق کی نہیں ۔ اور قرآن تو اللہ کا کلام ہے اور اس کی نسبت حقوق کی نسبت ہے حظوظ کی نہیں ۔ شعروں اور قصیدوں کی نسبت بھی نسبت حظوظ ہے نسبت حقوق نہیں ۔ سماع کے سننے والے اگرچہ اپنے اپنے درجات اور خصوصیات میں مختلف ہیں پھر بھی اس سماع میں طبیعت سے موافقت ، نفس کیلئے حظ اور روح کیلئے ناز و نعمت پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس میں لطیف اشیاء سے اسی طرح مشابہت پائی جاتی ہے جس طرح عمدہ آواز اور عمدہ نغموں میں ۔ اسی طرح اشعار میں بھی دقیق معانی ، رقت ، فصاحت ، لطافت اور اشارات پائے جاتے ہیں ۔ لہذا جب ان آوازوں اور نغموں کو ان قصائد اور شعروں کے ساتھ ملا دیا جائے تو یہ موافق اور ہم جنس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے اور حظوظ بشری کے زیادہ قریب آجائیں گے اور انسان کے باطن اور دل کیلئے ان کا برداشت کرنا بھی آسان ہو جائے گا ۔ پھر اس میں خطرہ بھی کم ہوگا کیونکہ ایک مخلوق دوسری مخلوق سے مشابہت رکھتی ہے ۔

لہذا جن لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں قصائد کا سننا پسند کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ایک قابل احترام کتاب ہے اور اس کے سننے میں جو خطرہ پایا جاتا ہے وہ بھی معمولی نہیں کیونکہ قرآن کے ہم پر حقوق ہیں ۔ جب حقوق کے انوار اپنی شعاعوں کے ساتھ نفوس

پر چمکتے ہیں اور اپنے معانی کو ظاہر کرتے ہیں تو نفس ان حقوق کے ادا کرنے سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اپنی حرکات سے مردہ بن جاتا ہے اور اپنے حظوظ اور ناز و نعمت سے فنا ہو جاتا ہے لہذا یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک بشریت باقی ہے اور ہماری صفات اور حظوظ بھی ہمارے ساتھ بدستور قائم ہیں اور ہمارے ارواح (دلسوز) نغموں اور عمدہ آوازوں سے لذت یاب ہوتے ہیں تو ان حظوظ کو باقی اور قائم دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ ہمارا خوش ہونا کلام اللہ کے ساتھ خوش ہونے سے بہتر ہے۔ کیونکہ قرآن اللہ تعالی کی صفت اور کلام ہے جو اسی سے شروع ہوتا اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔

بعض لوگوں نے قرآن کو لے کے ساتھ پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک خاص قسم کے لے اور راگ کے ساتھ قرآن کا پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

(۵۰۰)ورتل القرآن ترتیلا
(قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو)

جن لوگوں نے قرآن کو لے اور راگ کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بشری طبائع قرآن کے سماع اور تلاوت سے بھاگتی ہیں کیونکہ قرآن ان پر اللہ کا ایک حق ہے۔ لہذا انہوں نے اپنی گھڑی ہوئی آوازوں کو اپنی تلاوت پر چسپاں کر دیا تاکہ اس طریقے سے وہ عام لوگوں کے طبائع کو قرآن سننے کی طرف مائل کر سکیں۔ اگر ان کے دل حاضر اوقات معمور، اسرار پاک اور نفوس مؤدب ہوتے اور طبائع بشری بھی پیچھے ہٹ گئی ہوتیں تو اس بات کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ و باللہ التوفیق۔

۷۔ باب

مریدوں اور مبتدیوں کے سماع کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابوعمرو عبدالواحد بن علوان کو رحبہ میں یعنی رحبہ مالک بن طوق میں یوں کہتے ہوئے سنا : ایک نوجوان جنید رحمہ اللہ کا مرید تھا۔ اس کی یہ حالت تھی کہ جب بھی نصیحت کی بات سنتا تو چیخ مارتا۔ ایک روز جنیدؒ رحمۃ اللہ نے اسے کہا : اگر تو نے پھر ایسا کیا تو تو میری صحبت میں نہ بیٹھ سکے گا۔

ابوعمرو کہتے ہیں کہ جب جنید کوئی بات علم کے متعلق بیان کرتے تو اس کا رنگ بدل جاتا مگر وہ اپنے نفس کو قابو میں رکھتا یہاں تک کہ اس کے بدن کے ہر بال سے پانی کا

قطرہ ٹپکنے لگ جاتا مجھے ابوعمرو نے بتایا کہ ایک دن ایسا ہوا کہ اس نے چیخ ماری اور پھٹ گیا اور جان (۵۰۱) دے دی ۔

میں نے ابوالحسن سیروانی کو جو خواص رحمہ اللہ کے مرید تھے دمیاط میں دیکھا ۔ وہ جنید سے روایت کرتے ہوئے بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے ایک شخص کو دیکھا جس نے سماع سنا اور اس کا جسم پھٹ گیا ۔ اور ایک شخص کو دیکھا جس نے قرآن سنا اور مر گیا ۔ یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

(ص۲۸٦)میں نے دقی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے دراج رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا : میں اور ابن الفوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دریائے دجلہ پر جا رہے تھے ۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک خوبصورت محل ہے ۔ اس کا ایک چبوترہ ہے جہاں ایک آدمی کے سامنے ایک لڑکی یہ شعر گا رہی ہے :

(۵۰۲)کل یوم تتلون غیـر هذا بک أجمل

فی سبیـل الله ود کان منـی لک یبذل

(تو ہر روز رنگ بدلتا رہتا ہے تیرے لئے تو کچھ اور ہی زیادہ مناسب تھا ۔ میں تو تجھ سے اللہ کی خاطر دوستی رکھتا ہوں)

وہ فرماتے ہیں : کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان ہاتھ میں چھاگل لئے اور گدڑی پہنے غور سے سن رہا ہے اس نے کہا : اری لڑکی ! تجھے اللہ کی قسم اور تیرے آقا کی زندگی کی قسم اس شعر کو پھر پڑھو ۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر وہ لڑکی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور یہ شعر پڑھنی گئی ۔

کل یوم تتلون غیـر هذا بک أجمل

اور نوجوان کہہ رہا تھا : خدا کی قسم ! اللہ کے ساتھ اپنی حالت کو بدلنے میں میری یہی کیفیت ہے ۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد اس نے چیخ ماری اور الحمد للہ کہا پھر دیکھا تو وہ مرا پڑا تھا ۔

ہم نے کہا : اب تو ہم پر فرض عائد ہوگیا ہے لہذا ہم ٹھہر گئے ۔ یہ دیکھ کر محل مالک نے لونڈی سے کہا : تمہیں اللہ کی خوشنودی کیلئے آزاد کرتا ہوں ۔ راوی کہتا ہے ۔

اس کے بعد اھل بصرہ نکل کر آئے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی ۔ جب اسے دفن کر چکے تو محل کے مالک نے اٹھ کر کہا : کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو ؟ میں فلاں بن فلاں ہوں ۔ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میری ملکیت کی ہر چیز اللہ کی راہ میں ہے ۔ میری تمام لونڈیاں آزاد ہیں اور یہ محل بھی اللہ کی راہ میں ہے ۔

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد اس نے اپنے کپڑے پھینک دئے اور ایک تہمد اور ایک چادر اوڑھی اور جدھر کا رخ کیا ادھر ہی نکل گیا اور لوگوں کے دیکھتے دیکھتے نگاہوں سے غائب ہو گیا اور لوگ رو رہے تھے اس کے بعد نہ کسی نے اسے دیکھا اور نہ کہیں اس کی خبر ملی ۔ میں نے اس سے بہتر دن نہیں دیکھا ۔ یا ۔ اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے جن کا مفہوم یہی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

شیخ فرماتے ہیں : میں نے وجیہی کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کو یوں کہتے سنا : میں مصر گیا دیکھا تو کچھ لوگ جمع ہو رہے تھے یا یوں فرمایا : کہ وہ صحرا سے واپس آرہے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا : ہم ایک شخص کا جنازہ پڑھ کر آ رہے ہیں جس نے کسی کو یوں یوں کہتے سنا :

(ص۲۸۷) (۵۰۳)کبـرت همة عبد طمعـت فی أن تراکا

(جس بندے نے تمہیں دیکھنے کی خواہش کی اس کی بہت بڑی همت ہے)
پھر اس نے چیخ ماری اور جان دے دی ۔

دقی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابوعبداللہ بن جلاء کو یوں کہتے سنا :
میں نے مغرب میں دو عجیب باتیں دیکھیں ۔ میں نے قیروان کی جامع مسجد میں ایک شخص کو صفوں کو چیرتے ہوئے دیکھا وہ لوگوں سے بھیک مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا : مجھے خیرات دو کیونکہ میں ایک صوفی تھا مگر پھر کمزور ہو گیا ۔

اور دوسری یہ کہ میں نے دوشیخوں کو دیکھا ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا زریق تھا ۔ ہر دو کے شاگرد و مرید تھے ۔ ایک روز زریق اپنے مریدوں کے ساتھ جبلہ کی زیارت کو آئے ۔ زریق کے مریدوں میں سے ایک نے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جسے سن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور جان دے دی ۔ دوسرے دن جبلہ نے زریق سے کہا : تمہارے جس مرید نے کل قرآن پڑھا تھا کہاں ہے زریق نے اسے بلایا اور اسے قرآن پڑھنے کو کہا اس نے قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جس پر جبلہ نے چیخ ماری جس سے قرآن پڑھنے والا وھیں مر گیا ۔ اس پر جبلہ نے کہا : ایک کے بدلے میں ایک اور ابتدا کرنے والا زیادہ ظالم ہے ۔ یا اسی قسم کے اور

الفاظ کہے جس کا یہ مفہوم ہے۔

محمد بن یعقوب نے جعفر مبرقع (برقعہ پوش) کی نسبت بیان کیا اور یہ جلیل القدر شیوخ میں سے تھے۔ کہ ایک جگہ جہاں سماع ہو رہا تھا انہوں نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا اور کھڑے یہ کہنے لگے کہ سماع ہم مریدوں کیلئے(۵۵۳) ضروری ہے۔

شیخ فرماتے ہیں : مرید کا سماع اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالی کے اسماء و صفات سے بخوبی واقف نہ ہوتا کہ وہ اللہ کی طرف وہ امور منسوب کرے جو اس کے لائق ہیں۔ نیز یہ کہ اس کا دل امور دنیا اور ستائش پسندی سے ملوث نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں لوگوں سے کسی قسم کا لالچ پایا جاتا ہو اور نہ مخلوق سے امید لگائے ہو ، دل کی نگہداشت کرتا ہو ، اس کی حدود کی حفاظت کرتا ہو اور اپنے وقت کا خیال رکھتا ہو۔ جب اس میں یہ صفات پائی جائیں تو اسے وہ چیزیں سننی چاھئیں جن میں توبہ کرنے والوں ، اللہ کا قصد کرنے والوں ، طالبوں ، اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں ، خشوع کرنے والوں اور خائف لوگوں کی صفات کا ذکر ہو۔ اور وہ ایسی باتیں سنے جو اسے معاملہ اور مجاھدہ کی ترغیب دیں۔ یہ نہ ہو کہ وہ ہر قسم کے اشعار سنتا رہے ، نہ ہی تکلف سے کام لے اور نہ ہی خوش طبعی اور لذت کی خاطر سنے تاکہ یہ کہیں اس کی عادت نہ بن جائے اور اسے عبادت اور دل کی نگہداشت سے باز نہ رکھے اگر اس میں یہ (ص۲۸۸)باتیں نہ پائی جائیں تو اسے سماع کو ترک کر دینا چاھئے۔ اور جہاں ایسے امور پائے جائیں وہاں جانے سے پرہیز کرنا اور دور رہنا چاھئے اور اسے ایسی ہی جگہوں میں سماع کیلئے جانا چاھئے جہاں ان امور کا ذکر ہو جو اسے معاملہ پر اکسائیں اور اللہ کے ذکر کی تجدید کریں ، اس کی تعریف بیان کریں۔ نیز ایسے امور ہوں جن میں اللہ کی رضا پائی جاتی ہو۔ اور اگر وہ مبتدی ہے اور اسے سماع کے شرائط کا علم نہیں تو اسے پھر ایسے شیخ کے پاس جانا چاھئے جو ان شرائط سے واقف ہو تاکہ یہ اس سے سیکھ سکے اور اس کا سماع لہو و لعب نہ بن سکے اور نہ وہ اللہ کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرے جس سے اللہ منزہ ہے ورنہ یہ شخص کافر ہو جائے گا اور اسے پتہ ہی نہ چلے گا۔ اسے (یہ بھی خیال رکھنا چاھئے) کہ اس کا نفس اور خواھشات اسے حظ نفس کی تابعداری کی دعوت نہ دیں اور نہ ہی اس کی خواھشات اور شیطان اسے یہ خیال دلائے کہ سماع حقوق میں سے ہے اگر ایسا خیال کرے گا تو تباہ ہو جائے گا۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

۸ ـ باب

سماع میں مشائخ کی کیفیت اور مشائخ سے یہاں مراد متوسط درجے کے عارف ہیں

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:میں نے وجیہی سے سنا اور وہ فرما رہے تھے کہ میں نے طیالسی رازی کو یوں کہتے سنا : میں ذوالنون رحمہ اللہ کے استاد اسرافیل رحمہ اللہ کے پاس گیا تو وہ بیٹھے ہوئے انگلی سے زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے اور دل ھی دل میں گنگنا رہے تھے ـ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کہا : کیا تو کوئی شعر اچھی طرح ادا کر سکتا ہے ؟ میں نے جواب دیا : نہیں ـ اس پر انہوں نے فرمایا : پھر تمہارے پاس دل ھی نہیں ہے ـ

میں نے ابوالحسن علی بن محمد (۵۰۵) صیرفی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے رویم رحمہ اللہ سے ان مشائخ کے متعلق سوال کیا جن سے ان کی ملاقات ہوئی اور پوچھا کہ ان کی سماع کے وقت کیا حالت ہوتی تھی ؟ رویم رحمہ اللہ نے جواب دیا : ان کی حالت سماع کے وقت بھیڑ بکریوں کے اس گلے کی طرح ہوتی تھی جس میں بھیڑئیے آگھسے ہوں ـ

شیخ فرماتے ہیں : میں نے قیس بن عمر حمصی کو یوں فرماتے سنا : ابوالقاسم نہاوندی رحمہ اللہ ہمارے ہاں آئے اور وہ ابوسعید خراز رحمہ اللہ کی صحبت میں رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی سالوں سے سماع ترک کر رکھا تھا ـ ایک دعوت میں وہ ہمارے ساتھ گئے جہاں ایک شخص اشعار کہہ رہا تھا ـ ان میں سے ایک شعر یہ ہے :

(ص۲۸۹) (۵۰۶)واقف فی المـاء عطشا ن ولـكن ليس يسقى

(وہ پانی میں پیاسا کھڑا ہے مگر اسے پانی نہیں دیا جاتا)

قیس کہتے ہیں : ہمارے ساتھی کھڑے ہوتے اور وجد کا اظہار کرتے رہے ـ جب خاموش ہوئے تو انہوں نے ہر ایک سے دریافت کیا کہ تجھے اس شعر میں کیا بات معلوم ہوئی ـ اکثریت نے یہی کہا کہ اس شعر میں احوال کی پیاس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے نیز یہ کہ بندے کو اس حال سے روک دیا گیا ہے جس کا وہ پیاسا ہے ـ مگر ان کی ان کے جوابات سے تشفی نہ ہوئی ـ لہذا ہم نے ان ھی سے سوال کیا اور کہا : جو کچھ آپ کے علم میں ہے اسے پیش کیجئے ـ اس پر فرمایا :

یہ بندہ احوال کے درمیان گھرا ہوا ہے اور اسے ہر طرح کی کرامت اور بزرگی حاصل ہے مگر اللہ تعالی اسے اس کے حال میں سے ذرہ بھر بھی عطا نہیں کرتا۔یا جو الفاظ بھی انہوں نے کہے ہوں۔ ہم نے اس کا مفہوم ادا کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے یحیی بن رضا علوی رحمہ اللہ کو بغداد میں یوں کہتے سنا اور انہوں نے یہ حکایت مجھے اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابوحلمان صوفی نے ایک آدمی کو جو پھیری والا تھا یہ الفاظ پکارتے ہوئے سنا : یاسعترا بری (جنگلی شاهترہ لے لو) یہ سن کر وہ گر پڑے اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے جواب دیا : میں نے اسے یوں کہتے سنا ہے اسع تری بری (کوشش کرکے دیکھ لو میرا احسان کیسا ہے)

شیخ فرماتے ہیں : وہ مشائخ جو اس کیفیت سے واقف ہیں اور جو اس قصہ کو سمجھتے ہیں فرماتے ہیں کہ جو حال سماع میں کسی سامع کا ہوتا ہے وہ اس کیفیت کے مطابق ہوتا ہے جو اس کے دل پر اپنے شغل ، وقت اور حضور قلب کی وجہ سے پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب بولنے والے کی آواز ابوحلمان رحمہ اللہ تک پہنچی تو انہوں نے اسے اپنے وقت اور شغل کے مطابق(۵۰۷) سنا۔

ہم نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل ، واللہ اعلم ، وہ حکایت ہے جو (۵۰۸)عتبۃ الغلام کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کو یوں کہتے سنا :

سبحان جبار السماء ان المحب لفی عناء

(خدای جبار السماء پاک ہے۔ بیشک عاشق رنج و غم میں ھی رهتا ہے)

یہ سن کر عتبہ نے کہا : تو سچ کہتا ہے۔ اور ایک اور شخص نے جب یہی سنا تو کہا : تو جھوٹا ہے اس پر ایک اور شخص نے جو اس قسم کی باتوں کو سمجھتا تھا کہا : دونوں نے ٹھیک کہا ہے۔ عتبہ نے اسے اس لئے سچا کہا کہ انہوں نے اپنی محبت میں تھکان محسوس کیا تھا اور دوسرے شخص نے جو اسے جھوٹا کہا تو اس لئے کہا کہ اس نے محبت میں راحت اور انس محسوس کیا تھا۔

احمد بن مقاتل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ذوالنون رحمہ اللہ بغداد آئے تو صوفیاء کی ایک جماعت (ص۲۹۰)ان کے پاس آئی۔ ان کے ساتھ ایک قوال بھی تھا۔ ان لوگوں نے ذوالنون رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ وہ قوال کو بول بولنے کی اجازت دیں۔ انہوں نے اجازت دے دی اور قوال نے یوں کہنا شروع کیا :

(۵۰۹)صغیر هواک عذبنی فکیف به اذااحتنکا

(تمہاری تھوڑی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ اگر یہ پورے طور سے مجھ پر قابو پا لے تو پھر میری کیا حالت ہوگی)

و أنت جمعت فی قلبی هوی قد کان مشترکا

(وہ محبت جو اوروں کے لئے بھی مشترک تھی تو نے اسے میرے دل میں اکٹھا کر دیا ہے)

أما ترثی لمکتئب اذا ضحک الخلی بکی

(کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جبکہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہنس رہے ہوتے ہیں)

احمد کہتے ہیں کہ یہ سن کر ذوالنون رحمہ اللہ کھڑے ہوگئے پھر منہ کے بل گر پڑے۔ اس کے بعد ایک اور شخص اٹھا تو ذوالنون رحمہ اللہ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی :

الذی یراک حین تقوم

(اس خدا کو یاد کرو جو) تمہیں کھڑا ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے)

احمد کہتے ہیں کہ یہ آیت سن کر وہ شخص بیٹھ گیا۔

شیخ فرماتے ہیں : ذوالنون رحمہ اللہ کے الذی یراک حین تقوم کہنے میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالی تجھے کھڑا ہوتے اور تکلف سے دوسرے شخص کے مزاحمت کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں لہذا ذوالنون نے اسے یہ بات جتا دی کہ جب تو کھڑا ہوا ہے تو اس میں تیرے خلاف اللہ کے سوا کوئی اور مدعی نہیں ہے اور اگر وہ شخص کھڑا ہونے میں سچا ہوتا تو آیت سن کر بیٹھ نہ جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشائخ اپنی معرفت کے زور سے اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کے احوال سے واقف ہوتے ہیں اور جب وہ اپنی حدود سے تجاوز کرنے لگیں اور دوسروں کے احوال کے مدعی بن بیٹھیں تو پھر مشائخ کیلئے ان سے درگزر کرنا مناسب نہیں۔

مروی ہے کہ ابوالحسین نوری رحمہ اللہ سماع کی مجلس میں گئے اور وہاں یہ شعر سنا :

ما زلت أنزل من ودادک منزلا تتحیر الألباب عند نزوله

(میں تمہاری محبت کی اس منزل میں اترتا رہا ہوں جہاں اترتے ہوئے لوگوں کی عقلیں حیران ہو جاتی ہیں)

کہتے ہیں کہ یہ سن کر نوری رحمہ اللہ نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا اور دیوانہ وار نکل گئے اور نَے کے ایسے جنگل میں جا گھسے جہاں نے تو کاٹ دئے گئے تھے مگر ان کی جڑیں ابھی تک تلوار کی طرح قائم تھیں ۔ یہ ان پر چلتے گئے اور صبح تک یہی شعر دہراتے رہے ۔ خون ان کے پاؤں سے بہتا رہا پھر ان کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں متورم ہو گئیں اس کے بعد چند دن زندہ رہے اور جان دے دی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسعید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :میں نے علی(۵۱۱)بن موفق کو دیکھا ہے اور وہ جلیل القدر مشائخ میں سے تھے ۔ وہ سماع کی مجلس میں گئے اور انہوں نے کچھ بول سنے ۔ پھر کہا : مجھے کھڑا کر دو : لوگوں نے انہیں کھڑا کر دیا تو وجد میں آئے ۔ وجد کی حالت میں کہنے لگے : میں تو ناچنے والا شیخ ہوں ۔

ابونصر فرماتے ہیں : اس کا مفہوم ، واللہ اعلم ، یہ ہے کہ یہ اپنے ہمنشینوں اور ساتھیوں سے اپنی حالت کو مخفی رکھنا چاہتے تھے ۔ اسی لئے أنا الشیخ الزفان (میں ناچنے والا شیخ ہوں) کہا ۔ ان کا یہ بھی حسن ادب (ص۲۹۱)تھا کہ بولتے رہے تاکہ اظہار سُکر اور ادھر ادھر جانے سے بچ سکیں کیونکہ یہ دونوں کیفیتیں مریدوں اور مبتدیوں کی ہیں ۔

کسی بھائی نے مجھ سے ذکر کیا کہ ابوالحسین دراج نے بیان کیا : میں یوسف بن حسین کی زیارت اور سلام کے لئے بغداد سے روانہ ہوا ۔ جب رے پہنچا تو لوگوں سے ان کے گھر کا پتا دریافت کیا ۔ جس کسی سے پوچھتا یہی کہتا : تو اس زندیق سے مل کر کیا کرے گا لوگوں نے مجھے اس قدر دل تنگ کر دیا کہ میں نے واپس چلے آنے کا ارادہ کر لیا ۔ میں نے رات ایک مسجد میں گزاری ۔ جب صبح ہوئی تو دل میں کہا : میں یہ تمام راستہ طے کرکر آیا ہوں ۔ کم از کم مجھے انہیں دیکھ تو لینا چاہئے ۔ میں دریافت کرتے کرتے ان کی مسجد تک پہنچ گیا ۔ جب ان کے پاس گیا تو وہ محراب میں بیٹھے تھے ۔ ان کے سامنے ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا اور وہ گود میں قرآن لئے اسے پڑھ رہے تھے ۔ دیکھا تو ان کا خوبصورت چہرہ اور خوبصورت داڑھی ہے میں نے قریب جا کر سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا ؛ پھر میں ان کے سامنے بیٹھ گیا ۔ انہوں نے میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا : کہاں سے آئے ہو ۔ میں نے کہا : بغداد سے ۔ پھر سوال کیا : کس لئے آئے ہو میں نے جواب دیا : آپ کے سلام کیلئے حاضر ہوا ہوں ۔ انہوں نے کہا : فرض کرو کہ اگر کوئی یہاں کا باشندہ اس ملک کے اندر

تمہیں یہ کہتا کہ ہمارے ہاں قیام کرو میں تمہیں گھر اور لونڈی خرید دونگا ۔ یا کوئی اور الفاظ کہے ۔ تو کیا یہ بات تمہیں یہاں آنے سے روک سکتی تھی ۔ دراج کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا :اللہ نے مجھے اس آزمائش میں نہیں ڈالا ۔ اگر ڈالا ہوتا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ میری کیا حالت ہوتی ۔ اس کے بعد کہنے لگے کیا تو کوئی بول اچھی طرح ادا کر سکتا ہے ؟ میں نے کہا : ہاں ۔ انہوں نے کہا : پیش کرو ۔ اس پر میں نے یوں کہنا شروع کیا ۔

رأیتک تبنی دائباً فی قطیعتی ۔۔۔ و لو کنت ذا حزم لهدمت ما تبنی

(میں دیکھ رہا ہوں کہ تو مجھ سے تعلقات توڑنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اگر تو دانشمند ہوتا تو اس بنیاد کو گرا دیتا)

کأنی بکم واللیت أفضل قولکم ۔۔۔ أ لا لیتنا کنا اذااللیت لا تغنی

(میں تمہیں دیکھ رہا ہوں ۔ اور تمہارا بہترین قول "لیت" کہنا ہے ۔ کاش ہم ایسی حالت میں ہوتے ۔ جبکہ اب "لیت" کہنا بے سود ہے)

دراج کہتے ہیں : یہ اشعار سن کر انہوں نے قرآن بند کر دیا اور رونے لگ گئے تاآنکہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہوگئے اور (میری یہ حالت ہوئی کہ)مجھے ان کے رونے پر رحم آنے لگا ۔ اس کے بعد مجھے کہا : بیٹا ! کیا تو اہل رے کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں : یوسف زندیق ہے ۔ میں صبح کی نماز سے لے کر اس وقت تک قرآن پڑھتا رہا ہوں مگر میری آنکھ سے ایک قطرہ نہیں ٹپکا لیکن ان دونوں شعروں نے مجھ پر قیامت بپا کر دی ہے ۔

(ص۲۹۲)شیخ فرماتے ہیں : جب شبلی رحمہ اللہ یہ شعر سنا کرتے تو وجد میں آتے :

ودادکم هجر و حبکم قلی ۔۔۔ و وصلکم صرم و سلمکم حرب

(تمہاری دوستی ہجراں ، محبت دشمنی ، وصل قطع تعلق اور صلح جنگ ہے)

ایک بار دقی رحمہ اللہ آدھی رات تک کھڑے ہو کر ادھر ادھر پاؤں چلاتے اور سر کے بل گرتے رہے اور پھر کھڑے ہو جاتے ؛ لوگ رو رہے تھے اور قوال یہ شعر پڑھ رہے تھے

باللہ فاردد فؤاد مکتئب ۔۔۔ لیس له من حبیبه خلف

(تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اس غمزدہ کا دل واپس کر دو جس کے محبوب کا

کوئی بدل نہیں ہو سکتا اس قسم کے واقعات تو بہت ہیں)

اور یہ بات عقلمند انسان سے مخفی نہیں بشرطیکہ وہ ان کے مقاصد اور سماع کے بارے میں ان کے مختلف مشربوں اور جگہوں پر غور کرے ۔ اور جو تھوڑا سا بیان میں نے دیا ہے اگر وہ اسے غور سے پڑھ لے تو وہ سمجھ جائے گا کہ اس سے میری کیا مراد ہے۔ ان شاء اللہ تعالی ۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

۹ ۔ باب

سماع کی حالت میں خاص الخاص اور اہل کمال کی کیا حالت ہوتی ہے

شیخ فرماتے ہیں : میں نے ابو الحسن احمد بن محمد کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو یوں کہتے سنا : میں نے سہل بن عبداللہ کی ساٹھ سال خدمت کی مگر اس عرصہ میں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان میں ذکر اور قرآن یا کسی اور چیز کے سننے سے کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو ۔ مگر جب آخر عمر کو پہنچے تو ایک شخص نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی :

(۵۱۲)فالیوم لا یؤخذ منکم فدیة

(آج تم سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہ ہوگا)

تو میں نے دیکھا کہ وہ لرزنے(۵۱۳)لگے اور قریب تھے کہ گر پڑتے جب ہوش میں آئے تو میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو جواب دیا : اے دوست ! ٹھیک ہے ہم کمزور ہو گئے ہیں ۔

ابن سالم نے اپنے باپ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے سہل رحمہ اللہ کو ایک اور بار دیکھا اس وقت میں ان کے سامنے آگ سینک رہا تھا کہ انکے ایک شاگرد نے سورۃ الفرقان پڑھی جب اس آیت پر پہنچا (۵۱۴)

الملک یومئذ الحق للرحمن

(اسی روز حکومت حقیقی معنوں میں اللہ کی ہوگی)

تو بیقرار ہو گئے اور قریب تھے کہ گر پڑیں ۔ ابن سالم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا کیونکہ اس سے قبل میں نے انہیں کبھی ایسا کرتے نہ دیکھا تھا ۔ انہوں نے جواب دیا : میں کمزور ہو گیا ہوں۔

میں نے ابن سالم کو کہتے سنا کہ میں نے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے کچھ اسی قسم کے الفاظ کہے تھے جس کا یہ مفہوم ہے۔ واللہ اعلم کہ یہ بات جو آپ نے کہی ہے کہ میں کمزور ہو گیا ہوں کیا اس سے یہی مراد ہے کہ سماع سے آپ میں تغیر اور اضطراب واقع ہوا ہے۔ (آپ بتائیں کہ) حال کس طرح قوی ہوتا ہے انہوں نے فرمایا : حال کے قوی ہونے ہوئے جو چیز بھی وارد ہو اسے صوفی اپنے حال کی قوت کی وجہ سے نگل جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں واردات کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں کر سکتے خواہ یہ واردات کس قدر قوی کیوں نہ ہوں۔

شیخ فرماتے ہیں : اس بیان کی علم میں اصل و بنیاد پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جو قرآن پڑھتے ہوئے رو رہا تھا کہا : ہمارا بھی یہی حال ہوا کرتا تھا یہاں تک کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ (دل) مضبوط اور ثابت قدم ہو گئے۔

لہذا جب صوفی پر سماع کی ضرب لگے گی تو اس میں تغیر پیدا نہ ہوگا کیونکہ صوفی کی حالت سماع سے پہلے بھی اور بعد بھی یکساں ہوتی ہے۔

اسکا ایک مطلب اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا:میری حالت نماز کے اندر اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے ایک جیسی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نماز میں داخل ہونے سے پہلے اپنے دل کی نگہداشت کرتے ہیں اور اپنے دل میں اللہ تعالی کا دھیان رکھتے ہیں اس کے بعد وہ حضور قلب اور دل جمعی کے ساتھ نماز کیلئے کھڑے ہوتے ہیں لہذا جب نماز میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نماز سے پہلے تھی۔ لہذا نماز سے پہلے اور نماز کے اندر ان کی ایک جیسی حالت ہوئی۔ علی ھذا القیاس سماع کے اندر اور سماع سے پہلے ان کی ایک جیسی حالت ہوتی ہے۔ اس طرح ان کا سماع اور وجد دونوں مسلسل اور دائمی ہوئے۔ ان کا گھاٹ بھی دائمی اور پیاس بھی دائمی ہوئی اور جس قدر ان کا گھاٹ بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ان کی پیاس بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح جس قدر ان کی پیاس بڑھتی ہے اسی قدر ان کا گھاٹ بڑھتا ہے۔ یعنی یہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

میں نے احمد بن علی الکرجی المعروف بوجیہی کو کہتے سنا : صوفیاء میں سے کچھ لوگ حسن قزاز کے گھر میں جمع تھے اور وہاں قوال قوالی کر رہے تھے اور انہیں وجد آ

رہا تھا ۔ اسی حالت میں ممشاد رحمہ اللہ آ نکلے ۔ انہیں دیکھ کر سب کے سب ٹھٹھر گئے ۔ ممشاد رحمہ اللہ نے کہا : تم کیوں ٹھٹھر گئے ہو ۔ اپنی حالت (ص۲۹۳)کو جاری رکھو ۔ اگر دنیا بھر کی تمام لہو و لعب کی باتیں میرے کان میں جمع کر دی جائیں تب بھی وہ میرے ارادوں کو اپنی طرف مشغول نہیں کر سکتیں اور نہ ہی مجھے ان سے ذرہ بھر بھی تشفی ہو سکتی ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : سماع کی حالت میں یہ بھی اہل کمال کی ایک صفت ہے کہ ان میں سے کسی ٹھکورنے والے اور وارد ہونے والے کیلئے کوئی چیز باقی ہی نہیں رہی ہوتی (کہ ان پر اثر انداز ہو سکے) اور نہ ہی ان کی طبائع ، نفس اور بشریت کی کوئی حس باقی رہی ہوتی ہے جو تبدیل نہ ہو چکی ہو یا مہذب نہ بن چکی ہے ۔ لہذا ان کے نفوس نغموں سے حظ حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی عمدہ آوازوں سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور نہ ان سے خوش ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کے ارادے ایک ہی ذات کی طرف لگے ہوتے ہیں ، ان کے اسرار پاک ہوتے ہیں اور ان کی صفات کو حواس کی نہ کدورت لا حق ہوتی ہے ، نہ نفس کی تاریکیاں ، نہ بشریت کے تغیرات اور نہ انسانی تقابل ۔ یہ اللہ کا فضل ہے ۔ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے ۔

مجھے ابوالقاسم جنید رحمہ اللہ کی نسبت بتایا گیا ہے کہ کسی نے ان سے کہا : آپ قصائد سنا کرتے تھے اور اپنے مریدوں کے ساتھ سماع میں حاضر ہوا کرتے تھے اور حرکت کیا کرتے تھے مگر اب آپ اسی طرح ساکن و غیر متحرک رہتے ہیں ۔ اس کے جواب میں جنید رحمہ اللہ نے یہ آیت پڑھی :

و تری الجبال تحسبها جامدة و هی تمر مرالسحاب صنع الله الذی أتقن کل شیء

(تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ یہ ساکن ہیں حالانکہ یہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں یہ اس خدا کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اشارہ واللہ اعلم ۔ اس بات کی طرف ہے کہ تم میرے اعضاء کے ساکن رہنے اور میرے ظاہری بدن کے سکون کو دیکھ رہے ہو مگر تمہیں یہ معلوم نہیں کہ میں اپنی دلی کیفیت کے ساتھ کہاں ہو ۔

سماع میں یہ بھی ایک اہل کمال کی صفت ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ لوگ بسا اوقات ایسی جگہوں میں جاتے ہیں جہاں سماع ہو رہا ہو اور اس میں ان کے مختلف احوال اور مختلف وجہیں ہوتی ہیں ۔ چنانچہ

یہ کبھی تو اس لئے ان کے ساتھ چلے جاتے ہیں تاکہ اپنے کسی بھائی کا ساتھ دیں اور کبھی اپنے علم اور ثابت قدمی اور اپنی عقلوں کے بڑا ہونے کی وجہ سے وہاں جاتے ہیں تاکہ اوروں کو شرائط اور آداب سماع کے فوائد و نقصان بتا دیں ۔ اور کبھی غیر جنس کے لوگوں کے ساتھ وسعت اخلاق اور بردباری کی وجہ سے چلے جاتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ان سے جدا اور اپنے باطن کی وجہ سے ان سے علیحدہ ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر ان کے ہمنشین ہوتے ہیں ۔

۱۰ ۔ باب

ذکر وعظ و نصیحت اور حکمت وغیرہ کے سماع کے بارے میں

شیخ فرماتے ہیں : میں نے ابوبکر محمد بن داؤد دینوری الدقی کو سنا وہ فرما رہے تھے میں نے ابوبکر زقاق کو سنا اور وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید رحمہ اللہ سے توحید کا ایک نکتہ سنا جس نے مجھے چالیس سال تک سرگردان رکھا اور میں اب تک اسی بھنور میں پھنسا ہوا ہوں ۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک خراسانی جنید رحمہ اللہ کے پاس آیا ۔ اس وقت ان کے پاس کچھ مشائخ بھی موجود تھے ۔ خراسانی نے سوال کیا : اے ابوالقاسم ! کسی بندے کے نزدیک اس کی مدح کرنے والا اور اس کی خدمت کرنے والا کب یکساں ہوتے ہیں ۔
ان مشائخ میں سے ایک نے کہا : جب وہ پاگل خانے میں پہنچا دیا گیا ہو اور اس کے دونوں پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہوں ۔

یہ جواب سن کر جنید رحمہ اللہ بولے : یہ تمہارا کام نہیں تھا (کہ تم اس کا جواب دیتے) اور پھر خراسانی کی طرف متوجہ ہو کر کہا : اے دوست ! جب بندے کو معلوم ہو جائے اور پختہ یقین ہو جائے کہ وہ (اللہ کی) مخلوق ہے ۔

یہ جواب سن کر اس خراسانی نے چیخ ماری اور نکل گیا ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حکمت اللہ کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے جس کے ذریعے اللہ اپنے اولیاء کے دلوں کو تقویت دیتا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ جب کوئی بات دل سے نکلتی ہے تو دوسروں کے دل پر اس کا اثر ہوتا

ہے۔ اور اگر محض زبان سے نکلی ہو تو کانوں سے آگے نہیں جاتی۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس قسم کے واقعات بہت ہیں مثلا یہ کہ کسی نے کوئی لفظ سنا ۔ یا کوئی نصیحت کی بات سنی یا حکمت کی اچھی بات سنی اور اسے پسند آگئی اور اسی نے اس کے باطن کو وجد سے بھڑکایا یا اس کے دل میں جلن پیدا کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ جس شخص کی نگاہ تجھے اس کے لفظ سے بے رغبت نہ کر دے اس کا وعظ تجھے اس کے الفاظ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔

ابوعثمانؒ فرماتے ہیں : ایک ہزار انسانوں میں سے صرف ایک دانشمند کا فعل زیادہ مفید ہوتا ہے بمقابلہ اس کے کہ ایک آدمی کو ایک ہزار آدمی نصیحت کریں۔

یہ کیفیتیں وہ کیفیتیں ہیں جو دلوں کو ان کی صفائی کی بدولت اتفاقیہ طور پر اس وقت حاصل ہوتی ہیں جب غیب سے کوئی وارد ہونے والی چیز مثلا یہ کہ کوئی بات سننے میں آئے یا دیکھنے میں آئے ۔ ان کے کانوں میں پڑے چنانچہ جب دونوں میں موافقت پائی جاتی ہے تو یہ کیفیت (ص۲۹٦)قوی ہو جاتی ہے اور جب دونوں میں اختلاف ہو یا ایک دوسرے کی ضد ہوں تو کمزور پڑ جاتی ہے مگر اہل استقامت ، اہل صدق اور اہل کمال کے ساتھ یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس مقام سے آگے نکل چکے ہوتے ہیں اور اس قسم کا امتیاز ان کے ہاں نہیں رہتا لہذا ان میں تغیر پیدا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بول سننے سے ان کے اذکار کی تجدید ہو جاتی ہے اور ان کے مشاہدات آہستہ آہستہ صاف ہونے لگتے ہیں اور یہی ان کی صفائی میں اضافہ ہے جو حکمت کے سننے اور عجیب و غریب حکمت کی باتوں کی طرف کان لگانے سے تازہ ہو جاتی ہے۔

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو کچھ سنتے ہیں مثلا قرآن یا قصائد یا ذکر یا کوئی اور چیز مثلا طرح طرح کی حکمت کی باتیں ان سے ان کا مقصد عمدہ نغمہ ، یا عمدہ آواز ، یا مزہ لینا یا لذت حاصل کرنا نہیں ہوتا اس لئے کہ رقت ، پہچان اور وجد تو ان کے اندر اس وقت بھی چھپے ہوتے ہیں جب نہ کوئی آواز ہوتی ہے اور نہ نغمہ اور جب آواز اور نغمہ سنتے ہیں تو اس وقت سکون و وقار ان کے اندر چھپا ہوتا ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ان تمام مسموع چیزوں سے صرف وہ چیز ہوتی ہے جو ان کے دل پر وارد ہو اور وہ اسی قسم کی ہو جس قسم کا وجد اور ذکر ان کے دلوں کے اندر موجود ہے لہذا ہم جنس ہونے کی وجہ سے وجد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱ ۔ سماع کے بارے میں ایک اور باب

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سماع کی بنیاد اور مقصد کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ دیکھا جائے کہ جو کچھ سننے والے سنتے ہیں ان کا اس سے کیا مقصد ہے ۔ نیز اس بات پر ہے ۔ کہ سماع ان کے باطن سے کس حد تک موافقت رکھتا ہے اور یہ کہ ان پر ،،وقت،، کس قسم کا ہے اور ان کے دلوں پر کون سا حال غالب ہے لہذا اس ،،وقت،، کے اندر اگر وہ ایسی بات سنیں جو ان کے وقت کے عین موافق ہو تو اس سے ان کے باطن کی پوشیدہ حالت، اور وہ کیفیت جو ان کے ضمیر کے اندر ہوتی ہے قوت پکڑ لیتی ہے لہذا وہ وجد کی حالت میں بولیں گے اور اپنے ارادے اور صدق کے مطابق اشارہ بھی کریں گے نیز اس حالت کی طرف اشارہ کریں گے جو ان کے ،،حال،، کے مناسب ہو اور ان کے دل میں یہ خیال نہیں آئے گا کہ شاعر کی شعر کہنے سے کیا مراد ہے اور نہ اس بات کی طرف کہ بول والے کا اس بول میں کیا مقصد ہے علی ہذا القیاس جب کوئی قاری قرآن کو غفلت سے پڑھ رہا ہو اور یہ بیداری سے اسے سن رہے ہوں (ص۲۹۷)تو اس سے یہ حیرت زدہ نہیں ہوتے اور جب یہ خود دل جمعی سے سن رہے ہوں تو ذاکر کی پریشان خیالی انہیں وحشت زدہ نہیں کر سکتی ۔ پھر کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دونوں حالتیں متفق ہوتی ہیں اور دونوں وقت ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور دونوں کا ارادہ بھی ایک جیسا ہوتا ہے لہٰذا انکاری زیادہ قوی ، ،،وقت،، زیادہ صاف اور عوارض زیادہ مخفی ہوتے ہیں ۔ اور جب عنایت الہی ان کے شامل حال ہو اور توفیق ایزدی ان کا ساتھ دے تو یہ لوگ ہر حال میں لغزشوں سے محفوظ اور بیماریوں سے مبرا ہوتے ہیں ۔ اس کی تشریح ان حکایات میں پائی جاتی ہے جن کا میں ابھی ذکر کروں گا ۔ ان شا اللہ ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن مسروق بغدادی اپنے ایام جاہلیت میں ایک رات نشے کی حالت میں باہر نکلے اور وہ شعر گنگنا رہے تھے :

بطیـز نابـاذ کرم ما مررت بہ   الا تعجبـت ممـن یشـرب الماءا

طیز ناباذ میں انگور کی ایک بیل ہے جب کبھی میں اس کے پاس سے گذرتا ہوں تو مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو پانی پیتے ہیں ۔

مسروق کہتے ہیں کہ میں نے ایک کہنے والے کو یوں کہتے سنا :

و فی جھنـم ماء ما تجرعہ   حلـق فأبقـی لہ فی الجـوف أمعاءا

اور جھنم میں ایسا پانی ہے اگر کوئی حلق اس کا گھونٹ بھر لے تو یہ پانی اس کے پیٹ میں کوئی انتڑی نہیں چھوڑے گا وہ کہتے ہیں کہ یہی شعر میری توبہ اور علم و عبادت میں مشغول ہونے کا سبب بنا۔ یا اسی قسم کے کوئی اور الفاظ کہے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب عنایت الٰہی نے اسے آلیا تو حق کے آنے سے وہ باطل جو اس کے اندر تھا فنا ہو گیا۔ اور جب توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ دیا اور اللہ کی نگہبانی اس کے شامل حال ہوئی تو یہی باطل ان کی نجات کا سبب بنا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالحسن بن رزعان نے بیان کیا کہ میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بصرہ میں باغات کے درمیان جا رہا تھا کہ کسی کو طنبور بجاتے سنا اور وہ یہ شعر کہہ رہا تھا:

یا صباح الوجوہ ما تنصفونا طول ذاالدھر کلکم تظلمونا

کان فی واجب الحقوق علیکم اذ بلینا بحبکم تنصفونا

(اے خوبرو لوگو! تم ہم سے انصاف نہیں کرتے تم مدت دراز سے ہم پر ظلم کر رہے ہو تم پر ہمارا یہ حق واجب تھا کہ جب ہم تمہاری محبت میں مبتلا ہو چکے ہیں تو تم ہم سے انصاف کرو)

وہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار سن کر میرے ساتھی نے چیخ ماری اور کہا اگر تو نے یوں کیا ہوتا تو کوئی حرج نہ تھا:

یا صباح الوجوہ سوف تموتو ن و نبلی خدودکم والعیونا

و تصیرون بعد ذلک رسما فاعلموا ذاک ان ذاک یقینا

(اے خوبرو لوگو! تم عنقریب مر جاؤ گے اور تمہارے رخسارے اور آنکھیں بوسیدہ ہو جائیں گی۔ اس کے بعد تمہارا محض نشان رہ جائے گا۔ یہ بات جان لو کیونکہ یہ ایک امر یقینی ہے)

آپ نے دیکھ لیا کہ اس شخص نے اسے اس کے وقت کے مطابق جواب دیا اور ما فی الضمیر کا اظہار کیا ہے اور کہنے والے کی بری مراد نے اسے غضب آلود نہیں کیا کیونکہ اس وقت اس پر حقائق کا غلبہ تھا اور وہ اپنے وجد سے بھرپور تھا۔

اسی سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ کسی نے شبلی رحمہ اللہ سے اس آیت کے معنی دریافت کئے ۔

(۵۱۵)و مکروا و مکراللہ واللہ خیر الماکرین

(انہوں نے چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے)

سوال کرنے والے نے کہا : ان کے "مکر" کی جگہ تو مجھے معلوم ہے اللہ نے جو "مکر" ان سے کیا اس کی کونسی جگہ ہے شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا : اللہ تعالی کا انہیں اسی امر میں چھوڑے رکھنا جس میں وہ لگے ہوئے تھے اگر اللہ ان کی حالت بدلنا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا ۔

شیخ فرماتے ہیں کہ شبلی رحمہ اللہ اپنی فراست سے سمجھ گئے کہ اس جواب سے سائل کی تشفی نہیں ہوئی لہذا انہوں نے (فوراً) کہا : کیا تو نے فلاں طنبرانی عورت کو اس بارے میں یوں کہتے نہیں سنا :

و یقبح من سواک الفعل عندی　　و تفعلہ فیحسن منک ذاکا

(ایک ہی کام اگر کوئی اور کرے تو مجھے برا معلوم ہوتا ہے مگر اگر تم وہی کام کرو تو اچھا لگتا ہے)

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ذرا غور کریں کہاں شبلی رحمہ اللہ کا اشارہ اور کہاں اس عورت کی مراد یہ تمام امور اس مقولے کے اندر آجاتے ہیں الحکمة ضالة المؤمن (دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے) اور سوال کرنے والے ابوعبداللہ بن خفیف رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم ۔

۱۲ ۔ باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے سماع کو ناپسند کیا ہے نیز ان لوگوں کا جنہوں نے ان جگہوں میں جانا ناپسند کیا ہے جہاں قرآن الحان کے ساتھ پڑھا جاتا ہو اور جہاں قصائد پڑھے جاتے ہوں اور لوگ وجد و رقص میں آتے ہوں

اسے مختلف جہتوں سے ناپسند کیا گیا ہے چنانچہ بعض لوگ ان روایات کی بنا

بر اسے مکروہ جانتے ہیں جو بعض متقدم اماموں ، علماء اور تابعین سے منقول ہیں لہذا ان بزرگوں کی اقتدا کرتے ہوئے ان لوگوں نے اسے ناپسند کیا ہے کیونکہ یہی لوگ احکام دین میں مقتدا سمجھے جاتے ہیں اور اپنے اپنے زمانے میں مسلمانوں میں ان ہی کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔

بعض لوگوں نے سماع کو مریدوں ، ارادتمندوں اور توبہ کرنے والوں کیلئے ناپسند کیا ہے کیونکہ اگر (ص۲۹۹)یہ اس سے لذت محسوس کریں اورحظ نفس کے پیچھے لگ جائیں‌تو اسمیں ان کیلئے عظیم خطرہ پایا جاتا ہے اس سے انکےعہد و پیمان ٹوٹ جائیں گے ارادے فسخ ہو جائیں گے ، خواھشات کی طرف جھک جائیں گے فتنے میں پڑ جائیں گے اور مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے ۔

ایک اور گروہ نے بھی اسے ناپسند کیا ہے۔ ان لوگوں کے خیال میں جو شخص ان رباعیات کو سننے کے درپے ہوتا اس کی صرف دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جو لہو و لعب کرتے ہیں ، ھنسی مذاق کرنے والے اور اہل فتنہ میں سے ہیں یا ان لوگوں میں سے ہیں جو احوال شریفہ تک پہنچ چکے اور پسندید مقامات پا چکے ہیں اور ریاضت اور مجاھدہ سے انہوں نے اپنے نفسوں کو مار ڈالا اور دنیا کو پس پشت ڈال رکھا ہوتا ہے اور ہر بات میں بس اللہ ہی کے ہو لئے ہوتے ہیں ۔

لہذا (سماع کو ناپسند کرنے والے) کہتے ہیں : ہم نہ تو اس دوسری قسم میں سے ہیں اور نہ پہلی قسم کے لوگوں میں سے لہذا ہمارا سماع میں مشغول بے معنی قرار پایا ۔ اور ہمارے لئے اس کا ترک کرنا ہی زیادہ مناسب ہوا ۔ اللہ کی تابعداری ، فرائض کو ادا کرنا اور حرام کردہ امور سے اجتناب کرنا ہمیں اس طرف آنے ہی نہیں دیتا ۔

شیخ فرماتے ہیں : میں نے احمد بن علی وجیہی کو سنا وہ فرماتے ہیں میں نے ابوعلی رودباری کو یوں فرماتے سنا : سماع کے سلسلے میں ہم ایسے مقام پر پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی مانند ہے اگر ذرہ بھر بھی ادھر کو جھکے تو دوزخ میں گئے ۔

شیخ فرماتے ہیں : جعفر خلدی رحمہ اللہ نے دوران تعلیم مجھے بتایا کہ انہوں نے کہا: تمہارے مریدوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قصائد پڑھتے ہیں ۔ میں نے کہا : ہاں (بات تو اسی طرح تھا ۔

انہوں نے پھر کہا : وہ تو کہتے ہیں : عاشق ہے جو عشق کی وجہ سے ادھ موا ہو رہا ہے ۔

جو کیفیت عشق کی وجہ سے میری ہو رہی ہے اگر اسے بیان کرنے لگوں تو میں بھی

اشعار کہہ سکتا ہوں۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان کے پاس اس قسم کے بہت سے اشعار تھے مگر وہ انہیں چھپا کر رکھتے تھے ان کا بھروسا اور اعتماد خوف پر تھا۔

ایک گروہ نے سماع کو اس لئے ناپسند کیا کہ عام لوگ سماع سے متعلق صوفیاء کے مقاصد سے ناواقف ہوتے ہیں اور گاہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ صحیح طور سے صوفیاء کے مقاصد کو سمجھ نہیں سکتے لہذا لغزش کھا جاتے ہیں اور بھسل جاتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں نے عوام پر مہربانی کرتے ہوئے اسے ناپسند کیا اور خواص کو بچانے کی غرض سے اسے مکروہ جانا اور وقت پر غیرت کھاتے ہوئے اسے اچھا نہ جانا کیونکہ :گیا وقت پھر ھاتھ آتا نہیں۔

ایک اور گروہ نے اسے اس لئے ناپسند کیا کہ نہ تو اس (محفل کے) بھائی بند رہے، نہ ہم جنس، نہ ساتھی اور نہ وہ لوگ جو سماع کی اہلیت رکھتے تھے۔ نیز اس لئے کہ انہیں غیر جنس کے لوگوں سے اختلاط کرنا پڑا، مخالفوں کا ہم نشین بننا پڑا اور دشمنوں سے میل جول رکھنا پڑا لہذا انہوں (ص۳۰۰)نے سلامتی چاھتے ہوئے اسے ترک کر دیا کیونکہ یہ لوگ اپنی حالت کی طرف توجہ دینا چاھتے ہیں اور اہل زمانہ کو پہچانتے بھی ہیں۔

ایک اور گروہ نے اسے اس لئے ناپسند کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا :

کسی انسان کیلئے اچھا مسلمان ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ ان امور کو ترک کر دیتا ہے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

لہذا یہ لوگ کہتے ہیں : سماع سے ہمیں کوئی سروکار نہیں اس لئے کہ یہ نہ تو اوامر میں سے ہے اور نہ ہی قبر کیلئے زاد راہ بن سکتا ہے اور نہ ہی یہ ایسی چیز ہے جو آخرت میں نجات کا سبب بن سکے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اسے ناپسند کیا :

ایک گروہ جو اہل معرفت کا ہے کہتا ہے کہ انہوں نے اسے اس لئے ناپسند کیا کہ ان کے احوال مستقیم، اوقات معمور، اذکار صاف، اسرار پاک اور دل حاضر تھے اور ان کے ارادوں میں دل جمعی پائی جاتی تھی۔ ان کے دل پر جو خیال بھی گزرتا ہے اور جو پیش آنے والی بات ان کے افکار میں چلتی ہے انہیں اس کی خبر ہوتی ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے آئی ہے اور کہاں جا کر نکلے گی۔ ان ظاہری کانوں میں کسی ٹکرانے والی چیز کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے باطنی کان آنے والے خیالات کا مقابلہ کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ مسلسل مناجات، لطیف اشاروں، مخفی

عتابوں ، ایک دوسرے سے خطاب اور دوسرے سے سوال جواب میں مصروف رہتے ہیں ۔ اسی وجہ سے ان کا ہمنشین انہیں اجنبی سمجھتا ہے اور ان کا انیس انہیں پہچان نہیں سکتا ۔ الغرض یہ کہ اپنے باطن کے اعتبار سے یہ لوگ اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ اور یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہے دے ۔

سردست میرے ذہن میں سماع کے متعلق یہی کچھ تھا ۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

****

کتاب الوجد

۱ ـ باب

وجد کی ماہیت کے بارے میں ان کے اختلاف کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وجد کی ماہیت کے متعلق اہل تصوف میں اختلاف پایا جاتا ہے

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وجد کی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ یقین (ص۳۰۱)رکھنے والے مومنوں کے پاس اللہ کا ایک راز ہوتا ہے ـ

جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : وجد کسی کے پالینے کو کہتے ہیں ـ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۱۶)و وجدوا ما عملوا حاضراً

(انہوں نے جو عمل کئے تھے انہیں موجود پایا)

یعنی «پالیا»

اور فرمایا :

(۵۱۷)(و ما تقدموا لأنفسکم من خیر تجدوه عند اللہ

(تم اپنی ذات کیلئے جو اعمال آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پا لو گے)

یعنی «پا لو گے»

اور فرمایا : (۵۱۸)حتی اذا جاءه لم یجده شیئاً» ـ

(یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے اسے کچھ بھی نہ پایا)

ہر وہ چیز جسے دل پالے ، خواہ غم ہو خواہ خوشی ، «وجد» ہے

اللہ تعالی نے ہمیں دلوں کے متعلق بتایا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں ـ یہی ان کا «وجد» ہے چنانچہ فرمایا :

(۵۱۹)فانها لا تعمی الأبصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور

(کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

یعنی یہ کہ وہ "وجد" کے اعتبار سے اندھے ہوتے ہیں ۔ اللہ نے صاحب وجد اور غیر صاحب وجد دل میں فرق بیان کر دیا ہے ۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ "وجد" حق تعالی کی طرف سے مکاشفات کا نام ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ساکن ہوتا ہے پھر حرکت کرنے لگ جاتا ہے ، آہ و زاری کرتا ہے اور چیختا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص میں زیادہ قوت ہو وہ وجد کی حالت میں بھی ساکن رہے اور اس سے اس قسم کی کسی چیز کا اظہار نہ ہو ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۲۰)الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم

(یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں)

مشائخ متقدمین میں سے کسی کا قول ہے :وجد کی دو قسمیں ہیں وجد ملک اور وجد ملاقات ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں ۔

(۵۲۱)فمن لم یجد (جس کے پاس یہ نہ ہو)

مراد یہ ہے کہ جس کی ملک میں اس قدر (مال نہ ہو)

اور اللہ تعالی کا یہ قول : و وجدوا ما عملوا حاضراً

یعنی ان کی ملاقات ہوئی

ایک صوفی کا قول ہے : ہر وہ وجد جو تم پر طاری ہو کر تم پر قابو پانے وجد ملک کہلاتا ہے ۔ اور ہر وہ وجد جسے تو خود پانے وجد ملاقات ہے ، تو اپنے دل سے ایک چیز سے ملاقات کرتا ہے مگر یہ کیفیت قائم نہیں رہتی ۔

میں نے ابوالحسن حصری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : لوگوں کی چار قسمیں ہیں :(۱) مدعی جس کا راز کھل جاتا ہے (۲) معترض کہ کبھی اس کے حق میں (بات ہوگی)اور کبھی خلاف (۳) وہ متحقق جو اپنی حقیقت پر اکتفا کرتا ہے (۴) اور صاحب وجد جو اپنے وجد میں ہی فنا ہوتا ہے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : جس وجد کی شہادت کتاب و سنت سے نہ ملے باطل ہے ۔

(ص۳۰۲)ابوسعید احمد بن بشر بن زیاد الاعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وجد کی ابتداء یہ ہے کہ حجاب اٹھ جائے ، خدائی رقیب کا مشاہدہ ہو ، فہم حاضر ہو ، امور غیب

نگاہ میں ہوں۔ باطن سے گفتگو ہو اور مفقود چیز سے انس اور اس اعتبار سے کہ تم تم ہو یہ تمہاری فنا ہوگی۔

ابوسعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وجد خاص لوگوں کا پہلا درجہ ہے اور یہ تصدیق بالغیب سے حاصل ہوتا ہے۔ جب وہ اس کا مزہ چکھ لیتے ہیں اور اس کا نور ان کے دلوں پر پرتو ڈالتا ہے تو ان کے دل سے ہر قسم کا شک و شبہ دور ہو جاتا ہے۔

ان ہی نے یہ بھی فرمایا ہے : جو بات انسان کو وجد سے حجاب میں رکھتی وہ اس کا اپنے نفس کے کاموں کو دیکھنا اور دنیاوی تعلقات اور اسباب کے ساتھ دل کو لگائے رکھنا ہے . کیونکہ نفس اسباب دنیا کی وجہ سے حجاب میں رہتا ہے۔ لہذا جب یہ اسباب منقطع ہو جائیں اور ذکر پاک ہو ، دل ہوش میں ہو اور رفیق و صاف ہو ، نصیحت اس میں اثر کرتی ہو اور اللہ سے مناجات کرتے ہوئے وہ ایک عجیب مقام پر پہنچے ، اس سے خطاب کیا جائے جسے وہ محفوظ کر لینے والے کانوں ، حاضر دل اور پاک باطن سے سنے تو اس کا دل وہ کیفیات دیکھے گا جن سے وہ خالی تھا۔ اسی کو وجد کہتے ہیں کیونکہ اس نے وہ کیفیت پالی ہے جو اس کے پاس نہ تھی۔

۲ ۔ باب

صاحب وجد لوگوں کی صفات کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۵۲۲)مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر الله

(اس کتاب کے احکام) دھرائے جاتے ہیں جن سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۔ پھر ان کے جسم اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہوکر نرم ہو جاتے ہیں)

صاحب وجد لوگوں کی صفات میں سے یہ ایک صفت ہے۔

اور اللہ تعالی کا یہ کہنا : (۵۲۳)وجلت قلوبهم

(ان کے دل ڈر جاتے ہیں)

لہذا ڈر بھی صاحب وجد لوگوں کی ایک صفت ہوئی ۔

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ آیت پڑھی ۔

(۵۲۴)فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علی ہؤلاء شہیداً

(اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں ایک گواہ لائیں گے اور آپکو ان تمام لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر لائیں گے)

تو آپ بیہوش ہو گئے ۔ لہذا بیہوشی کا طاری ہونا بھی صاحب وجد لوگوں کی ایک صفت قرار پائی ۔ آہ و زاری کرنا چیخنا ۔ رونا ۔ غشی طاری ہو ۔ کراہنا ۔ بیہوش ہو جانا ۔ چلانا ۔ زور سے چلانا ان سب کے متعلق بہت سی روایات پائی جاتی ہیں اور یہ تمام باتیں صاحب وجد لوگوں کی صفات ہیں ۔

صاحب وجد لوگوں کی دو قسمیں ہیں : واجد اور متواجد ۔

(ص۳۰۳)واجد کی پھر تین قسمیں ہیں : ایک قسم وہ ہے جن کا وجد ان کے ساتھ رہتا ہے مگر بعض اوقات اسباب نفس ۔ بشری اخلاق اور طبیعت کا مزاج ان کی مخالفت کرتا ہے ۔

دوسری قسم وہ ہے جن کا وجد تو ان کے ساتھ رہتا ہے مگر جب ان کے وجد کی کوئی ہم جنس اور کانوں کو ٹکرانے والی چیز ان پر طاری ہو تو وہ اس سے لذت یاب ہوتے ہیں ، زندہ ہو جاتے ہیں اور پھر سے اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اس کے بعد ان کا وجد بھی بدل جاتا ہے ۔

تیسری قسم وہ ہے جن کا وجد ہمیشہ ان کے ساتھ رہتا ہے اور اس وجد نے انہیں فنا کر دیا ہوتا ہے کیونکہ ہر صاحب وجد جو وجد کی وجہ سے فنا ہو چکا ہو اس میں موجودہ وجد کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی ۔ اس لئے کہ جب یہ اپنے وجد کی طرف دیکھتے ہی نہیں ہیں تو موجودہ وجد کی وجہ سے ہر چیز ان کے نزدیک مفقود ہوگی

متواجدوں کی بھی تین قسمیں ہیں : ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو تکلیف سے وجد کو لاتے ہیں اور صاحب وجد لوگوں سے مشابہت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ نیز وہ لوگ ہیں جو ہنسی اور تمسخر کے طور پر وجد کی حالت بناتے ہیں ۔ نیز وہ لوگ جنہیں کوئی اہمیت حاصل نہیں ۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو مشغول رکھنے والے تعلقات اور اللہ سے تعلق توڑ دینے والے اسباب منقطع کرکے قصداً احوال شریفہ کو دعوت دیتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کے لئے اس وجد کو اچھا سمجھا جاتا ہے ۔ اگرچہ بہتر یہی تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے ۔ اس لئے کہ یہ لوگ دنیا

کو پس پشت ڈال چکے ہوتے ہیں لہذا ان کا وجد خوش وقتی ، غم غلط کرنے اور اس بات پر فرح و سرور کیلئے ہوتا ہے کہ انہوں نے آرام و راحت اور دنیاوی ساز و سامان کو خیرباد کہہ رکھا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں : اگر کوئی اس بات کا انکار کرتے ہوئے کہے کہ علم کے اندر اس بات کی کوئی اصل بتائیے تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : جب تم ان لوگوں کے پاس جاؤ جن پر اللہ کا عذاب ہو چکا ہے تو روؤ اور اگر رونا نہیں آتا تو پھر رونے والا منہ ہی بنا لو۔

لہذا وجد اور توجد کے مابین وہی نسبت ہے جو رونے اور رونے والا منہ بنانے میں۔ واللہ اعلم۔

تیسری قسم ان کمزور لوگوں کی ہے جو صاحب احوال اور صاحب دل ہوں اور جو اپنی ارادتمندی میں مختص ہوں۔

لہذا جب یہ لوگ اپنے اعضاء پر قابو پانے اور اپنے اس حال کو چھپانے سے عاجز آجاتے ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے وجد کا اظہار کیا ہوتا ہے اور جس امر کے برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی اسے جھاڑ کر پھینک دیتے ہیں حالانکہ اس کے دور ہٹانے اور رد کرنے کی ان کے پاس کوئی سبیل نہیں ہوتی لہذا ان لوگوں کا اظہار وجد کشائش غم اور تسکین کیلئے ہوتا ہے۔ یہ لوگ اہل حقائق میں کمزور لوگ ہوتے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں : میں نے عیسی قصار کو یوں کہتے سنا : جب حسین بن منصور کو قتل کر لینے کیلئے قید خانہ سے باہر لایا گیا تو اس وقت میں نے انہیں دیکھا اور آخری الفاظ جو انہوں نے فرمائے یہ تھے :

حسب الواجد افراد الواحد

(صاحب وجد کیلئے خدائے واحد کو یکتا جاننا کافی ہے)

وہ فرماتے ہیں : اس وقت بغداد میں جتنے بھی مشائخ تھے انہوں نے جب یہ الفاظ سنے تو انہیں بہت پسند آئے۔ کسی نے ابویعقوب نہر جوری رحمہ اللہ سے سوال کیا : صاحب وجد کا وجد کب صحیح اور کب سقیم ہوتا ہے جواب دیا : وجد کے صحیح ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اہل وجد اسے دل سے قبول کریں اور اس کے برعکس اہل وجد اسے دل سے ناپسند کریں اور ہم نشین اس سے تنگ دل ہوں، بشرطیکہ وہ ہم جنس ہوں، مخالف نہ ہوں یہ وجد کے سقیم ہونے کی علامت ہے۔ اور یہ علامت غیر ابناء جنس کیلئے نہیں ہے۔

۳ ـ باب

سچے مشائخ کے تواجد کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : شبلی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ ایک انہوں نے اپنی مجلس میں تکلف سے وجد کا اظہار کرتے ہوئے کہا : آہ ! اللہ کے سوا میرے دل کی کیفیت کا کسی کو علم نہیں ہے اس پر کسی نے سوال کیا : آپ نے کس چیز کے لئے افسوس کا اظہار کیا ہے ؟ جواب دیا : ہر چیز کیلئے ۔

ان ہی کے متعلق یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دن انہوں نے وجد کا اظہار کیا اور دیوار پر ہاتھ مارا جس سے دیوار پر نشان پڑ گیا ۔ (یہ حال دیکھ کر) لوگ ایک طبیب کو لے آئے ۔ جب طبیب آ گیا تو شبلی رحمہ اللہ نے اسے کہا تم پر حیف ہے ، کس گواہ کو ساتھ لایا ہے ۔ طبیب نے کہا : میں تو تمہارے ہاتھ کا علاج کرنے آیا ہوں ۔ یہ جواب سن کر شبلی رحمہ اللہ نے اسے تھپڑ مارا اور باہر نکال دیا شیخ کہتے ہیں کہ وہ ایک اور طبیب کو لے آئے جو پہلے کے مقابلے میں زیادہ نرم طبیعت تھا ۔ شبلی نے اسے بھی یہی کہا کہ تو کس گواہ کو لے کر آیا ہے ۔ طبیب نے جواب دیا : اسی کا گواہ لایا ہوں ۔ یہ جواب سن کر شبلی رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا ۔ طبیب نے اسے چیرا اور شبلی رحمہ اللہ خاموش رہے مگر جب طبیب نے اس پر لگانے کیلئے دوا نکالی تو اس نے چیخ ماری اور وجد کا اظہار کیا اور درد کے مقام پر انگلی رکھ کر یوں کہتا گیا :

أنبئت صبابتكم فرحة على كبدي

بت من تفجعكم كالأسير في الصفد

(تمہارے عشق نے میرے جگر کو زخمی کر دیا ہے ۔ اور تمہارے دردمند کرنے کی وجہ سے میں رات بھر اس اسیر کی طرح رہا جسے بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا ہو)

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دعوت میں ان کی صحبت کچھ مشائخ کے (ص۳۰۵) ساتھ ہوئی اور وہاں علم کے بارے میں ایک مسئلہ پر بحث چھڑ گئی مگر ابوالحسین نوری رحمہ اللہ خاموش تھے اس کے بعد انہوں نے سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھے :

ورقاء هتوف في الضحى ذات شجو صدحت في فنن

ایک خاکستر رنگ کی فاختہ دوپہر کے وقت آہ و زاری کر رہی تھی ۔ غمناک تھی اور تہنیوں میں گا رہی تھی ۔

فبکسانی ربما أرمها و بکساها ربما أرقنی

کبھی میرا رونا اسے بیدار رکھتا اور کبھی اس کا رونا مجھے بیدار رکھتا

هی ان تشکـو فلا أفهمها و اذا أشکـو فلا تفهمنی

اگر یہ شکایت کرتی ہے تو میں اس کی شکایت کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر میں شکایت کرتا ہوں تو یہ میری بات کو نہیں سمجھتی ۔

غیر أنی بالجوی أعرفها وهی أیضا بالجوی معرفنی

مگر میں اسے سوزش عشق کی وجہ سے پہچان جاتا ہوں اور وہ بھی مجھے سوزش عشق سے پہچان لیتی ہے

راوی کہتا ہے کہ یہ اشعار سن کر ہر شیخ نے اٹھ کر وجد کا اظہار کیا ۔

ایک صوفی کا قول ہے : سالہا سال سے میری یہ خواہش ہے کہ میں کسی صاحب وجد آدمی سے جو وجد کی حالت میں اپنے وجد کے متعلق بات کہہ رہا ہوں محبت کے بارے میں کوئی کلمہ سنوں ۔

کہا جاتا ہے کہ ابوسعید خراز موت کے ذکر سے خوب وجد میں آیا کرتے تھے ۔ کسی نے اس کے متعلق جنید رحمہ اللہ سے پوچھا تو جواب دیا : عارف کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جو ناپسند بات اللہ نے اس کے ساتھ کی ہے وہ اس لئے نہیں کی کہ اسے اس بندے کے ساتھ بغض ہے اور نہ اس لئے کہ وہ اسے سزا دینا چاہتا ہے اور جو امور اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوتے ہیں مثلا کوئی ناپسند امر تو عارف اس میں اپنے اور اللہ کے مابین خالص محبت کا مشاہدہ کرتا ہے اور جو مصائب اللہ تعالی اس پر نازل کرتا ہے وہ اس لئے کرتا ہے کہ عارف کی روح اسے لوٹا دی جائے اور عارف برگزیدہ لوگوں میں سے ہو جائے ۔ لہذا جب یہ حقیقت یا اسی قسم کی کوئی اور بات ظاہر ہو جاتی ہے تو کوئی عجب نہیں کہ عارف کی اس کے اشتیاق کی وجہ سے اڑ کر اس کے پاس چلی آئے اور وطن سے واپس لوٹ آئے ۔ یہی وجہ ہے کہ موت کا ذکر ہوتے ہی عارف پر وجد طاری ہو جاتا ہے ۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ کیفیت اس وقت طاری ہوتی ہے جب اس کی موت کا وقت قریب آ چکا ہو ۔ اللہ تعالی اپنے

ولیوں کے ساتھ جو چاہتا ہے اور جو پسند کرتا ہے کرتا ہے۔

کسی عارف سے دریافت کیا گیا کہ وجود اور تواجد میں کیا فرق ہے۔

فرمایا : وجود غیب سے ظاہر ہونے والے امور اور حقیقت کی طرف سے بھیجی ہوئی چیزیں ہوتی ہیں اور تواجد میں بندے کے اکتساب کا دخل ہوتا ہے اور بندہ ہونے کی حیثیت سے بندے کے اوصاف کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے۔

اور جن لوگوں نے وجد کو ناپسند کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تکلف سے وجد لانے والوں میں کسی نقص کا مشاہدہ کیا ہے۔

(ص۳۰٦)ابوعثمان حیری الواعظ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو تکلف سے وجد کا اظہار کر رہا تھا تو کہا : گر تو اس میں سچا ہے تو تو نے ایسے امر کو ظاہر کیا ہے جسے چھپا کر رکھنا چاہئے تھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو تو نے شرک کیا ہے۔

اللہ جانتا ہے کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس پر شفقت کرتے ہوئے یہ بات کہی ہو نیز اس لئے کہ اسے فتنہ اور آفت سے بچا لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۴ ۔ باب

سلطان وجد کی قوت ، ہیجان اور غلبے کا بیان

شیخ فرماتے ہیں : جن امور کی تعلیم میں نے جعفر بن محمد خلدی رحمہ اللہ سے حاصل کی ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں کہتے ہوئے سنا :

ایک روز سری سقطی رحمہ اللہ سے کسی نے ان تیز وجدوں کا ذکر چھیڑ دیا جو ہوی اذکار میں پیش آتے ہیں نیز اسی قسم کے اور امور کا بھی تذکرہ ہوا ہے جو بندے پر قوت کے ساتھ وارد ہوتے ہیں ۔ میں نے بھی اس بارے میں ان سے پوچھ لیا تو فرمایا : ہاں ! ایسا ہی ہے اس کے منہ پر تلوار چلائی جائے تو اسے محسوس نہ ہو گا۔

ابوالقاسم (جنید) رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس وقت تک میرا یہی خیال تھا کہ یہ بات ناممکن ہے لہذا میں نے اپنا سوال دہراتے ہوئے کہا : ہاں ! اس پر تلوار چلائی جائے اور

وہ محسوس نہ کرے اور میں نے یہ الفاظ انکار کے طور پر کہے۔

انہوں نے پھر وہی جواب دیا : ہاں اس پر تلوار چلائی جائے اور اسے محسوس نہ ہو ۔ اور اپنی بات پر قائم رہے۔

جنید رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے : جو شخص علم کو ترجیح دیتا ہو اس کا وجد بھی زیادہ کامل ہوگا۔

ان ہی کی نسبت یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : علم کی فضیلت کے ہوتے ہوئے وجد کی کمی نقصان دہ نہیں ہوتی۔ اور علم کی فضیلت وجد کی فضیلت کے مقابلے میں زیادہ کامل ہوتی ہے۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے : جو شخص غلبہ کی حالت کے باوجود ساکن رہے وہ وجد میں غلبہ کی حالت کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگا۔ مگر جو شخص سکون اور شاھد کے بعد مغلوب ہو جائے اس کی حالت (صاحب سکون) کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگی۔

اس پر کسی نے سوال کیا : آپ نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا ؟

جواب میں فرمایا : مغلوبیت کے بعد جس شخص کو غلبہ کی حالت سے ہٹا کر سکون کی حالت میں رکھا جاتا ہے وہ زیادہ صاحب کمال ہوتا ہے مگر جو شخص سکون اور شاھد کے بعد بھی مغلوب ہو جائے اس کی حالت (صاحب سکون کے مقابلہ میں) زیادہ کامل ہوتی ہے۔

شیخ فرماتے ھیں : جنید رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی تشریح یہ ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ (ص ۳۰۷) کہ جو صاحب وجد وجد کے غلبہ اور وارد کے قوی ہونے کے باوجود ساکن رہے گا وہ اپنی کیفیت میں اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوگا جس پر وجد غالب آجائے یہاں تک کہ اس کا اثر اس کی ظاہری صفات پر بھی ظاھر ہونے لگے۔ اور وارد کی قوت اور دل کے ساتھ اس کے ٹکراؤ کی وجہ سے وجد کا غلبہ ہونا اس شخص کی حالت سے زیادہ کامل ہوگا جو پر سکون رہے اور انگاری اس میں آگ نہ لگا سکے اور نہ وارد اس پر اثر انداز ہو سکے۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ کو اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے کہا : سہل بن عبداللہ کا وجد بہت ہی شدید قسم کا ہوا کرتا تھا چنانچہ ان کی یہ حالت ہو

جاتی کہ پچیس یا چوبیس دن تک وہ بغیر کچھ کھائے کے گذار دیتے تھے اور سخت جاڑے کے موسم میں باوجود اس کے کہ صرف ایک قمیص پہنی ہوتی تھی انہیں پسینہ آ جاتا تھا اور (اس حالت میں) اگر کوئی ان سے علم کی کوئی بات پوچھتا تو فرماتے : (اس وقت) مجھ سے کچھ نہ پوچھو کیونکہ تمہیں اس حالت میں میری باتوں سے فائدہ نہ پہنچے گا ۔

میں نے ابوعمرو بن علوان رحمہ اللہ کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں کہتے ہوئے سنا : شبلی تو مست پڑے ہیں اگر ہوش میں آجائیں تو امام ہوں گے اور لوگوں کو ان سے فائدہ حاصل ہوگا ۔

حکایت ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا : میں نے کہیں سری سقطی رحمہ اللہ کے سامنے محبت کا ذکر کر دیا تو انہوں نے اپنے بازوں کی کھال پر ہاتھ مار کر اسے کھینچ ڈالا ۔ پھر فرمایا : اگر میں کہوں کہ یہ کھال محبت کی وجہ سے بازو پر خشک ہوگئی ہے تو یہ سچ ہوگا ۔ جنید فرماتے ہیں : یہ کہنے کے بعد ان پر غشی طاری ہوگئی یہاں تک کہ بالکل بیہوش ہو گئے ۔ پھر ان کے چہرے کا رنگ گلاب کی طرح ہو گیا اور وہ ہالہء قمر کی طرح دکھائی دینے لگا ۔ ہم اس کی طرف اس کی خوبصورتی کی وجہ سے دیکھ نہ سکتے تھے لہذا ہم نے ان کے چہرے کو ڈھانپ دیا ۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دلوں پر جو پری اور وجد وارد ہوتا ہے تاآنکہ اس میں مزید وجد کی گنجائش نہیں رہتی ۔ (۵۲۵) یعنی وہ حالت جو اسے اس کیفیت کے حاصل ہونے سے پہلے ہی معلوم تھی اس حالت میں نفس کو یہ مزید معرفت حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالی کی کس قدر بڑی قدر و منزلت ہے اور وہ کس قدر تعظیم کا حقدار ہے ۔ تاکہ نفس کو معلوم ہو جائے کہ یہ وہ حالت ہے جو تنہا اسی کو حاصل ہے اور اس حالت میں ہوتے ہوئے نفس کی اور حالت کو پا بھی نہیں سکتا لہذا اس حالت میں نفس کے تمام احساسات منقطع ہو جاتے ۔ اور محسوسات سے منقطع ہونے کا علم اس کیفیت سے ہوتا ہے جو حق تعالی نے اس پر ڈال دی ہوتی ہے اور کسی اور کیفیت کی اس میں گنجائش نہیں رہتی ۔

(ص۳۰۸)ابوعثمان مزین رحمہ اللہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے :

فسکر الوجد فی معناہ صحو و صحوالوجد سکر فی الوصال

(وجد کا سکر درحقیقت صحو ہے اور وجد کا صحو وصال کی حالت میں سکر کا درجہ رکھتا ہے ۔

۵ ـ باب

صاحب وجد جو ساکن رہے وہ افضل ہے یا وہ صاحب وجد جو حرکت میں آئے

شیخ فرماتے ہیں : ابوسعید ابن الاعرابی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں جو انہوں نے وجد کے بارے میں لکھی ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا : کیا وجد کی حالت میں حرکت میں آنا افضل ہے یا ساکن رہنا کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حرکت کرنے اور بیقرار ہونے کے مقابلے میں ساکن رہنا اور اپنے اوپر قابو رکھنا افضل ہے۔

ابوسعید فرماتے ہیں : اس کا جواب یہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اذکار کی وجہ سے جو واردات پیش آتے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں ساکن رہنا ہی ضروری ہوتا ہے لہذا اس حالت میں ساکن رہنا حرکت کرنے سے افضل ہوگا اور بعض واردات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں حرکت کرنا ضروری ہوتا ہے لہذا اس حالت میں حرکت کرنا افضل ہوگا کیونکہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحب وجد پر یہ حالت غالب آ چکی ہے اور اگر یہ غالب نہیں آتا تو سمجھ لینا چاہئے کہ وارد کمزور ہے اور اگر وارد حقیقی طور پر وارد ہو تو اس سے حرکت کرنا لازمی چیز ہو جاتی ہے۔ واردات ان علوم اور اذکار کی وجہ سے ہوتے ہیں جن سے دلوں پر وجد اور دیوانگی کی حالت واقع ہوتی ہے لہذا وہ ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ صاحب سکون لوگوں کو افضل سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی عقل بڑی اور قوی ہوتی ہے اور وہ اس واقع ہونے والے وارد پر نگاہ رکھتی ہے اور اس حالت میں یہ لوگ اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہی حق بات ہے۔ مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ،،وارد،، ایسا امر ہوتا ہے جو مخلوق عقل کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا لہذا اس کا نور زیادہ قوی اور اس کی دلیل زیادہ زور دار ہوگی اور اسی وارد سے اس کا شاہد قائم ہوگا اور عقل اسے سمجھ نہ سکے گی لہذا وارد عقل سے زیادہ طاقتور ہوگا لہذا یہ حرکت زیادہ کامل ہوگی۔

ابوسعید فرماتے ہیں : بعض واردات کو عقل کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے لہذا عقل ان کا ادراک کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ مل کر رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حالت میں انسان سے حرکت کا ظہور نہیں ہوتا (ص۳۰۹)اس لئے کہ عقل کو اپنے اوپر قابو ہوتا ہے

کیونکہ عقل اس کی طرف جو اشارہ کرتی ہے اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ پھر جن لوگوں نے اہل سکون کو افضل قرار دیا انہوں نے ان کی عقل کی مضبوطی اور مضبوطی سے قابو رکھنے کی وجہ سے افضل قرار دیا ہے اور جنہوں نے حرکت کرنے والوں کو فضیلت دی ہے انہوں نے اس وارد کی طاقت کی بنا پر دی ہے جو ان پر اس ذکر کی وجہ سے وارد ہوتا ہے جو عقل کی فہم کے احاطہ سے باہر ہوتا ہے۔ لہذا اس وارد کے افضل ہونے کی وجہ سے یہ وجد بھی افضـــل قـرار پایا۔ اگر دونوں عقلیں یکساں ہوں بایں معنی کہ کسی کو بھی دوسری پر فضیلت نہ ہو تو اس صورت میں ساکن افضل ہوگا۔ مگر میرے نزدیک یہ بات ممکن نہیں کہ دو شخص یا دو عقلیں یا دو وارد یکساں ہوں۔ اور اہل علم نے بھی اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لہذا جب مساوات اٹھ گئی تو ہم پھر سے وہی بات کہیں گے جو ہم نے مسئلہ کی ابتدا میں کہی تھی کہ ساکن کو متحرک پر یا متحرک کو ساکن پر فضیلت دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ حالت جو وارد ہو کر حرکت کرنا ضروری کر دیتی ہے اور وہ حالت جو ساکن رہنے پر مجبور کرتی ہے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ جن لوگوں پر وجد طاری ہوتا ہے وہ ان حالات میں یکساں نہیں ہوتے جو ان پر ظاہر ہوتے ہیں اور نہ ان حالات میں یکساں ہوتے ہیں جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ مثلاً ذکر کی وہ حالت جو حرکت و سکون میں سے ایک نہ ایک حالت کو واجب قرار دیتی ہے۔ اور وہ واردات جو سکون کو واجب قرار دیتے ہیں ان میں بعض واردات ایسے بھی ہوتے ہیں جو حرکت کو واجب قرار دینے والے واردات سے بلند تر ہوتے ہیں اسی طرح اس کے برعکس جو واردات حرکت کو واجب قرار دیتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو سکون کو واجب قرار دینے والے واردات سے افضل ہوتے ہیں۔

لہذا یہاں فضیلت حرکت و سکون کی بنا پر نہیں جب تک کہ ہمیں اس حالت کا علم نہ ہو جائے جو حرکت کرنے والوں اور ساکن رہنے والوں پر وارد ہوتی ہے۔ لہذا اگر ایسی حالت ہو جس میں ساکن رہنا ضروری ہو اور پھر بھی صاحب وجد ساکن نہ ہو تو یہ حالت دیگر حالتوں کے مقابلہ میں ناقص ہوگی اور اگر یہ حالت متحرک ہونا لازم قرار دیتی ہے اور اس کے باوجود متحرک نہ کر سکے تو یہ وارد کے ناقص ہونے کی دلیل ہوگی۔

اور وارد ہونے والے مشاہدات جس قدر زیادہ صاف ہوں گے اور جس قدر وہ ان حجابات سے جو واردات کو قبول کرنے سے مانع ہوتے ہیں پاک ہوں گے اسی قدر زیادہ وارد ہونے والے مشاہدے ہوں گے۔

یہ بیان اہل احوال کے اذکار کا ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ وہ ان پر اسی حد تک قائم رہتے ہیں جس حد تک علم واجب قرار دیتا ہے۔ رہے اہل غلبہ اور اہل سکر تو ان کے متعلق اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔

٦ ـ باب

وجد کے متعلق ابوسعید بن الاعرابی کی تالیف کردہ کتاب کا مختصر مگر جامع بیان

ابوسعید بن الاعرابی فرماتے ہیں : وہ حالت جو بیقرار کرنے والی بات کے ذکر کرنے ، یا بے چین کر دینے والے خوف یا کسی لغزش پر زجر و توبیخ کرنے ، یا کسی لطیف امر سے گفتگو کرنے ، یا کسی فائدہ کی طرف اشارہ کرنے یا کسی غائب چیز کا شوق دلانے ، یا ہاتھ سے نکل جانے والی کسی چیز پر افسوس کرنے یا کسی گزشتہ امر پر ندامت ہونے ، یا کسی حالت کو پیدا کرنے یا کسی واجب امر کی طرف دعوت دینے والی بات یا راز میں مناجات کرنے سے پیدا ہو وہ وجد ہے۔ اس حالت میں ظاہر کا مقابلہ ظاہر سے ، باطن کا باطن سے ، غیب کا غیب سے اور راز کا راز سے ہوتا ہے۔ نیز اس حالت میں ایسے امور کے ذریعے جو بظاہر تمہارے خلاف ہوں ایسے امور کو باہر لایا جاتا ہے جو تمہارے حق میں مفید ہوں اور یہ وہی کچھ ہوتا ہے جو پہلے سے ہی تمہاری تقدیر میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ اور (اس حالت کا مقصد یہ ہوتا ہے) کہ تو ان اعمال کے کرنے کی کوشش کرے اور جب یہ اعمال تم سے صادر ہوں تو تمہارے نامہ اعمال میں لکھے جائیں ۔ اسی طرح تمہارے قدم اٹھانے کے بغیر ہی تمہارے نام قدم لکھ دیا جاتا ہے اور بغیر ذکر کرنے کے ذکر۔ کیونکہ در حقیقت اللہ تعالی ہی انعامات کی ابتدا کرنے والا اور وہی ان کا والی ہے۔ اور ان انعامات پر شکر ادا کرنے کا خیال بھی وہی دل میں ڈالتا ہے اور ایسا کرنے پر اسے تمہاری طرف منسوب کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر تمہیں فوراً ہی مرتبہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ ہر امر کا مرجع وہ خود ہے۔

جہاں تک علم ظاہر کا تعلق ہے یہی باتیں وجد کہلاتی ہیں ۔

ابوسعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وجد راحت کا پانا اور مزید (انعامات) کی طرف نگاہ رکھنے کا نام ہے۔ اگر یہ کم ہو تو (صاحب وجد) اس پر قانع نہیں ہوتا اور اس میں کثیر کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی ۔ اسے مسلسل خیالات آتے رہتے ہیں اور اس پر متواتر مہمیز لگائی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ (اس حالت میں) افسوس بھی لاحق ہوتا اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ افسوس سے پہلے ہی جان دے دیتا ہے۔ رہا رونا اور چیخنا تو یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اس کیفیت کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے جہاں سے مزید کیف حاصل ہو کیونکہ اسے اس کیفیت کے وارد ہونے سے پہلے اس کا علم نہ تھا اور نہ ہی یہ اس سے مانوس تھا پھر (یوں بھی ہوتا ہے) کہ یہ کیفیت تیزی سے گزر جاتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ

دونوں امر (یعنی کیفیت کا آنا اور گزر جانا) بیک وقت واقع ہوتے ہیں ۔ لہذا اس کیفیت کے آنے کی خوشی ابھی ناتمام ہی ہوتی ہے کہ اس کے گزر جانے کا افسوس لاحق ہو جاتا ہے۔

لرزہ ، غشی ، اعضاء کا زائل ہو جانا اور اس کا عقل پر غلبہ پالینا اس لئے ہوتا ہے کہ وارد ہونے والی کیفیت بہت عظیم اور اس کا دبدبہ بڑا زور دار ہوتا ہے۔ وارد ہونے والی ہر وہ کیفیت جو اجنبی ہو یا گھبرا دینے والی ہو یا ڈرا دینے والی ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس کے تیزی سے آنے اور پھر تیزی سے گزر جانے میں کامل حکمت الٰہیہ اور واضح نعمت خداوندی پائی جاتی ہے۔ اگر اللہ تعالی اپنے اولیاء (ص۳۱۱)کو پکڑ کر نہ رکھے اور ہر دل پر اسی قدر کیفیت نہ ڈالے جس کی اس میں طاقت ہے تو ان کی عقلیں اڑ جائیں اور ان کے نفس غافل ہو جائیں ۔ لیکن (صاحب وجد کو تو) اس حالت کی خبر تک نہیں ہوتی اور اس گھاٹ پر اسے لازمی طور پر وارد ہونا پڑتا ہے۔ لہذا یہ حال ایک لمحہ کیلئے بھی قائم نہیں رہتا اور اپنے ولیوں پر یہ اللہ تعالی کی مہربانی ہے تاکہ وہ یہ بات بھول جائیں کہ اللہ نے ان کے لئے کیا کچھ اور کیسے ارادہ کر رکھا ہے۔

نیز فرمایا : دنیا میں جو وجد ہوتا ہے یہ کشف نہیں ہوتا بلکہ یہ دل کا مشاہدہ ، سچا توہم ، اور یقینی ظن ہوتا ہے لہذا دل یقین کی راحت اور صاف ذکر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت بیدار ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اس بے خبری کی حالت سے ہوش میں آتا ہے تو اس کا وجد جاتا رہتا ہے اور اس کا علم اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے جس سے اس کی روح لطف اندوز ہوتی ہے اور جو یقین اس مکاشفہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر مزید اضافہ ہوتا ہے ۔ اور یہ یقین بندے کے اپنے قرب و بعد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ نیز اس مشاہدے کے مطابق ہوتا ہے جو اس کا خالق اسے کراتا ہے۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو وجد کی حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں اور وہ جو مشاہد بھی کرتےہیں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ کرتے ہیں چنانچہ وہ لوگوں کے سامنے اپنے مشاہدے کا کچھ حصہ بیان کر دیتے ہیں اور دوسروں کے لئے یہ بیان حجت بن جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اسے محفوظ رکھتے ہوئے اور بچاؤ کرتے ہوئے اسے کسی کے سامنے بیان نہ کرتے ۔ نیز اس لئے بھی اسے بیان نہ کرتے کہ کہیں وہ اسے بے محل (اور نااھل لوگوں کے سامنے) نہ رکھ دیں اور ان سے یہ کیفیت سلب نہ ہو جائے ۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو بول وہ سنتے ہیں اس میں غور کرنے سے پہلے ہی انہیں وجد طاری ہو جاتا ہے۔ نیز اس طرح بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک چیز کو صرف سرسری طور پر دیکھا ہے اور ابھی غور سے دیکھا ہی نہیں ہوتا کہ وجد طاری ہو جاتا ہے۔

مگر انہیں اس بات کا خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ وجد ان کی انسانی طبیعت کی طرف سے یا نفس کو پسند آجانے کی وجہ سے نہ ہو اور وہ حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکیں حالانکہ وہ اس وجد میں رفت محسوس کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنی حالت میں اضافہ محسوس کرتے ہیں ۔ اور جو شخص اپنے خالق کی معرفت کا مدعی ہو اس کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ غیراللہ سے سکون محسوس کرے یا اس کا دل کسی ناقص چیز کی طرف لگے یا اس کے وہم میں ایسی چیز کا خیال آئے جو زوال پذیر ہے۔ اگرچہ یہ باتیں (دونوں حالتوں) کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مشکل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اہل نظر اور اہل کمال کے ہاں ان میں فضیلت کے اعتبار سے امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ جن امور کو دل بذریعہ مشاہدہ حاصل کرتا ہے وہ ان امور کی طرح نہیں ہو سکتے جنہیں وہ صرف ظن و گمان کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی وہ شخص جو متروک اور مہمل ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو محفوظ ہو اور نہ ہی وہ کیفیت جسے کوشش سے کھینچ کر لایا گیا ہو۔ اس کیفیت کی سی ہو سکتی ہے جن کا فیضان اصل معدن سے خود بخود ہوا ہو اور نہ وہ خیالات جو سوچ بچار کا نتیجہ ہوں ان خیالات کی طرح ہو سکتے ہیں جو ذکر سے (خود بخود) ٹپکیں ۔

بعض اوقات یہ بات کسی سبب کی وجہ سے صاحب تمیز لوگوں پر مشتبہ ہو جاتی ہے مگر جب یہ سبب زائل ہو جاتا ہے تو پھر بات واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جو شخص سوچ بچار کے ذریعے امتیاز کرتا ہو اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو ہر دم ذکر میں لگا رہتا ہے اور نہ وہ شخص جو اپنے اختیار سے خود انتخاب کرے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس پر وجد اور دیوانگی کا غلبہ ہو۔ مگر ہر صاحب وجد کی یہ کیفیت نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہر صاحب وجد کی حالت مختلف ہوتی ہے چنانچہ بعض کا وجد علم کی وجہ سے ہوتا ہے ، بعض کا علم کی مدد سے اور بعض کا وجد ہمہ تن علم ہوتا ہے۔

اب رہا وہ وجد جو اہل ثبات لوگوں کو حاصل ہوتا ہے یعنی یہ کہ انہیں سکون حاصل ہوتا ہے ، (ص ۳۹۲) حرکت میں نہیں آتے اور خلوت کے ذریعے ان کی ہر طرح سے حفاظت کی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جو انس وہ محسوس کرتے ہیں وہ انہیں وحشت کو محسوس ہی نہیں کرنے دیتااور جو قرب انہیں حاصل ہوتا ہے وہ مسافت کی طرف نگاہ ہی نہیں کرنے دیتا ۔

مزید برآں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان پر کسی کیفیت کا ظہور ہوتا ہے تو یہ وجد میں غلو کر جاتے ہیں اور کبھی اللہ انہیں ان کی ذاتی صفات کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور یہ اللہ کا ان پر کرم ہوتا ہے کیونکہ غذا کی حاجت اور عورت کی ضرورت محسوس کرنا انسانی

فطرت میں شامل ہے لہذا جب یہ ان فطری ضرورتوں کو دیکھتے ہیں تو شرما جاتے ہیں اور سخت بے چین ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔ حالانکہ اس سے قبل وہ مدت تک ان باتوں سے ڈرتے رہے ہیں؛ اس صورت میں وہ پھر سے اپنی گمشدہ حالت کو والہانہ طور پر تلاش کرنے لگ جاتے ہیں اور پھرھر وہ ذریعہ استعمال کرتے ہیں جسے وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مقصود تک پہنچا دے گا اس حالت میں وہ کسی چیز میں امتیاز نہیں کر سکتے اور بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھے جاتے ہیں ۔ جہاں کہیں انہیں سراب دکھائی دیتا ہے یہ اسے پانی سمجھتے ہیں اور جہاں انہیں پانی دکھائی دیتا ہے یہ اسے سراب سمجھتے ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان پر حرص کا غلبہ ہوتا ہے لہذا جدھر کا رخ کرتے ہیں اسی طرف نکل جاتے ہیں اور ہر وادی میں دیوانہ وار پھرتے ہیں اور ہر چمکنے والی چیز کے پیچھے ہو لیتے ہیں ۔ یہ لوگ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی کام کر گزرتے ہیں اور سوچنے سے پہلے ہی ان کا ذکر قائم ہوتا ہے۔ ہر سبب کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس پر اعتماد نہیں کرتے ۔ حرص ان کی نگاہوں کو اوپر کو اٹھاتی ہے اور ناامیدی انہیں زجر کرتی ہے۔ لہذا نہ تو ان کا یأس دائم رہتا ہے کہ یہ پیچھے ہٹ جائیں اور نہ ہی ان کا حرص صحیح ہوتا ہے کہ یہ اس سے مألوف ہو جائیں ۔ ان کی حالت بعینہ مجنوں کی سی ہوتی ہے اور اپنے مطلوب کی خاطر جان تک دے دینے کیلئے تیار ہوتے ہیں ۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا مطلوب کسی بیابان میں ہے تو یہ اس بیابان کی راہ اختیار کر لیں گے یا اگر سمندر کے پار ہو تو یہ تیر کر پار نکل جائیں گے یا کسی شعلہ زن آگ کے پیچھے ہو تو یہ اس آگ میں گھس جائیں گے ۔ ان کی مثال اس پروانے کی ہے جو آگ کی روشنی دیکھتا ہے تو اس سے اس میں گھسے بغیر نہیں رہا جاتا ۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہ دیوانہ وار جنگلوں، بیابانوں، چٹیل میدانوں اور ہلاکت کی جگہوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں ۔ نہ کہیں ٹھکانہ کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں کہیں ٹھکانہ کرنے دیا جاتا ہے۔ مگر انہیں اپنے مقصد میں سچے ہونے کی وجہ سے لغزش سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور یہ علم کے ایک خاص طریقے پر گامزن ہوتے ہیں ۔ رہے وہ لوگ جو علوم ظاہر سے الگ رہتے ہیں تو یہ لوگ لغزش سے محفوظ نہیں ہوتے کیونکہ جو شخص شاہراہ کو چھوڑ کر کسی اور راستے کو اختیار کرے گا اسے ہر وقت خطرے کا کھٹکا لگا رہے گا ۔

علم وجد میں سے جو کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں وہ علم ظاہر کی باتیں ہیں ۔ یا وہ باتیں ہیں جن کی تعبیر الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔ یا جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ یا ان پر دلیل قائم کی جا سکتی ہے یا اس کی کوئی قریبی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

ان کے علاوہ جو صاحب وجد ہیں ان کا علم ان ہی کے پاس ہے اور ان کا گواہ ان ہی

کے اندر ھوتا ہے اس کی حقیقت خود اس کا وجود ھوتا ہے اور اس کا ذوق اس کی صفت ۔ کیونکہ جو دلائل اللہ کی طرف سے بندے کو دکھائے جاتے ھیں وہ روشن دلائل ھوتے ھیں اور یہ لوگ اس بات کے محتاج نہیں ھوتے کہ انہیں ان کا علم بھی ھو کیونکہ ان کا شاھد ان کے اندر موجود ھوتا ہے اور اس میں ھر قسم کے وصف کی نفی ھوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ھوتی ہے (ص ۳۹۳) کہ خود اللہ تعالی اس کے وجود کا والی ھوتا ہے اور صرف اسی کو ان کی حقیقت کا علم ھوتا ہے۔ اور وہ اھل ایمان کو ان سے سرفراز کرتا ہے اور ان پر یہ حقائق منکشف کر دیتا ہے لہذا یہ لوگ اس کے بعد کے امر کو نہیں کر یدتے اس لئے کہ یہ ھر چیز کو چھوڑ کر ان حقائق کے ساتھ مستغنی ھوتے ھیں ۔ کیونکہ جو حقیقت ان پر واضح کی جاتی ہے وہ اس کا ظاھری طور پر مشاھدہ کرتے اور باطنی طور پر اسی میں بستے ھیں ۔ یہی وہ غیب ہے جس کا ذکر مؤمنوں کی صفت میں آیا ہے چنانچہ فرمایا :

(۵۲۶)اَلذین یؤمنون بالغیب

(جو غیب پر ایمان رکھتے ھیں)

لہذا ان لوگوں کو اسی غیب میں غائب کر دیا جاتا ہے اور انہیں اس کے متعلق باوجود غائب ھونے کے کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ھوتا ۔

اور کوئی شخص یہ خواھش کرے کہ میں وجد کے مطابق کچھ اور بھی کہوں تو یہ مجھ سے نہ ھو سکے گا کیونکہ جس امر کی وہ خود صفت ھو اور خود اس کے سوا کوئی اور اس کا شاھد بھی نہ ھو سکتا ھو اسے کیونکر بیان کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی ذات کا خود شاھد ہے اور اس کا اپنا وجود ھی اس کی حقیقت ہے۔ جنھوں نے اسے پا لیا وہ اسے پہچانتے ھیں اور جنھوں نے نہیں پہچانا وہ اس کا انکار کرتے ھیں لیکن (اس کی حقیقت کو معلوم کرنے سے) دونوں یعنی جنھوں نے پہچانا اور جنھوں نے نہیں پہچانا ۔ عاجز ھیں ۔ اس کا احساس صرف ذوق کے ذریعے ھوتا ہے اور صاحب وجد پر اس کی مراد واضح کر دی جاتی ہے۔ لہذا وہ نایاب بھی ہے اور موجود بھی ، محفوظ بھی ہے اور مفقود بھی ۔ اپنے انوار کے ذریعے (صاحب وجد کے) نور سے پوشیدہ رھتا ہے اور اپنی صفات کے ذریعے اس کے ادراک سے اور اپنے اسماء کے ذریعے اپنی ذات سے۔ میری مراد وجد ، یقین ، ایمان اور حقائق کی ذات ہے۔ یہی حال محبت ، شوق اور قرب کا ہے۔ ان میں سے ھر ایک کا بیان بہت دقیق ہے۔ ان کی حقیقت کو صرف وھی پا سکتا ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ھو اور اللہ کی اس پر یہ عنایت ھو جائے ۔ اس کے بعد وہ اس میں خیال آرائی کرتے ھیں مگر اس کی صفت بیان نہیں کرتے اور نہ ھی اسے پا سکتے ھیں ۔ ان سے (حقیقت کو) پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور ان کی وحشت کو انس کے ذریعے دور کیا جاتا ہے۔ جس قدر زیادہ اس کی صفات بیان کرتے جائیں یہ اسی قدر زیادہ

اس کی حقیقت سے دور ہوں گے لہذا اس بارے میں ان کا گونگا رہنا گویا ہونے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہوگا کیونکہ اہل اللہ صرف اسی قدر اللہ کو پہچانتے ہیں جس قدر پہچان اللہ نے انہیں دے دی ہے اور ان کا اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا ہی انتہائی علم ہے۔ چنانچہ ان کی گویائی ان کا غیر قادرالکلام ہونا اس کی بلاغت اور ان کی لکنت ان کی فصاحت ہے۔ لہذا جو شخص یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ذائقہ ہےتو وہ ایک محال بات کے متعلق سوال کر رہا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا مزہ اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کا مزہ بیان کر دیا جائے بلکہ چکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور جو شخص اس کی حقیقت کے متعلق سوال کرتا ہے تو اس کا یہ سوال اس کی اس سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ عالم کیلئے ہر سائل کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں کیونکہ بعض سائل اس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ان کے حق میں جائے اور بعض ان چیزوں کے متعلق سوال کرتے ہیں جو ان کیلئے غیر مفید ہوں جس طرح اللہ نے علماء سے اس بات کا عہد لے رکھا ہے کہ وہ اہل لوگوں سے علم کو چھپا کر نہ رکھیں اسی طرح اس بات کا بھی عہد لے رکھا ہے کہ علم کو نااہل لوگوں سے بچا کر رکھیں اور ہم یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اہل لوگوں کو اس کی ذات میں شک نہیں ہے لہذا وہ سوال نہیں کرتے اور نہ تذبذب میں ہیں کہ اسے پہچاننا چاہیں۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

اور چونکہ ان احوال کی کوئی انتہا نہیں اسی طرح ان پر بحث بھی غیر منتہی ہوگی۔ اسی لئے ہم نے اسے یہیں ختم کر دیا ہے اگر جاری رکھیں تو کبھی ختم نہ ہونے پائے۔ کیونکہ ان میں معرفت میں اضافہ (پر اضافہ) ہوتا ہے اور معرفت کی زیادتی میں انسانی کسب کا دخل نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت ہے۔

(۵۲۸)ولدینا مزید

(اور ہمارے پاس اس کے علاوہ اور بھی ہے)

لہذا یہ اللہ تعالیٰ کے ان تمام انعامات میں سے ایک ہے جن کی کوئی انتہا نہیں اور کوئی ان کی صفت بھی بیان نہیں کر سکتا چہ جائیکہ وہ مخصوص انعامات جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر کرتا ہے اور جو وہ ان پر ہر وقت ہر آن اور ہر لحظہ وارد کرتا ہے۔ ان میں سے کم تر وہ حالات ہیں جو ہم علماء کے پاس مذکور اور اللہ کے فضل سے ہمیں معلوم ہیں اور اللہ سے تو ذرہ بھر بات بھی پوشیدہ نہیں۔

اگرچہ یہ احوال ایسے نہیں ہیں کہ کوئی انسان اپنی کوشش سے حاصل کر سکے کیونکہ یہ تو مخصوص باتیں ہیں (جو مخصوص لوگوں کے لئے ہیں) اور بعض احوال ایسے بھی ہیں جو اعمال کے نتیجہ کے طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا جو شخص اللہ کے ہاں مزید

انعامات کا طالب ہو وہ پہلے اس اصل بنیاد کو مضبوط کرتا ہے جس سے مزید انعامات کا حاصل ہونا ضروری ہو جاتا ہے لہذا جس نے اس میں کوتاہی کی اسے اس بات کا خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اصل بھی اس سے چھن نہ جائے کیونکہ اس نے اس کی کماحقہ نگرانی نہیں کی ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کیلئے نفس کے ساتھ ٹھہر جانا غلبہ ، وجد کو منقطع کر دیتا ہے۔ اور علوم سے الگ رہ کر غلبہ کا ہونا واضح غلطی ہے۔ چنانچہ جب نفس کے ساتھ نہ ٹھہرنے کی رغبت قوی ہو تو غلبہ ، وجد اللہ سے ملا دیتا ہے۔ مگر جس سے اصل کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس کا غلبہ غلط ہوگا کیونکہ اصل کو مضبوط کر لینے سے پہلے فرع کی طرف جانا غلطی قرار دیا گیا ہے اور ایسا لغزش سے محفوظ نہیں ہوتا ۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

****

۹ ۔ کتاب

معجزات اور کرامات کا ثبوت

۱ ۔ باب

معجزات اور کرامات کے معانی اور ان لوگوں کا ذکر جنہیں اس میں سے کچھ حصہ عطا کیا گیا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں :۔سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : آیات اللہ کی طرف سے ھوتی ھیں ۔ معجزات انبیاء کیلئے اور کرامات اولیاء اور نیک مسلمانوں کیلئے ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے : جس شخص نے صدق دل سے اور خلوص کے ساتھ چالیس دن دنیا سے روگردانی کی تو اللہ کی طرف سے اس سے کرامات کا ظہور ھوگا ۔ اور جس سے کرامات کا ظہور نہ ھو اس کی وجہ یہی ھوگی کہ اس میں صدق اور اخلاص نہ پایا جاتا تھا ۔

یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے کہا : جو شخص کرامات کے متعلق گفتگو کرتا ھو اور اسے کرامات حاصل نہ ھوں اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو انجیر چباتا ہے ۔

جو حکایت اس سے پہلے بیان کی گئی ہے پس چالیس دن دنیا سے زہد اختیار کرنے کا ذکر ہے اس کے متعلق سہل رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیسے ھو سکتا ہے ۔ جواب دیا : وہ شخص جو چاہے گا ۔ جس طرح چاہے گا ۔ جہاں سے چاہے گا لے لے گا

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ کو فرماتے سنا : ایمان کے چار رکن ھیں ۔ ایک ایمان بالقدر ہے دوسرا ایمان بالقدرۃ ۔ تیسرا رکن اپنے حیلے اور طاقت سے بیزاری اور چوتھا رکن تمام امور میں اللہ سے مدد چاھنا ۔

میں نے ابن سالم کو سنا ۔ ان سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ ایمان بالقدرۃ سے کیا مراد ہے ۔

جواب دیا : ایمان بالقدرۃ سے مراد یہ ہے کہ تمہارا اس بات پر ایمان ھو اور تیرا دل بھی اس بات سے انکار نہ کرے کہ اللہ کا کوئی بندہ مشرق میں ھو اور اللہ تعالی اسے یہ کرامت عطا کر دے کہ اسے اللہ ایسی قدرت عطا کر دے کہ بدون اس کے کہ وہ دائیں جانب سے پلٹ کر بائیں جانب کو ھو مغرب (ص۳۱٦)تک پہنچ جائے ۔

ان کی مراد یہ تھی کہ تمہارا اس پر ایمان ھو کہ ایسا ھو سکتا ہے ۔

سہل بن عبداللہ کے متعلق یہ بات پایہء صحت کو پہنچ چکی ہے کہ انہوں نے ایک نوجوان کو جو ان کی صحبت میں رھتا تھا فرمایا : اگر آج کے بعد تو درندوں سے ڈرا تو پھر میری صحبت میں نہ رھنا ۔

میں کچھ لوگوں کی معیت میں تستر گیا اور وھاں سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کے محل کے اندر ایک کمرے میں گئے جسے درندوں کا گھر کہا جاتا تھا ۔ ھم نے لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا : سہل بن عبداللہ کے پاس درندے آیا کرتے تھے اور وہ انہیں اس گھر میں لے جا کر ان کی ضیافت کیا کرتے اور انہیں گوشت کھلاتے اور پھر انہیں چھوڑ دیتے اس کے متعلق اللہ کو بہتر معلوم ہے ۔ میں نے تستر کے صالحین میں سے کسی کو اس امر کا انکار کرتے نہیں دیکھا ۔

اور میں نے ابو الحسین بصری رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ عبادان میں ایک سیاہ فام انتساں ویرانوں میں رہا کرتا تھا ۔ میں نے اپنے ساتھ کوئی چیز لی اور اس کی تلاش میں نکلا ۔ جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی تو مسکرایا اور اپنے ھاتھ سے زمین کی طرف اشارہ کیا ۔ کیا دیکھتا ھوں کہ تمام زمین چمکدار سونے سے بھری پڑی ہے ۔ پھر کہا : اچھا لاؤ تمہارے پاس کیا ہے ۔ میں نے جو کچھ میرے پاس تھا اسے دے دیا اور اس سے بھاگ نکلا میں اس کے اس حال سے خوفزدہ ھو گیا تھا ۔

میں نے حسین بن احمد رازی رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابو سلیمان خواص رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : ایک روز میں اپنے گدھے پر سوار تھا اور اسے مکھیاں

تک کر رهی تهیں چنانچہ اس نے اپنا سر نیچے کو جهکایا هوا تها ـ میرے هاتهـ میں ایک لکڑی تهی جس سے میں اسے مار رها تها ـ یکایک گدهے نے سر اٹها کر کہا : مارے جاؤ ، تم اپنے هی سر کو مار رہے هو ـ

ابوعبدالله کہتے هیں : یہ سن کر میں نے ابوسلیمان سے کہا : اے ابوسلیمان ! کیا واقعی آپ سے یہ واقعہ پیش آیا ـ یا کیا آپ نے گدهے کو یوں کہتے سنا ـ انہوں نے جواب دیا : میں نے اس سے اسی طرح سنا جس طرح تم میری بات سن رہے هو ـ

میں نے احمد بن عطا رودباری کو سنا وہ فرما رہے تهے : طهارت کے معاملے میں میرا ایک خاص طریقہ تها ایک رات میں استنجا کر رها تها ـ یا فرمایا : میں وضو کر رها تها کہ اسی حالت میں ایک چوتهائی رات گزر گئی مگر پهر بهی دل کو تسکین نہ هوئی ـ لهذا مجهے اس کا ملال هوا اور میں رو پڑا اور کہا : خدایا ! مجهے معاف کر دو ـ (ص۳۴۷)اس پر میں نے ایک آواز سنی مگر کوئی شخص دکهائی نہ دیا ـ آواز کہہ رهی تهی اے ابوعبدالله معافی تو علم میں ہے ـ (۵۲۸)

جعفر خلدی رحمه الله کے پاس ایک نگینہ تها ـ ایک روز وہ دریائے دجلہ میں کشتی پر جا رہے تهے ـ جب ملاح کو اس کی اجرت دینے لگے تو ان کا بٹوا کهل گیا ـ اسی میں نگینہ بهی تها ـ اور نگینہ دجلہ میں گر پڑا ـ ان کے پاس گمشدہ چیز کے لئے ایک مجرب دعا تهی جسے یہ گمشدہ چیز کے لئے پڑها کرتے تهے (چنانچہ انہوں نے وہ دعا پڑهی اور ان اوراق میں جنهیں یہ پلٹ رہے تهے نگینہ مل گیا ـ دعا یہ ہے :

أللهم يا جامع الناس ليوم لا ريب فيه اجمع علي ضالتي

(اے وہ خدا جو لوگوں کو اس دن ایک جگہ جمع کر دے گا جس کے واقع هونے میں کوئی شک نہیں ـ میری گمشدہ چیز مجهے دے دو)

اس کے بعد ابوالطیب عکی نے مجهے ایک رسالہ دکهایا جس میں ان تمام گمشدہ چیزوں کا ذکر تها جو الله نے اس دعا کے مانگنے والے کو قلیل مدت کے اندر واپس دے دی تهیں ـ میں نے یہ رسالہ دیکها تو یہ بہت سے اوراق پر مشتمل تها ـ

میں نے حمزہ بن عبدالله علوی کو سنا وہ فرما رہے تهے میں ابوالخیر یتناتی کے هاں گیا اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تها کہ صرف سلام کرکے چلا آؤں گا اور ان کے هاں سے کچهـ نہ کهاؤں گا ـ اور اس ولی عہد کا علم صرف الله کو تها ـ اس کے بعد ان کے پاس گیا ـ سلام کیا اور انہیں الوداع کہہ کر ان کے پاس سے نکل آیا ـ جب گاؤں سے دور نکل گیا تو

کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آ پہنچے - اور ساتھ کھانا لئے ہوئے تھے - مجھے کہا ! اے اب تو یہ کھا لو کیونکہ تمہارا عہد تو پورا ہو چکا ہے یا اسی قسم کے کچھ اور الفاظ کہے -

یہ لوگ لوگوں میں صدق اور دیانت کی وجہ سے مشہور ہیں - ان کا ہر فرد اپنے علاقے میں امام مانا جاتا ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور احکام دین میں لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں اور مسلمان احکام دین میں ان کی تصدیق کرتے ہیں اور جو احکام یہ رسول اللہ سے روایت کرتے ہیں یا جو احادیث اور روایات یہ رسول اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ان میں ان کی شہادت کو قبول کرتے ہیں - ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی انہیں جھوٹا کہے یا ان حکایات اور اسی قسم کی دیگر باتوں میں کوئی ان پر اتہام لگائے - لہذا جب یہ لوگ ایک بات میں سچے ثابت ہو گئے تو سب باتوں میں ایسے ہوں گے - اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے -

(ص ۳۱۸) ۲ - باب

اہل ظاہر میں ان لوگوں کے دلائل جنہوں نے کرامت کا انکار کیا ہے - ان کے جواب میں اولیاء کیلئے کرامات کے جائز ہونے کے دلائل اور اس امر میں اولیاء اور انبیاء علیہم السلام میں فرق -

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اہل ظاہر کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا سے کرامات کا ظاہر ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت اور آیات ، معجزات اور کرامات (دراصل) ایک ہی چیز ہیں - معجزہ کو معجزہ اس لئے کہا گیا ہے کہ مخلوق اس قسم کی بات کرنے سے عاجز ہوتی ہے لہذا جو شخص غیر انبیاء کیلئے اس قسم کی کوئی بات ثابت کرتا ہے وہ انبیاء اور غیر انبیاء کو برابر سمجھتا ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں کرتا -

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جن لوگوں نے اس بات کا انکار کیا ہے تو اس لئے کیا ہے کہ کہیں انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں کسی قسم کی کمزوری واقع نہ ہو - ایسا کہنے والوں کو غلطی لگی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر لوگوں میں اس امر میں کئی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انبیاء کو مخلوق کے سامنے ان معجزات کے ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے نیز یہ کہ اسے ان لوگوں پر (۵۲۹) جنہیں وہ اللہ کی

طرف آنے کی دعوت دیتے ہیں (اپنی سچائی کی) دلیل بنائیں ۔ لہذا اگر وہ انہیں چھپائے رکھیں تو یہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی ۔ (بر خلاف اس کے) اولیاکو مخلوق سے اپنی کرامات کو چھپائے رکھنے کا حکم ہے اور اگر وہ اسے مخلوق کے سامنے اس لئے ظاہر کریں کہ انہیں ان کے ہاں عزت حاصل ہوگی تو یہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور نافرمانی ہوگی ۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کے درمیان ایک اور فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے معجزات کے ذریعے مشرکوں کے خلاف حجت قائم کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اولیاء اسے اپنی ذات کے خلاف دلیل قائم کرتے ہیں تاکہ انہیں اطمینان حاصل ہو اور انہیں یقین آجائے اور رزق نہ ملنے پر نفس (ص۳۶۹)نہ بے قرار ہو اور نہ گھبرائے اور نفس برے کاموں کا حکم دینے والا ، انکار کرنے والا ، شرک کرنے والا ہے اور شک کرنا اس کی سرشت میں ہے ۔ اسے اس بات پر یقین نہیں کہ اس کے پیدا کرنے والے نے رزق کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور (۵۴۰)یہ بات قسم کھا کر کہی ہے ۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ سے اس کے متعلق سوال کرتے ہوئے پوچھا : کرامات سے کیا مراد ہے حالانکہ وہ پہلے سے ہی عزت پا چکے ہیں حتی کہ انہوں نے اپنی مرضی سے دنیا کو ترک کیا لہذا اس بات میں کہ ان کیلئے پتھر کو سونا بنا دیا جائے کیسے عزت پائی گئی ۔ اس کی کیا وجہ ہے ۔

جواب دیا : اللہ تعالی انہیں یہ کرامات اس لئیے عطا نہیں کرتا کہ ان کے ہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و منزلت ہوتی ہے بلکہ اس لئے عطا کرتا ہے کہ وہ اسے اپنی ذات کیلئے اس وقت دلیل بنائیں جب وہ رزق جو اللہ نے ان کیلئے مقرر کر رکھا ہے نہ ملنے کی وجہ سے نفس مضطرب اور بے قرار ہو ۔ اور یہ اپنے نفس سے کہیں کہ وہ خدا جو پتھر کو سونا بنانے پر قادر ہے ، جیسا کہ دیکھ رہا ہے ، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تمہارا رزق تمہارے پاس اس طرح لے آئے کہ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو ۔ لہذا رزق نہ ملنے پر وہ اسے اپنے نفس کے شور و غوغا کے خلاف حجت بنائیں گے اور اپنے نفس کے دلائل کو اس سے کاٹ دیں تاکہ یہ ان کے نفس کیلئے ریاضت اور ادب سکھانے کا سبب بنے ۔

اس سلسلے میں ابن سالم نے ہمیں سہل بن عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے ایک حکایت سنائی سہل فرماتے ہیں : بصرہ میں اسحق بن احمد نام ایک شخص تھا ۔ وہ بڑا مالدار تھا ۔ اس نے اپنی تمام دولت خیرات کر دی اور توبہ کی اور سہل رحمہ اللہ کی صحبت میں رہنے لگا ۔ ایک روز اس نے سہل سے کہا : اے ابومحمد ! میرا یہ نفس خوراک اور

قوت لایموت نہ ملنے کے خوف سے چیخ و پکار ترک نہیں کرتا سہل نے کہا : یہ پتھر لے اور اللہ سے درخواست کر کہ اسے تمہارے لئے کھانا بنا دے تاکہ تو اسے کھا سکے۔ اسحق نے کہا : اس سوال کرنے میں میرا امام کون ہوگا تاکہ میں ایسا کروں۔ سہل رحمہ اللہ نے جواب دیا : اس میں تمہارا امام ابراھیم علیہ السلام ھیں جب انہوں نے یوں کہا تھا :

(۵۳۱)رب أرني كيف تحيي الموتى قال أو لم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبي

(خدایا مجھے یہ تو دکھا دے کہ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔ اللہ نے کہا : کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں ؟ جواب دیا : ایمان تو ہے (مگر میں یہ سوال اس لئے کر رہا ہوں کہ) میرے دل کو اطمینان آجائے)

اس کا مقصد یہ ہے کہ نفس (کسی امر کو) آنکھ سے دیکھ کر ھی مطمئن ہوتا ہے کیونکہ شک کرنا اس کی فطرت میں ہے اسی لئے تو ابراھیم علیہ السلام نے کہا : مجھے یہ دکھا دو کہ میرا نفس کیسے مطمئن ہوتا ہے کیونکہ میرا تو اس پر ایمان ہے مگر نفس آنکھ سے دیکھے بغیر مطمئن نہیں ہوتا۔

یہی حال اولیاء کا ہے۔ اللہ تعالی ان کے نفسوں کو ادب سکھانے اور مہذب بنانے کی غرض سے (ص۳۲۰)ان سے کرامات کا اظہار کراتا ہے۔ نیز اس لئے کہ ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو۔ لہذا اس امر میں ان میں اور انبیاء علیہم السلام میں فرق ہوا کیونکہ انبیاء کو معجزہ اس لئے دیا جاتا ہے کہ اسے اپنی تبلیغ میں لوگوں پر حجت بنائیں اور اللہ کی طرف ان کی رہنمائی کریں اور اس کی وحدانیت کا اقرار کرنے کیلئے اسے دلیل بنائیں۔

انبیاء اور اولیاء میں اس فرق کی تیسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جس قدر زیادہ معجزات کا ظہور ہوگا اس سے ان کے مقصد کی زیادہ تکمیل ہوگی اور ان کے دل اور زیادہ ثابت قدم رھیں گے جیسا کہ ھمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا حال تھا کہ انہیں تمام وہ معجزات عطا کئے گئے جو دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کو دئے گئے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ چنانچہ آپ کو وہ معجزات بھی دئے گئے جو آپ کے سوا کسی کو نہ دئے گئے تھے مثلا معراج ، شق قمر ، انگلیوں میں سے پانی کا پھوٹنا۔ اس کی شرح لمبی ہے۔ اس سے ھماری مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جس قدر زیادہ معجزات دئے جاتے ھیں ان سے ان کے مقصد اور فضیلت اور کمال حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جن اولیاء کو کرامات دی جاتی ھیں ان سے جس قدر زیادہ کرامات کا ظہور ہوگا اسی قدر ان کا خوف اور گھبراھٹ زیادہ ہوگی اور انہیں یہ ڈر لگا رہے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی مخفی چال ہو

اور انہیں ڈھیل دی جا رہی ہو نیز وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کے ہاں ان کی قدر و منزلت گر جانے کی وجہ سے ان کی قسمت میں ایسا لکھ دیا گیا ہو۔

۳ ۔ باب

اولیاء کرام کیلئے کرامات کے ثابت ہونے پر دلائل ۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ کرامات صرف انبیاء علیہم السلام کیلئے ہوتی ہیں تو انہوں نے ایسا کیوں کہا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کتاب و سنت میں کرامات کے جائز ہونے کی دلیل پائی جاتی ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۳۲)و هزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطباً جنیاً

(کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف ہلاؤ تو تازہ کھجوریں اوپر سے تم پر گریں گی)

اور مریم تو نبی نہ تھیں ۔

اور جریج راہب کے قصے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی حدیث اور بچے کا کلام کرنا موجود ہے۔ اور جریج بھی نبی نہ تھے ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے غار کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

(ص۳۲۱)ایک بار تین آدمی تھے جنہیں چلتے چلتے رات ہو گئی اور وہ رات بسر کرنے کیلئے ایک غار میں چلے گئے پوری حدیث دیکھیں ۔

نیز یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : ایک بار ایک شخص گائے لئے ہوئے جا رہا تھا اور وہ اس پر سوار تھا ۔ گائے نے کہا : اے اللہ کے بندے ! ہم سواری کے لئے پیدا نہیں کی گئیں ہمیں تو ہل جوتنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ قصہ سن کر لوگوں نے کہا : سبحان اللہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس پر میرا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان ہے حالانکہ وہ دونوں اس وقت وہاں موجود نہ تھے ۔ اور اس کا کہیں ذکر نہیں کہ گائے پر سواری کرنے والا نبی تھا ۔

اسی طرح اس بھیڑئیے والی حدیث ہے جس نے چرواہے سے کلام کیا اور اس کا بھی

کہیں ذکر نہیں کہ چرواہا نبی تھا ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : میری امت میں مکلم اور محدث ہیں عمر رضی اللہ عنہ ان ہی میں سے ہیں اور جو لوگ مکلم اور محدث ہوتے ہیں وہ کرامات میں ان لوگوں کی کرامات کے مقابلے میں جن کا ذکر اللہ نے ابدالوں، اولیاء اور صالحین کے سلسلے میں کیا ہے زیادہ کامل اور زیادہ بلند ہوتے ہیں ۔

اور عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ انہوں نے خطبہ کے دوران یا ساریۃ الجبل کہا اور آپ کی آواز نہاوند کے دروازے پر لشکر کے اندر سنی گئی ۔

اور حدیث میں علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی بہت سی کرامات اور دعاؤں کی مقبولیت کا ذکر آیا ہے ۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے اصحاب میں سے بہت سے لوگوں کی نسبت کرامات کی قسم کی بہت باتوں کی روایت آئی ہے مثلاً اسید بن حضیر اور عبّاد بن بشیر رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ یہ دونوں تاریک رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس سے نکل کر گئے تو ان میں سے ایک کے عصا کا سرا چراغ کی طرح روشن ہو گیا ۔ جیسا کہ حدیث میں مروی ہے ۔

اور ابوالدرداء اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہما والی حدیث کہ ان کے درمیان ایک پیالہ تھا جس نے اللہ کی تسبیح بیان کی اور دونوں نے اسے سنا ۔

اور علاء بن الحضرمی کا قصہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں ایک جگہ جنگ میں بھیجا اور راستے میں سمندر آگیا ۔ انہوں نے اسم اعظم کے ذریعے دعا کی اور پانی کے اوپر چل کر گزر گئے ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ۔

اسی طرح ان کا اللہ سے دعا کرنا جب کہ سامنے سے شیر آرہا تھا ۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث جب ان کی ملاقات ایک ایسی جماعت سے ہوئی جو شیر کے ڈر سے راستے میں ٹھہر گئے تھے ۔ اور عبداللہ بن عمر نے اس شیر کو راستے سے ہٹا دیا تھا ۔ اس کے (ص۳۲۲)بعد کہا : ابن آدم پر وہی مسلط کیا جاتا ہے جس سے یہ ڈرتا ہے اور اگر انسان اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو اللہ بھی اس پر کسی ایسی چیز کو مسلط نہ کریں گے جس سے اور لوگ ڈرتے ہوں ۔

اس قسم کے واقعات کا ذکر بہت سی احادیث میں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بات صحیح ثابت ہو چکی ہے کہ آپ نے فرمایا :
بعض پراگندہ موی، غبار آلود اور چھتڑے پہنے ہوئے لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے وہ قسم کھا کر کوئی بات کہدیں تو اللہ تعالیٰ قسم پوری کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک براء بن مالک ہیں۔

کوئی کرامت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ بندہ اللہ پر اعتماد کرکے کوئی قسم کھالے اور اللہ اسے پوری کر دے جبکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

أدعوني أستجب لكم

(مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا)

اللہ تعالی نے یہ نہیں کہا کہ فلاں بات کیلئے پکارو اور فلاں کیلئے نہ پکارو۔ تابعین کی ایک جماعت کی کرامات اور مقبولیت دعا کے واقعات صحیح اسناد کے ساتھ روایات میں آئے ہیں اگر ہم صرف چندکرامات کا ذکر کرنے لگیں تب بھی بات لمبی ہو جائے گی چہ جائیکہ تمام کرامات کا ذکر کریں علماء نے ان کرامات اور روایات کے متعلق کتابیں لکھی ہیں۔ حدیث کے اندر بھی بہت سی کرامات کا ذکر آیا ہے مثلا عامر بن عبد قیس کی کرامات، (۵۳۲)حسن بن ابی الحسن بصری کی، مسلم بن یسار کی (۵۳۳)ثابت بنانی کی، (۵۳۵)صالح مری کی، بکر بن عبداللہ مزنی کی، اُویس قرنی کی، ھرم بن حیان کی (۵۳٦)ابومسلم خولانی کی، صلہ بن اشم کی، (۵۳۷)ربیع بن خشیم کی، داؤد طائی کی، (۵۳۸)مطرف بن عبداللہ بن شخیر کی، (۵۳۹)سعید بن مسیب کی، عطاء سلمی اور دیگر تابعین کی ان تمام کے متعلق اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے متعلق بہت سی کرامات مروی ہیں اور ان کی دعائیں مقبول ہوئی ہیں اسی طرح اور باتیں جو ان سے ظاہر ہوئیں جنہیں کوئی شخص رد نہیں کر سکتا کیونکہ اہل روایت کے نزدیک یہ تمام روایات درست ثابت ہو چکی ہیں۔ اسی طرح ایک اور طبقہ کی کرامات ہیں جو ان سے بعد میں آئے، مثلا مالک بن دینار، فرقد سنجی، عتبہ الغلام، حبیب عجمی، محمد بن واسع، رابعہ عدویہ، عبداللہ بن زید، ایوب سختیانی اور دیگر صلحاء جو ان کے عہد میں ہوئے ہیں۔ لہذا جب ان علماء اور ائمہ نے جو ان کے عہد میں ہوئے ہیں یہ روایت بیان کی ہیں اور ان کے نزدیک یہ واقعات درست تھے اور اس کے بعد انہوں نے یہ واقعات اوروں کو سنائے مثلا ایوب سختیانی، (ص۳۲۳)حماد بن زید اور سفیان ثوری وغیرہ ائمہ اور ثقہ لوگ اور ان میں سے کسی ایک نے بھی ان واقعات کا انکار نہیں کیا۔ اور یہی لوگ دین کے بارے میں ہمارے امام ہیں اور ان ہی لوگوں کی روایت

سے ہمارے ہاں علم الحدود ، علم الاحکام اور علم الحلال و الحرام صحیح طریقے پر قرار پایا ہے لہذا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ہم ان کی بعض روایات کی تو تصدیق کریں اور بعض کی نہ کریں ۔

میں نے دیکھا کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس قسم کی کرامات اور مقبولیت دعا کے واقعات کو جمع کیا ہے۔ نیز ان کرامات کو جمع کیا ہے جو اس سلسلے میں ان کے سامنے ظاہر ہوئیں چنانچہ انہوں نے ایک ہزار سے زائد حکایات اور ایک ہزار احادیث کو جمع کیا ہے لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم سب کو جھوٹ اور من گھڑت قرار دیں ۔ اگر ان تمام میں سے ایک خبر بھی درست نکل آئے تو تمام درست ہوں گی کیونکہ اس معاملے میں قلیل اور کثیر یکساں سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ جو کرامات نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے پہلے ظاہر ہوئیں وہ اس زمانے کے نبی کی تعظیم کی خاطر ہوئیں اور جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے ظاہر ہوئیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی تعظیم کی خاطر تھیں ۔

اس کے جواب میں ہم ان لوگوں سے کہیں گے کہ جو کرامات تابعین اور ان سے بعد کے آنے والوں سے ظاہر ہوئیں یا جو کرامات قیامت تک ظاہر ہوتی رہیں گی سب نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی تعظیم کی خاطر ہیں کیونکہ آپ ﷺ افضل الانبیاء ہیں اور آپ کی امت خیرالامم ہے۔ اور جس طرح یہ جائز ہے کہ کسی ایک نبی کو کوئی معجزہ عطا کی گیا ہو اور اسی قسم کا معجزہ یا اس سے زیادہ مکمل یا اس سے بھی زیادہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو عطا کیا جائے اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ سابقہ امتوں میں سے کچھ لوگوں کو ان کے انبیاء کی تعظیم کی خاطر کرامات عطا کی جائیں اور محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی امت میں سے کچھ لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ و سلم کی تعظیم کی خاطر ان سے زیادہ کرامات دی جائیں ۔ باوجودیکہ امت محمد صلی اللہ علیہ و سلم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کرامات کو نہ حال سمجھتے ہیں نہ مرتبہ اور نہ تعظیم بلکہ وہ اسے آزمائش اور مصیبت سمجھتے ہیں جو اللہ کے برگذیدہ لوگوں اور مخصوص اولیاء کے راستے میں ڈال دی گئی ہیں ۔ لہذا جب ان سے کوئی کرامت ظاہر ہو جاتی ہے تو انہیں اللہ کے ہاں اپنے مرتبہ سے گر جانے کا کھٹکا لگا رہتا ہے اور یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ رجعت قہقری نہ ہو اور یہ اپنے درجے سے نیچے نہ تر آئیں اور جو ان کرامات کی طرف مائل ہو اور اس پر خوشنودی کا (ص۳۲۳)اظہار کرے وہ اسے مخصوص لوگوں میں شمار ہی نہیں کرتے ۔ ہم اس کے متعلق ایک بات تحریر کریں گے جس میں اس کی وضاحت کریں گے ۔ ان شا اللہ تعالی ۔ اس قدر ذکر کرنے سے ہماری مراد

صرف تھی کہ ایسا ہونا جائز ہے۔ نیز ان لوگوں کے قول کو باطل قرار دینا تھا جن کا یہ خیال ہے کہ اس امت میں کرامات کا ظاہر ہونا جائز نہیں۔

۴ ـ باب

کرامات کے سلسلے میں خصوصیت رکھنے والے اولیاء کے مقام کا بیان اور ان لوگوں کا ذکر جن سے کسی قدر کرامات ظاہر ہوئیں مگر انہوں نے اسے ناپسند کیا اور آزمائش میں پڑنے سے ڈر گئے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کسی نے سہل بن عبداللہ کے سامنے کرامات کا ذکر کر دیا۔

انہوں نے فرمایا : آیات و کرامات کیا ہیں (بس یہی نہ کہ) ہوئیں اور ختم ہو گئیں مگر سب سے بڑی کرامت تو یہ ہے کہ تو اپنے نفس کے کسی مغموم خلق کو محمود خلق میں بدل دے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابویزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا : شروع شروع میں اللہ تعالی مجھے آیات و کرامات دکھا دیتے تھے مگر میں ان کی طرف توجہ نہ دیتا تھا لہذا جب اللہ نے میری یہ کیفیت دیکھی تو اس نے مجھے اپنی معرفت کا راستہ دکھا دیا۔

کسی نے ابویزید رحمہ اللہ سے کہا : کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا : شیطان اللہ تعالی کی لعنت میں ہوتے ہوئے بھی ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب کو پہنچ جاتا ہے۔

کسی نے ان سے کہا : فلاں شخص پانی کے اوپر چلتا ہے۔

جواب دیا : پانی کے اندر مچھلیاں اور ہوا میں پرندے اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات ہے۔

میں نے طیفور بن عیسی کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ موسی بن عیسی نے کہا کہ مجھے میرے باپ نے بتایا ہے کہ ابویزید نے کہا : اگر کوئی شخص پانی کی سطح پر اپنا مصلی

بچھائے اور ہوا میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائے تب بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا تاآنکہ تجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ امر و نہی میں کیسا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خاص اور مختص لوگوں کیلئے یہ امور حجاب کا باعث بنتے ہیں : اللہ کی نعمتوں کو دیکھنا ، اللہ کے عطیوں سے لذت حاصل کرنا اور کرامات پر مطمئن ہو جانا ۔

(ص۳۲۵)میں نے ابن سالم رحمہ اللہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو یوں کہتے ہوئے سنا عبداللہ بن احمد نام ایک شخص سہل بن عبداللہ بن احمد عبداللہ رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا : اے ابومحمد ! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز کیلئے وضو کرتا ہوں اور میرے ہاتھوں سے پانی بہتا ہے تو وہ سونے اور چاندی کی سلاخیں بن جاتا ہے ۔

سہل نے اسے جواب دیا : اے دوست ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ جب بچے روتے ہیں تو انہیں جھنجھنا دیا جاتا ہے تاکہ ان کا خیال اس طرف لگ جائے لہذا تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں ۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے ابوبکر کتانی نے ذکر کیا ۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالازہر اور کئی بھائیوں نے ذکر کیا کہ ابوحمزہ رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ ایک دروازے کو کھولنے کے لئے جمع ہوئے مگر نہ کھول سکے ۔ ابوحمزہ رحمہ اللہ نے کہا : ہٹ جاؤ (جب وہ ہٹ گئے تو) انہوں نے تالے کو ہاتھ میں لے کر ہلایا اور کہا : تمہیں ایسی ایسی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تو اسے کھول دے اور تالا کھل گیا ۔

نوری رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات وہ دجلہ پر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دجلہ کے دونوں کنارے آپس میں مل گئے ہیں ۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا : تمہاری عزت و جلال کی قسم میں تو اسے کشتی کے ذریعے ہی عبور کروں گا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابویزید بسطامی رحمہ اللہ نے فرمایا : میرے پاس ابوعلی سندی آئے اور ابوعلی سندی ان کے استاد تھے ۔ ان کے پاس ایک چمڑے کا تھیلا تھا جسے انہوں نے میرے سامنے انڈیل دیا ۔ اور یہ رنگ رنگ کے جواہر تھے ۔ میں نے سوال کیا : آپ نے یہ کہاں سے لئے ہیں ۔ جواب دیا : میں یہاں ایک وادی میں گیا دیکھا تو وہ چراغ کی طرح جگ مگ کر رہی تھی ۔ میں وہیں سے یہ جواہر اٹھا لایا ہوں ۔ میں نے ان سے پوچھا : جب آپ اس

وادی میں پہنچے تھے تو آپ کی کیا کیفیت تھی ۔ جواب دیا : یہ وہ وقت تھا جب میں اپنی پہلی حالت کے مقابلے میں وقفہ محسوس کر رہا تھا ۔ اور یہ حکایت بیان کی ۔
مراد یہ ہے کہ اس وقفے کے دوران انہیں ان جواہر میں مشغول رکھا گیا ۔

شیخ فرماتے ہیں کہ احمد بن علی وجیہی نے ہمیں رملہ میں محمد بن یوسف بناہ کے متعلق ایک حکایت لکھائی : وہ فرماتے ہیں کہ ابوتراب نخشبی صاحب کرامات تھے ۔ میں ایک سال تک ان کا هم سفر رہا ۔ پھر ہمارے ساتھ چالیس اور آدمی آ ملے آپ ان سے جس قدر اللہ چاہتا ۔ مہربانی سے پیش آتے (ص۳۲٦) اس کے بعد ابوتراب نے انہیں راستہ پر لگا دیا اور ہم راستے سے ہٹ گئے ۔ ہمارے ساتھ صرف ایک دبلہ پتلا نوجوان رہ گیا ابوتراب نے فرمایا : ان میں اس نوجوان سے زیادہ قوی ایمان والا کوئی نہیں ہے ۔ وہ فرماتے ہیں : ہم کئی دنوں تک چلتے گئے اور ہمیں کھانا کھانے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ وہ فرماتے ہیں : اس وقت ابوتراب راستے سے ہٹ کر ایک طرف کو گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور ان کے پاس کیلوں کا ایک گچھا تھا جسے انہوں نے ہمارے سامنے رکھ دیا ۔ اس وقت ہم ریتلے میدانوں کے وسط میں تھے ۔ ابوتراب نے بہت کوشش کی کہ وہ نوجوان ان کیلوں میں سے کچھ کھالے مگر اس نے نہ کھایا ۔ هم نے اسے کہا : توں کیوں نہیں کھاتا ؟ اس نے جواب دیا : مجھے یقین ہے کہ اللہ اور میرے درمیان جو عہد ہے یہ ہے کہ میں ہر قسم کی معلوم چیز کو ترک کردوں ۔ اور آپ میرے معلوم بن چکے ہیں ۔ لہذا اب میں آپ کی صحبت میں نہیں رہ سکتا ۔

محمد بن یوسف کہتے ہیں : میں نے ابوتراب رحمہ اللہ سے کہا : اگر آپ چاہیں تو اسے قسم دے کر کہہ سکتے ہیں (کہ کھاؤ) اور اگر چاہیں تو اسے چھوڑ دیں ۔ ابوتراب نے (صرف اس قدر کہا) جو بات تمہارے دل میں واقع ہوئی ہے اسی کے ساتھ لگے رہو ۔ یا جیسا بھی انہوں نے کہا ہو ۔ واللہ اعلم ۔

میں نے ابن سالم کو سنا وہ فرما رہے تھے : جب اسحق بن احمد فوت ہوئے تو سہل بن عبداللہ ان کے عبادت خانے میں گئے ۔ وہاں انہیں ایک ٹوکرہ ملا جس میں دو بوتلیں تھیں ۔ ایک میں سرخ رنگ کی کوئی چیز تھی اور دوسرے میں زرد رنگ کی نیز انہیں ایک تکمہ سونے کا اور ایک تکمہ چاندی کا ملا ۔ ابن سالم کہتے ہیں کہ سہل رحمہ اللہ نے میرے والد کو حکم دیا کہ ان تکموں کو دریائے دجلہ میں جا کر پھینک دو ۔ میرے والد نے ایسے ہی کیا اور جو کچھ بوتلوں میں تھا اسے مٹی میں ملا دیا ۔ حالانکہ اسحق بن احمد کے ذمے قرض تھا ۔ ابن سالم کہتے ہیں کہ میرے والد نے سہل رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ان بوتلوں میں کیا تھا ۔ انہوں نے فرمایا : جو چیز سرخ رنگ کی تھی اگر اس میں سے ایک درہم کے برابر تانبے کے کئی

مثقالوں پر ڈال دیا جاتا تو سونا بن جاتا اور جو چیز زرد رنگ کی تھی اگر اس میں سے ایک درہم کے برابر تانبے کے کئی مثقالوں پر ڈال دیا جاتا تو چاندی بن جاتی اور تکیے صرف تجربہ کے طور پر بنائے گئے تھے۔ میرے والد کہتے ہیں: میں نے ان سے سوال کیا: انہیں کس بات نے روکا کہ وہ اس عمل کو کرکے (سونا بنا لیں) اور اس سے قرضہ ادا کر دیں جواب دیا: اے دوست انہیں اپنے ایمان کا ڈر تھا۔ (اس پر) میں نے ابن سالم سے کہا: اگر سہل رحمہ اللہ اس سے ان کا قرضہ ادا کر دیتے تو کیا یہ اسے ضائع کرنے کے مقابلے میں بہتر نہ ہوتا۔ ابن سالم نے جواب دیا: سہل کو ان سے (ص۳۲۷)بھی زیادہ اپنے ایمان کا ڈر تھا۔ اس کے بعد فرمایا: ان کے ورع نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا کیونکہ اس قسم کا سونا ستر سال کے بعد بدل کر (پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتا ہے)۔

ابوحفص رحمہ اللہ یا کسی اور کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گرد ان کے مریدین تھے کہ ایک ہرن پہاڑ سے اتر کر ان کے پاس آ بیٹھا۔ راوی کہتا ہے کہ ابوحفص یا دوسرے شیخ یہ دیکھ کر رو پڑے اور اس ہرن کو کھلا چھوڑ دیا۔ کسی نے ان سے رونے کا سبب پوچھا: فرمایا: جب تم میرے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میرے پاس بکری ہوتی تو میں اسے تمہارے لئے ذبح کرتا۔ مگر جب یہ ہرن ہمارے پاس آ کر بیٹھ گیا تو میں نے اپنے نفس کو فرعون سے تشبیہ دی کیونکہ اس نے اللہ سے درخواست کی تھی کہ نیل اس کے ساتھ ساتھ بہے چنانچہ اللہ نے ایسا کر دیا۔ لہذا میں رو دیا اور اپنی اس آرزو کی وجہ سے اللہ سے معافی کی درخواست کی اور ہرن کو چھوڑ دیا۔

ایک شیخ کا قول ہے: تم اس شخص پر تعجب نہ کرو جس نے اپنی جیب میں کوئی چیز ڈالی ہو مگر وہ جب جیب میں ہاتھ ڈالے تو جو چاہے اس میں سے نکال لے۔ اس کے برعکس اس شخص پر تعجب کرو جو اپنی جیب میں کچھ ڈالے مگر جب پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے تو اس میں کچھ بھی نہ پائے مگر اس کے باوجود اس میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔

ابن عطا فرماتے ہیں: میں نے ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کو سنا وہ فرما رہے تھے: میرے دل میں ان کرامات کے متعلق کچھ شک تھا لہذا میں نے بچوں سے ایک (مچھلیاں پکڑنے والی) بنسی لی اور دو کشتیوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہا: تمہیں تمہارے عزت و جلال کی قسم اگر تین پونڈ کی مچھلی نہ نکلی تو میں خود کو ڈبو دوں گا۔ وہ فرماتے ہیں: کہ تین پونڈ کی مچھلی نکل آئی۔ نوری فرماتے ہیں: جب اس واقع کی خبر جنید رحمہ اللہ کو ہوئی تو فرمایا: اس کی سزا تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ (مچھلی کی بجائے) ایک سانپ نکل کر

اسے ڈستا ۔

ان کی مراد یہ تھی کہ اگر انہیں سانپ ڈستا تو یہ ان کیلئے دینی اعتبار سے زیادہ مفید ہوتا کیونکہ مچھلی کے نکلنے میں ان کی آزمائش پائی جاتی تھی اور سانپ کے ڈسنے میں ان کی تطہیر اور کفارہ ہوتا ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو کسی شخص کو آیات و کرامات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھے (تو سمجھ لو کہ) اس کا طریقہ ابدال کا طریقہ ہے اور جب دیکھے کہ وہ اللہ کی نعمتوں اور احسانات کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو اس کا طریقہ اہل محبت کا طریقہ ہوگا اور یہ اوں الذکر کے مقابلے میں بلند تر طریقہ ہے اور جب دیکھے کہ وہ ذکر کی طرف اشارہ کر رہا ہے اور اس کا لگاؤ بھی ذکر کے ساتھ تو اس کا طریقہ عارفوں کا طریقہ ہوگا اور یہ بلند ترین مقام ہے ۔

باب ـ ۵ (ص۳۲۸)

ان لوگوں کا بیان جنہیں کرامات عطا کی گئیں اور انہوں نے انہیں اپنے مریدوں کے سامنے اپنی سچائی ، پاکیزگی ، سلامتی قلب اور صحت قلب کی وجہ سے ظاہر کیا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جعفر خلدی رحمہ اللہ نے مجھے بتایا اور یہ ان باتوں میں سے ہے جو میں نے انہیں پڑھ کر سنائیں ۔ جعفر کہتے ہیں کہ جنید رحمہ اللہ نے مجھ سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا : میں ایک دن سری سقطی رحمہ اللہ کے پاس گیا ۔ وہ فرمانے لگے : میں تمہیں ایک چڑیا کا عجیب واقعہ سناتا ہوں ؛ یہ چڑیا آتی اور اس خیمے کے اوپر آکر گرتی ۔ میں ایک لقمہ لے کر اپنے ہاتھ میں اسی کے ریزے بناتا تو یہ چڑیا میری انگلیوں پر آکر گرتی ۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ یہ چڑیا خیمے پر آکر گری میں نے ہاتھ سے روٹی کے ریزے بنائے مگر یہ چڑیا پہلے کی طرح میرے ہاتھ پر نہ اتری ۔ میں سوچنے لگ گیا کہ یہ چڑیا مجھ سے کیوں وحشت زدہ ہوگئی ہے ۔ تو مجھے یاد آیا کہ میں نے مصالحہ جات کے ساتھ نمک کھایا ہے ۔ اور میں نے دل ہی دل میں کہا کہ میں خوشبودار نمک کھانے سے توبہ کرتا ہوں ۔ اس پر چڑیا میرے ہاتھ پر اتر آئی اور ریزے کھا کر واپس چلی گئی ۔

ابومحمد مرتعش رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے ابراہیم خواص

رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : میں جنگل میں کئی دن حیران و پریشان پھرتا رہا ۔ یکایک ایک شخص نے آکر السلام علیک کہا میں نے جواب میں وعلیک السلام کہا ۔ اس نے کہا : کیا تو راستہ سے بھٹک گیا ہے ؟ میں نے کہا : ہاں ۔ اس نے پھر کہا : کیا میں تجھے راستہ نہ بتا دوں ۔ میں نے کہا : بتا دو ۔ وہ فرماتے ہیں : وہ شخص میرے آگے آگے چند قدم چلا اور غائب ہو گیا ۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں شاہراہ پر ہوں ۔ جس دن سے وہ شخص گیا ہے مجھے نہ تو راستہ بھولا ہے نہ بھوک لگی ہے اور نہ پیاس ۔

جعفر خلدی کی ایک حکایت میں ہے جو انہوں نے جنید رحمہ اللہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں : ایک بار ابوحفص نیشاپوری رحمہ اللہ میرے ہاں آئے اور ان کے ساتھ عبداللہ رباطی رحمہ اللہ اور کچھ اور لوگ بھی تھے ۔ ان میں ایک شخص تھا جس کے ماتھے کے بال اڑے ہوئے تھے اور کم گو انسان تھا ۔ ایک دن اس نے ابوحفص رحمہ اللہ سے کہا : گزشتہ لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جن سے ظاہر و باہر کرامات ظہور پذیر ہوتی تھیں اور آپ کے پاس تو اس قسم کی کوئی چیز نہیں ہے ۔ یہ سن کر ابوحفص رحمہ اللہ نے اسے کہا : (ص۳۲۹)آؤ ، اور اسے لے کر لوہاروں کے بازار میں چلے آئے اور ایک بڑی دہکتی ہوئی بھٹی کے پاس گئے جس میں بہت سا لوہا ڈالا ہوا تھا ۔ انہوں نے اپنا ہاتھ بھٹی میں ڈالا اور تپتا ہوا لوہا ہاتھ میں لے کر باہر نکال لیا ۔ لوہا ان کے ہاتھ میں ٹھنڈا ہو گیا اور فرمایا : تمہارے لئے اسی قدر کافی ہے ۔

کسی صوفی سے پوچھا گیا کہ اس اظہار کرامات سے ابوحفص رحمہ اللہ کا کیا مقصد تھا ۔ انہوں نے جواب دیا : ابوحفص رحمہ اللہ اس شخص کی حالت کو دیکھ رہے تھے ۔ انہیں اس بات کا خدشہ ہوا کہ اگر اس شخص کے سامنے کرامت ظاہر نہیں کرتے تو کہیں اس کی حالت نہ بدل جائے لہذا اس شخص پر خاص شفقت کرتے ہوئے کرامت ظاہر کی تاکہ اس کی حالت محفوظ رہے اور اس کے ایمان میں اضافہ ہو ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ نوعمری میں ابوعبداللہ مغربی رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا کرتے تھے ۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک دن ابوعبداللہ نے انہیں ایک جگہ سے پانی لانے کیلئے بھیجا وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں پانی پر پہنچا تو اس وقت ایک شیر بھی پانی کی طرف آ رہا تھا ۔ ایک تنگ جگہ پر پہنچ کر ہمارا آمنا سامنا ہو گیا ۔ ابراہیم کہتے ہیں : ہم دونوں ایک دوسرے کو دھکیلتے رہے ۔ کبھی وہ دھکیلتا اور کبھی میں حتی کہ میں جلدی سے اس سے پہلے پانی پر پہنچ گیا ۔

مروی ہے کہ احمد بن محمد سلمی نے کہا کہ میں ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے ہاں

گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے سامنے سونے کی ایک طشتری پڑی ہے جس کے گرد ند اور عنبر جلائی جا رہی تھی ۔ انہوں نے مجھ سے کہا : تو ان لوگوں میں سے ہے جو بادشاہوں کے پاس اس وقت جاتے ہیں جب وہ کھل جاتے ہیں ۔ اس کے بعد مجھے ایک درہم دیا جسے میں بلخ پہنچنے تک خرچ کرتا رہا ۔

ذوالنون رحمہ اللہ کی نسبت حکایت ہے کہ بعض اوقات وہ جانوروں کی طرح جوَ چبا کر کھاتے تھے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسعید خراز رحمہ اللہ نے فرمایا : اللہ عزوجل کے ساتھ میری یہ کیفیت تھی کہ وہ مجھے ہر تیسرے دن کھانا دیا کرتا ۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جنگل میں گیا اور تین دن گزر گئے مگر میں نے کچھ نہ کھایا تھا جب چوتھا دن ہوا تو میں کمزوری محسوس کرنے لگا اور وہیں بیٹھ گیا جہاں تھا ۔ یکایک غیب سے آواز آئی اے ابوسعید تو کیا پسند کرتا ہے (۵۳۰)سبب یا قوت ؟ میں نے چلا کر کہا : میں طاقت کے سوا کچھ نہیں چاہتا ۔ میں اسی وقت اٹھا مجھ میں قوت آگئی تھی ۔ اس کے بعد بارہ دن چلتا رہا اور کچھ نہ کھایا اور نہ اس سے کوئی تکلیف محسوس ہوئی ۔

ابوعمر انماطی رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں اپنے استاد کے ساتھ جنگل میں جا رہا تھا کہ بارش آگئی ۔ بارش سے چھپنے کے لئے ہم ایک مسجد میں چلے گئے ۔ مسجد کی چھت میں گڑھا پڑا ہوا تھا ۔ میں اور استاد دونوں درست کرنے کے لئے چھت پر چڑھ گئے ۔ ہمارے پاس ایک شہتیر تھا جسے ہم دیوار پر چڑھانے لگے شہتیر چھوٹا نکلا ۔ استاد نے مجھے اسے کھینچنے کو کہا : میں نے جو کھینچا تو وہ دیوار پر ایک طرف سے دوسری طرف تک چڑھ گیا ۔

عمر کہتے ہیں : میں خیر نساج رحمہ اللہ کے پاس تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا : اے شیخ میں نے کل آپکو دیکھا ہے اور آپ نے دو درھموں کا سوت بیچا تھا ۔ میں آپ کے پیچھے ہو لیا اور میں نے انہیں آپ کے تہبند کے کنارے سے کھول (کر لے لیا) اور اب میرا ہاتھ میری ہتھیلی میں سکڑ گیا ہے ۔ عمر کہتے ہیں کہ یہ سن کر خیر نساج ہنسے اور اپنے ہاتھ سے اس شخص کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا اور وہ کھل گیا ۔ پھر فرمایا : جا کر اپنے اہل و عیال کیلئے اس کا کچھ خرید کر لے جاؤ ۔ پھر کبھی ایسا نہ کرنا ۔

٦ ۔ باب

خاص لوگوں اور ان کے ان احوال کا بیان جو

کرامات میں شمار نہیں ہوتے حالانکہ یہ احوال کرامات سے کہیں زیادہ کامل اور پرلطف ہیں -

شیخ فرماتے ہیں : میں نے طلحہ(۵۴۱) عصاندی بصری کو بصرہ میں فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں میں نے سہل بن عبداللہ کے مرید(۵۴۲) مقحی کو یوں فرماتے سنا : سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ ستر دن تک بغیر کھانا کھانے کے زندہ رہ سکتے تھے (ان کی یہ حالت تھی کہ) جب کھانا کھاتے تو کمزور ہو جاتے اور جب بھوکے رہتے تو طاقتور ہو جاتے -

ابوالحارث اولاسی کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : تیس سال تک میری یہ حالت رہی کہ میری زبان نے جو کچھ بھی سنا میرے باطن سے سنا - پھر یہ حالت بدل گئی تو تیس سال تک میری یہ حالت رہی کہ میرا باطن جو کچھ سنتا میری زبان سے سنتا -

ابوالحسن مزین کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : ابوعبید بسری کی یہ عادت تھی کہ جب رمضان کی پہلی تاریخ ہوتی تو وہ گھر میں گھس جایا کرتے اور بیوی سے کہتے : دروازہ بند کرکے اسے مٹی سے لیپ دو - ہر رات کھڑکی میں سے ایک روٹی پھینک دیا کرنا - پھر جب عید کا دن ہوتا تو دروازے کو ٹانگ سے دھکا دیتے (اور دروازہ کھل جاتا) - اور ان کی بیوی کمرے میں آتی اور دیکھتی کہ تیس کی تیس روٹیاں کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہیں - انہوں نے نہ کچھ کھایا ہوتا اور نہ کچھ پیا ہوتا - نہ نماز کیلئے تیاری کی ہوتی اور نہ نماز کی کوئی ایک رکعت بھی فوت ہوئی ہوتی -

ابوبکر محمد بن علی کتانی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے دل میں کوئی راز امانت کے طور پر رکھا ہو اور پھر دل نے اس میں خیانت کی ہو -

(ص۳۳۱)روایت ہے کہ ابوحمزہ صوفی نے فرمایا : میرے پاس خراساں کا ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے "امن" کے متعلق سوال کیا - ابوحمزہ کہتے ہیں : میں نے اس شخص سے کہا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کے دائیں جانب اگر درندہ ہو اور بائیں جانب تکیہ تو وہ تکیہ لگانے کے لئے ان دونوں میں کوئی امتیاز نہ کرے گا -

ابوحمزہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) اس شخص نے کہا : یہ تو علم کی بات ہوئی . میرے سوال کا حقیقی جواب دو ابوحمزہ کہتے ہیں : اس پر میں خاموش ہو گیا - اس شخص

نے کہا : ارے بدبخت یہ لو جواب : میں ایک شخص کو جانتا ہوں جسے اگر مغرب سے مشرق کو جانا ہو تو اس مدت کے اندر اس کے باطن میں کوئی تغیر واقع نہ ہو۔

ابوحمزہ کہتے ہیں : اس واقعہ کے بعد چالیس دن اور چالیس راتیں بغیر کھانے پینے اور سونے کے گزر گئیں تب کہیں جا کر جو بات اس نے کہی تھی اس کا علم مجھ پر واضح ہو گیا(۵۳۲)۔

میں نے ابوعمرو بن علوان کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایک نوجوان جنید رحمہ اللہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا۔ اس کا دل بہت سمجھدار تھا۔ بعض اوقات وہ لوگوں کے دلوں کی باتیں اور وہ باتیں بیان کرتا جو وہ اپنے باطن میں چھپائے ہوتے تھے۔ کسی نے اس کا ذکر جنید رحمہ اللہ سے کر دیا۔ جنید رحمہ اللہ نے اسے بلایا اور کہا : تمہارے متعلق مجھے کیا خبریں پہنچ رہی ہیں۔ اس نے جواب دیا : مجھے معلوم نہیں مگر آپ جو بات چاہیں دل میں رکھ لیں۔ جنید نے کہا : میں نے رکھ لی۔ نوجوان نے کہا : آپ نے اپنے دل میں ایسا ایسا خیال رکھا ہے۔ جنید رحمہ اللہ نے کہا : نہیں : اس نے کہا ایک بار پھر دل میں کوئی بات رکھ لو۔ جنید نے کہا میں نے رکھ لیا۔ جوان نے کہا : یہ فلاں فلاں ؛ بات ہے۔ جنید نے پھر کہا : نہیں۔ اس نے کہا : تیسری بار پھر ایسا کریں۔ جنید نے کہا : رکھ لیا۔ جوان نے کہا : یہ ایسی ایسی بات ہے۔ جنید رحمہ اللہ نے کہا : نہیں۔ اس پر جوان نے کہا : واللہ یہ عجیب بات ہے میرے نزدیک آپ سچ بولنے والے انسان ہیں اور میں اپنے دل کو پہچانتا ہوں مگر آپ «نہیں» فرماتے جا رہے ہیں۔ یہ جواب سن کر جنید رحمہ اللہ مسکرائے پھر کہا : بھائی تو نے پہلی بار بھی دوسری بار بھی اور تیسری بار بھی سچ کہا ہے۔ میں تمہارا امتحان کر رہا تھا کہ آیا میرے انکار کرنے سے تمہاری حالت میں تغیر آتا ہے یا نہیں (۵۳۳)۔

جعفر خلدی رحمہ اللہ کی نسبت روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : حارث محاسبی رحمہ اللہ میرے گھر آئے۔ میرے پاس ان کو کھلانے کیلئے کوئی عمدہ چیز نہ تھی لہذا میں اپنے چچا کے گھر چلا گیا اور وہاں سے کچھ نکال لایا۔ میں نے (اس میں سے) ایک لقمہ اٹھایا۔ حارث رحمہ اللہ نے منہ کھولا اور میں نے وہ لقمہ ان کے منہ میں ڈال دیا۔ حارث رحمہ اللہ اپنے منہ میں اس لقمے کو ادھر سے ادھر کرتے رہے مگر اسے (ص۳۳۲)نگلتے نہ تھے۔ اس کے بعد اٹھ کر باہر چلے گئے اور دہلیز میں جا کر اسے پھینک دیا۔ میں ان کے پیچھے گیا اور کہا : چچا ! میں دیکھ رہا تھا کہ آپ اسے نگل نہیں رہے پھر آپ نے اٹھ کر اسے دہلیز میں پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا : ہاں بیٹا (میں نے ایسا ہی کیا ہے) کیونکہ میرا اللہ کے ساتھ معاہدہ ہے کہ جب کوئی چیز نادرست طریقے سے حاصل

کی گئی ہو اسے میں نگل نہیں سکتا ۔ میں نے صرف تمہیں خوش کرنے کیلئے منہ کھول دیا تھا مگر میں اسے نگل نہ سکا لہذا میں نے اٹھ کر اسے دہلیز میں پھینک دیا ۔

ابوجعفر حداد رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : ابوتراب رحمہ اللہ جنگل میں میرے پاس آگئے ۔ میں اس وقت ایک حوض پر بیٹھا تھا اور مجھے سولہ دن ہو گئے تھے کہ میں نے کچھ نہ کھایا تھا اور نہ اس حوض کا پانی پیا تھا ۔ پھر بھی وہیں بیٹھا تھا ۔ ابوتراب نے کہا : یہاں کیوں بیٹھے ہو ؟ میں نے جواب دیا ؛ میں علم اور یقین کے درمیان کشمکش میں ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ ان میں سے کون غالب آتا ہے تاکہ اسی کے ساتھ ہو لوں ۔ یہ سن کر ابوتراب بولے : عنقریب تمہاری بڑی شان ہوگی ۔

ابوعبداللہ حصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے صوفیاء میں سے ایک شخص کو دیکھا جس نے سات سال روٹی نہیں کھائی ۔ اور ایک شخص دیکھا جس نے سات سال پانی نہیں پیا تھا ۔ اور میں نے ایک اور شخص کو دیکھا کہ جب وہ کسی ایسے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے جس میں شبہ ہوتا تو ان کا ہاتھ سوکھ جاتا ۔

جعفر مبرقع کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے تین سال سے اللہ کے ساتھ کوئی عہد نہیں کیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس عہد کو توڑ ڈالوں اور خدا مجھے میری زبان سے جھوٹا قرار دے ۔

ابوبکر زقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہم اسمعیل سلمی کے ہمراہ سفر کیلئے نکلے ۔ وہ پہاڑ کی چوٹی پر سے گرے اور ان کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی ۔ ہم نے رونا شروع کر دیا ۔ انہوں نے کہا : تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ غم نہ کرو ۔ یہ پنڈلی تو مٹی کا ایک ٹکڑا ہے ۔ جب سوکھ جائے گی تو ہم اسے مسل دیں گے ۔

اس قسم کی حکایات بہت ہیں اور جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا وہ اس سے بھی زیادہ ہیں ۔ اور یہ سب حکایات روحانیت کے لحاظ سے بہتر اور زیادہ پرلطف ہیں بمقابلہ ان کرامات کے جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ۔ عقلمند ، منصف مزاج اور صاحب فہم کیلئے اسی قدر کافی ہے ۔

****

۱۱ ـ کتاب
مشکلات کی تشریح
۱ ـ باب
ان مشکل الفاظ کی تشریح جو صوفیاء کے کلام میں پائے جاتے ہیں

مثلا (۱) الحق بالحق للحق (۲) منہ بہ لہ (۳) حال (۴) مقام (۵) مکان (۶) وقت (۷) بادی (۸) بادہ (۹) وارد (۱۰) خاطر (۱۱) واقع (۱۲) قادح (۱۳) عارض (۱۴) قبض (۱۵) بسط (۱۶) غیبت (۱۷) حضور (۱۸) صحو (۱۹) سکر (۲۰) صفو الوجد (۲۱) هجوم (۲۲) غلبات (۲۳) فناء (۲۴) بقا (۲۵) مہتدی (۲۶) مرید (۲۷) مراد (۲۸) وجد (۲۹) تواجد (۳۰) تساکن (۳۱) ماخوذ (۳۲) مستلب (۳۳) دهشت (۳۴) حیرت (۳۵) تحیر (۳۶) طوالع (۳۷) طوارق (۳۸)کشف (۳۹) مشاهده (۴۰) لوائح (۴۱) لوامع (۴۲) حق (۴۳) حقوق (۴۴) تحقیق (۴۵) تحقق (۴۶) حقیقت (۴۷) حقائق (۴۸) خصوص (۴۹) خصوص الخصوص (۵۰) اشاره (۵۱) ایماء (۵۲) رمز (۵۳) صفاء (۵۴) صفاء الصفاء (۵۵) زوائد (۵۶) فوائد (۵۷) شاهد (۵۸) مشہود (۵۹) موجود (۶۰) مفقود (۶۱) معدوم (۶۲) جمع (۶۳) تفرقہ (۶۴) شطح (۶۵) صول (۶۶) ذهاب (۶۷) ذهاب الذهاب (۶۸) نفس (۶۹) حس (۷۰) توحید العامہ (۷۱) توحید الخاص (۷۲) تجرید (۷۳) تفرید (۷۴) هم مفرد (۷۵) سر مجرد (۷۶) اسم (۷۷) رسم (۷۸) وسم (۷۹) محادثہ (۸۰) مناجاة (۸۱) مسامره (۸۲) رؤیة القلوب (۸۳) روح (۸۴) تروح (۸۵) نعت (۸۶) صفت (۸۷) ذات (۸۸) حجاب (۸۹) ذکوی (۹۰) اختیار (۹۱) بلاء (۹۲) لسان (۹۳) سر (۹۴) عقد (۹۵) هم (۹۶) لحظ (۹۷) محو (۹۸) محق (۹۹) اثر (۱۰۰) کون (۱۰۱) لون (۱۰۲) وصل (۱۰۳) فصل (۱۰۴) اصل (۱۰۵) فرع (۱۰۶) طمس (۱۰۷) رمس (۱۰۸) دمس (۱۰۹) سبب (۱۱۰)نسبت (۱۱۱) صاحب قلب (۱۱۲) رب حال (۱۱۳) صاحب مقام (۱۱۴) فلاں بلا نفس (۱۱۵) فلاں صاحب اشارة(ص۳۳۳) (۱۱۶) أنا بلا أنا (۱۱۷) نحن بلا نحن (۱۱۸) انت انت (۱۱۹) أنا أنا (۱۲۰) أنا انت (۱۲۱) هو بلا هو (۱۲۲) قطع العلائق (۱۲۳) بادی بلا بادی (۱۲۴) تجلی (۱۲۵) تخلی (۱۲۶) تحلی (۱۲۷) علت (۱۲۸) ازل (۱۲۹) ابد (۱۳۰) أمد (۱۳۱) و قتی مسرمد (۱۳۲) بحری بلا شاطئی. (۱۳۳)

نحن میسرون (۱۳۳) تلوین (۱۳۵) بذل المہج (۱۳۶) تلف (۱۳۷) لجاء (۱۳۸) انز عاج (۱۳۹) جذب الارواح (۱۴۰) وطر (۱۴۱) وطن (۱۴۲) شرور (۱۴۳) قصود (۱۴۴) اصطناع (۱۴۵) اصطفاء (۱۴۶) مسخ (۱۴۷) لطیفہ (۱۴۸) امتحان (۱۴۹) حدث (۱۵۰) کلیمہ (۱۵۱) تلبیس (۱۵۲) شرب (۱۵۳) ذوق (۱۵۴) عین (۱۵۵) اصطلام (۱۵۶) حریت (۱۵۷) زین (۱۵۸) غین (۱۵۹) وسائط اور اسی قسم کے دیگر الفاظ ۔

۲ ۔ باب

ان الفاظ کی تشریح

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب لیں ان کے اس قول کے معنی الحق بالحق للحق ۔ حق سے مراد اللہ عزوجل ہیں ۔ اللہ تعالی کے فرمان :

(۵۳۵)و لو اتبع الحق أهواءهم

(اگر حق تعالی ان کی خواهشات کے تابع ہوتے)

کی تفسیر میں مروی ہے کہ ابوصالح نے کہا : حق سے مراد اللہ تعالی ہیں ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ نے اپنے کسی کلام میں فرمایا ہے۔ عبد موقوف مع الحق بالحق للحق اس سے مراد مع اللہ باللہ للہ ہے۔ اسی طرح یہ قول ہے منہ به له جس سے مراد من اللہ باللہ اور للہ ہے۔

بعض مقامات پر اس سے مراد،، بندے کے اعمال ، بندے کے ساتھ اور بندے کے لئے،، لی جاتی ہے جیسا کہ ابوعلی سندی رحمہ اللہ نے مجھے بتایا : (پہلے) میری یہ حالت تھی کہ اپنی طرف سے اپنے ساتھ اور اپنے لئے ہوا کرتا تھا اس کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اس کی طرف سے اس کے ساتھ اور اس کیلئے ہوتا ۔

اس سے مراد یہ ہے کہ بندے کی نگاہ اپنے افعال پر ہوتی ہے اور وہ اپنے افعال کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے مگر جب اس کے دل پر انوار معرفت غالب آجاتے ہیں تو وہ تمام اشیاء کو اللہ کی طرف سے ، اللہ کے ساتھ قائم ۔ اللہ کو معلوم اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے ہوئے سمجھتا ہے۔

(ص۳۲۵) حال :حال یہ ایک کیفیت ہے جو بندے پر خاص وقت میں نازل ہوتی ہے۔ چنانچہ دل پر رضا یا تفویض وغیرہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اس سے اس وقت اس کی حالت اور وقت دونوں پاک و صاف ہوتے ہیں ۔ اس کے بعد یہ کیفیت زائل ہو جاتی ہے۔ یہ

جنید رحمہ اللہ کا قول ہے۔

مگر اوروں کے نزدیک ، جو پاک و صاف اذکار انسان کے باطن پر نازل ہوتے ہیں اور پھر زائل نہیں ہوتے حال کہلاتا ہے۔ اور اگر زائل ہو جائے تو اسے حال نہ کہا(۴۵۶) جائے گا

مقام :مقام وہ کیفیت ہے جو بندے کو مختلف اوقات میں اٹھائے رکھتی ہے مثلا صابروں کا مقام ، متوکلوں کا مقام۔ اور یہ معاملات ، مجاهدات اور ارادات میں ظاهر و باطن میں بندے کا مقام ہوتا ہے لہذا جب یہ کیفیت بندے کو کامل طور پر ان امور میں قائم رکھے تو یہ اس کا مقام کہلائے گا۔ تاآنکہ وہ اس مقام سے منتقل ہو کر دوسرے مقام میں چلا جائے جیسا کہ میں مقامات اور احوال کے باب میں بیان کر چکا ہوں۔

مکان :مکان ، اهل کمال ، اهل تمکین اور منتہی لوگوں کا خاصہ ہے۔ چنانچہ جب بندہ ان احوال میں سے کسی ایک میں کمال حاصل کر لیتا ہے تو اسے اس ایک «مکان» پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ مقامات اور احوال کو عبور کر چکا ہوتا ہے اور وہ «صاحب مکان» بن جاتا ہے۔

کسی نے کہا ہے :

مکانک من قلبی هو القلب کله   فلیس لشیء فیه غیرک موضع

میرے دل کے اندر تمہاری جگہ سارے کا سارا دل ہے لہذا تمہارے سوا کسی اور چیز کیلئے اس میں جگہ نہیں ہے

مشاهده :مشاهده سے مراد ایک دوسرے کے قریب آنا اور حاضر ہونا ہے۔ معنی کے اعتبار سے مشاهده اور مکاشفہ ایک ہی چیز ہیں ۔ البتہ مکاشفہ بمقابلہ مشاهده کے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مشاهده کی ابتداء یوں ہوتی ہے : زوائد یقین پھیل کر بارگاہ رب العزت میں حضوری کی وجہ سے امور پر سے پردہ اٹھا دیتے ہیں مگر پھر بھی پردۂ غیب باہر نہیں نکلتے لہذا دل کی یہ خواهش ہوتی ہے کہ وہ امور جو پردۂ غیب کے اندر ہیں دائمی طور پر اس کے سامنے آجائیں ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۴۵۷)ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب أو ألقی السمع و هو شهید.

(اس میں ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو صاحب دل ہوں یا (دل سے) حاضر ہو کر غور ہوں)

لوائح :وہ امور جو اسرار ظاہرہ پر چمکیں تاکہ صوفی اور اونچا جائے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف ، جو اس سے بلند تر ہو ،منتقل ہو۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وہ لوگ کامیاب ہوگئے جنہیں اللہ تعالی نے ایک مختصرسا راستہ دکھا دیا (ص۳۳٦)اور انہیں مناجات کی شاہراہ پر لا کر کھڑا کر دیا اور دعوت الٰہی کو سمجھنے کیلئے انہیں اشارہ کیا تاکہ وہ خطاب الٰہی کو سمجھ کر مناسب طریقے سے تیزی کے ساتھ اس کی طرف جائیں کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۴۸)وسارعو الی مغفرة من ربکم

(اپنے رب کی مغفرت کی طرف جلدی سے آؤ)

لہذا عقلیں اس خطاب کو لبیک کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں اور اچھی طرح متوجہ ہو کر ان امور پر کاربند ہونے لگ گئیں جن کے ذریعے سے وہ اللہ کے ہاں مقبول و منظور نظر بن جائیں گے۔

لوامع :لوامع اور لوائح کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔ یہ لفظ لوامع البرق (چمکنے والی بجلیاں) سے ماخوذ ہے۔ جب یہ بجلیاں بادلوں میں چمکتی ہیں تو پیاسے کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ بارش ہو۔ عمرو بن عثمن مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی پاک اور صاف اوہام میں بجلی کی طرح کوئی چمکتی ہوئی چیز وارد کر دیتے ہیں جو یکے بعد دیگرے وارد ہوتی رہتی ہیں پھر انہیں اپنے ولیوں کے دلوں پر ظاہر کرتا ہے مگر ان کا وہم اس اصل کی طرف نہیں جاتا کہ دل تو اس بات کا عہد کر چکے ہیں کہ وہ غیب پر ایمان رکھیں گے احکام الٰہیہ کی تصدیق کریں گے اور نور کی زیادتی کی وجہ سے جو روشنیاں دل پر ظاہر ہوں ان کو بھی اپنے وہم میں نہ لائیں گے تاکہ ان کے نفوس کیلئے یہ ممکن ہی نہ ہو کہ وہ اپنے صاف اوہام میں اس نور کا تصور کر سکیں اگر ایسا کر بیٹھیں تو یہ سب منقطع ہو جائے

کسی کہنے والے نے کہا ہے :

واغتر ذو طمع بلمع سراب

(حریص سراب کی چمک سے دھوکا کھا گیا)

حق :حق سے مراد اللہ تعالی ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

و أن اللہ ھو الحق المبین

(اللہ تعالی ہی واضح اور روشن حق ہے)

حقوق :حقوق سے مراد احوال ، مقامات ، معارف ، ارادات ، قصود معاملات اور

عبادات ھیں ۔

طیالسی رازی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جب حقوق ظاھر ھوتے ھیں تو حظوظ غائب ھو جاتے ھیں اور جب حظوظ ظاھر ھوتے ھیں تو حقوق غائب ھو جاتے ھیں ۔

حظوظ سے مراد حظوظ نفس اور حظوظ بشریت ھیں اور یہ اور حقوق ایک جگہ اکٹھے نہیں ھو سکتے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ھیں اور ضدین ایک جگہ اکٹھے نہیں ھوتے ۔

تحقیق :تحقیق سے مراد یہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت اور مقدور کے مطابق حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ھیں : میں نے ایک دانا سے جس سے میری ملاقات ھوئی کہا : اللہ کے راستے پر چلنے والا تنگ گھاٹیوں کی چال میں آکر کیسے ٹھہر گیا ۔
اس نے جواب دیا : اس لئے کہ اس کی تصدیق کے ستون کمزور تھے اور دل تحقیق کے پیچھے لگ گئے ۔

تحقق :تحقق کے بھی وھی معنی ھیں جو تحقیق کے ھیں جس طرح تعلم اور تعلیم ۔

حقیقۃ :حقیقت اسم ہے ۔ حقائق اس کی جمع ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل ھمیشہ اس بارگاہ میں کھڑا (ص۳۲۷)رہے جس پر اس کا ایمان ہے ۔ اگر دلوں میں شک پیدا ھو جائے یا جن امور پر یہ دل ایمان لائے ھیں ان پر غرور کرنے لگ جائیں جس کا نتیجہ یہ ھو کہ یہ اس کی بارگاہ میں کھڑے نہ رھیں تو ان کا ایمان باطل ھو جائے گا یہ اسی طرح ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا :
ھر حق کی حقیقت ھوتی ہے ۔ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ۔
حارثہ نے عرض کیا : میں نے دنیا سے علیحدگی اختیار کی ۔ راتوں جاگتا رھا اور دن کو پیاسا رھا اور اب میری یہ حالت ہے کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو ظاھراً دیکھ رھا ھوں ۔ اور گویا اور گویا میں ۔
اس میں حارثہ نے اپنے دل کے مشاھدہ کا ذکر کیا ہے اور جن امور پر وہ ایمان لا چکا ہے ان میں وہ بارگاہ رب العزت میں کھڑا رھتا ہے اور ان پر کاربند رھتا ہے (اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ) وہ آنکھوں سے دیکھ رھا ھو ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ھیں : حقائق اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ دلوں کیلئے

تاویل کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جائے۔

خصوص : خصوص سے مراد وہ خاص لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالی عام مسلمانوں میں سے حقائق ، احوال اور مقامات کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔

خصوص الخصوص : یہ لوگ یگانہ روزگار اور خالص توحید پر کاربند ہونے والے ہوتے ہیں اور وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے احوال اور مقامات کو طے کر لیا ہوتا ہے۔ اس راستہ پر چل کر اس کے بیابانوں کو طے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۴۹)و منهم مقتصد و منهم سابق بالخيرات

(ان میں سے بعض میانہ رو ہوتے ہیں اور بعض نیکیوں میں سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں)

مقتصد سے مراد خصوص ہیں اور سابق بالخیرات سے مراد خصوص الخصوص۔

روایت ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھ سے جنید رحمہ اللہ نے پوچھا : اے ابوبکر ! تمہارا ،،خصوص الخصوص،، کے بارے میں کیا خیال ہے یعنی ایسا خصوص الخصوص جس پر عام کا اطلاق ہو سکے۔ پھر (خود ہی) کہا۔ خصوص الخصوص کی صفت میں اگر اشارہ پایا جائے تو یہ عمومِ ہو جائے گا (خصوص نہ رہے گا)۔

اشارہ : جس بات میں متکلم پر کوئی بات مخفی رہے اور وہ اسے اس کے معنی کے لطیف ہونے کی وجہ سے الفاظ میں نہ کہہ سکے۔

ابوعلی رودباری فرماتے ہیں : ہمارا یہ علم اشارات ہیں اگر لفظوں میں آجائے تو مخفی ہو جاتا ہے۔

ایماء : ایماء اس اشارے کو کہتے ہیں جو کسی عضو کی حرکت کے ذریعے کیا جائے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں ابن کرینی رحمہ اللہ کے سر کی طرف بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے اپنے سر سے زمین کی طرف اشارہ کیا تو ابن کرینی نے کہا : بہت بعد ہے میں نے اس کے بعد اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پھر کہا : بعد ہے (۵۵۰)۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس نے اللہ کی طرف اشارہ کیا اس کی مثال بت پرست کی ہے۔ کیونکہ اشارہ تو صرف بتوں کی طرف ہو سکتا ہے (۵۵۱)۔

کسی نے کہا ہے :

(ص۳۲۸)ولی عند اللقاء و فیہ عتب ۔۔ بایماء الجفون الی الجفون

فابہت خیفۃ و أذوب خوفاً وأفنی عن حراک أو سکون

(ملاقات کے وقت اور ملاقات کے دوران پلکوں سے پلکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھے عتاب کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ڈر کے مارے مبہوت ہو جاتا ہوں اور خوف سے گھل جاتا ہوں اور ہر قسم کی حرکت سے فنا ہو جاتا ہوں)

رمز :ظاہری الفاظ کے تحت ایسے باطنی معنی رکھ دینا جسے صرف رمز شناس ہی سمجھ سکیں رمز کہلاتا ہے قناد کہتے ہیں :

اذا نطقوا أعجزک مرمی رموزہم و ان سکتوا ہیہات منک اتصالہ

یہ لوگ جب بولتے ہیں تو ان کے رموز کی مراد تم سمجھ نہیں سکتے اور اگر چپ رہیں تو محبوب کا اتصال ناممکن ہوتا ہے

کسی صوفی کا قول ہے : جب کوئی شخص ہمارے مشائخ کے رموز سے واقف ہونا چاہے اسے ان کے مکاتبات اور مراسلات کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ ان کے رموز ان مکاتبات و مراسلات ہی میں پائے جاتے ہیں مصنفات میں نہیں ۔

صفا : جو حقائق طبع انسانی کی ملاوٹ اور اپنے فعل کو دیکھنے سے موجودہ وقت میں پاک ہو صفا کہلائیں گے ۔

جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : پاک و صاف کو صفائی کے ساتھ دیکھنا جفا ہے کیونکہ اس میں طبع انسانی اور اپنے فعل کو دیکھنے کی ملاوٹ پائی جاتی ہے ۔

ابن عطا فرماتے ہیں : تم اپنی بندگی کی پاکیزگی اور خلوص پر گھمنڈ نہ کرو کیونکہ اس میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ تم اپنے رب کو بھول گئے ہو ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انسانی طبیعت اور اپنے فعل(۵۵۲) کو دیکھنے کی ملاوٹ پائی جاتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

کتانی رحمہ اللہ سے صفا کے متعلق سوال گیا تو فرمایا : تمام مزموم امور سے الگ رہنا صفا ہے ۔ اور صفاء کے متعلق سوال کیا گیا تو وہ فرمایا :(۵۵۳)احوال و مقامات سے یکسو رہنا اور نہایات میں داخل ہونا ۔

صفاء الصفا :حق کا حق کی مدد سے مسلسل اور بلا علت مشاہدہ کرنے کیلئے اسرار باطنی کو تمام مخلوق چیزوں سے جدا رکھنے کا نام صفاء الصفاء ہے۔ کسی کے یہ اشعار ہیں :

صفو الصفا فی صفوہ اذعان و صفاؤہ فی کونہ ایقان

(صفاء الصفاء اپنی پاکیزگی میں یقین کا درجہ رکھتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اس کی پاکیزگی ایقان ہے)

من بان بین ما ابان بہ لہ حق البیان بواضح التبیان

جو (مخلوق سے) جدا رہا وہ یہ بات حقیقی طور پر بیان کر دے گا کہ کس کی مدد سے اور کس کی خاطر الگ رہا ہے اور یہ بیان بالکل واضح ہوگا

ھذا حقیقۃ وجدہ من وجدہ و لوجدہ ھل فوق ذاک بیان

اس کے وجد کی یہی حقیقت ہے اور اس کے وجد کی طرف سے اسی کے وجد کیلئے ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر وضاحت ہو سکتی ہے۔

زوائد :ایمان بالغیب اور یقین بالغیب میں ترقی کا نام ہزوائد، ہے چنانچہ جس قدر ایمان اور یقین بڑھتا جائے گا احوال ، مقامات ، ارادات اور معاملات میں اسی قدر صدق اور اخلاص بڑھتا جائے گا۔

(ص۳۳۹)عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وہ امور جنہیں غیب نے چھپا رکھا ہے جب وہ دل کے پردوں کو اٹھا کر حضوری کے مکاشفات کے ساتھ پھیل جاتے ہیں تو یقین میں اضافے پر اضافہ ہوتا ہے۔

فوائد :خدمت کے وقت اہل معاملہ کو حق تعالی کی طرف سے جو تحفے حاصل ہوتے ھھیں اور ان سے فہم میں اضافہ ہوتا ہے تاکہ اس سے لطف اندوز ہوں فوائد کہلاتے ہیں۔

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے رات کی تاریکیوں میں فوائد کو وارد ہوتے دیکھا ہے۔

شاہد :جو کیفیت تجھے وہ امور دکھا دے جو تجھ سے غائب ہیں۔ شاہد ہے۔ بالفاظ دیگر ان کی موجودگی کے وقت تمہارے دل کو حاضر کر دے۔ کسی کا یہ شعر ہے :

(۵۵۳)و فی کل شیء لہ شاھد یدل علی أنہ واحد

ہر چیز کے اندر گواہ پایا جاتا ہے جو اس کے واحد ہونے کا پتا دیتا ہے۔ شاہد کے معنی حاضر کے بھی ہیں ۔

جنید رحمہ اللہ سے شاہد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : شاہد تو خود حق تعالی ہیں اور وہ تمہارے ضمیر اور اسرار کے اندر موجود ہے اور اسے ان کا علم ہے۔

مشہود :وہ امور جنہیں «شاہد» موجود کر دے ۔

ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حق تعالی شاہد ہیں اور تمام کائنات مشہود ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں : (۵۵۵)و شاھد و مشھود (قسم ہے شاہد کی اور مشہود کی)

موجود اور مفقود :یہ دو متضاد اسم ہیں ۔ موجود وہ ہے جو عدم کی دنیا سے نکل کر وجود کی دنیا میں آجائے اور مفقود وہ ہے جو وجود کی دنیا سے نکل کر عدم کی دنیا میں چلا جائے ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : تو اس مفقود کا غم نہ کھا جو تجھے اس (۵۵٦) معبود کی یاد دلاتا رہتا ہے جو موجود ہے ۔

معدوم : جو چیز پائی نہ جاتی ہو اور اس کا وجود بھی ممکن نہ ہو معدوم ہے۔ اور جب تو کسی چیز کو معدوم پائے اور اس کا وجود ممکن ہو تو یہ چیز مفقود کہلائے گی ۔ اسے معدوم نہیں کہیں گے ۔

ایک عارف کا قول ہے : عالم ایک ایسی چیز ہے جو عدم کی دونوں طرفوں کے درمیان ہے ۔ کیونکہ عالم اگرچہ موجود ہے مگر ایک وقت تھا کہ یہ عدم اور معدوم تھا اور پھر دوبارہ عدم اور معدوم ہو جائے گا اور عارف اس عالم کا مشاہدہ بھی عدم و معدوم کے اعتبار سے کرتا ہے لہذا جب وہ اسے معدوم دیکھتا ہے تو اسے اپنے خالق کی وحدانیت کی دلیل بناتا ہے

جمع : جمع ایک مجمل سا لفظ ہے جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ اشارہ کرنے والے کا اشارہ حق تعالی کی طرف ہے جبکہ نہ تو مخلوق تھی اور نہ کائنات کیونکہ مخلوق اور کائنات ایسی مخلوق ہیں جو بذات خود قائم نہیں ہیں کیونکہ ان کا وجود عدم کے دونوں کناروں کے درمیان ہے ۔

تفرقہ : یہ بھی ایک مجمل لفظ ہے جس میں اشارہ کرنے والے کا اشارہ کائنات اور مخلوق کی طرف ہوتا ہے (ص ۳۳۰) اور یہ دونوں ایسے اصول ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر

نہیں رہ سکتے لہذا جس نے جمع کئے بغیر تفرقہ کی طرف اشارہ کیا اس نے باری تعالی کا انکار کیا اور جس نے تفرقہ کے بغیر جمع کی طرف اشارہ کیا اس نے اللہ تعالی کی قدرت کا انکار کیا اور جب دونوں کو جمع کرے گا موحد کہلائے گا ۔

کسی کا شعر ہے :

جمعت و فرقت عنی به ، فرد التواصل مثنی العدد

میں نے اللہ کے ساتھ "جمع" کیا اور اس کے ساتھ "تفرقہ" بھی کیا ۔ تو اصل جو دراصل فرد واحد ہے مگر یہ دہرا ہوتا ہے مراد یہ ہے کہ میں نے اللہ کے ساتھ جمع کیا اور اسی کی مدد سے تفرقہ بھی کیا اور تو اصل جو جمع کی حالت میں فرد ہوتا ہے تفرقہ میں دو بن جاتا ہے۔

غیبت :بندے پر ظاہر میں کسی قسم کا تغیر ہوئے بغیر مشاہدہ حق کی وجہ سے مخلوق کی موجودگی میں دل کا مخلوق کے مشاہدہ سے غائب ہونا غیبت کہلاتا ہے ۔

غشیت : جو واردات دل پر ہوں ان کی وجہ سے دل کا غائب ہونا غشیت کہلاتا ہے اور اس کا اثر بندے کے ظاہری احساسات پر ہوتا ہے ۔

حضور : جو اشیاء دل کے معاینہ سے غائب ہوں ان کا پاک و صاف یقین کی وجہ سے حاضر کر لینا حضور ہے ۔ چنانچہ یہ اشیاء اس کے نزدیک ایسی ہونگی جیسے اس کے پاس موجود ہوں اگرچہ درحقیقت اس سے غائب ہوتی ہیں ۔ کسی کا یہ شعر ہے :

و أنت ان غیبت عنی سیدی کالحاضر

اے میرے آقا اگرچہ تو مجھ سے غائب ہے مگر (میرے نزدیک) ایسا ہے جیسے تو میرے پاس موجود ہو ۔

صحو و سکر : یہی حال صحو اور سکر کا ہے کہ ان کے معنی قریب قریب وہی ہیں جو غیبت اور حضور کے ہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صحو اور سکر غیبت اور حضور کے مقابلہ میں زیادہ قوی ، مکمل اور زیادہ غالب ہوتے ہیں اس سلسلے میں کسی کے یہ اشعار ہیں :

فحالان لی حالان صحو و سکرة ، فلا زلت فی حالی أصحو و أسکر

میری دو حالتیں ہیں ، حالت صحو اور حالت سکر ۔ خدا کرے میں ان دونوں حالتوں میں رہوں کبھی صحو میں اور کبھی سکر میں

کفـاک بأن الصحـو أوجـد کأبتی ۔۔۔ فکیف بحـال السـکر والسـکر أجدر

تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ صحو نے میرے لئے مصیبت کو پیدا کر دیا ہے۔ سکر کی حالت کا کیا کہنا اور یہی میرے لئے زیادہ مناسب ہے۔

جحدت الھوی ان کنت مذ جعل الھوی ۔۔۔ عیونـک لی عینـاً تغض و تبصر

نظـرت الـی شیء سواک و انما ۔۔۔ أری غیرہـا أحـلام نوم یقدر

جب سے عشق نے تمہاری آنکھوں کو میری آنکھیں بنا دیا ہے کہ کبھی بند ہوتی ہیں اور کبھی دیکھنے لگ جاتی ہیں ۔ اگر میں نے تمہارے سوا کسی اور کی طرف نگاہ کی ہوتی تو میں اس عشق کا ہی انکار کردوں گا ۔ میں تو اغیار کو محض خواب خیال کرتا ہوں۔

سکر اور غشیت میں فرق : اور سکر اور غشیت میں فرق یہ ہے کہ سکر انسانی طبیعت سے پیدا نہیں ہوتا اور جب یہ وارد ہو تو طبیعت (ص۳۳۱)اور حواس میں تغیر پیدا نہیں ہوتا ۔ اور غشیت کے وجود میں انسانی طبیعت کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اور جب یہ وارد ہوتی ہے تو انسانی طبیعت اور حواس میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مزید برآں غشیت دیرپا نہیں ہوتی اور سکر دیرپا ہوتا ہے۔

حضور اور صحو میں فرق : اور حضور اور صحو میں فرق یہ ہے کہ صحو عارضی ہوتا ہے اور حضور پائیدار۔

صفو الوجد : صفوالوجد (وجد کا خالص ہونا) کے معنی یہ ہیں کہ وجد کی حالت میں اس کا وجد کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ اس کا ٹکراؤ نہ ہو۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے :

تحقـق صفـو الوجـد منـا فمـا لنا ۔۔۔ علینـا سوانـا من رقیـب یخبر

ہمارا خالص وجد حقیقی معنوں میں وجد ہے لہذا ہمارے سوا کوئی اور نہیں جو ہمیں تاڑ رہا ہوں اور (اس وجد کی) خبر دے سکے ۔

ہجوم اور غلبات : یہ دونوں قریب المعنی ہیں ۔ لیکن صاحب غلبات کا اپنا فعل ہوتا ہے کہ قوی، رغبت اور خواہشات نفس سے چھٹکارا پاتے ہوئے جب طالب کی رغبت قوی ہو اور مطلوب کو طلب کرنے میں مزید (کیفیت) کے علامات ظاہر ہو جائیں تو (اس کی یہ

کیفیت ہو جائے) کہ اس کے خیال میں اگر مطلوب سمندر کے پار ہے تو یہ سمندر کو پار کرکے (وہاں پہنچ جائے گا) یا اگر وہ بیابان میں ہے تو یہ ارادے کے غلبے کے وقت اس میں چل پڑے گا اور اس پر اس ارادے کا اس قدر زور اور غلبہ ہوگا کہ اگر اسے آگ دکھائی دے تو حملہ کرکے اس میں کود پڑے گا خواہ اس میں اس کی جان کیوں نہ چلی جائے اور روح تلف ہو جائے اور خواہ اس طرح وہ اپنے مقصد کو پہنچے یا نہ پہنچے۔ ھجوم اور غلبات سے بھی مراد ہے۔

فنا اور بقاء :میں اس کا ذکر فنا و بقاء کے باب میں کر چکا ہوں۔

فنا سے مراد صفات نفس کا فنا ہو جانا ہے اور رکاوٹ (اور مخالفت) کی حالت کا فنا ہونا ہے اور جو حالت اس پر وارد ہوئی ہو اس میں وہ کر آرام پانا ہے۔

اور بندے کا اس حالت پر قائم رھنا بقا ہے۔

نیز یوں بھی کہا گیا ہے کہ) بندہ اپنے افعال کو کرتے ہوئے انہیں دیکھنے سے فانی ہو جائے اس لئے کہ اسے ان افعال پر اللہ تعالی ھی قائم کئے ہوئے ہوتے ھیں۔

اور بقا یہ ہے کہ بندہ مسلسل یہ دیکھتا رہے کہ پیشتر اس کے بندہ اپنے رب کے احکام پر کاربندرھتا ہو اللہ تعالی نے اسے پہلے سے ھی اس پر قائم رکھا ہوتا ہے لہذا بندے کا ان پر قائم رھنا اللہ کیلئے اور اللہ کی مدد سے ہوا۔

مبتدی :مبتدی وہ ہے جو پختہ ارادے کے ساتھ ان لوگوں کی راہ پر چلنے کی ابتدا کرتا ہے جو اللہ کے ہو لئے ہوتے ھیں اور ان کے آداب میں کلفت برداشت کرتا ہے اور وہ اس بات کیلئے آمادہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی خدمت کرکے ادب سیکھے اور ان لوگوں سے یہ راستہ قبول کرے جنھیں یہ معلوم ہو کہ اس نے کس حالت میں ابتدا کی ہے اور وہ ابتدا سے انتہا تک اس کے نگران بھی رھیں۔

مرید :مرید وہ ہے جو صحیح معنوں میں مبتدی بن چکا ہو اور ان لوگوں کے زمرے میں شامل ہو چکا ہو جو دنیا کو چھوڑ (ص۳۴۲)کر اللہ ھی کے ہو لئے ہوں۔ اسے یہی نام دے دیا گیا ہو اور صادقین کے دل اس کی ارادت کے صحیح ہونے کے گواہ ہوں اور ابھی تک کسی حال یا مقام سے موصوف بھی نہ ہوا ہو اور اس راہ پر اپنی ارادت کو لئے ہوئے چلتا جائے۔

مراد :مراد وہ عارف ہے جس کے مرید ہونے کی حالت گزر چکی ہو ، وہ انتہائی منزل کو پہنچ چکا ہو اور احوال و مقامات ، مقاصد اور ارادات کو طے کر چکا ہو۔ لہذا یہ مراد

کہلائے گا اللہ نے اس کے متعلق جو ارادہ چاہا کیا اور یہ بھی وہی کچھ چاہتا ہو جو اللہ تعالی چاہتے ہوں۔

وجد :دلوں کا اس صاف و پاک ذکر کو پالینا جو صوفی سے مفقود تھا۔

تواجد اور تساکر :دونوں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وجد اور سکر کو لانے میں بندے کی کوشش کا داخل ہو اور اہل وجد و سکر میں سے جو لوگ صادق ہیں ان کے ساتھ تکلف سے مشابہت پیدا کرنا تواجد اور تساکر ہے۔

وقت : ماضی اور مستقبل کے درمیان کا زمانہ وقت ہے۔ جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
وقت ایک نایاب چیز ہے ایک بار گیا پھر ہاتھ نہیں آتا۔

ان کی مراد اس سانس اور وقت سے ہے جو گزشتہ سانس اور آئندہ سانس کے درمیان ہو اگر یہ سانس اللہ سے غافل رہ کر گزر گیا تو پھر ہاتھ نہ آسکے گا۔

بادی :بادی وہ کیفیت ہے جو بندے کے دل پر اس کی حالت کے مطابق ایک خاص وقت میں طاری ہوتی ہے جب یہ کیفیت حق تعالی کی طرف سے ہو تو یہ تمام دیگر کیفیتوں کو فنا کر دیتی ہے۔

ابراهیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب یہ بادی حق تعالی کی طرف سے ظاہر ہو تو یہ ہر قسم کے دیگر بادی کو فنا کر دیتا ہے۔

وارد : جو کیفیت بادی کے بعد بندے کے دل پر طاری ہو کر اس پر غلبہ پا لے وہ وارد ہے۔ وارد کا اپنا فعل ہوتا ہے اور بادی کا کوئی فعل نہیں ہوتا کیونکہ بادی سے واردات کی ابتدا ہوتی ہے۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو وارد حق تعالی کی طرف سے آتا ہے وہ دلوں کو بیقرار کر دیتا ہے۔

خاطر : خاطر باطن کو حرکت میں لانے کو کہتے ہیں اور اس کی کوئی ابتدا نہیں ہوتی۔ جب یہ حرکت دل میں پیدا ہوتی ہے تو قائم نہیں رہتی اور کسی اور خاطر کے آنے سے زائل ہو جاتی ہے۔

واقع : وہ خیالات جو جم جاتے ہیں اور کسی دوسرے واقع کے آنے سے زائل نہیں ہوتے۔

میں نے ایک شیخ کو فرماتے سنا اور وہ ابوالطیب شیرازی رحمہ اللہ ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے ایک شیخ سے ایک سوال کیا تو انہوں نے فرمایا : مجھے امید ہے کہ آپ پر اس کا جواب واقع، ہو جائے گا ۔

جنید رحمہ اللہ نے خیر نساج رحمہ اللہ سے جب وہ نکل کر ان کے پاس آئے کہا : آپ پہلے خیال کے آتے ہی نکل کر کیوں نہیں آئے ۔ قصہ یہ تھا کہ ان کے دل میں خیال آیا تھا کہ جنید رحمہ اللہ ان کے گھر کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں اور (ص۳۴۳)وہ باربار اس خیال کو ٹال رہے تھے ۔ پھر جب نکل کر آئے تو جنید رحمہ اللہ نے ان سے یوں کہا :
کہا جاتا ہے کہ صحیح خاطر وہی ہوتا ہے جو سب سے پہلا ہو یعنی جو خیال سب سے پہلے آئے خاطر کے (ایک) معنی یہ بھی ہیں ، وہ حرکت جو بندے کے باطن میں پیدا ہوتی ہو اور جس کے ظاہر ہونے کا تعلق بندے کے ساتھ نہ ہو (یعنی یہ اللہ کی طرف سے ہو) ۔

خاطر کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ ایک ایسا غلبہ ہوتا ہے جو تمام اسرار کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ۔

قادح : قادح اور خاطر قریب قریب ہیں ۔ (فرق یہ ہے کہ) خاطر بیدار دل والوں کیلئے ہوتا ہے اور قادح اہل غفلت کیلئے ۔ چنانچہ غفلت کے بادل ان کے دلوں سے چھٹ جاتے ہیں تو ذکر الٰہی کی انگاری ان میں آگ لگا دیتی ہے اور یہ لفظ عربی کے اس محاورے سے لیا گیا ہے قدح النار بالزناد (اس نے چقماق کے ذریعے آگ جلائی) ۔ اور آگ جلانے والے کو قادح کہتے ہیں ۔ کسی نے کہا :

یا قادح النار بالزناد
(اے چقماق سے آگ جلانے والے)

کسی شیخ کا قول ہے : جس میں حقیقت نے آگ لگا دی وہ اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جس میں بشریت نے بسیرا کر رکھا ہو ۔

عارض : شیطان ، نفس اور خواهشات نفس کی طرف سے جو باتیں دلوں اور اسرار کو پیش آتی ہیں عوارض (عارض کی جمع) کہلاتی ہیں ۔ لہذا ہر وہ خیال جو نفس ، شیطان اور خواهشات نفسانی کی طرف سے دل پر ڈالا گیا ہو عارض ہوگا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان دشمنوں کیلئے اپنے اولیاء کے دلوں کی طرف جانے کا طریقہ صرف اسی عارض کے ذریعے سے رکھا ہے ۔ خاطر ، قادح ، بادی اور وارد کے ذریعے سے نہیں رکھا اور یہ شعر پیش کیا :

بمارضـــی الواشـــون قلبـــی بکل ما یململـــه می سره و العلانیه

چغلخور میرے دل پر وہ تمام امور لے آتے ہیں جن سے دل باطن میں بھی ور ظاہر میں بھی بیعرار رہے۔

قبض اور بسط :یہ دونوں اہل معرفت کی شرف والی حالتیں ہیں۔ جب اللہ تعالی ان پر قبض کی حالت طاری کرتا ہے تو انہیں اس قدر کھانا کھانے سے جس سے زندگی قائم رہے ۔ جائز امور کے کرنے ، کھانے اور پینے اور کلام سے باز رکھتا ہے اور جب بسط کی حالت طاری کرتا ہے تو انہیں مذکورہ بالا امور کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اور اللہ تعالی خود ان کا محافظ ہوتا ہے۔ لہذا قبض عارف کی وہ حالت ہے جس میں معرفت الہیہ کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی اور بسط عارف کی وہ حالت ہے جس میں اللہ نے اسے فراخی دی ہو اور خود اس کا محافظ بھی ہو تاکہ مخلوق اس کے اخلاق کو اپنائیں اللہ تعالی فرماتے ہیں(۵۵۸) ۔

واللہ یقبض و یبسط و الیه ترجعون

(اللہ تعالی قبض بھی لاتے ہیں اور بسط بھی اور تمہیں اسی کی طرف لوٹایا جائے گا)

جنید رحمہ اللہ قبض و بسط یعنی خوف و رجاء کے معنی کے متعلق فرماتے ہیں :

(ص۳۴۳)رجاء وسعت دے کر اطاعت خداوندی کی طرف لے جاتی ہے اور خوف معصیت کاری سے روکتا ہے کسی نے صاحب قبض عارف اور صاحب بسط عارف کی حالت بیان کرتے ہوئے کہا ہے :

معـــارف الحـــق تحویهـــا اذا نشرت ثلثة بعدهـــا الأرواح تختلس

جب معارف حق کو پھیلا دیا جاتا ہے تو تین قسم کے عارف انہیں حاصل کر لیتے ہیں مگر ان کے علاوہ لوگوں کی ارواح جھپٹ لی جاتی ہیں :

فعـــارف بحظـــوظ الحـــق لیس له عنـــه سواه ولا منـــه له نفس

ایک وہ عارف ہے جو حظوظ الہیہ کو پہچانتا ہے اس کے پاس حق کے سوا کوئی اور نہیں اور نہ ہی وہ اس کے بغیر ایک لمحہ گزار سکتا ہے۔

و عارف بولاء(۵۵۹) الملک معترف یحشـــه الوجـــد ماولـــی له النفس

دوسرا وہ عارف ہے جو حق تعالی کی دوستی کو پہچانتا ہے اور اس کا اعتراف بھی کرتا ہے۔
جب تاریکی چلی جاتی ہے تو اسے وجد برانگیختہ کرتا ہے۔

و عرف غاب عنہ لعرف فاعتسف — منہ السرائر مطوی السفری شرس

اور ایک تیسرا عارف ہے جس کے جانے پہچانے امور غائب ہوگئے تو اس کے راز بھی اصل راستہ سے ہٹ گئے۔ اس سے حفاظت لپیٹ لی گئی اور وہ(بظاہر) بدخلق ہو گیا

حتی سکان و عاب لوعت می مهل — فطار شیشان عنہ النطق والخرس

تاآنکہ اس نے عاجزی کی اور رفتہ رفتہ اس کی مشکلات جاتی رہیں چنانچہ اس کے دو مرگویائی اور گنگ ہونا بھی رفوچکر ہو گئے۔

أعہ لحو عمادونہ فلہ — منہ الیہ سرار وحبھا خنس

اللہ تعالی نے ہر ماسوا سے اس کی فریاد رسی کی اور وہ اللہ کی طرف سے اللہ کے پاس راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے اور اس کی آواز دبی ہوئی ہوتی ہے۔

ان اشعار میں اس بات کا ذکر ہے کہ عارفوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا اپنا نفس ہی نہیں ہے۔ اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا وجد انہیں اکسا کر اس حالت پر لے آتا ہے جس میں حق تعالی خود ان کی حفاظت کرتا ہے اور تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی ہر قسم کی معروف اور عادت کی بات گم ہو چکی ہو چنانچہ گویائی اور گنگ پن ان کے نزدیک یکساں ہوتے ہیں اور یہ ان پر اللہ کی مہربانی ہوتی ہے لہذا یہ لوگ اگر خاموش رہتے ہیں تو اللہ کی خاطر اور بولتے ہیں تو اس کے حکم سے بولتے ہیں۔

اور غیبت اور حضور، صحو اور سکر، وجد، ھجوم، غلبات، فنا اور بقاء یہ تمام احوال ہیں۔ اور ان دلوں کے احوال ہیں جنھوں نے ذکر الھی اور تعظیم اللھی کو حقیقی معنوں میں سمجھ لیا ہوتا ہے۔

ماخوذ اور مستلب :ماخوذ اور مستلب دونوں ہم معنی ہیں مگر ماخوذ اپنے معنی کے اعتبار سے زیادہ زور دار ہوتا ہے۔ یہ وہ بندگان خدا ہوتے ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپﷺ نے فرمایا : لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی عقل میں خلل پڑ گیا ہے حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہوتا مگر ان کے دلوں میں اللہ تعالی کی اس قدر عظمت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ عقل کھو بیٹھتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک اس کی یہ کیفیت نہ ہو جائے کہ لوگ اسے دیوانہ کہنے لگیں ۔

حسن بصری رحمہ اللہ کی نسبت مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں جب کسی مجاھد کو دیکھتا ہوں جس کی یہ حالت ہوتی کہ وہ ایک کمہار کی طرح جس کا گدھا گم ہو گیا ہو (دوڑا پھرتا ہو) اور اس کی وجہ وہ فریفتگی ہوتی ہے جو اس کے اندر پائی جاتی ہے ۔ ماخوذ اور مستلب کے بارے میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں ۔

کسی کا قول ہے :

(ص۳۳۵)فلا تلمنی علی ما کان من قلقی   انـی بحبـک مأخـوذ و مستلب

تم مجھے میرے اضطراب کی وجہ سے ملامت نہ کرو میں تمہاری محبت میں گرفتار ہوں اور سب کچھ کھو چکا ہوں ۔

دھشت :وہ مضبوط گرفت جو عاشق کی عقل پر محبوب کی ھیبت کی وجہ سے محبوب کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد اس کی ملاقات کے وقت پائی جائے مگر اس حالت کے گزر جانے کے بعد بندے پر کسی قسم کی آفت نہ پائی جائے ۔

کسی صوفی کے متعلق روایت ہے کہ اس نے کہا : خدایا ! دنیا میں تو ہم تجھے دیکھ نہیں سکتے لہذا اپنی عنایت سے مجھے ایسی بات عطا کر جس سے مجھے سکون حاصل ہو ۔

راوی کہتا ہے کہ یہ کہتا تھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی ۔ جب ہوش میں آیا تو اس نے سبحان اللہ کہا کسی نے اس سے پوچھا کہ تو نے سبحان اللہ کیوں کہا : اس نے جواب دیا : اللہ نے اپنا دیدار کرانے کے عوض میں سکون عطا کر دیا ہے ۔ کیا اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے اور میں نے کہا : خدایا میں تمہاری محبت کی وجہ سے دھشت زدہ ہوں لہذا میں نے بیساختہ سبحان اللہ کہا ۔

کسی صوفی کا یہ شعر ہے :

ان من أهـواه قد أدهشنی   لا خلـوت الدهـر من ذاک الدهش

میرے محبوب نے مجھے دھشت زدہ کر دیا ہے
خدا کرے میں اس دھشت سے کبھی خالی نہ رہوں

شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے : اے ہمہ تن دہشت ۔

اس سے یہ مراد ہے کہ ہر وہ بات جو اللہ کی طرف سے بندے پر وارد ہو ہمہ تن دہشت ہوتی ہے ۔

حیرت : جب عارفین غور و فکر کرتے ہیں اور بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو کر سوچتے ہیں اس وقت جو کیفیت ان کے دلوں پر وارد ہو کر انہیں غور و فکر سے مانع آئے حیرت کہلاتی ہے ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وہ حیرت جو یکایک واقع ہو وہ اس سکون سے عظیم تر ہوتی ہے جو حیرت سے ہٹا دے ۔

تحیر : تحیر وہ کیفیت ہے جو اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچنے کے لئے یأس و امید کے بین بین ہو کہ یہ کیفیت نہ تو انہیں واصل ہونے کی امید دلائے کہ امید رکھیں اور نہ ہی مطلوب سے مایوس کر دے کہ آرام پائیں لہذا وہ متحیر ہو جاتے ہیں ۔

کسی صوفی سے سوال کیا گیا : معرفت کیا ہے ۔
فرمایا : پہلے تحیر پھر اتصال پھر افتقار پھر حیرت ۔ کسی کا یہ شعر ہے :

قد تحیرت فیک خذ بیدی یا دلیلا لمن تحیر فیک

میں تیرے بارے میں حیران ہوں اے اس شخص کے راہنما جو تیری وجہ سے حیران ہو چکا ہے میری دستگیری فرما ۔

طوالع : جو انوار توحید اہل معرفت کے دلوں پر اپنی چمک و دمک کے ساتھ وارد ہوں اور ان کے رعب سے وہ انوار جو دلوں کے اندر موجود ہوں مطمئن ہو جائیں جس طرح سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے نور کے غلبہ کی وجہ سے ستاروں کا نور ناظرین سے مخفی ہو جاتا ہے حالانکہ یہ ستارے اپنی جگہ پر قائم ہوتے ہیں ۔

اسی معنی کے بارے میں حسین بن منصور فرماتے ہیں :

(ص۲۳٦)قد تجلت طوالع زاهرات یتشعشعن فی لوامع برق

چمکدار طوالع رونما ہوئے جو چمکدار بجلیوں میں ضوفگن تھے ۔

خصنی واحدی بتوحید صدق ما الیها من المسالک طرق

صرف مجھے اکیلے کو سچی توحید کے ساتھ مخصوص کیا جس کی طرف کسی راستے سے راہ نہیں ملتی ۔

طوارق : کانوں کے راستے سے جو کیفیات اہل حقائق کے دلوں کو ٹھکراتی ہیں اور ان سے ان کے حقائق کی تجدید کرتی ہیں طوارق کہلاتی ہیں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی شیخ نے کہا : اہل حقائق کے علوم میں سے کوئی علم میرے دل پر دستک دیتا ہے مگر اسے اس وقت تک دل میں داخل نہیں ہونے دیتا جب تک میں اسے کتاب و سنت کے معیار سے پرکھ نہ لوں طوارق کے لغوی معنی ہیں وہ امور جو رات کے وقت دستک دیں ۔

مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم یوں دعا مانگا کرتے تھے :
خدایا میں تمہارے پاس رات اور دن کے آنے والے امور سے پناہ لیتا ہوں سوائے اس طارق کے جو نیکی لے کر آئے ۔

کشف : ان امور کی وضاحت جو فہم انسانی سے مخفی ہوتے ہیں کشف کہلاتی ہے ۔ چنانچہ جب ان امور سے پردہ اٹھ جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں ۔

ابومحمد جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو شخص ان امور میں جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہیں تقوی اور مراقبہ پر کاربند نہ ہوگا وہ کشف اور مشاہدہ تک نہ پہنچ سکے گا

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : آنکھوں کے مکاشفات اس طرح ہوتے ہیں کہ انہیں (کوئی چیز) دکھا دی جائے اور دلوں کے مکاشفات اتصال سے ہوتے ہیں ۔

شطح : وہ وجد جو اپنی معدن سے بہہ نکلے اور اس کے ساتھ کسی امر کا دعوی پایا جائے اور زبان اس وجد کی ترجمانی کرے شطح کہلاتا ہے ۔ مگر جب صاحب وجد مستقل اور محفوظ(۵۶۰) ہو تو یہ شطح نہ کہلائے گا ۔

ابوحمزہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کسی خراسانی نے مجھ سے پوچھا : امن کیا ہے ۔ میں نے جواب دیا : میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کی دائیں جانب شیر ہو اور بائیں جانب تکیہ تو وہ ان میں سے کسی ایک پر تکیہ لگانے میں امتیاز(۵۶۱) نہ کرے گا ۔

اس پر اس شخص نے کہا : یہ تو شطح(۵۶۲) ہے ۔ کوئی علم کی بات پیش کرو ۔

ایک صوفی تھے جن سے جب کوئی شخص ایسی بات پوچھتا جس میں "ڈینگ" پائی جاتی تو کہتے : میں اللہ کے پاس زبان کی ڈینگ سے پناہ لیتا ہوں۔

جنید رحمہ اللہ نے ابویزید رحمہ اللہ کے شطحات کی تشریح کی ہے اگر جنید رحمہ اللہ کے نزدیک ابویزید رحمہ اللہ غلطی پر ہوتے تو وہ کبھی بھی ان کے شطحات کی تشریح نہ کرتے

قناد رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

شطح الحقیقة والأحوال بینهما   شطح لذا البین یزهو بین هاتین

شطح حقیقت اور شطح احوال کے درمیان ایک شطح بھی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ درمیانی کیفیت ان دونوں کے شطح پر فخر کرتی ہے۔

(ص۲۳۷)فالحال کالحال فی التلوین شاطحها

والبین تدنی الی شطح اللقائین

لہذا اس حال میں شطح کی بات کہنے والا اسی طرح ہوگا جس طرح "تلوین" کی حالت میں شطح کی بات کہنے والا ہے مگر آنکھ ان دونوں شطحوں کی ملاقات کے قریب کر دیتی ہے (۸۶۳)۔

صول : مریدوں اور متوسط درجہ کے لوگوں کا اپنے ہم جنسوں پر احوال کی بنا پر غرور کرنا صول کہلاتا ہے اور یہ ایک مزموم فعل ہے۔

ابوعلی رودباری فرماتے ہیں : دل ہی دل میں تمہارا اللہ سے خیانت کرنا کبیرہ گناہ ہے ۔ نیز یہ بھی کبیرہ گناہ ہے کہ تو یہ خیال کرے کہ جس خدا نے تمہیں یہ مرتبہ عطا کیا ہے کسی اور کو نہیں کیا ۔ لہذا تمہارا یہ دعوی اس شخص پر "صول" (حملہ) قرار دیا جائے گا جو تمہیں اپنی حالت بتانے میں اللہ سے شرم کرتا ہے اور وہ صول سے نفرت(۵۶۴) کرتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ "صول" اس شخص پر ہوگا جو تم سے بلند مرتبہ ہے تو یہ بے حیائی سمجھی جائے گی اور اگر اس شخص پر ہے جو تم سے کم درجہ کا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسے معرفت حاصل نہیں ہوئی اور اگر اپنے ہم مرتبہ پر ہوگا تو یہ سوء ادب سمجھا جائے گا

رہے صادقین اور منتہی لوگ تو یہ اگر "صول" کرتے ہیں اللہ کی مدد سے کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ماسوا کے پاس شاذ و نادر سکون پاتے ہیں ۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم یوں دعا مانگا کرتے تھے :

خدایا میں حملہ کرتا ہوں تو تیری مدد سے ہی حالت بدلتا ہوں۔

ابراهیم خواص رحمه اللہ اپنی ایک کتاب میں فرماتے ہیں : اس کے بعد میں کہتا ہوں اور اللہ کی مدد سے حملہ کرتا ہوں۔

کسی کا یہ شعر ہے :

و کیف یطیب العیش من بعد من به علی نائبات الدھر کنت أصول

جس ہستی کی مدد سے میں مصائب زمانہ پر حملہ کیا کرتا تھا اس کے گزر جانے کے بعد میری زندگی خوش آیند کیسے ہو سکتی ہے۔

ذھاب : ذھاب کے معنی غیبت کے ہیں مگر ذھاب بمقابلہ غیبت زیادہ کامل ہوتا ہے اور ذھاب یہ ہے :

جن امور کا دل کو مشاہدہ حاصل ہو ان کے اثر سے دل کا محسوسات کو قطعاً محسوس نہ کرنا ذھاب ہے۔

اس کے بعد (ایک اور درجہ آتا ہے کہ) صوفی اس "ذھاب" سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے اور " ذھاب " کبھی ختم نہیں ہوگا۔

جنید رحمه اللہ ابویزید رحمه اللہ کے اس قول "لیس بلیس" جو انہوں نے اپنے کسی کلام میں کہا کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں : اس سے مراد "ذھاب" کامل ہے اور پھر اس ذھاب سے بھی ذھاب یہی معنی ان کے اس قول کے ہیں "لیس بلیس" یعنی تمام حاضر امور غائب ہوگئے اور اشیاء معدوم ہو گئیں لہذا نہ کوئی چیز پائی جاتی ہے نہ محسوس ہوتی ہے اسی حالت کو بعض لوگ "فنا" ، فنا عن الفناء" سے تعبیر کرتے ہیں اور "فقد الفقد فی النقد " سے مراد بھی "ذھاب عن الذھاب" ہے۔

نفس : جلن کے وقت دل کا (کسی قدر) راحت پانا "نفس" ہے۔

کسی شیخ کا قول ہے : نفس اللہ تعالی کی ہواؤں میں سے ایک (راحت دینے والی) ہوا ہے جسے اللہ تعالی آگ پر (ص۳۳۸)مسلط کر دیتے ہیں۔ یہی حال "تنفس" کا ہے۔

ذوالنون رحمه اللہ فرماتے ہیں :

من لاذ باللہ نجا باللہ و سرہ مر قضاء اللہ

جس نے اللہ کے پاس پناہ لی وہ اللہ کی مدد سے نجات پا گیا اور وہ اللہ کی تقدیر کے جاری ہونے سے خوش ہوگا۔

لله أنفـاس جرت لله لا حول لی فیهـا بغیـر الله

ان «انفاس» کا کیا کہنا جو اللہ کیلئے جاری ہوئے ہوں اور ان پر مجھے اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے

نفس سے بندے کا نفس (سانس) بھی مراد لیا جاتا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے بندے سے اس بات کا عہد لے رکھا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے «دم» یعنی سانس کی بھی حفاظت کرتا رہے گا۔

کسی کا یہ شعر ہے :

وما تنفست الا کنت مع نفسی تجری بک الروح منی فی مجاریها

(اے محبوب حقیقی) میں جب بھی سانس لیتا ہوں تو تُومیرے سانس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے میری روح میرے جسم میں تمہیں ساتھ لے کر جاری ہونے کی جگہوں میں جاری ہوتی ہے۔

حس : نفس کی صفت کے جو علامات ظاہر ہوتے ہیں حس کہلاتے ہیں۔

عمرو مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جو شخص یہ کہے کہ میں وجد کے غلبہ کے وقت کوئی حس محسوس نہیں کرتا وہ غلط کہتا ہے کیونکہ حس کے معدوم ہونے کا علم حس ہی کے ذریعے ہوتا ہے اور «وجد» اور فقد کا علم بھی حواس کی ذریعے ہوتا ہے لہذا یہ دونوں حواس کے ذریعے معلوم ہو سکتے ہیں۔

توحید عامہ : توحید عامہ سے مراد زبان سے توحید کا اقرار کرنا۔ اور جن امور کا زبان اقرار کرے دل سے ان کی تحقیق و تصدیق کرنا اس طرح کہ موحد (اللہ) کو اس کے تمام اسماء اور صفات کے ساتھ ثابت کرے۔ اس طرح کہ وہ ان ہی امور کو ثابت کرے جنہیں اللہ نے ثابت کیا ہے اور ان امور کی نفی کرے جن کی اللہ نے نفی کی ہے۔ نیز جس سے وہ امور ثابت ہوں جن کو اللہ نے اپنی ذات کیلئے ثابت کیا ہے اور ان امور کی نفی ہو جن کی نفی اس نے اپنی ذات کیلئے کی ہے۔

توحید خاصہ : ہم اس کا ذکر توحید کے باب میں کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے : اللہ کی وحدانیت کی عظمت کو پانا نیز اس کے قرب کی حقیقت کو محسوس کرنا بایں طور کہ بندے کے اپنی ذاتی حس و حرکت معدوم ہو جائیں کیونکہ جو امور اللہ اس سے کرانا چاہتا ہے

ان کی حفاظت خود اللہ کرتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے ایک شخص سے کہا اور اس وقت توحید ک ذکر چھڑ گیا تھا : فرمایا : یہ تو تمہاری توحید ہوئی۔ اس شخص نے کہا : اس کے سوا میرے پاس اور کیا ہے اس پر شبلی رحمہ اللہ نے کہا :

اللہ تعالی (موحد) کی توحید یہ ہے کہ وہ تجھے اس کے ذریعے یکتا بنا دے اور اپنی ذات کیلئے منفرد کر دے اور تمہیں اس (کیفیت) کا مشاهده بھی کرا دے اور توحید کے ذریعے تمہیں اس مشاہدے سے غائب کر دے اور یہ خاص لوگوں کی توحید کا بیان ہے۔

تفرید : تفرید یہ ہے : مخلوق ہونے کی نفی کرتے ہوئے خدائے مفرد کو یکتا جاننا اور حقائق فردانیت کو بانٹے ہوئے خدائے قدیم کو تنہا جاننا۔

کسی صوفی کا قول ہے : مؤمنوں میں اللہ کو واحد جاننے والے تو بہت ہیں اور ان موحدین میں مفرد کوئی کوئی ہوتا ہے۔

حسین بن منصور رحمہ اللہ کو جب قتل کیا گیا تو منجملہ دیگر کلمات کے ایک جملہ یہ بھی کہا : صاحب وجد کیلئے خدائے واحد کو یکتا جاننا ہی کافی ہے۔

تجرید : جب بندہ بشری کدورتوں سے پاک ہو اور الوہیت کے شواهد اس کے دل پر واضح طور پر وارد ہوں تو یہ تجرید ہے۔

(ص۳۳۹)کسی شیخ سے تجرید کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : حق تعالی کو ان تمام احکامات میں جنہیں وہ جاری کرتا ہے یکتا جاننا اور ان تمام امور میں جنہیں اللہ ظاہر کرتا ہے بندے کو ساقط کر دینا تجرید ہے۔

تجرید ، تفرید اور توحید اگرچہ مختلف الفاظ ہیں مگر یہ معانی کے اعتبار سے ایک ہیں اور ان کی تفصیل صاحب وجد لوگوں کے حقائق اور اشارات کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

کسی کا یہ شعر ہے :

حقیقة الحق حق لیس یعرفه الا المجرد فیه حق تجرید

حق تعالی کی حقیقت حق ہے اسے صرف وہی شخص پہچان سکتا ہے جو حقیقی معنوں میں مجرد ہو

هم مفرد اور سر مجرد : یہ دونوں هم معنی ہیں اور وہ یہ ہے : جب بندہ ہر قسم کے

شغل سے فارغ ہو جائے اور خدائے ذوالجلال کے دھیان میں یکسو ہو کر لگ جائے اس طرح کہ کسی قسم کا خیال اس کی اس کیفیت کو کاٹ نہ سکے اور نہ کوئی عارضہ اسے اللہ کی طرف متوجہ رہنے ، اس کی طرف آنے اور اس کے قریب اور اتصال سے مانع ہو اس حالت میں بندے کا جو ارادہ یا سر ہو اسے ہم مفرد اور سر مجرد کہا جاتا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابراہیم آجری نے مجھے کہا : بچہ ، تمہارا ایک لمحہ کیلئے اپنے تمام ارادے کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں آنا تمہارے لئے دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

شبلی رحمہ اللہ نے ایک شخص سے جس کے ارادے فضاء عدم میں حیران و پریشان تھے کہا :تمہارے ارادے اس شخص کے ارادوں کی طرح ہیں جو جوش میں آیا ہوا ہو اور میرے ارادے دیوانوں کے سے ہیں ۔

محادثہ : یہ صدیقین کی انتہا کی صفت ہے۔

کسی نے ابوبکر واسطی رحمہ اللہ سے صدیقین کی حالت کے انتہائی مدارج میں سے اعلی ترین درجے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا : یہ طالع اور محدث کا مقام ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : میری امت میں مکلم اور محدث ہوں گے اور یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے مخلوق کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس سے راز میں باتیں کریں اور یہ ان سے کرے چنانچہ اللہ نے ان سے کہا : میں نے تمہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ تم مجھ سے راز میں باتیں کرو۔ اگر ایسا نہ کر سکو تو مجھ سے ہم کلام ہو اور مجھ سے باتیں کرو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو تو مجھ سے مناجات کرو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو میری ہی باتوں کو سن لیا کرو۔

مناجات : اذکار کے صاف ہوتے ہوئے اللہ تعالی کے ساتھ اسرار کا باہم مخاطب ہونا مناجات کہلاتا ہے۔

ابوعمرو بن علوان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ایک بار جنید رحمہ اللہ کو شام سے صبح تک اپنی مناجات میں یوں کہتے سنا :

اے میرے خدا ! اے میرے آقا ! کیا تو اپنے وصل کے ذریعے مجھے اپنی ذات سے منقطع کر دینا چاہتا ہے (ص ۳۵۰)یا کیا تو ہیہات ترک کر دینے کی وجہ سے مجھے دھوکا دے کر اپنی طرف سے ہٹانا چاہتا ہے۔

(مصنف کہتا ہے) میں نے ابوعمرو سے پوچھا کہ "وهیهات" سے کیا مراد ہے ؟ انہوں نے جواب دیا : تمکین ۔

مسامرہ : مخفی ذکر کے وقت اسرار کا عتاب کرنا مسامرہ کہلاتا ہے : رودباری فرماتے ہیں :

سامـرت صفـو صبابتـی أشجانها حرق الهـوی و غلیلهـا نیرانها

میں نے اپنے پاک و صاف عشق سے عتاب کیا ۔ ایسا عشق جس کا غم عشق کی جلن ہے اور پیاس عشق کی آگ ۔

کسی شیخ سے مسامرہ کے متعلق سوال کیا گیا تو جواب دیا : عتاب کو دیر تک جاری رکھنا اور پھر اسے اچھی طرح سے چھپائے رکھنا ۔

رؤیۃ القلوب : حقائق ایمان کے ہوتے ہوئے انوار یقین کے ساتھ دل کا غیب میں چھپے ہوئے امور کو دیکھنا رؤیۃ القلوب ہے ۔

اور یہ اسی طرح ہے جس طرح امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ان سے کسی نے سوال کیا تھا : کیا آپ ہمارے رب کو دیکھ سکتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا : ہم اس ہستی کی کیسے عبادت کر سکتے ہیں جسے ہم دیکھ نہ سکتے ہوں ۔ پھر فرمایا : آنکھ اسے نہیں دیکھتی ۔

ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے اسے آنکھ اس طرح نہیں دیکھ سکتی کہ دیدار کھل کر سامنے آجائے مگر حقائق ایمان کی مدد سے دل اسے دیکھ سکتے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۶۵)ما کذب الفؤاد ما رأی

(جو کچھ دل نے دیکھا اس میں اس نے جھوٹ نہیں کہا) ۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے دنیا کے اندر دل کے ذریعے سے دیدار الہی کو ثابت کیا ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے دیکھ نہیں رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

اسـم : وہ حروف ہیں جن کے ذریعے نام دہندہ نام دے کر مسمی کا پتا چلا لیتا ہے ۔ پھر اگر حروف اپنے معانی سے ساقط بھی ہو جائیں تب بھی یہ نام مسمی (نام یافتہ) سے جدا نہیں ہوگا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے : مخلوق کے پاس حق تعالی کا صرف نام ہی نام ہے اور وہ یہ بھی کہا کرتے تھے : کوئی ایسا شخص پیش کرو جو اس نام کو لیتے ہوئے اسے اس طرح ادا کر سکے جو اس کا حق ہے۔

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ اپنے اشارے میں اس شعر کو بطور شاہد پیش کیا کرتے تھے :

اذا ام طفل مسها جوع طفلها غذته باسم الطفل فاستعصم الطفل

جب بچے کی ماں بچے کی بھوک کو محسوس کرتی ہے تو بچے کو بچے کے نام سے غذا دیتی ہے۔ لہذا بچہ اس سے چمٹ جاتا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے : مجھے ایسا شخص درکار ہے جو اللہ کا نام لیتا ہو اور اسے حقیقی طور پر معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ یوں بھی کہا کرتے : تمام مخلوق علم میں سرگردان ہے اور تمام علم اسم (اللہ) میں سرگردان ہے اور یہ اسم ذات باری میں سرگردان ہے۔

رسم : وہ علامات جو مخلوق کے ظاہری وجود پر لگائی جاتی ہیں خواہ وہ علم کی ہوں یا مخلوق ہونے کی (ص۳۵۱)مگر جب ان پر حق تعالی کے غلبہ کا اظہار ہوتا ہے تو یہ علامات مٹ جاتی ہیں۔

کسی نے جنید رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ایک ایسا شخص ہے جس کا اسم غائب ہو چکا ہے اور اس کے اوصاف نابید ہو چکے ہیں اور علامات مٹ چکے ہیں لہذا اس کی کوئی علامت نہ ہوئی۔

جنید رحمہ اللہ نے جواب دیا : ہاں (یہ ٹھیک ہے) اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ یہ مشاہدہ کر رہا ہو کہ حق تعالی اسے خود قائم کئے ہوئے ہیں ، اپنی ذات کیلئے اور اپنی حکومت کے اندر۔

جنید رحمہ اللہ کا یہ قول اس قول کی تشریح ہے امتحی رسومہ ۔ یہاں مراد اس کا علم اور وہ فعل ہے جو اس شخص کی طرف منسوب ہو۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی درحقیقت اسے اس فعل پر قائم کئے ہوئے ہیں تو اس کا علم اور فعل محو جاتا ہے۔ کسی نے کہا ہے :

برسوم دارسات و طلل

(وهاں جهاں نشانات اور کهنڈرات مٹ چکے هیں)

وســـم : وہ علامات جو اللہ تعالٰی نے ازل میں بندے پر لگا دی ہوں۔ جو علامت بهی اللہ نے چاهی هو اور جس طرح چاهی هو۔ لہذا وہ بندہ اس علامت کو بدل نہیں سکتا اور نہ هی کسی کو اس کا علم هوتا ہے۔

احمد بن عطا رحمہ اللہ فرماتے هیں : یہ علامت مقبول لوگوں پر بهی اور مردود لوگوں پر بهی لگائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ان کی وہ دو صفات هیں جو جس طرح ازل میں جاری هوئیں اسی طرح ابد تک چلی جاتی هیں ۔

روح اور تروح : روح اور تروح ایک طرح کی نسیم ہے جس کا جهونکا اهل حقائق کے دلوں کو دیا جاتا ہے اور اس طرح اهل حقائق اس بوجهہ کے تهکان سے جو ان پر لادا جاتا ہے۔ یعنی حقوق اللہ کی نگہداشت ۔ سے اللہ کی حسن عنایت کی وجہ سے آرام پاتے هیں۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے هیں : حکمت اللہ تعالٰی کی فوجوں میں سے ایک فوج ہے جسے اللہ تعالٰی عارفوں کے دلوں کی طرف روانہ کرتا ہے تاکہ ان سے دنیا کے شعلوں کو ٹهنڈا کیا جائے ۔

نیز فرمایا : ولی کی روح بارگاہ رب العزت میں هوتی ہے اور وہ اسے اپنے مولا کے ساتهہ مشغول رکهتی ہے (۵٦٦)سفیان فرماتے هیں : عارفوں کے دلوں کی جولان گاہ آسمانی باغات هیں جن کے سامنے اللہ تعالٰی کی طرف سے بردے بڑے هوئے هیں ۔ وهیں ان کی خیمہ گاہ اور وهیں سے یہ بهل چنتے هیں اور اس پر مزید یہ کہ اللہ کے قرب کی وجہ سے انہیں راحت انس کی نعمت حاصل هوتی ہے۔

نعت : صفت بیان کرنے والوں کا اپنے منعوت یعنی اللہ تعالٰی کے افعال ، احکام اور اخلاق کی خبر دینا ۔ یہ بهی هو سکتا ہے کہ نعت اور وصف کے ایک هی معنی هوں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ وصف مجمل هوتا ہے اور نعت میں تفصیل پائی جاتی ہے لہذا جب صوفی وصف بیان کرتا ہے تو وہ سب کچهہ جمع کرکے (مجمل بیان کرے گا) اور جب نعت بیان کرے گا تو الگ الگ (کرکے تفصیل وار) بیان کرے گا ۔

صفت : وہ وصف جو موصوف سے جدا نہ هو مگر نہ تو یہ کہا جا سکے کہ یہ موصوف هی ہے اور یہ کہ یہ موصوف کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔

ذات : وہ چیز ہے جو بذات خود قائم هو ، اسم ، نعت اور صفت سب ذات کی علامات

ھیں لہذا اسم ، نعت اور (ص۳۵۲)صفت صرف اس کی ہوں جو ذات والا ہو اور ذات والا وھی ہو سکتا ہے جس کا نام ہو ، نعت ہو اور صفت ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ القادر اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور قدرت اس کی ایک صفت ہے اور تقدیر اس کی ایک نعت ہے۔ اسی طرح متکلم اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے ، کلام اس کی صفت ہے اور غفران اس کی نعت ہے۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مخلوق کے پاس صرف اللہ تعالی کا نام یا نعت یا صفت ہے اور مخلوق کو اللہ کے ناموں کے ذریعے اس کی نعتوں سے حجاب میں رکھا گیا ہے اور نعتوں کے ذریعے صفات سے حجاب میں رکھا گیا ہے اور صفات کے ذریعے اس کی ذات سے ۔ لہذا جب بندہ اللہ تعالی کی تدبیر ، تصویر ، فضل اور احسان کا ذکر کرتا ہے تو وہ اس کی نعتوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کی نعتوں سے اس کی صفت بیان کرتا ہے اور جب اللہ کے علم ، قدرت ، کلام اور مشیئت کا ذکر کرتا ہے تو اس کی صفات کا ذکر کرتا ہے اور اس کی صفات کے ساتھ اسکی تعریف کرتا ہے اور فرمایا :

اذا طلعت شمس علیک بنورھا و أنت خلیط للشعاع المباشر

جب سورج اپنے نور کے ساتھ تم پر طلوع ہو اور تم ان شعاعوں سے جو تمہارے جسم کو لگتی ھیں میل جول رکھتے ہو

بعید من الذات العزیز مکانھا و لم تعر من نعت لنفسک قاھر

ان شعاعوں کی جگہ ذات عزیز سے دور ہے مگر یہ پھر اپنی اس نعت سے عاری نہیں جو تمہارے نفس پر غالب آرھی ہے

حجاب : وہ چیز جو مطلوب و مقصود اور طالب و قاصد کے درمیان حائل ہو جائے حجاب ہے۔

سری سقطی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے : خدایا ! تو مجھے جو عذاب دینا چاھے دے لے مگر مجھے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا ۔

محمد بن علی کتانی فرماتے ھیں : اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والے ثواب کو دیکھتے رھنا حجاب کیلئے حجاب بن جاتا ہے اور حجاب کو دیکھتے رھنا غرور سے روکتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے ، واللہ اعلم ، کہ بندے کا اپنی عبادت اور ذکر کے ثواب کو دیکھنا

اس حجاب کا حجاب ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے اور اس حجاب کو دیکھنا اپنے علم پر گھمنڈ کرنے سے مانع آتا ہے۔

دعوی : نفس کا اپنی طرف ان اوصاف کو منسوب کرنا جو اس میں پائے نہیں جاتے۔

سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں : بندے اور اللہ کے درمیان بدترین حجاب اس کے دعوے ہیں :

اور کہا :

و لما ادعیت الحب قالت کذبتنی فما لی أری الأعضاء منک کواسیا

جب میں نے اس کی محبت کا دعوی کیا تو کہنے لگی تو جھوٹ کہتا ہے (اگر ایسا ہے تو) پھر تمہارے اعضاء گوشت سے کیوں ڈھکے ہوئے ہیں

ابوعمرو زجاجی رحمہ اللہ فرمایا کرتے : جس کا کوئی دعوی نہیں اس میں کوئی خوبی بھی نہیں ۔

ان کی اس سے مراد یہ تھی کہ نفس اپنی ان اطاعت گزاریوں کی طرف منسوب ہو جو اس میں نہیں ہیں ، اس کے دعوی کی دلیل بن سکیں ۔

اختیار : یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے فلاں فلاں بات بندے کیلئے اختیار کی اور بندہ انہیں اس لئے اختیار کرے کہ اللہ نے اس کیلئے ان امور کا اہتمام کر رکھا ہے۔ لہذا اللہ کے اختیار کی بنا پر وہ بھی انہیں اختیار کر لیتا ہے۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تک بندہ معرفت الہٰی کے حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے اسے یہی کہا جاتا ہے کہ تو اختیار نہ کر کیونکہ تو اپنے اختیار میں امین نہیں ہے تاآنکہ تجھے معرفت نہ حاصل ہو جائے۔ اور جب اسے معرفت حاصل ہو جائے تو اسے کہا جائے گا : چاہو تو اختیار کر لو اور چاہو تو نہ کرو۔ کیونکہ اب اگر تو اختیار کرے تو ہماری مدد سے کرے گا تو ہمارے اختیار کی وجہ سے ایسا کرے گا لہذا تو اپنے اختیار اور عدم اختیار میں ہمارے ساتھ ہے۔

اختبار : اللہ کا اپنے صادق بندوں کا امتحان کرنا تاکہ اس سے وہ مخصوص لوگوں کی منزلوں کو آباد کرے اور اس آزمائش کے ذریعے ان کے صدق کو ظاہر کر دے اور اس طرح عام مؤمنوں پر اپنی حجت قائم کر دے تاکہ مرید ان کے آداب اپنا لیں ۔

مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : اخبر(۵٦٧) تقلہ آزما کر دیکھ لو ۔ تم اس کے دشمن بن جاؤ گے مراد یہ ہے کہ جسے چاہو آزما لو مگر جب اس امتحان کے ذریعے سے تم اس سے حق بات کو ظاہر کرو گے تو تم اس سے دشمنی کرنے لگ جاؤ گے ۔

بلاء : اللہ تعالی کی طرف سے آزمائش کے ذریعے بندے کے حال کی حقیقت کا ظاہر ہو جانا ابتلاء ہے اور یہ آزمائش وہ عذاب ہوتا ہے جو بندے پر نازل ہوتا ہے ۔

ابومحمد جریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : انسان جہاں کہیں بھی ہو آزمائش ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : (۵٦٨) ہم انبیاء کو سب سے زیادہ آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا ہے ۔

آزمائش کے متعلق کسی کے یہ اشعار ہیں :

دائـرات البـلا علـى تدور والـى ما ترى علـى تثور

مصائب کی گردشیں مجھ پر چلتی رہتی ہیں اور جیسا تم دیکھ رہے ہو مجھ پر حملہ کر رہی ہیں ۔

ما أرى للبـلاء بلاء سواى و بلائـى علـى البـلاء كدور

مجھے تو یہی دکھائی دیتا ہے کہ میں خود اس آزمائش کیلئے آزمائش بنا ہوا ہوں اور میری آزمائش اس آزمائش کیلئے گدلا پن ہے

فأنـا محنة البـلا و بلائى حاصـن للبـلا عليـه غيور

لہذا میں اس آزمائش کیلئے مصیبت بنا ہوا ہوں اور میری آزمائش دوسری آزمائش کیلئے پاکدامن کی بیوی ہے جس پر وہ غیرت کھاتی ہے

يا بلائـى. علـى البـلا لا تعدى كن به مالـكاً رحيمـاً غفور

اے آزمائش یہ آزمائش حد سے نہ بڑھ ۔ اس کی مالک رحیم اور غفور بن

يا معيـن البـلا علـى أعنى فى البـلا فالبـلا علـى سعير

اے مصیبت کی میرے خلاف مدد کرنے والی تو اس مصیبت میں مری مدد کر کیونکہ یہ

مصیبت میرے لئے دوزخ بنی ہوئی ہے

لسان : اس کے معنی ہیں علم حقائق کی ترجمانی کرنا ۔

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ نے ایک خط میں جنید رحمہ اللہ کو لکھا :
(ص۲۵۴)اے میرے آقا ! آپکو اللہ تعالی نے آزمائش کے علم (علم البلاء) کی ترجمانی کرنے کا ملکہ دے رکھا ہے اور بلاء البلاء کے علم کیلئے آپ کے پاس سنگ فسان ہے ۔
مراد یہ ہے کہ آپ کے پاس اس علم کی وضاحت اور علم ہے ۔

کسی نے شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا : لسان العلم اور لسان الحقیقت میں کیا فرق ہے ؟
جواب میں فرمایا : جو علم ہمارے پاس کسی واسطے سے پہنچے وہ لسان العلم ہے اور جو بغیر واسطے کے پہنچے وہ لسان الحقیقت ہے ۔

پھر سوال کیا گیا : لسان الحق کیا ہے ۔
جواب دیا : جس علم تک مخلوق کو کوئی راہ نہ مل سکے ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ جب "لسان" کہا جائے تو اس سے مراد اس کے علم کی وضاحت اور الفاظ میں اس کی تشریح کرنا ہے ۔

سـر : عدم اور وجود کے درمیان ایک مخفی امر ہے جو درحقیقت موجود ہوتا ہے ۔

یوں بھی کہا گیا ہے : سر وہ ہے جسے حق تعالی نے مخفی رکھا ہو اور مخلوق کو اس کی اطلاع نہ ہو ۔ لہذا مخلوق کا سر وہ ہے جس سے حق تعالی بلاواسطہ مطلع ہوں اور حق تعالی کا سر وہ ہے جس کی اطلاع حق تعالی کے سوا کسی کو نہیں ۔

اور سرالسر وہ ہے جسے سر بھی محسوس نہ کر سکے اگر محسوس کر لے تو پھر سر نہ کہلائے گا ۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : نفس (امارہ) کا ایک راز ہے جسے حق تعالی نے صرف فرعون کی زبان سے ظاہر کیا اور وہ(۵۶۹) أنا ربکم الاعلی (میں تمہارا بلند ترین رب ہوں) پکار اٹھا ۔

کسی نے کہا ہے :
یا سر سر یدق حتی یخفی علی وہم کل حی

و ظاهــر باطــن تجلی من کل شیء لکل شئ

اے راز کے راز جو اس قدر دقیق ہے کہ ہر زندہ انسان کے وہم و گمان سے مخفی ہے اور وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہر چیز پر اپنی تجلی ڈالتا ہے۔

عقد : باطن کا معاهدہ اس طرح کہ اپنے دل سے اللہ سے عہد کر لے کہ وہ ایسا ایسا کرے گا یا ایسا ایسا کام نہ کرے گا اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۷۰)یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود

(اے ایمان لانے والو ! اپنے عہد پورے کیا کرو)

کسی دانا سے کہا گیا : تو نے کس طرح اللہ کو پہچانا تو اس نے جواب دیا : عہد کے ٹوٹ جانے اور ارادوں کے فسخ ہونے سے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن یعقوب فرجی نے کہا : میں نے تیس سال سے اللہ سے کوئی عہد نہیں کیا کہ کہیں یہ عہد فسخ ہو گیا تو اللہ تعالی مجھے میری ہی زبان سے جھوٹا قرار دیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ خاص اور عام کے درمیان فرق یہ ہے کہ عام مسلمان جب اپنی (۵۷۱) زبان سے کوئی عہد کر لیتے ہیں (ص ۳۵۵) تو ان پر اس کا ایفاء ضروری ہو جاتا ہے اور خاص مسلمان جب دل میں کسی بات کا عہد کر لیں تو ان پر اس کا ایفاء ضروری ہو جاتا ہے

هــــم : یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ اپنے تمام ارادوں کو یکجا کرکے ایک ارادہ بنا لے۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو بارگاہ رب العزت میں حاضر ہو تو اپنے ارادوں کو یکجا کر لے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک صوفی نے کہا : بندے کا ارادہ اس کے قدموں کے نیچے ہونا چاهئے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ نہ تو کسی گزشتہ حال کا ارادہ کرے اور نہ کسی آنے والے حال کا ، اسے اپنے (موجودہ) وقت میں اپنے وقت کا ساتھ دینا چاهئے۔

لحظ : لحظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل کی نگاهوں کو ان زوائد یقین کی

طرف لگائے رکھا جائے جن پر اس کا غیب ہی غیب میں ایمان ہے : رودباری فرماتے ہیں :

لا خطتـــه فرآنـــی فی ملاحظتی ففبـــت عن رؤیتـــی منـــی بمعناه

میں نے اس طرف نگاہ کی تو اس نے مجھے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا لہذا میں اس کی مراد کو پا کر اس دیدار سے بے خبر ہو گیا۔

و صادفـــت همتـــی لطف الخفـــی بما تمکنـــت من تکن دون منشاه

اور میری همت نے (اللہ تعالی کے) مخفی الطاف کو پا لیا کیونکہ اس لطف کے نشو نما پانے سے پہلے ہی اسے پوشیـــدہ رہنے کی قدرت تھی

فلا الـــی أحـــد همـــی ولا فطنی ولا الـــی راحة أسلـــو فأنساه

لہذا میرا ارادہ اور سمجھ کسی کی طرف نہیں لگا ہوا اور نہ ہی میں اسے بھول کر راحت پا سکتا ہوں کہ بھول کر دیکھوں

اللہ یعلـــم أنـــی لســـت أذکره و کیف أذکره اذ لســـت أنساه

اللہ جانتا ہے کہ میں اسے یاد نہیں کرتا اور جب میں اسے کبھی بھولتا ہی نہیں ہوں تو کیسے یاد کروں

محو : جب کوئی چیز جاتی رہے اور اس کا نشان تک باقی نہ رہا ہو تو اسے محو کہتے ہیں اگر نشان باقی رہ جائے تو یہ طمس کہلائے گا۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : خاص اور عام سب نے عبودیت کی قمیص پہن رکھی ہے البتہ جو ان میں بلند تر ہوں انہیں اللہ تعالی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور انہیں ان کی اپنی حرکات میں اپنے نفسوں سے محو کر دیتے ہیں اور اللہ اپنی ذات کے پاس انہیں قائم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

(٥٤٣)یمحو اللہ ما یشاء و یثبت

(اللہ تعالی جو چاہیں مٹا دیتے ہیں اور جو چاہیں قائم رکھتے ہیں)

جذبهم الحق کہنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی انہیں اپنی بارگاہ میں جمع کر لیتے ہیں اور ان کے اپنے نفسوں سے انہ[illegible] دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی حرکات میں

اپنی ذات کو نہیں دیکھتے اور أثبتهم عند نفسه سے مراد یہ ہے کہ چونکہ ان کی نگاہ اس بات کی طرف لگی رہتی ہے کہ ان کے افعال اور حرکات کو اللہ تعالی ہی قائم رکھے ہوئے ہے (لہذا یہ اللہ کے ہاں قائم ہوئے)

محق : محق کے وہی معنی ہیں جو محو کے ہیں مگر محق میں زیادہ زور پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں جلدتر اثر ہوتا ہے ایک شخص نے شبلی رحمہ اللہ سے کہا : کیا بات ہے کہ میں آپ کو بیقرار دیکھ رہا ہوں ؟ کیا وہ تمہارے ساتھ اور تم اس کے ساتھ نہیں ہو۔ اس کے جواب میں شبلی رحمہ اللہ نے کہا : اگر میں اس کے ساتھ ہوتا تو وہ میرے ہاتھ سے نکل جاتا لیکن میں تو اس خیال میں مٹ چکا ہوں کہ وہ کیا ہے۔

(ص٣٥٦)مراد یہ ہے کہ میرے طرف سے کچھ نہیں ہے ، نہ میرے ساتھ کچھ ہے اور نہ مجھ سے کوئی بات سرزد ہوتی ہے سب کچھ اس کی طرف سے ہے اسی کی مدد سے ہے اور اسی کیلئے ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے :

كل له و به و منه فأين لى شيء فأوثره فطاح لسانها

ہر چیز اسی کی ہے اسی کی مدد سے اور اسی کی طرف سے ہے لہذا میرے پاس کہاں سے کوئی شیء آئیگی کہ میں اپنے لئے رکھ لوں لہذا اس کی زبان ساقط(٥٤٣)ہو گئی۔

اثر : کسی چیز کے زائل ہو چکنے کے بعد اس کا جو نشان باقی رہ جاتا ہے اثر کہلاتا ہے :

کسی کا قول ہے : جسے اس کی طرف نگاہ کرنے سے محروم کر دیا جائے تو وہ اس کے نشانات سے ہی انس حاصل کر لیتا ہے اور جسے نشان بھی نہ ملے وہ اس کے ذکر سے ہی دل بہلا لیتا ہے۔

کسی کا یہ قول ہے :

فما عندى لكم أثر و لم أسمع لكم خبر

میرے پاس تمہارا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہاری کوئی خبر سن پاتا ہوں۔

کہا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے محل پر یہ شعر لکھا ہوا پایا گیا۔

ان آثارنا تدل علينا فانظروا بعدنا الى الآثار

ہمارے نشانات ہی ہمارا پتا دیتے ہیں لہذا ہمارے گزر جانے کے بعد ہمارے آثار کو دیکھو۔

خواص رحمہ اللہ نے اثر کے متعلق فرمایا ہے۔ اس وقت ان سے کسی نے خواص کی توحید کے متعلق سوال کیا تھا :

تمام اشیاء میں اللہ تعالی کو منفرد قرار دینا اور ساتھ ہی ان تمام اشیاء کے ان آثار سے اعراض کرنا جو ان کے نفسوں کو لاحق ہوتے ہیں ۔ اور کہا :

لو أن دونـک بحـر الصيـن معترضاً　　لخلـت ذاک سرابـاً ذاهـب الأثر

(اگر تمہارے اور میرے درمیان بحر چین بھی حائل ہو جائے تو میں اسے بھی بے نشان سراب خیال کروں گا)

کو ن : تمام وہ اشیاء جن کو مکون (خالق) نے کاف اور نون کے درمیان پیدا کیا ان کا مجمل نام «کون» ہے۔

بو ن : بون کے لفظی معنی جدا ہونے کے ہیں ؛ اور علم توحید میں کون اور بون کے وہ معنی ہیں جو جنید رحمہ اللہ نے توحید کے متعلق ایک سوال کے جواب میں موحدین کی صفت بیان کرتے ہوئے کہے ۔

یہ لوگ ہیں تو بلا کون اور جدا ہوتے بھی ہیں تو بغیر جدا ہونے کے ۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ موحدین اشیاء میں اس طرح ہوتے ہیں جیسے ان کا وجود ہی نہ ہو اور اشیاء سے اس طرح جدا رہتے ہیں گویا وہ جدا ہی نہیں ہوتے ہوتے کیونکہ ان کا اشیاء کے ساتھ ہونا اپنے (ظاہری) وجود کے اعتبار سے ہوتا ہے اور ان سے جدائی باطن کے اعتبار سے ۔

یہ کون اور بون کے معنی ہیں ۔ کہا :

لقـد تاه في تيـه التوحـد وحده　　وغاب بعـز منـک حيـن طلبته

وہ تنہا وحدانیت کے جنگل میں پریشان پھرتا رہا مگر تو نے اس کی تلاش کی تو عزت کے ساتھ تم سے غائب ہو گیا

ظهـرت لمـن أبنتـه بعـد بونه　　فکان بلا کون کأنـک کنته

جس کے جدا ہونے کے بعد تو نے اسے ثابت کیا تو اس کے سامنے ظاہر ہوا لہذا وہ بلاکون وجود

میں آگیا جیسے تو ھی وہ تھا ۔

وصل : اس کے معنی ھیں کسی غیر موجود چیز سے جا ملنا ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جس نے تحت العرش کی اشیاء کو دیکھنے سے اپنے آپکو نابینا نہیں بنایا وہ فوق العرش کی اشاء تک نہیں پہنچ سکتا ۔

(ص۲۵۷)مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ خالق عرش کو نگاہ میں نہیں رکھ سکا لہذا یہ بات جو اس سے جاتی رھی ہے پھر حاصل نہیں ہو سکتی ۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ واصل (باللہ) ہو چکا ہے (درحقیقت) اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا ۔

کسی صوفی کا قول ہے : انہیں اللہ تک پہنچنے سے اس لئے محروم کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے اصول کو کھو دیا تھا ۔ اور کہا:

و وصلکم هجر و ودکم قلی و قربکم بعد و سلمکم حرب

تمہارا وصل جدائی ہے اور محبت دشمنی تمہارا قرب دوری ہے اور تمہاری صلح جنگ

فصل : جس بات کی محبوب سے امید ہو اس کا ہاتھ سے نکل جانا فصل کہلاتا ہے

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شیخ کہا کرتے : جسے یہ خیال آیا یا جس نے یہ یقین کر لیا کہ وہ (محبوب سے) جا ملا ہے اسے یقین(۵۷۴) رکھنا چاھئے کہ وہ اسے کھو چکا ہے ۔

ایک اور کہتا ہے : وصل کی خوشی میں جدائی کا غم ملا ہوتا ہے ۔

کسی کا یہ شعر ہے :

فلا وصل ولا فصل . ولا یأس ولا طمع

نہ وصل ہے نہ فصل اور نہ مایوسی ہے نہ طمع

اصل : وہ چیز ہے جس میں اضافہ ہو سکے ۔ لہذا ھدایت اصل الاصول ہے اور اصول دین اصول ھیں مثلا توحید ، معرفت ، ایمان ، یقین ، صدق اور اخلاص ۔

فرع : اصل میں جو اضافہ ہو فرع کہلاتا ہے۔ پھر فرع سے جو زائد امور نکلیں گے انہیں اصل ہی کا نام دیا جائے گا لہٰذا اصل ان تمام اضافوں کیلئے جنہیں فروع کہا جاتا ہے حجت ہوگی اور تمام وہ اضافے جنہیں فرع کہا جاتا ہے اصل کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۔ امور ذیل اصل کہلاتے ہیں :

ھدایت ، توحید ، معرفت ، ایمان ، صدق اور اخلاص۔

ان میں جو اضافہ ھدایت ، احوال ، مقامات ، اعمال اور اطاعت کی زیادتی کی وجہ سے ہوگا وہ ان ہی اصول اور فروع کا اضافہ سمجھا جائے گا ۔ انہیں اصول اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے فروع بھی بڑھتے رہتے ہیں ۔

عمرو بن عثمن مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اصول کو مان لینے کے بعد جب ہم سے کوتاہی ہوگی تو ہم پر یہ حجت قائم ہو جائے گی (کہ ہم نے اصول کے خلاف کیا ہے) اور اس بات کی حجت قائم ہو جائے گی کہ ہم نے ایمان اور اصول کا اقرار کرنے کے بعد ان کا انکار کیا ہے ۔

کسی عالم کا قول ہے : جن امور کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے دعوت دی ہے وہ اصول ہیں اور جو کچھ ان اصول سے زائد ہے وہ فرع ہے جسے اصل کی طرف لوٹایا جائے گا ۔

طمس :کسی واضح شیء سے وضاحت کا زائل ہو جانا طمس ہے ۔

(ص۳۵۸)جنید رحمہ اللہ اپنے اس رسالہ میں جو انہوں نے ابوبکر(۵۸۵) کسائی کو لکھا فرماتے ہیں :

تو مشتبہ راستوں میں (چل رہا ہے اور ان ستاروں سے (رہنمائی چاھتا ہے) جن کا نور جاتا رہا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۸۶) و اذا النجوم طمست

(جب تارے بے نور ہو جائیں گے)

مراد یہ ہے کہ ان کی روشنی جاتی رہے گی ۔

عمرو مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : تو حق کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک تو ان مٹے ہوئے راستوں پر نہ چلے ۔ مراد یہ ہے کہ تو ان احوال میں قیام کرے جن میں تمہارے سوا کسی نے قیام نہیں کیا حالانکہ ان کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں ۔

رمس اور دمس : دونوں کے معنی دفن کرنے کے ہیں اور قبرستان کو دیماس کہا جاتا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ اس خط میں جو انہوں نے یحیی بن معاذ کو لکھا فرماتے ہیں : پھر اس نے اپنے شاھد کو اخفاء کی قبر میں دفن کر دیا ۔ اور اس کے مدفن کو قبروں کو چھپانے والے کی غیب میں پوشیدہ کر دیا ۔ اور اس پوشیدہ کو اپنے اخفاء سے بھی پوشیدہ رکھا اس کے بعد اس کی طرف اشارہ کرنے کی نسبت کو بھی کاٹ ڈالا کیونکہ (صوفی) تنہا (ذات حقیقی) کیلئے ہو چکا ہوتا ہے اور اسی طرف سے اور اسی کے ساتھ ہو لیا ہوتا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ کا اس قول میں حقیقت توحید کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ (صوفی کی جو حالت ہو چکی ہوتی ہے) اس کے لئے مخلوق کا وجود نہیں رہا ہوتا اور ایسا ہوتا ہے جیسے مخلوق کبھی موجود ہی نہ تھی ۔

سہل رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جب تو اپنے نفس کو تحت الثری میں دفن کر دے گا تب تیرا دل عرش کے اوپر جا پہنچے گا ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ جب تو اپنے نفس کی مخالفت کرے گا اور اس سے علیحدگی ختیار کر لے گا ۔

قصم : قصم توڑنے کو کہتے ہیں ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوبکر زقاق رحمہ اللہ نے فرمایا : اگر گناہ ایسی چیز ہوتی جسے میں نے اپنے لئے خود اختیار کیا ہوتا تو مجھے اس سے غم نہ ہوتا کیونکہ اس سے مجھے ان کی خواهش(٥٧٧) پیدا ہوتی مگر میری کمر تو اس بات نے توڑ دی ہے کہ یہ گناہ اللہ نے ازل ہی سے میرے لئے لکھ رکھے تھے ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صدیاں گزر چکی ہیں جب سے تمام کے تمام امور اپنی حقیقی صورت میں ظاہر ہو چکے ہیں لہذا جو ان امور کو شاھد قدیمی یعنی اللہ تعالی کے ساتھ دیکھے گا اس کی کمر ان کے سامنے آنے سے ٹوٹ جائے گی ۔

سبب : سبب سے مراد ذریعہ ہے اور اسباب سے مراد وہ ذریعے ہیں جو مخلوق اور اللہ کے درمیان ہیں ۔

احمد بن عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جس شخص نے سبب میں مسبب (یعنی اللہ تعالی) کا مشاہدہ کر لیا اسے مسبب کی کاریگری سبب تک پہنچا دے گی کیونکہ جو شخص

سبب کو دیکھ لیتا ہے اس کا دل اسباب کی زینت سے پر ہو جاتا ہے اور جس نے ان اسباب کو پہچان لیا جو بندے کو اطاعت گزاری سے ہٹائے رکھتےھیں وہ ان سے تعلقات منقطع کر لے گا اور ان اسباب کے ساتھ تعلق قائم کرے گا جو نیک اعمال کے سبب بنیں ۔

(ص۳۵۹)یہ اشعار ابوعلی رودباری کے ھیں :

من لم یکن بک فانیاً عن حبه و عن الهوی والأنس بالأحباب

جو شخص تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اپنی محبت ، عشق اور احباب کے ساتھ مانوس ہونے سے فانی نہیں ہوتا

أو تیمته صبابة جمعت له ما کان مفترقاً من الأسباب

یا جسے عشق نے اپنا غلام بنا لیا ہو اور اس کے تمام بکھرے ہوئے اسباب کو یکجا کر دیا ہو۔

فکأنه بین المراتب واقف لمنال حظ أو لحسن مآب

تو اس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ مراتب کے درمیان یا تو حظ نفس کو حاصل کرنے کیلئے یا نیک انجام کیلئے کھڑا ہو

نسبت : جس حالت سے کوئی صاحب حال مشہور ہو مراد یہ ہے کہ منسوب ہو وھی اس کی نسبت ہوگی ۔

جعفر طیالسی رازی رحمه الله فرماتے ھیں : نسبت کی دو قسمیں ھیں ، نسبت حظوظ اور نسبت حقوق جب مخلوق غائب ہو جاتی ہے تو حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب مخلوق ظاہر ہو جاتی ہے تو حقیقت غائب ہو جاتی ہے۔

قناد رحمه الله سے کسی نے پوچھا : غریب کسے کہتے ھیں :
جواب دیا : جس شخص کا دنیا میں ھم نسبت کوئی نہ ہو وہ غریب ہے۔

نوری رحمه الله فرماتے ھیں ہر وہ چیز جسے ھماری آنکھیں دیکھ سکیں علم کی طرف منسوب ہوگی اور ہر وہ چیز جسے دل معلوم کر لیں یقین کی طرف منسوب ہوگی ۔

اسی لئے تو ھم نے کہا ہے کہ نسبت سے مراد مشہور ہونا ہے۔

عمرو بن عثمن رحمه الله فرماتے ھیں : اسرار کے کشوف کی صفت یہ ہے کہ یہ نہ

تو دیکھنے میں آسکیں اور نہ کسی نسبت میں جلوہ گر ہوں۔

مراد یہ ہے کہ مشہور ہونے میں ۔

فلاں صاحب قلب : (فلاں صاحب دل ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ جو علم اس کے د کے اندر جمع ہو چکا ہے اس کی ترجمانی نہ تو اس کی زبان کرتی ہے اور نہ فصیح بیانی۔

حکایت ہے کہ جنید رحمہ اللہ فرمایا کرتے : اهل خراسان اصحاب قلوب ہیں ۔

رب حال : (صاحب حال) اس کے معنی ہیں کہ جن احوال کا ہم نے ذکر کیا ہے مثلا محبت ، خوف ، رجا ، شوق وغیرہ (صوفی) ان احوال میں سے کسی ایک حال کے ساتھ متصف ہو۔ لہذا جب کسی بندے پر ان احوال میں سے کوئی حال غالب ہوگا تو اسے صاحب حال کہا جائیگا ۔

صاحب مقام : اس ے مراد ہے کہ (صوفی) قصد کرنے والے اور طلب کرنے والے لوگوں کے کسی ایک مقام میں مقیم ہو مثلاً توبہ ، ورع ، زهد ، صبر وغیرہ لہذا جب وہ ان میں سے کسی ایک میں قیام کرنے کی وجہ سے مشہور ہو جائیگا تو اسے صاحب مقام کہا جائیگا ۔

جنید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : کوئی بندہ معرفت کی حقیقت اور صفاء توحید تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ احوال اور مقامات کو عبور نہ کر لے ۔

کسی شیخ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں کئی بار شبلی رحمہ اللہ کے پاس گیا مگر ہر بار انہیں احوال اور مقامات پر گفتگو کرتے پایا ۔

(ص۳۶۰) **فلاں بلا نفس :** اس سے مراد یہ ہے کہ اس پر اخلاق نفس غالب نہیں آتے کیونکہ نفس کے اخلاق یہ ہیں : غضب ، حدت ، تکبر ، حرص ، طمع اور حسد۔ لہذا جب کوئی بندہ ان آفات یا اسی قسم کی دیگر آفات سے بچا ہوا ہو تو ہم اس کے متعلق کہیں گے کہ ”فلاں بلا نفس“ ہے۔ گویا کہ اس کا نفس ہی نہیں ہے ۔

ابو سعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وہ بندہ جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس کا تعلق اللہ سے ہو چکا ہو اور اسے اس قرب میں سکون حاصل ہو (تو سمجھ لو) کہ وہ اپنے نفس اور اللہ کے سوا تمام چیزوں کو بھول چکا ہے (اس حالت میں) اگر تو اس سے پوچھے تو کون ہے اور کہاں جا رہا ہے تو وہ اس کا یہی جواب دے گا ”اللہ“ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو جانتا ہی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے دل میں اللہ تعالی کی تعظیم گھر کر چکی ہے۔

فلاں صاحب اشارة : (فلاں صاحب اشارہ ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا کلام

لطائف ، اشارات اور علم المعارف پر مشتمل ہے۔

رودباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

فان تحقق صفوالوجد مشتملاً على الاشارات لم (۵۷۸)يلوى على أحد

اگر اسے صحیح معنوں میں وہ پاک و صاف وجدد حاصل ہو جائے جو اشارات پر مشتمل ہو تو پھر وہ کسی کی طرف متوجہ نہ ہوگا

انا بلا أنا و نحن بلا نحن : اب رہا کہنے والے کا کہنا أنا بلا أنا و نحن بلا نحن (میں میں نہیں اور ہم ہم نہیں) تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بندہ اپنے افعال میں ہوتے ہوئے بھی ان سے غافل ہے۔

ابوسعید رحمہ اللہ سے کسی نے اس آیت کے معنی دریافت کئے :

(۵۸۰) وما بكم من نعمة فمن الله

تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے

تو فرمایا : اللہ تعالی نے انہیں اپنے افعاال میں ہوتے ہوئے بھی اپنے افعال سے خالی کر دیا ہے۔

أنا انت و انت أنا : (میں تو ہوں اور تو میں) اس سے وہی معنی مراد ہیں جو شبلی رحمہ اللہ کے اس اشارے میں پائے جاتے ہیں۔ شبلی رحمہ اللہ نے اپنی مجلس میں فرمایا :

لوگو ! ذرا بنی عامر کے مجنون کو ہی لے لو (اس کی یہ کیفیت تھی) کہ جب کوئی شخص اس سے لیلی کے متعلق سوال کرتا تو کہتا میں لیلی ہوں۔ وہ لیلی کے سا تھ اس قدر مشغول ہوتا کہ لیلی ہی سے بے خبر ہو جاتا تاآنکہ اس کی (یہ حالت ہوتی کہ) وہ لیلی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور لیلی کے سوا ہر چیز سے غائب ہو جاتا اور لیلی ہی کے ذریعے تمام اشیاء کا مشاہدہ کرتا۔

لہذا جو شخص اللہ تعالی کی محبت کا مدعی ہو اور وہ تندرست اور صاحب عقل بھی ہو وہ کیسے اپنی معلوم ، اور مألوف چیزوں اور حظوظ نفس کی طرف لوٹ کر جا سکتا ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسے یہ محبت کیسے حاصل ہو سکتی ہے جبکہ اس نے ان امور سے ذرہ بھر علیحدگی اختیار نہیں کی اور نہ ہی اس کے ذاتی صفات میں کوئی صفت اس سے زائل ہوئی ہو۔ چہ جائیکہ معبود کی خاطر اپنی پوری کوشش صرف کر دینا صوفیا کے ہاں معمولی مرتبہ ہے۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دو دوست کسی سمندر کے سفر کے لئے نکلے ۔ ان میں سے ایک سمندر میں گر کر (ص۳۶۱)ڈوب گیا اس پر دوسرے نے بھی سمندر میں چھلانگ لگا دی ۔ غوطہ زنوں نے غوطہ لگا کر دونوں کو زندہ نکال لیا ۔ پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا : میں تو سمندر میں گر پڑا تھا مگر تو نے کیوں اپنے آپکو سمندر میں پھینک دیا ۔ اس نے جواب دیا : میں تمہاری محبت میں مشغول ہونے کی وجہ سے اپنی ذات سے بے خبر ہوں۔ میں نے سمجھا کہ میں اور تو ایک ہی ہیں ۔

ایک صوفی بیان کرتے ہیں کہ ایک لڑکا شبلی رحمہ اللہ کے حلقے میں آیا اور کہا : اے ابوبکر ! اس نے (اللہ نے) مجھے مجھ سے لے لیا اور مجھے اپنی ذات سے غائب کر دیا اور پھر مجھے اپنی ذات کی طرف اس طرح لوٹا دیا کہ میں ہوں تو (موجود) مگر بغیر اپنی ذات کے

یہ سن کر شبلی رحمہ اللہ نے کہا : تم پر افسوس ہے ؛ یہ کیفیت تمہیں کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ خدا تجھے اندھا کر دے ۔

بچے نے جواب دیا : اے ابوبکر ! میں اللہ کے بارے میں کیسے اندھا ہو سکتا ہوں (یہ کہا اور) بھاگ گیا ۔

کسی کا یہ قول ہے۔

ذکرنا و ما کنا نسینا فنذکر و لکن نسیم القرب یبدو فیبھر

ہم نے اسے یاد کیا مگر اس لئے نہیں کہ ہم اسے بھول گئے تھے کہ یاد کرتے مگر نسیم قرب جب ظاہر ہوتی ہے تو (ہر چیز پر) غالب آجاتی ہے

فأفنی به عنی وابقی به له اذا لحق عنه مخبر و معبر

لہذا میں اس کے ساتھ ہو کر اپنی ذات سے فنا ہو جاتا ہوں اور اُس کے ساتھ ہو کر اسی کیلئے باقی رہتا ہوں کیونکہ حق تعالی خود اپنی ذات کے متعلق خبر دیتے اور تشریح فرماتے ہیں ۔

کسی اور نے کہا ہے

أنا من أهوی و من أهوی أنا فاذا أبصرتنی أبصرتنا

جس پر میں عاشق ہوں وہ میں ہی ہوں اور میں خود اپنا محبوب ہوں لہذا جب تو مجھے دیکھے لے گا تو گویا تو نے ہم دونوں کو دیکھ لیا

نحــن روحــان معــاً فی جسد   ألبس الله علینــا ا لبلدنا

ہم دونوں ایک ہی بدن میں دو روحیں ہیں   اللہ نے ہمیں ایک بدن پہنا رکھــا ہے

کسی اور کا قول ہے :

یا منیة المتمنی أفنیتنــی بک عنی

اے آرزو کنندہ کی آواز تو نے اپنی ذات کے ساتھ مشغول کرکے مجھے اپنی ذات سے فانی بنا دیا ہے

أدنیتنــی منــک حتی ظننــت أنــک أنی

تو نے مجھے اس قدر اپنے قریب کر دیا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اور میں ایک ہی ہیں

مذکورہ بالا اشعار میں مخلوق کا اپنے عشق میں دوسرے مخلوق سے خطاب ہے پھر اس شخص کی کیا کیفیت ہوگی جو اس ہستی کی محبت کا مدعی ہو جو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ھو بلا ھو : (وہ وہ نہیں تھا) اب لیں کہنے والے کا یوں کہنا ،ھو بلا ھو، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توحید باری تعالی بالکل منفرد چیز ہے گویا کہنے والا یوں کہہ رہا ہے وہ وہ تو ہے مگر کہنے والا ،ھو، نہیں کہہ سکتا اور نہ لکھنے والا ،ھو، لکھ سکتا ہے اور ھو، ان دونوں حرفوں یعنی ھاء اور واو کے ظہور کے بغیر ہے۔

جنید رحمہ اللہ نے توحید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا : توحید کا حکم جس پر بھی جاری ہوا (اب تک) جاری ہے اور ہر حق پر اس کی حکومت غالب ہے ، ظاہر ہوئی تو غالب بھی آ گئی ، چھپی تو پوشیدہ ہو گئی ، حملہ کیا تو تباہ کر دیا ، توحید توحید ہی ہے خواہ ہم اسے اس کے بغیر کیوں نہ کہتے ہیں ۔ جب ظاہر ہوتی ہے تو جس پر ظاہر ہوتی ہے اسے ہلاک کر دیتی ہے اور جس کی طرف اشارہ کرے اسے فنا کر دیتی ہے ، اس کا قریب بعید اور بعید قریب ہے اور (اس کا جس قدر حصہ) قریب ہوگا شک میں ڈال دے گا ۔

جنید نے اس بیان میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم ۔

قطع العلائق : اب لیں قطع العلائق (دنیاوی اسباب سے قطع تعلق) کو ۔ علائق کے معنی ہیں وہ اسباب جو بندے کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں اور انہوں نے بندے کو اس طرح (اپنے ساتھ) مشغول کر رکھا ہو کہ اسے اللہ عزوجل سے منقطع کر دیا ہو ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اہل توحید نے اللہ کی خاطر تمام تعلقات کو منقطع کر دیا ہوتا ہے اور اسی کی خاطر تمام مخلوق سے جدائی اختیار کر لی ہوتی ہے اور آرام و راحت کو ترک کر دیا ہوتا ہے اور وہ ہر مانوس چیز سے غیر مانوس ہوگئے ہوتے ہیں اور ہر مالوف سے وحشت زدہ ۔

بادی بلا بادی : اس سے مراد وہ احوال ، انوار اور صفاء اذکار ہیں جو اہل معرفت کے دلوں پر ظاہر ہوتے ہیں لہذا جب بادی کہا جائے گا تو یہ بادی وہ پیدا کرنے والا ہے جو ان احوال کو دلوں پر ظاہر کرتا ہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۸۱)انہ یبدیء و یعید

(وہی پہلے پیدا کرتا ہے اور وہی لوٹاتا ہے)

چنانچہ جب وہ اس حال کا مشاہدہ کرتا ہے جسے اللہ تعالی نے پیدا کیا ہوتا ہے تو اسے بادی کہے گا اور اسے ثابت کرے گا اور جب اس پیدا کرنے والے کا مشاہدہ کرے گا جس سے یہ «بوادی» ظہور میں آئے تو اسے بلا باد کہے گا ۔

خواص رحمہ اللہ اپنی کتاب «معرفۃ المعرفۃ» میں فرماتے ہیں : حق تعالی کا جب ظہور ہوتا ہے تو بلا بادی یعنی بغیر احوال کے ہوتا ہے لہذا چونکہ کوئی احوال نہیں ہوتے تو کوئی بادی نہ ہوا کیونکہ حق تعالی کے ظہور کی وجہ سے تمام احوال فنا ہو جاتے ہیں ۔ اسی لئے کوئی بادی نہیں ہوا اور جہاں کوئی بادی نہ ہو وہاں حق تعالی خود بادی ہوتے ہیں اور یہ کیفیت ان پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب وہ مشاہدہ کے قریب پہنچ چکے ہوں ۔

تحلی : اقوال اور اظہار اعمال کے ذریعے صادقین کا لباس پہننا اور ان سے مشابہت پیدا کرنا ۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا : ایمان یہ نہیں کہ تم ایمان والوں کا حلیہ بنا لو اس کی آرزو کرو بلکہ ایمان وہ چیز ہے جو دل میں جاگزین ہو اور اعمال اس کی تصدیق کریں ۔

کسی نے کہا ہے :

(ص۳۶۳)مـــن تحلـــی بغیـــر ما هو فیه فضحتـــه شواهـــد الامتحان

جس شخص نے اپنے آپ کو ان امور سے آراستہ کیا جو اس میں پائے نہیں جاتے اسے آزمائش کے گواہ رسوا کر دیں گے۔

تجلی : جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہوں ان کے دلوں پر حق تعالی کی توجہ کے انوار کا چمکنا تجلی کہلاتا ہے۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے مخلوق کے ذریعے مخلوق پر تجلی ڈالی پھر اسی مخلوق کے ذریعے مخلوق سے چھپا بھی رہا۔

واسطی رحمہ اللہ اللہ تعالی کے قول : (۵۸۱)ذلک یوم التغابن

(یہ گھاٹے کا دن ہوگا) کے متعلق فرمایا : اہل حق کا گھاٹا کھانا فنا ، رؤیت اور تجلی کی کمی کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ کی تجلی ہی کی وجہ سے خوبیاں خوبصورت ہوئی میں اور اس کے پردے میں چلے جانے سے بدنما و بدصورت ہوئیں۔

کسی نے کہا ہے :

قد تجلـــی لقلبـــه منـــه نور فاستضـــاءت به من الظلمات

اللہ کا نور اس کے دل پر جلوہ فگن ہوا لہذا باوجود تاریکی کے وہ روشن ہو گئی

تخلی : ظاہر و باطن میں ان عوارض سے اعراض کرنا جو انسان کو (اللہ سے ہٹا کر) اپنے ساتھ مشغول کر رکھیں اور اعراض کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت کو اختیار کرے ، گوشہ نشینی کو پسند کرے اور ہمیشہ تنہائی میں رہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دلوں کا والی یعنی اللہ تعالی ، محفوظ دلوں کو اغیار سے ہم کلام ہونے کے قریب بھی نہیں ہونے دیتا کیونکہ اللہ کو یہ دل بہت عزیز ہوتے ہیں اللہ کی ان پر نگاہ ہوتی ہے اور وہ ان پر رحم کھاتا ہے تاکہ جن امور کیلئے اللہ نے انہیں چنا ہوا ہے اور جس جزا کو اللہ نے ان کیلئے جمع کر رکھا ہے اور جو ثواب ان کی طرف لوٹ کر جائے گا خالص ان ہی کو ملے۔

یہ ان لوگوں کی چند صفات ہیں جن کو اللہ نے خلوت کیلئے چاہا ہے اور جنہیں اپنے انس کیلئے اکٹھا کر رکھا ہے اور جن کی خاطر اللہ ان کے اور ان چیزوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے جنہیں اللہ ناپسند کرتا ہے۔

یوسف بن حسین رحمہ اللہ سے تخلی کے معنی کے متعلق یہ قول مروی ہے : فرماتے ہیں : تخلی عزلت گزینی کو کہتے ہیں کیونکہ بندے کو اپنی ذات پر قابو نہ تھا اور اس میں کمزوری پائی جاتی تھی لہذا اپنی ذات سے علیحدہ ہو کر اپنے رب کے ساتھ ہو لیا۔

کسی کا یہ شعر ہے :

ان قلب الفتی و لو عاش دهراً   فی الهوی لا یکاد ان یتخلی

انسان خواہ صدیوں کیوں نہ زندہ رہے ، اس کا دل کبھی بھی عشق سے علیحدگی اختیار نہیں کر سکتا۔

علت : علت سے کنایۃ بعض وہ امور مراد ہیں جو پہلے موجود نہ تھے پھر موجود ہوگئے۔

شبلی رحمہ اللہ کی نسبت حکایت ہے کہ وہ مخلوق کی تعریف میں یوں فرمایا کرتے تھے : ذلت ان کو وجود میں لانے والی ہے اور ان کا وجود میں آنا ان کی علت ہے۔

ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر چیز کی علت اللہ کی کاریگری ہے مگر اس کی کاریگری کی کوئی علت نہیں ۔ اس کے معنی واللہ اعلم یہ ہیں : ہر بنی ہوئی چیز کے اندر نقص کا پایا جانا ایک ہونے والا امر ہے کیونکہ ہر چیز پہلے نہ تھی پھر وجود میں آئی اور اللہ کی کاریگری میں اس کی مصنوعات کیلئے کوئی علت نہیں ۔

کسی کا یہ شعر ہے :

(ص۳۶۴)یا شفائی من السقام وان کنت علتی

اے مجھے بیماری سے شفا دینے والے اگرچہ تو ہی میری بیماری کا سبب ہے

ازل : ازل کے وہی معنی ہیں جو قدم کے ہیں ۔ قدیم کا لفظ اللہ کے سوا اوروں کیلئے بھی بولا جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں فلاں چیز فلاں چیز سے زیادہ قدیمی ہے مگر ازل اور ازلیت کے الفاظ اللہ تعالی کے ساتھ مخصوص ہیں اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کو ازل کا نام نہیں

دیا جا سکتا اور ازل اولیت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں. اللہ جو اول ہے قدیم ہے ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ازلیت اسی کی ایک صفت ہے۔

کسی متقدم کا قول ہے : اللہ تعالی ازل میں بھی اسی طرح تھے جس طرح وہ ابد میں ہوں گے ۔

بعض لوگوں نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالی میں تغیر پیدا ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ سے اپنے تمام اسماء اور افعال کے ساتھ چلا آ رہا ہے ۔

دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اس قول سے لازم آتا ہے کہ ہم اشیاء کو قدیم مانیں ۔ ان لوگوں نے اسماء فعل اور اسماء ذات کے درمیان فرق کر رکھا ہے۔ اسی طرح صفات فعل اور صفات ذات میں فرق ہے ۔ واللہ اعلم ۔

ابد اور ابدیت : یہ بھی باری تعالی کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ ازلیت اور ابدیت میں فرق یہ ہے کہ ازلیت کی کوئی ابتدا نہیں اور نہ کوئی اولیت ہے اور ابدیت کی نہ انتہا ہے نہ آخر

کسی نے واسطی رحمہ اللہ سے ابد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا : ابدیت تعداد میں غیر منقطع ہونے اور اوقات کا سرمدیت میں محو ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

نیز فرمایا : وسم اور رسم دو صفتیں ہیں جو ابد تک اسی طرح جاری رہتی ہیں جیسی ازل میں تھیں ۔

کسی اور کا قول ہے : خدائے واحد کی حقیقت میں ازل ، قدم اور ابد کا وجود اٹھ نہیں جاتا ۔ اس لئے کہ عبارات اور اشارات ہیں جن کے ذریعے وہ اپنا تعارف مخلوق کو مخلوق کی خاطر کراتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : پاک ہے وہ ذات جو اس وقت بھی موجود تھی جس وقت نہ مکان تھا نہ زمان ، نہ وقت تھا اور نہ دہر اور نہ ابد تھا نہ ازل اور نہ اول اور نہ آخر اور جب اس نے ان اشیاء کو پیدا کیا اس وقت وہ ان سے غافل نہ تھا اور نہ اس نے ان سے مدد چاہی تھی وہ تمام امور جن کا اللہ نے ان پر حکم عائد کیا ان میں اللہ عادل ہے۔

عمرو بن عثمن مکی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : خدائے بے نیاز و قدیم پاک ہے وہ ازل سے آرھا ہے اور ابد الآباد تک رہے گا ۔

وقتی مسر مد : میرا وقت دائمی ہے ؛ اب لیں کہنے والے کا یوں کہنا کہ میرا وقت دائمی ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے درمیان اس کی جو حالت ہے وہ کسی وقت بھی متغیر نہیں ھوتی ۔

یہ کلام کسی صاحب وجد کا کلام ہے جس نے اپنے باطن کی تعریف بیان کی اپنی صفات کی تعریف (ص٣٦٥)بیان نہیں کی : کیونکہ صفات تغیر پذیر ھیں ۔ اور جب یہ متغیر نہ ھوں گی تو یوں سمجھا جائے کہ یہ اپنی جبلی حالت کو چھوڑ بیٹھی ھیں ۔

کسی نے کہا ہے اور وہ شبلی رحمہ اللہ ھیں :

تسـر مد وقتـی فیـک و ھو مسرمد　　　وأفنیتنـی عنـی فصـرت مجردا

تمہارے دھیان میں میرا وقت دائمی ہے لہذا یہ ھمیشہ اسی طرح رھتا ہے تو نے مجھے میری ذات سے فنا کر دیا لہذا میں مجرد ھو گیا ۔

بحری بلا شاطیء : (میرا سمندر ناپیدا کنار ہے) کہنے والے کا یہ کہنا کہ میرا سمندر ناپیدا کنار ہے۔ اس کے معنی بھی تقریباً وھی ھیں جو "وقتی مسر مد" کے ھیں ۔ ان الفاظ کی حکایت شبلی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنی ایک مجلس میں تقریر کے آخر میں کہا :

تمہارے اوقات تو منقطع ھو جانے والے ھیں مگر میرے وقت کی دو طرفیں نہیں ھیں (یعنی ابتدا اور انتہا نہیں ہے) اور میرا نام سمندر ناپیدا کنار ہے ۔

اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ میری وہ حالت جس کے ساتھ اللہ نے مجھے مخصوص کر رکھا ہے مثلا یہ کہ اللہ تعالی کی تعظیم کرنا ، خالص اسی کا ھو لینا اس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ ھی یہ منقطع ھونے والا ہے اور جب کسی چیز کی نہ کوئی انتہا ھو اور نہ غایت اس کی اس سے زیادہ تشریح نہیں ھو سکتی چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ھیں(٥٨٣) ۔

قل لو کان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل أن تنفد کلمات ربی و لو جئنا بمثله مدداً

آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے رب کی معلومات کیلئے روشنائی بن جائیں تو میرے رب کے معلومات کے ختم ھونے سے پہلے ھی سمندر ختم ھو جائے گا خواہ ھم اسی قدر

اور روشنائی کیوں نہ لے آئیں

اللہ تعالی نے ان "کلمات" کی کوئی انتہاء مقرر نہیں کی کیونکہ ان کلمات کے موصوف (یعنی اللہ تعالی) کی کوئی انتہا نہیں۔

کسی کا قول ہے: جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے اس سے محبت لگالی اور جس نے اس سے محبت لگا لی وہ غم کے سمندر میں غرق ہو گیا۔

کسی اور کا قول ہے:

لو أن دونک بحر الصین معترضاً لخلت ذاک سراباً ذاهب الأثر

اگر میرے اور تمہارے درمیان بحر چین بھی کیوں نہ حائل ہو جائے پھر بھی میں اسے بے نشان سراب ہی سمجھوں گا۔

نحن مسیرون: (ہمیں سیر کرائی جاتی ہے) کہنے والے کا یہ کہنا نحن مسیرون اس سے اس کی مراد دلوں کی سیر ہے اور دلوں کی سیر یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کو اور ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہوں۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زاہد پیدل چلنے والا ہوتا ہے اور عارف اڑ کر جانے والا ان کی مراد یہ ہے کہ زائد عنایات اور اعجوبہ فوائد کے وقت ایک حال اور مقام سے دوسرے حال اور مقام کو منتقل ہونے میں وہ اس تیزی سے جاتے ہیں۔

کسی صوفی کا قول ہے اور وہ شبلی رحمہ اللہ ہیں:

(ص۳۶٦)لست من جملة المحبین ان لم أجعل القلب بیته والمقاما

اگر میں اپنے دل کو اس کا گھر اور اس کی قیام گاہ نہ بنا لوں تو میں اس کے چاہنے والوں میں سے نہیں ہوں

و طوافی اجالته(۸۸۳) السبر فیه و هو رکنی اذا أردت استلاما

اس کی خاطر چکر لگانا میرا طواف ہے اور جب رکن کو بوسہ دینا چاہوں تو وہی میرا رکن ہے

ان کی مراد دل کی سیر سے ہے:

تلوین : اس کے معنی ھیں : بندے کا اپنے احوال میں رنگ بدلنا ۔

ایک اور گروہ کا قول ہے : حقیقت کی علامت تلوین ہے کیونکہ اسی تلوین میں قادر کی قدرت کا ظہور ھوتا ہے اور اسی سے تغیرات پیدا ھوتے ھیں ۔

اور تلوین کے وھی معنی ھیں جو تغیر کے ھیں ، لہذا جس نے صفات کی تبدیلی اور احوال کے تغیر کی طرف اشارہ کیا وہ یوں کہے گا : حقیقت کی نشانی یہ ہے کہ تغیر اٹھ جائے ۔ اور جس نے دلوں اور ان اسرار کے تغیر کی طرف اشارہ کیا جو اپنے مشاھدات میں خاص اللہ کی طرف سے ھوتے ھیں اور ان تغیرات کی طرف اشارہ کیا جو واردات کے تغیر کی وجہ سے اسرار اور دلوں پر وارد ھوتے ھیں مثلا تعظیم ، ھیبت وغیرہ تو وہ یوں کہے گا ۔ حقیقت کی علامت تغیر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو زیادہ واردات ان کے اسرار پر وارد ھوتے رھتے ھیں ان کے بدل بدل کر آنے کی وجہ سے وہ ھر سیر میں (یعنی ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ھونے میں اللہ کے ساتھ ھوتے ھیں ۔

رھا تغیر صفات تو یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی نے کہا ہے :

کل یوم تتلون غیـر ھذا بک أجمل

تو تو ھر روز رنگ بدلتا رھتا ہے ۔ تمہارے لئے تو کچھ اور ھی زیادہ مناسب تھا

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جس نے اللہ کے خلق کو اپنا لیا پھر اس کی طبیعت میں آنے والے تغیرات واقع نہیں ھوتے ۔

کسی کے یہ دو شعر ان لوگوں کی تعریف میں ھیں جنھیں اللہ تعالی سیر کراتا ہے :

زجـرت فؤادی فلـم ینزجر ویطلـب شیـاء و منـه یفر

میں نے اپنے دل کو زجر و توبیخ کی مگر پھر بھی باز نہ آیا ۔ یہ دل ایک چیز کی تلاش میں ہے مگر پھر اسی سے بھاگ رھا ہے۔

یسیـر الـی الحـق مستظهراً و انـی علیـه شفیـق حذر

یہ اللہ تعالی کی طرف مدد مانگنے کیلئے جا رھا ہے مگر مجھے اس کی طرف سے کھٹکا لگا رھتا ہے

بذل مھج : (جان قربان کر دینا) اس کے معنی یہ ھیں کہ بندہ اپنی اس قدر طاقت

صرف کر دے جس قدر اس میں اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونے کی قدرت ہے نیز یہ کہ وہ اپنی تمام محبوب چیزوں پر اللہ کو ترجیح دے۔

خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ہر وہ شخص جو اللہ کی طرف جانا چاہتا ہے اور آرام و راحت کے مواقع اس کے اندر بدستور قائم رہیں تو (سمجھ لو کہ) اس کا یہ جانا کارگر نہ ہوگا۔

کسی کا یہ شعر ہے :

(ص۳۶۸)یا ملیح الدل والغنج لک سلطان علی المهج

اے خوبصورت ناز و ادا والے تمہاری حکومت جانوں پر ہے

یہاں مہج سے مراد تمام وہ اشیاء ہیں جو تجھے محبوب ہوں مثلا نفس ، مال اور اولاد

تلف : اس کے وہی معنی ہیں جو حتف (موت) کے ہیں اور تلف کسی چیز کا اپنے وقت پر ہلاک ہونے کا انتظار کرنا ہے۔

ابوحمزہ صوفی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا ؛ میں ایک کنوئیں میں گر پڑا لوگوں نے اس کا سر پاٹ دیا اور میں اپنی جان سے مایوس ہو گیا اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا اور اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یکایک ایک درندہ کنوئیں میں اترا۔ میں اس کے پاؤں کو چمٹ گیا اور اس نے مجھے کنوئیں میں سے نکال لیا۔ اس پر غیب سے ندا آئی۔ اے ابوحمزہ ! یہی اچھا ہے ہم نے آپکو موت کے ذریعے موت سے نجات ولائی ہے۔ اس وقت انہوں نے کچھ اشعار کہے جن میں سے یہ دو شعر ہیں :

أراک و بی من هیبتی لک وحشة فتؤنسنی باللطف منک وبالعطف

میں تجھے دیکھتا ہوں جبکہ تمہاری ہیبت کی وجہ سے مجھ میں خوف پایا جاتا ہے پھر تو اپنی مہربانی اور عنایت سے مجھے مانوس کر دیتا ہے

و تحیی محباً أنت فی الحب حتفه و ذی عجب کون الحیاة مع الحتف

تو اس محب کو زندہ کر دیتا ہے جس کے لئے تو محبت کے اندر موت ہے اور یہ عجب بات ہے کہ موت کے ساتھ ساتھ زندگی بھی ہو

جریری رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جو شخص علم توحید کے شواھد میں سے کسی شاھد کے ساتھ علم توحید سے واقف نہیں وہ پھسل جائے گا اور دھوکے کے قدم اسے ھلاکت کے گڑھے میں پہنچا دیں گے ۔

لجا : سچی احتیاج اور سچی آرزو کے ساتھ دلوں کا اللہ کی طرف روانہ ھو جانا ہے ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : جس شخص کی یہ کیفیت ھو کہ زندگی بھر صحیح احتیاج اور صحیح طور پر اللہ کی طرف متوجہ نہ ھوتا ھو اور صرف موت کے وقت ایسا ھونا چاہے اس پر ھر وقت ذلت چھائی رہے گی ۔

ایک اھل فہم نے اللہ تعالی کے قول :

(۵۸۵) أدخلنی مدخل صدق و أخرجنی مخرج صدق

(مجھے اچھی طرح داخل کرنا اور اچھی طرح سے نکالنا

کے معنی کے بارے میں کہا ہے : محمد صلی اللہ علیہ و سلم نے سچی احتیاج کے ساتھ اپنے نفس سے اللہ کے حضور میں یہ ظاھر کیا کہ وہ اللہ کی طرف سچے دل سے متوجہ ھیں ۔ اور سچے دل سے متوجہ ھونے سے ھی اسرار باطنی حاصل ھوتے ھیں ۔

انزعاج : اپنی مراد کی خاطر غفلت کی نیند سے بیدار ھو کر دل کا حرکت میں آنا انزعاج ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جنید رحمہ اللہ نے اپنے ایک کلام میں فرمایا :

ھمارے باطن اس کی طرف کیوں نہ اٹھیں اور ھمارے ضمیر مع اُن چیزوں کے جو ان کے اندر ھیں کیوں حرکت میں نہ آئیں اور ھمارے قدم اس کی اطاعت کیلئے کیونکر نہ تیزی سے اٹھیں اور سنجیدگی اور تیزی کے ساتھ کیوں نہ اٹھ کر اس کی طرف آئیں جبکہ انہیں اس کی طرف سے آنے والی مصیبتوں کے ساتھ انس ہے اور اس کے عظیم عطیوں سے وہ خوش ھوتے ھیں ۔

انزعاج اور ازدعاج ھم معنی ھیں جس طرح انکساب اور اکتساب ۔

کسی شیخ سے کہا گیا اور میرے خیال میں وہ ابراھیم خواص رحمہ اللہ ھیں : آپ کے مرید کہتے ھیں : جب ھم لیتے (ص۳۶۸)ھیں تو اللہ سے لیتے ھیں مگر ھم تو یہی دیکھتے ھیں کہ وہ لوگوں سے لیتے ھیں ۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا : لوگوں کے دلوں کو کون حرکت میں لاتا ہے تاکہ وہ انہیں ان کے سوال کے بغیر ہی کوئی چیز دیں ۔

جذب الارواح : اب لیں جذب الارواح ، سموالقلوب (دلوں کا اللہ کی طرف اٹھنا) مشاھدہ اسرار ، مناجات اور مخاطبہ اور اسی طرح کے دیگر کلمات تو ان کلمات سے اکثر و بیشتر توفیق الٰہی اور عنایت خداوندی مراد لی جاتی ہے ۔ نیز ان سے مراد وہ انوار ھدایت ہوتے ھیں جو دلوں پر انسان کے قرب ، بعد ، صدق اور وجد کی صفائی کی مقدار کے مطابق ظاھر ہوتے ھیں ۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اللہ تعالی نے اپنے ولیوں کی ارواح کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے اور انہیں اپنے ذکر اور اپنے قریب پہنچنے کی لذت کا مزا چکھا دیا ہے اور ان کے بدنوں کو ھر چیز کی لذت عطا کر دی ہے چنانچہ ان کے بدنوں کی زندگی حیوانی انسانوں کی سی ہے اور ان کے ارواح کی زندگی ربانی لوگوں کی سی ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ھیں : اللہ تعالی نے انہیں اپنی عنایات کا صرف مشاھدہ کرایا ہے جن کے ذریعے ان کے باطن کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے ۔

نیز فرمایا : جب اللہ تعالی نے ان کے اراواح کو ان کے جسموں سے اپنی طرف کھینچ لیا تو ان کے اجسام اپنی عقلوں اور صفات کے ساتھ قائم رہے ۔ کیونکہ اللہ تعالی نے انہیں ان کی عقلوں کی وجہ سے حجاب میں رکھا ھوا ہے اور انکے سوا کہیں اور سے کوئی چیز حاصل کرنے سے مایوس کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ھیں (٥٨٦) قل بفضل اللہ (کہہ دیں اللہ کی عنایت سے)۔

وطر : وہ پسندیدہ آرزو اور پسندید منفعت جو انسانی صفات اور نفسانی حظوظ کے علاوہ ھو وطر ۔ ہے کہا جاتا ہے : فلاں اپنے وطن میں جاگزین ہے اور اپنے مقصد میں بلند ۔

کسی کا یہ شعر ہے :

تر حلت یا لیلی و لم أقض أو طاری	و ما زلت محزوناً أحن الی داری

اے لیلی میں نے کوچ کیا مگر پھر بھی میری مقصد برآری نہ ھو سکی ۔ میں مسلسل غمگین رھا اور مجھے اپنے گھر کا اشتیاق دامنگیر رھا ۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ھیں :

أمـــوت و ما ماتـــت اليـــک صبابتي ولا قضيـــت عن ورد حبـــک أوطاري

میں تو مر گیا ہوں مگر وہ عشق جو مجھے تم سے ہے نہ مرا اور نہ ہی تمہاری محبت کے گھاٹ پر آنے سے میری حاجت پوری ہوئی ۔

منـای المنی کل المنـــی أنـــت لی منی وأنـــت الغنـــی کل الغنـــی عنـــد اقتاری

میری تماتر آرزو تو یہی ہے کہ تو میری آرزو ہے اور میری تنگدستی کے وقت تو ہی میری تمام مالداری ہے

کسی دانا سے سوال کیا گیا : سکونت اختیار کرنے اور وطن بنانے کیلئے کونسی جگہ تمہیں زیادہ محبوب ہے اس نے جواب دیا : کسی انسان کیلئے محبوب ترین جگہ وہ ہے جہاں وہ اپنی حاجات کو پکارے تو خود اس کے پاس چلی آئیں ۔

وطن : جس انتہا تک پہنچکر کسی بندے کا حال ، ٹھہر جائے اور وہیں اسے قرار حاصل ہو وہ اس کا وطن ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اس نے فلاں حالت اور فلاں مقام کو اپنا وطن بنا لیا ہے ۔

جنید رحمہ اللہ اپنے ایک کلام میں فرماتے ہیں : اللہ تعالی کے کچھ بندے وہ ہیں جو اپنے وطنوں ، میں اس کے (۵۸۷) حملان ، کی سواری پر سوار ہوتے ہیں اور بڑی تیزی اور جلدی کے ساتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں ۔

نوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

أمـــا تری هیمنی شردنـــی عن وطنی

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس نے مجھے سرگردان کر رکھا ہے اور مجھے میرے وطن سے دھکیل کر نکال دیا ہے

اذا تغیبـــت بدا و ان بدا غیبنی

جب میں غائب ہوتا ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر وہ ظاہر ہوتا ہے تو مجھے غائب کر دیتا ہے

یقـــول لا تشهـــد ما تشهـــد أو تشهدنی

وہ کہتا ہے کہ جب تک تو میرا مشاہدہ نہ کرے تو ان امور کا مشاہدہ نہ کر سکے گا جن کا مشاہدہ تو کر رہا ہے

ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایمان یقین سے افضل ہے اس لئے کہ ایمان تو وطن ہے (جہاں بندے کو قرار حاصل ہوتا ہے) اور یقین خطرہ ہی خطرہ ہے۔

انہوں نے جس قدر یقین کا مشاہدہ کیا اسی کو بیان کر دیا ہے اور اس یقین کے ساتھ اپنی ذات کو موصوف کیا ہے اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ ایک انوکھی حالت ہے کیونکہ یقین یہ ہے کہ دل میں صاف اور واضح علم ہو اور وہیں اسے جگہ حاصل ہو جائے ۔ اس کیفیت میں لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں ۔

شرود : صفات کا مقام حقائق سے بھاگنا اور حقوق کے مقام کو چمٹا رہنا ۔

ابن الاعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کیا تو انہیں نہیں دیکھتا کہ وہ دھکیلے ہوئے ہیں اور ہر وادی میں سرگرداں پھر رہے ہیں اور ہر چمکدار چیز کے پیچھے ہو لیتے ہیں ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے انہیں احوال کی تربیت کے ذریعے غذا دی اور ان کے اعمال پر نظر ڈال کر اللہ نے انہیں تروتازہ رکھا لہذا بندے کیلئے یہ ضروری ہیکہ وہ اللہ کے ہاں سچی احتیاج لے کر آئے اور اپنے ایام زندگی میں صدق دل سے اس کے پاس آکر پناہ لے تاکہ ان پر یہ نوبت ہی نہ آئے کہ یہ "شرود" ان پر وارد ہو اور وہ راندہ ہونے کی ذلت محسوس نہ کرے اور نہ وہ ہر کس و ناکس سے دعا کے ذریعے مدد کا طالب ہو اور نہ ہر کسی سے اس کا ذکر کرے ۔ اگر صحیح وجد اس کا تمام "اوقات" میں اس کے ساتھ رہتا تو اس "شرود" کی نوبت ہی نہ آتی ۔

قصود : قصود سے مراد وہ ارادے اور سچی نیتیں ہیں جن کو لے کر بندہ اللہ کی طرف اٹھ کر جاتا ہے۔

احمد بن عطا رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : جس نے غیر اللہ کو اپنا مقصود و مطلوب بنایا اللہ کے ہاں اس کی سخت ذلت ہوگی ۔

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اپنے مطلوب کے متعلق وساوس کا آنا معبود کے انکار کے مساوی ہے (ص۳۷۰)اور وہ شخص جو اپنے مقصود کے معانی ہی میں الجھا ہوا ہو وہ اپنے مقصود کو کیسے پا سکتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے ارادے میں جس کی نگاہ (محض) مطلوب پر لگی رہی وہ اپنے ارادے میں اپنے مطلوب کو پانے میں ناکام رہے گا۔

اصطناع : یہ وہ مرتبہ جو انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین اور صدیقین کیلئے مخصوص ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اصطناع وہ مقام ہے جو تمام انبیاء میں سے موسی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۸۸)واصطنعتک لنفسی

میں نے تمہیں اپنی ذات کیلئے منتخب کیا ہے

ایک اور گروہ کہتا ہے : یہ مرتبہ صرف انبیاء علیہم السلام کیلئے مخصوص ہے اوروں کیلئے نہیں۔

ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالی کی طرف سے سب سے پہلے کیفیت جو ان لوگوں پر طاری ہوتی ہے وہ انہیں خود ان کے نفسوں میں بھی مخفی کر دیتی ہے اور ان کے نفسوں کو ان کے نفسوں کے اندر ھی مردہ کر دیتی ہے۔ اللہ انہیں اپنی ذات کیلئے منتخب کر لیتا ہے۔ دائمی توحید کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے یہ کیفیت توحید میں داخل ہونے کی ابتدا ہے۔

کسی شیخ سے اللہ تعالی کے فرمان :

(۵۸۹)واصطنعتکَ لنفسی ولتصنع (۵۹۰) علی عینی ۔

(میں نے تجھے اپنی ذات کیلئے منتخب کر لیا ہے اور تاکہ تو میری نگرانی میں تربیت پائے)

کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا : نہ کوئی نبی اور نہ ولی اللہ تعالی کی آزمائش سے بچ سکا ہے اور اللہ تعالی کے احسان کے ہوتے ہوئے بھی کوئی اس کی سختیوں سے محفوظ نہیں رہا۔

اصطفاء : اصطفاء کے معنی اجتباء کے ہیں یعنی اللہ تعالی کا کسی کو اپنے ازلی علم کی بناء پر منتخب کر لینا اور یہ نام (سب کیلئے) مشترک ہے : اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۹۰)و اجتبیناھم و ھدیناھم

(ہم نے انہیں منتخب کر لیا اور ان کی رہنمائی کی)

نیز فرمایا :

(۵۹۱) یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس

(اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی اور انسانوں میں سے بھی اپنے رسول چن لیتا ہے)

واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے خود ہی تجھ سے ابتدا کی اور تجھے اپنی ذات کیلئے چن لیا ۔ لہذا جس نے اس انتخاب کو بڑا جانا تو اس کا نفس جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے اس کے خیالات اچھے ہی ہوں گے اور اگر تو اسے محض عنایت الٰہی کی وجہ سے قبول کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اسکے شامل حال رہے گی ۔

مسخ : مسخ کے معنی دلوں کو مسخ کر دینے کے ہیں اور (سزا) ان لوگوں کیلئے ہوتی ہے جو بارگاہ رب العزت سے راندے گئے ہوں۔ ان کے دل پہلے اللہ کی طرف متوجہ تھے اللہ سے منہ موڑ لینے کی وجہ سے مسخ کر دئے گئے اور ان کی توجہ حقوق خداوندی سے ہٹا کر حظوظ نفسانی کی طرف کر دی گئی ۔ لہذا جب کوئی یہ کہے کہ فلاں کو مسخ کر دیا گیا ہے تو اس سے یہ مراد ہوگی کہ وہ دل سے اللہ سے منہ موڑ چکا ہے۔

لطیفہ : وہ اشارہ جو فہم میں ظاہر ہوا ہو اور ذہن میں چمکا ہو مگر اس کے معنی کے دقیق ہونے کی وجہ سے اسے لفظوں میں بیان نہ کیا جا سکے ، لطیفہ ہے۔

ابوسعید ابن الاعرابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : حق تعالیٰ اپنی طرف سے تمہیں ایک لطیفہ عطا کرنا چاہتے ہیں جس کے ذریعے تو وہ بات سمجھ جاتا ہے جس کا سمجھانا اللہ کو مقصود ہوتا ہے۔

ابوحمزہ صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

(ص۲۷۱)تلطفت فی أمری فأبدأت شاهدی الـــی غائبـــی واللـــطف یدرک باللطف

تو نے میرے معاملہ میں مجھ پر مہربانی فرمائی اور میرے غائب باطن پر میرا شاہد پیدا کر دیا اور ،،لطیفہ،، تو عنایت الٰہی ہی سے سمجھ میں آسکتا ہے

امتحان : وہ آزمائش جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان دلوں پر نازل ہوتی ہے جو اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور ان دلوں کا منقسم اور پراگندہ ہونا ہی ان کی آزمائش ہوتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ خیر نساج رحمہ اللہ نے فرمایا ہے : میں ایک مسجد میں گیا تو میرا ایک نوجوان مرید مجھے چمٹ گیا اور کہا : اے شیخ مجھ پر مہربانی کیجئے کیونکہ میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ میں نے کہا : وہ کیا مصیبت ہے ؟ اس نے جواب دیا ! میری آزمائش جاتی رہی ہے اور میں اب عافیت میں ہوں اور آپکو معلوم ہے کہ یہ بڑی بھاری

مصیبت ہے۔

آزمائش تین طرح کی ہوتی ہے : بعض لوگوں کیلئے یہ آزمائش ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو پاک کرتی ہے اور ان کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور بعض لوگوں کیلئے مزید مراتب کی طلب اور بلندی درجات کی باعث بنتی ہے۔

حدث : ہر وہ چیز جو پہلے نہ تھی پھر وجود میں آئی ہو حدث کہلاتی ہے۔

کسی صوفی کا قول ہے : جب اللہ تعالی عام لوگوں کو تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو دنیا میں اپنی کوئی نہ کوئی نشانی ظاہر کر دیتے ہیں اور اپنے خاص بندوں کو تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کے دلوں سے ان اشیاء کی یاد مٹا دیتے ہیں جو نئی وجود میں آئی ہوں۔

کلیہ : اس مجموعی چیز کا نام ہے جس کا کوئی حصہ باقی نہ رہا ہو لہذا جب کوئی یوں کہے "الکل" تو اس سے اس کی مراد ہوگی کہ معنی کے سوا اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔

کسی صوفی کا قول ہے : کوئی بندہ اس وقت تک کلی طور پر اللہ کا بندہ نہیں کہلاتا سکتا جب تک اس کا کوئی حصہ غیر اللہ کیلئے رہ گیا ہو۔

کسی اور کا قول ہے : اگر تو کلی طور پر اللہ کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ بھی کلی طور پر تمہاری طرف متوجہ ہوگا اور کہا :

بل کل ما کل من کلی علیک کما   بکل کلک کلی کان منشاہ

میرے تمام وجود کا کل حصہ تمہاری طرف متوجہ ہے بعینہ اس طرح جس طرح اللہ تعالی کا کلی ارادہ میرے لئے تھا

تلبیس : کسی چیز کا اپنی مخالف چیز سے آراستہ ہونا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا : تلبیس عین ربوبیت ہے۔

اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالی مؤمن کو کافر کے لباس اور کافر کو مؤمن کے لباس میں ظاہر کرتا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۹۲)و للبسنا علیهم ما یلبسون

(اور جو شبہ یہ اب کر رہے ہیں اسی میں پھر انہیں ڈال دیتے)

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس میں مشتبہ صورت کی ملاوٹ ہے اور احساس میں مختلف رنگ اختیار کرتے ہوئے ملی جلی صورت میں ہے اور اس مشتبہ صورت کی حالت میں جو تغیرات اس میں رونما ہوتے ہیں وہ اس سے اس تیزی کے ساتھ گرفتار ہوتے ہیں جس طرح ایک "ماخوذ"(۵۹۳) اور "مختلس" ہوتا ہے۔

ان ہی معنوں میں قناد کا یہ شعر ہے :

(ص۲۷۲)بنا یکشف التلبیس فی کل ماکر اذا طاح فی الدعوی و طاح انتحاله

ہر فریب کار کی فریب کاری ہمارے ہی ذریعے واضح ہوتی ہے جب اس کا دعوی اور انتساب باطل ہو جائے

شرب : طاہر ارواح اور پاکیزہ اسرار کا ان کرامات کا حاصل کرنا جو ان پر اللہ کی طرف سے وارد ہوتی ہیں اور اس کے بعد ان سے لطف اندوز ہونا "شرب" کہلاتا ہے۔

اسے شرب (پینے کا پانی) سے اس لئے تشبیہ دی گئی ہے کہ صوفی اپنے آقا کے قرب کے انوار کا مشاہدہ کرکے جو اس کے دل پر وارد ہوتر ہیں مزے لیتا ہے۔

ذوالنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صوفیاء کے دل محبت کے سمندر پر آئے اور وہاں سے انہوں نے سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے دلوں کو خطرے میں ڈال کر پانی پیا لہذا ان کے لئے ہر وہ چیز جو ان کے اور ان کے محبوب کی ملاقات کے درمیان حائل ہو معمولی معلوم ہونے لگی۔

ان ہی معنوں میں کسی کے یہ شعر ہیں :

شربت كأساً على ذكراك صافية فما يعلل فيك القلب تعليل

میں نے تمہاری یاد پر پاک و صاف پیالہ پیا لہذا اب تمہاری وجہ سے میرے دل کو کوئی بیماری لاحق نہیں ہو سکتی

فما وجدت لشیء عنك لی شغلا لا عشت ان قلت انی عنك مشغول

مجھے کوئی ایسا مشغلہ نہیں ملا جو تم سے مجھے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کر لے۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہیں چھوڑ کر کسی اور کے ساتھ مشغول ہوں تو خدا کرے میں زندہ نہ رہوں۔

ذوق : "شرب" کی ابتدا کا نام ذوق ہے۔

ذوالنون رحمه الله فرماتے ھیں : جب الله تعالی نے اپنے بندوں کو اپنی محبت کا پیالہ پلانا چاھا تو انہیں پہلے اس کی لذت سے آشنا کیا اور اس کی حلاوت انہیں چٹا دی ۔

ان ھی معنوں میں کسی کا یہ شعر ہے :

یقولــون ثکلــی و من لم یذق فراق الأحبة لم یثکل

لوگ کہتے ھیں کہ فلاں کا بچہ مر گیا ہے مگر جس نے محبوب کی جدائی کا مزہ نہیں چکھا اس کا (گویا) کوئی بچہ نہیں مرا ۔

عین : یہ اشارہ ہے اس ذات کی طرف جس سے اشیاء کا ظہور ھوتا ہے ۔

واسطی رحمه الله فرماتے ھیں : الله کے کچھ بندے ایسے ھیں جنھوں نے یه معلوم کر لیا ہے کہ کلام کا منبع کیا ہے لہذا وہ اصل سرچشمہ پر جا پہنچے اور الله نے انہیں جستجو اور تلاش سے بے نیاز کر دیا ۔

جنید رحمه الله فرماتے ھیں : ابویزید بسطامی رحمه الله کی حکایت سے پتا چلتا ہے کہ وہ "عین جمع" تک پہنچ چکے تھے اور "عین جمع" اسماء توحید میں سے ایک اسم ہے جس کی نعت اور صفت کو اھل الله پہچانتے ھیں ۔

نوری رحمه الله فرماتے ھیں :

مضــی الجمیــع فلا عیــن ولا أثر مضــی عاد و فقــدان الألــی ارم

سب گزرے گئے اب نہ کسی کو ان کی اصل کا پتا چلتا ہے اور نہ نشان کا اور وہ ایسے گئے جیسے عاد اور ارم ۔

اصطلام : یہ لفظ اس غلبہ کی صفت میں استعمال ھوتا ہے جو عقلوں پر وارد ھو کر اپنی قوت اور غلبہ کی وجہ سے عقلوں کو سلب کر دیتا ہے ۔

کسی صوفی کا قول ہے : کچھ دل تو آزمائش میں مبتلا ھوتے ھیں اور کچھ مغلوب العقل اور اگر "اصطلام" واقع ھوگا تو اس سے عقل جاتی رہے گی اور مٹ جائے گی ۔

(ص۳۷۳)کسی نے کہا ہے :

اذا ما بدت لی تعاظمتها فأصــدر فی حال من لم یرد

جب وہ میرے سامنے ظاہر ہوتی ہے تو میں اسے عظیم(ہستی) خیال کرتا ہوں لہذا جب میں اس کیفیت سے واپس جاتا ہوں تو میری یہ حالت ہوتی ہے کہ کبھی وارد نہیں ہوا تھا۔

فیصطلم الکل منی بها و یحجب عنی بها ما أجد

اس کی وجہ سے میں کلیتہ مغلوب ہو جاتا ہوں اور وہ امور جن کو میں (پہلے) پاتا تھا مجھ سے چھپا دئے جاتے ہیں

حریت : یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ حقیقی معنوں میں اللہ کا بندۃ بن گیا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دنیا کی کوئی چیز تمہاری مالک نہ ہو لہذا جب تو اللہ کا بندہ ہو گیا تو آزاد ہو گیا۔

چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ بشر رحمہ اللہ نے سری رحمہ اللہ سے کہا : اللہ تعالی نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے لہذا جیسا اس نے تجھے پیدا کیا ہے ویسے ہی بنے رہو۔ مقیم ہونے کی حالت میں اپنے گھر والوں سے ریاکاری نہ کرو اور نہ سفر کی حالت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ۔ اللہ کیلئے عمل کرو اور لوگوں کو چھوڑ دو۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : عارف کا آخری مقام حریت ہے۔

کسی کا قول ہے : جب تک بندہ ماسوا کا غلام بنا رہے وہ حقیقی معنوں میں اللہ کا بندہ نہیں بن سکتا۔

رین : زنگ جو دلوں پر چڑھ جاتا ہے : اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۹۴)کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون

(بات اس طرح نہیں بلکہ بات یوں ہے کہ ان کے اعمال نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر رکھا ہے)

کسی اہل علم کا قول ہے : دل کے حجابوں کی چار قسمیں ہیں : ان میں سے ایک ختم اور طبع (مہر اور زنگ) یہ کفار کے دلوں کیلئے ہے دوسری قسم رین اور قسوۃ (سنگدلی) ہے یہ منافقوں کے دلوں کیلئے ہے تیسری قسم(۵۹۵)زنگ اور پردہ ہے اور یہ مؤمنوں کے دلوں کیلئے ہے۔

ابن الجلاء رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد کو جلاء کیوں کہا گیا۔

جواب دیا : وہ لوہے کو جلا دینے والے تھے مگر جب دلوں کو اپنا کلام سناتے تو انہیں

گناہوں کے زنگ سے پاک کر دیتے تھے ۔

غین : اس کی تعریف میں بہت کچھ کہا گیا ہے اور یہ (لفظ) ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : میرے دل پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں دن میں سو بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

علماء نے اس کی تشریح میں کہا ہے کہ جو بادل آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے دل پر چھا جاتے تھے اور آپ اس سے توبہ کرتے تھے اس کی مثال اس آئینہ کی ہے جس کے سامنے جب دیکھنے والا سانس لیتا ہے تو اس آئینہ کی چمک میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر آئینہ پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے ۔

ایک اور گروہ کہتا ہے : کہ "غین" کا آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے دل پر واقع ہونا ناممکن ہے کیونکہ آپ کے دل پر (ص۳۷۳)کسی مخلوق چیز کا غلبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ کے دل کو رؤیت باری تعالی کی خصوصیت حاصل ہے ۔

چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۹۶)ما کذب الفؤاد ما رأی

(جو کچھ دل نے دیکھا اس میں اس نے جھوٹ نہیں کہا)

کسی کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے دل کے متعلق کوئی فیصلہ دے اور اس کا کوئی وصف یا نعت بیان کرے یا اسے کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دے یا اس کی کوئی مثال بیان کرے یا اس کی کوئی مخفی یا ظاہری وجہ بیان کرے : ابوعلی رودباری "اغانہ" کے معنی کے بارے میں کہتے ہیں :

الغین یحبس عن تحصیل لبسته　　لقلب لابس حق بان عن علله

جس شخص نے حق کا لباس پہن رکھا ہو اور اس کا دل "غین" کی بیماریوں سے یک سو رہا ہو اس پر غین کا لباس نہیں آنے دیا جاتا ۔

فأن تراءت بسبق الحق رؤیتها　　کان التغین فی التصریف عن ثقله

اگر اللہ تعالی کے ازلی حکم کے مطابق محبوب کا نظارہ حاصل ہو جائے تو اس صورت میں "غین" کا تصرف اس دیدار کے بوجھ کی وجہ سے ہوگا ۔

لکننی قلت ما لاحت طوالعه　　من المؤمل تنبیه الی أمله

مگر میں کہتا ہوں کہ جب مؤمل یعنی اللہ تعالی کی طرف سے طوالع ظہور مذیر ہوں تو یہ اس کی آرزو کے بر آنے کی اطلاع ہوگی ۔

و الـوب منـه علـى معنـى الوفـاق وما تبـدى سرائرهـا غبنـاً لمحتمله

موافقت کی روح کے مطابق جو کپڑا اس پر ڈالا جائے گا اور جو کچھ اس کا باطن ظاہر کرے گا وہ برداشت کرنے والے کیلئے غبن ہوگا

یہ وہ الفاظ جن کی تشریح میں نے اسی طرح کر دی ہے جس طرح اللہ تعالی نے اس وقت میرے دل میں ڈال دیا اور جو الفاظ رہ گئے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ ہیں اور اگر میں ان تمام کی تشریح کرنے لگ جاوں تو کتاب لمبی ہو جائے گی اور حد اختصار باہر چلی جائے گی ۔ ہم اس کے بعد ان صوفیاء کے اس کلام میں سے جو بظاہر بدنما معلوم ہوتا ہے مگر باطن میں درست اور مستقیم ہے چند سطحیات کی تشریح کریں گے ۔ اللہ ہی درست بات کہنے کی توفیق دینے والا ہے ۔

وسائط : دنیا و آخرت کے وہ اسباب جو اللہ تعالی اور بندے کے درمیان ہیں وسائط کہلاتے ہیں ۔

کسی شیخ سے وسائط کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا : وسائط تین طرح کے ہیں وسائط مواصلت : اتصال کے وسائط اور جدائی پیدا کرنے والے وسائط ۔ مواصلات تو واردات ہیں جو حق تعالی کی طرف بندے کو عنایت کئے جاتے ہیں ۔ وسائط اتصال عبادات ہیں (جو بندے کو حق تعالی کے ساتھ ملائے رکھتی ہیں) اور منفصلات حظوظ نفس ہیں (جو بندے کو حق تعالی سے توڑ دیتے ہیں) ۔

ابوعلی رودباری فرماتے ہیں : اللہ تعالی نے وسائط کو عارفوں کیلئے رحمت بنا دیا ہے تاکہ وہ ان وسائط کو نظر انداز کرکے اللہ کو اختیار کریں ۔

****

۱۳ ـ کتــاب

شطحیات اور ان کلمات کی تشریح جو بظاہر برے معلوم ہوتے ہیں مگر باطن میں صحیح اور مستقیم ہیں ـ

۱ ـ باب

شطح سے کیا مراد ہے اور ان لوگوں کی تردید جنہوں نے شطح کو اپنی رائے سے ناپسند کیا ہے ـ

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شطح کے کیا معنی ہیں تو اسے کہا جائے گا کہ شطح اس غیر معروف عبادت کو کہتے ہیں جس میں اس وجد کو بیان کیا جاتا ہے جو بڑی قوت کے ساتھ فیضان الٰہی سے صوفی پر وارد ہو اور اپنے شدید جوش اور غلبہ کی وجہ سے جوش میں آ جائے ـ

اس کی تشریح یہ ہے کہ عربی زبان میں شطح کے معنی حرکت کے ہیں چنانچہ کوئی حرکت میں آئے تو شطح یشطح بولا جاتا ہے اور جس مکان میں آٹے کا ذخیرہ رکھا جاتا ہے اسے مشطاح کہتے ہیں ـ

شاعر کہتا ہے :

قف بشط الفرات مشرعة الخیـل قبیل الطریق بالمشـطاح

دریائے فرات کے کنارے جہاں گھوڑے پانی پیتے ہیں شڑک سے تھوڑا سا پہلے آٹے کے ذخیرے کے پاس ٹھہر جاؤ ـ

بالطـواحین من حجـارة بطَـریق بدیر الغنز لان دیر المـلاح

چکیوں پر جو بطریق کے پتھروں سے بنائی گئی ہیں ہرنیوں کے مندر یعنی خوبصورت (محبوبوں کے پاس (ذرا ٹھہر جاؤ)

واذا لاح بالمسناة ظبی قد کساہ الاشراق ضوء الصباح

جب پانی کے بند کے پاس ہرنی دکھائی دے جیسے چمک دمک نے صبح کی روشنی کا لباس پہنا دیا ہو ـ

فاقر ذاک الغـزال منی سـلاماً کلما صاح صائح بفـلاح

اس ہرنی کو میرا سلام کہنا ، ہر بار جب پکارنے والا نجات نجات پکار اٹھے ـ

اس گھر کو منسطاح اس لئے کہا گیا کہ اس مقام کے اوپر جہاں آٹا چھاٹا جاتا ہے جو آٹے کو خوب ہلایا جاتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آٹا کثرت سے ہلانے کی وجہ سے دونوں طرف گر جاتا ہے۔ لہذا شطح کے لفظ میں حرکت کے معنی پائے جاتے ہیں کیونکہ جب اہل وجد کا وجد زور پکڑ جاتا ہے تو اس سے صاحب وجد کے باطن میں حرکت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے اس وجد کو ایسے الفاظ میں بیان کرتے ہیں جسے سننے والا عجیب وغریب سمجھتا ہے چنانچہ (ان الفاظ کو سن کر) بعض لوگ تو فتنہ میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گئے کیونکہ انہوں نے سن کر اس کا انکار کیا اور اس پر نکتہ چینی کی اور کچھ لوگ انکار نہ کرنے کی وجہ سے نیز اس لئے کہ جو بات اسے مشکل معلوم ہوئی اس کی جستجو کی اور اس امر کے جاننے والوں سے دریافت کیا لہذا وہ سلامت رہا اور نجات پا گیا۔

اس حالت کی بھی یہی کیفیت ہے چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب کسی تنگ نہر کے اندر بہت سا پانی آ جائے اور دونوں کناروں سے بہ نکلے تو یوں کہتے ہیں۔ شطح الماء فی النھر۔ یہی حالت صاحب وجد مرید کی ہوتی ہے جب اس کا وجد بہت زور دار ہو اور جو انوار حقائق اس کے دل پر وارد ہوتے ہوں ا ان کے غلبہ کی وجہ سے وہ انہیں برداشت نہ کر سکے تو یہ انوار حقائق اس کی زبان پر آ جاتے ہیں اور وہ اس کیفیت کو ایسی غیرمعروف زبان میں ادا کرتا ہے جو سننے والوں کے فہم میں بمشکل آ سکے۔ البتہ جو لوگ اس کے اہل ہوتے ہیں اور اس علم کے ماہر ہوتے ہیں وہ اسے سمجھ جاتے ہیں۔ لہذا اصطلاح میں اسے شطح کہا گیا۔ مزید برآں اللہ تعالی نے اپنے اولیاء کے دلوں کو کھول دیا ہے اور انہیں بلند درجات کی طرف نگاہ کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور دنیا کو چھوڑ کر اسی کے ہو لینے کی وجہ سے منتخب شدہ اور حقیقت کو جاننے والے ہوتے ہیں ان پر اللہ کی یہ سخاوت ہوتی ہے کہ وہ چیدہ چیدہ مرتبے اور اللہ کے خاص بندوں کے درجات جو اس سے پہلے ان سے مخفی ہوتے ہیں ان پر منکشف کر دئے جاتے ہیں۔ لہذا ہر شخص اسی حقیقت کے متعلق گفتگو کرتا ہے جو اس نے وجد کی حالت میں پائی ہو اور وہ اپنی صحیح حالت کو پیش کرتا ہے اور اپنی گفتار اور الفاظ میں ان واردات کو پیش کرتا ہے۔ جو اس کے باطن پر ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک وہ پہلی حالت کو پختہ نہیں کر لیتے وہ اس سے بلند تر حالت کی طرف نگاہ نہیں ڈالتے اور جب پہلی حالت کو پختہ کر لیتے ہیں تب وہ اس سے بلند تر حالت کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ ہوتے ہوتے یہ تمام طریقے اور احوال اس غایت اور نہایت پر پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں جو بلند تر انتہا اور غایت الغایات ہے

اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(۵۹۸)و فوق کل ذی علم علیم

(ہر ذی علم سے کوئی نہ کوئی بڑھ کر عالم ہے)

نیز فرمایا :

(۵۹۹)و رفعنا بعضهم فوق بعض درجات

(اور هم نے ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے)

اور فرمایا :

(۶۰۰)انظر کیف فضلنا بعضهم علی بعض

(دیکھئے هم نے کیسے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے)

کسی کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کے ولیوں کی بدگوئی کرتے ہوئے زبان درازی کرے اور اپنی فہم اور رائے سے ان الفاظ کا قیاس کرے جو ان سے سنے اور جو کلمات اس کی فہم میں مشکل دکھائی دیتے ہوں کیونکہ مختلف اوقات میں اولیاء اللہ کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں ۔ اور اپنے احوال میں انہیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے حالانکہ بظاہر وہ ہم شکل اور هم جنس نظر آتے ہیں ۔ ان کے ہم شکل اور ان جیسے لوگ لوگوں میں مشہور ہیں ۔ ان کی کوتاہیوں ، ان کے (ص۳۷۷)درست یا نادرست ہونے ، ان کی کمی یا زیادتی کے متعلق گفتگو کرنے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو اپنی علمی فضیلت اور وسیع معرفت کی وجہ سے اپنے ہم جنس لوگوں میں شرف و فضیلت کے اعتبار سے مشہور ہو چکا ہو ۔ مگر جو شخص ان کے راستے پر چلا ہی نہیں اور نہ اس نے ان کا طریقہ اختیار کیا اور نہ ان کے مقاصد کا ارادہ کیا اس کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان لوگوں کا انکار نہ کرے اور ان کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دے اور جو خطائیں یہ لن لوگوں کی طرف منسوب کرتا ہے ان میں وہ اپنے نفس ہی کو متہم کرے ۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

۲ ۔ باب

علوم کی تشریح اور خاص لوگوں کے ان علوم کی تشریح جو علماء کی سمجھ میں نہیں آتے اور دلائل کے ساتھ ان کو صحیح ثابت کرنا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : آپکو معلوم ہونا چاہئے کہ علم اس قدر وسیع چیز ہے کہ نہ تو کسی عالم کی فہم اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ کسی عقلمند کی عقل اس کا ادراک کر سکتی ہے ۔ اور موسی علیہ السلام کی بزرگی ، مکالمہ، نبوت ، وحی اور رسالت کے باوجود جس کے ساتھ اللہ تعالی نے انہیں مخصوص کیا خضر علیہ السلام کے ساتھ

جو واقعہ انہیں پیش آیا آپ کے کافی ہونا چاھئے ۔ اللہ تعالی نے اپنی محکم کتاب قرآن مجید میں اپنے سچے نبی کی زبانی بیان کیا ہے کہ موسی علیہ السلام اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے علم کو سمجھنے سے قاصر رہے تھے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ھیں :

(۱-۶۰)عبداً من عبادنا آتیناہ رحمة من عندنا (الآیة)

حتی کہ موسی علیہ السلام کو درخواست کرنی پڑی اور کہا ھل أتبعک باوجود اس کے کہ موسی علیہ السلام کو تائید ایزدی حاصل تھی ، شرف حاصل تھا مگر اللہ نے انہیں خضر (کے علم کا) انکار کرنے سے بچائے رکھا : حالانکہ خضر نبوت ، رسالت اور ھم کلامی میں موسی علیہ السلام کے درجہ کو کبھی بھی نہیں پہنچ سکے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : جو کچھ میں جانتا ھوں اگر تم بھی جان لو تو تم کم ھنسو اور اکثر روتے رھو اور عورتوں سے لذت بھی حاصل نہ کرو اور نہ تمھیں اپنے بستروں پر قرار آئے اور تم سڑکوں پر نکل جاؤ اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے رھو ۔ خدا کی قسم میں یہ چاھتا ھوں کہ میں ایک درخت ھوتا جس کی ٹہنیاں چھانٹی جاتیں ۔

اس حدیث کی روایت اسرائیل نے ابراھیم بن مہاجر سے اور اس نے مجاھد سے اور اس نے مؤرق سے اور اس نے ابوذر سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے کی ہے ۔

اس حدیث میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالی کا یہ فرمانا :

(ص۳۷۸) یا أیھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (سورۃ مائدہ : ٦٧)

(اے رسول جو کتاب آپ پر اتاری گئی ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں)

اللہ تعالی نے یوں نہیں کہا : جن باتوں کی معرفت ھم نے آپ کو عطا کی ہے ؛ نیز نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ فرمانا کہ "تم کو اگر وہ باتیں معلوم ھو جائیں جن کا مجھے علم ہے اگر یہ ان علوم میں سے ھوتا جن کا لوگوں تک پہنچانے کا حکم آپ کو دیا گیا تھا تو آپ ﷺ ضرور ان تک پہنچا دیتے اور اگر لوگوں کیلئے ان علوم کا جاننا مناسب ھوتا تو آپ ضرور ان کو بتا دیتے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کو تین قسم کے علوم کے ساتھ مخصوص کیا تھا ۔ ایک تو وہ علم ہے جسے آپ نے خاص و عام سب کے سامنے بیان کیا اور یہ حدود امر اور نہی کا علم ہے اور دوسرا وہ علم تھا جس کے ساتھ صرف بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم کو مخصوص کیا گیا تھا ۔ یہی وہ علم تھا جو (۶۰۲)حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو عطا کیا گیا تھا حتی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی بزرگی اور فضیلت کے باوجوں حذیفہ سے پوچھا کرتے اور کہا کرتے : کیا میں منافقوں میں سے تو نہیں ھوں ۔

اسی طرح علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے علم کے ستر بابوں کا علم دیا ۔ میرے سوا کسی کو ان کا علم نہ تھا ۔

شیخ فرماتے ہیں : جب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش آتا تو حضرت علی بن ابی طالب کے پاس آکر پناہ لیا کرتے تھے ۔

اور تیسرا علم وہ علم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا اور اس میں کوئی صحابی آپ کا شریک نہ تھا ۔ اسی علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لو ۔

اسی لئے تو ہم نے کہا ہے کہ کسی شخص کیلئے مناسب نہیں کہ وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ وہ تمام علوم پر حاوی ہے اور پھر وہ مخصوص لوگوں کے کلام کو اپنی رائے سے غلط قرار دے کر انہیں کافر اور زندیق کہے ، جب کہ وہ خود ان کے احوال کی مشق کرنے سے عاری اور ان کے حقائق اور اعمال کی منزل میں اترنے سے بے بہرہ ہے ۔

علوم شریعت کی چار قسمیں ہیں : پہلی قسم علم روایت ، علم آثار و احادیث ہے ۔ اسی علم کو ثقہ لوگ ثقہ لوگوں سے نقل کرتے چلے آئے ہیں ۔

دوسری قسم علم درایت ہے : اور یہ علم علم فقہ اور علم احکام ہے ۔ علماء اور فقہاء میں یہی مروج ہے ۔

تیسری قسم علم قیاس ، علم نظر اور مخالفین کے خلاف دلائل پیش کرنے کا علم ہے اور یہ علم علم جدل (علم مناظرہ) ہے ۔

اور چوتھی قسم جو سب سے اعلی اور اشرف ہے اور یہ علم حقائق ، منازلات ، معاملہ ، مجاہدہ ، اطاعت گذاری میں اخلاص ، ہر جہت سے اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور ہر وقت اللہ کے ساتھ لو لگائے رکھنے ، صحیح قصد ، صحیح ارادہ ، اسرار کا تمام آفات سے پاک رکھنا اور خلوت میں اللہ کے حضور میں ظاہروباطن سے حسن ادب کا لحاظ رکھنا اور فاقہ کے ہوتے ہوئے بھی صرف اس قدر خوراک پر اکتفا کرنا جس سے انسان زندہ رہ سکے ، دنیا سے اعراض کرنا اور دنیاوی اشیاء کو ترک کرنا تاکہ انسان بلند درجات کی خواہش کر سکے اور کرامات کی منزل تک پہنچ سکے ۔

لہذا جو شخص علم روایت میں غلطی کھائے گا وہ اس کے متعلق کسی اہل درایت انسان سے سوال نہ کرے گا اور جو شخص علم درایت میں کسی امر کی غلطی کر جائے گا وہ اس کے بارے میں کسی اہل روایت سے نہ پوچھے گا اور جو علم قیاس اور علم نظر کے کسی مسئلہ میں غلطی کر جائے گا وہ اس کے متعلق کسی اہل روایت یا اہل درایت سے سوال نہ کرے گا ۔ اسی طرح جو علم حقائق اور علم احوال کے کسی مسئلہ میں غلطی کرے گا تو وت ان ھی

میں سے کسی ایسے عالم سے سوال کرے گا جو اس علم میں کامل ہو ۔

ہوسکتا ہے کہ یہ تمام کے تمام علوم اہل حقائق کے اندر پائے جائیں مگر یہ ممکن نہیں ان لوگوں کے ہاں علم حقائق پایا جائے ۔ الا ماشاء اللہ ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم حقائق تمام علوم کا ثمرہ اور تمام علوم کی انتہا ہے اور تمام علوم بالآخر آکر علم حقائق پر ختم ہوتے ہیں ۔ لہذا جب کوئی انسان علم حقائق کو پہنچ گیا تو وہ ایسے سمندر میں داخل ہو گیا جس کی کوئی انتہا نہیں ۔ یہی علم قلوب ہے ، یہی علم معارف ، یہی علم اسرار ، یہی علم باطن ، یہی علم تصوف ، یہی علم احوال اور یہی علم معاملات ہے ان میں سے جو بھی کہہ لو بات ایک ہی ہے ۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں :

قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربی لنفد البحر قبل أن تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثله مدداً

(آپ انہیں کہہ دیں کہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کیلئے روشنائی بن جائے تو پیشتر اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ختم ہو جائے گا ۔ خواہ ہم اسی قدر اور روشنائی کیوں نہ لے آئیں)

کیا آپ یہ بات دیکھ نہیں رہے کہ صوفیاء تو ان کے کسی علم کا انکار نہیں کرتے مگر وہ لوگ ۔ الا ماشاء اللہ ۔ ان کے علوم کا انکار کرتے ہیں ۔

ان میں سے ہر صفت والا جب اپنے علم میں ماہر ہو جاتا ہے اور اپنی فہم میں پختہ کار بن جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کا سردار بن جاتا ہے لہذا جب کسی بات میں انہیں کوئی مشکل پیش آتی ہے تو انہیں اس کی طرف رجوع کیئے بغیر چارا نہیں ہوتا ۔ لہذا جب یہ چاروں قسمیں ایک شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ امام کامل کہلائے گا (ص-۳۸۰)وہی قطب ہوگا ، حجت ہو گا ، وہی صحیح راہ کی طرف دعوت دینے والا ہوگا جیسا کہ مروی ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک کلام جو انہوں نے کمیل بن زیاد کو کہا فرمایا : اللهم بلی (خدایا کیوں نہیں) ۔

دنیا کبھی ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہوگی جو اللہ کے دین کیلئے دلائل لے کر کھڑے ہو جائیں تاکہ اللہ کی آیات باطل نہ ہونے پائیں اور نہ ہی اللہ کے احکام باطل ہوں ۔ یہ لوگ تعدا ین کم ہوتے ہیں مگر اللہ کے ہاں ان کی بڑی قدر ہوتی ہے ۔

اب میں پھر شطح کے معنی اور شطحیات کی تشریح کی طرف لوٹتا ہوں ۔

اہل کمال میں شاذ و نادر ہی کوئی شطح کی بات پائی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی باطنی حالت پر پوری قدرت اور قابو ہوتا ہے ۔ شطح میں صرف وہ

لوگ مبتلا ہوتے ہیں جو مبتدی ہوں اور اللہ تعالی کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ وہ کمال اور انتہا تک پہنچ جائیں درحقیق یہ غایت ، کمال اور انتہا کی ابتدا ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

۳ ۔ باب

وہ شطح کے کلمات جو ابویزید رحمہ اللہ سے حکایت کئے جاتے ہیں اور جنید رحمہ اللہ نے ان میں سے چند کلمات کی تشریح کی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جنید رحمہ اللہ نے ابویزید کے شطحیات میں سے چند شطحیات کی تشریح کی ہے اور دانشمند تھوڑے سے بہت کا پتا چلا لیتا ہے اور یہ بات مجھ سے محال ہے کہ مجھے ابویزید رحمہ اللہ کی کلام کی وہ تشریح مل جائے جو جنید رحمہ اللہ نے کی ہے اور میں اسے چھوڑ کر اپنی طرف سے کچھ اور ہی جواب دینے لگ جاؤں۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید رحمہ اللہ کے متعلق مختلف روایات ہیں ۔ جو کچھ لوگوں نے ان سے سن کر بیان کیا اس میں بھی نقل کرنے والوں میں اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے ، واللہ اعلم ، کہ ان کلمات کے کہنے کے وقت ان پر مختلف قسم کا وقت اور کیفیت ہوتی تھی اور جو مقامات ان کیلئے مخصوص تھے وہ بھی باری باری ان پر آتے تھے لہذا ہر ایک نے وہی کچھ بیان کیا جو اسے یاد رہا اور ان کے مقامات کی تفصیل کے بارے میں جو کچھ سنا ادا کر دیا ۔

(ص۳۸۱)جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید بسطامی کا کچھ کلام ایسا ہے جو اپنی قوت ، گہرائی اور معنی کی انتہا کی وجہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے سمندر میں سے گھونٹ بھر رہے ہیں جو خاص ان ہی کیلئے مخصوص تھا اور صرف ان ہی کیلئے تھا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مزید برآں میں نے ان کی یعنی ابویزید کی انتہائی حالت کی وہ کیفیت دیکھی ہے کہ بہت کم لوگ اسے سمجھ سکتے ہیں یا اسے سن کر لفظوں میں اسے بیان کر سکتے ہیں اس لئے کہ اس کی برداشت کی طاقت صرف ان لوگوں میں ہو سکتی ہے جو اس کے معنی کو سمجھتے اور یہ جانتے ہیں کہ اس کا سرچشمہ کہاں ہے۔ اور ان کے کلام کو سنتے وقت جس کی یہ حالت نہ ہو اس کے نزدیک ابویزید کا تمام کا تمام کلام مردود ہے ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے ابویزید رحمہ اللہ کی حکایات کو دیکھا ہے ان کی

صفت سے یوں پتا چلتا ہے کہ ابو یزید رحمہ اللہ نے جو کیفیت حاصل کر لی تھی اسی میں مستغرق تھے مگر جب اس کیفیت میں نہیں ہوتے تھے تو حقیقت حق سے بھی بے خبر ہو جاتے تھے ۔ یہ ایسی باطنی کیفیات ہیں جنہوں نے انہیں کئی بار ڈبویا اور ہر بار کا غرق ہونا پہلے بار کے غرق ہونے سے مختلف ہوتا تھا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید کی ابتدائی حالت کے متعلق جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ قوی اور مضبوط ہے اور وہ اس کی انتہا کو پہنچ چکے تھے ۔ انہوں نے علم توحید کے متعلق چند مسائل کو بالکل صحیح بیان کیا ہے مگر یہ ابتدائی باتیں تھیں جیسا کہ مرادہ لوگوں سے امید کی جاتی ہے ۔ اور وہ کلمات جن کا میں یہاں ذکر کرنا چاہتا ہوں ایسے نہیں ہیں کہ ان کا کتابوں میں ذکر کیا جائے کیونکہ ان کا تعلق ان علوم کے ساتھ نہیں جو علماء کے ہاں متداول اور مروج ہیں مگر پھر بھی میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ان کے معانی کو اکثر زیر بحث لے آتے ہیں ۔ چنانچہ کوئی انہیں اپنے باطل خیالات کیلئے بطور حجت پیش کرتا ہے اور کوئی ان کلمات کے کہنے والے کو کافر قرار دیتا ہے حالانکہ یہ تمام لوگ اپنے خیال میں غلطی پر ہیں ۔ اور اللہ ہی درست بات کی توفیق دینے والا ہے ۔

۴ ۔ باب

ایک حکایت کا بیان جسے ابویزید بسطامی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے

لوگوں میں یہی مشہور ہے کہ انہوں نے ایسا کہا مگر مجھے معلوم نہیں کہ اس کلام کو ان کی طرف منسوب کرنا درست ہے یا نہیں ۔

(ص۲۸۲)ابویزید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے یوں کہا :
اللہ نے ایک بار مجھے بلند کیا پھر اپنے سامنے کھڑا کرکے کہا : اے ابویزید ! میری مخلوق تمہیں دیکھنا چاہتی ہے ۔

میں نے اس کے جواب میں کہا : مجھے اپنی وحدانیت کے ساتھ مزین کر دیجئے ۔ اور اپنی انانیت کا لباس مجھے پہنا دیں اور مجھے اپنی احدیت کی طرف اٹھا لیں تاکہ جب لوگ مجھے دیکھیں تو کہیں ہم نے اللہ کو دیکھا ہے ۔ لہذا اس صورت میں تو ہی تو ہوگا میں نہ ہوں گا ۔

اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ کلمات کہے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جنید رحمہ اللہ اس کتاب میں جو انہوں نے ابویزید رحمہ اللہ کے کلام کی تشریح کے بارے میں لکھی ہے فرماتے ہیں :

یہ اس شخص کا کلام ہے جسے حق توحید کے مکمل ہوتے ہوئے بھی اللہ نے وجد عریہ کے حقائق نہ پہنائے ہوں کہ وہ اللہ کے پہنائے ہوئے لباس کی وجہ سے اپنے سوال سے مستغنی ہو جاتا ۔ اور اس کا یہ سوال کرنا اس بات کی نشان دھی کرتا ہے کہ وہ وهاں کی منزل کے قریب پہنچ چکا ہے اور جو شخص کسی مقام کے قریب پہنچ چکا ہو ضروری نہیں که اس کا ابر اس مقام پر پہنچ جانا بھی ممکن ہو ۔

ابویزید رحمہ اللہ کا ،،البسنی و زینی،، و ارفعنی کہنا اس حقیقت کا پتا دیتا ہے جسے انہوں نے اس وقت پالیا تھا اور جس کی مقدار اور منزلت بھی اتنی ہی تھی اور اللہ کے ہاں اسی قدر مقبول و منظور نظر ہوئے جس کا انہوں نے اظہار کر دیا ۔

(شیخ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہ جنید کی تشریح ہے اور انہوں نے ابویزید کا وہ مقام بیان کر دیا ہے جس کی طرف ابویزید رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ مگر انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ مخالفین اور عناد رکھنے والوں کو اس قسم کی بات کہنے والے پر طعن کرنے کا موقعہ کیوں ملا ۔ یہی معنی اور مقصد اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔ ان کے اس قول میں پایا جاتا ہے رفعنی مرة فأقا منی بین یدیه (اس نے ایک بار مجھے بلند کیا اور اپنے سامنے کھڑا کر لیا) مراد یہ ہے کہ مجھے اس مقام کا مشاهده کرایا اور اس کیلئے میرے دل کو حاضر کیا ۔ کیونکہ تمام مخلوق (ہر لحظہ) اللہ کے سامنے حاضر ہے ان کا کوئی نفس اور کوئی خیال اللہ سے مخفی نہیں ۔ مگر اس حضوری اور مشاهده میں بھی ان میں فرق پایا جاتا ہے۔ نیز ان کی صفات کے اعتبار سے بھی فرق ہے کیونکہ اللہ سے تعلق کاٹ ڈالنے والے اشغال اور روکنے والے خیالات کی کدورت انہیں مانع آتی ہے اور اس کیفیت کیلئے حجاب کا کام کرتی ہے ۔

حدیث میں مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ و سلم نماز پڑھنے لگتے تو فرماتے : میں ملک جبار کی حضوری میں کھڑا ہو رہا ہوں

بایزید رحمہ اللہ کا یہ کہنا ،،اس نے مجھ سے کہا اور میں نے اسے کہا،، اس سے قلبی مشاهده کے وقت باطنی مناجات اور پاک و صاف ذکر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ ان کا دل صبح و شام ملک جبار کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہوتا ہے ۔

جو تشریح میں نے بیان کی اسی سے (دیگر باتوں کا) قیاس کر لو کیونکہ یہ تمام

اقوال ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں ۔

(ص۳۸۳)یہ بھی یاد رکھیں کہ جب بندے کو اس بات کا یقین ہو کہ اس کا آقا اس کے قریب ہے اور وہ اپنے دل سے بھی حاضر ہو اور اپنے تمام خیالات پر نگاہ رکھے ہوئے ہو تو اس حالت میں ہر وہ خیال جو اس کے دل پر گزرے گا اسے یوں معلوم ہوگا کہ حق تعالی اس سے مخاطب ہو رہے ہیں اور ہر وہ خیال ہر وہ چیز جس کے متعلق اپنے باطن میں سوچے گا وہ یہ سمجھے گا کہ وہ اللہ سے مخاطب ہو رہا ہے کیونکہ تمام خیالات اور باطن کی حرکات اور وہ امور جو دل پر وارد ہوتے ہیں سب کی ابتدا اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور آخرکار ختم بھی وہیں ہوتی ہے ۔ لہذا ابویزید رحمہ اللہ کے قول کے یہی معنی ہیں ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

کسی کے یہ شعر ہیں :

مثلتہ المنی فظل ندیمی فتنعمت فاقداً للنعیم

میری آرزوؤں نے اس کی صورت میرے سامنے کر دی تو وہ تمام دن میرا ندیم رہا اور نعمت کے نہ ہوتے ہوئے بھی مزے لیتا رہا ۔

مثلتہ حتی کأنی أناجیہ بسری و سرہ المکتوم

میری آرزوؤں نے اس کی صورت میرے سامنے کر دی گویا میں اس سے اپنے راز اور اس کے سربستہ راز کی سرگوشی کر رہا تھا ۔

کسی اور کا قول ہے :

قال لی حین رمتہ کل ذا قد علمتہ

جب میں نے اس کی خواہش کی تو کہنے لگا مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا ۔

لو بکی طول عمرہ بدم ما رحمتہ

اگر یہ عمر بھر بھی خون کے آنسو بہاتا رہے میں پھر بھی اس پر رحم نہ کھاؤں گا

اس کی مراد بھی اسرار کی مناجات ہے

اس قسم کے خیالات اشعار اور غیر اشعار میں کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔

اب رہا ان کا کہنا :«مجھے اپنی وحدانیت سے مزین کر دو اور اپنی انانیت کا لباس مجھے پہنا دو اور اپنی احدیت کی طرف اٹھا لو» تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اے خدا

مجھے اس موجودہ حالت سے منتقل کرکے ان لوگوں کے انتہائی حال تک لے جا جو حقیقی معنوں میں تجرید توحید کو پا چکے ہیں ۔ نیز ان لوگوں کے حال تک جو محض اللہ ہی کے ہو لئے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا : مفرد لوگ آگے نکل گئے ۔ عرض کیا گیا : یا رسول اللہ ﷺ مفرد کون لوگ ہیں ۔ فرمایا : مفرد وہ لوگ ہیں جو خوشی اور غمی میں اللہ کی تعریف کرتے ہیں ۔

بایزید رحمہ اللہ کا یہ کہنا : «مجھے اپنی انانیت پہنا دو تاکہ جب تیری مخلوق مجھے دیکھے تو کہے کہ ہم نے خدا کو دیکھا ہے لہذا اس وقت تو ہی تو ہوگا میں وہاں نہ ہوں گا » ۔

یہ قول اور اسی قسم کے دیگر اقوال ان کا فنا فی اللہ ہونا اور پھر فنا سے بھی فنا ہونا بیان کر رہے ہیں نیز یہ کہ حق تعالی بذات خود اپنی وحدانیت کے ساتھ قائم ہیں جبکہ نہ کوئی مخلوق تھی اور نہ دنیا ۔ یہ تمام معانی نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے اس قول سے اخذ کئے گئے ہیں :

اللہ تعالی فرماتے ہیں : میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے تاآنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں لہذا جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ۔

کسی کہنے والے نے اپنے اس وجد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے جو اسے اپنے جیسے مخلوق انسان کے ساتھ تھا چنانچہ وہ اپنے محبوب کے ساتھ اپنا وجد بیان کرتے ہوئے کہتا ہے :

انا من أهوى و من أهوى أنا فاذا أبصرتني أبصرتنا

میں وہ ہوں جس سے مجھے عشق ہے وہ میں ہی ہوں لہذا جب تو مجھے دیکھے گا تو ہم دونوں کو دیکھ لے گا

نحن روحان معاً فی جسد ألبس اللہ علینا البدنا

ہم دونوں ایک جسم کے اندر دو روحیں ہیں جن پر اللہ نے ایک بدن کا لباس پہنا دیا ہے

لہذا جب ایک مخلوق اپنی جیسی دوسری مخلوق کی خاطر اس حد تک وجد میں

آنا ہے کہ وہ اس قسم کے الفاظ کہہ دیتا ہے تو پھر اس کے آگے کے مقامات کے متعلق تم کیا خیال کر سکتے ہو ۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ کسی دانا نے کہا ہے کہ دو محبت کرنے والے محبت کی حقیقت تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک وہ ایک دوسرے کو یا أنا (اے میں) کہہ کر نہ پکاریں ۔

اگر تفصیل سے بیان کرو تو اس کی تشریح لمبی ہو جائے گی مگر جتنا بیان کر دیا گیا اسی قدر کافی ہے ۔ و باللہ التوفیق ۔

۵ ۔ ایک اور باب

ایک حکایت کی تشریح جو ابویزید کے متعلق بیان کی جاتی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں کہتا ہوں کہ ابویزید کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا تھا :

جب میں پہلی بار اللہ کی وحدانیت کی طرف گیا تو میں ایک ایسا پرندہ بن گیا جس کا جسم احدیت سے لیا گیا تھا اور اس کے دونوں پر ہمیشگی سے لئے گئے تھے چنانچہ میں اسی کیفیت کی ہوا میں برابر دس سال تک اڑتا رہا یہاں تک کہ میں ایسی ہوا میں پہنچا جو پہلی ہوا کے مقابلہ میں دس لاکھ گنا زیادہ تھی لہذا میں اس میں لگاتار اڑتا رہا تاآنکہ میں میدان ازلیت میں جا پہنچا اور وہاں احدیت کا درخت دیکھا ۔ اس کے بعد بایزید رحمہ اللہ نے اس درخت کی زمین ؛ جڑ ، شاخوں اور ٹہنیوں اور پھل کی صفت بیان کی ۔ اس کے بعد فرمایا : میں نے جو غور کیا تو یہ سب کچھ دھوکا ہی دھوکا تھا ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ان کا یہ کہنا کہ "جب میں پہلی بار اللہ کی وحدانیت کی طرف گیا" تو اس سے مراد یہ (ص۳۸۵)ہے کہ جب میں نے سب سے پہلے توحید پر غور کیا ۔ چنانچہ انہوں نے ان امور کو بیان کیا جن کو انہوں نے دیکھا تھا اور وہاں پہنچکر جس انتہا تک پہنچے اور بالآخر اس میں راسخ ہو کر جہاں قرار پایا اس کو بھی بیان کیا ہے ۔ یہ تمام کا تمام ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کے بارے میں اللہ کو یہ مطلوب ہو کہ وہ اس کی حقیقت کے شواھد کے ذریعے علم توحید کی حقیقت کو پہنچ جائیں اور ان کی نگاہ حقیقت کی

طرف لگی رہے اور اس کی شہرت اہل توحید کی وجہ سے ہو اور اپنے مشاہدہ کی بنا پر جن امور کو وہ اپنی نگاہ میں رکھتے ہیں ان میں ان کو کھلا چھوڑ دیا جائے ۔ جب یہ بات اسی طرح ہو تو اس کی حقیقت کی اصل کی کوئی غایت نہیں ہوتی کہ مطلوب ہے اس کی برداشت کی طاقت رکھ سکے اور نہ ہی اس مقام پر پہنچ کر وہ تہخانہ کی تہ میں بیٹھ جاتے ہیں بلکہ یہ حالت تائید ایزدی کے شاہد کے ساتھ ہوتی ہے اور جو کچھ انہوں نے پایا ہوتا ہے اسی میں پڑا رہنا پسند کرتے ہیں ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید کا "دس لاکھ بار" کہنا تو یہ بے معنی سی بات ہے۔ اس لئے کہ اسّ کی تعریف ان کے قول اور وصف سے کہیں زیادہ اور عظیم ہے۔ انہوں نے اسے اپنی طاقت کے مطابق بیان کیا ہے۔ اس کے بعد وہاں کی کیفیت بیان کی ہے مگر پھر بھی نہ تو یہ حقیقت مطلوبہ ہے اور نہ ایسی غایت سے جو سب کو اپنے اندر لے لے ۔ یہ تو اس راستے کا ایک حصہ ہے۔

یہ وہ تشریح ہے جو جنید رحمہ اللہ نے کی ہے اور سمجھنے والے کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ اللہ ہی درست بات سمجھنے کی توفیق دینے والا ہے ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : جنید رحمہ اللہ نے بایزید رحمہ اللہ کی اس بات کی تشریح کی ہے جس میں انہوں نے "شطح" کی بات کہی ہے نیز جو کچھ انہوں نے وجد کی حالت میں کہا ہے لیکن جس پر مخالفوں کو طعن کرنے کا موقعہ ملتا ہے اس کا ذکر نہیں کیا : مثلا ان کا یہ کہنا "میں پرندہ بن گیا اور مسلسل اڑتا رہا" یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان پرندہ بن کر اڑتا رہے۔ جس بات کی طرف بایزید نے اشارہ کیا ہے اس کے معنی ہیں ہمتوں کا بلند ہونا اور دلوں کا اڑنا اور یہ محاورہ عربی زبان میں موجود ہے چنانچہ یوں بولا جاتا ہے "کدت أطیر من الفرح" (میں خوشی کے مارے اڑنے لگا) و قد طار قلبی (اور میرا دل اڑ گیا) وکاد ان یطیر عقلی (قریب تھا کہ میری عقل اڑ جائے) ۔

یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : زاهد کی مثال پیدل چلنے والے کی ہے اور عارف کی مثال اڑنے والے کی ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ عارف زاهد کے مقابلے میں اپنے مطلوب کو زیادہ تیزی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے اور یہ بات جائز بھی ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

و کل انسان ألزمنا ہ طائرہ فی عنقہ(٦٠٢)

ہم نے ہر انسان کا پرندہ (یعنی نیک و بد فال ۔ بصورت اعمالنامہ) اس کی گردن سے چمٹا رکھا ہے

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں سعد بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے : جو سعادتمندی یا بدبختی ہم نے (ص۳۸٦)روز ازل سے اس کیلئے لکھ دی رکھی ہے وہ اس کو پہنچا دی جاتی ہے۔

شاعر کہتا ہے :

رب یوم کأنھم یوم بانوا من دموع الفراق یوم مطیر

بہت سے دن مجھ پر ایسے گزرے ہیں جو محبوب کے فراق کے دن یوں معلوم ہوتے تھے جیسے کہ وہ بارش کا دن تھا

لو ترانی رأیت یوم تولوا جسداً واقفاً و قلباً یطیر

جس روز محبوبہ اور اس کی قوم مجھ سے روانہ ہو گئے اگر تو مجھے اس روز دیکھ لیتا تو یہ دیکھتا کہ جسم تو ساکن ہے مگر دل اڑ رہا ہے

اب لیجئے ان کا وہ قول جس میں انہوں نے اپنے دونوں پروں اور جسم کو احدیت اور ہمیشگی کی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے ان کی مراد اپنی اڑان میں اپنی قوت و طاقت سے بیزاری کا اظہار ہے اور اڑان سے مراد اپنے مطلب کا قصد و ارادہ کرنا ہے۔ تاکہ وہ خدائے واحد و دائم کا قصد کرنے میں اپنے فعل اور حرکت کو غیر معروف الفاظ میں بیان(٦٠٣) کر سکے ۔

اصحاب وجد اور عشق الٰہی کے دیوانوں کے ہاں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں ۔ لہذا جب صاحب وجد کے باطن اور دل پر اس ہستی کا ذکر غالب ہو جس کی وجہ سے وہ وجد میں آیا ہے تو وہ اپنے تمام احوال کی وہ صفات بیان کرے گا جو دراصل اس کے محبوب میں پائی جاتی ہیں ۔ بنی عامر کے مجنون کی مثال لیجئے جب وہ جنگلی جانوروں کو دیکھتا تو "لیلی" کہتا اگر پہاڑوں کی طرف دیکھتا تو "لیلی" کہتا ۔ لوگوں کی طرف دیکھتا تو "لیلی" کہتا یہاں تک کہ جب کوئی اس سے پوچھتا تمہارا کیا نام ہے یا یہ پوچھتا کہ تمہارا کیا حال ہے تب بھی وہ جواب میں "لیلی" کہتا ۔ اسی حالت کے متعلق وہ کہتا ہے :

أمر علی الدیار دیار لیلی أقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

وما حب الدیار شغفن قلبی و لکن حب من سکن الدیارا

جب میں لیلی کے گھروں کے پاس سے گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو ان گھروں کی محبت نے مجھے فریفتہ نہیں کیا بلکہ ان کے مکینوں کی

محبت نے ایسا کیا ہے۔

کسی کے یہ اشعار ہیں :

أفتش سری عن هواکم فلا أری سوای وأنـی(۶۰۵) عنـک والکنـه أکبر

جب میں تمہارے عشق کی وجہ سے اپنے باطن کو ٹٹولتا ہوں تو اپنے سوا کچھ نہیں پاتا مگر میں تمہیں چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں اور حقیقت اس سے بھی بڑی ہے۔

فان وجدت (۶۰۶) أنـی ففـی الوجـد انها فان عبـرت عنـی فعنهـا تعبر

اگر وہ میری حقیقت کو پا لے تو اسی وجد میں میری حقیقت ہے اور اگر وہ میری طرف سے تشریح کرے تو وہ بھی خود اس کی اپنی طرف سے ہوگی

اس قسم کے اشعار بہت ہیں اور اپنے اس وجد کی کیفیت کو بیان کرنے میں جو انہیں ایک مخلوق کے ساتھ حاصل ہوا اور انہوں نے اپنے جھوٹے عشق کے متعلق جن معانی کا اظہار کیا ہے اس کو مستحسن سمجھا گیا ہے اس بیان سے جن معنوں کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں اسے لفظوں میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ۔ و باللہ التوفیق ۔

اب رہا ان کا کہنا :"دس سال" اور دس لاکھ بار" اور "میدان ازلیت" اور "ہواء کیفیت" تو ان کے متعلق جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس راستے کا صرف ایک حصہ (۵۰۸) بیان کیا ہے۔ جو کچھ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے وہی کافی ہے۔ ہمیں اس کی بحث کرنے اور دہرانے کی ضرورت نہیں ۔

(ص۳۸۷)ان کا یہ کہنا :جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب دھوکا تھا"

اس سے مراد ۔ واللہ اعلم ۔ یہ ہے کہ کائنات اور دنیاوی حکومت کی طرف متوجہ ہونا اور نگاہ کو اسی کی طرف لگائے رکھنا حقائق تجرید اور تجرید توحید کی کیفیت حاصل کر لینے کے بعد سراسر دھوکا ہے۔ اسی لئے جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :

کاش ابویزید رحمہ اللہ اپنے عظیم اشاروں کے باوصف ابتدائی اور متوسط درجہ کی حالت سے نکل آتے ۔ میں نے ان کی کوئی بات نہیں سنی جس سے ان کے منتہی ہونے کا پتا چلتا ہو چنانچہ انہوں نے جسم ، پر ، ہوا اور میدان کا ذکر کیا ہے۔

نیز ان کا یہ کہنا : "مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ سب دھوکا ہے" ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منتہی لوگوں کے نزدیک اللہ کے سوا کسی بھی چیز کی طرف توجہ کرنا دھوکا ہے۔ اگر

کوئی اس کا انکار کرے (تو اسے ہم کہیں کہ) سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے۔

عربوں نے جو سب سے زیادہ سچی بات کہی وہ لبید رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے
ألا کل شیء ما خلااللہ باطل
(سن لو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے)

۶ ۔ باب

ابویزید رحمہ اللہ کے ایک اور کلام کی تشریح

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید رحمہ اللہ کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا :

میں نے فنا کے مقام کو جھانک کر دیکھا پھر میں مسلسل دس سال تک اس میں پرواز کرتا رہا تاآنکہ اس مقام سے «لیس بلیس» کے مقام کو جا پہنچا پھر میں نے تضییع یعنی میدان توحید پر نظر ڈالی اور وہاں بھی «لیس فی التضییع» کے میدان میں پرواز کرتا رہا تاآنکہ میں اس «ضیاع» سے بھی فنا ہو گیا اور اس مقام کو پہنچ گیا جہاں کسی قسم کی فنا نہیں اس کے بعد میں نے اس توحید کو دیکھا جہاں مخلوق عارف سے بے خبر ہو جاتی ہے اور عارف مخلوق سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ تمام بیان اور اسی قسم کے دیگر بیانات اس علم شواھد میں داخل ہیں جہاں شاھد کو پا لینے کے باوجود اس سے بے خبری ہوتی ہے اور اس میں (ص۳۸۸)فنا کی کئی کیفیات پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک «فنا عن الفناء» کا مقام ہے۔

ابویزید رحمہ اللہ کا یہ کہنا : میں نے میدان «لیسیت» پر نظر ڈالی تاآنکہ میں «لیس» سے «لیس بلیس» کے مقام کو پہنچا یہ حقیقت فنا کی منزل میں اترنے کی ہرمرئی اور غیر مرئی چیز سے فنا ہو جانے کی ابتدا ہے اور جب فنا کی کیفیت وارد ہونے لگتی ہے تو اس کے تمام آثار مٹ جاتے ہیں۔

ابویزید رحمہ اللہ کا «لیس بلیس» کہنا ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر چیز سے فنا ہو چکے ہیں اور پھر اس فنا ہو جانے سے بھی فنا ہو چکے ہیں ۔ «لیس بلیس» کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو محسوس کی جا سکتی ہے یا پائی جاتی ہے اس کے تمام کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں ۔ ان کے نام کاٹ دئیے گئے ہیں اور ان کی حضوری بھی غائب ہو چکی ہے ۔ اور

اشیاء کو نگل لیا گیا تاکہ ان کا مشاہدہ نہ ہو سکے چنانچہ جو چیز نہ پائی جاتی ہو اور نہ محسوس ہوتی ہو (اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے) کہ گم ہو گئی ہے اور نہ ہی یہ نام کسی معلوم چیز کو دیا جا سکتا ہے ان کی کلی فنا کی وجہ سے یہ تمام چیزیں مٹ گئیں ۔ اسی کیفیت کو بعض لوگ فنا کا نام دیتے ہیں ۔ اس کے بعد فنا بھی فنا میں غائب ہو گئی اور یہ خود اس فنا کے اندر گم ہو گیا اسی حالت کو «لیس بلیس بہ» اور بہ فی لیس» سے تعبیر کیا ہے۔ ہر چیز کے گم ہونے کی یہی حقیقت ہے اس کے بعد نفس کے گم ہونے ، «فقد الفقد فی الفقد» اور «ارتماس فی الانطماس» اور «ذھاب عن الذھاب» کی منزل آتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کی نہ تو کوئی غایت ہے اور نہ کوئی مقررہ وقت ۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : دس کا ذکر کرنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ان کی مقررہ معیاد ہے مگر (یہ صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ) اس حالت کے اندر تمام اوقات مٹ چکے ہوتے ہیں ۔ لہذا جب یہ وقت گزر گیا اور حقیقی معنوں میں مع تمام کیفیتوں کے غائب ہوا تو خواہ دس سال ہوں خواہ ایک سو سال یا اس سے بھی زیادہ سب یکساں ہوں گے ۔

جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کے بعد ابویزید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے :

میں نے توحید کی طرف اس طرح نگاہ ڈالی کہ مخلوق عارف سے بالکل غائب ہو گئی اور عارف بھی مخلوق سے غائب ہو گیا » ۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب میں نے توحید کی طرف دیکھا تو مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ کے سامنے تمام کی تمام مخلوق فنا ہو چکی ہے اور اپنی تمام مخلوق سے قطع نظر کرتے ہوئے اللہ عرزوجل اپنی کبریائی میں تنہا رہ گئے ہیں ۔

اس کے بعد جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ابویزید رحمہ اللہ کے یہ فرمودہ الفاظ ایسے ہیں جن کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ ان میں یہی معنی جو مراد لئے گئے ہیں ڈالے جا سکتے ہیں ۔

ابویزید رحمہ اللہ کے کلمات کی یہ وہ تشریح ہے جو جنید رحمہ نے کی ہے اور مجھ تک پہنچی ہے۔ مگر (ص۳۸۹) جنید رحمہ اللہ کی بیان کردہ تشریح بھی اپنی جگہ پر مشکل ہے البتہ جو لوگ اس علم کے اهل ہیں ان کے نزدیک کوئی مشکل نہیں ۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر کلمات صرف ان لوگوں کو مشکل معلوم ہوتے ہیں جو اس علم کے ماہر نہیں ہیں اور جنہوں نے روایات کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ انہوں نے علماء کی تصنیف کردہ ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں اللہ تعالی کی عظمت اور کبریائی بیان کی گئی ہے تاکہ وہ اس سے ان

معانی کا پتا چلا سکیں جو کتابوں میں درج نہیں کئے گئے اور صرف اولیاء اللہ اور خاصان خدا کے دل ہی ان کو جانتے ہیں ۔ علاوہ برایں عالم باللہ لوگوں میں سے جو صاحب فہم ہیں جانتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو اللہ کا ہو لیا ہو اور جو اپنی مخصوص حالت میں اپنی حالت میں اضافہ ہوتا ہوا دیکھے تو وہ اللہ کے ساتھ ہر لحظہ اور ہر لمحہ ترقی پر ترقی کئے جاتا ہے اور یہ ترقی اس حالت کی وجہ سے جس کے ساتھ یہ مربوط ہوتا ہے ہر لمحہ جاری رہتی ہے ۔ لہذا وہ ہر لحظہ ایک حالت سے دوسری حالت کو منتقل ہوتا رہتا ہے اور لا نہایت تک جا پہنچتا ہے اور بالآخر اپنے وطن اور اپنی مخصوص جگہ میں مع اس مقام کے جہاں اللہ تعالی اسے پہنچاتا ہے جا پہنچتا ہے چنانچہ ہر وہ حال جس سے یہ منتقل ہو کر دوسرے حال کو جاتا ہے یہ شخص اپنے حال سے فنا ہو چکا ہوتا ہے ان کے ««الفناء و الفناء فی الفناء»» و «الذھاب و الذھاب عن الذھاب» و ضعت فضعت عن التضیع» کا یہی مطلب ہے اگر عبارتیں مختلف ہیں مگر ان کے معنی اور حقائق سلسلہ وار ہیں ۔

اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالی کے فرمان :

(۶۰۹)ثم استوی الی السماء و ھی دخان فقال لھا و للأرض إئتیا طوعاً أو کرھاً قالتا أتینا طائعین

(پھر آسمان کی طرف توجہ دی اور یہ اس وقت دھواں تھا ۔ اور اسے اور زمین کو کہا خواہ مرضی سے چلے آؤ خواہ بجبر ۔ دونوں نے کہا ہم برضا و رغبت آگئے)

کے متعلق کہا ہے ۔ وہ فرماتے ہیں : فرشتوں نے کہا : اے رب اگر زمین و آسمان برضا و رغبت نہ آتے تو تو ان سے کیا برتاؤ کرتا ۔ اللہ نے جواب دیا : میں ان پر اپنے جانوروں میں سے ایک جانور مسلط کر دیتا جو ان دونوں کو ایک ہی بار نگل جاتا ۔

فرشتوں نے پھر عرض کیا : اے خدا یہ جانور کہاں ہے ؟

اللہ نے فرمایا : میری چراگاھوں میں سے کسی ایک چراگاہ میں ہے ۔

فرشتوں نے پھر سوال : اے رب یہ چراگاہ کہاں ہے ؟

اللہ نے جواب دیا : میرے پوشیدہ علم میں ۔

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک جانور اور ایک لقمہ میں «زمین و آسمان کی فنا» ہے اور مرج (چراگاہ) مثال ہے «ذھاب الذھاب» کی اور اس «ذھاب» میں عارفوں کے دلوں کیلئے تنبیہ پائی جاتی لہذا جو کچھ اس نے اپنے دل سے دیکھ لیا ہے (اس کے ہوتے ہوئے) اس کا نفس ملک اور تمام وہ اشیاء جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے کا کیسے مشاہدہ کر سکتا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ ایک کتاب میں ہے کہ اللہ تعالی نے جہنم کو بذریعہ وحی کہا کہ اگر تو میرے احکام بجا نہ لائے گا تو میں تجھے اپنی بڑی آگ سے جلا دوں گا ۔

اس پر کسی عارف سے پوچھا گیا : «میں تجھے اپنی بڑی آگ سے جلادوں گا» کے کیا معنی ھیں ۔ ؟ عارف نے جواب دیا ، اللہ تعالی اپنی ذرہ بھر محبت کے ساتھ اپنا قدم اسے دکھاتا (جس سے یہ آگ مدھم پڑ جاتی اور) اتنی رہ جاتی جتنا کہ ایک نانبائی کا تنور ہو جس میں دنیا کی سی آگ ہو بلکہ اس سے بھی کم ۔

اور «لیس فی لی ں» کے معنی یہ ھیں کہ ابویزید رحمہ اللہ جس حال میں ھیں اسی میں اپنے «ینست» ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ھیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اشیاء اپنی حقیقت اور وجود کے اعتبار سے ان چیزوں کے مقابلہ میں جو اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ھیں محض موھوم وجود ہوتی ھیں لہذا یہ اشیاء اگرچہ درحقیقت موجود ھیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی ھیں پھر بھی انہیں معدوم اور لاشیء سمجھا جائے گا ۔ ان اشیاء کے مشاھدہ کرنے میں اھل حقائق کے مختلف مراتب ھیں ۔

واللہ یقبض و یبسط و الیہ ترجعون (سورۃ بقرہ : ۲۳۶)

اور اللہ ھی تنگ کرتا ہے اور کشادہ کرتا ہے ، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

۷۔ ایک اور باب

ان الفاظ کی تشریح جن کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ابویزید کے فرمودہ الفاظ ھیں اور بصرہ میں ان ھی الفاظ کی وجہ سے ابن سالم انہیں کافر کہا کرتے تھے اور اس مناظرے کا بیان جو اس سلسلہ میں میرا ان سے ہوا ۔

شیخ فرماتے ھیں : میں نے ایک روز ابن سالم کو اپنی مجلس میں یوں کہتے سنا : جو بات ابویزید نے کہی فرعون نے بھی وہ بات نہ کہی تھی ۔ کیونکہ فرعون نے تو

أنا ربکم الاعلی (میں تمہارا بلند رب ہوں)

کہا تھا اور رب کا لفظ مخلوق کیلئے استعمال ہو سکتا ہے چنانچہ کہتے ھیں فلاں «رب دار» رب مال اور رب البیت ہے ۔ مگر ابویزید نے یوں کہہ ڈالا ۔

سبحانی سبحانی

اور سبوح اور سبحان اللہ تعالی کے وہ اسماء ھیں جن کا اطلاق غیر اللہ پر نہیں ہو سکتا ۔

یہ سن کر میں نے انہیں کہا : کیا آپ کے نزدیک یہ صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ ابویزید رحمہ اللہ نے یہ الفاظ کہے ہیں اور کیا آپ کے نزدیک یہ بات پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ ابویزید رحمہ اللہ کا یہ الفاظ کہتے وقت وہی اعتقاد تھا جو فرعون کا تھا جب اس نے انا ربکم الاعلی کہا تھا۔

ابن سالم نے جواب دیا : انہوں نے یہ الفاظ بالضرور کہے ہیں ۔ مجھے کیا ضرورت کہ یہ معلم کروں کہ ان کی مراد کیا ہے۔ صرف اتنے سے ہی ان پر کفر لازم آتا ہے۔

(شیخ فرماتے ہیں) میں نے اس کے جواب میں کہا۔ جب تمہارے لئے یہ ممکن نہیں کہ تم اس بات کی شہادت پیش کر سکو کہ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے کیا مراد تھی تو تمہارا ان کو کافر قرار دینا (ص۳۹۱)غلط ہوا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے اس قول کے سلسلے میں کچھ ایسی باتیں ہوں جنہیں وہ پہلے بیان کر چکے ہوں اور اس کی بنا پر انہوں نے بعد میں سبحانی سبحانی کہا ہو اور ان کی مراد یہ ہو کہ وہ ان الفاظ کو اللہ تعالی کی طرف سے بطور حکایت پیش کر رہے ہوں۔ اس لئے کہ جب ہم کسی شخص کو یوں کہتے سنیں

لا اله الا أنا فاعبدون (سورة الانبیاء : ۲۵)

(میرے سوا کوئی معبود نہیں لهذا میری پرستش کرو)

تو ہمارے دل میں اس کے سوا کبھی اور خیال نہ آئے گا کہ وہ قرآنی آیت پڑھ رہا ہے یا یہ کہ وہ اللہ تعالی کی ان صفات کا ذکر کر رہا ہے جو خود اللہ نے اپنے متعلق بیان کی ہیں ۔

اسی طرح اگر ہم ابویزید رحمہ اللہ یا کسی اور شخص کو سنتے رہیں کہ وہ لگاتار سبحانی سبحانی کہہ رہا ہے تو ہم یقیناً یہی خیال کریں گے کہ وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہ ہو گا نیز یہ اور یہ خیال کریں گے کہ وہ اللہ کی ان صفات کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ تعالی نے اپنے لئے بیان کی ہیں لهذا جتب واقعہ یوں ٹھہرا اور بات اسی طرح ہے جس طرح ہم نے بیان کی تو تمہارا ایسے شخص کو کافر قرار دینا جو اپنے زهد ، عبادت ، علم اور معرفت کے اعتبار سے لوگوں میں مشہور ہے محال ترین امور میں سے ہوگا میں اس حکایت کے متعلق دریافت کرنے کیلئے بسطام گیا اور ابویزید رحمہ اللہ کے گھر والوں میں سے بہت سے لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کیا تو سب نے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ہمیں اس قسم کی کسی بات کا علم نہیں ۔

اگر یہ قصہ لوگوں میں مشہور نہ ہو گیا ہوتا اور لوگوں نے اپنی تصانیف میں اس کا

ذکر نہ کر دیا ہوتا تو میں اس کا کبھی بھی ذکر نہ کرتا ۔

میں نے ان ہی ابن سالم رحمہ اللہ سے سنا جب وہ اپنی ایک مجلس میں ابو یزید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے کہا : میں نے اپنا خیمہ عرش کے بالمقابل لگایا ۔ یا کہا : عرش کے پاس لگایا ۔

ابن سالم کہہ رہے تھے کہ یہ کلمہ کفر ہے اور اس قسم کے الفاظ صرف کافر ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں ۔

ابن سالم رحمہ اللہ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ابویزید رحمہ اللہ یہودیوں کے گورستان کے پاس سے گزرے تو کہا : یہ لوگ معذور ہیں اور جب مسلمانوں کے گورستان کے پاس سے گزرے تو کہا : یہ لوگ دھوکا کھانے ہوئے ہیں ۔

ابن سالم رحمہ اللہ اپنی بزرگی کے باوصف ابویزید پر طعن کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے تھے اور ان کلمات کی بنا پر ابویزید رحمہ اللہ کو کافر قرار دیتے تھے ۔

یہ حال دیکھکر میں نے ان سے کہا : خدا آپ کو عافیت عطا کرے ۔ ہمارے علاقہ کے علماء ابویزید رحمہ اللہ کی قبر کو آج تک باعث برکت سمجھتے چلے آئے ہیں اور متقدمین مشائخ کے متعلق بھی انہوں نے یہی بتایا ہے کہ وہ ان کی زیارت کیا کرتے اور ان کی دعا سے برکت حاصل کیا کرتے اور ان کے نزدیک ابویزید جلیل القدر عابدوں ، زاھدوں اور اھل معرفت میں سے ھیں اور بیان کرتے کہ ابویزید (ص۳۹۲)رحمہ اللہ اپنے معاصرین سے ورع ، اجتہاد اور دائمی ذکر کی وجہ سے فوقیت لے گئے تھے ۔

ان کی نسبت بعض لوگوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ انہوں نے انہیں خود دیکھا ہے کہ اللہ کا ذکر کرتے کرتے اللہ کے خوف اور اللہ کی پیوستہ تعظیم کرنے کی وجہ سے ان کے پیشاب میں خون آنے لگا تھا ۔ محض ایک حکایت کی بنا پر جو لوگوں نے ان کے متعلق بیان کی ہے انہیں کیسے کافر قرار دے سکتے ہیں جب کہ ھمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کے الفاظ کے کہنے سے ان کی کیا مراد تھی اور نہ ھی ھمیں یہ معلوم ہے کہ جب انہوں نے یہ الفاظ کہے اس وقت ان کی کیا کیفیت تھی ۔ ان کے جو الفاظ ھم تک پہنچے ھیں ان کی بنا پر ھم صرف اس وقت حکم لگا سکتے ھیں جب ھماری کیفیت بھی وھی ھو جو ان کی تھی ، وھی وقت ھو جو ان پر گزر رھا تھا اور اسی قسم کا ،،وجد،، حاصل ھو جو ان کو حاصل تھا ۔ کیا اللہ تعالی نے ھمیں یہ حکم نہیں دیا ۔

(٦١٠)یا أیها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم

(مسلمانو ج بیشتر بدگمانیوں سے بچتے رھا کرو کیونکہ بعض بدگمانیاں گناہ ھوتی ھیں)

یہ وہ مناظرہ ہے جو میرے اور ابن سالم کے درمیان ان کی مجلس میں ان حکایات کی بنا پر ہوا جنھیں وہ ابویزید رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا کرتے تھے ۔ یا ان معنوں کے بارے میں یا قریب قریب ان کے کسی اور معنوں پر گفتگو ہوتی ۔

اب لیں ان کا یہ کہنا : "میں نے اپنا خیمہ عرش کے بالمقابل یا عرش کے نزدیک لگایا"۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ تمام مخلوق اور کون اور تمام وہ اشیاء جنھیں اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے عرش کے نیچے اور عرش کے بالمقابل ھیں لہذا ان کا یہ کہنا کہ میں نے عرش کے بالمقابل خیمہ لگایا اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے اپنے خیمے کا رخ مالک عرش کی طرف کیا ۔ دنیا بھر میں کہیں ایک قدم بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جو عرش کے بالمقابل نہ ہو لہذا اس مخالف کیلئے اس قول میں نکتہ چینی کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

رہا ان کا وہ قول جو انہوں نے یہودیوں کے قبرستان سے گزرتے وقت کہے کہ "یہ معذور ھیں"۔ ان کا مراد یہ ہے کہ "گویا یہ معذور ھیں"۔ کیونکہ بایزید رحمہ اللہ نے جب اللہ تعالی کے اس ازلی حکم کی طرف نگاہ ڈالی جس میں اللہ نے ان کیلئے ابدی بختی اور یہودیت کا فیصلہ کر لیا تھا حالانکہ ان کی طرف سے ازل میں کوئی فعل ابھی سرزد ھی نہ ہوا تھا کہ اللہ نے ان کی قسمت میں اپنی ناراضگی لکھ دی تھی لہذا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اللہ کے مبغوض بندوں کے اعمال کے سوا کوئی اور عمل کریں گویا یوں سمجھیں کہ وہ اس میں معذور تھے مگر نوشتہ تقدیر اور فرمودۂ کتاب اور عزیر علیہ السلام کے متعلق ان کا یہ کہنا :

(۶۸۱)عزیر ابن اللہ (عزیر اللہ کے بیٹے ھیں)

اور (۶۱۲)نحن أبناء الله و أحباؤه (ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ھیں)

کہنے میں وہ معذور نہ تھے ۔ اللہ تعالی نے جو حکم کر دیا اس میں وہ عادل ھیں اور جو کچھ لکھ دیا ہے اس میں (ص۳۹۳)صاحب حکمت ۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے اس کی بازپرس نہیں ہو سکتی مگر مخلوق سے بازپرس ہوگی ۔

اب ان کا وہ قول لیجئے جو انہوں نے مسلمانوں کے قبرستان سے گزرتے ہوئے کہا (وہ دھوکا کھائے ہوئے ھیں ۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے واقعی ایسا کہا ہے تو ایسا معلم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ عام مسلمانوں کا یہی دستور ہے کہ ان کی نگاہ اپنے اعمال پر ہوتی ہے اور اسی بات کی امید لگائے ہوتے ھیں کہ وہ اپنی کوشش کی بنا پر نجات پائیں گے ۔ نیز ابویزید رحمہ اللہ نے یہ بھی دیکھا کہ شاذ و نادر کوئی اس قسم کے خیال سے بچ سکا ہے لہذا انہوں نے ان کو "دھوکا کھائے ہوئے" کہہ کر پکارا ۔ کیونکہ تمام مخلوق کے

اعمال کو اگر اللہ تعالی کی ان نعمتوں کے مقابلے میں رکھا جائے جو اللہ نے ان پر کی ہیں مثلا یہ کہ اللہ نے انہیں اپنی راہ پر چلایا ، ان کے دلوں کو اللہ پر ایمان لانے اور اس کی وحدانیت کی معرفت سے مزین کیا تو اس کے تمام اعمال باطل اور فنا ہو جائیں گے ۔ ہر حرکت جو کائنات میں پیدا ہوتی ہے یا ہر سانس جو مخلوق لیتی ہے اس کی ابتدا اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور انتہا بھی اسی پر ہوتی ہے ۔ لہذا جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ اللہ کے فضل اور وسیع رحمت کے بغیر ہی نجات پا جائے گا وہ دھوکا کھائے ہوئے ہے اور وہ تباہ ہونے والا ہے ۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سید انبیاء اور امام اتقیاء صلی اللہ علیہ و سلم خود فرماتے ہیں :

کسی شخص کو بھی اس کے اعمال نجات نہ دلا سکیں گے ۔

صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ کیا آپ بھی ۔

آپ نے جواب میں فرمایا : میں بھی اپنے اعمال کی بنا پر نجات نہ پا سکوں گا البتہ اگر اللہ تعالی مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیں (تو نجات پا سکوں گا) ۔

لہذا علماء کی طرف سے عناد اور اس بات کی جسارت کرنا کہ وہ ان لوگوں پر جن کے اعضاء علم و ادب کے ساتھ مضبوط اور مقید ہوں محض ایک حکایت کی بنا پر یا ایسے کلام کی بنا پر جو فی الحال سمجھ میں نہ آ سکتا ہو نکتہ چینی اور بدگوئی کرنا عالم کی لغزش اور دانا کی غلطی اور عقلمند کی واضح خطا ہو گی کیونکہ بعض اوقات دانا آدمی کے پاس کلمہ غلط صورت میں پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض اوقات دانائی کی بات چل پڑتی اور اس وقت ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو اس کے معانی سمجھ نہیں سکتے اور نہ اس کی فہم متکلم کی مراد تک پہنچ سکتی ہے لہذا ان کی زبان پر اصل مفہوم کے بالکل برعکس الفاظ چڑھ جاتے ہیں ۔ اور ان لوگوں کے نزدیک جو ان کا مقصد نہیں جانتے اور انہیں حکیم کے معانی میں مشکل پیش آتی ہے اور اسے حکیم کے مرتبہ کا بھی علم نہیں ہوتا اور نہ وہ لوگوں سے اس کے کلام کی وضاحت کرا لیتا ہے اور اس سے حکیم پر غلطی کا الزام دے دیا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشکل علوم گہری فہم ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں اور جو تصحیف (ص۳۹۴)حکمت کے کلمہ میں واقع ہوتی ہے وہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک اس طرح کہ حروف میں تصحیف واقع ہو اور یہ آسان ،،تصحیف ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ حروف کے معنی کو بگاڑا جائے اس طرح کہ حکیم کوئی بات اپنے وقت اور حال کے مطابق کہتا ہے مگر سننے والا اس ،،وقت،، اور اس ،،حال،، سے بے خبر ہوتا ہے لہذا وہ ان کلمات کے معانی کو بگاڑ دیتا ہے اور وہ ان کی وہ تشریح کرتا ہے جو اس کے اپنے حال ، وقت ، مقام اور وجد کے مناسب ہو لہذا وہ یہ غلطی کرکے تباہ ہو جاتا ہے ۔

میں نے ابوعمرو بن علوان کو فرماتے سنا کہ انہوں نے جنید رحمہ اللہ کو یوں فرماتے

سنا : میں نوجوانی کے عالم میں صوفیاء کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور ان سے ایسا کلام سنتا جس کا مفہوم میں سمجھ نہ سکتا تھا مگر میرا دل اس بات سے بچا رہا کہ میں ان کی باتوں کا انکار کروں ۔ اسی کی بدولت مجھے جو کچھ ملا ملا ۔

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس مناظرے کے بعد جو بازید رحمہ اللہ کے کلام کے بارے میں میرے اور ابن سالم کے درمیان ہوا میں بصرہ میں ابن سالم کی مجلس میں تھا تو ایک دن انہوں نے سہل بن عبداللہ کی نسبت بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا :
(محض) زبان سے اللہ کا ذکر کرنا هذیان (یاوہ گوئی) ہے اور دل سے اللہ کا ذکر کرنا وسوسہ ہے کسی نے اس کے متعلق ابن سالم سے سوال کر دیا تو ابن سالم نے جواب دیا : ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ بندے کو مذکور یعنی (اللہ تعالی) کے ساتھ قائم ہونا چاہئے نہ کہ ذکر کے ساتھ ۔

اس کے بعد ایک اور مجلس میں انہوں نے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا کہ انہوں نے کہا : میرا آقا نہیں سوتا اور میں بھی نہیں سوتا ۔
اس پر میں نے ان کے ایک خاص مرید سے ذکر کیا کہ اگر تمہارے شیخ ابو یزید رحمہ اللہ کی نسبت سہل بن عبداللہ کی طرف زیادہ مائل نہ ہوتے تو (وہ انہیں بھی نہ چھوڑتے) اور انہیں خطاوار قرار دیتے جس طرح انہوں نے بایزید کو خطاوار ٹھہرایا ہے اور تمہاری موجودگی انہیں اس کلام کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے جو ان سے حکایت کیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ جو کلام انہوں نے سہل رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا ہے اور سہل اس کے امام اور اس کے بہترین شخص ہیں ۔ اگر مخالف چاہے تو اس پر جرح کرنے کی گنجائش نکال سکتا ہے اور جو شخص یہ جانتا ہو کہ سہل سے مروی کلام کے کوئی ایسے صحیح معنی نکل سکتے ہیں جو ان معانی سے مختلف ہیں جو معاند طعن کی غرض سے نکالتا ہے تو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو کلام انہوں نے بایزید کے متعلق بیان کیا ہے اس کی بھی کوئی ایسی وجہ نکل آئے جو اس وجہ سے مختلف ہو جس میں انہیں کافر اور خطاوار قرار دیا (ص۳۹۵) جاتا ہے ۔ ان سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا ۔

یا انہوں نے ایسی بات کہی جس کے قریب قریب یہی معنی ہیں ۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کو عصمت ، تائید ایزدی ، انوار نبوت ، مکالمہ الٰہیہ اور رسالت کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہوتا یہاں تک کہ اللہ نے انہیں

توفیق عطا کی اور صحیح راستے پر قائم رکھا چنانچہ انہوں نے خضر کے ان افعال کا انکار کیا جنہیں وہ خضر سے سرزد ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے مثلا قتل نفس جسے اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے اور قتل اعظم کبائر میں سے ہے مگر پھر بھی خضر نے یہ پسند نہ کیا کہ موسی انہیں کہیں

(٦١٣)أقتلت نفساً زكية بغير نفس لقد جئت شيئاً نكرا

(کیا تو نے ایک پاک نفس کو بدون اس کے کہ اس نے کسی نفس کو قتل کیا ہو قتل کر ڈالا ہے۔ تو نے بڑی بری بات کی ہے)

اور پھر خضر کا اس کے جواب میں کہنا پڑا :

(٦١٤)ألم أقل لك إنك لن تستطيع معي صبراً

کیا میں نے تجھے پہلے ہی نہ کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ (رہ کر) صبر نہ کر سکو گے

اور پھر موسی علیہ السلام کو یوں کہنا پڑا :

(٦١٥)ان سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني قد بلغت مني عذرا

اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنی صحبت میں نہ رہنے دیں (اور ایسا کرنے میں) آپ میری طرف سے معذور ہوں گے

حالانکہ موسی علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ خضر نے ایک انسان کو قتل کیا اور قتل نفس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اور اس پر قصاص کا حکم دیا ہے۔ لہذا ان پر واجب تھا کہ وہ خضر سے قصاص کا مطالبہ کرتے ، ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے اور ان کی صحبت میں رہنا جائز نہ سمجھتے مگر اللہ تعالی کی عنایت ، اللہ کا انہیں مخصوص بنانا ، انہیں راہ راست پر قائم رکھنا اور توفیق خداوندی جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتی تھی موسی علیہ السلام اور ان امور(٦١٦) کے درمیان حائل ہوئی۔

ہر ولی اور صدیق کا بھی قیامت تک یہی حال رہے گا مگر کسی ولی یا صدیق کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ درجات نبوت میں سے کسی ایک درجہ تک پہنچ سکے۔ خدا ھی درست بات کی توفیق دینے والا ہے۔

ابویزید رحمہ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے مسجد یا رباط کی دیوار کے سوا کسی دیوار کے ساتھ سہارا نہیں لگایا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایام عید کے علاوہ انہیں کسی نے روزے کے بغیر نہیں دیکھا تاآنکہ وہ واصل بحق ہوگئے اس قسم کے واقعات ان کے متعلق بہت ھیں۔

٨ ۔ باب

شبلی کا ایک کلام اور اس کی تشریح

شیخ رحمه الله فرماتے ھیں : میں نے ابو عبدالله بن جابان کو یوں کہتے سنا :
(ص۳۹٦)ایک سال میں قحط کے زمانہ میں شبلی رحمه الله کے پاس گیا اور سلام کیا جب میں روانہ ہونے کیلئے اٹھا تو مجھے اور میرے ساتھیوں کو یوں کہتے گئے تاآنکہ ہم گھر سے باہر نکل آئے :

جاؤ ، تم جہاں بھی ہوگے میں تمہارے ساتھ ہوں گا ۔ تم میری حفاظت اور نگہبانی میں ہوگے ۔

شیخ فرماتے ھیں : اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ تم جہاں بھی ہوگے الله تمہارے ساتھ ہوگا اور وہی تمہاری حفاظت اور نگہبانی کرتا ہوگا اور تم اس کی حفاظت اور نگہبانی میں ہوگے ۔

اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ان کے دل پر تجرید توحید اور حقیقت تفرید غالب تھی لہذا وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا نفس فنا ہو چکا ہے اور جب صاحب وجد کی یہ کیفیت ہو اور اس حالت میں أنا (میں) کہے تو وہ اپنے وجد کو بیان کر رہا ہوتا ہے اور اس حالت کی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے جو اس کے باطن پر غالب آ چکی ہے لہذا جب وہ "أنا" کہتا ہے تو وہ اس مشاھدہ کی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہوتا ہے جو اسے اپنے آقا کے قریب کر رہی ہوتی ہے ۔

میں نے حصری رحمه الله کو شبلی رحمه الله کی نسبت بیان کرتے سنا وہ فرما رہے تھے اگر میں اپنی ذات کا موازنہ یہود و نصاری کی ذلت کے ساتھ کروں تو ان کے مقابلے میں میری ذلت کہیں زیادہ ہو گی ۔

اگر کوئی یہ سوال کرے اور کہے کجا یہ حکایت اور کجا پہلی حکایت ۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا دونوں حکایتیں درست ھیں مگر دونوں کے وقت مختلف ھیں ۔ چنانچہ ایک وقت تو وقت ہے جس میں وہ پاک مشاھدہ کے ساتھ مخصوص کئے گئے تھے لہذا انہوں نے اپنی وجد کی کیفیت اور حقیقت کا خاص اخلاص اور خالص توحید کے ساتھ ذکر کر دیا اور دوسرا وقت وہ وقت تھا جس میں شبلی رحمه الله اپنی بشری صفات ، بشری کمزوری اور انسانی ذلت کی طرف لوٹا دئے گئے تھے لہذا اس وقت ان کی جو کیفیت

تھی انہوں نے اسے بیان کر دیا جیسا کہ یحیی بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

عارف جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو فخر کرتا ہے مگر جب اپنا ذکر کرتا ہے تو محتاج و حقیر بن جاتا ہے اور یہ تشریح علم میں موجود ہے۔

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

مجھ پر ایسا وقت بھی گزرتا ہے جس میں اللہ کے سوا کوئی اور چیز سما نہیں سکتی

نیز فرمایا :

میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور میں یہ بات (٦٦٨) بطور فخر نہیں کہہ رہا ۔

اور (دوسری طرف) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

تم مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر (بھی) فضیلت نہ دو۔ میں تو ایک عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی

ان دونوں روایتوں میں کس قدر فرق اور دونوں وقتوں میں کس قدر تفاوت ہے ۔ واللہ اعلم ۔

(ص۳۹۸)جو بات ہم نے کہی ہے اس کے بالمشابہ وہ حکایت ہے جو شبلی رحمہ اللہ کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے روٹی کا ٹکڑا لیا اور کھا گئے ۔ پھر فرمایا : میرا نفس مجھ سے روٹی کا ایک ٹکڑا مانگ رہا تھا ۔ اور اگر میرا باطن عرش اور کرسی کی طرف بھی متوجہ ہو تو جل جائے ۔

یا اسی قسم کی کوئی اور بات کہی ۔

عرش و کرسی کی طرف اپنے باطن کی توجہ سے مراد یہ ہے کہ وحدانیت اور قِدَم میں ان چیزوں کا ان کے باطن پر کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا کیونکہ عرش و کرسی مخلوق اور حادث چیزیں ہیں یعنی یہ کہ پہلے یہ موجود نہ تھیں بعد میں پیدا ہوئیں ۔

شبلی رحمہ اللہ کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے ابویزید بسطامی رحمہ اللہ کے متعلق دریافت کیا گیا اور ان کے سامنے ابویزید رحمہ اللہ کے وہ اقوال پیش کئے گئے جو ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں تو شبلی رحمہ اللہ نے کہا :

اگر ابویزید یہاں موجود ہوتے ہمارے کسی ایک بچے کے ہاتھ پر ایمان لے آتے اور (ساتھ ہی یہ بھی) کہا : جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اگر کوئی شخص میری باتوں کو سمجھتا ہو تو میں زُنّار پہن لوں گا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : شبلی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابویزید رحمہ اللہ اپنی بزرگ حالت اور بلند اشاروں کے باوصف ابتدائی حالت سے آگے نہیں جا سکے اور میں نے ان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جو ان کے کمال اور منتہی ہونے کا پتا دیتا ہو ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اس علم معرفت میں خواص سمجھے جاتے ہیں ۔ بالفاظ دیگر انہوں نے اس بات پر گرفت کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہی خیال کرتا ہے کہ اس کا ”حال“ تمام احوال سے اونچا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی ان پر غیرت کھاتے ہوئے ان سے (ایسے الفاظ نکلوا دیتے ہیں) تاکہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ ابویزید رحمہ اللہ کی زبان سے بہت سے ایسے کلمات نکلے ہیں جس کے سمجھنے سے ان کے زمانہ اور عصر کے سمجھدار لوگ قاصر رہے اس قول کے بعد جنید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابویزید رحمہ اللہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں جا سکے اور میں نے ان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جس سے اس بات کا پتا چلتا ہو کہ وہ انتہا کو پہنچ گئے تھے ۔ اس کے بعد شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اگر ابویزید رحمہ اللہ یہاں ہوتے تو ہمارے کسی ایک بچے کے ہاتھ پر اسلام لے آتے ۔ مراد یہ ہے کہ ہمارے ان مریدوں سے مستفید ہوتے جو اس وقت موجود ہیں ۔

کسی شیخ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا : میں بیس سال تک شبلی رحمہ اللہ کے پاس جاتا رہا مگر اس عرصہ میں میں نے ان سے توحید کے بارے میں ایک کلمہ بھی نہیں سنا ۔ ان کی تمام تر گفتگو احوال و مقامات کے متعلق ہوا کرتی تھی اور یہ سب کچھ اس حقیقت کی بزرگی کے مقابلہ میں جس کی طرف صوفیاء اشارہ کرتے ہیں کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ حقیقت توحید کی نہ غایت ہے نہ انتہا ۔ ان میں سے ہر ایک اس سمندر میں غرق ہو چکا ہے جس کی حد بیان نہیں کی جا سکتی اور نہ کوئی اس کی انتہا کو سمجھ سکتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ۔

۹ ۔ باب

شبلی رحمہ اللہ کے ایک بیان کی تشریح

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کسی شخص نے بیان کیا کہ میں شبلی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو انہیں یوں کہتے سنا :

اللہ تعالی نے زمین کو حکم دیا کہ گزشتہ ایک یا دو ماہ کے دوران اگر اس نے

میرے اندر کوئی ایسی فالتو جگہ دیکھی ہو جس میں میکائیل اور جبرائیل کے ذکر کی گنجائش ہوتی ہو تو وہ مجھے نکل جائے ۔

میں نے حصری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : شبلی رحمہ اللہ مجھے کہا کرتے تھے ۔ اگر تمہارے دل میں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کا خیال گزر جائے تو مشرک ہو گیا

میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگوں نے جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام کی خصوصیت کی بنا پر شبلی رحمہ اللہ کے ان اقوال کو ناپسند کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

میں نے جبرائیل کو ایک بوسیدہ ٹاٹ کی طرح دیکھا جس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کا علم میرے علم سے زیادہ ہے اور ان کی خشیت (خوف) الٰہی میری خشیت سے زیادہ ہے۔

یا جو الفاظ بھی آپ نے فرمائے ہوں۔

یہ لوگ کہتے ہیں : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان دونوں کو اپنی ذات پر فضیلت دی ہے تو پھر کسی اور کیلئے اس قسم کے الفاظ کہنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

شیخ کہتے ہیں : میں کہتا ہوں اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔ کہ صاحب وجد اور ذکر الٰہی کے دیوانوں کا کلام کبھی مجمل ہوتا ہے اور کبھی مفصل اور مخالف کو مجمل کلام پر نقطہ چینی اور طعن کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے مگر مفصل کلام پر ایسا نہیں کر سکتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مجمل کلام میں مقدمہ کے طور پر کچھ اور کلام بھی ہوتا ہے جو سننے والے تک نہیں پہنچا ہوتا اور مفصل کلام میں واضح طور پر تشریح کی گئی ہوتی ہے مگر مجمل کلام ایسا نہیں ہوتا اور یہ کلمات جو شبلی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ایک مجمل کلام ہے جس کے کچھ مقدمات ہیں ۔ لہٰذا جب عقلمند انسان ان مقدمات کو سن لیتا ہے تو اسے شبلی رحمہ اللہ کا کلام قابل طعن معلوم نہیں ہوتا ۔ اور اگر وہ ان مقدمات کو جو ان کے کلام سے پہلے مذکور ہو چکے ہوں نہیں سنتا تو اغلب یہی ہے کہ وہ ان پر نکتہ چینی کرے گا اور اس کا دل اسے ناپسند کرے گا میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی وضاحت اس حکایت میں پائی جاتی ہے جس کی روایت ابومحمد نسّاج رحمہ اللہ (ص۳۹۹) نے کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس بیان کے تمام مقدمات کا ذکر کیا ہے جس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں اور لوگوں کی ناپسندیدگی کا ازالہ کر دیا ہے۔

حکایت یہ ہے کہ ایک شخص شبلی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اس نے شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جبرئیل کی شکل کیسی ہے ؟

شبلی رحمہ اللہ نے جواب دیا : میں نے ایک روایت میں سنا ہے کہ جبرئیل کو سات سو زبانیں آتی ہیں اور ان کے سات سو پر ہیں ان میں سے دو ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو پھیلا دے تو مشرق کو ڈھانپ دے اور اگر دوسرا بھی پھیلا دے تو مغرب کو بھی ڈھانپ دے لہذا تمہارا اس فرشتے کے متعلق یہ سوال کرنا جس کے صرف دو پروں کے درمیان ساری دنیا غائب ہو جائے کیا معنی رکھتا ہے۔

اس کے بعد شبلی رحمہ اللہ نے اس شخص سے کہا : ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کرسی کے ایک پائے کے اندر جبرئیل کی شکل یوں دکھائی دیتی ہے جیسے زرہ کے اندر زرہ کا ایک حلقہ دکھائی دیتا ہے اور کرسی ، جبرئیل اور عرش تمام کے تمام اس ملکوت کے مقابلے میں جو اہل علم کو ظاہر ہوا ہوتا ہے ریت کے اس ذرے کی طرح ہے جو بیابان کے اندر پڑا ہو۔

اس کے بعد کہا : اے سوال کرنے والے یہ وہ علوم ہیں جن کا اظہار اللہ نے کیا ہے۔ کیا جسم اس علم کے متحمل ہو سکتے ہیں یا کیا ہمارا وجود ان کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہے یا کیا عقل ان پر حاوی ہو سکتی ہے یا آنکھیں انہیں محدود کر سکتی ہیں یا کیا کانوں میں ایسی باتیں پڑ سکتیں ہیں۔ اللہ تعالی اپنی مہربانی سے ان علوم کے ذریعے ہی ان علوم کا پتا دیتا ہے اور اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اللہ تعالی نے ایک ملک اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے یعنی ملک غیب جو اس کے سوا کسی کے اندر سما نہیں سکتا اگر اس کا ایک ذرہ بھی ظاہر ہو جائے تو کوئی باسی زمین پر نہ ٹھہر سکے ، درختوں کو پھل نہ لگے ، نہ سمندر چلیں ، نہ رات تاریک ہو اور نہ دن روشن۔ اللہ حکیم اور علیم ہے کہ لوگوں میں اس کی برداشت کی طاقت نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد کہا : اے سوال کرنے والے چ تو نے مجھ سے جبرئیل اور ان کے احوال کے متعلق سوال کیا ہے لہذا میں کہتا ہوں کہ اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ اگر ایک ماہ یا دو ماہ میں میرے اندر جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کے ذکر کیلئے کوئی جگہ دیکھے تو مجھے نگل جائے۔

لہذا جب کوئی کلام ایسا ہو جس کے لئے اس قسم کے مقدمات کی ضرورت ہو جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تاکہ ان کے معنی ان سے واضح ہو سکیں اور پھر مخالف ان کا صرف آخری حصہ لے لے اور اسے (ص۳۰۰)ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اسے سمجھ نہ سکیں حتی کہ وہ اللہ تعالی کے ولیوں اور خاص بندوں کی بدگوئی کرے اور ان پر نکتہ چینی کرے۔ اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ و باللہ التوفیق۔

١٠ ـ ایک اور باب

شبلی رحمہ اللہ کے ان احوال کی تشریح جنہیں لوگوں نے ناپسند کیا ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : شبلی رحمہ اللہ کے جن امور کو لوگوں نے ناپسند کیا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ بعض اوقات شبلی رحمہ اللہ قیمتی لباس پہنتے اس کے بعد اتار کر اسے آگ میں ڈال دیتے ۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عنبر کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے آگ میں ڈال دیا اور اس کے بعد اسے گدھے کی دم کے نیچے رکھ کر اسے دھونی دی ۔

نیز یہ کہ شبلی رحمہ اللہ کہا کرتے : اگر تمام دنیا ایک بچے کے منہ میں ایک لقمہ بن کر ہوتی تو ہمیں اس بچے کی اس حالت پر رحم آتا ۔

کسی نے بیان کیا : میں شبلی رحمہ اللہ کے پاس گیا اس وقت ان کے سامنے بادام اور چینی پڑی تھی جنہیں وہ آگ میں جلا رہے تھے ۔

ان کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ کہا کرتے : میں چاہتا ہوں کہ دنیا ایک لقمہ ہو اور آخرت دوسرا لقمہ اور میں دونوں کو اپنے منہ میں ڈال لوں تاکہ مخلوق بغیر واسطہ کے رہ جائے ۔

ان کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی جائداد فروخت کر دی جس سے بہت سا روپیہ ملا مگر انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے تمام رقم کو لوگوں میں تقسیم کر دیا حالانکہ ان کے اپنے بیوی اور بچے بھی تھے مگر انہوں نے اس رقم میں سے ان کو کچھ نہیں دیا ۔

لہذا لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اور اسی قسم کی اور باتیں علم (شریعت) کے خلاف ہیں ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے ۔

(اب سوال یہ ہے کہ) اس میں انہوں نے کس شخص کی تقلید کی کہ اس نے اپنا تمام مال لوگوں کو دے دیا اور اپنے عیال کیلئے کچھ نہ چھوڑا ہو ۔

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں : اس فعل میں شبلی رحمہ اللہ کے امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اپنا تمام کا تمام (اللہ کی راہ) میں نکال دیا تھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے تو جواب دیا : اللہ اور اللہ کا رسول ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کی اس بات کو ناپسند نہیں کیا ۔

مال ضائع کرنا تو یہ ہے کہ اسے اللہ کی نافرمانی میں خرچ کیا جائے چنانچہ اگر کوئی شخص ایک دانگ بھی اللہ کی نافرمانی میں خرچ کر دے تو بھی کہا جائے گا کہ اس نے مال ضائع کیا اور اگر ایک لاکھ درہم غیر معصیت میں خرچ ہو تو یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے مال ضائع کر دیا ۔

رہیں وہ اشیاء جنہیں وہ آگ میں جلا دیا کرتے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ چیزیں ان کے دل کو اللہ سے غافل کرنے کا سبب بنتی تھیں اور اللہ تعالی نے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے :

(٦٨) و وھبنا لداؤد سلیمان نعم العبد انہ أواب اذ عرض علیہ بالعشی الصافنات الجیاد فقال انی أحببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علی فطفق مسحاً بالسوق والأعناق ۔

(ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا ۔ وہ بہت اچھے بندے تھے ۔ اور اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے ۔ جب ان کے سامنے شام کے وقت خاصے کے عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ آفتاب پردے کے پیچھے چھپ گیا ۔ (حکم دیا) انہیں میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے) ۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس تین سو عربی گھوڑے تھے ایسے گھوڑے نہ ان سے پہلے کسی بادشاہ کے پاس تھے اور نہ ان کے بعد کسی اور بادشاہ کے پاس ۔ یہ گھوڑے ان کے سامنے سے گذارے جاتے تھے ۔ ان کا دل ان کے ساتھ اتنا مشغول رہا کہ نماز عصر فوت ہو گئی ۔ اس وقت انہوں نے کہا : انہیں واپس لاؤ اور ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ۔ چنانچہ انہوں نے ان سب کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور گردنیں اڑا دیں اور اللہ نے ان کے اس فعل کو قبول فرمایا اور سورج کو اس کی اس جگہ پر لوٹا دیا جہاں وہ عصر کے وقت ہوتا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے نماز عصر ادا کی ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ۔

اسی سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ جب خندق کی جنگ

میں آپ کی نماز عصر فوت ہو گئی تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم لاحق ہوا اور کہا :

انہوں نے ہمیں نماز وسطی یعنی نماز عصر سے روکے رکھا ہے خد ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے حالانکہ اس سے پہلے کفار نے آپکو بہت سی ایزائیں دی تھیں آپکو مارا تھا ۔ دھکیلا تھا اور گالیاں بھی دی تھیں آپ پر گندگی اور خون ڈالا تھا مگر پھر بھی آپ نے انہیں بددعا نہ دی تھی اور صرف اس قدر کہا تھا : "خدایا میری قوم کو معاف کر دے کیونکہ یہ جانتے نہیں (٦١٨) ۔ مگر جب آپکا دل ان امور کے ساتھ لگا رہا جن کی وجہ سے آپکی نماز کا وقت جاتا رہا تو سخت غم کی وجہ سے بددعا کی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ (٦١٩) فعل بمقابلہ سلیمان علیہ السلام کے زیادہ کمال اور بزرگی کا حامل ہے اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سلیمان علیہ السلام کے لئے تو سورج لوٹا دیا گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایسا نہیں کیا ۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسان دین حنیف دے کر بھیجا گیا تھا لہذا آپ سے درگزر کر دیا گیا کیونکہ ایک فرض کے ادا کرنے میں لگے رہنے سے دوسرا فرض ہاتھ سے جاتا رہا تھا کیونکہ خندق کا کھودنا جہاد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے چنانچہ فریضہء جہاد نے آپکو فریضہ نماز سے روکے رکھا تو اسے درگزر کر دیا گیا مگر سلیمان علیہ السلام کو فریضہء نماز سے نہ کسی فرض نے روکا تھا اور نہ نفل نے ۔ لہذا ان سے درگزر نہ کیا گیا ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو درگزر کرنے میں جو تعظیم آپ کی پائی جاتی ہے اس میں سلیمان علیہ السلام کیلئے سورج کے لوٹانے کے مقابلہ میں زیادہ کمال پایا جاتا ہے ۔ اگر ان سے بھی درگزر کر دیا گیا ہوتا تو سورج کو نہ لوٹا دیا گیا ہوتا ۔

مزید برآں اہل حقائق کے نزدیک دنیا یا آخرت کی ہر وہ چیز جو انہیں اللہ سے غافل کر رکھے ان کی دشمن ہوتی ہے اور وہ اس سے ہر ممکن طریقے سے نجات پانا چاہتے ہیں لہذا ان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ ان کے اندر غیر اللہ کیلئے کسی قسم کی گنجائش ہو ۔

لہذا اس کی اسی طرح تشریح ہوگی ۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۔

انہوں نے یہ جو کہا ہے کہ دنیا ایک لقمہ ہوتی جسے میں کسی یہودی کے منہ میں ڈال دیتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کو اس حد تک حقیر جانتے تھے ۔ دنیا کو حقیر جاننے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے بھی زیادہ احادیث مروی ہیں ؛ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ بھی ملعون ہے

آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا : اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک پشہ کے برابر ہوتی تو اللہ اس میں سے کسی کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پینے دیتا ۔ (الحدیث) ۔

۱۱ ۔ ایک اور باب
شبلی کے ایک کلام کی تشریح

یہ وہ کلام ہے جس کے سمجھنے میں علماء اور فقہاء کو مشکل پیش آتی ہے اور وہ مکالمہ جو شبلی رحمہ اللہ اور جنید رحمہما اللہ کے درمیان ہوا

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن شبلی رحمہ اللہ نے اپنے مریدوں سے کہا :

لوگو ج میں چلتے چلتے وہاں پہنچا جہاں سے آگے کچھ نہیں ہے لہذا وہاں مجھے وراء ھی وراء دکھائی دیا ۔ پھر میں دائیں اور بائیں چلتا ہوا وہاں پہنچا جس کے آگے کچھ نہیں اور وہاں بھی مجھے وراء ھی وراء نظر آیا پھر لوٹ کر آیا تو اس تمام عالم کو اپنی خنصر کے ایک بال میں دیکھا ۔

شیخ فرماتے ہیں : ان کے مریدوں میں کچھ لوگوں کو اس کے معنی سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ شیخ ابونصر فرماتے ہیں : ان کے اس قول کا اشارہ ۔ واللہ اعلم ۔ تمام کائنات کی طرف ہے کیونکہ کرسی اور عرش دونوں (ص۳۰۳) اللہ کی مخلوق ہیں (۱۹۲) (اور یہ دنیا کی آخری) حد ہے دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں جس کے پیچھے اور مقام ہوں ۔ لا نہایت تک اور نہ ھی وہ مقام ہے جس کے نیچے اور مقام ہو اور وہ بھی لا نہایت تک چلا جائے ۔ اور کسی مخلوق کو قدرت نہیں کہ عرش و کرسی کی حد مقرر کر سکے یا اس کی صفت بیان کر سکے سوائے اس صفت کے جو اللہ نے اس کی بیان کر دی ہے۔ مخلوق کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ اس کا علم صرف اس کے خالق اور صانع کو ہے۔

اس کے بعد شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ”جب میں وہاں سے لوٹتا ہوں تو تمام عالم کو اپنی چھنگل کے ایک بال میں دیکھتا ہوں“ ۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے میں اللہ تعالی کو وہی قدرت حاصل ہے جو میری چھنگلی کے ایک بال کو پیدا کرنے میں ہے ۔

اس کی ایک اور تشریح بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات اور تمام وہ اشیاء جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے اگرچہ ان کی مسافت بہت بعید کی ہے اور ان کا طول و عرض بھی بہت ہے پھر بھی اپنے خالق اور صانع کی کبریائی اور عظمت کے مقابلہ میں ان کی حیثیت میری چھنگلی کے ایک بال برابر ہے بلکہ اس سے بھی کم۔

شبلی رحمہ اللہ کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:
اگر میں ایسا ایسا کہوں تو تب بھی اللہ (ہی اللہ) ہے اور اگر ایسا ایسا کہوں تب بھی اللہ (ہی اللہ) ہے۔ میں تو اس میں سے صرف ذرہ بھر کی تمنا کرتا ہوں۔

اس قول میں یوں معلوم ہو رہا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ اللہ تعالی کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:
و هو معهم أينما كانوا (سورة المجادلہ : ۷)
وہ (اللہ) ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں

اور یہ کہ اللہ حاضر ہے غائب نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے مگر کوئی جگہ اسے اپنے اندر نہیں لے سکتی اور نہ ہی کوئی جگہ اس سے خالی ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ ”میں تو اس میں سے صرف ذرہ بھر کی تمنا کرتا ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مخلوق کو اللہ تعالی کے اسماء اور صفات کے ذریعے اللہ سے حجاب میں رکھا گیا ہے۔ اللہ نے تو انہیں صرف اپنے اسماء اور اپنا ذکر عطا کیا ہے کیونکہ ان میں اس سے زیادہ کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اس سلسلے میں شبلی رحمہ اللہ یہ شعر پڑھا کرتے اور کہا کرتے:

فقلت أليس قد فضوا كتابي　　فقال نعم فقلت فداك حسبي

میں نے کہا: کیا انہوں نے میرے خط کو کھول نہیں لیا اس نے کہا ہاں (کھولا ہے) میں نے کہا پھر میرے لئے اسی (۶۲۶) قدر کافی ہے

ان ہی کا شعر بھی ہے:
أليس من السعادة أن داری　　مجاورة لدارک فی البلاد

کیا یہ سعادتمندی نہیں کہ اس ملک میں میرا گھر تمہارے گھر کے پڑوس میں ہے۔

اور انہوں نے یہ شعر پڑھے :

أظلت علينا منك يوماً غمامة　　اضاءت لنا برقاً وأبطى رشاشها

ایک روز تمہارے بادل نے ہم پر سایہ ڈالا جس نے بجلی تو روشن کر دی مگر اس کا چھینٹا دیر میں پڑا

فلا غيمها يجلو فييأس طامع　　ولا غيثها يأتي فيروى عطاشها

نہ تو بادل چھٹتے ہیں کہ آرزو رکھنے والا ناامید ہو کر بیٹھ جائے اور نہ ہی بارش برستی ہے کہ پیاسے سیراب ہوں۔

(ص۳۰۳)شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں تیس سال تک حدیث اور فقہ لکھتا رہا تاآنکہ صبح روشن ہو گئی اس کے بعد میں ان تمام لوگوں کے پاس گیا جن سے میں نے یہ علوم لکھے تھے اور کہا : میں تو اللہ کی فقہ چاہتا ہوں۔ مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

ان کا یہ کہنا "تاآنکہ صبح روشن ہو گئی" اس کا مطلب یہ ہے کہ انوار حقیقت اور وہ مقام واضح ہو گیا جس کی طرف حقیقی فہم ، علم اور معرفت دعوت دیتی ہے(۶۲۲)۔

اور ان کا یہ کہنا کہ "میں اللہ کی فقہ چاہتا ہوں" اس سے مراد اس علم احوال کی فقہ ہے جو ہر دم اور ہر لحظہ اللہ اور بندے کے درمیان واقع ہوتے رہتے ہیں۔

شیخ فرماتے ہیں : شبلی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ سے کہا : اے ابو القاسم ! آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کیلئے زبانی بھی اور حقیقت میں بھی اللہ کافی ہو۔

اس کے جواب میں جنید رحمہ اللہ سے کہا : اے ابوبکر ! جو سوال تم نے کیا ہے اس میں تمہارے اور اکابر کے درمیان دس ہزار مقامات آتے ہیں پہلا مقام تو یہ ہے کہ جس منزل سے تمہاری ابتدا ہوتی ہے وہ ان کے ہاں بالکل معدوم ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جنید رحمہ اللہ اپنے علم اور تمکین کی فضیلت کی بنا پر شبلی رحمہ اللہ کے حال پر نگاہ رکھے ہوئے تھے لہذا انہوں نے شبلی رحمہ اللہ کو وہ مقام(۶۲۳) دکھا دیا جس کے متعلق انہیں خدشہ تھا کہ ایسا نہ ہو کہ جو کچھ یہ کہہ رہا ہے اس کا دعوی نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ جس شخص کو قولاً بھی اور حقیقتہً بھی اللہ کافی ہو۔ اسے

اس قسم کا سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی لہذا ان کا جنید رحمہ اللہ سے یہ سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس مقام کو (نہیں پہنچے بلکہ) گردا گرد ہی گھوم رہے ہیں ۔

اسی طرح میں نے ابن علوان رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ جنید رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ شبلی رحمہ اللہ ایک مقام پر پہنچ کر ٹھہر گئے تھے اور اس کے آگے نہیں جا سکے اگر آگے نکل جاتے تو امام بن جاتے ۔

ابوعمرو فرماتے ہیں : بعض اوقات شبلی رحمہ اللہ جنید رحمہ اللہ کے پاس آکر کوئی بات پوچھتے تو جنید رحمہ اللہ اس کا جواب نہ دیتے تھے اور فرماتے : اے ابوبکر ! مجھے تمہارے اور تمہاری ثابت قدمی کے متعلق کھٹکا لگا رہتا ہے کیونکہ یہ اضطراب ، بے چینی ، تیزی ، طیش اور چھلکنا صاحب تمکین لوگوں کا کام نہیں ہے یہ تو مبتدیوں اور مریدوں کا دامھے ۔

اسی طرح شبلی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا : ایک روز جنید رحمہ اللہ نے ان سے کہا : اے ابوبکر ! تو کیا کہا کرتا ہے ؟ میں نے جواب دیا : میں تو اللہ کہا کرتا ہوں ۔ اس پر جنید رحمہ اللہ نے کہا : جا چلا جا خدا تجھے بچائے رکھے ۔

اس سے جنید رحمہ اللہ کی مراد یہ تھی کہ تو خطرناک حالت میں ہے اگر اللہ تعالی تمہیں اسی اللہ کہنے کی حالت میں غیر اللہ کی طرف توجہ کرنے سے بچائے نہ رکھے تو تمہارا کس قدر برا حال ہو ۔

شبلی رحمہ اللہ کہا کرتے : ایک ہزار گزشتہ سال کو آئندہ آنے والے ایک ہزار سال میں ضرب دو تو یہ "وقت" میرا وقت ہو گا اور تم محض وجود اور جسم سے دھوکا نہ کھانا ۔

(ص۳۰۵)وہ یہ بھی کہا کرتے : تمہارے اوقات کٹے ہوتے اوقات ہیں مگر میرے وقت کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ۔

بعض اوقات جب ان کا پیمانہ چھلک جاتا تو کہتے : میں خود وقت ہوں اور میرا وقت ایک نایاب چیز ہے اور اس وقت کے اندر میرے سوا کوئی اور انہیں ہے اور میں اسی میں مٹ چکا ہوں ۔

اور وہ یہ شعر پیش کیا کرتے :

مکین فی معاملہ مکین أمین الحق آمنہ أمین

تعازز عزہ فاعتز عزاً فقد فات الیقین (۶۲۳) من الدین

یہ صاحب تمکین ہے جو اپنے معاملہ کرنے والے کے ساتھ متمکن ہو چکا ہے۔ یہ اللہ کا امین اور اللہ ہی نے اسے امن دیا ہے۔ اس کی عزت نے قوت پکڑی لہذا وہ اپنی قوت کی وجہ سے قوی بن گیا تو پھر یقین ہاتھ سے نکل گیا ۔ اب کون صاحب یقین ہے ؟

بعض اوقات یوں فرماتے : میں نے ہر کسی کی عزت میں غور کیا تو میری عزت ان سے زیادہ نکلی ۔ اور ان کی عزت کو اپنی عزت کے اندر پایا ۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھا کرتے :

من کان یرید العزة فلله العزة جمیعاً ،

(جو عزت چاهتا ہو (اسے معلوم ہونا چاھئے کہ) تمام کی تمام عزت اللہ ہی کیلئے ہے)

اس کے بعد کہتے :

من اعتـــز بذی العز فذوا لعـــز له عز

(جس نے ذی عزت اللہ سے عزت حاصل کی تو اللہ اس کی عزت کا سبب بنے گا)

شیخ فرماتے ہیں : ان کا «وقت» فرمانا : اس کا اشارہ اس «سانس» کی طرف ہے جو دو سانسوں کے درمیان ہوتا ہے اور اس «خاطر» کی طرف جو دو خاطروں کے درمیان ہو ۔ بشرطیکہ وہ اللہ کے ساتھ اور اللہ کیلئے ہو اور یہی «وقت» ہے۔ اگر ایک «سانس» بھی ضائع ہو گیا خواہ ایک ہزار سال میں ایک بار ہی کیوں نہ ایسا ہوا ہو تو (سمجھ لو کہ) کہ اس شخص کے ہاتھ سے وہ چیز جاتی رہی ہے جسے کف افسوس ملنے سے دوبارہ نہیں پایا جا سکتا ۔ ان کی مراد یہ ہے کہ ایک ہزار گزشتہ سال اور آئندہ ایک ہزار سال ہو اور تمہارے اندر وہ سانس ہو جو دو سانسوں کے درمیان ہے تو یہ سانس ضائع نہیں جانا چاھئے ۔ طاقتور وہی ہے جسے اللہ اپنی مدد سے طاقتور بنائے لہذا اس کی طاقت کو کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا ۔ اسی طرح کمزور وہ ہے جسے اللہ تعالی اپنی طرف سے ھٹا کر کسی اور کے ساتھ مشغول کر دے تو لہذا اس جیسا کوئی ذلیل نہیں ہو سکتا ۔

ان کا یہ کہنا : «تم اشیاء سے دھوکا نہ کھانا » ۔ (تو یاد رکھنا چاھئے کہ) اللہ کے سوا جو چیز بھی ہے وہ ایک دھندلکا ہے اگر تو اس کے ساتھ دل لگا کر مطمئن ہو گیا تو تو نے دھوکا کھا لیا ۔

ان کا یہ کہنا «میں مٹ چکا ہوں» اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں «وقت» ہوں تو میں اس کیفیت میں مٹ چکا ہوں کیونکہ ان کا «میں» کہنا ان کی اپنی ذات کی طرف اشارہ نہیں ہے ۔

ان کا یہ کہنا کہ «میرے وقت کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا» اس کی وجہ یہ ہے کہ چیز میں درگزر کیا جا سکتا ہے سوائے وقت کے کیونکہ موجودہ وقت کے اندر غیر اللہ کے ساتھ مشغول اور تمام مخلوق کے ساتھ دل لگا کر مطمئن ہو جانا کبھی بھی درگزر نہیں کیا جا سکتا خواہ یہ ایک ہزار سال میں صرف ایک لمحہ کیلئے کیوں نہ ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے کہا : خدایا ! اگر تجھے اس بات کا علم ہو جائے کہ میرے اندر تیرے سوا کسی اور کیلئے کوئی جگہ باقی رہ گئی ہے تو تو مجھے دوزخ کی آگ میں جلا دینا ۔ تیرے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے۔

شبلی رحمہ اللہ کا یہ قول اور اسی قسم کے دیگر اقوال وجد کے غلبے کے وقت کہے گئے ہیں جنہیں انہوں نے اپنے «وقت» کے اندر جس طرح محسوس کیا بیان کر دیا ۔ مگر یہ کیفیات دائمی نہیں ہوتیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اس پر وارد ہوئی ہوتی ہے اور یہ «حال» وہ واردات ہوتی ہے جو اس وقت کے اندر بندے پر نازل ہوئی ہوتی ہے اور یہ حالت دائمی حالت نہیں ہوتی اور اس امر میں اللہ تعالی کی طرف سے اپنے اولیاء اور خاص بندوں پر مہربانی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ کیفیت ان پر ہمیشہ رہے تو یہ لوگ حدود اللہ اور حقوق اللہ سے بے کار ہو کر بیٹھ جائیں اور آداب و اخلاق اور مخلوق سے میل جول رکھنے سے معطل ہو جائیں ۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسول اللہ سے عرض کیا : یا رسول اللہ ! جب آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ کا کلام سنتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں مگر جب آپ کے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو پھر اپنے اپنے کام اور بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں ۔ اس کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دیا : جس حالت میں تم میرے پاس ہوتے ہوئے ہوتے ہو اگر تم اسی پر رہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کریں ۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

شبلی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے : اگر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ دوزخ اپنی اس قدر آگ اور ایندھن کے ہوتے ہوئے بھی میرا ایک بال جلا سکتی ہے تو میں مشرک ٹھہروں گا ۔ یا ۔ جو الفاظ بھی انہوں نے کہے ۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں : کسی کو جلانا جہنم کے اختیار کی بات نہیں ہے کیونکہ جہنم تو حکم خداوندی کی پابند ہے اور دوزخیوں کو جلنے کا صرف اسی قدر درد پہنچایا جائے گا جس (۱) قدر ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔

اب رہا ان کا وہ قول جس میں انہوں نے کہا : میں دوزخ کے شعلوں اور دوزخ کو کیا کروں گا میرے نزدیک تو شعلوں اور جہنم کا مسکن اسی میں ہے مراد یہ ہے کہ اللہ سے قطع

تعلق اور اللہ سے منہ موڑنے میں ہی جہنم پایا جاتا ہے کیونکہ جسے اللہ تعالی نے قطع تعلق سے شناسا کر دیا وہ اس شخص کے مقابلے میں جسے شعلوں اور دوزخ کی سزا دی گئی ہو زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوتا ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کسی قاری کو یہ آیت پڑھتے سنا :
(۲)اخسأوا فیھا ولا تکلمون

مجھ سے بات مت کرو دور ہو جاؤ اور جہنم میں جاؤ

تو سبلی رحمہ اللہ نے کہا : کاش میں ان لوگوں میں سے ایک ہوتا ۔

ان کا اشارہ غالباً اس بات کی طرف ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو جواب تو دیا لہذا شبلی رحمہ اللہ نے بھی یہی آرزو کی کہ ان لوگوں میں سے ہوتے جنہیں اللہ کی طرف سے جواب (۳) تو دیا گیا خواہ وہ آگ ہی کے اندر ہو اور یہ بات انہوں نے سخت خوف کی بنا پر کہی اس لئے کہ انہیں یہ بات تو معلوم نہیں کہ اللہ نے ان کی قسمت میں کیا لکھ رکھا ہے سعادتمندی یا بدبختی اللہ سے اعراض یا اللہ کی طرف توجہ ۔

ان کی نسبت یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی مجلس میں کہا : اللہ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر دوزخ پر اپنا تھوک پھینک دیں تو اس کو بجھا دیں ۔

جن لوگوں نے ان سے یہ الفاظ سنے انہیں اس قول کے سمجھنے میں دقت پیش آئی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا :
قیامت کے روز دوزخ مؤمن کو کہے گا (جلدی) گزر جا کیونکہ تمہارے نور نے میرے شعلے بجھا دئے ہیں ۔

اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شبلی رحمہ اللہ نے کہے ۔ ان تمام کا یہاں ذکر کرنا ناممکن ہے کیونکہ ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ کتاب لمبی ہو جائے اور عقلمند تھوڑی بات سے زیادہ بات کا پتا لگا لیتا ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کا ذکر اور لوگوں کا خلیفہ کے پاس ان کے خلاف یہ شکایت کرنا کہ وہ کفریہ کلمات کہتے ہیں ۔

ابونصر کہتے ہیں : مجھے بتایا گیا ہے کہ ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمہ اللہ الموفق کے عہد میں تھے ۔ غلام الخلیل نوری (۲) کے منکرین میں سے تھا ۔ اس نے الموفق کے پاس جبکہ وہ امیر المؤمنین تھا یہ شکایت کی کہ بغداد میں ایک زندیق شخص ہے جس کا قتل کرنا جائز ہے ۔ اگر امیر المؤمنین اس کے قتل کا حکم دیں تو اس کا خون میری گردن پر ہوگا ۔ راوی کہتا ہے کہ خلیفہ نے اسکی تلاش میں آدمی بھیجا اور اسے گرفتار کرکے لایا گیا ۔ غلام خلیل نے نوری کے خلاف گواہی دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے نوری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے : میں اللہ کا عاشق ہوں اور وہ مجھ پر عاشق ہے ۔ نوری نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اللہ کا یہ فرمان سن رکھا ہے ۔

(۳) یحبھم و یحبونہ (اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے)

اور عشق محبت سے بڑھ کر نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ عاشق معشوق سے بہرہ اندوز ہونے سے محروم ہوتا ہے اور محب محبت سے بہرور ہوتا ہے ۔

راوی کہتا ہے کہ الموفق نوری کی رقت آمیز کلام سن کر رونے لگ گیا ۔

نوری کے خلاف یہ شکایت بھی کی گئی کہ انہوں نے جب مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنا تو کہا :

یہ تو نیزے کا زخم اور موت کا زہر(۳) ہے

مگر جب کتے کو بھونکتے سنا تو لبیک کہا

جب نوری سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو کہا : جب میں نے مؤذن کو خدا سے غافل ہو کر اذان دیتے سنا تو مجھے غیرت آئی کہ باوجود اس کے کہ اس کی اجرت لیتا ہے پھر بھی خدا سے غافل ہو کر اذان دیتا ہے اگر اسے اس دنیا کی حقیر چیزوں کی یہ ادنی مقدار نہ ملتی تو یہ کبھی بھی اللہ کا نام نہ لیتا ۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے نیزے کا زخم اور موت کا زہر کہا ہے ۔ دوسری طرف اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

(۵) و ان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

دنیا کی ہر چیز اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتی ہے مگر تم اسے سمجھ نہیں سکتے

چنانچہ کتا اور اسی طرح ہر چیز بغیر ریا ، بغیر شہرت طلبی نیز معاوضہ طلب کرنے کے بغیر ہی اللہ کا ذکر کرتے ہیں ۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے وہ الفاظ کہے ۔

راوی کہتا ہے کہ ایک مرتبہ اور نوری کو خلیفہ کے پاس پیش کیا گیا اور ان کے خلاف یہ کہا گیا کہ انہوں نے کہا ہے کل رات میں اپنے گھر میں اللہ کے ساتھ تھا ۔ اس کے متعلق نوری سے دریافت کیا گیا تو فرمایا : یہ سچ ہے ۔ میں نے ایسا کہا ہے ۔ میں تو اب بھی اللہ کے ساتھ ہوں اور جب گھر میں ہوں تب بھی اللہ کے ساتھ ہوں گا ، جب جنگل میں ہوں گا تب بھی اللہ کے ساتھ ہوں گا اور جو شخص دنیا میں اللہ کے ساتھ ہوگا وہ آخرت میں بھی اللہ کے ساتھ ہوگا ۔ کیا اللہ تعالی نے یوں نہیں فرمایا :

(۱) و لقد خلقنا الانسان و نعلم ماتوسوس به نفسه و نحن اقرب اليه من حبل الوريد

(بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہمیں ان تمام امور کا علم ہے جو اس کے ذہن میں کھٹکتے ہیں اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں)

راوی کہتا ہے کہ اس پر خلیفہ نے اپنا ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیا اور کہا : آئندہ آپ کا جو دل چاہے کہیں اس کے بعد نوری نے ایسی باتیں کہیں کہ ایسی اس سے پہلے کبھی نہ سنیں تھیں جنہیں سن کر خلیفہ اور دیگر سب لوگ زار زار رونے لگ گئے اور سب بے ساختہ کہنے لگے یہ لوگ اللہ کو اوروں سے بہتر پہچانتے ہیں ۔

میں نے ابوعمرو بن علوان کو کہتے سنا کہ ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کے پاس تین سو دینار جو ان کی جائداد کو بیچ کر حاصل ہوئے ان کے پاس لائے گئے ۔ نوری یہ رقم لے کر (۲) صراۃ کے پل پر چڑھ گئے اور ایک ایک کرکے تمام دینار اس میں پھینک دئے اور ساتھ ساتھ یہ کہتے گئے : دوست ! تو مجھے اس قسم کی چیزوں سے دھوکا دینا چاہتا ہے ۔ اس پر کسی نے کہا : نوری نے برا کیا ہے اگر اس رقم کو کسی خیر کے کام میں صرف کرتا تو بہتر ہوتا ۔ اس پر میں (ابوعمرو بن علوان) نے کہا : اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ یہ رقم اسے اللہ سے ایک لمحہ کیلئے بھی غافل رکھ سکتی ہے تو اس کے لئے ضروری تھا کہ ایک ہی بار یہ ساری رقم پھینک دیتا تاکہ اسے اس آزمائش سے جلد (ص۶)چھٹکارا مل جاتا جیسا کہ اللہ نے سلیمان علیہ السلام کے متعلق بیان کیا ہے چنانچہ فرمایا :

(۲) فطفق (۳) مسحاً بالسوق والأعناق

(پھر ان پنڈلیوں اور گردنوں کو کاٹنے لگے)

میں نے اس کا ذکر اس کے مقام پر کر دیا ہے ۔

ابونصر فرماتے ہیں : ابوالحسین نوری صاحب وجد اور صاحب اشارات لطیفہ تھے ۔

ان کا کلام دقیق ہے اور انہوں نے بہت سے اشعار بھی کہے ہیں اور وہ ایک بڑے سمندر سے گھونٹ بھرا کرتے تھے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "قرب القرب" کا وہی مطلب ہے جو ہم نے "بعد البعد" کے مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ صوفیاء اس کلام کے مفہوم کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس کا مطلب قریب قریب وہی ہے جو کسی کے اس قول کا ہے ذنوب المقربین حسنات الابرار۔ مقرب لوگوں کے گناہ ابرار کی نیکیاں ہیں ۔ نیز کسی کے اس قول : مریدوں کا اخلاص عارفین کا ریا ہے ۔ کا مفہوم بھی یہی ہے ابوالحسین نوری نے یہ اشعار لکھ کر ابوسعید خراز کو بھیجے تھے :

لعمری ما استودعت سری و سره سواہ حذاراً أن تشیع السرائر

اپنی جان کی قسم میں نے اپنا اور اس کاراز غیر کے پاس نہیں رکھا تاکہ کہیں یہ رازفاش نہ ہو جائیں

ولا لاحظته مقلتای بنظرة فتشهد نجوانا العیون النواظر

میری آنکھوں نے تو اسے ایک نگاہ بھر بھی نہیں دیکھا کہ لوگوں کی دیکھنے والی نگاہیں اس کی گواہ بن سکیں

و لکن جعلت الوهم بینی و بینه رسولا فأدی ما تکن' الضمائر

لیکن میں نے وہم کو اپنے اور اس کے درمیان قاصد بنایا تو اس نے دل کے راز کو پہنچا دیا ۔

ان اشعار میں عجیب اشارے اور عجیب معانی پائے جاتے ہیں جن سے ان کے مخصوص راز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور جن سے ان کے اس وجد کا بیان ملتا ہے جسے وہ نہ تو اپنی صفت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور نہ ہی اس مکان سے متعلق کرتے ہیں جو ان کی نعت نہیں ۔

اس قسم کے اشارے نوری کے ہاں بہت ہیں جس قدر ہم نے ذکر کر دیا اسی پر اکتفا کرتے ہیں ۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باب

ابوحمزہ صوفی رحمہ اللہ کا ذکر

ابوحمزہ صوفی جلیل القدر مشائخ میں سے تھے ۔ صاحب اشارات اور صاحب عبارات تھے ان کے ہاں بھی مشکل کلام اور مشکل الفاظ پائے جاتے ہیں ۔

میں نے احمد بن علی الوجیہی کو فرماتے سنا کہ انہوں نے ابوعلی رودباری کو یوں فرماتے سنا :

ابوحمزہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ حلولی ہیں ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جب کبھی بھی کوئی آواز سنتے مثلاً ہوا کے چلنے کی آواز یا پانی کے چلنے کی آواز یا پرندے کی آواز تو وہ چلاتے اور لبیک کہتے ۔ جب لوگ ان کی باتوں کو سمجھ نہ سکے تو ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ حلول کے قائل ہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب دل لوگ نیز وہ لوگ جن کا دل ہر دم بارگاہ رب العزت میں حاضر رہتا ہے اور وہ ہر دم اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں ۔ وہ تمام اشیاء کو باللہ للہ من اللہ اور الی اللہ سمجھتے ہیں ۔ لہذا وہ جب کوئی کلام سنتے ہیں تو یوں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے یہ کلام اللہ سے سنا ہے اور یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہو سکتی ہے جو ہمہ تن اللہ کے ہو لئے ہوں۔ اور جن کا کوئی عضو بھی ماسوا کی طرف متوجہ نہ ہو جب ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو ہر بات جسے وہ سنتے ہیں یا دیکھتے ہیں اس سے انہیں اللہ کی طرف سے حقائق ہی سمجھ میں آتے ہیں ۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ ابوحمزہ حارث محاسبی کے گھر گئے ۔ حارث کا گھر خوبصورت اور ان کے کپڑے صاف ستھرے تھے ۔ ان کے گھر میں ایک شاہ مرغ بھی تھا ۔ شاہ مرغ نے بانگ دی جسے سن کر ابوحمزہ نے چیخ ماری اور کہا : آقا میں حاضر ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ دیکھکر حارث کو غصہ آیا اور چھری لی اور کہا اگر تو اس سے توبہ نہیں کرے گا تو تجھے ذبح کر ڈالوں گا ۔ ابوحمزہ نے جواب میں کہا : جب تو اس حالت کو جس میں میں ہوں صحیح طور پر سن ہی نہیں سکتا تو پھر تو بھوسی اور خاکستر دونوں کو ملا کر کیوں نہیں کھاتا ۔ تمہارے اور تمہارے (؟) اچھے کھانے کھانے اور شاندار عمارت اور لباس کے درمیاں کونسی چیز حائل ہے ان کی اس سے یہ مراد تھی کہ تمہارا میری حالت کا انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری حالت مریدوں اور مبتدیوں کی سی ہے اور (برعکس اس کے) اپنی ذات کو ان امور کیلئے وسعت دے دینا اور ان وسعتوں میں فراخی سے داخل ہونا انبیاء اور صدیقین کی حالت کی طرح ہے جنہیں ان وسعتوں میں داخل ہونے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ۔

ابوحمزہ کے متعلق مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے پاس ایک خراسان کا رہنے والا شخص آیا اور اس نے ان سے امن کے متعلق کوئی سوال کیا تو ابو حمزہ نے بے باکانہ کہا : میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اگر اس کے دائیں ہاتھ پر تکیہ ہو اور بائیں پر درندہ تو اسے اس بات کی پرواہ ہی نہ ہوگی کہ اس نے کس پر تکیہ لگایا ہے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ وہ یہ بات اپنے متعلق کہہ رہے تھے ۔ ان کے خیال میں امن میں وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی یہ کیفیت ہو۔ خراسانی نے یہ سن کر کہا یہ تو ڈینگ ہے۔ علم کی بات پیش کرو۔ پھر کہا : ارے بدبخت یہ لو۔ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جو اگر مغرب میں ہو اور مشرق کو جانا چاہتا ہو تو اس درمیانی فاصلہ میں اس کے باطن میں کوئی تغیر واقع نہ ہوگا ۔ یہ کہکر وہ وہاں سے چل دئے ۔

راوی کہتا ہے : ابوحمزہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد چالیس دن اور چالیس رات تک میری یہ کیفیت رہی کہ میں نے نہ کچھ کھایا اور نہ اس عرصہ میں سویا یہاں تک کہ اس آدمی کی کہی ہوئی بات مجھ پر واضح ہوگئی ۔ اس نے گویا اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ امن میں وہی شخص ہو سکتا ہے جس کی ایسی حالت ہو لہذا اس نے ابوحمزہ کے قول میں ایک اور کیفیت کا اضافہ کر دیا ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو ان لوگوں کے دعوے ہیں تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہم متقدمین کے اقوال کی توجیہ کیوں نہیں کر سکتے حالانکہ ان کے اقوال کی وجہ موجود ہوتی ہے اور اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا ہے :

(۱) وأما بنعمة ربک فحدث

(اپنے رب کی نعمت کا ذکر کریں)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے : جب اللہ تعالی کسی بندے پر کوئی انعام کرتے ہیں تو پھر یہ چاہتے ہیں کہ اس نعمت کا اس پر اثر بھی دیکھنے میں آئے ۔ اور یہ بزرگ نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اسی انعام کا اظہار کرنے کیلئے یہ الفاظ کہے ہوں اور جو شخص کوئی اور وجہ نکالے گا اسے اس کی دلیل پیش کرنی ہوگی اور وضاحت کرنی ہوگی ۔

باب

ان مشائخ کا ذکر جنہیں کافر ہونے کا الزام دیا گیا

جن سے دشمنی کی گئی اور بادشاہ کے پاس ان کی شکایت کی گئی ۔

ابونصر کہتے ہیں : جن لوگوں نے ان سے عداوت کی اور عقیدہ رکھا کہ یہ لوگ باطل پر ہیں دو طرح کے ہیں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو ان کے معانی کو جن کی طرف انہوں نے اپنے کلام میں اشارہ کیا ہے سمجھ نہیں سکتے کیونکہ ان میں گہرا علم و بلند پایہ خیالات کا ذکر تھا ۔ ان میں نہ اس قدر عقل تھی کہ انہیں روکے اور نہ دینداری تھی کہ انہیں نصیحت کرے کہ وہ ان معانی کی جستجو اور تحقیق کریں جنہیں وہ سمجھ نہیں سکے اور ان لوگوں سے ان کے معانی دریافت کریں جو اس کے اہل ہیں وہ جب اس قسم کی باتیں سن پاتے ہیں تو ان کا قیاس وہ ان علوم پر کرتے ہیں جو عوام میں رائج ہیں اور یہی بات ان کی تباہی کا باعث ہوتی ہے ۔

پھر کچھ لوگ اپنی بات سے رجوع کر لیتے ہیں اور توبہ کرکے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کچھ اسی عقیدہ پر مر جاتے ہیں ۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے ، چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کردے ۔

اور کچھ وہ لوگ ہیں جو ان صوفیاء کے مقاصد اور ان کے اقوال کے معانی سمجھتے ہیں اور انہوں نے کچھ عرصہ تک ان صوفیاء کی صحبت بھی اختیار کی ہے مگر یہ لوگ ان کی حالت کو برداشت نہیں کر سکے اور شیطان اور نفسانی خواهشات نے انہیں لیڈر بننے ، دنیا جمع کرنے اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے پر اکسایا لہذا انہوں نے ان کی عداوت کرنا شروع کر دی ۔ ان پر نکتہ چینی کی ، بدگوئی کی ، بے عقلی کی اور ان کے منکر ہوگئے تاکہ اسے دنیا جمع کرنے کا ذریعہ بنا سکیں اور عوام جہلاء میں مقبول ہو جائیں ۔ لہذا انہوں نے خواهشات نفسانی کا اسیر بننے اور شیطان (ص ۸) کے ورغلانے کی وجہ سے خونریزی ، حرام خوری ، گناہ کے ارتکاب جھوٹی گواہی دینے اور اللہ اور اس کے رسول پر افترا باندھنے کی پرواہ نہیں کی ۔ یہ لوگ اللہ کے ولیوں اور برگزیدہ لوگوں کی بدگوئی کرتے ہیں اور ان پر کفر ، زندقہ ، بدعت اور گمراہی کا الزام لگاتے ہیں اور عوام الناس میں سے بازاری اور جاہل لوگوں کو ان کا خون بہانے پر اکساتے ہیں چنانچہ اس قسم کے لوگوں نے کئی ایک ولیوں کو قتل کیا اور بہت سے ایسے لوگوں کو جو اللہ کی اطاعت گزاری کے لئے اکٹھے ہوتے تھے انہوں نے منتشر کیا ۔ اللہ نے ان سے بدتر کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر ان کے قصے اور جو دست درازیاں انہوں نے گزشتہ زمانے میں بھی اور موجودہ زمانے میں بھی ان پر کی ہیں بیان کرنے لگوں تو بات لمبی ہو جائے گی مگر ہم انشاء اللہ ایجاز و اختصار کے ساتھ اسے یہاں بیان کریں گے ۔

ان میں سے ایک واقعہ ذوالنون مصری کے ساتھ پیش آیا ۔ ان کی سلطان کے پاس شکایت کی گئی اور ان پر کفر و زندقہ کا الزام دیا گیا ۔ یہ پہنچے ۔ ان سے سوال و جواب ہوا اور انہیں باعزت طور پر واپس بھیج دیا گیا ۔

ابن الفرجی بیان کرتے ہیں کہ میں ذوالنون کے ساتھ ایک کشتی میں جا رہا تھا اور ایک اور کشتی میں بھی کچھ لوگ جا رہے تھے ۔ کسی نے ذوالنون سے کہا : یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کے خلاف سلطان کے پاس آپ کے ملحد ہونے کی گواہی دینے جا رہے ہیں ۔ اس پر ذوالنون نے کہا : اے اللہ ! اگر یہ جھوٹے ہیں تو انہیں سزا دیجئے ۔ ابھی ذوالنون نے دعا ختم نہ کی تھی کہ کشتی پلٹ گئی اور وہ تمام کے تمام ڈوب گئے ۔ میں نے ذوالنون سے کہا : فرض کر لیں کہ یہ لوگ اپنی روش میں بدکار تھے مگر ملاح کا کیا گناہ تھا ۔ جواب دیا : اس نے بدکاروں کو کیوں اپنی کشتی میں بٹھایا ۔ پھر فرمایا : جب یہ لوگ قیامت کے دن اٹھیں گے تو یہ شہید قرار دئے جائیں گے اس لئے کہ ان کی موت غرق ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی ۔ اور یہ ان کے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کا حشر بطور جھوٹے گواہ کے ہو ۔ ابن الفرجی کہتے ہیں : اس کے بعد ان پر لرزہ طاری ہوا اور کہا : خدایا ! تمہاری عزت و جلال کی قسم آئندہ تمہاری مخلوق میں سے کبھی بھی کسی کے خلاف بد دعا نہ کروں گا ۔

ایک اور فصل

سمنون کو سمنون محب کہا جاتا تھا اور وہ اپنی خوبروئی ، محبت کے بارے میں خوش گفتاری اور شیریں مقالی میں مشہور تھے ۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت ان پر مائل اور فریفتہ ہو گئی ۔ جب سمنون کو اس کا پتا چلا تو انہوں نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا ۔ راوی کہتا ہے کہ یہ عورت جنید رحمہ اللہ کے پاس گئی اور کہا : آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو اللہ کی طرف جانے کا میرا وسیلہ تھا مگر پھر اللہ تو نہ رہا اور وہ شخص رہ گیا ۔ جنید اس کا مطلب سمجھ گئے اور انہوں نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور کہا حسبنا اللہ و نعم الوکیل (ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین ہستی ہے جس کے سپرد ہم اپنے کام کر سکیں) ۔ اس کے بعد اس نے سمنون سے شادی کی درخواست کی ۔ انہوں نے اسے بھی رد کر دیا ۔ اسے پتا چلا کہ غلام خلیل ان لوگوں کا منکر اور دشمن ہے چنانچہ یہ اس کے پاس گئی اور کہا : یہ صوفی لوگ جن میں فلاں فلاں لوگ شامل ہیں ہر رات حرام کاری کے لئے میرے پاس آتے ہیں ۔ غلام خلیل نے ان کے خلاف اس بات کی گواہی دی اور کہا کہ یہ لوگ زندیق ہیں اور ان کے قتل کرنے

کا گناہ میری گردن پر ہے ۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ سلطان نے ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم جاری کر دیا تاآنکہ اللہ نے اصل راز ظاہر کر دیا اور انہیں نجات و خلاصی مل گئی ۔

اب لیں ابوسعید احمد بن عیسی خراز کو تو علماء کی ایک جماعت نے ان کا انکار کیا ہے ۔ انہیں ان کی تصنیف کتاب السر میں کچھ الفاظ مل گئے ہیں جن کی بناء پر انہوں نے ان پر کفر کا الزام لگایا ہے حالانکہ یہ لوگ ان کے معنی نہیں سمجھ سکے ۔ اور وہ یہ الفاظ ہیں :

ایک بندے نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور ذکر الہی پر لگا رہا اور اللہ کے قرب کے بارے میں ذکر کیا اور اس نے اللہ کی اس تعظیم کا مطالعہ کیا جس کا اللہ نے اسے علم دیا تھا (اس حالت میں) وہ اپنے نفس کو بھی اور ماسوا کو بھی بھول گیا چنانچہ اگر تو اس سے یہ پوچھتا کہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں کا ارادہ ہے تو وہ اس کے جواب میں صرف "اللہ" کہے گا ۔

اسی قسم کے اور الفاظ جو اس کی تصانیف اور کلام میں پائے جاتے ہیں ۔ ان کی تشریح میں نے اس باب میں کر دی ہے جو اس قسم کے اقوال کے متعلق ہے ۔

ایک اور فصل

عمرو بن عثمان مکی کے پاس ایک خاص قسم کے علم کے کچھ حروف تھے جو ان کے کسی شاگرد کے ہاتھ لگ گئے اور وہ کتاب لے کر بھاگ گیا ۔ جب عمرو بن عثمان کو اس کا علم ہوا تو فرمایا : عنقریب اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دئے جائیں گے اور گردن اڑا دی جائے گی ۔ کہا جاتا ہے کہ جس لڑکے نے یہ کتاب چرائی تھی وہ حسین بن منصور حلاج تھا اور اسی میں حلاج کی موت واقع ہوئی اور اس کے ساتھ وہی ہوا جو عمرو بن عثمان نے کہا تھا ۔

ایک اور فصل

سہل بن عبداللہ اس قدر علم اور سخت مجاہدہ کے باوجود فرماتے ہیں :

بندے پر فرض ہے کہ ہر سانس کے ساتھ توبہ کرے

ان کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا جس کے متعلق لوگوں میں مشہور تھا کہ بڑا عالم اور عبادت گزار ہے اس نے لوگوں کو سہل کے خلاف بھڑکایا ۔ انہیں کافر کہا اور ان کی

طرف قبیح امور منسوب کئے چنانچہ لوگوں نے ان پر حملہ کر دیا : ان کا تستر سے نکلنے اور بصرہ میں آکر آباد ہونے کا یہی سبب تھا ۔

ایک اور فصل

یہی حال ابو عبداللہ حسین بن مکی صبیحی کا تھا ۔ انہوں نے اسماء و صفات اور علم الحروف پر تقریر کی ۔ اس پر ابو عبداللہ زبیری نے انہیں کافر قرار دیا اور عوام کو ان کے خلاف بھڑکایا ۔ یہ دیکھکر انہوں نے بتایا کہ سہل بن عبداللہ نے انہیں کہا تھا کہ ہم نے لوگوں کیلئے هینگ کا تھیلا کھولا تھا مگر وہ اسے برداشت نہ کر سکے لہذا تو نے ان سے ایسی بات کیوں کی جسے وہ سمجھ نہیں سکتے ۔ یہی بات ان کے بصرہ سے نکلنے کا باعث بنی ۔ ان کی وفات شوستر شہر میں ہوئی اور وهیں ان کی قبر ہے ۔ مجھے کسی نے بتایا کہ ابو عبداللہ صبیحی کثرت اجتہاد اور عبادت کی وجہ سے تیس سال تک تہ خانے سے باهر نہیں نکلے اور جب علوم معارف پر گفتگو کرتے تھے تو دنیا دنگ رہ جاتی تھی ۔ اسی بنا پر لوگوں نے ان سے حسد کیا ۔

ایک اور فصل

ابوالعباس احمد بن عطا باوجود جلالت مرتبہ ، بڑے عالم ، وسیع معرفت رکھنے اور عمدہ گفتار ہونے کے ان کی شکایت سلطان کے پاس کی گئی اور انہیں کافر اور زندیق کہا گیا ۔ چنانچہ (۱) علی بن عیسی وزیر نے انہیں بلایا ، جھڑکا اور بدتمیزی سے پیش آیا ۔ ابن عطا نے کہا : ارے نرمی سے بات کرو بیان کیا جاتا ہے کہ اس پر وزیر کو غصہ آگیا اور حکم دیا کہ ان هی کا جوتا اتار کر انہیں مارو ۔ ایسا هی کیا گیا ۔ اسی سے ان کی موت واقع ہوئی ۔

ایک اور فصل

یہی حال جنید کا ہوا کہ باوجود اس کے کہ وہ بہت بڑے عالم ، متبحر اور صاحب فہم تھے اور ہر دم اوراد و عبادت میں لگے رہتے تھے اور علم و فہم اور دین کے اعتبار سے اپنے زمانے کے لوگوں پر فوقیت رکھتے تھے تاآنکہ انہیں طاؤس العلماء کہا گیا پھر بھی کئی بار دربار میں ان کی طلبی ہوئی اور گرفتار کئے گئے ۔ لوگوں نے ان کے خلاف کافر و زندیق ہونے کی گواهی دی ۔ ان باتوں کی تفصیل لمبی ہے ۔ میں نے یہ اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ کوئی شخص ان لوگوں کے متعلق اهل زمانہ کی زبان درازی اور بدگوئی سے حیران نہ ہو کیونکہ

ایسا تو قدیم سے چلا آ رہا ہے چنانچہ پہلا شخص جس کو مصائب میں مبتلا کیا گیا وہ تابعین میں سے عامر بن عبد قیس تھے ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی نے یہ شکایت کی کہ وہ اپنے آپکو حضرت ابراھیم علیہ السلام سے افضل کہتا ہے اور جن باتوں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے یہ انہیں حلال قرار دیتا ہے ۔ حضرت عثمان نے ان کے بارے میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کو لکھا ۔ عامر بن عبد قیس پالان پر بیٹھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے ۔ جب ان سے پوچھا اور انہوں نے اپنے حال کی وضاحت کر دی تو حضرت معاویہ کو ان کے مقام اور مرتبہ کا علم ہوا اور انہوں نے عامر کو اپنے وطن واپس بھیج دیا ۔

بہی حال ہر زمانہ میں بعد کے لوگوں کا ہوا لوگ انہیں دکھ دیتے ، بے عزتی کرتے ، ان کو برا جانتے اور ان سے جہالت برتتے رہے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

نحن معاشر الأنبياء اشد الناس بلاء ثم الأمثل فالأمثل

ہم کو میری مراد گروہ انبیاء سے ہے ، سب سے زیادہ تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں پھر درجہ بدرجہ جو ہم سے جتنا مشابہ ہو

چنانچہ ایک شخص کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے اگر وہ دین کا پکا ہوگا تو اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی (ص-١٠)یا جیسا آنحضرت نے فرمایا ہو ۔ اللہ بہتر جانتا ہے ۔

لہذا جو شخص اس قسم کی تکالیف میں مبتلا ہو اسے صبر کرنا چاہئے کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور صبر کشائش کی کنجی ہے۔ صبر کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پیش کئے جاتے ہیں :

ما احسن الصبر فی مواطنه والصبر فی کل موطن حسن

حسبک من حسنه عواقبه عاقبة الصبر مالها ثمن

اپنے موقع پر صبر کرنا بہت اچھا ہے ، ویسے تو صبر ہر مقام پر اچھا ہے
صبر کی صرف یہی ایک خوبی کافی ہے کہ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اور صبر کے انجام کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی ۔

باب

ابوبکر علی (۱) بن حسین بن یزدانیار کا بیان

میں نے ابو سعید (۲) بن عبد الوهاب کو کہتے سنا کہ وہ بغداد میں تھے ۔ جب ابن یزدانیار وہاں آئے ۔ وہاں کے مشائخ نے ان سے اس لئے علیحدگی کر لی کہ اس نے ان پر کفر کا الزام لگایا تھا اور ان کا انکار کیا تھا ۔ لہذا انہوں نے ان کی اس بات کا برا منایا ۔ ابن یزدانیار نے کہا میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی پھر لوگ بیچ میں پڑ گئے اور ان میں صلح کرا دی گئی ۔

ابونصر کہتے ہیں : ابوبکر ابن یزدانیار ان لوگوں میں سے تھے جو مشائخ کی صحبت میں رہے ان کے ساتھ سفر کیا اور معرفت پر گفتگو کی ، علوم معارف ، احوال مقامات کے متعلق اہم مسائل کا جواب دیا مدت تک ان کی یہی حالت رہی مگر جب اپنے وطن واپس آئے تو بندہ نفس بن گئے ، جاہ طلبی کی طرف مائل ہو گئے اور یہ چاہا کہ لوگ اور رؤسا ان کی طرف کھچے کھچے چلے آئیں اور لوگوں کے انبوہ اور سیاست کو لذیذ سمجھا ۔ پھر کیا تھا اپنے مشائخ کے متعلق زبان درازی کرنے لگے اور انہیں بدعتی ، گمراہ ، غلط کار اور جاهل کہا اور اپنی سرکشی اور فخر کی وجہ سے ان سے دشمنی کی ٹھان لی ۔ لہذا اس کی آزمائش کا وقت آگیا اور اس نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ دیا اور راندۂ درگاہ ہوا حالانکہ اس سے پہلے چند گنتی کے آدمیوں میں سے تھا ۔ انہوں نے معرفت حاصل کر لینے کے بعد ان کا انکار کیا اور ان سے تعلقات قائم کرنے کے بعد ان سے علیحدگی اختیار کی امانت کو ضائع کیا ، خیانت سے دوستانہ لگایا ، واضح راستے کو ترک کر دیا اور بھنور میں جا پھنسے ۔ ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے انہوں نے ان پر چلائے اور جو بھی بری بات ان کے ذہن میں آئی وہ ان سے کی ؛ یہاں تک کہ مختلف شہروں کو خطوط لکھے جن میں لوگوں کو ان سے بچنے کی تلقین کی اور انہیں کافر اور بدعتی کہا ۔ یہ سب کچھ جاہ اور ریاست طلبی کی خاطر کیا مگر ان تمام حیلوں سے انہوں نے صرف تھوڑی سی خوشی حاصل کی جس کا انجام طویل رنج ہوا اور خدا کی گرفت ، عار ، بدنامی ، دوزخ ، ندامت اور قیامت تک ملامت باقی رہ گئی مگر دوسری طرف اللہ تعالی نے ان اماموں اور مشائخ کی خوبیوں میں اضافہ کیا ، ان کے رتبے بلند کئے اور یہ ابد تک بغیر زوال کے جاری رهیں گے بغیر اس کے کہ اس کیلئے کوئی مدت مقرر کی جائے ۔ برعکس اس کے یہ نکتہ چین ، گناہ میں لتھڑے ہوئے ، مذموم ، خسارہ میں ، اور خسارہ والے لوگ ہیں یہ نام قیامت تک ان کے ساتھ چپکا رہے گا ۔ یہ لوگ بھٹک کر بہت دور جا چکے ہیں (ص۱۱)خدا ہمیں بھی اور تمہیں بھی اس قسم کے ابتلا سے پناہ دے ۔ علی (۱) بن عبد

الرحیم قناد اسی کے متعلق فرماتے ہیں ۔ انہوں نے اس میں ابن یزدانیار کا ذکر کیا ہے اور ان مشائخ کا بھی ذکر کیا ہے جن پر ابن یزدانیار نے طعن کیا ۔

فرماتے ہیں :

تکلفت امراً ضل عنک احتماله   فکیف تسامی والمعاناة ماله

تو نے ایک کام کا ذمہ لیا مگر تو اس کا بار اٹھا نہ سکا
لہذا تو بلندی کیسے حاصل کر سکتا ہے جبکہ تکالیف کا
برداشت کرنا اللہ کیلئے نہیں ہے

سموت بأحوال البطالة شامخاً   تزل بمن كنه البطالة حالة

تو نے باطل حالات سے اپنے آپکو بلند کرنا چاہا .
یہ احوال ان لوگوں کو جو باطل پر ہوں پھسلا دیتے ہیں

فمنهم جنيد قدس الله روحه   وأضحى نسيم القدس و هو ظلاله

ان میں سے ایک جنید قدس اللہ روحہ ہیں
ان کی یہ کیفیت تھی کہ وہ نسیم قدس کے زیر سایہ رہتے تھے

فكيف منالا لست تعرف عينه   فعالمك أرض و الجنيد هلاله

جس چیز کی تو حقیقت ھی نہیں جانتا تو اسے کیسے حاصل کر سکتا ہے ۔ تمہاری دنیا زمین ہے اور جنید اس کے چاند ہیں ۔

و طعنك في النوري أعجب مابدا   لنا منك يامن يزدريه مقاله

تمہاری عجیب ترین بات جو ہم پر ظاہر ہوئی وہ تمہارا نوری پر طعن کرنا ہے اے تو وہ شخص ہے جو ان کے اقوال کو بنظر استحقار دیکھتا ہے ۔

تبغضت أشياخ التصوف عائباً   (۲)فانك.........رجاله

تصوف کے شیوخ پر عیب لگاتے ہوئے تو نے ان سے بغض رکھا

فکیف طمعت الآن فی عیب مثلهم فانت شنار الجیش و هو جماله

تو نے اب ان جیسے بزرگوں کی عیب جوئی کی کیوں خواهش کی
جبکہ تو اس فوج کیلئے عار کا سبب ہے اور وہ جمال کا

و سمنون والمصری ذا النون بعده فرامیهما بالنقص ضل ضلاله

ان کے بعد تو نے سمنون اور ذوالنون مصری کو مطعون کیا
جو ان کو عیب دار کہے وہ خود گمراہ ہے

اذا الجعفر الخلدی لم ترع حقه فکیف یرجی خیر من (۲) ذافعاله

تو نے جعفر خلدی کے ادب کا لحاظ نہ رکھا
جس کے یہ کام ہوں اس سے بھلائی کی کیسے امید کی جا سکتی ہے

و کیف یرجی خیر من سب سیداً أشادلنا ذکراً بطیئاً زواله

جو ایسے سردار کو گالیاں دے جس نے همارا نام بلند کیا اور جو زوال پذیر نہیں اس سے بہتری کی کیسے امید ہو سکتی ہے

فان لسان الحق یبدیه معشر اذا نطقوا عنه تجلی جلاله

یہ لوگ زبان حق کو ظاهر کرتے ہیں جب حق کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو اس کا جلال جلوہ فگن ہوتا ہے

أسرهم سراً فلا السر ظاهر علی مستقر السر یخفی مجاله

اس نے ان سے ایک بات راز میں کہی لہذا یہ راز فاش نہیں ہو سکتا یہ راز اپنے مخصوص مقام پر بھی پوشیدہ رہتا ہے

قد استشعروا کتتم السرائر وامتطوا لموعده جهرا (۱) فمات ابتذاله

انہوں نے راز کو مخفی رکھنا اپنا شعار بنا رکھا ہے اور اس کے وقت تک پہنچنے کیلئے انہوں نے ایک ممنوع امر کو اپنی سواری بنا لیا لہذا اس راز کا مبتذل ہونا جاتا رہا ۔

اذا نطقوا أعجزک مومی رموزهم و ان صمتوا هیهات منک اتصاله

جب یہ گفتگو کرتے ہیں تو تو ان کے اشاروں کے مقصد کو نہیں پا سکتا
اور اگر خاموش ہیں تو ان کے اتصال باللہ
کو سمجھنا تمہارے لئے ناممکن ہے ۔

(۲) بیاناً یکشف التلبیس من کل ماکر اذا طاح فی الدعوی و طاح انتحاله

یہ وہ بیان ہے جو فریب کار کے فریب کو واضح کر دیتا ہے لہذا وہ اپنے دعوی میں بھی ہلاک ہوا اور اپنے آپکو (تصوف سے) منسوب کرنے میں بھی ۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ ابن یزدانیار شبلی کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے[۱] اور کہا : میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور آیا بھی اسی مقصد سے ہوں ۔ شبلی نے کہا : اگر ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات ہوتے تو تجھے اس قدر تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی مگر ہم دونوں میں غیریت پائی جاتی ہے ۔

راوی کہتا ہے کہ جب شبلی کو معلوم ہوا کہ اس نے صوفیہ کے خلاف زبان طعن تیز کر رکھی ہے اور وہ ان کا منکر ہے اور متقدمین مشائخ کے ساتھ متفق ہونے کا بھی انکار کر رہا ہے تو وہ اسے "ارمنی بیل" کہہ کر پکارا کرتے تھے اور جب ان کے وطن سے کوئی آتا تو کہتے اس ارمنی بیل کا کیا حال ہے ۔

میں نے وجیہی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعلی رودباری سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے ابن یزدانیار کو بغداد میں دیکھا اور ان سے کسی علمی بات کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کا بڑی خوبی سے جواب دیا ۔ اس کے بعد میں نے ان سے "یقین" کے متعلق ایک سوال کیا تو الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے اور صحیح جواب نہ دے سکے ۔ اس پر میں نے کہا : اللہ تجھ پر رحم کرے ۔ میرے سوال کا جواب دو اس نے کہا : جب تک تو اپنا قرض ادا نہ کرے گا میں جواب نہ دوں گا اور اسے یہ معلوم تھا کہ ابوعلی لوگوں سے قرض لیا کرتے ہیں ۔ ابوعلی کہتے ہیں میں نے اپنے معتقدین سے کہا : اے میرے مریدو تم یہ نہ سمجھ لینا کہ اس نے یہ بات اپنی فراست سے معلوم کر لی ہے اس لئے کہ یہ تو ایک عادت ہے (جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا) اس پر ابن یزدانیار شرمندہ اور لاجواب ہو گیا ۔

میں نے حسین بن عبداللہ فارسی کو کہتے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر فارسی کو کہتے سنا کہ میں ابن یزدانیار کے پاس گیا پھر ان کی مجلس میں بھی حاضری دی (ص۱۲)جب فارغ ہوئے تو مجھے بلایا اور کہا : تمہارا ان عراقیوں کے متعلق کیا خیال ہے ؟ ان کی مراد جنید ، نوری اور شبلی سے تھی ۔ میں نے کہا : یہ لوگ تو ارباب توحید ہیں ۔ میرا یہ جواب سن کر وہ غصے میں آگئے اور اٹھ کھڑے ہوئے ۔ ایک شخص نے جو ہماری گفتگو سن رہا تھا مجھے کہا : ارے اللہ سے ڈر اور یہاں سے اٹھ کر چلا جا بلکہ اس شہر سے بھی چلا جا اور آج رات یہاں قیام نہ کرنا ورنہ تجھے تکلیف پہنچے گی اور تم اپنے خون کے خود ذمہ دار ہو گے ۔ (اور یہ بات جو میں تمہیں کہہ رہا ہوں) میرے اور تمہارے درمیان امانت ہے۔ ابوبکر فارسی کہتے ہیں : میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا ۔ یا ۔ جیسا بھی اس نے کہا ۔

میں نے یہ واقعہ اس لئے ذکر کر دیا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ جو صوفیہ کے گروہ کو مطعون قرار دیتے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی دیندار اور امانت دار نہیں ہے۔ یہ سب لوگ دین کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والے اور دین سے نکل چکے ہوئے ہیں ۔ خدا ہمیں بھی اور تمہیں بھی اس سے اپنی پناہ میں رکھے

باب

محمد بن موسی فرغانی کا ذکر

اور

ان کے اس کلام کی توضیح جو بظاہر ناپسندیدہ ہے مگر اصل صحیح اور مستقیم ہے

میں نے واسطی کے بیشتر کلام کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اسے فصیح اور صحیح اصولوں پر مبنی پایا ہے مگر بات یہ ہے کہ ان کی بیشتر گفتگو کا مأخذ عراقیوں کا کلام ہے اور عراقیوں کی کتابوں میں ان کا بہت سا کلام درج ہے ۔ نکتہ چین ، طعن کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کو ان کے کلام میں طعن کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے ۔ میں نے ان کے کلام کے مفہوم اور مقصد کو صحیح پایا ہے اور جو مراد انہوں نے اس کلام سے لی ہے وہ صوفیہ کے اصول میں موجود ہے اور کبھی کبھی ان کے فصول میں بھی مل جاتی ہے بعینہ اسی طرح جس طرح ہم نے متقدمین مشائخ کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

مجھے کسی نے بتایا ہے کہ وہ مرو میں رہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ انہوں نے خراسان میں ان کے علم کو سمجھنے کیلئے مرو والوں سے بڑھ کر کسی قوم کو فہم رکھنے والا نہیں پایا۔

ان کے الفاظ ، فضیلت اور اشارات کے معانی کو اگر ہم ذکر کرنے لگیں تو یہ بہت ہو جائیں گے مگر جو علم مضبوط ہو اس کا تھوڑا سا حصہ بھی ہو تو وہ بڑے حصے کا پتا دیتا ہے اور اس کی معمولی بات سے بڑی بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

محمد بن موسی المعروف بہ واسطی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا :
جس نے اللہ کا ذکر کیا اس نے افترا باندھا ، جس نے صبر کیا اس نے گستاخی کی اور جس نے شکر کیا وہ اللہ سے کٹ گیا ۔ یہ قول ہو بہو ابن عطا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مگر مشہور اور کتابوں میں یہی مذکور ہے کہ یہ واسطی کا قول ہے۔

یہ کلام بظاہر قبیح کلام ہے اور نکتہ چینیوں کیلئے اس میں گنجائش نکل آتی ہے مگر جس حقیقت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے درست ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ "جس نے اللہ کا ذکر کیا بہتان باندھا" ۔ اس کے کئی احتمالات ہیں ایک یہ ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ اس نے کماحقہ اللہ کا ذکر کیا اس نے بہتان باندھا اگرچہ وہ بظاہر اللہ کا ذکر کرنے والا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ جس نے زبان سے اللہ کا ذکر کیا مگر دل سے نہیں کیا تو اس نے گویا بہتان باندھا ۔ کیونکہ بہتان کذب ہی تو ہے اور جھوٹ منافقت ہے اس طرح کہ تو اپنی زبان سے جو کہے وہ تمہارے دل کی بات کے خلاف ہو ۔ چنانچہ جب تو اللہ اکبر کہے تو تو نے زبان سے تو اللہ کا ذکر کر دیا مگر اگر تمہارے دل میں کوئی چیز اللہ سے بڑی اور عظیم ہو (ص۱۳)تو تمہارا یہ ذکر اللہ پر افترا کے برابر ہوگا ۔ اس کے یہی معنی ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جس نے یہ خیال کیا کہ اس نے اللہ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ درحقیقت اس نے ایسا کیا ہے تو اس نے بہتان باندھا ہے کیونکہ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ نے اس کے ذکر کرنے سے پہلے ہی اس کا ذکر کیا ہے۔
اور اللہ تعالی فرماتے ہیں :
(۱) ولذکر اللہ أکبر
(اللہ کا ذکر کرنا بہت بڑی چیز ہے)

اھل فہم فرماتے ھیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں ازل میں یاد کیا کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی معرفت حاصل کرو اور اللہ کا تمہیں اس امر کیلئے یاد کرنا تمہارے اللہ کو یاد کرنے سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے ان کا "من صبر اجتراً" کہنا ۔ اس کے بھی کئی احتمال ہو سکتے ھیں ۔ پہلا (۲) احتمال تو یہ ہے کہ جو آزمائش اور مصیبت اللہ کی طرف سے بندے پر آتی ہے اسے کوئی شخص برداشت نہیں کر سکتا اور جو شخص اللہ کی نازل کردہ مصیبت پر صبر کرتا ہے اور اسے برداشت کرتا ہے تو وہ اسی قدر برداشت کرتا ہے جس قدر قوت برداشت اسے دی گئی ۔ اللہ تعالی فرماتے ھیں :

واصبر و ما صبرک الا باللہ

صبر کرو مگر اللہ کی مدد کے بغیر تم صبر نہیں کر سکتے ۔

لہذا جس نے صبر کیا تو یہ صبر اس کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا اور جس نے یہ خیال کیا کہ اس نے بذات خود صبر کیا یا یہ کہ وہ اللہ کی نازل کردہ مصیبت کی ذرہ بھر مقدار کو بھی برداشت کر سکتا ہے تو اس نے گستاخی کی ۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ نازل ہونے والی مصیبتوں پر صبر کرنا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ صابر گستاخی کرنے لگے اور مدعی بن بیٹھے ۔ اور اس طرح وہ مصیبتوں اور آزمائش کو دعوت دینے والا ہوگا مگر برعکس اس کے انسان کا عاجزی کرنا اور مصائب پر جزع و فزع کرنا مصیبت زدہ کیلئے اللہ کا محتاج ہونے اور اس کے پاس پناہ لینے کا سبب بنتا ہے اور توفیق ایزدی بیم و رجا کے درمیان رہ کر حاصل ہوتی ہے جیسا کہ یحیی بن معاذ رازی کا قول ہے :

وہ گناہ جس کی وجہ سے میں اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری کروں مجھے اس اطاعت گزاری سے زیادہ محبوب ہے جس کی وجہ سے میں اللہ پر ناز کروں ۔

ان کے من صبر اجتراً کہنے سے یہی مراد ہے

ان کا "من شکر انیری کہنا" شکر نعمت خداوندی کی جزا ہوتی ہے اور جس کے دل میں یہ خیال آئے کہ اس نے اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک معمولی ترین نعمت کا بھی شکریہ ادا کیا ہے خواہ اس نے اس میں اپنی جان بھی کیوں نہ صرف کر دی ہو اور اپنی روح کو ھلاک کر دیا ہو ۔ تو وہ اللہ سے کٹ گیا مراد یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے درجے سے کٹ گیا جو اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ھیں ۔

اس کی ایک اور وجہ یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی ایک غایت اور انتہا ہوتی ہے سوائے شکر کے کیونکہ شکر بذات خود اللہ کی ایک نعمت

ہے جس پر مزید شکر ادا کرنا واجب ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ موسی علیہ السلام نے کہا : یا اللہ میں تیرا کیسے شکر ادا کروں جبکہ میرا شکر ادا کرنا بھی تیری طرف سے مجھ پر ایک نعمت ہے جس پر پھر شکر کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر اللہ تعالی نے موسی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی : اے موسی اب تو نے میرا شکر ادا کیا ہے۔

لہذا ۔انبری۔ کہنے سے مراد یہ ہے کہ شکر کرنے کی وجہ سے تمام مشاغل سے کٹ گیا کیونکہ شکر تو ایک نعمت ہے اور شکر پر شکر کرنا بھی ایک نعمت ہے لہذا یہ سلسلہ ابد تک منقطع ہونے کا نہیں۔

یہ جواب اور تشریح جو میں نے پیش کی ہے تفصیلی جواب ہے۔ اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ وہ تمام حرکات ، خیالات ، احوال اور افعال جو بندے کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان کا کرنے والا دراصل اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے جس نے اس طرف نگاہ نہ کی کہ یہ فعل تو دراصل اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہے لہذا جس نے اس طرف نگاہ نہ کی کہ یہ فعل تو دراصل اللہ کی طرف سے ہوا ہے اور وہ اس امر سے بالکل غافل ہو جائے کہ اللہ تعالی ہی نے اسے ان حرکات و خیالات پر قائم رکھا ہے لہذا جب وہ ذکر کرے گا تو بہتان باندھے گا صبر کرے گا تو گستاخی کرے گا اور اگر شکر کرے گا تو منقطع ہو جائے گا۔ و باللہ التوفیق۔

مجھے اس قدر زیادہ تشریح کرنے کی اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس علم کے ارادتمند اور جستجو کرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ داناؤں کے کلام کے ہر لفظ کے تحت خزانے ہوتے ہیں جنہیں کوئی شخص سچی جستجو ، مسلسل تھکان اور تکالیف برداشت کرنے کے بغیر نہیں پا سکتا اور کسی کیلئے مناسب نہیں (ص۱۳)کہ جب وہ اس علم کی بات سنے تو اسے اپنی رائے پر قیاس کرنے لگ جائے اور اپنے معیار سے اسے جانچے اگر ایسا کرے گا تو بھٹک جائے گا ، پھسل جائے گا اور تباہ و گمراہ ہو جائے گا اور اللہ تعالی خیانت کنندہ کے حیلوں کو صحیح راستے پر نہیں انے دیتا۔

واسطی کے مجموعہ کلام میں جو کلمات لوگوں کو ملے ہیں یا جو کلام ان کی طرف انہوں نے منسوب کیا ہے اس سے بہت سے لوگ تباہ ہوئے ہیں کیونکہ وہ اس کے معانی نہیں سمجھ سکے اور ان کے قول کا مفہوم نہیں پا سکے ان میں سے ایک وہ قول ہے جو ان کی طرف بھی اور دیگر عراقی صوفیہ کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے واللہ اعلم اور وہ قول یہ ہے :

خبردار چ کسی حبیب یا کلیم یا خلیل کی طرف نگاہ نہ کرنا جبکہ تجھے حق تعالی کی طرف نگاہ کرنے کا راستہ مل چکا ہو اس پر کسی نے یہ سوال کیا : کیا میں ان پر درود بھی نہ بھیجوں۔

جواب دیا : سازوں کے ساتھ درود بھیجو مگر دل میں یہ نہ سمجھنا کہ میں نے کوئی بڑا کام کیا ہے جس کسی نے اس فضیلت کو حقیر سمجھا اس نے غلطی کھائی۔ کتابوں میں اس کا بیان کرنا بے سود ہے اور لوگوں میں اس کا افشا کرنا بے معنی ہے کیونکہ اس قول سے لوگوں کے دو گروہ تباہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ ایک گروہ نے تو سمجھا کہ جو کچھ کہنے والے نے کہا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعظیم ، ان کے احترام اور جو شرف اور فضیلت اللہ تعالی نے ان سے مخصوص کی ہے اس کی قائل کے دل میں کمی ہے اور یہ بات اس کے اعتقاد میں نقص کی دلیل ہے کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں :

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور مال سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

ایک اور حدیث میں لا یؤمن عبد کے الفاظ ہیں۔ یا۔ جیسا بھی آپ نے فرمایا ہو۔ ایک اور گروہ ان کلمات کے معانی سے ناواقف رہا اور انہیں سمجھ نہ سکا انہوں نے جمہور صوفیہ کے خلاف زبان درازی کی (اور کہا کہ ان صوفیہ نے) انبیاء علیہم السلام کی کماحقہ تعظیم نہیں کی اور نہ ہی وہ فضیلت دی ہے جس کے ساتھ اللہ نے انہیں مخصوص کیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ الجبل کے علاقے میں عوام الناس میں سے کچھ لوگ اسی فتنے میں مبتلا ہو گئے اور یہ کہنے لگ گئے کہ فلاں جماعت تو محمدیوں کی ہے اور فلاں جماعت محمدیوں کی نہیں ہے۔

قصہ یوں ہے کہ ایک شخص جسے ابوسعید بسطامی کہا جاتا تھا ان کے ہاں آیا۔ یہ شخص دنیا کا مال اکٹھا کرنے کی غرض سے قصہ گوئی کا کام کرتا تھا اور صوفیہ کے ساتھ دشمنی رکھنے میں مشہور تھا۔ اس نے ان قصوں میں جو یہ انہیں سنایا کرتا تھا کہا کہ صوفیہ تو محمد صلی اللہ علیہ و سلم نہیں کہتے اور اس نے واسطی کا مذکورہ بالا قول بطور دلیل پیش کیا اور دیگر اقوال بھی پیش کئے یہاں تک کہ اس نے لوگوں کو اس علاقے کے صوفیہ عبادت گزار اور صالحین پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ عوام میں سے سننے والوں نے سمجھا کہ وہ ان کی خیرخواہی کر رہا ہے حالانکہ اس سے اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ صوفیہ سے عداوت کرنے لگ جائیں اور ان سے نفرت کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صوفیہ نے

اسے کارخیر سمجھے ہوئے کئی شہروں سے نکلوا دیا تھا کیونکہ یہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے خلاف بہت کذب بیانی سے کام لیتا تھا ۔ بہت سی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھتا تھا اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا اور وہ اپنے برے اعمال اور رسوا کن امور کی بہت سی روایات و حکایت دقیق بیانات اور فصیح زبان کے ذریعے سے چھپاتا تھا اور یہ دعوی کرتا تھا کہ اس کا مذہب اہل حدیث کا مذہب ہے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ سے محبت ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

اپنی امت پر مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس منافق سے ہے جو فصیح اللسان ہو ۔

صوفیہ کے ساتھ ان معاندین اور نکتہ چینیوں نے تابعین کے دور سے لے کر آج تک جو کچھ کیا ہے اس کا کسی قدر ذکر میں نے کر دیا ہے ۔ مگر اس سے صوفیہ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا ۔ اللہ تعالی خیانت کنندہ کی چالوں کو راستہ نہیں دکھاتا ۔ وہ صالحین کا والی ہے اور نیک اعمال کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیتا ۔

(ص۱۵) باب

واسطی کے قول کی وضاحت

کہنے والے کا یہ کہنا : خبردار ! کسی حبیب یا کلیم یا خلیل کو ہرگز نگاہ میں نہ لانا جب کہ تجھے حق کی طرف نگاہ کرنے کی راہ مل چکی ہے ۔

اس کی مراد ماسوا سے علیحدگی اور خالص توحید کی طرف لے جانا ہے نیز یہ کہ ماسوا کے ساتھ سکون محسوس کرنا ترک کرکے وحدانیت کا حق ادا کرو کیونکہ اللہ تعالی نے تو بہت سی اشیاء میں مخلوق میں مساوات رکھی ہے اگرچہ ان کے درجات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور وہ دین کے اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں ۔ مثلا یہ کہ تمام انسان اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ، سب پر اللہ کو قدرت ہے سب اللہ کے حکم کے تحت ہیں ۔ سب پر اللہ کی ملکیت کا نشان ہے ۔ ، محتاج ہیں ، محکوم ہیں ، عاجز ہیں ، سست ہیں ۔ مبتلا ہیں اور مغلوب ہیں ۔ اللہ تعالی ان کے ساتھ جو چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے کرتا ہے ۔ کسی کو اپنی ذات میں کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہے اور کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں ۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالی نے سید انبیاء ، امام اصفیاء اپنے پسندیدہ حبیب اور برگزیدہ رسول کو یوں فرمایا ہے :

(۱) قل لا أملک لنفسی نفعاً و لا ضرا
آپ انہیں کہہ دیں کہ مجھے اپنے آپکو نفع پہنچانے یا ضرر دور کرنے کی کوئی قدرت نہیں دی گئی ۔

نیز فرمایا :
(۱) انک لا تهدی من أحببت و لکن الله یهدی من یشاء
یہ بات آپ کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت کی راہ پر لے آئیں لیکن اللہ جسے چاہے راہ راست پر لے آتا ہے ۔

پھر فرمایا :
(۲) و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل أفان مات أو قتل انقلبتم علی أعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاً و سیجزی الله الشاکرین
محمد صلی اللہ علیہ و سلم تو صرف رسول ہیں (خدا نہیں ہیں) ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں اگر آپ کی وفات ہو جائے یا آپ قتل کر دئے جائیں تو کیا تم پچھلے پاؤں پلٹ جاؤ اور جو پچھلے پاؤں پلٹے گا وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا ۔ اللہ شکر گزاروں کو جزا دے گا ۔

پھر فرمایا :
(۳) و لئن شئنا لنذهبن بالذی أوحینا الیک ثم لا تجدلک به علینا وکیلا
اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ پر نازل کی ہے واپس لے لیں پھر آپ کو ہمارے خلاف کوئی ضامن نہ ملے گا

اور اسی قسم کی اور بہت سی آیات ہیں ۔ کیونکہ اللہ کی حکومت میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا ایک اندازہ رکھا ۔

اس کے بعد اللہ نے بتوں کا ذکر کرتے ہوا کہا ہے :
(۴) و اتخذوا من دون الله آلهة لا یخلقون شیئاً و هم یخلقون و لا یملکون لأنفسهم ضراً و لا نفعاً و لا یملکون موتا و لا حیوة و لا نشوراً
ان مشرکوں نے اللہ کے علاوہ کچھ خدا گھڑ لئے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور خود مخلوق ہیں اور یہ اپنی ذات کیلئے کسی نفع پہنچانے یا ضرر دور کرنے کی قوت نہیں رکھتے نہ ان کے قبضے میں موت ہے نہ حیات اور نہ دوبارہ زندہ ہونا ۔

اور فرمایا :

(۵) أفتعبدون من دون الله ما لا ینفعکم شیئاً و لا یضرکم أف لکم و ما تعبدون من دون الله أفلا تعقلون

تو کیا تم اللہ کے سوا ان خداؤں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ۔ حیف تم پر اور ان خداؤں پر جن کی اللہ کے سوا تم پوجا کرتے ہو ۔ کیا تم ہوش میں نہیں آؤ گے ؟

اور انبیاء علیہم السلام اور غیر انبیاء سب کے سب اپنے اپنے ان مراتب اور مقامات پر ہیں جو ان کے لئے مقرر کئے گئے اور جن سے وہ موصوف ہیں ۔ لہذا جو شخص مخلوق کی طرف دیکھے گا وہ انبیاء کی خصوصیت ، فضیلت اور شرف کو نگاہ میں لائے گا اور جو اللہ تعالی کی وحدانیت کی عظمت کے دبدبے سلطان ربوبیت کے چمکارے اور احدیت و فردانیت کے قدم کو اس حالت میں دیکھے گا کہ وہ تمام مخلوق سے غائب ہو اور مخلوق اس سے غائب تو پھر کہاں وہ ہوگا اور کہاں مخلوق اور اس کی نگاہ کب مخلوق پر پڑ سکے گی ۔ لہذا ان کے ایاک ان تلاحظ حبیبا أو کلیما أو خلیلا ان وجدت الی ملاحظة الحق سبیلا کہنے کے یہی معنی ہیں ۔ مراد یہ ہے کہ اگر تو مشاہدہ حق یا اس کے حضور میں ہو (تو پھر کسی اور کی طرف نگاہ نہ کرنا) اور دیدار تو نگاہ کرنے کے مقابلے میں زیادہ تام ہوتا ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : أعبد ربک کانک تراہ (تم خدا کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو)

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : دلوں نے اللہ کو حقائق ایمان کے ساتھ دیکھا ہے ۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

ہم میں سے کسی کو بھی اس کے اعمال نجات دلا نہ سکیں گے ۔

کسی نے عرض کیا : کیا آپ کے اعمال بھی ؟

آپ ﷺ نے فرمایا : ہاں میرے بھی ، ہاں اگر اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے (تو نجات مل سکتی ہے) (ص۱٦)آنحضرت ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالی کی طرف نگاہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنی ذات کو نگاہ میں نہیں رکھا ۔

ایک اور بار فرمایا : (قیامت کے دن) میں پہلا شخص ہوں گا جس کے اوپر سے زمین پھٹ جائے گی اور تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور جب تک میں جنت میں داخل نہ ہوں گا کوئی شخص جنت میں نہ جا سکے گا ۔

آپ نے یہ بات اس لئے کہی کہ آپ کی نگاہ ان احسانات اور انعامات کی طرف تھی جو اللہ نے آپ پر کئے تھے اور اللہ تعالی کا فرمان ہے :

(۱) وأما بنعمة ربک فحدث

اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کر

یہی کیفیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی ۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات ہوئی تو مسلمانوں کے دل بیقرار و بے چین ہو گئے اور آپ کی وفات کی وجہ سے انہیں اسلام کے مٹ جانے کا خدشہ لاحق ہوا ۔ اس پر ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر کہا :

خبردار ہو جاؤ ! تم میں سے جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کی عبادت کیا کرتا تھا تو وہ تو اب وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کیا کرتا تھا (تو جان لو کہ) اللہ زندہ ہے کبھی مرنے کا نہیں ۔

ذرا غور کریں کہ ابوبکر نے حق کی مدد کرنے اور مسلمانوں کو تقویت دینے کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کی طرف نگاہ نہیں کی بلکہ حق کی طرف نگاہ رکھی ہے

یہی حال عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا جب اللہ تعالی نے بہتان باندھنے والے لوگوں کی باتوں سے ان کی پاک دامنی کے بارے میں وحی نازل فرمائی تو آپ کو معلوم ہے (ص۳۰۷) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کس طرح پیش آئیں اور کہا :

اللہ کی مہربانی سے نہ کہ آپ کی مہربانی سے ۔ حالانکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شرف ، فضیلت اور فخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی وجہ سے تھا ۔ مگر جب ان کے بے گناہ ہونے کے متعلق قرآن نازل ہوا تو اللہ تعالی کی طرف نگاہ کرتے ہوئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف نگاہ نہیں کی اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے نزدیک ان کی محبت ، بلندی ، درجہ اور فضیلت اور زیادہ ہو گئی ۔

اس باب میں اس قسم کے جس قدر کلمات آپ سنیں ان کا اسی پر قیاس کر لو ۔

اب رہا ان کا یہ کہنا : ان پر سازوں کے ساتھ درود بھیجو مگر اپنے دل میں یہ خیال نہ کرو کہ اس کی کوئی قدر ہے ۔

اس کا وہ مفہوم نہیں جو مخالف نے سمجھا ہے کہ ،،تو اپنے دل میں انبیاء کی قدر و منزلت نہ سمجھ،، اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ تو ان پر کثرت سے درود بھیجنے کے باوصف یہ نہ سمجھ لے کہ تو نے بہت بڑا کام کیا ہے ۔ یعنی یہ کہ تو اسے زیادہ نہ سمجھ کیونکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :

جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ اس پر دس بار رحمت بھیجے گا ۔

لہذا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر خواہ کس قدر زیادہ کیوں نہ درود بھیجا جائے پھر بھی یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تو نے بہت درود بھیجا ہے کیونکہ جب تو رسول اللہ پر درود بھیجتا ہے تو جس قدر رحمتیں اللہ تعالی تجھ پر نازل فرماتے ہیں وہ تمہارے درود کے مقابلے میں بہت زیادہ (۱) ہیں۔

اور جن لوگوں نے یوں کہا ہے کہ انہوں نے اپنے قول «اپنے دل میں ان کی قدر نہ سمجھ» سے انبیاء علیہم السلام مراد لئے ہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عظمت اور کبریائی کے مقابلے میں انبیاء کی کوئی قدر نہیں۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ جہاں اللہ تعالی کی بزرگی، کبریائی، قدرت، دبدبہ اور وحدانیت نے جگہ لے لی ہو وہاں وہ تمام اشیاء جنہیں اللہ نے پیدا کیا ہے مثلا فرشتے، انبیاء، جنت، دوزخ اور کرسی خواہ ان کی اپنی جگہ پر قدر و منزلت کس قدر زیادہ کیوں نہ ہو پھر بھی یہ اللہ تعالی کی عظمت، کبریائی، قدرت، دبدبہ اور وحدانیت کے مقابلے میں مؤمن کے دل میں کوئی جگہ نہیں لے سکتی۔ توحید اور حقیقت تفرید سے یہی مراد ہے۔

اب لیں علم اور شریعت کی رو سے نیز اس حکم کی رو سے جس میں اللہ تعالی نے عام رسولوں کی تعظیم کرنے اور ان کے لائے ہوئے احکام پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز وہ خصوصیات جو دیگر انبیاء کے مقابلے میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو عطا کی گئیں تو میں اس سلسلے میں اس سے پہلے بہت سی باتیں اس باب میں بیان کر چکا ہوں جس میں صوفیاء کے ان استنباطات کا از روئے کتاب و سنت ذکر کیا گیا ہے۔ نیز ان امور کا ذکر کیا ہے جو اولیاء اللہ کے دلوں پر منکشف ہوتے ہیں۔ قریب ترین بات جو اہل صفوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے بارے میں کہتے ہیں یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے یکتا بندے ہیں اور یہ کہ تمام وہ خصوصیات جو آپکو عطا کی گئیں ان میں کوئی فرد بھی آپ کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

کسی نے ابویزید بسطامی رحمہ اللہ سے سوال کیا: کیا کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے بڑھ کر ہو سکتا ہے؟

آپ نے اس کا یہ جواب دیا: (بڑھنا تو درکنار) کیا کوئی آپ کے مقام کو پہنچ سکتا ہے؟

اس کے بعد ابویزید نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے شرف و منزلت کے متعلق تمام وہ امور جنہیں مخلوق سمجھ سکتی ہے اور پا سکتی ہے بمقابلہ ان امور کے جنہیں وہ نہ سمجھ سکے ہیں اور نہ پا سکے ہیں ایسا ہے جیسے ایک نیلے رنگ کی مشکیزہ پانی سے بھری ہوئی ہو اس میں سے جو کچھ ٹپک پڑا اس کی مقدار وہی ہے جو مخلوق نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے شرف اور فضیلت میں سے سمجھا اور پا لیا مگر اس کے علاوہ (جو کچھ مشکیزہ کے اندر رہا) اسے نہ مخلوق نے سمجھا اور نہ پایا۔

اور قریب ترین صفت جو اہل صفوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی بیان کرتے ہیں یہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و سلم سے وعدہ کیا کہ جو کچھ تو مانگے گا دوں گا اور فرمایا :

یا محمد سل تعطہ (اے محمد ! مانگو میں تمہیں دوں گا)

لہذا ہو نہیں سکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم مانگیں اور اللہ تعالی نہ دیں۔ لہذا نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یوں دعا مانگی :

خدایا ! میرے اوپر، میرے نیچے، میرے دائیں، میرے بائیں، میرے پیچھے، میرے آگے نور ہی نور کر دے ؟ خدایا ! میرے دل میں، میری بینائی میں، میرے کانوں میں ، میرے گوشت میں اور میری ہڈیوں میں نور ہی نور کر دے ۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے

صوفیا کہتے ہیں : اس بات کی دلیل کہ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرما کر یہ سب کچھ آپکو عطا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول ہے :

(ص۳۰۹) تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے۔

اور ہر وہ فضیلت اور شرف جو امت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے کسی ایک فرد کیلئے مخصوص ہے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا شرف فضیلت ہی سمجھا جائے گا لہذا مناسب نہیں کہ کوئی شخص وہ بات کہے جس کا اسے علم نہیں۔

کسی حکیم کا قول ہے : جب دل اللہ سے روگردانی کرنے کا عادی بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اولیاء اللہ کی بدگوئی کرنے لگ جاتا ہے۔

جو شخص اس علم کی جستجو کرے گا اسے صوفیاء کی کتابوں اور صوفیاء کے اقوال میں اس قسم کی بہت باتیں ملیں گی۔ میں نے صرف دو باتیں بیان کی ہیں اور ان کی مختصر تشریح بھی کر دی ہے تاکہ جو باتیں ہم نے ذکر نہیں کیں انہیں اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جو صوفیاء کے نام سے موصوف ہوتے ہوئے بھی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں نیز یہ کہ یہ غلطی کیونکر ہوئی اور اس کی وجہ کیا تھی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : میں نے احمد بن علی کرجی کو سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے ابوعلی رودباری کو یوں فرماتے سنا :

تصوف کے بارے میں ہم ایسے مقام تک پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار کی مانند ہے اگر ادھر جھکے تو بھی دوزخ میں گئے اور اگر ادھر جھکے تب بھی دوزخ میں گئے ۔

ان کی مراد یہ ہے کہ جس علم باطن میں ہم ہیں اس میں ذرہ بھر غلطی کی وجہ سے ہم دوزخی بن جائیں گے کیونکہ جو غلطی ہم سے تصوف اور علم تصوف میں واقع ہوگی وہ دیگر علوم میں غلطی کے مقابلہ میں نہایت سنگین ہوگی کیونکہ تصوف نام ہے مقامات ، احوال ، ارادات ، مراتب اور اشارات کا ۔ لہذا جو اپنے مقام سے تجاوز کرکے ان احوال و مقامات وغیرہ کا مدعی ہوگا جو اس کو حاصل نہیں ہیں وہ بارگاہ رب العزت میں گستاخ سمجھا جائے گا لہذا اللہ تعالی اس کے خلاف مدعی بنے ہوں گے (اور وہ مدعی علیہ ہوگا) اگر اللہ چاہیں تو اسے معاف کر دیں اور اگر اللہ چاہیں تو سزا دیں اور پھر جس طرح چاہیں دیں ۔ ہر وہ شخص جو اس گروہ کی رسوم کو اپناتا ہے یا اس بات کا مدعی ہے کہ اس علم میں اس کا بھی کچھ دخل ہے یا وہ یہ خیال کرتا ہو کہ وہ اس جماعت کے کسی قدر آداب پر کاربند ہے درآنحالیکہ وہ اپنی بنیاد تین باتوں پر مضبوط کئے ہوئے نہیں ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ دھوکا کھائے ہوئے ہے خواہ وہ ہوا پر کیوں نہ چلتا ہو اور حکمت کی باتیں کرتا ہو۔اور اسے خاص و عام میں مقبولیت بھی کیوں نہ حاصل ہو چکی ہو اور یہ تین چیزیں یہ ہیں ۔ (۱) تمام حرام امور سے پرہیز کرنا خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے دوسری تمام فرائض کا ادا کرنا خواہ مشکل ہوں خواہ آسان تیسری دنیا کو دنیاداروں کیلئے چھوڑ دینا خواہ کم ہو خواہ زیادہ البتہ وہ دنیا میں سے صرف اس قدر لے سکتا ہے جس کے بغیر مؤمن کو کوئی چارا نہ ہو ۔ اور یہ وہی بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

(ص-۳۱۰)دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جو دنیا میں سے نہیں ہیں : (۱) روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے تو بھوک کو روک سکے (۲) وہ کپڑا جس سے تو اپنی پوشیدہ اعضاء کو ڈھانپ سکے (۳) گھر جس میں تو چھپ سکے (۴) نیک بیوی جس کے پاس تجھے سکون و اطمینان حاصل ہو ۔

ان کے سوا جو کچھ بھی ہے مثلا مال جمع کرنا ، بخل کرنا ، مال اپنے پاس روکے رکھنا ، فخر و مباہات سے محبت رکھنا یہ تمام امور بندے کے لئے حجاب کا سبب ہیں اور اللہ سے بندے کے تعلق کو کاٹ دیتے ہیں ۔ لہذا ہر وہ شخص جو مخصوص لوگوں کے کسی حال کا دعویدار بنے یا وہ سمجھتا ہو کہ وہ اہل صفوت کی کسی منزل پر چل رہا ہے درآنحالیکہ اس نے ان تین امور پر اپنی بنیاد نہیں رکھی تو وہ ان تمام امور میں جن کی طرف وہ اشارہ کرتا ہے یا دعوی کرتا ہے یا اپنی ذات کو ان کے طریقوں سے موسوم کرتا ہے بہ نسبت صحت کے غلطی کے زیادہ قریب ہوگا ۔ عالم اپنی کمزوری کا اعتراف کیا کرتا ہے اور جاہل مدعی بنتا ہے ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے غلطی کھائی
ان کے درجات اور غلطی کھانے میں ان کا باہمی تفاوت

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : پھر میں نے ان لوگوں کے متعلق کہا جنہوں نے غلطی کھائی ہے تو میں نے انہیں تین قسم کا پایا ۔ ایک گروہ نے اصول میں غلطی کھائی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اصول شریعت کو مضبوط طور پر حاصل نہ کیا تھا اور صدق و اخلاص میں ان کی بنیاد بھی کمزور تھی اور انہیں صدق و اخلاص کے متعلق معلومات بھی کم تھیں ۔

جیسا کہ ایک شیخ فرماتے ہیں : چونکہ انہوں نے اصول کو ضائع کر دیا لہذا یہ منزل کو پہنچنے سے محروم کر دئے گئے ۔

ایک دوسرا گروہ ہے جنہوں نے فروع میں غلطی کھائی ۔ فروع یہ ہیں : آداب ، اخلاق ، مقامات ، احوال ، افعال اور اقوال ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اصول کی بہت معرفت حاصل تھی اور وہ حظوظ نفس اور انسانی طبیعت کی مزاج کے تابع تھے ۔ کیونکہ یہ ان لوگوں کے پاس نہیں گئے جو ان کی تربیت کرتے اور انہیں کڑوے گھونٹ پلاتے اور اس شاہراہ پر لا کر کھڑا کر دیتے جو انہیں مطلوب تک پہنچا دے ۔ لہذا ان کی مثال اس شخص کی ہے جو چراغ کے بغیر ایک تاریک گھر میں داخل ہوا ہو ۔ اس بات سے اصلاح کے مقابلہ میں بگاڑ زیادہ ہوگا اور وہ یہی سمجھے گا کہ اسے ایک نفیس جوہر ہاتھ لگ گیا ہے حالانکہ درحقیقت اسے ایک حقیر ٹھیکری ملی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ان اہل بصیرت لوگوں کی تابعداری نہیں کی جو ہم شبہ ، ہم شکل ،اضداد اور اجناس میں امتیاز کر

سکے ۔ یہیں سے انہیں غلطی لگ جاتی ہے اور ان سے اکثر لغزش اور بے اعتدالی واقع ہو جاتی ہے لہذا یہ حیران و پریشان رہتے ہیں اور ان کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں چنانچہ کوئی شکست خوردہ ہے اور کوئی فتنہ میں مبتلا ، کوئی متکبر و سرکش ہے اور کوئی غمناک ، کوئی اپنے خیالات سے دھوکے میں ہے اور کوئی جنون میں ہر زہ سرائی (ص۳۱۱)کر رہا ہے کوئی بے حیائی میں مبتلا ہے اور کوئی اپنے غموں کی وجہ سے غمزدہ ہے، کوئی بلند بانگ دعوے کر رہا ہے اور کوئی آزمائش میں گرفتار ہے اور موت کی تمنا کر رہا ہے۔ پاک ہے وہ خدا جس نے یہ کیفیتیں ان کی قسمت میں لکھ دی ہیں وہی ان کی بیماری کو جانتا ہے اور وہی علاج بھی جانتا ہے۔ وہی ان کے سقم اور شفا سے واقف ہے۔

اور ایک تیسرا گروہ ہے ان سے جو غلطی سرزد ہوئی وہ محض لغزش اور پھسل جانے کی وجہ سے ہوئی اس میں نہ کوئی علت تھی اور نہ کوئی جفاکاری ۔ لہذا جب ان کی غلطی ان پر واضح ہو جاتی ہے تو یہ پھر سے مکارم اخلاق اور بلند امور کی طرف آجاتے ہیں اور اپنی غلطی کا ازالہ اورشکستگی کی اصلاح کر لیتے ہیں ، عناد کو چھوڑ دیتے ہیں اور حق تعالی کے مطیع بن جاتے ہیں ، اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں اور پھر سے پسندیدہ احوال ، بلند افعال اور عالی مرتبوں کی طرف آجاتے ہیں ۔ لہذا ان کی غلطی کی وجہ سے ان کے مراتب میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی جفا کی وجہ سے ان کا "وقت" تاریک ہوتا ہے اور نہ ان کی پاکیزگی میں کدورت کی ملاوٹ ہوتی ہے۔

ان تینوں گروہوں میں سے ہر گروہ بلحاظ باھمی تفاوت ، ارادت ، مقاصد اور نیات کے مختلف حالات میں ہوتا ہے۔ کسی کا یہ شعر ہے :

من تحلی بغیر ماھو فیه   فضحته لسان ما یدعیه

جس نے اپنی اصلی حالت اور کیفیت کے علاوہ کسی اور حالت سے اپنی ذات کو مزین کیا اسے خود اپنے دعوی کی زبان رسوا کر دے گی اس شاعر کے ذہن میں وہ حدیث آئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :

ایمان ظاھری آراستگی کا نام نہیں ہے اور نہ ہی محض تمنا اور آرزو کا نام ایمان ہے لیکن ایمان وہ کیفیت ہے جو دل کے اندر جاگزین ہوتی ہے اور انسان کے اعمال اس کی تصدیق کرتے ہیں ۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

لہذا جس شخص نے اصول میں غلطی کھائی وہ گمراھی سے بچ نہیں سکتا اور نہ ہی اس کی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے البتہ اگر اللہ چاہے تو کر سکتا ہے اور جو غلطی فروع میں واقع ہوتی ہے وہ کم نقصان دہ ہوتی ہے اگرچہ وہ بھی صحیح و درست باد سے دور ہوتی ہے

باب

ان لوگوں کا ذکر جنھوں نے ایسے فروع میں غلطی کھائی جو انھیں گمراھی کی حد تک نہیں لے جاتیں اب ھم پہلے ان لوگوں کا ذکر کریں گے جنھوں نے فقر و غنا کے بارے میں غلطی کھائی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : ھم دیکھتے ھیں کہ بعض وہ لوگ جو صوفیہ کے نام سے موسوم ھیں انھوں نے اپنی گفتار میں "غنا" کو "فقر" پر فضیلت دی ہے ان کی مراد "غنا باللہ" ہے نہ کہ دنیاوی مال و دولت کی غنا۔ یہاں سے ایک گروہ کو غلطی لگی اور انھوں نے تاویلیں ڈھونڈنی شروع کر دیں اور آیات و روایات سے دلیلیں گھڑنے لگ گئے تاکہ وہ دنیاوی مال و دولت کی غنا کو پسندیدہ حالت اور آخرت کے طالبوں کے مقامات میں سے ایک مقام قرار دے سکیں لہذا وہ اس میں (ص۳۱۲)سرگرداں پھرتے رہے اور غلطی کھا گئے۔ کیونکہ جن لوگوں نے فقر و غنا پر گفتگو کی ہے اور اللہ سے لو لگانے والوں میں سے جن لوگوں نے غنا کو ایک "حال" قرار دیا ہے ان کا اشارہ "غنا باللہ" کی طرف ہے نہ کہ دنیاوی ساز و سامان کی مالداری کی طرف اور دنیا تو اللہ کے نزدیک پر پشہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

ایک اور گروہ نے حقائق فقر، اللہ کے محتاج بننے اور ان امور پر بحث کی جن کا تعلق فقر کے ساتھ ہے مثلاً صبر، شکر، رضا، تفویض، سکون اور محتاجی کے وقت اطمینان۔

یہاں ایک اور گروہ گمراہ ھو گیا اور انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ محتاج فقیر جس میں صبر و رضا نہ پائی جاتی ھو اسے نہ کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ فقر پر اس کیلئے کوئی ثواب ہے اور وہ فقیر جو اضطرار کی حالت میں ھو اور اس میں صبر و رضا بھی نہ پایا جاتا ھو اسے اس مالدار پر فضیلت حاصل ہے جو دنیاوی مال و اسباب کی وجہ سے غنی ھو

نفس کی سرشت میں احتیاج پایا جاتا ہے اور جب انسان کو قوت لا یموت اور خوراک نہ ملے تو اس حالت میں اطمینان اور سکون کا پایا جانا بشری صفات میں سے نہیں ہے۔ انسان کا نفس محتاجی کو ناپسند کرتا ہے اور نہ ھی یہ انسانی فطرت اور خواھشات سے موافقت رکھتی ہے کیونکہ یہ حقوق (۱) میں سے ہے۔

اور مالداری کو نفس پسند کرتا ہے اور انسانی فطرت اور خواھشات نفس کو بھی اس سے مناسبت ہے کیونکہ یہ نفسانی حظوظ میں سے ہے۔ اور اللہ تعالی نے مالدار سے وعدہ کر

رکھا ہے کہ اسے ایک نیکی کے بدلے دس گنا ثواب دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

(۲) من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها

جس نے ایک نیکی کی اسے دس گنا دیا جائے گا

اور (اس کے مقابلے میں) فقیر ہر لحظہ نیکی کر رہا ہوتا ہے کیونکہ وہ فقر کی تلخی پر صابر ہوتا ہے اور صبر کے ثواب کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

(۳) انما یوفی الصابرون أجرهم بغیر حساب

(صابروں کو ان کے صبر کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا)

فقر بذات خود ایک قابل ستائش چیز ہے مگر اس کے ساتھ اگر کوئی غرض لگ جائے تو یہ غرض مذموم ہوگی نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے:

فقر مؤمن کیلئے اس عمدہ لگام سے بھی زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے جو گھوڑے کے چہرے پر پڑی ہو۔ (اس حدیث میں) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فقر کے ساتھ کسی اور چیز کی شرط نہیں لگائی۔

اور دنیاوی مال و دولت کی جو غنا ہے وہ بذات خود مذموم ہے اگر اس کے ساتھ کوئی قابل ستائش خصلت بھی ہو مثلا نیکی کا کوئی عمل تو یہ خصلت قابل ستائش ہو گی نہ کہ غنا بذات خود۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے:

دنیاوی مال و اسباب کی کثرت کی وجہ سے مالداری نہیں ہوتی

(یہاں بھی) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے غنا کے ساتھ غنا کے سوا کوئی شرط نہیں لگائی۔ لہذا ان دونوں خصلتوں میں کس قدر تفاوت ہےکہ ایک تو بذات خود قابل ستائش ہے جس کیلئے اگر مذمت کا نام آتا ہے تو کسی نادر علت کی وجہ سے مثلا کوئی برائی کا کام اور دوسری بذات خود قابل مذمت خصلت ہے جس کے لئے اگر ستائش کا نام آتا ہے تو کسی نادر خصلت کی وجہ سے مثلا کوئی نیکی کا کام۔

ایک اور گروہ ہے۔ جس کا خیال ہے کہ «فقر و غنا» دونوں «حال» ہیں بندے کو ان کے پیچھے نہیں لگنا چاہئے بلکہ اسے چاہئے کہ اسے عبور کرکے آگے نکل جائے اور ان دونوں کے (ص۳۱۲)ساتھ ہو کر ایک مقام پر ٹھہر نہیں جانا چاہئے۔ یہ خیال ان لوگوں کا ہے جو اہل حقائق اور اہل معارف ہیں اور جو انتہا کو پہنچ کر حقیقت کو مضبوط کر چکے ہیں۔

(یہاں سے) ایک اور گروہ نے یہ خیال کر لیا کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے انہوں نے

فقر و غنا کو یکساں سمجھ لیا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ "حال" کے معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فقر و غنا میں کوئی فرق نہیں ۔

اس قول کے کہنے والوں سے کہا جائے گا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تم فقر کو ناپسند کرتے ہو اور غنا کو ناپسند نہیں کرتے ۔ اگر یہ دونوں حالتیں یکساں ہیں تو کیا تم دونوں کے ساتھ یکساں سکون محسوس کرتے ہو یا کیا تم دونوں سے یکساں احتراز کرتے ہو یا یکساں گلے لگاتے ہو ۔ (جب ایسا نہیں ہے تو) ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی ۔

ایک اور گروہ نے فقر کے متعلق غلطی کھائی ہے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ حال فقر سے مراد صرف ناداری اور فقیری ہے لہذا یہ لوگ اسی کو لے کر بیٹھ گئے اور آگے بڑھ کر آداب فقر بجا نہیں لائے اور ان پر یہ بات پوشیدہ رہی کہ فقر کی حالت میں فقیر کا اپنے فقر کی طرف نگاہ رکھنا اسے حقیقت فقر سے محجوب کر دیتا ہے ۔ اور فقر کی حالت میں فقیر صادق کیلئے ناداری اور فقر نہایت حقیر چیز معلوم ہوتی ہے (اگر فقیر میں) صبر ، رضا اور تفویض حقیقی معنوں میں پائے جائیں تو یہ اس کیلئے زیادہ کمال کا سبب ہوں گے بمقابلہ اس فقر کے جس کے ساتھ یہ خصلتیں پائی نہ جاتی ہوں اور اپنے فقر کو دیکھنا اور فقر کے ساتھ دل لگا لینا اور اس پر فخر کرنا فقیر کے "حال" کیلئے بیماری ہے اور اس کے مرتبہ کیلئے حجاب کا سبب ہے درست بات کا علم اللہ کو ہی ہے اور وہی توفیق دینے والا ہے ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے وسیع پیمانے پر مال و دولت خرچ کرنے میں غلطی کھائی اور جنہوں نے تنگدستی و بدحالی کو اختیار کرکے وسیع پیمانے پر دنیا کو حاصل کرنے میں غلطی کھائی ۔ نیز جنہوں نے روزی کمانے کے بارے میں غلطی کھائی اور ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے روزی کمانے کو ترک کرنے میں غلطی کھائی ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : نبی اور صدیق کے سوا کسی کیلئے یہ بات درست نہیں کہ وہ دنیاوی مال و اسباب کو وسیع پیمانے پر خرچ کرے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اور صدیق اوروں کی خاطر اشیاء میں مشغول ہوتے ہیں اور دنیاوی مال و اسباب کو اپنے ذمے جب لیتے ہیں تو اس کے حقوق ادا کرنے کیلئے لیتے ہیں نہ کہ حظوظ نفسانی کی خاطر ۔ اس

کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی دی ہوئی اجازت سے وہ بخوبی باخبر ہوتے ہیں جہاں خرچ کرنے کی اجازت ہوئی خرچ کیا اور جہاں نہ خرچ کرنے کا حکم ملا رک گئے لہذا جو اس اذن خداوندی سے واقف نہیں اور وہ اہل کمال اور منتہی لوگوں میں سے بھی نہیں وہ جب بافراغت مال خرچ کرے گا دھوکا کھا کر اور تاویلات کرکے بھٹک جائے گا ۔ اور جو شخص اس بات کا زعم رکھتا ہو کہ اس نے دنیاوی مال و اسباب کے ساتھ دل نہیں لگایا ہوا اسے پھر مال و دنیا کو اپنے پاس روک نہیں رکھنا چاہئے اور نہ مال کے پیچھے لگنا چاہئے اور اس کے نزدیک دنیاوی مال کا کم یا زیادہ ہونا دونوں برابر ہونے چاہئیں لہذا جس شخص کے نزدیک (ص۳۶۴)مال کا کم ہونا مال کے زیادہ ہونے کے مقابلے میں زیادہ محبوب نہ ہو اور جسے دو چیزوں کے مقابلے میں ایک چیز زیادہ پیاری نہ ہو اور اس کا باطن اس سامان دنیا کی جستجو میں نہ ہو جو اس وقت اس کے پاس نہیں اور جو کچھ اس کے پاس موجود ہے اسے اپنے پاس نہ روک رکھا ہو وہ یقیناً طالب دنیا ہے اور وہ نفسانی حظ کی خاطر دنیا کماتا ہے حقوق خداوندی ادا کرنے کیلئے نہیں کماتا ۔ لہذا جس نے یہ خیال کر لیا کہ اس کا "حال" اور ہی ہے وہ غلطی پر ہوگا ۔

ایک اور گروہ نے تکلیف کی زندگی اور کم چیز کو اختیار کرنے کے ساتھ دل لگایا اور وہ ادنی درجے کا لباس پہننے اور کم خوراک کھانے کا عادی بن گیا ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ جو شخص اپنے نفس کے ساتھ نرمی برتتا ہے یا کوئی جائز چیز لے لیتا ہے یا کوئی عمدہ پاکیزہ چیز کھا لیتا ہے اس کے حق میں یہ باتیں بیماری ہوں گی اور اس کے مرتبہ کو گرا دیں گی ۔ ان لوگوں کے نزدیک ہر وہ حالت جو ان کی اپنی حالت سے مختلف ہو غلط ہے ۔
ان لوگوں کو بھی اس خیال میں غلطی لگی ہے کیونکہ جس طرح وسیع (۱) پیمانے پر مال و دولت حاصل کرنے اور آرام کی زندگی بسر کرنے میں خامی پائی جاتی ہے اسی طرح کم مال اور تنگی کی زندگی کی عادت بنا لینے اور تکلیف سے ایسا کرنے میں بھی خامی ہے ۔ مگر یہ اس وقت خامی شمار ہوگی جب اللہ کا منشا یہ ہو کہ بندہ کسی وقت میں اس طرح کی زندگی اختیار کر لے یا اس سے اسے ادب سکھانا مقصود ہو یا وہ اپنے نفس کو سدھانا چاہتا ہو ۔ پھر جب وہ فقر کے آفات کا مشاہدہ کر لے گا اور وہ اس بات سے لذت حاصل کرتا ہوگا کہ لوگ اسے اس حالت میں دیکھیں اور اپنی کوشش سے ان باتوں سے باز آنے کے لئے وہ کوئی اقدام نہ کرے گا تو تباہ و برباد ہو جائے گا اور اس سے کبھی بھی بھلائی کی امید نہ ہوگی ۔

عبادت گزاروں کا ایک اور گروہ ہے جنھوں نے روزی کما کر روٹی کھانے کو اختیار کیا اور اپنی کمائی پر مطمئن ہو بیٹھے اور جو لوگ ان کی طرح روزی نہیں کماتے انہیں برا جاننے لگے اور یہ سمجھ لیا کہ غذا کی پاکیزگی کے بغیر "حال" درست نہیں ہو سکتا اور

ان کے نزدیک غذا اور خوراک کی پاکیزگی روزی کمانے کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔ انہوں نے اس کے ثبوت میں نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ قول پیش کیا ہے۔

حلال ترین رزق جو مؤمن کھاتا ہے وہ ہے جو اس نے خود کمایا ہو

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ روزی کمانے کی اجازت اور جواز ان لوگوں کیلئے ہے جو توکل کے "حال" کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ توکل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا "حال" ہے اور انہیں توکل کرنے اور اس رزق پر اعتماد کرنے کا حکم تھا جس کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے۔ اسی طرح تمام مخلوق کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ اللہ پر بھروسا کریں اور اللہ کے اس وعدے پر اعتماد رکھیں جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ نیز یہ کہ جب رزق نہ ہو تو سکون و اطمینان سے رہیں تاآنکہ اللہ تعالی ان کا رزق ان کی طرف بھیج دے لہذا جس میں ایسا کرنے کی طاقت نہیں اور اس حالت کو برداشت نہیں کر سکتا اس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے چند شرطوں کے ساتھ جائز روزی کمانا سنت قرار دے دیا ہے تاکہ یہ شخص تباہ و برباد نہ ہو جائے روزی کمانے کے شرائط یہ ھیں اپنی کمائی پر مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جائے ۔ اور یہ خیال نہ کرے کہ اسے روزی اپنی کمائی ھی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے اور روزی کمانے کی وجہ سے اسے مغموم بھی نہیں ہونا چاھئے بلکہ اس کی یہ نیت ہونی چاھئے کہ وہ روزی کما کر مسلمانوں کی مدد کرے گا ۔ (ص۳۱۵)اور روزی کمانے میں لگے رہنے سے ایسا نہ ہو کہ اس سے فرض نماز کا اول وقت ھاتھ سے جاتا رہے۔ نیز یہ کہ اسے علم حاصل کرنا چاھئے تاکہ (وہ حلال و حرام میں امتیاز کر سکے اور) حرام کی روزی نہ کھائے ۔ لہذا اگر اس نے ان خصلتوں میں سے کسی ایک خصلت کو نظر انداز کر دیا تو اس کی روزی کو کوئی آفت لاحق ہو جائے گی اور اگر اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں جو روزی نہیں کماتے اور اسے یہ بھی علم ہو کہ وہ حاجتمند ھیں تو اس پر ان کی خبرگیری کرنا فرض ہوگا اور اپنی بچی ہوئی خوراک انہیں دینا ہوگی ۔ جو شخص ان شرائط پر کاربند نہ ہوگا مجھے خدشہ ہے کہ وہ اپنی روزی پر گھمنڈ کرنے اور اس کے ساتھ چمٹے رہنے میں غلطی پر ہوگا ۔

ایک اور گروہ ہے جنھوں نے روزی کمانے والوں پر نقطہ چینی کی اور اپنی حالت پر اعتماد کرکے بیٹھ گئے اور ان کی نگاہ ان لوگوں کی طرف لگی رھی جو ان کی احوال پرسی کریں اور وہ یہی خیال دل میں لئے ہوئے ھیں کہ اگر کوئی "حال" ہو سکتا ہے تو یہی ہے۔

انہیں بھی غلطی لگی ہے کیونکہ روزی کمانے کو ترک کرکے بیٹھ جانا اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ قوی یقین اور صبر پایا جائے مگر جس کا یقین کمزور ہو اور اس کی انسانی فطرت اور طمع اس پر غالب ہو اسے یہی حکم دیا جائے گا کہ

جا کر روزی کمائے۔ اور روزی تلاش کرنا جائز ہے مگر قوت ایمان کے ہوتے ہوئے اس کا ترک کر دینا اکمل و افضل ہے۔

باب

ان لوگوں کا بیان جنہوں نے ارادات (مرید ہونے کی حالت) میں سستی کی اور مجاھدہ کرنے میں غلطی کھائی اور آرام و راحت میں لگ گئے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مزید برآں صوفیاء کا ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے عبادات ، مجاھدات ، ریاضت نفس اور تکالیف برداشت کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ انہوں نے نہ تو اس کی بنیاد کو مضبوط کیا اور نہ ھی ان امور کو (یعنی عبادات مجاھدات وغیرہ) اپنے حقیقی مقام پر رکھا لہذا وہ پسپا ھو گئے اور انہوں نے ترقی معکوس کی۔ ای کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے متقدمین کے مجاھدات کی خبریں سنیں اور یہ بھی سنا کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں ان کے جھنڈے بلند کر دئے اس طرح کہ لوگوں نے ان کی خوب تعریف کی اور وہ لوگوں میں مقبول ہوئے اور ان سے کرامات ظاھر ہوئیں تو ان لوگوں کے نفس نے ان باتوں کی خواھش اور تمنا کی چنانچہ انہوں نے کسی قدر عبادات و مجاھدات وغیرہ کئے۔ جب اس طرح کرتے کرتے مدت گزر گئی اور وہ اپنی مراد کو نہ پہنچے تو سست پڑ گئے۔ (اب اس حالت میں) اگر ان کا علم انہیں مجاھدہ ، عبادت اور ریاضت نفس کی دعوت دیتا تو ان کے ھاں ان امور کی کوئی وقعت نہ ہوتی۔ (ھاں) اگر اللہ تعالی انہیں اپنی خدمت کی طرف کھینچ لیتے اور اللہ کی یہ مرضی ہوتی کہ یہ لوگ اس کی اطاعت گزاری پر ھمیشہ قائم رھیں اور اللہ کا لطف و عنایت ان کے شامل حال ھوتا تو ان کی رغبت اور زیادہ ھو جاتی ان کی نیت مضبوط ھو جاتی اور ھمیشہ کیلئے اسی طرح رھتی جس طرح پہلی تھی لیکن ان کی کمزور بنیاد اور فاسد ارادوں کی وجہ سے چونکہ یہ اللہ کے ھاں مراد نہ تھے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ محض وقفہ ہے حالانکہ اس میں بھی انہیں غلطی لگی ہے (ص٣١٦) اس کی وجہ یہ ہے کہ وقفہ کی حالت وہ حالت ہوتی ہے جس میں مجتہدین کے دل وقتاً فوقتاً آرام حاصل کرتے ھیں اور پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ آتے ھیں برعکس اس کے جس حالت میں یہ لوگ پڑے ہوتے ھیں وہ کاھلی ، سستی اور جھوٹی آرزوئیں ھیں۔

شیخ فرماتے ھیں : میں نے احمد بن علی کرجیؔ کو سنا وہ فرماتے تھے میں نے ابوعلی رودباری رحمہ اللہ کو یوں فرماتے سنا : ابتدا انتہا کی طرح ہے اور انتہا ابتدا کی طرح لہذا

جو شخص ان امور جنہیں وہ اپنی ابتدا میں کیا کرتا تھا اپنی انتہا میں ترک کر دے گا وہ دھوکا کھائے ہوئے ہوگا ۔

ایک اور گروہ ہے جنہوں نے سیاحت اختیار کی ، سفر کئے اور مشائخ سے ملاقات بھی کی اور ان کی صحبت میں بیٹھے اور مسند نشین بنے اور اپنے پر اطراتے ہوئے کہنے لگے کہ انہیں وہ چیزیں ملی ہیں جو ان دیگر ساتھیوں کو نہیں ملیں اور انہیں وہ کچھ دکھائی دیا ہے جو ان کے دیگر ہمنشینوں کو دکھائی نہیں دیا اور انہوں نے اپنی ذات کو مستقل شیخ سمجھ لیا ہے ۔

انہیں بھی غلطی لگی ہے ۔ اس لئے کہ سفر کو سفر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگوں کے اخلاق کو ظاہر اور واضح کرتا ہے ۔ صوفیاء سفر اس لئے اختیار کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے اندر کوئی مذموم خلق دیکھیں تو اسے تبدیل کرنے کی کوشش کریں ۔ سفر کی حالت میں وہ اپنے وہ مخفی حالات معلوم کر لیتے ہیں جو انہیں اپنے وطن اور اپنے جان پہچان کے لوگوں میں رہ کر معلوم نہیں ہوتے ۔ مشائخ سے ملاقات اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ لوگ مؤدب بنیں ، احترام کریں اور شیخ کے ساتھ رغبت اور ارادت رکھیں نیز یہ کہ وہ اپنے تمام علم کو بھول جائیں اور جن امور کا شیخ حکم اور مشورہ دیں انہیں قبول کریں ، اپنے نفس سے شیخ کے حقوق کا مطالبہ کریں ۔ شیخ سے یہ مطالبہ نہ کریں کہ وہ ان کی طرف توجہ دے یا نرمی کرے ۔ اپنے دل کی حفاظت کریں اور اپنے شیخ کی نگاہ کو غنیمت سمجھیں اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ کہیں شیخ کی صحبت اور ملاقات ان کے خلاف دلیل نہ بن جائے لہذا اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور کو نظر انداز کرکے کسی اور ارادے سے مشائخ کی ملاقات کرے گا اور یہ سمجھے گا کہ وہ مسافروں میں سے ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو مشائخ کی صحبت میں رہے ہیں وہ سخت غلطی میں ہے ۔

ایک اور گروہ ہے جنہوں نے ، مال اور ملکیت کی چیزوں کو ترک [illegible] لیا کہ مراد (الٰہی) یہی ہے کہ ہم خرچ کریں اور سخاوت کو اپنا خلق بنائیں ۔ انہوں نے بھی اس میں غلطی کھائی ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خرچ کرنے اور سخاوت کرنے سے صوفیاء کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی سخاوت کا اظہار کریں یا سخی کے نام سے مشہور ہوں بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مسبب یعنی اللہ تعالی کے ساتھ ہوتے ہوئے دنیاوی اسباب سے تعلق رکھنا ان کے مرتبے کیلئے بہت بڑی خامی اور حجاب ہے جو حقیقت سے تعلقات منقطع کر دیتی ہے لہذا ان کا خرچ کرنا یا سخاوت کرنا اور اپنی ملکیت کی چیزوں سے باہر نکل آنا اسی خامی کو دور کرنے اور اسباب دنیا سے تعلق منقطع کرنے کی غرض سے ہوتا ہے ۔ لہذا جس شخص نے کوئی سخاوت کی غرض سے خرچ کی اور اس نے یہ سمجھا

کہ یہی صوفیاء کا طریقہ ہے وہ غلطی پر ہے۔

ایک اور گروہ ہے جنہوں نے جائز چیزوں کو کھل کر استعمال کیا اور اپنے "اوقات" کا خیال رکھنے کی کوشش نہیں کی اور کہا : ہمارے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے جو کچھ مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں اور سو جاتے ہیں ۔ یہی ہمارا "وقت" ہے۔

(ص۴۲۸)انہیں بھی اسی میں غلطی لگی ہے کیونکہ جب "وقت" کھو گیا تو پھر دوبارہ ہاتھ نہیں آتا ۔ اور اسے "وقت" نہیں کہہ سکتے جو آرام و راحت سے معمور ہو بلکہ وقت وہ ہے جو دائمی ذکر سے معمور ہو ، اس کا ربط اخلاص ، شکر ، رضا اور صبر کے ساتھ ہو ۔ نفس خواہشات اور شیطان تو بندے کے دشمن ہیں اور یہ بندے پر غلبہ پانے کا موقعہ ڈھونڈتے رہتے ہیں لہذا جب بندہ ایک لحظہ کیلئے بھی ان سے غافل ہو جائے تو اس سے بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی اور اس کی تباہی کا ہر وقت خطرہ لاحق رہے گا ۔ جس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس مقام تک پہنچ چکا ہے جہاں وہ تباہی سے محفوظ ہو گیا ہے وہ غلطی پر ہے۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے کھانا ترک کرنے گوشہ نشینی اختیار کرنے اور تنہائی پسند کرنے وغیرہ وغیرہ امور میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اس کے بعد مریدوں اور مبتدیوں کی ایک جماعت وہ ہے جنہوں نے یہ سن لیا کہ ایک علم وہ ہے جسے علم مخالفت نفس کہا جاتا ہے لہذا انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ جب ترک طعام کے ذریعے سے نفس (کی سرکشی) ٹوٹ جائے تو پھر انسان اس کے شر سے محفوظ اور اس کی تباہ کاری اور رکاوٹوں سے بچ جاتا ہے۔ لہذا انہوں نے کھانے اور پینے کی عادت کو ترک کر دیا مگر ترک طعام کے آداب پر عمل نہیں کیا اور نہ ہی استادوں سے ترک طعام کے آداب دریافت کئے ۔ چنانچہ انہوں نے کھانا اور پینا چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور مسلسل کئی راتیں اور دن اسی طرح گزار دئے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ ایک (بلند) حالت ہے۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ مرید کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا

شخص ہو جو اسے ادب سکھائے اور اسے اس کی ضرورت کی اشیاء سے باخبر کرے تاکہ اس کی ،،ارادت،، اس کیلئے ایسی مصیبت نہ بن جائے جس کی پھر تلافی نہ ہو سکے اور نہ اس کی خرابی سے نجات پا سکے ۔ انسان نفس کے شر سے بے خوف نہیں ہو سکتا اور جو شر اس کی جبلت میں شامل ہے وہ اس سے غافل نہیں رہ سکتا نفس برائی کا حکم دینے والا ہے لہذا جس نے یہ خیال کر لیا جب نفس (کی طاقت) کم کھانے کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی تو اس سے اس کا شر اور بشری آفات جاتی رہیں گی تاکہ صاحب نفس بے خوف ہو جائے ۔ اس شخص نے بھی غلطی کھائی ہے ۔

میں نے ابن سالم رحمہ اللہ کو کہتے سنا : صوفیاء جب اپنے کھانے کو کم کرنا چاہتے تو ہر جمعہ کو بلی کے کان جتنا کم کئے جاتے ہیں ۔

ان ہی کو میں نے کہتے سنا : سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے مریدوں کو جمعہ میں ایک بار گوشت کھانے کا حکم دیتے تھے تاکہ وہ عبادت کرنے میں کمزور نہ ہو جائیں ۔

میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اپنی ذات کیلئے اس قسم کی اشیاء ضروری قرار دے رکھی ہیں مثلا کم کھانا ، گھاس کھانا اور پانی نہ پینا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان سے فرائض بھی چھوٹنے لگے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسے مناسب طریقے سے نہیں کیا اور نہ وہ اس میں ان متقدمین صوفیاء کے نقش قدم پر چلے جنہوں نے راہ سلوک اختیار کیا تھا ۔

ایک اور گروہ نے عزلت گزینی اختیار کی اور پہاڑوں کی غاروں میں گھس گئے اور یہ خیال کر لیا (ص۴۱۸)کہ وہ تو مخلوق سے بھاگ رہے ہیں یا (یہ سمجھ لیا) کہ وہ پہاڑوں اور بیابانوں میں رہ کر اپنے نفس کے شر سے محفوظ ہو جائیں گے یا یہ سمجھ لیا کہ اس تنہائی اور خلوت کے ذریعے سے اللہ تعالی انہیں ان مقامات تک پہنچا دے گا جہاں اس نے اپنے ولیوں کو پہنچایا ہے مثلا احوال شریفہ ۔ اور یہ کہ لوگوں میں ہوتے ہوئے وہ ان مقامات تک نہیں پہنچ سکیں گے ۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ جن ائمہ مشائخ نے کھانا کم کھایا ہے اور انہوں نے خلوت اور تنہائی میں زندگی گزار دی ہے اور گوشہ نشینی اختیار کئے رہے ہیں اس کا باعث و سبب ان کا علم اور ان کا قوی ،،حال،، تھا لہذا ان کے دلوں پر وہ کیفیت طاری ہوئی جس نے انہیں ان شناساؤں اور وطنوں سے غافل کئے رکھا ، انہیں کھانے اور پینے سے ہٹائے رکھا اور حق تعالی نے ایسی کشش کی جس سے وہ ماسوا سے بے نیاز کر دئے گئے لہذا

جس شخص کے پاس زور دار «حالت» نہ ہو اور نہ ہی کیفیت کا غلبہ ہو پھر بھی وہ تکلف سے کام لیتے ہوئے اپنے نفس پر اس قدر بوجھ ڈال دے جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا اور اسے نقصان پہنچائے گا۔ جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی وہ اسے دوبارہ نہ پا سکے گا اور برعکس اس کے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ بھی جاتا رہے گا لہذا جو شخص ان امور کو بتکلف کرے گا اور وہ یہ سمجھتا رہے گا کہ وہ مخصوص لوگوں کے مراتب تک پہنچ گیا ہے وہ غلطی پر ہو گا۔

شیخ فرماتے ھیں : میں نے کچھ نوجوانوں کو دیکھا ہے جو کم کھانے اور شب بیداری کرتے تھے اور مسلسل ذکر الٰہی میں لگے رہتے یہاں تک کہ بعض بیہوش ھو جاتے اور پھر کئی دنوں تک اس سے مدارات و نرمی کرنی پڑتی تاکہ وہ نماز فرض ادا کر سکیں۔

ایک اور گروہ نے اپنے عضو مخصوص کو کاٹ ڈالا اور یہ سمجھ لیا کہ اس طرح نفسانی شہوات کی آفات سے بچ جائیں گے۔ انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ آفات تو انسان کے باطن سے اٹھتی ھیں لہذا جب عضو مخصوص کو کاٹ بھی دیا گیا اور اندر ھی اندر بیماری ویسی کی ویسی موجود رھی تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ نقصان ہوگا اور آفت بڑھ جائیگی۔ لہذا جس نے یہ سمجھا کہ آفت اسی آلہ کے اندر ہے اور اسے کاٹ ڈالنے سے وہ نفس کے شر سے بچ جائے گا وہ غلطی پر ہے۔

ایک اور جماعت ایسی ہے جو دیوانہ وار گھروں سے نکل پڑے اور بغیر کسی قسم کے زاد راہ کے ، بغیر پانی کے اور راستے کے ساز و سامان کے جنگلوں اور بیابانوں میں چلے گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ایسا کرنے سے انہیں وہ حقیقی توکل حاصل ہو جائے گا جو صادقین کو حاصل ہے۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کا یہ طریقہ تھا ان کی ایک ابتدا تھی اور وہ آداب پر عمل پیرا تھے اور اس سے پہلے انہوں نے اپنے نفس کو مجاھدات کے ذریعے رام کر لیا ہوا تھا اور وہ اپنے «احوال» میں پختہ کار ہو چکے تھے۔ انہیں نہ تو کم کھانے کی پرواہ تھی اور نہ ھی وہ تنہائی میں وحشت محسوس کرتے تھے۔ وہ کئی بار مرے اور انہوں نے کئی قسم کی تلخیاں چکھیں تب کہیں جا کر ان کے احوال یکساں ہوئے خواہ وہ ویرانے میں ھوں خواہ آبادی میں ، میدان میں ھوں یا پہاڑ میں ، انجمن میں ھوں یا تنہائی میں ، عزت ھو خواہ ذلت ؛ بھوک ھو یا سیری ، حیات ھو یا موت ، لہذا جو شخص (ص٣٦٩)ان امور میں سے کوئی ایک بات بھی کرے گا اور وہ یہ سمجھے گا کہ اس کی گفتگو سے متوکلوں کے احوال کا پتا چلتا ہے وہ بھی غلطی پر ہے۔

ایک اور گروہ ہے جس نے صوف (پشمینہ) پہننے کی تکلیف اٹھائی اور خاص قسم کی بنی ہوئی گدڑیاں بنا لیں ، ھاتھ میں کشکول اٹھائے پھرے ، رنگدار کپڑے پہن لئے اور (صوفیاء کے) کچھ اشارے سیکھ لئے اور سمجھ لیا کہ ایسا کرنے سے ان کا شمار صوفیہ میں ہوگا ۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ (صوفیاء کا) حلیہ بنا لینا اور ان کا لباس پہن لینا اور ان سے مشابہت پیدا کر لینے سے حسرت ، ندامت ، عتاب ، ملامت ، عیب اور قیامت کے دن دوزخ کے سوا کچھ اور حاصل نہ ہوگا ۔ لہذا جس نے یہ خیال کر لیا کہ لباس پہن لینے اور مشابہت اختیار کر لینے سے وہ اہل حقائق کے احوال تک پہنچ جائے گا وہ غلطی پر ہوگا ۔

ایک اور گروہ نے صوفیہ کے علوم کو جمع کیا ، ان کے اشارات کی معرفت حاصل کی اور ان کی حکایت ازبر کر لیں اور صحیح الفاظ اور فصیح عبارتیں بنا لیں اور سمجھ لیا کہ وہ صوفیاء میں سے ہو گئے ہیں اور ان کے کسی قدر احوال کو پہنچ گئے ہیں انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے ۔

ایک اور گروہ نے خوراک جمع کر لی اور انہیں تسکین ہو گئی کہ خوراک اور مال تو پاس موجود ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے اوراد کی طرف توجہ دی مثلا روزہ ، نماز ، شب بیداری ورع گاڑھا لباس پہننا گریہ اور خدا ترسی کرنا اور سمجھ لیا کہ اصل مقصد تو یہی «حال» ہے جس سے بڑھ کر کوئی «حال» نہیں ہو سکتا ۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ میرا خیال نہیں کہ جن لوگوں نے علم تصوف کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے کسی ایک کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہو کہ اس نے سب سے پہلے دنیاوی ساز و سامان نہ دے دیا ہو اور انہوں نے اپنے مریدوں کو پہلی بات یہ نہ کہی ہو کہ تم دنیاوی تعلقات منقطع کر لو اور غیب سے اپنی خوراک کی امید رکھو ۔ لہذا جو شخص ان میں ہوگا اور پھر وہ لوٹ کر اسباب کی طرف آگیا ہو یا اس نے خوراک جمع کی ہو تو اس نے ایسا فعل اپنی ذات کی خاطر نہ کیا ہوگا بلکہ ان لوگوں کی خاطر کیا ہوگا جو اس کے آس پاس ہوتے ہیں یعنی مرید ، اہل و عیال اور آنے جانے والے صوفیاء لہذا جو شخص تصوف کی طرف اشارہ کرتا ہو اور صوفیاء کے حال کا مدعی ہو اور خود کو ان میں شمار کرتا ہو مگر اس کی بنیاد ان امور پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے نہ ہو وہ غلطی پر ہوگا ۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک اور گروہ نے یہ سمجھ لیا کہ تصوف نام ہے سماع

رقص ، دعوتیں کرنے ، نذریں لینے ، دعوتوں پر اجتماع کیلئے تکلف سے کام لینے ، قصائد کے سننے کے وقت تکلف کرنے ، اظہار وجد کرنے ، رقص اور عمدہ آواز اور رقت آمیز نغموں کے ساتھ مختلف راگ گھڑ لینے کی معرفت رکھنے ، ایسے عشقیہ اشعار بنا لینے کا جو صوفیاء کے احوال سے مشابہت رکھتے ہوں جیسا کہ انہوں نے بعض سچے صوفیاء کو کرتے دیکھا ہے یا محققین صوفیہ کے بارے میں انہوں نے سن رکھا ہے۔

انہوں نے بھی اس میں غلطی کھائی ہے اس لئے کہ ہر وہ دل جو حب دنیا سے ملوث ہو اور ہر وہ نفس جو بے کار رہنے اور غافل رہنے کا عادی بن چکا ہو اس کا سماع اور وجد دونوں (ص۳۲۰)مخدوش ہوں گے اور اس کا حرکت کرنا اور کھڑا ہونا محض تکلف ہوگا۔ لہذا جس نے یہ خیال کر لیا کہ وہ سماع ، حرکت اور وجد وغیرہ کے وقت اپنے تکلف ، حیلوں اور آرزوؤں سے محققین میں سے ہو جائے گا اس نے غلط سمجھ رکھا ہے۔

۴باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے اصول میں غلطی کھائی اور اس بات نے انہیں گمراھی تک پہنچا دیا

ہم پہلے ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں حریت اور عبودیت میں غلطی لگی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : متقدمین میں سے بعض لوگوں نے حریت اور عبودیت کے معنی پر بحث کی ہے بایں معنی کہ بندے کیلئے مناسب نہیں کہ وہ ان احوال و مقامات میں جو اس کے اور اللہ کے مابین ہوں احرار (آزاد لوگوں) کی طرح ہو۔ اس لئے کہ آزاد لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جو کام وہ کرتے ہیں اس کی اجرت طلب کرنے اور معاوضہ لینے کے منتظر رہتے ہیں ۔ مگر غلاموں کی یہ عادت نہیں ہوتی کیونکہ آقا اپنے غلاموں کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دیتا ہے ان پر غلام اجرت یا معاوضے کا منتظر نہیں رہتا ۔ اگر وہ ایسی خواہش کرے گا تو سمجھ لو کہ اس نے غلاموں کا طریقہ چھوڑ دیا ۔ کیونکہ آقا نے جو بندے کو جو کام کرنے کو کہا ہے اس پر اگر آقا کوئی عطیہ اسے دے تو یہ اس کی مہربانی ہوگی غلام کا استحقاق نہ ہوگا ۔ برعکس اس کے احرار کی یہ عادت نہیں ۔

ان ھی معنوں کے متعلق کسی شیخ نے «احرار» اور غلاموں کے مقامات کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس سے گمراہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ «حریت» عبودیت سے افضل ہے کیونکہ لوگوں میں یہی مشہور ہے کہ دنیاوی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے احرار کا مرتبہ غلاموں کے مرتبے سے بلند و ارفع ہے۔ ان لوگوں کو اسی پر قیاس کر لیا اور گمراہ ہوگئے اور یہ خیال کر لیا کہ جب تک بندے اور اللہ کے مابین عبادتگزاری رہے بندہ عبودیت کے نام سے موسوم ہوگا اور جب اللہ تک پہنچ گیا تو آزاد ہو گیا اور جب آزاد ہو گیا تو غلامی بھی نہ رھی -

اس فرقے کی گمراھی کی وجہ ان کی کم فہمی ، کم علم اور اصول دین کو نظر انداز کر دینا ہے اس گمراہ فرقے پر یہ بات پوشیدہ رھی کہ بندہ اس وقت تک صحیح معنوں میں بندہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل ماسوا سے آزاد نہ ہو ۔ تب کہیں جا کر وہ درحقیقت اللہ کا بندہ ہوگا ۔ اللہ تعالی نے مومنوں (ص٣٢١)کو «عبد» کے نام سے بہتر کسی نام سے نہیں پکارا چنانچہ فرمایا :

و عباد الرحمن (سورۃ الفرقان : ٦٣)

(اللہ کے بندے)

بنیء عبادی (سورۃ الحجر : ٣٩)

میرے بندوں کو بتا دو

کیونکہ یہ نام تو اللہ نے اپنے فرشتوں کو دیا ہے چنانچہ فرمایا:

عباد مکرمون (سورۃ الانبیاء : ٢٦)

(قابل عزت بندے)

مزید برآں اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو یہی نام دیا ہے اور فرمایا:

واذکر عبادنا (سورۃ ص : ٣٥)

(ھمارے بندوں کو یاد کرو)

اور واذکر عبدنا (سورۃ ص : ٣١)

(ھمارے بندے کو یاد کرو)

اور فرمایا : نعم العبد (سورۃ ص : ٣٠)

(وہ بہت اچھا بندہ ہے)

اور اپنے حبیب اور برگزیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا :

واعبد ربک حتی یأتیک الیقین (سورۃ الحجر : ٩٩)
(مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے پاؤں نماز پڑھتے پڑھتے سوج جایا کرتے تھے یہ دیکھ کر کسی صحابی نے عرض کیا : یا رسول اللہ کیا اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف نہیں کر دئے ہوئے ؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا : کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے : مجھے اختیار دیا کہ چاہوں تو نبی اور بادشاہ بنوں اور چاہوں تو نبی اور بندہ بنوں۔ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے تواضع اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہذا میں نے کہا : میں نبی اور بندہ رہنا پسند کرتا ہوں۔

اگر اللہ اور مخلوق کے درمیان عبودیت سے بلند تر کوئی مرتبہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اسے ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور اللہ تعالی آپکو وہ مرتبہ بھی عطا کر دیتے۔ اور خدا ھی توفیق دینے والا ہے۔

باب

اھل عراق میں سے ان لوگوں کا ذکر جنھوں نے اخلاص میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : عراق اور دیگر علاقوں کے لوگوں میں سے گمراہ لوگوں کا خیال ہے کہ بندے کا اخلاص اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک وہ مخلوق کی طرف نگاہ رکھنا نہیں چھوڑتا اور جب تک وہ ان تمام اعمال میں جنہیں وہ کرنا چاھتا ہے مخلوق کی مخالفت نہیں کرتا خواہ یہ بات حق ہو یا باطل۔

ان لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ اھل فہم اور اھل معرفت میں سے کچھ لوگوں نے اخلاص کی حقیقت پر بحث کی ہے اور وہ یہ ہے کہ بندے کا اخلاص اس وقت تک پاک و صاف نہیں ہو سکتا جب تک وہ مخلوق ، کائنات اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا ہے کی طرف نگاہ کرنا ترک نہیں کرتا۔ لہذا اس گروہ نے یہ سمجھ لیا اور یہ خواھش کی کہ قبل اس کے کہ وہ تصوف کے طریقوں پر چلیں ، اس کے آداب کو اپنائیں ، تصوف کو ابتدا سے شروع کریں کہ وہ یکے بعد دیگرے ایک حال سے دوسرے تک اور ایک مقام سے

دوسرے مقام تک پہنچ کر انتہا کو پہنچ سکیں ، محض دعوی ، تقلید اور تکلف کے ذریعے اسے حاصل کرنا چاہا اور ان کا یہ دعوی اور ان کی جھوٹی خواہش (اصول سے) بے اعتنائی ، آداب کو ترک کرنے اور حدود سے تجاوز کرنے کا باعث بنی ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے انہیں اپنی قید و بند میں (ص۳۲۲)لے لیا اور ان کا نفس اور خواہشات ان پر غالب آگئیں کیونکہ وہ تو یہی خیال کئے ہوئے تھے کہ اخلاص میں ان کا وہی طریقہ ہے جو مخلص لوگوں کا ہوا کرتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ عین گمراہی اور غلطی پر ہیں اور انہیں اس سے کیسے مخلصی ہو سکتی ہے اور ان کے بدبخت ہونے کی وجہ سے یہ بات ان سے پوشیدہ رہی کہ وہ بندہ جسے اللہ تعالی درجہء اخلاص کیلئے چاہتے ہیں وہ بندہ مہذب اور مؤدب بندہ ہوتا ہے۔ اس نے بداعمالیوں کو ترک کر دیا ہوتا ہے۔ خالص اللہ تعالی کے لئے عبادت کی ہوتی ہے ، ارادت کی خاطر عمل کیا ہوتا ہے ، احوال و مقامات طے کئے ہوتے ہیں اور ہونے ہوتے وہ خالص اخلاص کے مرتبہ کو پہنچ چکا ہوتا ہے۔ برعکس اس کے جو شخص اپنی خواہشات کی قید و بند میں ہو ، اپنے نفس اور شیطان کے پاس گرو ہو چکا ہو اور تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر گھرا پڑا ہو کہ ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے ۔ ایسا شخص تو مبتدیوں کے حال سے بھی محجوب ہوتا ہے اس کے بعد کے درجات تو درکنار رہے۔

ان لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے یہ سن لیا ہو کہ ایک قیمتی اور عمدہ گوہر ہوتا ہے جو صاف اور گول قسم کا ہوتا اس کے بعد کہیں سے کانچ کا ایک مہرہ اس کے ہاتھ لگ جائے اور چونکہ یہ بھی صاف اور گول ہوگا اسے پسند آجائے گا ۔ پھر ضرورت پڑنے پر وہ اسے اٹھا کر جوہری کے پاس لے جاتا ہے اور جوہری اسے کہتا ہے یہ تو کانچ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اس پر بھی اس کی جہالت اور طمع کاذب اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اسے پھینک دے ۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ کانچ اور گوہر میں امتیاز نہیں کر سکتا ۔

یہ لوگ اپنی گمراہی میں رہ کر ہر روز نقصان پہ نقصان اٹھائے جاتے ہیں اور اپنی سرکشی میں سرگردان رہتے ہیں ۔ خدا ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنی پناہ میں رکھے۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے ولایت اور نبوت کے بارے میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک اور گروہ ولایت (۱) کو نبوت پر فضیلت دینے کی

وجہ سے گمراہ ہوا ۔ انہیں یہ غلطی موسی اور خضر علیہما السلام کے قصے سے لگی کیونکہ انہوں نے اس قصہ پر غور کرتے ہوئے اپنی رائے کو استعمال کیا ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں

عبداً من عبادنا اتیناه رحمة من عندنا و علمناه من لدنا علما (سورة الكهف : ٦٥)

(اپنے بندوں میں سے ایک بندہ جسے ہم نے اپنی رحمت عطا کی اور ہم نے اپنی طرف اسے علم دیا)

پھر باوصف اس کے کہ موسی علیہ السلام کو اللہ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل تھا اور رسالت کے ساتھ مخصوص تھے اور باوصف ان علوم کے جو الواح نے ان کے اندر درج کئے تھے جس کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

فی الألواح من کل شیء موعظة و تفصیلا لکل شیء (سورة الاعراف : ١٤٥)

(ہم نے الواح میں ہر طرح کی نصیحت درج کر دی تھی اور ہر چیز کی تفصیل دی تھی)

خضر علیہ السلام ان سے یوں کہتے ہیں :

انک لن تستطیع معی صبرا (سورة الکهف : ٦٧)

(تو میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکے گا)

اور موسی علیہ السلام کو کہنا پڑا :

لا تؤاخذنی بما نسیت ولا ترهقنی من أمری عسرا (سورة الكهف : ٧٣)

(تو میری بھول کی وجہ سے مجھ سے مؤاخذہ نہ کر اور نہ کسی مشکل بات کی تکلیف دے)

(ص۳۲۳)اس سے اس گمراہ ٹولے نے یہ خیال کر لیا کہ اس واقعہ سے موسی علیہ السلام کی نبوت میں نقص اور موسی علیہ السلام پر خضر کی فضیلت پائی جاتی ہے اور یہ خیال انہیں یہاں تک لے گیا کہ انہوں نے اولیاء کو انبیاء پر فضیلت دے دی ۔ ان کے ذہن سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ، جس طرح چاہتے ہیں اور جس چیز کے ساتھ چاہتے ہیں خصوصیت دے دیتے ہیں چنانچہ آدم علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا ۔ نوح علیہ السلام کو کشتی کے ساتھ خصوصیت دی ، صالح علیہ السلام کو اونٹنی کے ساتھ ، ابراهیم علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ آگ ان کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی کی چیز بنا دی گئی ، موسی (١) علیہ السلام کو عصا کے ساتھ خصوصیت دی گئی اور عیسی علیہ السلام کو مردہ زندہ کرنے کے ساتھ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو شق القمر اور انگلیوں سے پانی پھوٹنے کی خصوصیت دی گئی ۔

اب ان لوگوں کو لیں جو نبی نہ تھے ۔ مریم علیہا السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے :

و هزی الیک بجذع النخلة تساقط علیک رطباً جنیا
(کھجور کے تنے کو ہلاؤ تازہ اور پکی ہوئی کھجوریں اوپر سے گریں گی)

حالانکہ مریم نبی نہ تھی ۔ اور یہ خصوصیت جو ان ہی کو حاصل ہوئی کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہوئی ۔ اور کسی کہنے والے کیلئے یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ انبیاء علیہ السلام سے افضل تھیں ۔

اور آصف بن برخیا کے پاس کتاب (اللہ) کا علم تھا جس کے ذریعے وہ بلقیس کے تخت کو آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آئے ۔ لہذا یہ تمہارے لئے کیسے جائز ہے کہ تو کہے کہ وہ سلیمان علیہ السلام سے افضل تھا حالانکہ اللہ تعالی نے انہیں نبوت ، فہم اور بادشاہت سے نواز رکھا تھا ۔

اور تو نے ھدھد کا قصہ بھی سنا رکھا ہے۔ اس کی خصوصیت تھی کہ وہ یہ معلوم کر لیتا تھا کہ پانی کہاں کہاں ہے اور یہ خصوصیت نہ کسی پرندے کو ، نہ جن کو اور نہ کسی انسان کو حاصل تھی ۔

یہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :
تم میں زید علم فرائض کا سب سے بڑا عالم ہے اور قرآن کی بہترین قراءت کرنے والا اُبیؓ ہے اور معاذ بن جبل کو حرام و حلال کا سب سے زیادہ علم ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے دس صحابیوں کے متعلق جنتی ہونے کی گواھی دی ہے مگر ان میں مذکورہ بالا صحابہ کا نام نہیں ہے اور ھمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل تھے ۔

اس قسم کی روایات بہت ھیں اور خواہ کوئی ولی ھو اسے جو کچھ اللہ تعالی کی طرف سے حاصل ھوتا وہ اپنے نبی کی صحیح طور پر تابعداری ھی سے ملتا ہے لہذا یہ کیسے ھو سکتا ہے کہ تابع کو متبوع پر فضیلت دے دی جائے اور پیروی کرنے والے کو اس پر جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام کو دیا جاتا ہے اس میں سے اولیاء کو صرف ایک چھینٹا دیا جاتا ہے ۔

اور جو شخص (اپنی تائید میں) یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بالواسطہ وحی ھوتی ہے اور اولیاء کو بلا واسطہ القا ھوتا ہے ۔

اس کے جواب میں ہم انہیں کہیں گے کہ تم نے اس میں غلطی کھائی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام (ص٣٢٣)کی یہ حالت یعنی انہیں الہام کیا جانا ، مناجاۃ اور اللہ تعالی سے بلاواسطہ احکام لینا دائمی امر ہوتا ہے برعکس اس کے اولیاء کو کبھی یہ بات حاصل ہوتی ہے اور کبھی نہیں ۔ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ انہیں رسالت اور نبوت دی جاتی ہے اور جبرائیل کے ذریعے وحی کی جاتی ہے مگر ولیوں کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی ۔ اگر خضر علیہ السلام پر موسی علیہ السلام کے طور کے پرتو کا اور مکالمہ الہیہ کی خصوصیت کا ذرہ بھر بھی پڑ جاتا تو خضر فنا ہو جاتے مگر حق تعالی نے انہیں ان امور سے اس لئے محجوب رکھا تاکہ موسی علیہ السلام کو مہذب بنایا جائے اور ان کو مزید فضیلت حاصل ہو ۔

اس نکتہ کو سمجھیں ۔ ان شا ء اللہ تعالی ۔

مزید براں ولایت اور صدیقیت تو انوار نبوت ہی سے منور ہوتی ہے لہذا یہ نبوت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی چہ جائیکہ اس سے افضل (١) ہو ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے اشیاء کو جائز اور ممنوع قرار دینے میں غلطی کھائی اور ان کا جواب

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : پھر ایک گمراہ فرقہ ایسا ہے جنہوں نے چیزوں کے جائز اور ناجائز ہونے میں غلطی کھائی ۔ اور کہا کہ تمام اشیاء دراصل مباح ہیں ان کی ممانعت صرف اس لئے کی گئی کہ ہم حد سے آگے نکل گئے لہذا کوئی حد سے تجاوز نہ کرے تو اشیاء اپنی اصل کی بنا پر جائز ہوں گی انہوں نے اللہ تعالی کے قول :

فأنبتنا فيها حباً و عنباً و قضباً و زيتوناً و نخلا و حدائق غلباً و فاكهة و أباً متاعاً لكم ولأنعامكم

(پھر ہم نے اس کے اندر غلہ ، انگور ، پودے ، بوٹیاں ، زیتون ، کھجوریں اور گھنے باغات میوہ جات اور چارا اگایا ۔ یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے لئے ساز و سامان تھا)

اس آیت کی تاویل کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں : اللہ تعالی نے ان اشیاء کا مجمل ذکر کیا ہے ، ان کی تفصیل بیان نہیں کی ۔ ان کی جہالت کی وجہ سے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان

کے نفسوں نے یہ خواهش کی کہ جو امور دیگر مسلمانوں کیلئے ممنوع هیں وہ ان لوگوں کیلئے مباح هیں بشرطیکہ وہ ان میں بے اعتدالی نہ کریں -

یہ لوگ چونکہ اصول دین سے ناواقف تھے اور علم شریعت میں بھی کم دسترس تھی اور اس میں نفسانی خواهشات لگے رہے لہذا ایک دقیق اور مخفی نکتہ کی وجہ سے غلطی کھا گئے اس طرح کہ انہوں نے یہ سن رکھا تھا کہ صوفیاء کے هاں مکارم اخلاق ، حسن معاشرت اور باهمی بھائی چارا هوتا ہے اور ان پر متقدمین صوفیاء کے هاں عمل هوتا تھا - اور اس طرح ان کے هاں یہ کیفیت هو گئی کہ تکلف اٹھ گیا اور شرم و حیا جاتی رهی یہاں تک کہ ایک صوفی اپنے کسی ساتھی کے گھر کے پاس سے گزرتا اور هاتھ بڑھا کر اس کا کھانا کھانا شروع کر دیتا اور اپنی ضرورت کے مطابق اس کی کمائی میں سے لے لیتا جس سے اپنے کسی اور ساتھی کی خبرگیری کرتا جو وهاں موجود نہ هوتا بعینہ اسی طرح جس طرح وہ اپنی ذات کی کرتا ہے -

یہ اسی طرح ہے جس طرح فتح (۱) موصلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے دینی بھائی کے گھر کے پاس سے گزرے اور اس کی لونڈی سے کہا : میرے بھائی کی تھیلی نکال کر لے آؤ وہ لے آئی تو انہوں نے اس میں سے ضرورت کے مطابق رقم لے لی - جب مالک واپس گھر پہنچا (ص۴۲۵)تو لونڈی نے واقعہ بیان کیا - مالک نے کہا : اگر تو سچ کہتی ہے تو میں تجھے اللہ کی خوشنودی کیلئے آزاد کرتا هوں -

اور جیسا کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے (۲) ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کی غیر حاضری میں اس زنبیلوں سے اوپر کی چیز میں لے کر کھا لیا کرتے تھے - کسی نے ان سے اس کے متعلق پوچھ لیا تو جواب دیا : ارے کمینے ! پرانے لوگ یونہی کیا کرتے تھے کہ ایک شخص اپنے بھائی کے مکان کے پاس سے گزرتا تو اس کے کھانے میں سے تھوڑا سا لے لیتا اور اس کے درهموں سے کچھ لے لیتا اور اس سے اس کا مقصد بھائی کو خوش کرنا هوتا اور اسے یہ معلوم تھا کہ یہ بات اسے دنیا بھر کی دولت ملنے سے بھی زیادہ پیاری ہے -

اسی طرح کچھ لوگ کہا کرتے کہ صوفیاء کے هاں عوض و معاوضہ کی کوئی بات نہیں ان کا طریقہ ایک دوسرے سے غمخواری کرنے کا طریقہ ہے جیسا کہ ابراهیم بن شیبان نے فرمایا ہے :

جو شخص یہ کہتا کہ یہ میرا جوتا ہے هم اس کی صحبت میں نہیں رهتے تھے اس قسم کی مثالیں بہت هیں -

یہاں سے اس گمراہ فرقے نے یہ سمجھ لیا کہ چیزوں کا اس طرح لے لینے کا جواز

ان کے ہاں ایسی حالت میں ہو گا جس میں ان کیلئے حدود کا نظر انداز کر دینا جائز ہو گیا تھا ۔ اور امر و نہی کی حدود سے تجاوز کر جانا بھی ان کیلئے جائز ہو گیا تھا لہٰذا اپنی جہالت کی وجہ سے یہ لوگ پریشانی میں پڑ گئے اور حیران و پریشان پھرتے رہے اور جس چیز کو ان کے نفس نے چاہا اسی کو حاصل کرنے کے پیچھے لگ لئے چنانچہ انہوں نے خواہشات نفس کی پیروی اور ممنوع اشیاء کو تاویلوں ، حیلوں ، جھوٹ ، اور ملمع سازی سے استعمال کیا ۔

اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ تمام اشیاء دراصل مباح ھیں اسے تو بلکہ یوں کہنا چاھئے تھا کہ تمام اشیاء دراصل ممنوع ھیں اور پھر اللہ تعالی نے ان میں وسعت اور اجازت دی تو اللہ کے امر و نہی کی وجہ سے انہیں جائز قرار دیا گیا تاکہ یہ لوگ غلطی میں نہ پڑ جائیں ۔ حالانکہ (حق بات یہ ہے کہ) حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہو ۔ اور کسی مسلمان کو گذشتہ (امتوں کی) شریعت پر عمل کرنے کو نہیں کہا گیا اور نہ ہی یہ کہا گیا ہے کہ وہ ان چیزوں کو استعمال میں لائیں جنہیں پہلی امتیں استعمال میں لاتی تھیں بلکہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ جن امور کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کریں اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رھیں اور مشتبہ امور سے پرھیز کریں ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :
حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ھیں ۔ اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی مثال ایک چراگاہ کی ہے جو اس کے گرد گھولے (۱) گا تو سمجھ لو کہ وہ اس کے اندر داخل بھی ہو گیا (لہٰذا اسے اس کے نزدیک نہ آنا چاھئے) ۔

جن لوگوں نے یہ کہا کہ اشیاء دراصل جائز ھیں ، ان کا یہ کہنا ان لوگوں کے مقابلے میں جنھوں نے کہا ہے کہ اشیاء دراصل ممنوع ھیں زیادہ وزنی نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی شخص دوسرے شخص کی ملکیت کی چیز لے لے گا تو اس کیلئے دلیل کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں ۔

ہم اس مسئلہ کا قیاس مسئلہ نجاست اور طہارت پر نہیں کر سکتے کیونکہ فقہاء ، اور اھل علم کی ایک جماعت کے نزدیک تمام اشیاء دراصل پاک ھیں تاآنکہ ان کے نجس ہونے کی دلیل نہ مل جائے ۔

(ص۳۲٦)دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست اور طہارت کا تعلق عبادات کے ساتھ ہے اور ممانعت اور جواز کا تعلق ملکیت کی اشیاء کے ساتھ ہے لہٰذا جو چیز کسی کی ملکیت ہو وہ کسی اور کیلئے بغیر دلیل کے جائز نہیں ہو سکتی ۔ خدا ھی توفیق دینے والا ہے ۔

باب

حلولیہ کی غلطی اور ان کے ان اقوال کا بیان جو مجھ تک پہنچے ھیں میں ان میں کسی کو نہیں جانتا۔ لہذا میرے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ ان تک اپنی بات پہنچا دوں۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : مجھے بتایا گیا ہے کہ حلولیہ میں سے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حق تعالی نے چند جسموں کو منتخب کر لیا ہے اور پھر اپنی ربوبیت کی تمام صفات کے ساتھ ان میں حلول کر گیا ہے اور اس طرح اس کی تمام بشری صفات کو زائل کر دیا ہے۔

اگر یہ درست ہو کہ انہوں نے ایسا کہا ہے اور پھر وہ یہ بھی خیال کرتے ہوں کہ ایسا کہنے کے باوصف توحید نے انہیں اپنا چہرہ دکھا دیا ہے تو اس نے اس میں غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے بالکل غافل ہے کہ جب چیز دوسری چیز میں داخل ہوتی ہے تو جس چیز میں داخل ہوتی ہے اس کی ہم جنس ہوتی ہے اور اللہ تعالی تو تمام اشیاء سے جدا ہ ں اور اشیاء بھی صفات کی بنا پر اللہ سے جدا ھیں اور اللہ تعالی نے جو کچھ اشیاء میں ظاہر کیا ہے وہ اس کی صنعت گری علامات اور اس کی ربوبیت کے ثبوت ھیں۔ کیونکہ بنی ہوئی چیز سے اس کے صانع کا پتا چلتا ہے اور تالیف سے مؤلف کا۔ اگر یہ درست ہو کہ حلولیہ نے ایسا کہا ہے تو ان کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان دو باتوں میں امتیاز نہیں کر سکے ایک یہ کہ قدرت قادر کی صفت ہے اور دوسرے یہ کہ شواھد قادر کی قدرت اور صانع کی صنعت گری پر دلالت کرتے ھیں۔ یہی بات ان کی گمراھی کا سبب بنی۔

مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ "انوار" کے قائل ھیں اور بعض لوگ اس بات کے قائل ھیں کہ اللہ نے مستحسن شواھد پر اس طرح نگاہ ڈالی جس کا لوگوں کو علم نہیں۔ اور بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ مستحسن اور غیر مستحسن دونوں میں حلول کئے ہوئے ہے اور بعض کہتے ھیں کہ اللہ صرف مستحسن اشیاء میں حلول کئے ہوئے ہے۔ مزید برآں بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ حلول دائمی ہوتا ہے اور بعض کہتے ھیں کہ کسی وقت ہوتا ہے اور کسی وقت نہیں۔

لہذا جن لوگوں کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ ان مذکورہ بالا عقائد میں سے کوئی ایک عقیدہ رکھتے ھیں اس کے متعلق تمام امت کا اجماع ہے کہ وہ گمراہ ہے اور کافر ہے

کیونکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اس سے کفر لازم آتا ہے۔

اور وہ اجسام جنھیں اللہ تعالی نے منتخب کیا ہے وہ اللہ کے ولیوں اور منتخب شدہ لوگوں کے اجسام ہیں ۔ اللہ نے انہیں اپنی اطاعت اور خدمت کیلئے منتخب کیا ہے انہیں اپنی طرف ہدایت کرکے زینت بخشی ہے اور مخلوق پر ان کی فضیلت واضح کی ہے۔ اللہ تعالی ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جو اس نے خود اپنے لئے بیان کی ہیں ۔ کوئی چیز اس جیسی نہیں اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

(ص۴۲۷)جنھوں نے حلول کے عقیدے میں غلطی کھائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اوصاف حق تعالی اور اوصاف مخلوق میں صحیح طور پر امتیاز کرنا نہیں آتا ۔ کیونکہ اللہ تعالی دلوں میں حلول نہیں کرتا ۔ دلوں کے اندر تو اللہ پر ایمان کی تصدیق ، توحید اور معرفت حلول کرتی ہے اور یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی اشیاء کے اوصاف ہیں اس اعتبار سے کہ اللہ نے انہیں ایسا بنا دیا ہے۔ یوں نہیں کہ اللہ بذات خود یا اپنی صفات کے ساتھ ان میں حلول کرے ۔ خدا عزوجل ان امور سے بلند و بالا ہے۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنھوں نے بشریت کے فنا ہو جانے کے متعلق غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اب رہے وہ لوگ جنھوں نے فناۂ بشریت کے بارے میں غلطی کھائی ہے تو ان لوگوں نے فنا کے بارے میں متحققین صوفیاء کا کلام سنا جس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس سے مراد بشریت کا فنا ہو جانا ہے لہذا یہ لوگ وسوسے میں پڑ گئے چنانچہ بعض لوگوں نے کھانا اور پینا ترک کر دیا اور یہ خیال کر لیا کہ اس ڈھانچے اور جثے کا نام بشریت ہے۔ جب یہ کمزور پڑ جائے گا تو اس کی بشریت بھی جاتی رہے گی اور جب بشریت زائل ہو گئی تو پھر ہو سکتا ہے کہ یہ صفات خداوندی سے موصوف ہو جائے ۔

اس جاھل اور گمراہ ٹولے کو صحیح طور پر یہ معلوم ہی نہیں کہ بشریت اور اخلاق بشریت میں کیا فرق ہے کیونکہ بشر سے بشریت زائل نہیں ہو سکتی جس طرح کالے آدمی کا کالا پن اور سفید رنگ کے آدمی کی سفیدی دور نہیں ہو سکتی ۔ (بر خلاف اس کے) جب کسی فرد پر انوار حقائق غالب آ جاتے ہیں تو اس کے بشری اخلاق میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے۔ صفات بشریت اور بشریت دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں ۔

اور جن لوگوں نے فنا کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مراد اپنے اعمال اور عبادتگزاری کو دیکھنے سے فنا ہو جانا ہے اور اس خیال کو باقی رکھنا ہے کہ اللہ تعالی اسے ان اعمال پر قائم رکھے ہوئے ہیں ۔اسی طرح ان کی مراد علم کے ذریعے جہالت اور ذکر کے ذریعے غفلت کا فنا ہونا ہے۔ جو امر فناء بشریت میں فطری ہے اس کے اندر فناء بشریت فطری ہے۔ اور بشریت کے ذریعے بشریت کا فنا ہو جانا بھی تو بشریت کی ایک صفت ہے۔

اور جو شخص یہ خیال ذہن میں لئے ہوئے ہو کہ فنا سے مراد نفس کا فنا ہونا ہے اور وقتاً فوقتاً تغیر احوال کا زائل جانا ہے نیز یہ کہ بشریت بالکل جاتی رہتی ہے اس نے غلط سمجھا ہے اور وہ اوصاف بشریت سے ناواقف ہے کیونکہ تغیر کا آنا اور احوال کا بدلنا بشریت کی صفت میں شامل ہے اور جب بشریت سے تغیر اور حالات کا بدلنا اٹھ گیا تو اس نے اپنی صفت کو بدل ڈالا اور حقیقت بشریت سے ہٹ گیا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب بشریت میں نہ تغیر پیدا ہو اور نہ اس کے احوال میں تو وہ اپنی صفت کو چھوڑ بیٹھا ۔ واللہ اعلم ۔

باب (ص۴۲۸)

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے رؤیت بالقلب کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مجھے بتایا گیا ہے کہ اہل شام میں سے کچھ لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ اس دنیا کے اندر ہم حق تعالی کو دل کی نگاہوں سے اسی طرح دیکھ سکتے ہیں جس طرح ہم آخرت میں اپنی آنکھوں سے اسے دیکھیں گے ۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی شخص نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے ان لوگوں میں سے کسی صاحب شعور آدمی کو دیکھا ہے لیکن میں نے ابوسعید خراز رحمہ اللہ کا ایک رسالہ دیکھا ہے جو انہوں نے اہل دمشق کو لکھا تھا جس میں لکھا ہے : مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے ہاں کے کچھ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں ۔ اور پھر تقریباً وہی قول نقل کیا جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے زمانے کے بعض لوگوں نے اس میں غلطی کھائی ہو اور گمراہ ہو کر حیران پھرتے رہے ہوں۔

اہل حق اور صائب الرائے لوگوں نے اس سلسلے میں جو کچھ کہا ہے اور رؤیت قلب کی طرف اشارہ کیا ہے ان کی مراد ایمان کے ذریعے تصدیق ، مشاہدہ اور حق الیقین ہے جیسا کہ حارثہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا :

مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے کہ میں اپنے رب کے عرش کو بظاہر دیکھ رہا ہوں

جیسا کہ ایک طویل حدیث میں مذکور ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا تھا :
عبد نور اللہ قلبہ (حارثہ ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ نے منور کر رکھا ہے)
یا جو الفاظ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمائے ہوں۔ جیسا کہ مروی ہے۔

جو لوگ اس کا مفہوم سمجھنے میں سرگرداں پھرتے رہے اور وسوسے میں پڑ گئے وہ اہل بصرہ میں سے صبیحی (٦٦٦) کے پیروکار ہیں ، جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے۔ میں نے ان میں سے بعض لوگوں کو دیکھا بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجاھدہ ، شب بیداری ، ترک طعام و شراب ، خلوت ، تنہائی اور کثرت توکل کو اپنی ذات پر لازم قرار دیا بایں ھمہ ان میں غرور پیدا ہو گیا اور شیطان کے پھندے میں آگئے اور یوں تصور کر لیا کہ اللہ تعالی عرش یا تخت پر بیٹھا ہے اور اس سے انوار کی شعاعیں نکل رہی ہیں ۔

ان میں سے بعض نے اس کا ذکر ان لوگوں کے سامنے کیا جو شیطان کی چالوں سے واقف ہیں ۔ چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کو سمجھایا ، سیدھی راہ بتائی اور انہیں دوبارہ راہ راست پر لا کر کھڑا کر دیا ۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ سہل بن عبداللہ کے ایک شاگرد نے انہیں کہا : استاد صاحب ! میں ہر رات اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالی کو دیکھتا ہوں۔ سہل رحمہ اللہ سمجھ گئے کہ یہ شیطان کے نرغے میں آگیا ہے۔ لہذا انہوں نے اسے کہا : پیارے ! آج رات جب تو اسے دیکھے تو اس پر تھوکنا چنانچہ اس رات جب اس نے دیکھا تو اس پر تھوکا ۔ تھوکنا تھا کہ عرش غائب اور نور تاریکی سے بدل گیا ۔ اس طرح وہ شخص اس فریب سے نجات پا گیا ۔ اس کے بعد پھر اسے کوئی چیز دکھائی نہیں دی ۔

(ص٣٢٩)اور جو لوگ استادوں کی خدمت میں نہیں آتے کہ وہ ان کے ان وساوس کو دور کر دیں وہ حماقت کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں اور ان جھوٹے خیالات کی وجہ سے آخر عمر تک دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں ۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ عبد الواحد بن زید رحمہ اللہ سے بھاگ کر چلے گئے کیونکہ عبدالواحد رحمہ اللہ انہیں مجاھدہ ، عبادت ، اکل حلال اور زھد فی الدنیا کا حکم دیا کرتے تھے اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کچھ عرصہ بعد عبدالواحد رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دیکھ لیا اور اس سے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا حال پوچھا ۔ اس نے کہا : اے استاد ! ہم تو ہر رات جنت میں داخل ہو کر وھاں کے پھل کھاتے ہیں ۔ عبدالواحد نے کہا : آج مجھے بھی ساتھ لے چلنا : چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ جنگل میں لے گیا ۔ جب رات ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ سبز لباس پہنے ہوئے ہیں اور باغات و میوہ جات

ہے ۔ عبدالواحد رحمہ اللہ نے سبز پوشوں کے پاؤں کی طرف نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان کے پاؤں جانوروں کے سموں کی طرح ہیں جس سے وہ سمجھ گئے کہ یہ شیاطین ہیں ۔ جب منتشر ہونے لگے تو عبدالواحد نے کہا : کہاں جاتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب ادریس نبی علیہ السلام جنت میں داخل ہوگئے تو پھر وہاں سے نہیں نکلے (چنانچہ انہوں نے وہیں رات گزاری) جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ وہ کوڑی کے اوپر ہیں اور ان کے گرد جانوروں کا گوبر اور گدھے کی لید پڑی ہے ۔ لہذا انہوں نے توبہ کی اور پھر سے عبدالواحد رحمہ اللہ کی صحبت میں رہنے لگے ۔

انسان کو یہ جان لینا چاہئے کہ اس دنیا کے اندر آنکھ جس قسم کا بھی نور دیکھے (وہ نور نورانی اور نور خداوندی نہ ہوگا بلکہ) نور مخلوق ہوگا اور اس نور کی اللہ سے کوئی مناسبت نہ ہوگی اور نہ ہی یہ صفات خداوندی میں سے ہوگا بلکہ مخلوق ہوگا ۔

اور جو رؤیت قلبی مشاہدہ ایمان ، حقیقت یقین اور تصدیق کے ساتھ ہوگی وہ درست اور حق بات ہوگی ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے :
تم اللہ کی اس طرح عبادت کیا کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے ۔

تابعین میں سے جس نے یہ کہا ہے : اگر پردہ اٹھ بھی جائے تب بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہ ہوگا ۔ اس نے اپنے یقین کی حقیقت اور ”وقت“ کی صفائی کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بات اس نے غلبہ وجد کی وجہ سے کہی ہے ۔

(بات خواہ کچھ بھی ہو) دنیا میں بھی اور آخرت میں سنی سنائی بات اور آنکھوں دیکھی بات یکساں نہیں ہو سکتی ۔

اللہ تعالی کے قول : (٦٦٨) . ما کذب الفؤاد مارأی

(جو کچھ دل نے دیکھا اس نے اس میں جھوٹ نہیں کہا)

کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے دل سے دیکھا اس کی تکذیب آنکھوں نے نہیں کی اور نہ ہی دل نے آنکھ کی دیکھی ہوئی اشیاء کی تکذیب کی اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص تھی کسی اور کو یہ بات حاصل نہ تھی ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے صفائی اور پاکیزگی کے بارے میں غلطی کھائی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ایک گروہ نے یہ دعوی کیا کہ انہیں کامل اور دائمی صفائی اور پاکیزگی حاصل ہے اور یہ صفائی ان سے کبھی زائل نہیں ہوتی ۔ ان کا خیال ہے کہ بندہ تمام کدورتوں اور عیوب سے پاک ہو سکتا ہے بایں معنی کہ یہ ان سے قطعی طور پر جدا ہو جاتی ہیں ۔

انہیں بھی اس میں غلطی لگی ہے کیونکہ بندہ تمام آلائشوں سے دائمی طور پر پاک نہیں ہو سکتا اور اگر کسی وقت وہ پاک ہو بھی جائے پھر بھی آلودگی سے مبرا نہیں ہو سکتا ، وہ کبھی پاک ہوتا اور کبھی نہیں اور یہ اپنے اپنے مرتبے اور مقام کے مطابق ہوتا ہے لہذا وہ اس پاکیزگی کی بنا پر اللہ کا ذکر کرتا ہے ۔ اور جو پاکیزگی بندے کے دل کو حاصل ہوتی ہے اس ے مراد کینہ ، حسد ، شرک اور تہمتوں سے دل کا پاک ہونا ہے رہی ایسی صفائی جس پر کسی قسم کی بیماری نہ آسکے اور بدون تغیر احوال وہ تمام اوصاف بشریہ سے ہمیشہ کیلئے پاک ہو جائے تو یہ مخلوق کی صفات میں سے نہیں ۔ یہ تو اللہ تعالی کی صفت ہے ۔ اللہ ہی وہ ہستی ہے جسے کوئی نقص لاحق نہیں ہو سکتا اور نہ غیر کا اس پر اثر ہو سکتا ہے ۔ مخلوق کو تو ابتلا اور آزمائش کیلئے پیدا کیا گیا ہے ۔ یہ بیماریوں اور اغیار کے اثر سے کب پاک ہو سکتا ھے ۔ جب حقیقت یہ قرار پائی تو پھر بندے کیلئے یہی حکم ھے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور ہر وقت استغفار کرتا رہے ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

(٦٦٨) وتوبو الی اللہ جمیعاً أیها المؤمنون لعلکم تفلحون

(مومنو ! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ)

جیسا کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :

(٦٦٩) میرے دل پر بادل چھا جاتے ھیں تو دن میں ستر بار استغفار کرتا ھوں ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے انوار کے بارے میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ھیں : ایک جماعت نے انوار کے بارے میں غلطی کھائی ۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں نور دکھائی دیتے ہیں ۔ اور بعض اپنے دل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں انوار ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ انوار اسی قسم کے ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی ذات کے لئے کیا ہے ۔ یہ لوگ اس نور کو سورج اور چاند کے نور کی طرح جانتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ انوار معرفت ، انوار توحید اور انوار عظمت میں سے ہیں اور انہیں غیر مخلوق خیال کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو اس میں بڑی بھاری غلطی لگی ہے ۔ کیونکہ انوار تو تمام کے تمام مخلوق ہیں خواہ نور عرش ہو خواہ نور کرسی ، خواہ نور شمس ، نور چاند ، اور نور کواکب اور جو نور اللہ کا ہے اس کی نہ صفت بیان کی جا سکتی ہے اور نہ وہ محدود ہے ۔ جس نور کا ذکر اللہ تعالی نے کیا ہے اسے نہ تو کوئی پا سکتا ہے اور نہ وہ محدود ہے ۔ مخلوق کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور ہر وہ نور جس کا احاطہ علوم اور فہم کر سکے (ص٤٣١)مخلوق ہوگا ۔ اللہ تعالی کے تمام کے تمام انوار مخلوق کی ہدایت کیلئے ہیں اور جو انوار اللہ کی مصنوعات کے ہیں وہ اللہ کی معرفت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور ہمارے لئے عبرت کا سبب ہیں تاکہ لوگ ان سے اللہ کی توحید کی معرفت کا راستہ پا لیں جو خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں ہماری رہنمائی کا سبب ہے اور انوار قلوب سے مراد وہ فرقان اور بیان ہے جو اللہ کی طرف سے کیا گیا ہے ۔ چنانچہ فرمایا :

(٦٨٠) یا أیها الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً

مسلمانو ! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تمہیں فرقان دے گا ۔

فرقان کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں : اللہ تمہارے دلوں میں نور رکھ دے گا جس کے ذریعے تم حق و باطل میں امتیاز کر سکو گے ۔

جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے ، معرفت انوار سے یہی مراد ہے ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے ،،عین جمع،، میں غلطی کھائی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : کچھ لوگوں کو ،،عین جمع،، کے بارے میں غلطی لگی ہے اور انہوں نے وہ امور جو اللہ نے مخلوق کی طرف منسوب کئے ہیں ان کی طرف منسوب نہیں کئے اور جن کاموں کیلئے وہ حرکت میں آتے ہیں ان میں اس حرکت کو اپنی حرکت نہیں کہا اور یہ خیال کر بیٹھے کہ یہ ان کی طرف سے اس بات سے پرہیز کرنا ہے کہ کہیں ایسا

نہ ہو کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو نہ سمجھ لیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ملت اسلامیہ سے باہر نکل گئے اور انہوں نے حدود شریعت کو ترک کر دیا اور کہا کہ ہم تو ان حرکات میں مجبور ہیں (وہ ہماری اختیاری حرکتیں نہیں لہذا جب وہ حدود شریعت سے تجاوز کرتے اور پابندیء شریعت کی مخالفت کرتے تو اپنی ذات کو ملامت نہ کرتے ۔ اور بعض اس سے بھی آگے نکل گئے اور بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ بداعمالیاں اور بیہودگی کرنے لگے اور اپنے دل میں یہی کہتے کہ چونکہ یہ اعمال ان سے جبراً کرائے جاتے ہیں لہذا وہ معذور ہیں ۔

ان لوگوں کو غلطی لگنے کی وجہ اصول اور فروع سے ناواقفیت ہے لہذا یہ اصل اور فرع میں امتیاز نہ کر سکے اور نہ ،،جمع،، اور ،،تفرقہ،، کو سمجھ سکے لہذا انہوں نے اصل کی بات کو فرع کے ساتھ لگا دیا اور جس چیز کا تعلق ،،تفرقہ،، کے ساتھ تھا اسے ،،جمع،، کے ساتھ ٹانک دیا اور اشیاء کو ان کے اصلی مقام پر نہ رکھنے کی وجہ سے تباہ ہو گئے ۔

جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے کسی نے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو یہ کہتا ہے کہ میری مثال تو اس دروازے کی ہے جسے جب تک ہلایا نہ جائے نہ ہلے گا ۔

اس کے جواب میں سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا : ایسی بات صرف دو شخص کہہ سکتے ہیں ۔ یا تو کہنے والا صدیق ہوگا یا زندیق ۔ سہل رحمہ اللہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ صدیق کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ تمام اشیاء کا قیام و وجود اللہ ہی کی وجہ سے ہے اور وہ ہر چیز کو اللہ ہی کی طرف سے سمجھتا ہے اور ہر بات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہے (ص۲۳۲)مگر اس کے ساتھ ہی اسے ان تمام امور کا علم ہوتا ہے جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے مثلا اصول ، فروع ، حقوق اور حظوظ اور وہ حق و باطل میں امتیاز کرنا بھی جانتا ہے امر و نہی کی تابعداری کرتا ہے ، اچھی طرح عبادتگزاری کرتا ہے ، شرائط ادب ملحوظ رکھتا ہے اور صحیح طور پر راہ پر چلنا بھی جانتا ہے ۔

لیکن اگر زندیق یہی بات کہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی اسے معصیت کاری پر زجر و توبیخ نہ کر سکے اس کی جہالت نے اسے جسارت کرنے اور حد سے تجاوز کرنے پر اکسایا کیونکہ اس نے اپنے تمام افعال و حرکات کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا یہاں تک کہ گناہ کے مرتکب ہونے کا الزام بھی اس نے اپنے اوپر نہیں لیا ۔ اور یہ تمام امور اس نے شیطان کے بہلانے اور باطل تاویلیں کرنے کی وجہ سے کئے ۔ خدا ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنی پناہ میں رکھے ۔

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے انس ، بسط اور خوف خدا کو ترک کرنے میں غلطی کی

شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ھیں : ایک اور گروہ نے ,,قرب،، اور ,,انس،، کی طرف اشارہ کیا اور یہ خیال کر لیا کہ ان کے اور اللہ کے مابین ایک خاص حالت ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے قریب ہو گئے ھیں جب یہ خیال ان کے ذھن میں جاگزین ہو گیا تو وہ اس بات سے چھپنے لگے اور کہنے لگے کیا ہم اب بھی وھی آداب ملحوظ رکھیں یا جن حدود کا ہم خیال رکھا کرتے تھے اب بھی اسی طرح خیال رکھیں لہذا جن امور کے کرنے سے وہ شرم و حیا محسوس کیا کرتے تھے ان میں کھل گئے اور جن سے وہ وحشت محسوس کیا کرتے تھے ان سے مانوس ہو گئے اور اسے وہ قرب و نزدیکی خیال کر بیٹھے -

ان لوگوں کو بھی اس میں غلطی لگی اور تباہ ہوئے - اس لئے کہ آداب ، احوال اور مقامات تو اللہ کی طرف سے بندے پر خلعتیں ھیں اور انھیں اسی طرح بزرگی عطا کرتا ہے اور،اگر وہ اپنے ارادوں میں سچّےہوں گے تو اللہ کی طرف سے مزید انعامات کے مستحق ہوں گے - اور جب اللہ انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور انھیں اپنی توفیق و عنایات سے عاری کر دیتا ہے حتی کہ وہ حدود خداوندی سے تجاوز اور اس کے احکام کی مخالفت کرنے لگ جاتے ھیں تو سمجھ لینا چاھیئے کہ وہ پچھلے پاؤں چلے گئے اور اطاعت خداوندی کی جو نعمت انھیں عطا کی گئی تھی ان سے چھن گئی، باب الٰھی سے راندے گئے اور ان پر ان لوگوں کی علامت لگا دی گئی جو راندۂ درگاہ ھیں - مگر وہ اپنی ذات کو مقبول لوگوں میں سے سمجھتے ھیں اور جس قدر وہ اپنی حالت کو قرب الٰھی کی حالت سمجھتے رھتے ھیں اسی قدر وہ اللہ سے دور اور تباہ ہوتے جاتے ھیں :

یہ اسی طرح ہے جس طرح ذوالنون رحمۃ اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا :

عارف کی شان یہی ہے کہ اس کا نورِ معرفت اس کے نورِ ورع کو مدھم نہ کرنے پائے اور وہ اپنے باطن میں کسی ایسی علمی بات کا معتقد نہ ھو جس کے خلاف اللہ کا ظاھری حکم موجود ھو اور جو اللہ کی طرف سے جو انعامات کثرت سے اس پر ھوتے ھیں ان کی وجہ سے وہ اللہ کی حرام کی ھوئی چیزوں کی پردہ دری نہ کرے - جیسا کہ ایک دانا کہا کرتا تھا:

خدایا جب میں تمہارے پاس ہوؤں تو یہ اس بات کا سبب نہ بنے کہ میں تم سے غافل ہو جاؤں تو مجھے اپنی تلاش میں لگائے رکھ جبکہ تو میری تلاش کے بغیر ہی پہلے سے ہی میرا بنا ہوا ہے میں نے صرف مفہوم ادا کیا ۔ واللہ اعلم ۔

باب

ان لوگوں کا ذکر جنہیں فناء اوصاف میں غلطی لگی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : بغداد کے بعض لوگوں کو غلطی لگی اور کہا کہ جب ہم اپنے ذاتی اوصاف سے فنا ہو گئے تو لازمی طور پر ہم حق تعالی کے اوصاف میں داخل ہو گئے ۔ انہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر اپنی ذات کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ حلول کے قائل ہو گئے یا وہی بات کہی جو عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں ۔

ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کسی متقدم صوفی کو یوں کہتے سنا گیا ہے یا یہ کہ ان کے کسی قول میں یہ الفاظ بائے گئے ہیں جن میں اپنے اوصاف سے فنا ہونے اور اوصاف حق میں داخل ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔

اس سلسلے میں صحیح معنی یہ ہیں کہ بندے کا ارادہ اللہ ہی کی عطا کی ہوئی چیز ہے اور بندے کا اپنے اوصاف سے نکلنے اور اوصافِ حق میں داخل ہونے سے یہ مراد ہے کہ بندہ اپنے ارادوں کو چھوڑ کر اللہ کے ارادوں کے اندر آجائے نیز یہ کہ بندہ یہ جان لے کہ تمام ارادے اللہ کی طرف سے عطا کی ہوئی چیزہیں اللہ نے اپنی مرضی سے چاہا اور اپنے فضل سے یہ عطیہ اسے دیا کہ اس نے اپنے نفس کو دیکھنا چھوڑ دیا اور ہمہ تن اللہ ہی کا ہو لیا اور یہ اہل توحید کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے

جن لوگوں کو اس میں غلطی لگی ہے اس کی وجہ ایک باریک نکتہ ہے جسے وہ سمجھ نہیں سکے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے اوصاف حق کو سمجھ لیا اور یہ سراسر کفر ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالی تو دلوں میں حلول نہیں کرتے بلکہ جو چیز دلوں میں حلول کرتی ہے وہ اللہ پر ایمان ، اسے ایک جاننا ، تحقیق و تصدیق کے تمام معنوں میں اللہ کے ذکر کی تعظیم کرنا اور اس میں خاص و عام میں کوئی فرق نہیں البتہ خاص لوگوں میں ایک خوبی ہوتی ہے جو ان ہی کا خاصہ ہوتا ہے اور وہ ہے : خواهشات نفس کو ابھارنے والی چیزوں کا ترک کرنا اور

اپنے حظوظ نفس کو دنیا و ما فیہا سے فنا کر دینا اور جس ذات پر ان کا ایمان ہے اس کے لئے اپنے باطن کو پاک رکھنا ۔ دیگر لوگ اپنی خواہشات کی تابعداری اور اپنے نفس کی اطاعت کی وجہ سے ان حقائق سے محجوب ہوتے ہیں ۔ اس امر میں خاص و عام میں یہی فرق ہے ۔ و باللہ التوفیق ۔

(ص ۳۲۳) باب

ان لوگوں کا ذکر جنہوں نے حواس کے گم ہونے کے متعلق غلطی کھائی

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اہل عراق میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وجد کی حالت میں ان کے حواس جاتے رہتے ہیں چنانچہ اس حالت میں انہیں کسی چیز کا احساس نہیں ہوتا اور وہ صاحب حواس لوگوں کی صفت سے خارج ہو جاتے ہیں ۔

انہوں نے بھی اس میں غلطی کھائی ہے کیونکہ حواس کے گم ہو جانے کا علم بھی تو حس ہی کے ذریعے ہوگا کیونکہ حس کا ہونا بشری صفات میں شامل ہے اور اگر کسی انسان پر واردات الہیہ میں سے کوئی ایسا امر جو صوفیاء کے اسرار پر وارد ہوا کرتے ہیں وارد ہو اور اپنے غلبے کی وجہ سے انسان کو مغلوب کر لے جس سے حواس مٹ(٦٨١) جائیں مگر فنا نہ ہوں ۔ اس کی مثال کواکب کی ہے کہ جب انوار شمس اپنی تمام قوت کے ساتھ ان پر طلوع ہوتے ہیں تو کواکب کے انوار مٹ جاتے ہیں حالانکہ یہ اپنی جگہ پر موجود ہوتے ہیں فنا نہیں(٦٨٢) ہوئے ہوتے ۔ یہی حال زندہ انسان کا ہے کہ اس کے حواس نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ مفقود ۔ لیکن جب بندے پر قوی اذکار کی وجہ سے شدید قسم کا وجد طاری ہوتا ہے تو اس وجد کو محسوس کرکے وہ اپنے حواس سے فنا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ جعفر خلدی رحمہ اللہ نے جنید رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا جبکہ میں ان سے تعلیم حاصل کیا کرتا تھا کہ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے سری سقطی رحمہ اللہ سے سوال کیا : جو شدید وجد قوی اذکار کے وقت بندے پر طاری ہوتا ہے اور اس پر غالب آ جاتا ہے کیا ہے ؟

سری رحمہ اللہ نے فرمایا : یہ درست ہے ۔ اس کے چہرے پر تلوار سے بھی ضرب لگا دو تو وہ محسوس نہ کرے گا ۔

ان کا یہ فرمانا "وہ محسوس نہ کرے گا" اس سے یہ مراد ہے کہ اسے اس کا درد محسوس نہ ہوگا اور اس وجد کو محسوس کرنے کی وجہ سے اس طرح درد محسوس نہ

کرے گا جس طرح وہ پہلے حواس کے ذریعے درد محسوس کیا کرتا تھا ۔ جب تک انسان زندہ ہے اور اس کے اندر روح موجود ہے اس سے حس زائل نہیں ہو سکتی کیونکہ حس کا زندگی اور روح کے ساتھ گہرا تعلق ہے ۔

ان لوگوں کا ذکر جنہیں روح کے بارے میں غلطی لگی ہے

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مزید برآں ایک جماعت کو روح کے بارے میں غلطی لگی ۔ ان کے مختلف مدارج ہیں اور سب کے سب راہ سے بھٹک گئے اور ٹھوکر کھائی ۔ کیونکہ انہوں نے اس روح کی کیفیت کے بارے میں غور و فکر کیا جس کی اللہ نے کوئی کیفیت ہی نہیں بتائی اور اسے اس بات سے پاک کر دیا کہ کوئی علم کے ذریعے اس کا احاطہ کر سکے یا کوئی اس کی صفت بیان کر سکے سوائے اس صفت کے جو اللہ نے روح کی بیان کی ہے ۔

(ص٤٣٥)چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ روح اللہ کے نور میں سے نور ہے اور اس سے انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ یہ وہی اللہ کی ذات کا نور ہے لہذا تباہ ہوئے ۔

ایک اور گروہ نے کہا : یہ اللہ کی حیات کا ایک جزو ہے ۔

ایک اور گروہ نے کہا ارواح تو مخلوق ہیں مگر روح القدس اللہ کی ذات میں سے ہے ۔

ایک اور گروہ نے کہا : عام لوگوں کی ارواح مخلوق ہیں مگر خاص لوگوں کی ارواح مخلوق نہیں ہیں ۔

ایک اور گروہ نے کہا : ارواح قدیم ہیں انہیں نہ موت آئے گی ، نہ عذاب ہوگا اور نہ بوسیدہ ہوں گی ۔

ایک اور گروہ نے کہا : ارواح جون بدلتی ہیں یعنی ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی ہیں ۔

ایک اور گروہ نے کہا : کافر کی صرف ایک روح ہوتی ہے ، مومن کی تین اور صدیقین کی پانچ روحیں ہوتی ہیں ۔

ایک اور گروہ نے کہا : روح نور سے پیدا کی گئی ہے ۔

ایک اور گروہ نے کہا : روح روحانی چیز ہے جو ملکوت سے پیدا کی گئی ہے چنانچہ

جب یہ پاک ہوتی ہے تو لوٹ کر پھر ملکوت سے جا ملتی ہے۔
ایک اور گروہ نے کہا : روحیں دو قسم کی ہوتی ہیں : روح لاھوتی اور روح ناسوتی

ان سب کو اپنے اپنے عقیدے میں غلطی لگی ہے اور یہ امر واضح ہے کہ یہ لوگ گمراہ ہیں اور اس بات سے ناواقف ہیں کہ انہیں کس بات میں غلطی لگی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں جس بات میں غور و فکر کرنے سے منع کیا تھا اس میں انہوں نے اپنی ذاتی رائے سے سوچنا شروع کر دیا ۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

یسئلونک عن الروح قل الروح من أمر ربی (سورۃ الاسراء : ۸۵)

(یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کر رہے ہیں آپ فرمادیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے)

میرے نزدیک اہل حق اور صحیح بات کہنے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ارواح تمام کی تمام مخلوق ہیں اور یہ اللہ کے امر میں سے ایک امر ہے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان نہ کوئی سبب ہے اور نہ کوئی نسبت ۔ یہ اللہ کے ملک سے اور اس کے حکم کے ماتحت ہے ، اس کے قبضے میں ہے ، جونیں نہیں بدلتی اور نہ ایک جسم سے نکل کر دوسرے جسم کے اندر داخل ہوتی ہیں بدن کی طرح یہ بھی موت کا مزہ چکھے گی اور بدن کے لطف اندوز ہونے سے یہ بھی لطف اندوز ہوتی ہے اور بدن کو دکھ پہنچنے سے اسے بھی دکھ پہنچتا ہے۔ جس بدن سے نکالی جاتی ہے اسی میں اس کا حشر ہوگا اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی روح کو ملکوت سے اور جسم کو مٹی سے پیدا کیا ۔

جن فرقوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان کے اپنے اپنے عقیدے میں ہر ایک کے پاس دلائل ہیں اور اہل حق اور درست بات کہنے والوں کے پاس ان کے اقوال کی تردید اور ان کی غلطی بیان کرنے کیلئے واضح بیان پائے جاتے ہیں میں نے طوالت کے خوف سے اس کو مختصر بیان کیا ہے۔ اور جس قدر بیان کر دیا گیا ہے وہ ہدایت کے طالبوں اور اس علم کی رغبت رکھنے والوں کیلئے بشرطیکہ ان میں عقل ہو کافی ہے۔ ان شاء اللہ تعالی ۔

اللہ کی مہربانی ، مدد اور توفیق سے کتاب مکمل ہو گئی ہے ۔ اللہ کافی ہے اور بہترین ذات ہے جس کو ہم اپنے امور سونپیں اور اللہ تعالی محمد صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کی آل پر درود بھیجے جب تک (ص۳۳۶)ستارہ چمکتا رہے ، تاریکی تاریک ہوتی رہے ، فجر روشن ہوتی رہے ، زمانہ قائم رہے ، فکر پیش آتی رہے ، ذاکر ذکر کرتا رہے ، چلنے والا چلتا رہے ، برسنے والا برستا رہے ، غروب ہونے والا غروب ہوتا رہے ، کہنے والا گویا رہے ، سایہ لمبا ہوتا رہے ، موسلا دھار بارش ہوتی رہے ، کلام کو سمجھتے رہیں ، لوگ باقی رہیں ، اسلام اچھا معلوم ہوتا رہے ، تاریکی گھٹا ٹوپ ہوتی رہے اور ظلمت اور نور باری باری آتے رہیں ، پوہ پھوٹتی رہے

. ہوائیں چلتی رہیں . فرشتے تسبیح کہتے رہیں . افلاک گردش کرتے رہیں . سایہ زائل ہوتا رہے اور جب تک ایک زندہ بھی باقی رہے . عدد کا شمار کیا جاتا رہے . ابد باقی رہے زبان گویا رہے . آنکھ دیکھی بات سچی ہوتی رہے . بارش ہوتی رہے . زمانہ طول پکڑتا رہے . موجیں موجزن ہوتی رہیں . چراغ روشن ہوتا رہے . ستارے چمکتے رہیں . تاریکی تاریک ہوتی رہے ایسا ورود جو ابد تک قائم رہے اور بغیر انتہا اور خاتمہ کے مسلسل جاری رہے ۔

میں اس کتاب کو نقل کرنے سے دس ربیع الآخر ٦٨٣ھ کو فارغ ہوا ۔

راقم حروف کہتا ہے کہ میں اس کتاب کے ترجمے سے پانچ محرم ١٣٩٤ھ مطابق ٢٩ جنوری ١٩٧٤ء کو فارغ ہوا اور پھر اس پر نظر ثانی سے ٢٤ صفر ١٣٩٥ھ مطابق ٨ مارچ ١٩٧٤ء کو فارغ ہوا ۔

نظر ثانی : ٢٦رمضان المبارک ١٣٩٦ھ ٢٢ستمبر ٧٦ء ۔

ختم شد

حواشی

۱۔ قرآن سورہ آل عمرآن : ۹۸
۲۔ قرآن سورہ مائدہ : ۲
۳۔ قرآن سورہ آل عمران : ۱۶ ۔
۴۔ قرآن سورہ مجادلہ : ۱۱
۵۔ سورہ احقاف : ۱۹
۶۔ سورہ اسراء : ۲۱
۷۔ سورۃ الحشر : ۷
۸۔ سورہ البقرہ : ۱۳۷
۹۔ سورہ توبہ : ۱۲۲
۱۰۔ سورہ الزمر : ۳
۱۱۔ سورہ القلم : ۳
۱۲۔ سورہ ق : ۳۷
۱۳۔ سورہ الرعد : ۳۸
۱۴۔ براء سے مراد براء بن عازب ہیں ۔ یہ صحابی ابن صحابی ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کم سن ہونے کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی تھی ۔ ۷۲ء میں وفات پائی تہذیب التہذیب : ۱ : ۴۲۵ ۔ ۴۲۶ : اسد الغابہ : ۱ : ۱۷۱ ۔ ۱۷۲)
۱۵۔ وابصہ : وابصہ بن معبد اسدی صحابی ہیں ۔ رقہ میں وفات پائی ۔ بہت رویا کرتے تھے (اسد الغابہ : ۵ : ۷۶)
۱۶۔ نکلسن نے اسے أدیت دیا ہے اور یہ غلط ہے : یہاں أرأیت سے سورہ اقرأ کے آخر کی وہ آیات مراد ہیں جن میں أرأیت کے لفظ کی تکرار ہوتی ہے ۔
۱۷۔ طلق بن حبیب : حجاج نے سعید بن جبیر کے ساتھ انہیں بھی جیل میں ڈال دیا تھا ۔ ۹۵ ھ میں حجاج کی موت کے بعد آزاد ہوئے اور اسی سال وفات پائی ۔
۱۸۔ سورہ توبہ : ۱۲۲
۱۹۔ سورہ کہف : ۲۸
۲۰۔ اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر رسالہ قشیریہ (صفحہ ۴۳) پر " بوادہ " دیا ہے جہاں اس کی تشریح یوں کی گئی ہے : ایسا خیال جو یکایک پیدا ہو اور خوشی یا غمی کا سبب بنے ۔
۲۱۔ سورہ کہف : ۱۰۹
۲۲۔ سورہ ابراہیم : ۷
۲۳۔ سورہ مائدہ : ۶۷
۲۴۔ سورہ مائدہ : ۱۱۲ قرآن میں اذ ہے واؤ نہیں چاہیئے ۔
۲۵۔ سورہ لقمان : ۲۰

۲۶ ۔ سورہ النساء : ۸۳

۲۷ ۔ کتاب یخفیھا اور یظھرھا ہے اسے یخفیھم اور یظھرھم پڑھیں ۔

۲۸ ۔ سورہ الحشر : ۸

۲۹ ۔ سورہ البقرہ : ۲۷۰

۳۰ ۔ ان کا ظاہری لباس ان کے نفس کا کچھ حصہ تھا جو ان کے ساتھ لگا رہا اور صوفی نام پانے کا سبب بنا ۔

۳۱ ۔ نکلسن نے ان اشعار کو لکھنے میں غلطی کھائی ہے ہر سطر ایک پورا شعر ہے۔میں نے ہر شعر کا الگ الگ مصرعہ کر کے لکھ دیا ہے ۔

۳۲ ۔ اصل میں اسی طرح دیا ہے قدماء ذا کو ذی لکھا کرتے تھے لہذا یہ لفظ ۔ ذا ۔ ہے ۔

۳۳ ۔ نکلسن نے المحدقه دیا ہے مگر حاشیہ میں دوسری روایت محدّقه دی ہے ۔میرے نزدیک یہی درست ہے لہذا میں نے اسے کو متن میں دیا ہے ۔

۳۴ ۔ سورہ اعراف : ۱۷۱

۳۵ ۔ بالفاظ دیگر وہ خدا نہ ہوگی ۔

۳۶ ۔ سورہ آل عمران : ۱٦

۳۷ ۔ سورہ طہ : ۱۱۰

۳۸ ۔ سورہ بقرہ : ۲۵٦

۳۹ ۔ سورہ الذاریات : ۵٦

۴۰ ۔ اصل کتاب میں یہ نام اسی طرح ہے مصری ایڈیشن میں حیویہ ہے رسالہ قشیریہ میں اپنی سند سے یوں دیا ہے صفحہ ۳) اخبرنا عبداللہ بن علی التمیمی الصوفی یحکی عن حسن بن علی بن حمویہ دامغانی قال سئل ابو بکر الزاهرا بادی :

۴۱ ۔ سورہ ابراهیم : ۱۳

۴۲ ۔ سورہ الصافات : ۱٦۴

۴۳ ۔ ابو عبد اللہ محمد بن واسع بن جابر البصری ۔ انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے ۔ عابد اور ثقہ ھیں ۱۲۰ ھ میں وفات پائی (تہذیب التہذیب : ۹ : ۴۹۹ ۔ ۵۰۰ اور صفة الصفوة : ۳ : ۱۹۰ ۔ ۱۹۵)

۴۴ ۔ سورہ البقرہ : ۲۷۳

۴۵ ۔ سورہ الزمر : ۱۰

۴۶ ۔ سورہ الانعام : ۲٦

۴۷ ۔ سورہ ابراهیم : ۱۲

۴۸ ۔ سورہ المائدہ : ۱۱

۴۹ ۔ سورہ الطلاق : ۳

۵۰ ۔ سورہ الفرقان : ۵۸

۵۱ ۔ سورہ الشعراء : ۲۱۷ ۔ ۲۱۸

۵۲ ۔ یعنی یوں سمجھنا کہ مجھے صرف آج کا دن زندہ رہنا ہے ۔

۵۳ ۔ یعنی جس طرح مردہ کا نہ کوئی اختیار ہوتا ہے نہ اپنی حرکت جدھر پلٹنے والے نے پلٹ دیا پلٹ گیا یہی حال متوکل کا ہے ۔

۵۴ ـ سورہ المائدہ : ۱۱۹

۵۵ ـ سورۃ التوبہ : ۷۲

۵۶ ـ اصل میں بلذتہ ورؤیۃ حقیقۃ ہے مگر رسالہ قشیریہ ۹۸۱ میں بلذتہ ورؤیتہ عن حقیقۃ ماتطالع ہے

۵۷ ـ سورہ احزاب : ۵۲

۵۸ ـ سورہ ق : ۱۸

۵۹ ـ آجری جنید کو غلام کہہ کر پکار رہے ہیں ـ لہذا یہ آجری کبیر ہی ہو سکتے ہیں ـ جنید کی وفات ۲۹۷ ھ میں ہوئی لہذا ان کی وفات بہت پہلے ہوئی ہوگی ـ ابو ثور متوفی ۲۴۰ ھ کی زندگی ہی میں ان کے شاگرد جنید فتوی دیا کرتے اور ابھی ان کی عمر بیس سال تھی ـ لہذا ان کی پیدائش ۲۲۰ ھ میں ہوئی ہوگی ـ ابراہیم آجری نے جنید کو جو بچہ کہا ہے تو یہ تقریباً ۲۳۰ ھ کا واقعہ ہوگا ـ

۶۰ ـ سورہ الاعراف : ۱۹۵

۶۱ ـ سورۃ البقرۃ : ۱۸۶

۶۲ ـ سورۃ ق : ۱۶

۶۳ ـ سورۃ الواقعہ : ۸۵

۶۴ ـ سورۃ الاسراء : ۵۷

۶۵ ـ سورۃ الواقعہ : ۸۵

۶۶ ـ عامر بن عبد قیس : ابو عمرو یا ابو عبد اللہ کنیت ـ عامر بن عبد اللہ نام ہے مگر انہیں بالعموم عامر بن عبد قیس کہا جاتا ہے ـ تابعی اور زاہد تھے ـ صدر اول کے لوگوں میں سے ہیں ـ حضرت معاویہ کے عہد میں وفات پائی (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۲۶ ـ ۱۳۵ ، تاریخ اسلام : ۳ : ۲۵ : ۲۸ ،

۶۷ ـ نکلسن نے ان چار اشعار کو صرف دو شعر سمجھا ہے اور یہ علم عروض میں پختہ کار نہ ہونے کی دلیل ہے میں نے انہیں صحیح لکھ دیا ہے ـ

۶۸ ـ سورۃ انعام : ۵۹

۶۹ ـ سورۃ آل عمران : ۲۹

۷۰ ـ سورۃ بقرہ : ۱۶۰

۷۱ ـ یہ صالح بن عبد القدوس کا شعر ہے اور اس سے پہلے یہ شعر ہے ـ

تعصی الالہ وأنت تظہر حبہ   ہذا لعمری للمحال بدیع

۷۲ ـ سورہ آل عمران : ۱۶۹

۷۳ ـ سورہ الرحمن ۳۶

۷۴ ـ سورہ نور : ۳۷

۷۵ ـ اصل کتاب میں اقطع ہے میں نے افظع (فاء اور ظاء کے ساتھ) پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ـ

۷۶ ـ سورہ الاحزاب : ۲۱

۷۷ ـ سورہ الاسراء : ۵۷

۷۸ ـ سورہ الکہف : ۱۱۰

۷۹ ـ ایک اور حدیث میں ہے : الایمان بین الخوف والرجاء (ایمان امید و بیم کے [illegible]ن ہوتا ہے)

۸۰ ـ یہ اس عبارت کا ترجمہ ہے جو نکلسن نے متن میں دی ہے ـ نکلسن نے حاشیہ پر دیا ہے کہ

نسخہ A کے حاشیہ پر یوں دیا ہے۔ انما الغریب من یکون عنہ غریباً (مسافر اور اجنبی تو وہ ہے جو اللہ سے اجنبی ہو) یہ عبارت زیادہ موزوں اور واضح ہے۔

٨١ ۔ کتاب میں ماؤوفۃ دیا ہے اسے مأوفۃ پڑھیں ایک واو کے ساتھ۔ یہ ایک ایسی غلطی ہے جس میں بیشتر لوگ مبتلا ہیں بلکہ بعض تو اسے موؤوف بولتے ہیں اور یہ سب غلط ہے۔

٨٢ ۔ ابو عبد اللہ مطرف بن عبد اللہ الشخیر۔ جب گھر میں داخل ہوتے تو ان کے گھر کے برتن بھی ان کے ساتھ تسبیح بیان کرتے ۔ ٨٧ ھ کے بعد وفات پائی ۔

٨٣ ۔ امیر المؤمنین ابو حفص عمر بن عبدالعزیز بن مروان چالیس سال کی عمر میں ١٠١ ھ میں دیر سمعان کے مقام پر انتقال ہوا ۔ ان کی مدت خلافت دو سال چھ ماہ اور کچھ دن تھی (شذرات الذہب ١ : ١١٩ ـ ١٢١)

٨٤ ۔ سورہ الفجر : ٢٧

٨٥ ۔ سورہ الرعد : ٢٨

٨٦ ۔ سورہ البقرہ : ٢٦٠

٨٧ ۔ سورہ النحل : ١٢٨

٨٨ ۔ سورہ الرعد : : ٣٦

٨٩ ۔ سورہ ق : ٣٧

٩٠ ۔ سورہ البروج : ٣

٩١ ۔ سورہ الاعراف : ١٦٣

٩٢ ۔ سورہ الحدید : ٣

٩٣ ۔ کیونکہ پہلے سے ہی اس قدر پختہ یقین ہے کہ اس میں اضافے کی گنجائش نہیں ۔

٩٤ ۔ سورہ الحجر : ٧٥

٩٥ ۔ سورہ الذاریات : ٢٠

٩٦ ۔ نکلسن ایڈیشن اور مصری ایڈیشن دونوں میں أشجان ہے نکلسن کے حاشیہ پر دیا ہے کہ AB میں اسجان کا لفظ ہے۔ میرے نزدیک یہی درست ہے اور ترجمہ بھی اسی کا کیا گیا ہے

٩٧ ۔ سورہ النساء : ٦٩

٩٨ ۔ سورہ آل عمران : ٧

٩٩ ۔ سورہ الاسراء : ٨٢

١٠٠ ۔ سورہ یس : ٢

١٠١ ۔ سورہ القمر : ٥

١٠٢ ۔ سورہ البقرہ : ١

١٠٣ ۔ سورہ النحل : ٨٩

١٠٤ ۔ سورہ الانعام : ٣٨

١٠٥ ۔ سورہ یس : ١٢

١٠٦ ۔ سورہ الحجر : ٢١

١٠٧ ۔ سورہ الاسراء :٩

١٠٨ ۔ سورہ ص : ٢٩

١٠٩ ۔ سورہ ق : ٣٧

١١٠ ـ سوره الشعراء : ٨٨ ـ ٨٩

١١١ ـ سوره الصافات : ٨٣ ـ٨٣

١١٢ ـ سوره یونس : ٢٥

١١٣ ـ سورة النحل : ٥٩

١١٤ ـ سورة الحج : ۷٥

١١٥ ـ سورة الفاطر : ٣٢

١١٦ ـ صوفیه کی اصطلاح میں منازله ان تجربات کو کہتے ہیں جو صوفی کو روحانی طور پر حاصل ہوتے ہیں ـ

١١۷ ـ سورة المائده : ٣٨

١١٨ ـ سورة البقره : ٢

١١٩ ـ سورة البقره : ٦٦

١٢٠ ـ سورة البقره : ٣٨

١٢١ ـ سورة آل عمران : ۷٥

١٢٢ ـ سورة البقره : ١٣٥

١٢٣ ـ سورة البقره : ٥٢

١٢٤ ـ سورة المائده : ٢٣

١٢٥ ـ سورة المائده : ٩٢

١٢٦ ـ سورة العنکبوت : ٦٩

١٢۷ ـ سورة النمل : ٣٠

١٢٨ سورة آل عمران : ١٣٦ اسے واللہ یحب الصابرین پڑھیں ـ

١٢٩ ـ سورة البیّنه : ٥

١٣٠ ـ سورة الاحزاب : ٢١

١٣١ ـ سورة النساء : ۷۷

١٣٢ ـ سورة آل عمران : ١٣

١٣٣ ـ سورة الانعام : ٣٢

١٣٤ ـ سورة الحدید : ٢٠ ـ اصل کتاب میں وماحیاة الدنیا ہے ـ

١٣٥ ـ سورة الشوری : ٢٠

١٣٦ ـ سورة فاطر : ٦

١٣۷ ـ سورة الجاثیه : ٢٣

١٣٨ ـ سورة النازعات : ٢۷ ـ٢٨

١٣٩ ـ سوره الجاثیه : ٢٣

١٣٠ ـ سوره الکہف : ٢٨

١٣١ ـ سوره الاعراف : ١٩٩

١٣٢ ـ سوره آل عمران : ١٣

١٣٣ ـ سوره آل عمران : ١٥

١٣٤ ـ سوره النمل : ٣

۱۴۵ ۔ سورہ الکہف ۔ ۱۰۷
۱۴۶ ۔ سورہ النحل ۹۷
۱۴۷ ۔ سورہ المؤمنون ۱ ۔ ۲
۱۴۸ ۔ سورہ المؤمنون ۔ ۱۰ ۔ ۱۱
۱۴۹ ۔ سورہ فاطر ۲۸
۱۵۰ ۔ سورہ آل عمران ۔ ۱۸
۱۵۱ ۔ سورہ الزمر ۔ ۹
۱۵۲ ۔ سورہ آل عمران : ۵
۱۵۳ ۔ سورہ ق : ۳۷
۱۵۴ ۔ سورہ الزمر : ۱۸
۱۵۵ ۔ سورہ الشعراء ۔ ۹۳ ۔ ۹۴
۱۵۶ ۔ سورہ الاسراء : ۸۲
۱۵۷ ۔ سورہ الزمر ۔ ۱
۱۵۸ ۔ سورہ غافر : ۱ ۔ ۲
۱۵۹ ۔ سورہ البقرہ : ۳
۱۶۰ ۔ سورہ یونس : ۳۵
۱۶۱ ۔ سورہ یونس : ۳۲
۱۶۲ ۔ سورہ لقمان : ۲۸
۱۶۳ ۔ سورہ الاسراء : ۵۷
۱۶۴ ۔ سورہ المائدہ : ۳۵
۱۶۵ ۔ سورہ المؤمنون : ۵۵ ۔ ۵۶
۱۶۶ ۔ سورہ المعارج : ۲۷
۱۶۷ ۔ سورہ طہ : ۷
۱۶۸ ۔ سورہ المؤمنون : ۵۸
۱۶۹ ۔ متن میں بعلم ہے نکلسن نے دوسرے نسخے کی روایت فعلم دی ہے۔ میری نزدیک یہی درست ہے
۱۷۰ ۔ سورہ الاعراف : ۱۵۸
۱۷۱ ۔ متن میں فاستنبط ہے نکلسن نے دوسرے نسخے کی روایت و استنبط دی ہے۔ میرے نزدیک یہی درست ہے اور اسی کا ترجمہ کیا گیا ہے۔
۱۷۲ ۔ سورہ المؤمنون : ۵۹
۱۷۳ ۔ سورہ المؤمنون : ۶۰
۱۷۴ ۔ بیشتر ترجمہ کرنے والوں نے والذین یؤتون ما اتوا کا ترجمہ یوں کیا ہے : اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں (فتح محمد جالندھری) اور وہ لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے گئے (رفیع الدین :
۱۷۵ ۔ سورہ المؤمنون : ۶۱
۱۷۶ ۔ سورہ الواقعہ : ۱۰ ۔ ۱۱
۱۷۷ ۔ سورہ المطففون : ۱۸ ۔ ۱۹

۱۷۸ ـ سورہ المطففون : ۲۲ ـ ۲۳

۱۷۹ ـ سورہ المطففون : ۲۴

۱۸۰ ـ قرآن سورہ انسان : ۵

۱۸۱ ـ قرآن سورہ انسان : ۱۷ ـ ۱۸

۱۸۲ ـ قرآن سورہ انسان : ۲۰ نکلسن نے ہر دو جگہ ثَمّ کی بجائے ثُمّ دیا ہے ـ بھلا نکلسن اسے کیا سمجھ سکتا ہے

۱۸۳ ـ سورہ انسان : ۲۱

۱۸۴ ـ قرآن سورہ المؤمنون : ٦۴

۱۸۴ ـ اصل کتاب میں یتصرف ہے اسے ینصرف پڑھیں جیسا کہ مصری ایڈیشن میں ہے ـ

۱۸۵ ـ وھب بن الورد بن ابی الورد القرشی ، ابو عثمان کنیت . عبد الجبار بن الورد کے بھائی ھیں ، اصلی نام عبدالوھاب ہے اور وھب لقب ہے ـ عابدوں میں سے تھے ـ انہوں نے ثوری سے روایت کی ہے اور ان سے فضیل بن عیاض نے ـ ثوری حدیث بیان کرنے سے فارغ ہوتے تو کہتے ، اب اٹھ کر طبیب کے پاس چلو ـ ان کی مراد وھب سے ہوتی ـ (تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۱۷۰ ـ ۱۷۱)

۱۸٦ ـ یعنی اسے اللہ تک کی خبر نہیں رہتی ـ

۱۸۷ ـ سورہ الشعراء : ۸۰

۱۸۸ ـ سورہ الشعراء : ۸۳

۱۸۹ ـ سورہ الرعد : ۲۸

۱۹۰ ـ سورہ النور : ۳۰

۱۹۱ ـ سورۃ ق : ۳۷

۱۹۲ ـ سورہ البقرہ : ۲۰۵

۱۹۳ ـ سورہ مائدہ ، ۱۸

۱۹۴ ـ سورہ النمل : ۸۸

۱۹۵ ـ سورہ النمل ۳۴

۱۹٦ ـ سورہ الشوری : ۲۹

۱۹۷ ـ سورہ محمد : ۳۰

۱۹۸ ـ سورہ الاعراف : ۱۵۸

۱۹۹ ـ سورہ الشوری : ۵۲ ـ ۵۳

۲۰۰ ـ سورہ النجم : ۳

۲۰۱ ـ سورہ الجمعہ : ۲

۲۰۲ ـ سورہ المائدہ : ٦۷

۲۰۳ ـ سورہ النور : ۵۴

۲۰۴ ـ سورۃ النساء : ۸۰

۲۰۵ ـ سورہ الحشر : ۷

۲۰٦ ـ سورہ الاعراف : ۱۵۸

۲۰۷ ـ سورہ النور : ۵۴

۲۰۸ ـ سورہ النور ۶۳

۲۰۹ ـ سورہ آل عمران ۳۱

۲۱۰ ـ سورہ الاحزاب ۲۱

۲۱۱ ـ سورہ النور ۵۶

۲۱۲ ـ دیوانے ، نابالغ اور معذور لوگوں کے اعمال نامے نہیں لکھے جاتے ـ

۲۱۳ ـ سورہ الاحزاب ۵۰

۲۱۴ ـ اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر درست ابو بردہ بن نیار ہے (نون کے نیچے زیر پھر یا) بلوی اور انصار کے حلیف تھے اصل نام ھانی بن نیار بن عمرو ہے ـ براء بن عازب کے ماموں تھے ۴۱ ـ ۴۲ ھ میں وفات پائی ـ

۲۱۵ ـ اصل کتاب میں لانحری دیا ہے اسے لانُجزی پڑھیں ـ بھلا نکلسن اس قسم کے دقیق الفاظ کیونکر سمجھ سکتا ہے ـ

۲۱۶ ـ بلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کارندے تھے ـ لین دین اور قرض وغیرہ سب کام ان کے سپرد تھے ـ جہاں پر خرچ کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں سے ہے ـ

۲۱۷ ـ اصل کتاب میں بجد ہے اسے بجدُ پڑھیں ـ

۲۱۸ ـ مصری ایڈیشن میں تخریج احادیث میں دیا ہے کہ حدیث میں فقراء مہاجرین کے الفاظ ہیں ـ دروازے کھولے جانے سے مراد یہ ہے کہ ان کا کوئی گھر بار نہیں ہے ـ

۲۱۹ ـ راقم کہتا ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی اور آپ کے خادم تو دست بستہ منتظر رہتے کہ کوئی حکم ہو تو فوراً بجا لائیں ـ وہاں تو دانستہ غلطی کا احتمال تک نہ تھا لہذا جو غلطی سہواً واقع ہو گئی ہو اس پر بھلا آپ ﷺ کیوں گرفت فرماتے جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ میرے شیدائی ہیں ـ دانستہ غلطی نہ کریں گے ـ

۲۲۰ ـ اصل کتاب (مصری اور نکلسن ایڈیشن دونوں) میں غیر حمدهم ہے اسے غیر جرمهم پڑھیں ـ اس فاش غلطی کو سمجھنا نکلسن کے بس کی بات نہ تھی ـ

۲۲۱ ـ اصل کتاب میں یہی لفظ دیا ہے اور میں نے اسے اسی طرح رہنے دیا ہے ـ نکلسن نے فرہنگ میں اس کے معنی صندوق کے دیئے ہیں مگر قدیم عربی میں یہ معنی کہیں نہیں پائے جاتے ـ میرے نزدیک یہ لفظ محمل ہے ـ تلوار کی حمائل ـ تلوار کی پیٹی ـ

۲۲۲ ـ اصل کتاب میں یوں ہے : انما أنسأ لأسن اسے یوں پڑھیں انما أنسی لأسن ـ یعنی خود نہیں بھولتا ـ اللہ کی طرف سے ایسا ہوتا ہے ـ اس کی تفصیل لمبی ہے ـ

۲۲۳ ـ کہ وہ ان امور کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ـ

۲۲۴ ـ یعنی مذکورہ بالا مدوں کے علاوہ جہاں آپ کی مرضی ہوتی خرچ کرتے ـ

۲۲۵ ـ اصل کتاب میں بعلم الفرائض ہے اسے بالعمل بالفرائض الخ پڑھیں ـ

۲۲۶ ـ سراج نے حدیث کے الفاظ نہیں دیئے ـ حکیم ترمذی نے شأن الصلوة میں اور ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں یوں دیا ہے ـ وکأنی أنظر الی عرش ربی بارزاً وأری أهل الجنة يتزاورون وأری أهل النار يتعادون ـ میری یہ کیفیت ہے کہ میں اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت ایک دوسرے کی زیارت کو جا رہے ہیں اور اہل دوزخ ایک دوسرے سے دشمنی کر رہے ہیں ـ

۲۲۷ ۔ لاضرر ولا ضرار۔ دونوں لفظوں کے الگ الگ معنی ھیں لاضرر سے یہ مراد ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو ضرر یا نقصان پہنچانے میں پہل نہ کرے اور ضرار باب مفاعلہ ہے یعنی اگر کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے میں پہل کر لی تو پھر دوسرا شخص جوابی کارروائی کے طور پر نقصان نہ پہنچائے ۔ بلکہ معاف کر دے ۔

۲۲۸ ۔ اصل کتاب میں مشتبک ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ نکلسن اسے اصل مخطوطہ سے درست پڑھ نہیں سکا ۔ رسالہ قشیریہ (صفحہ ۲۰) پر مشید (مضبوط) ہے اور وھی درست ہے ۔ مراد یہ ہے کہ علم تصوف کی تائید و تقویت علم حدیث سے ہے ۔

۲۲۹ ۔ ابو یزید طیفور بن عیسٰی بن آدم بن عیسٰی بن علی ۔ یہ بسطامی اصغر کے نام سے مشہور ھیں اور بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو بسطامی اکبر کہا جاتا ہے ۔ انہوں نے علی بن حسن ترمذی وغیرہ سے روایت کی ہے ۔

۲۳۰ ۔ اصل کتاب میں نسبتہ ہے اسے نسیتہ پڑھیں ۔

۲۳۱ ۔ ر جنید متوفی ۲۹۷ ھ

۲۳۲ ۔ ابو العباس احمد بن عمر بن سریج متوفی ۳۰۶ ھ

۲۳۳ ۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ المعروف بہ ثعلب متوفی ۲۹۱ ھ

۲۳۴ ۔ ابو اسحق ابراھیم بن اسحق حربی متوفی ۲۸۵ ھ

۲۳۵ ۔ سورہ النساء : ۸۲

۲۳۶ ۔ سورہ النساء : ۸۳

۲۳۷ ۔ ھدایت کرنا اور راہ راست پر لانا اللہ کا کام ہے ۔

۲۳۸ ۔ سورہ فصلت : ۵۳

۲۳۹ ۔ سورہ طٰہ : ۲۵ ۔ ۲۶

۲۴۰ ۔ سورہ شرح : ۱

۲۴۱ ۔ سورہ الشعراء : ۸۷

۲۴۲ ۔ سورہ التحریم : ۸

۲۴۳ ۔ سورہ الانعام : ۷۵

۲۴۴ ۔ سورہ الاعراف : ۱۸۵

۲۴۵ ۔ سورہ الروم : ۸

۲۴۶ ۔ سورہ الغاشیہ : ۱۷

۲۴۷ ۔ سورہ الفرقان : ۳۵

۲۴۸ ۔ سورہ النساء : ۱۲۳

۲۴۹ ۔ سورہ الصافات : ۱۰۲

۲۵۰ ۔ سورہ الطور : ۳۸

۲۵۱ ۔ سرّاج رحمہ اللہ کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ اصبروا وصابروا میں انبیاء علیھم السلام کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ عام مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے ۔ آیت یوں شروع ھوتی ہے یا أیھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا ۔ لہذا حضرت سرّاج رحمہ اللہ سے چوک ھو گئی ۔

۲۵۲ ۔ سرّاج رحمہ اللہ بے جوڑ باتیں کہہ رہے ھیں ۔

۲۵۳ ۔ مصری ایڈیشن میں اس حدیث کی تخریج نہیں کی گئی ۔ یہ حدیث حضرت ابو ھریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور بخاری میں موجود ہے ۔ ابن حجر نے

اس پر بحث کی ہے ملاحظہ ہو فتح الباری : ۴ : ۱٦٨ ۔ ۱٦٩

۲۵۴ ۔ حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور منہ بولے بیٹے کا حکم حقیقی بیٹے کا سا نہیں ۔ لہذا اس کی بیوی سے نکاح جائز ہے۔

۲۵۵ ۔ نکلسن اور مصری دونوں ایڈیشنوں میں اسی طرح دیا ہے مگر میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ درست ردت الا نوار عن سرہ ہے ۔ یعنی الی کی جگہ عن ۔ ہونا چاہئیے جیسا کہ نکلسن نے خود لکھا ہے کہ مخطوطہ میں حاشیہ پر الی کی جگہ عن دیا ہے۔ لہذا معنی یوں ہوں گے : جب انوار آپ کے باطن سے لوٹا لئے جاتے ہیں ۔

۲۵٦ ۔ راقم کہتا ہے کہ جنید کا فرمانا درست ہے کیونکہ پرندے کا گھونسلہ سے نکلنا ۔ کسب رزق نہیں کہلا سکتا ۔ اسے تو نکلتے ہی رزق موجود ملتا ہے ۔

۲۵۷ ۔ اس آیت کے معنی بالعموم یوں کئے جاتے ہیں ۔ اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۲۵۸ ۔ اللہ سے غفلت شدید ترین آزمائش اور ابتلاء ہے۔ لہذا فرمایا کہ تم دعا کیا کرو کہ اللہ تمہیں اپنے سے غافل نہ رکھے ۔

۲۵۹ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق دنیا کے پہرے دار اسے آخرت کی طرف نہ آنے دیں گے ۔ اور شبلی رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا کہ جس پر آخرت کے پہرے دار ہوں تو مراد یہ ہے کہ اس کی طرف آخرت کی طرف ہے نہ کہ ذات باری تعالی کی طرف اور ان کے ہاں توحید یہ ہے کہ ذات باری کے سوا کسی اور چیز کا خیال تک نہ آئے ۔

۲٦۰ ۔ ابو جحیفہ وہب بن عبد اللہ بن مسلم العامری السوائی ۔ کوفہ کے رہنے والے تھے ۔ ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ابھی نابالغ تھے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں بیت المال پر مقرر کر رکھا تھا ۔ ۷۲ ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ ۵۸)

۲٦۱ ۔ مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر ۔ انہوں نے ۸۷ ھ کے بعد وفات پائی ۔ یہ حسن بصری سے بیس سال بڑے تھے ۔

۲٦۲ ۔ نکلسن میں اسی طرح دیا ہے اور مصری ایڈیشن میں چونکہ اسی کی نقل کی گئی ہے۔ اپنی طرف سے کسی قسم کی محنت یا تحقیق نہیں کی گئی ۔ لہذا اس میں بھی اسی طرح ہے یاد رہے کہ مصری ایڈیشن کے محقق ایک دکتور عبد الحلیم محمود ہیں جو آج کل شیخ الازہر ہیں یعنی جامع ازہر کے ریکٹر ہیں ۔ درست عبارت یوں ہے۔ ان تہلک ہذہ العصابۃ لن تعبد فی الارض ابداً ۔

۲٦۳ ۔ الانفال : ۱۲

۲٦۴ ۔ اور یہ ایمان بالغیب کی پختہ نشانی ہے۔

۲٦۵ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شان الٰہی کا مطالعہ اور مشاہدہ اس قدر بلند تھا کہ اسے ابوبکر نہ سمجھ سکتے تھے ۔ اللہ کے ہاں کسی چیز کی کوئی وقعت نہیں چنانچہ ایک آیت میں آیا ہے کہ ۔ اگر اللہ مسیح اور تمام دنیا والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کرنے پر قادر ہے ۔ اس دبدبے کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھی کہ معلوم نہیں آقا کی کیا مرضی ہے۔ اس وقت آنحضرت پر اللہ تعالی کے جلال کا غلبہ تھا ۔ اور ابوبکر پر رحمت خداوندی کا۔

۲٦٦ ۔ اللہ تعالی نے تند ہوا کے ذریعے گذشتہ قوموں کو ہلاک کیا تھا ۔ لہذا تند ہوا کے چلنے سے وہ منظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آجاتا اور یاد آتا کہ یہی ہوا جو اب چل رہی ہے

غضب الٰہی کی ہوا بھی بن سکتی ہے ۔ لہذا چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا ۔

۲۶۷ ۔ کیونکہ اگر انہیں زکاۃ ادا کرنے سے چھٹی دے دی جاتی تو اسی دن اسلام کا ایک رکن ختم ہو جاتا ۔ اور رفتہ رفتہ باقی رکنوں کی بھی یہی حالت ہو جاتی ۔

۲٦۸ ۔ سورہ یونس : ۱۰۷

۲٦۹ ۔ سورہ بقرہ : ۱۵۲ ۔ مگر قرآن مجید میں فاذ کرونی ہے ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا اصل مخطوطہ میں اذ کرونی ہے یا نکلسن نے اذ کرونی لکھا ہے ۔ کیونکہ مجھے تجربہ ہے کہ یہ مستشرقین مشرکین ارادۃً قرآن مجید کے الفاظ کو ردوبدل کرکے یعنی تحریف کے ساتھ لکھتے ہیں ۔

۲۷۰ ۔ سورہ ہود : ٦

۲۷۱ ۔ ۔ صبر اور شکر دونوں اوصاف حسنہ ہیں لہذا جس ایک کو اختیار کرلیں باعث ثواب و جزا ہوگا ۔

۲۷۲ ۔ اصل کتاب میں واجتناب ذلک ہے ۔ یہاں اس کے کوئی موزوں معنی نہیں بنتے ۔ میں نے اسے احتساب پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ۔

۲۷۳ ۔ رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۰۷ میں یہ قول یوں دیا ہے : رجل کائن بائن ، ومرۃ قال کان فبان

۲۷۴ ۔ سبع طول سے مراد سورہ بقرہ سے لیکر سورہ اعراف تک کی چھ سورتیں اور ساتویں سورہ یونس یا سورہ انفال وبراءت ہے ۔

۲۷۵ ۔ اصل کتاب کے دونوں ایڈیشنوں (مصری اور نکلسن) میں تعنیت ہے درست تفنیت ہے (ملاحظہ ہو لسان العرب مادہ م ن ی) اور اسی کا اوپر ترجمہ دیا گیا ہے ۔

۲۷٦ ۔ نکلسن نے لکھا ہے کہ اسی مقام پر اصل مخطوطہ میں اس نوٹ کا اضافہ ہے : ان قلت ما مشار هذه الآیة ووقوع الدم علیها قلت مشارها الوعد بکفایته ۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس آیت پر خون گرنے سے کس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف اللہ کے کافی ہونے کا وعدہ پایا جاتا ہے ۔

۲۷۷ ۔ سورہ الکہف : ٦۵

۲۷۸ ۔ سراج کا غالباً اشارہ حکیم ترمذی رحمہ اللہ کی طرف ہے ۔ لوگوں نے انہیں خواہ مخواہ کو مطعون کیا تھا اور ان کی طرف یہ بات منسوب کر دی تھی کہ وہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتے ہیں حالانکہ ان کی کتابوں میں کہیں ایسے الفاظ نہیں پائے جاتے ۔ سراج نے غالباً اسی وجہ سے ان کا کوئی قول یا حال اس کتاب میں پیش نہیں کیا ۔ سید علی ہجویری رحمہ اللہ نے حکیمیہ فرقہ پر الگ باب باندھا ہے ۔ قشیری نے بھی بیشتر ان کا ذکر کیا ہے ۔

۲۷۹ ۔ اصل کتاب میں ولا یقال شی امامہ ہے ۔ اسی کا اوپر ترجمہ دیا گیا ہے مگر میرے نزدیک عبارت یوں ہونی چاہئیے ۔ ولا یقال لشی ہو أمامه (مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ فلاں چیز کے آگے ہے)

۲۸۰ ۔ کمیل بن زیاد بن نہیک . مشہور تابعی ہیں ۔ جنگ صفین میں حضرت علی کی طرفداری میں لڑے ۔ حجاج نے اپنے عہد حکومت میں انہیں قتل کیا (اصابہ : ۵۰۳/۳)

۲۸۱ ۔ یعنی میں تم سے دھوکا نہیں کھانے کا کہ تمہاری طرف راغب ہو جاؤں ۔

۲۸۲ ۔ سورہ البقرہ : ۲۷۳

۲۸۳ ۔ سورہ الانعام : ۵۲

۲۸۴ ـ سورہ الکہف : ۲۸

۲۸۵ ـ سورہ عبس : ۱

۲۸٦ ـ یعنی اس عرصے میں آگ ہی نہیں جلائی گئی لہذا کچھ پکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

۲۸۷ ـ یہ عبارت نکلسن اور مصری دونوں ایڈیشنوں میں اسی طرح دی ہے۔ مصری ایڈیشن میں اندھی نقل کی یہ بدترین مثال ہے جبکہ مصری ایڈیشن میں تخریج احادیث میں ـ فوعزتک ـ صحیح لفظ موجود ہے۔ حلیۃ الاولیاء : ۱ : ۲۴۰ میں صحیح عبارت یوں دی ہے : فقال حین اشتد به النزع ـ نزع نزعات لم ینزعه أحد وکان کلما أفاق من غمرة فتح طرفه ثم قال : رب اخنقنی خنقتک فوعزتک انک لتعلم أن قلبی یحبک حضرت معاذ کا وصال ۱۷ ھ میں ہوا ۔

۲۸۸ ـ اصل کتاب کے دونوں نسخوں میں مضموم الراس ہے۔ میرے نزدیک اسے مغموم الراس ہونا چاہیئے اور میں نے اسی کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

۲۸۹ ـ اصل کتاب میں لابتلاء محاسنھا ہے نکلسن لکھتا ہے کہ اصل نسخہ کے حاشیہ پر اس کی تصحیح حواشیھا کی گئی ہے۔ میری نزدیک یہی درست بھی ہے اور اسی کا اوپر ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۲۹۰ ـ ابو الدرداء کا نام عویمر بن عامر ہے۔ ۳۳ ھ میں وفات پائی ـ

۲۹۱ ـ اولین اسلام لانے والوں میں سے ہیں ـ جندب بن جنادہ نام ہے، والدہ کا نام رملہ ـ یہ اسلام لانے والوں میں پانچویں شخص تھے ـ ۳۱ یا ۳۲ ھ میں بمقام ربذہ وفات پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے نماز جنازہ پڑھائی ـ

۲۹۲ ـ ۳۲ ھ میں وفات پائی ـ

۲۹۳ ـ جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں ـ ۱۷ ھ میں وفات پائی ـ

۲۹۴ ـ اصل کتاب میں لأهدی ہے مگر نکلسن نے لکھا ہے کہ دوسرے نسخے میں لأهلی ہے میرے نزدیک یہی درست ہے اور اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۲۹۵ ـ اصل کتاب کے دونوں نسخوں میں یتجنی فرقی ہے۔ میں نے اس کی تصحیح ـ ینحسی مرقی کی ہے پھر اس کا ترجمہ کیا ہے۔

۲۹٦ ـ عظیم القدر صحابی ہیں ۳۲ ھ میں وفات پائی ـ

۲۹۷ ـ اصل کتاب میں لئن نقضت یدی ہے۔ یعنی قاف دو نقطیہ کے ساتھ ـ میرے نزدیک درست نفضت ۔ فاء موحدہ کے ساتھ ہے۔ اسی کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ مزید برآں اصل کتاب میں لئن ہے۔ اسے لأن پڑھیں ـ

۲۹۸ ـ شہرک فارس کا مرزبان تھا ـ حکم بن ابی العاص نے اسے حضرت عمر کے آخر عہد خلافت میں قتل کیا تھا ـ

۲۹۹ ـ انہوں نے ٦۸ ھ میں وفات پائی ـ

۳۰۰ ـ اصل عبارت یوں ہے : ان هذا الموضع یعنی حذنه میں نے اس کی یوں تصحیح کی ہے۔ ان هذا الموضع یعنی خدیه ـ اور اسی کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے چہرے پر کثرت سے رونے کی وجہ سے لکیریں پڑ گئی تھیں ـ

۳۰۱ ـ ان کی وفات ۳۲ ھ میں ہوئی ـ

۳۰۲ ـ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں وفات پائی ـ نیز ملاحظہ ہو اصابہ : ۱۵۳۲

۳۰۳ ـ ابو ہریرہ نے ۵۸ ھ میں وفات پائی ـ

۳۰۴ ـ اصل کتاب میں « خلیفه » کا لفظ ہے درست « امیر » ہے جیسا که اگلے جملے سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۰۵ ـ انس بن مالک نے ۹۰ ھ میں وفات پائی ـ امام ابوحنیفه رحمه الله نے ان کی زیارت کی ہے۔

۳۰٦ ـ عبدالله بن عمر نے ۷۲ ھ میں وفات پائی ـ

۳۰۷ ـ ۳٦ ھ میں وفات پائی نبی صلی الله علیه وسلم نے انہیں منافقین کے نام و نشانات بتا دئے تھے۔ چنانچه حضرت عمر جب کسی کو گورنر مقرر کرنے لگتے تو پہلے ان سے دریافت کر لیتے که یه شخص منافقین میں سے تو نه تھا ـ

۳۰۸ ـ ابن حجر نے انہیں تابعی لکھا ہے ـ (اصابه : ۳۱۵۰) ان کے الفاظ یه ہیں : تابعی مشہور ذکره ابن شاهین فی الصحابة وهو غلط نشأعن فهم فاسد مات سنة ۷۳ ھ مگر سراج رحمة الله متقدمین میں سے ہیں اور انہوں نے ان کی قومیت بھی لکھ دی (المازنی) ابن حجر نے ان کی قومیت نہیں لکھی ـ سراج صحابه کا ذکر کر رہے اور اس سے ابن شاہین کے قول کی تائید ہوتی ہے ـ

۳۰۹ ـ ان کا اصلی نام نفیع بن الحارث ہے ـ

۳۱۰ ـ سوره الجاثیه : ۲۰

۳۱۱ ـ مشہور سخی اور جاہلی شاعر حاتم طائی کے یه بیٹے ہیں ـ ٦۸ ھ میں وفات پائی ـ

۳۱۲ ـ یه محمد بن کعب الانصاری الاصغر ہیں رہے محمد بن کعب القرظی تو وه صحابی نہیں ہیں تابعی ہیں ـ

۳۱۳ ـ سوره المدثر : ۸ ـ ۹

۳۱۴ ـ حنظله نام کے اور صحابی بھی ہیں لہذا کاتب کہه کر امتیاز کر دیا ایک حنظله بن ابی عامر ہیں جنہیں غسیل الملائکه کہا جاتا ہے۔ یه حنظله عبدالله بن ابی رئیس المنافقین کے داماد تھے ـ مگر یه اور ان کی بیوی پکے مسلمان تھے ـ حنظله کے والد ابو عامر بھی نبی صلی الله علیه وسلم کے شدید مخالف تھے ـ

۳۱۵ ـ یه لجلاج غطفانی ہیں ـ ملاحظه ہو اصابه : ۷۵۴۷

۳۱٦ ـ ان کا نام وهب بن عبدالله ہے ٦۴ ھ میں وفات پائی ـ ملاحظه ہو اصابه : ۹۱٦۲

۳۱۷ ـ مراد ہے که تمہیں طلاق ہے۔

۳۱۸ ـ انہوں نے ٦۰ ھ میں وفات پائی ـ

۳۱۹ ـ حضرت اسامه نے ۵۴ ھ میں وفات پائی ـ

۳۲۰ ـ حضرت بلال نے ۲۰ ھ میں وفات پائی ـ

۳۲۱ ـ انہوں نے ۳۸ ھ میں وفات پائی ـ

۳۲۲ ـ اصل کتاب میں صَدَقْتَ ہے اسے صَدَقْتُ پڑھیں ـ

۳۲۳ ـ نکلسن اور مصری دونوں ایڈیشنوں میں اسی طرح ہے۔ اسے مصعب بن عمیر پڑھیں ملاحظه ہو اصابه : ۸۰۰۲

۳۲۴ ـ اصل کتاب میں فی السوانی الی الأدلی ہے اور یه سراسر غلط ہے میں نے اس کی تصحیح یوں کی ہے۔ فی السوانی أی الدوالی ـ

۳۲۵ ـ حیس ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجور ، گھی اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے اور کبھی اس میں ستو بھی ڈال لیتے ہیں ـ

۳۲٦ ـ عبدالرحمن نے ۳۲ ھ میں وفات پائی ـ

۳۲۷ ـ سعد جنگ احد میں شہید ہوئے ـ

۳۲۸ ـ مصری اور نکلسن دونوں ایڈیشنوں میں فذهب الی اهله ہے۔ اسے فذهب به الی اهله پڑھیں ـ

۳۲۹ ـ سورہ الحشر :۹

۳۳۰ ـ سورہ التحریم : ٦

۳۳۱ ـ نکلسن اور مصری ایڈیشن دونوں مانجل ہے یعنی جیم کے ساتھ اسے مانحل (حاء کے ساتھ) پڑھیں ـ

۳۳۲ ـ یہی قول رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۲۷ (میرا ترجمہ) پر دیا ہے

۳۳۳ ـ یہ چاروں اصطلاحات ہیں جن کی خود مصنف نے آگے چل کر تشریح کی ہے۔

۳۳۴ ـ ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ) : ۳۲۵

۳۳۵ ـ احمد بن محمد البصری سے مراد احمد بن محمد بن سالم البصری ہیں اور یہ ابن سالم کے نام سے مشہور ہیں ـ ۳٦۰ ھ میں وفات پائی اور محمد بن سالم نے ۲۹۷ ھ میں وفات پائی ـ

۳۳٦ ـ ابو السری موسی بن الحسن الانصاری . دراصل نسا کے رہنے والے تھے ـ ان کی آواز کی بنا پر ان کا جلاجلی لقب پڑا ـ ۲۸۰ ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۳۹ ـ ۵۰) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسناد میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا ہے ـ

۳۳۷ ـ رسالہ قشیریہ : ۳۳٦ (میرا ترجمہ) میں جمیل کی جگہ ملیح ہے

۳۳۸ ـ سورہ التغابن : ١٦

۳۳۹ ـ سورہ الاعراف : ۳۳

۳۴۰ ـ نیز ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ : ۵۵۹

۳۴۱ ـ چونکہ ابن الکرنبی جنید کے استاد تھے اور جعفر خلدی جنید کے مرید تھے لہذا یہ تبرک بعد میں ان کے پاس پہنچا تھا۔۔جس کی ایک آستین۔ ـــ سے لے کر ـ ۔۔چند رطل تھے۔ تک جملہ معترضہ ہے ـ

۳۴۲ ـ اصل کتاب میں الشدة ہے۔ میں نے اسے السدة پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ـ

۳۴۳ ـ کیونکہ جب اس کے پاس لوٹا نہ ہوگا تو خلوت میں جا کر قضاء حاجت اور استنجا نہ کر سکے گا ـ دریا یا جوہڑ پر لوگوں کے سامنے ستر کھول کر طہارت کرے گا ـ

۳۴۴ ـ ان دنوں حمام میں ننگے ہو کر نہایا کرتے تھے ـ الگ الگ غسل خانے نہ ہوتے تھے ـ

۳۴۵ ـ نکلسن نے دوسرا نسخہ شاربہ بیدہ دیا ہے اس صورت میں معنی یوں ہوں گے ـ سب سے پہلے جس شخص نے اپنے ہاتھ سے اپنی مونچھیں تراشیں ـ

۳۴٦ ـ کیونکہ اس سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے ـ

۳۴۷ ـ سورہ تغابن : ١٦

۳۴۸ ـ یہ ابو الخیر تیناتی متوفی ۳۴۹ ھ کے معاصر تھے ـ

۳۴۹ ـ نکلسن نے حاشیہ میں دیا ہے کہ کسی نے ابن ادھم پر خط کھینچ دیا ہے اور اصلاح کر کے اسے ابراھیم خواص بنایا ہے ـ میرے نزدیک یہی درست ہے ـ

۳۵۰ ـ اصل عبارت کو یوں پڑھیں ـ فتحریمها بالتکبیرة المعروفة بتکبیرة الاحرام مع النیة حیث لاتسبق النیة التکبیرة ولا التکبیرة النیة وتکونان معاً ـ اس جملہ کی تصحیح نکلسن کے

بس کی بات نہ تھی ۔ مصری ایڈیشن میں خود محنت کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی گئی ۔ محض نکلسن کی تقلید کی گئی ہے ۔

۳۵۱ ۔ حدیث أعبد ربک کانک تراہ کا مفہوم ادا کیا ہے

۳۵۲ ۔ اصل کتاب میں ویدنو وتدلی ہے مگر اس سے کوئی صحیح مفہوم نہیں بنتا ۔ میں نے اسے یوں بنا کر ترجمہ کیا ہے ۔ ویحنی و یتذلل ۔

۳۵۳ ۔ ابو عبداللہ مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر ۔ یہ جب اللہ کی تسبیح بیان کیا کرتے تو ان کے گھر کے برتن بھی ان کے ساتھ مل کر ایسا ہی کرتے ۔ ۸۷ ھ میں وفات پائی (صفۃ الصفوۃ : ۳ : ۱۴۴ ۔ ۱۴۹)

۳۵۴ ۔ کشف المحجوب (ترجمہ ابوالحسنات) : ۵۰۸ ترجمہ نکلسن : ۳۱۵) میں اس شعر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور وہاں کریم کی بجائے جواد کا لفظ ہے ۔

۳۵۵ ۔ وفات ۳۴۷ ھ میں ہوئی ۔

۳۵۶ ۔ ۳۴۰ ھ میں وفات پائی ۔

۳۵۷ ۔ اصل کتاب میں بترکہ صومہ ہے جو میرے نزدیک درست نہیں اور میں اس کی تصحیح بھی نہیں کر سکا ۔ پھر بھی میں نے مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے ۔

۳۵۸ ۔ یہ الفاظ جیسا کہ نکلسن نے لکھا اصل عبارت میں موجود نہیں ھیں ۔

۳۵۹ ۔ مراد ریا سے ہے اور ایک بہت بڑی تہمت ہے ۔

۳۶۰ ۔ کیونکہ وہ تو نو گرفتار ہے لہذا اس کی دلجوئی کرنا ہوگی ۔

۳۶۱ ۔ حنفیہ کے نزدیک نفلی روزہ توڑنے کی اجازت نہیں اگر ایسا کرے گا تو اس کی قضا کرنی پڑے گی مگر شافعیہ کے نزدیک اس کی قضا نہ ہو گی ۔

۳۶۲ ۔ اصل کتاب میں المتقللین ہے مگر نکلسن نے حاشیہ میں دوسری روایت المتعللین دی ہے میں نے اسی کو لے کر ترجمہ کیا ہے ۔

۳۶۳ ۔ مراد یہ ہے کہ حج سے ان کی تمنا کبھی پوری نہیں ہوتی ان کی یہی خواھش رہتی ہے کہ بار بار حج کیلئے آتے رہیں ۔

۳۶۴ ۔ اصل کتاب (نکلسن اور مصری ایڈیشن) میں ینبت فیھما ہے ۔ میرے نزدیک درست یوں ہے یُنبَتُ منهما ۔ اور اوپر اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے ۔

۳۶۵ ۔ رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۲۵ (میرا ترجمہ) میں بعینہ اسی قسم کا واقعہ محمد بن علی کتانی کی طرف منسوب کیا گیا ہے ۔

۳۶۶ ۔ نکلسن اور مصری دونوں ایڈیشنوں میں ھوذی نمرو تسعدی دیا ہے ۔ میرے نزدیک درست جملہ یوں ہے ھوذا یمر یسنجدی ہے اور اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے ۔

۳۶۷ ۔ یہ ترجمہ نکلسن کے متن کے مطابق ہے مصری ایڈیشن میں اذا خفت علیہ فالقیہ فی الیم ہے ۔ یہ قرآن مجید کی آیت ہے (سورہ قصص : ۷) آیت یوں ہے فاذا خفت علیہ فألقیہ فی الیم ولاتخافی ولاتحزنی ابو عمران رحمہ اللہ کا مقصد صرف اشارہ تھا پوری آیت مراد نہ تھی ۔

۳۶۸ ۔ سورہ الزمر : ۷۵

۳۶۹ ۔ نکلسن نے اسی طرح دیا ہے ۔ درست ابو احمد القلانسی ہے ۔ ان کا نام مصعب بن احمد بن

مصعب ہے۔ ۲۷۱ ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۳ : ۱۱۳ ، نفحات الانس : ۱۱۰ ۔ نکلسن نے ان کی تاریخ وفات ۲۹۰ ھ دی ہے۔

۳۷۰ ۔ اس لئے کہ فقیر کی کوئی ملک نہیں ہوتی ۔

۳۷۱ ۔ میں اس قول کے معنی نہیں سمجھ سکا ۔ علم تصوف علم معرفت اور علم حقائق ہے لہذا کوڑی پر پھینکنے سے کیا مراد ہے۔

۳۷۲ ۔ اس واقعہ کو قشیری رحمہ اللہ (رسالہ صفحہ ۸۹ اور میرا ترجمہ صفحہ ۳۸۳) نے لکھا ہے کہ اس وقت جنید رحمہ اللہ کی عمر سات سال تھی اور اس وقت وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے ۔

۳۷۳ ۔ کیونکہ زینت تو عمل ہے نہ کہ علم :

علم را بر دل زنی یارے بود علم را برتن زنی مارے بود

(رومی)

۳۷۴ ۔ ابو العباس احمد بن محمد بن مسروق طوسی محمد بن منصور طوسی کی صحبت میں رہ چکے تھے محمد بن منصور نے اٹھاسی سال عمر پائی ۔ اسی طرح احمد بن محمد بن مسروق نے بھی تقریباً اسی سال عمر پائی ان کی وفات ۲۹۸ ھ میں ہوئی اور محمد بن منصور کی ۲۵۴ ھ میں

۳۷۵ ۔ اصل کتاب میں وقد نزل علینا ہے میرے نزدیک درست وقد نزل علیہ ہے اور میں نے اسی کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

۳۷۶ ۔ سورہ الشوری : ۲۹ ۔

۳۷۷ ۔ سورہ سورہ سبا : ۲۶ مگر قرآن میں قل یجمع بیننا ربنا ہے۔

۳۷۸ ۔ کیونکہ دنیا اس قدر حقیر ہے کہ ایک بچے کیلئے بھی مناسب نہیں کہ اسے کھائے ۔

۳۷۹ ۔ مثلاً مردار یا کسی اور حرام چیز کا کھانا جس سے لوگوں کو پتا چل جائے کہ یہ شخص بھوکا ہے اور وہ اسے سوال کا بہانہ سمجھیں ۔

۳۸۰ ۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ جس طرح میری قمیص دھلی ہوئی سفید اور بے داغ ہے اسی طرح میرا دل بھی ہوتا ۔

۳۸۱ ۔ اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے۔ میرے خیال میں کسی اور نام کی تحریف ہے ۔

۳۸۲ ۔ اس مقام پر عبارت واضح نہیں ہے۔ دونوں جگہ شیخ کا لفظ ہے بہتر یہ تھا کہ ابو عبداللہ کے ساتھ مرید کا لفظ ہوتا ۔

۳۸۳ ۔ معتضد کا عہد ۲۷۹ ھ تا ۲۸۹ ھ ہے۔ اس کا وزیر ابو القاسم عبیداللہ بن سلیمان ہے۔ یہ پہلے معتمد کے وزیر رہے پھر معتضد نے انہیں اسی عہدہ پر قائم رکھا ۔ دس سال تک وزیر رہا اور ۲۸۸ ھ میں وفات پائی ۔

۳۸۴ ۔ تفویض : معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دینا ۔

۳۸۵ ۔ اصل کتاب میں لایسئل عن مسئلۃ ہے۔ میں نے اسے عن مسکنۃ پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۳۸۶ ۔ کیونکہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے۔

۳۸۷ ۔ یہ نیشاپور کے مشائخ میں بڑی شان والے تھے ۔ ۲۹۸ ھ میں وفات پائی (تاریخ بغداد : ۱۲ : ۳۷۳)

۳۸۸ ۔ کچھ دیں تو سخی بنیں اور درجہ پائیں لہذا سفارش کے قابل ہوئے ۔

۳۸۹ ۔ درست ابو الحسن علی بن محمد مصری ہے ۔ دراصل بغداد کے رہنے والے تھے مگر مدت تک مصر میں رہنے کی وجہ سے مصری کہلائے ۔ پیدائش ۲۵۱ ھ اور وفات ۳۳۸ ھ (البدایہ : ۱۱ : ۳۲۲ ، طبقات الصوفیہ : ۲۹ اور شذرات الذھب : ۲ : ۱۴۷)

۳۹۰ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہر مسلمان کیلئے ہدایت کا سبب تھی ۔ ان میں عوام بھی ہیں گنہگار بھی اور نیکوکار بھی ۔ پھر نیکوں کے مختلف مدارج ہیں ۔ جہاں تک ظاہری احکام کا تعلق ہے آپ کے ظاہری افعال ہر مسلمان کیلئے نمونہ ہوتے اس کے بعد درجات کے مطابق اور ہر شخص کو اس کے درجہ کے مناسب ہدایت تاآنکہ ہوتے ہوتے لی مع اللہ کا درجہ بھی آ جاتا ۔ اولیاء اللہ کے بھی مختلف مدارج ہیں اور ہر ایک کا عمل اس کے اپنے ,,مقام،، اور ,,حال،، کے مطابق ہوتا ہے ۔

۳۹۱ ۔ یعنی تمہارے پاس بیٹھنا دو رکعت نماز ادا کرنے سے افضل ہے ۔

۳۹۲ ۔ اصل کتاب میں أثبتہ ہے اسے أتقنہ پڑھیں جیسا کہ مصری ایڈیشن میں تخریج احادیث میں دیا ہے

۳۹۳ ۔ سورہ ھود : ۱۲۰

۳۹۴ ۔ اصطبل سے مراد شاہی اصطبل ہے کیونکہ شاہی اصطبل کے گھوڑوں پر نشان لگے ہوتے ہیں ۔ مراد یہ ہے اللہ کے خاص بندوں میں سے نہیں ورنہ اس پر کوئی علامت ہوتی ۔

۳۹۵ ۔ یعنی توکل ، رضا اور تفویض سب جاتے رہے ۔

۳۹٦ ۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے سوا کوئی بھی معصوم نہیں ۔ دیگر لوگوں سے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں لہذا غلطی کا ہونا فطرت انسانی قرار پایا اور ،، شخص اس لئے دوستی لگاتا ہے کہ تم سے غلطی نہ ہو ۔

۳۹۷ ۔ اصل کتاب میں داؤہ (بیماری) کا لفظ ہے مگر میرے نزدیک درست دواؤہ ہے ۔ مراد یہ ہے کہ وہ علاج اور صحت کو دشمن سمجھتے ہیں اور مصائب کو دوست ۔

۳۹۸ ۔ مراد یہ ہے کہ فقر کے مدعی تو سب تھے ۔ صرف دو سچے فقیر نکلے ۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ کا قول ہے ۔ الرکب کثیر و الحاج قلیل) حج کے لیئے آنے والے قافلے تو بہت ہوتے ہیں مگر ان میں سے حاجی کوئی کوئی ہوتا ہے)

۳۹۹ ۔ اصل کتاب میں ارتع ہے مگر وہ لوگ تو زیادہ تھے لہذا ارتعوا ہونا چاہیئے تھا ۔ مگر میں نے اسے أرتع عین پر پیش پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ۔

۴۰۰ ۔ اصل کتاب میں تصدقت عن صاحبہ ہے مگر اس کا کوئی مفہوم نہیں بنتا ۔ میں نے تصدفت (فاء کے ساتھ) پڑھ کر ترجمہ کیا ہے ۔

۴۰۱ ۔ اصل کتاب میں فاذخلتھا فی لحیتہ ہے اسے فأدخلھا فی لحیتہ پڑھیں

۴۰۲ ۔ نکلسن نے لایمسکہ شی کا یوں ترجمہ کیا ہے (صفحہ ۵۸): Untouched by wild beasts یہ ترجمہ غلط ہے

۴۰۳ ۔ سورہ آل عمران : ۱٦

۴۰۴ ۔ سورہ بقرہ : ۱۳۰

۴۰۵ ۔ معطلہ جو اللہ تعالی کو صفات کے بغیر مانتے ہیں ۔

۴۰٦ ۔ نکلسن نے اسے ایک مصرعہ شمار کیا ہے حالانکہ یہ ایک شعر ہے ۔ کل چار شعر میں جنہیں

نکلسن نے دوشعر بتایا ہے۔

۳۰۷۔ سورہ نحل : ۵۳

۳۰۸۔ سورہ الرحمن : ۲۹

۳۰۹۔ مریض کی غذا کم اور ھلکی ہوتی ہے اور ڈوبنے والا جانتا ہے کہ اگر سو گیا تو مر گیا۔

۳۱۰۔ مراد یہ ہے کہ اسے کما حقہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔

۳۱۱۔ کیونکہ اسم انسان ۔ انس ۔ سے ماخوذ سمجھا گیا ہے۔

۳۱۲۔ اصل کتاب میں معترضہ ہے میں نے اسے مفترضہ پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۳۱۳۔ اصل کتاب میں مستترۃ ہے میں نے اسے مستنیرہ پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ مستترہ چھپی ہوئے تو انہیں پھر حجاب میں لانے سے کوئی مفہوم نہیں بنتا۔

۳۱۴۔ مگر نیچے پانچ کا ذکر کیا ہے۔ اور درست بھی ۔ پانچ ۔ ہے چنانچہ رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۳۸ پر ہے۔ قال الحصری : اصولنا فی التوحید خمسة اشیاء۔ اس کے بعد انہی پانچ کا ذکر کیا ہے۔ مزید برآں نکلسن نے خود کشف المحجوب کے ترجمہ (صفحہ ۲۸۱) میں پانچ ھی کا ذکر کیا۔

۳۱۵۔ سورہ البقرۃ : ۲۰۰

۳۱۶۔ سورہ احزاب : ۴۱

۳۱۷۔ سورۃ البقرۃ : ۱۵۲

۳۱۸۔ سورۃ بقرۃ : ۲۷۳

۳۱۹۔ سورہ الشوری : ۵۲

۳۲۰۔ اصل کتاب میں لایَنْسٰی ہے اسے لایَنْسٰی پڑھیں۔

۳۲۱۔ اور اللہ تعالی کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔

۳۲۲۔ اور اللہ تعالی غیر محدود ھیں۔

۳۲۳۔ مراد صوف کا لباس پہننا ہے۔

۳۲۴۔ سورہ الطلاق : ۲

۳۲۵۔ سورہ الروم : ۳۹

۳۲۶۔ اصل کتاب میں ۔ ویکون نما ۔ ہے۔ میں نے اسے تکون من الماء بنا کر ترجمہ کیا ہے۔

۳۲۷۔ اصل کتاب ۔ فھذہ صحوہ ۔ ہے۔ میں نے فَهِزَّهٗ صحوہ پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۳۲۸۔ سورہ الفاطر ۲۹ ۔ پوری آیت یوں : فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد و منهم سابق بالخیرات باذن اللہ چنانچہ ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کچھ معتدل اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ھیں۔

۳۲۹۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ یہاں د پ اور م سے کیا مراد ہے۔

۳۳۰۔ متوفی ۲۷۳ ھ

۳۳۱۔ متوفی ۲۳۵ ھ

۳۳۲۔ یعنی آزمودہ۔

۳۳۳۔ تباہ کار (لفظی ترجمہ جڑ سے اکھڑا ہوا)

۳۳۴۔ پراگندہ (لفظی ترجمہ جسے ہوائیں ادھر ادھر اڑاتی پھریں)

۳۳۵۔ نکلسن (انگریزی ترجمہ کشف المحجوب صفحہ ۳۹۰) لکھتا ہے

Istilam . the manifestation of God which cause a man to be entirely overpowered by a merciful probation , while his will is reduced to naught , قلب ممتحن a proved heart قلب مصطلم a destroyed heart bear the same meaning , althaugh, in the current usage of Sufi phraseology اصطلام is more particular and exquisite than امتحان

انگریزی عبارت کے ساتھ قلب مصطلم ، قلب ممتحن ، اصطلام ، امتحان ،

۳۳٦ ۔ اصل کتاب (نکلسن اور مصری دونوں ایڈیشنوں میں) الصیانۃ ہے ۔ میرے نزدیک یہ لفظ الصبابۃ ہے

۳۳۷ ۔ جہاں یہ راز دفن ہوتے ہیں ۔

۳۳۸ ۔ یہ اشعار حسین بن منصور حلاج کے ہیں (رسالہ قشیریہ ابن قارع : ۳٦ ۔ ۳۷) ابو العلاء معری نے ان کو کسی کی طرف منسوب کئے بغیر اپنے رسالہ غفران ((صفحہ ۳۰۰) میں دیا ہے اور ان کے ساتھ تیسرا شعر بھی دیا ہے جس پر عروضی گرفت کی ہے ابو العلاء جس طرح ظاہری بینائی سے بے بہرہ تھا اسی طرح باطنی بینائی سے بھی بے بہرہ اور کورا تھا ۔ تیسرا شعر یہ ہے ۔

یاجملۃ الکل لست غیری　　　فما اعتذاری اذا اِلیّ

۳۳۹ ۔ اصل کتاب میں تجاوزا ہے اسے تجوزوا پڑھیں ۔

۳۴۰ ۔ یہ نسخہ A کی عبارت کا ہے نکلسن نے دیا ہے کہ نسخہ B میں لوکان لی منھا مسام الریح ہے ۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا ۔ کاش میں ان کی ہوا کی بو ہی سونگھ لیتا ۔

۳۴۱ ۔ نکلسن نے متن میں لطرف دیا ہے اور نسخہ B کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس میں کطرف ہے میں نے نسخہ B کی روایت کو ترجیح دی ہے ۔

۳۴۲ ۔ اصل کتاب میں اصحاب الھمم والضناء ہے میں نے اسے اصحاب الھمم والضنائن بنا کر ترجمہ کیا ہے ۔ الضناء کا یہاں کوئی مفہوم نہیں بنتا ۔

۳۴۳ ۔ اصل کتاب میں اسی طرح " الکسانی " دیا ہے ۔ اسے الکتانی پڑھیں ۔ ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ ۸٦ (میرا ترجمہ) انہوں نے ۳۲۲ ھ میں وفات پائی ۔ اصل نام ابوبکر محمد بن علی الکتانی ہے ۔ یہ جنید کے مرید تھے ۔

۳۴۴ ۔ اصل کتاب میں محاضر ہے ۔ میں نے اسے محاجر بنا کر ترجمہ کیا ہے ۔

۳۴۵ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الایمان بین الخوف والرجاء : ایمان امید وبیم کی درمیانی حالت کا نام ہے ۔

۳۴٦ ۔ اصل کتاب میں حبل الرشاد جس سے کوئی مفہوم نہیں نکل سکتا میں نے اُسے حیل الرشاد بنا کر ترجمہ کیا ہے تاکہ " جمع " کے لفظ کے ساتھ مطابقت ہو جائے ۔

۳۴۷ ۔ " فرق " و " جمع " کی بحث پہلے گذر چکی ہے ۔

۳۴۸ ۔ نکلسن لکھتا ہے : غالباً یہ ابوالحسین الارموی ہیں (نفحات الانس : ۲۹۵) جو ابو عبداللہ الرود باری (م ۳٦۹ ھ) کے معاصر تھے ۔

۳۴۹ ۔ یہ شعر نحوی اور عروضی اعتبار سے ساقط ہے ۔

۳۵۰ ۔ شاربی صرفا کی ترکیب میں سقم پایا جاتا ہے میرے نزدیک اسے ساقیاً صرفاً ہونا چاھیئے ۔ اور

ترجمہ بھی اسی کا پیش کیا گیا ہے۔

۴۵۱ - اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے۔ نکلسن کے بیان کے مطابق نسخہA میں لم یلق ہے میرے نزدیک درست لایلوی ہے۔ اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۵۲ - اصل کتاب میں کُبِلّ ہے۔ اسے بُبِلّ پڑھیں۔

۴۵۳ - اصل کتاب میں شَغَلْتُ (یعنی تاء پر پیش) ہی دیا ہے مگر میں نے شَغَلْتَ پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۴۵۴ - لفظی ترجمہ : میں نے اس تنکے کے باوجود جو اس نے میری آنکھوں میں ڈالا تھا آنکھیں بند کر لیں اور تنکے کو نکالنے کی کوشش نہیں کی۔

۴۵۵ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ درست ابو عمرو الزجاجی نیشاپوری ہے۔ اصل نام ابو عمر محمد بن ابراھیم الزجاجی ہے۔ ۳۴۸ھ میں وفات پائی۔ جنید رحمۃ اللہ کے مریدوں میں سے تھے۔

۴۵۶ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر اس سے کوئی معنی نہیں بنتے۔ میں نے اسے أدرانی بنا کر ترجمہ کیا ہے۔

۴۵۷ - ۔ بادی ۔ کی تشریح آگے چل کر اصطلاحات کی تشریح میں آئے گی۔

۴۵۸ - یہ اشعار عروضی ، نحوی اور لسانی اعتبار سے گرے ہوئے اشعار ہیں۔

۴۵۹ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے یھدا (ھدیہ سے ماخوذ) بنا کر ترجمہ کیا ہے۔

۴۶۰ - نکلسن نے اصل متن میں غواصۃ فی موج قرع ابواب السموات دیا ہے جس سے کوئی صحیح مفہوم نہیں بنتا۔ نکلسن نے خود حاشیہ میں لکھا ہے کہ نسخہ B میں ۔ قرع ۔ کا لفظ نہیں۔ اس سے صحیح مفہوم نکل آتا ہے۔ آسمان کے دروازوں کی موج میں ۔ اور اگر ۔ قرع ۔ کو متن کا جزء سمجھا جائے تو پھر میرے نزدیک درست لفظ ترع ہے اور ترع ترعۃ کی جمع ہے جس کے معنی ۔ دھانہ نہر ۔ کے ہیں۔ اسی کو لے کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۶۱ - اصل متن میں سھلت بھا ہے مگر نکلسن نے لکھا ہے کہ نسخہ A میں سمحت ہے۔ اسی کو لے ترجمہ کیا گیا ہے۔

۴۶۲ - دنیا کے گھاٹ پر لوگ وارد ہوتے اور واپس چلے جاتے۔ پھر آتے ہیں اور پھر چلے جاتے ہیں۔ جنید رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ بارگاہ رب العزت میں حاضری کے بعد واپسی قطعاً نہ ہو۔

۴۶۳ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے نکلسن نے لکھا ہے کہ نسخہ B میں عمرو بن یحیی ہے۔ میرے نزدیک درست ہے۔ عمر بن یحیی اردبیلی ہے جو ابوبکر محمد بن داؤد الدینوری المعروف بدُقّی سے روایت کرتے ہیں۔

۴۶۴ - ابو حمزہ سے یہاں مراد ابو حمزہ بغدادی ہیں۔ یہی سری سقطی سے روایت کرتے ہیں۔ اسی عہد میں ایک اور ابو حمزہ بھی ہوئے ہیں اور وہ ابوحمزہ خراسانی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ابوحمزہ بغدادی کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔

۴۶۴ - اصل کتاب میں میں

۴۶۵ - اصل کتاب میں یزید (زاء کے ساتھ) ہے۔ میرے نزدیک درست یرید (راء کے ساتھ) ہے۔ اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۴۶۶ - نکلسن نے متن میں لاتتلب دیا ہے اور لکھا ہے کہ نسخہ A میں لاتتل ہے اور B میں لاتبلعھم

میرے نزدیک لا تنل ہی درست ہے اور اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

۳۶۷۔ اصل کتاب میں اَرباع ہے اسے أرباح پڑھیں۔

۳۶۸۔ سورہ فاطر : ۱

۳۶۹۔ سورہ کہف : ۱

۳۶۹۔ سورہ لقمان : ۱۹

۳۷۱۔ اصل کتاب میں اسی طرح یعنی مجیبة دیا جس کا اوپر ترجمہ دیا گیا مگر یہ کوئی واضح مفہوم نہیں۔ میرے نزدیک اسے محببة (محبوب) ہونا چاہئے۔ یعنی یہ ایک ایسی حکمت ہے جو ہر کسی کو محبوب ہے۔

۳۷۲۔ ملاحظہ ہو رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ) صفحہ ۵۲۱

۳۷۳۔ اصل کتاب میں تفرغ (غین معجم کے ساتھ) ہے میں نے اسے تفرع (عین مہملہ کے ساتھ) پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۳۷۴۔ اصل عبارت یوں ہے : من اثنین احب الی منه من واحد۔ یہ عبارت ترکیب اور نحوی اعتبار سے ساقط ہے۔ میرے نزدیک درست یوں ہے۔ ما الإثنان أحب الی من واحد . یہ دونوں مجھے ایک سے زیادہ محبوب نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ میں ان دونوں کو پسند نہیں کرتا۔

۳۷۵۔ سورہ الذاریات : ۲۱ . اس سے پہلی آیت وفی الأرض آیات للموقنین زمین میں یقین رکھنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں اس کے بعد مذکورہ بالا آیت میں فرمایا وفی انفسکم اور خود تمہارے نفسوں میں بھی نشانیاں ہیں۔

۳۷۶۔ سورہ فصلت : ۵۳

۳۷۷۔ سورہ لقمان : ۱۹

۳۷۸۔ سورہ الروم : ۱۳

۳۷۹۔ حضرت کعب مشہور صحابی ہیں۔ ان کے والد زہیر بن ابی سلمی زمانہ جاہلیت کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے بھائی بجیر، بہن، والدہ اور بیوی سب ہی شاعر تھے۔ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور قصیدہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کے چند اشعار اوپر درج ہیں۔ اس قصیدہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کو اپنی چادر مبارک عطا کی تھی۔ اسی لئے اس قصیدہ کو " قصیدہ بردہ " کہا جاتا ہے۔ علامہ بوصیری رحمہ اللہ کے قصیدہ کو بھی قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔

۳۸۰۔ اس شعر سے پہلے بہت سے اشعار ہیں جو کتاب میں درج نہیں ہیں۔ یہاں شاعر شراب کا ذکر کر رہا ہے۔

۳۸۱۔ امام مالک مشہور تابعی اور امام ہیں۔ استدلال یہ ہے کہ امام مالک کو شعر گانا آتا تھا اگر ناجائز ہوتا تو کیوں سیکھا ہوتا۔

۳۸۲۔ سورہ بقرہ : ۲۲۵

۳۸۳۔ اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر رسالہ قشیریہ (صفحہ ۱۶۹) میں : فهؤلاء لایختارون علی الله فیما یرد علی قلوبهم من الحرکة والسکون۔

۳۸۴۔ سورہ مزمل : ۴

۳۸۵۔ سورہ رعد : ۲۸

۳۸۶۔ سورہ زمر : ۲۳

۴۸۷ - سورہ حج : ۳۵

۴۸۸ - سورہ حشر : ۲۱

۴۸۹ - سورہ اسراء : ۸۲

۴۹۰ - سورہ زمر : ۱۷

۴۹۱ - سورہ نساء : ۳۱

۴۹۲ - سورہ مائدہ : ۱۱۸

۴۹۳ - سورہ محمد : ۱۶

۴۹۴ - سورہ الانفال : ۲۱

۴۹۵ - سورہ المائدۃ : ۸۳

۴۹۶ - سورہ آل عمران :۱۸۵

۴۹۷ - سورہ بنی اسرائیل : ۸۸

۴۹۸ - اصل متن میں حکمۃ ہے۔ نکلسن نے لکھا ہے کہ نسخہ B میں لحکمۃ ہے اوز وہی درست ہے۔

۴۹۹ - سورہ القمر : ۱۷

۵۰۰ - سورہ الحشر : ۲۱

۵۰۱ - سورہ المزمل : ۳

۵۰۲ - اس کی وجہ یہی تھی کہ اس میں ضبط کا مادہ نہ تھا ۔ کاملین کا ظرف بہت زیادہ ہوتا ہے لہذا ان میں ضبط کا مادہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے ایک بزرگ سے سنا ۔ سمندر پی جاؤ مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم نے کوئی گھونٹ پیا ہے۔ اسی سے اندازہ لگائیں کہ عوام اور مبتدیوں میں یہ ضبط کہاں

۵۰۳ - نکلسن نے ان دو شعروں کو ایک شعر سمجھا ہے۔

۵۰۴ - یہ ایک مکمل سعر ہے جسے نکلسن نے ایک مصراع سمجھا ہے۔

۵۰۵ - نکلسن نے متن میں ختم دیا ہے اور لکھا ہے کہ نسخہ B میں حتم ہے۔ میں نے نسخہ B کو ترجیح دے کر ترجمہ کیا ہے۔

۵۰۶ - اصل کتاب میں صیرفی ھی ہے مگر درست ابو الحسن علی بن مصری ہے۔ پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن الحسن الواعظ المصری ہے۔ دراصل بغداد کے رہنے والے تھے مگر چونکہ مدت تک مصر میں مقیم رہے ۔ لہذا جب واپس بغداد آئے تو مصری مشہور ہو گئے ۔ واعظ تھے ۳۳۸ ھ میں وفات پائی ۔ (البدایہ والنہایہ : ۱۱ : ۳۲۲ ، طبقات الصوفیہ : ۲۹ : شذرات الذھب : ۲ : ۱۴۷)

۵۰۷ - نکلسن نے اسے ایک مصراع سمجھا ہے ۔ حالانکہ یہ مکمل شعر ہے۔

۵۰۸ - یعنی جب انہوں نے یہ آواز سنی تھی اس وقت وہ بارگاہ الہی میں مشغول اور اس کی عنایات پر غوروفکر کر رہے تھے ۔

۵۰۹ - عتبۃ الغلام ۔ عتبہ بن ابان بن صمعہ انہیں ان کی کوشش اور چستی کی وجہ سے غلام کہا گیا۔ ایک جہاد میں شہید ہوئے (صفۃ الصفوۃ : ۳ ـ ۲۸۱ ـ ۲۸۵)

۵۱۰ - اصل کتاب میں السما اور عنا بغیر ھمزہ کے ہے۔ انہیں ھمزہ کے ساتھ پڑھیں ۔ اس کے بعد یہ سعر ہے ۔

من لم یذق حرق الھوی لم یدر ما جھد البلاء

۵۱۱ ـ اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ) صفحہ ۵۲۹ میں ہے کہ اس شخص نے اٹھ کر بناوٹی طور پر وجد کا اظہار کیا تھا تو ذوالنون نے وہ آیت پڑھی تھی ۔

۵۱۲ ـ علی بن موفق العابد ـ انہوں نے منصور بن عمار (متوفی بعد از ۲۱۸ ھ) وغیرہ سے روایت کی اور ان سے احمد بن مسروق وغیرہ نے ـ فرماتے ہیں کہ میں نے ساٹھ حج کئے ہیں جن میں سے تیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھے ـ ۲۶۵ ھ میں وفات پائی (صفة الصفوة : ۲ : ۲۱۸ ، نفحات الانس : ۱۱۰ اور تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۱۰ ـ ۱۱۲)

۵۱۳ ـ سورہ الحدید : ۱۵

۵۱۴ ـ یعنی پہلے کا سا ضبط نہیں رہا اور یہ ایک امر فطری ہے کہ بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں ، انسان رقیق القلب ہو جاتا ہے اور اپنے اوپر قابو نہیں رہتا ـ سہل رحمہ اللہ جوانی میں اپنے نفس پر قابو رکھتے کیونکہ اگرچہ اندر ہی اندر آندھیاں چلتیں مگر بظاہر مکمل سکون ہوتا تھا ـ

۵۱۵ ـ سورہ الفرقان : ۲۶

۵۱۶ ـ سورہ آل عمران : ۴۷

۵۱۷ ـ سورہ الکہف : ۳۹

۵۱۸ ـ سورہ البقرہ : ۱۱۰

۵۱۹ ـ سورہ النور : ۳۹

۵۲۰ ـ سورہ الحج : ۳۶

۵۲۱ ـ سورہ الحج : ۳۵

۵۲۲ ـ سورہ البقرۃ : ۱۹۲

۵۲۳ ـ سورہ الزمر : ۲۳

۵۲۴ ـ سورہ الحج :۳۵

۵۲۵ ـ سورہ النساء :۳۱

۵۲۶ ـ یہ متن میں دی ہوئی عبارت کا ترجمہ ہے نکلسن نے لکھا ہے کہ نسخہ B میں کان یعرفها کی جگہ کان یفرقها ہے ـ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا : جس سے وہ پہلے خائف تھا ـ میرے نزدیک نسخہ B کی عبارت درست ہے ـ

۵۲۷ ـ سورہ البقرہ : ۲

۵۲۸ ـ سورہ ق : ۳۵

۵۲۹ ـ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ ہاتھ دھونے لگتے ہیں تو گھنٹوں دھوتے چلے جاتے ہیں مگر پھر بھی ان کی تشفی نہیں ہوتی ـ یہ ایک قسم کا وسوسہ ہوتا ہے ـ احمد بن عطاء رودباری رحمہ اللہ کو وسوسة الوضوء کی علت لگی ہوئی تھی اور ہاتف نے انہیں علم کو استعمال کرنے اور وسوسہ ترک کرنے کو کہا ـ

۵۳۰ ـ اصل کتاب میں من یدعوهم ہے ـ اسے من یدعونهم پڑھیں ـ

۵۳۱ ـ اصل کتاب میں وذکر القَسَم علیها ہے اسے ذِکرُ القَسَمُ علیها پڑھیں ـ

۵۳۲ ـ سورہ البقرہ : ۲۶۲

۵۳۳ ـ سورہ مریم : ۲۵

۵۳۴ ـ متوفی ۱۱۰ ھ

۵۳۵ ـ متوفی ۱۲۷ ھ

۵۲۶ - متوفی ۲۹۷ھ

۵۲۷ - متوفی ۶۳ھ

۵۲۸ - متوفی ۶۳ھ

۵۲۹ - متوفی بعد از ۲۷۰ھ

۵۳۰ - متوفی ۱۰۵ھ

۵۳۱ - سبب سے یہاں مراد دنیاوی خوراک ہے۔

۵۳۲ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ صفحہ ۵۶۵) میں القصاری ہے۔

۵۳۳ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے مگر رسالہ قشیریہ میں المفتاحی ہے اور شرح رسالہ میں السنجی اور یہی درست ہے۔ دیکھیں ترجمہ رسالہ قشیریہ صفحہ ۵۶۵

۵۳۴ - راقم کہتا ہے۔ دونوں نے اپنی اپنی باطنی کیفیت بیان کی تھی۔ وہ شخص ابو حمزہ سے بلند مرتبہ تھا۔ اس کا سوال کرنے سے مقصد ابوحمزہ کو مزید باطنی امر سکھانا تھا۔

۵۳۵ - اکابر صوفیاء کے مریدوں کی تربیت کرنے کیلئے مختلف طریقے ہیں۔ یہ نوجوان جنید رحمہ اللہ کا مرید تھا اور تھا بھی صاحب کمال جنید رحمہ اللہ اسے اور پختہ کار بنانا چاہتے تھے۔

۵۳۶ - سورہ المؤمنون : ۱

۵۳۷ - جنھوں نے زائل ہونے والا کہا انہوں نے اس کا اشتقاق حال یحول سے بنایا اور جنھوں نے یہ زائل ہونے والا کہا انہوں نے حل یحل سے لیا۔ اور یہی وجہ اختلاف ہے۔

۵۳۸ - سورہ ق : ۳۶

۵۳۹ - سورہ آل عمران : ۱۲۷

۵۵۰ - سورہ فاطر : ۲۹

۵۵۱ - مراد یہ ہے کہ ذات باری کی طرف اشارہ نہیں کیا جا سکتا۔

۵۵۲ - کیونکہ اشارہ کسی محدود اور مکانی چیز کی طرف ہو سکتا ہے اور ذات باری تعالی غیر محدود اور لامکان ہے۔ مزید برآں اشارہ کیلئے جسم کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ کا کوئی جسم نہیں۔ لہذا ذی جسم غیر اللہ ہوا۔ اسی لئے اسے بت کہا۔

۵۵۳ - یعنی تم نے یہ فعل اپنی ذاتی کوشش سے کیا ہے۔ اسے اللہ کی طرف سے نہیں سمجھتے کیونکہ توفیق دینے والا تو وہی ہے۔ لہذا اس میں انسان کا درحقیقت نہ دخل ہے اور نہ اس کی کوئی خوبی ہے۔ پھر کیوں اپنے فعل کو دیکھے۔

۵۵۴ - مراد یہ ہے کہ اسرار خداوندی غیر منتہی ہیں ان کے اندر داخل ہو جائے اور جب ان اسرار میں داخل ہو گیا تو اپنے احوال و مقامات سے بے خبر ہو جائے گا۔

۵۵۵ - مشہور روایت یوں ہے : وفی کل شیء له آیة تدل ...

۵۵۶ - سورہ البروج : ۳

۵۵۷ - اصل کتاب میں لعبد ہے مگر نکلسن نے لکھا ہے کہ نسخہ B میں لمعبود ہے۔ میرے نزدیک یہی درست ہے اور اسی کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ میرے نزدیک مفقود اور یکون کے درمیان واو نہیں ہونی چاہیئے۔ عبارت یوں ہو گی۔ : لاتحزن علی مفقود یکون ذکراً . الخ .

۵۵۸ - اصل کتاب میں یکلنا ہے اسے الگ الگ لکھنا چاہئے جیسا کہ متن میں دیا ہے

۵۵۹ - سورہ بقرہ : ۲۳۶

۵۶۰ـ اصل کتاب میں بولا الملیک ہے جس سے وزن ٹوٹتا ہے۔ میں نے بولاء الملک بنا کر ترجمہ کیا ہے۔

۵۶۱ـ نکلسن اور مصری ایڈیشن دونوں میں ۔ محفوظ ۔ ہی ہے مگر میرے نزدیک درست ۔ ماخوذ ۔ ہے ، محفوظ اور مستلب میں کوئی مناسبت نہیں ۔ مستلب اور ماخوذ کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

۵۶۲ـ ابوحمزہ خراسانی کی مراد اپنی ذات سے ہے مگر واضح الفاظ میں نہیں کہا ۔ نیز ان کی مراد یہ ہے کہ میرے نزدیک شیر اور تکیہ دونوں بے جان ہیں لہذا جس پر چاہوں تکیہ لگا لوں۔

۵۶۳ـ یعنی یہ تو ڈینگ ہے ، ڈینگ نہ مارو ۔ دلیل پیش کرو۔

۵۶۴ـ یعنی مشاہدہ تامہ ان دونوں کو قریب کر دیتا ہے۔

۵۶۵ـ اصل کتاب میں تأنف ہے اسے یأنف پڑھیں جیسا کہ نکلسن کے بیان کے مطابق نسخہB میں ہے

۵۶۶ـ سورہ والنجم : ۱۱

۵۶۷ـ اصل کتاب میں سفیان ہی ہے۔ نکلسن نے حاشیہ پر لکھا ہے کہ نسخہ B میں سفیان کا لفظ نہیں ہے میرے نزدیک نسخہ B میں درست دیا ہے اور یہ قول یحیی بن معاذ رحمہ اللہ کا ہی ہے قدماء میں دوشخص بسفیان کے نام سے مشہور ہیں ۔ سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ مگر یہاں ان میں سے کوئی مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی سے بھی کوئی ایسا قول منقول نہیں جو صوفیاء کے اقوال کی طرح الجھا ہوا ہو

۵۶۸ـ آزمائش میں پورا اترنا صادقین کا کام ہے اور جو پورا نہ اترے گا اس کا پول کھل جائے گا لہذا دشمن بن جائے گا۔

۵۶۹ـ کتاب میں نحن معاشِرُ الانبیاء ہے اسے نحن معاشِرَ الأنبیاء پڑھیں یعنی معاشر کی راء پر نصب ہے مصری نسخہ میں نکلسن کی پیروی کرتے ہوئے معاشِرُ ہی دیا ہے۔

۵۷۰ـ سورہ النازعات : ۲۴

۵۷۱ـ سورہ مائدہ : ۱

۵۷۲ـ مراد یہ ہے کہ عام مسلمانوں سے دل میں کہی ہوئی بات کا مؤاخذہ نہ ہوگا مگر خواص سے مؤاخذہ ہوگا۔

۵۷۳ـ سورہ الرعد : ۳۹۔

۵۷۴ـ میں اس شعر کو نہیں سمجھ سکا۔

۵۷۵ـ اصل کتاب میں فلیتفن ہے نکلسن نے خود ہی دیا ہے کہ نسخہ B میں فلیتبقن ہے اور وہی درست ہے۔ اسی کا اوپر ترجمہ دیا گیا ہے۔ مصری ایڈیشن میں متن میں فلیتفن ہی دیا ہے اور زیریں حاشیہ میں لکھا ہے شاید درست فلیتیقن ہے۔

۵۷۶ـ درست کُتّانی ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

۵۷۷ـ سورہ المرسلات : ۸

۵۷۸ـ اصل کتاب میں یشبهنی ہے میں نے اسے یشھینی پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۵۷۹ـ اصل کتاب میں اسی طرح دیا ہے اسے لایلوی پڑھیں ۔ مصری ایڈیشن میں لایلوی ہی ہے۔ صرف یہی ایک کلمہ ہے جس کی تصحیح مصری ایڈیشن میں کی گئی ہے۔

۵۸۰ـ سورہ النحل : ۵۳

۵۸۱ـ سورہ البروج : ۱۳

۵۸۲ ۔ سورہ التغابن : ۹

۵۸۳ ۔ سورہ الکہف : ۱۰۹

۵۸۴ ۔ قشیری کی تفسیر لطائف الاشارات : ۱ : ۲۷۳ : میں اجالۃ السر ہے مگر درست وہی ہے جو متن میں دیا ہے۔

۵۸۵ ۔ سورہ اسراء : ۸۰

۵۸۶ ۔ سورہ یونس : ۵۸

۵۸۷ ۔ اصطلاح میں حملان اس سکون کو کہتے ہیں جو وجد سے پہلے ہوتا ہے۔

۵۸۸ ۔ سورہ طٰہ : ۴۱ ۔

۵۸۹ ۔ سورہ طٰہ ۳۹

۵۹۰ ۔ سورہ طٰہ : ۳۹

۵۹۱ ۔ سورہ الحج : ۷۵

۵۹۲ ۔ سورہ الانعام : ۹

۵۹۳ ۔ ماخوذ اور مختلس کی اصطلاح کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

۵۹۴ ۔ سورہ المطففین : ۱۴

۵۹۵ ۔ اوپر چار کا ذکر کیا مگر بیان صرف تین کی ہیں ۔

۵۹۶ ۔ سورہ النجم : ۱۱

۴۹۷ ۔ سورہ یوسف : ۷۶

۵۹۸ ۔ سورہ الزخرف : ۳۲

۵۹۹ ۔ سورہ بنی اسرائیل : ۲۱

۶۰۰ ۔ سورہ کہف : ۶۵ ۔ ۶۶ : آیتیں اس طرح ہیں . فوجدا عبداً من عبادنا آتینٰہ رحمۃً من عندنا وعلمنہ من لدنا علما . قال موسی ھل أتبعک علی أن تعلمن مما علمت رشدا (وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت عطا کر رکھی تھی اور اپنے پاس سے علم دیا تھا۔ موسی نے ان سے کہا کہ جو علم اللہ نے آپکو سکھایا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے بھی بھلائی کی باتیں سکھا دیں تو میں آپ کے پیچھے پیچھے آؤں)

۶۰۱ ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام منافقین کا علم تھا اور آپ ﷺ نے یہ علم خاص طور پر حضرت حذیفہ بن الیمان کو عطا کیا تھا ۔

۶۰۲ ۔ سورہ الکہف : ۱۰۹

۶۰۳ ۔ سورہ بنی اسرائیل : ۱۴

۶۰۴ ۔ اصل کتاب مین (نکلسن اور مصری ایڈیشن) ان یضیف فعلہ و حرکتہ میں نے اسے ان یصف فعلہ و حرکتہ پڑھ کر ترجمہ کیا کیونکہ اس کے بعد بلفظۃ مستغربۃ آتا ہے۔

۶۰۵ ۔ اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ مصری نسخہ اسی کی نقل ہے نکلسن نے حاشیہ میں دیا ہے کہ نسخہ A میں انت ہے میرے نزدیک انت ہی درست ہے اور یہ أَنِّیْ عنک بلکہ إِنِّی أَنْتَ جس کے معنی تو ہی میری حقیقت ہے ۔ کے ہیں

۶۰۶ ۔ اصل کتاب میں أَنِّیْ اور أنہا ہے۔ میں نے اسے انی اور انہا پڑھ کر ترجمہ کیا ہے۔

۶۰۷ ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ مقام انتہا کو پہنچنے والوں کا مقام نہیں ۔

٦۰۸ ـ سورہ فصلت : ۱۱

٦۰۹ ـ سورہ الحجرات : ۱۲

٦۱۰ ـ سورہ التوبہ : ۳۰

٦۱۱ ـ سورہ المائدہ : ۱۸

٦۱۲ ـ سورہ الکہف : ۴۷

٦۱۳ ـ سورہ الکہف : ۵۷

٦۱۴ ـ سورہ الکہف : ٦۷

٦۱۵ ـ مراد ہے طلب قصاص اور اس کی صحبت کو ترک کرنے سے

٦۱٦ ـ مراد یہ ہے کہ میں یہ اللہ کی عنایت کا ذکر کرنے کی غرض سے کہہ رہا ہوں محض یہیں کہہ رہا ـ

٦۱۷ ـ سورہ ص : ۳۰ ـ ۳۳

٦۱۸ ـ صحیح روایات میں یہ ہے ،،اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے،،

٦۱۹ ـ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ جہاد میں مشغول تھے اور ان سے ایک فریضہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے دوسرا فریضہ جاتا رہا تھا ـ مگر سلیمان علیہ السلام جہاد میں مشغول نہ تھے گھوڑوں کو دیکھنے دیکھنے نماز کا وقت فوت ہو گیا اگرچہ یہ گھوڑے بھی جہاد ہی کیلئے جمع کر رکھے تھے لہذا دونوں میں نمایاں فرق ہوا ـ مزید برآں نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بحکم قرۃ عینی فی الصلوۃ آنکھوں کی ٹھنڈک تھی ـ

٦۲۰ ـ اصل کتاب میں یہاں ،، خلا ،، ہے اور یہ الفاظ میری طرف سے ہیں ـ

٦۲۱ ـ یعنی محبوب نے خواہ خط کو پڑھا ہو یا نہ پڑھا ہو میرے لئے اسی قدر کافی ہے کہ اس نے خط لے کر کھولا تو ہے ـ

٦۲۲ ـ شیخ رحمہ اللہ نے درست فرمایا ہے اور جو تشریح انہوں نے کی ہے وہ اہل معرفت کی تشریح ہے ـ میرے نزدیک عوام کیلئے اس کی تشریح یہ ہے کہ علم حدیث اور علم فقہ نے تاریکی دور کر دی ہے اور راہ ہدایت دکھا دی ہے ـ اب صبح پھوٹ چکی ہے اور اس کی روشنی میں آگے چلنا ہے کیونکہ شریعت طریقت کی ابتدائی منزل ہے ـ پہلی منزل تو طے ہو چکی اب اگلی منزل یعنی معرفت الٰہی اور حقیقت کی طرف جانا ہے ـ

٦۲۳ ـ اصل کتاب میں فأوراہ ہے اور اسی طرح مصری ایڈیشن میں ہے ـ اسے فأراہ پڑھیں ـ اور میں نے اسی کا ترجمہ پیش کیا ہے ـ

٦۲۴ ـ نکلسن اور مصری دونوں ایڈیسنوں میں منِ الیقینُ ہے میں نے اسے مَن الیقِیْن پڑھا ہے اور یقین سے صاحب یقین مراد لی ہے ـ منِ الیقِیْنُ سے اقواء کا عیب ہو جاتا ہے

٦۲۵ ـ یہاں غور کا مقام ہے دوزخ ایک ہے مگر طبقات مختلف پھر ایک ہی طبقہ کے لوگوں کو بھی مختلف قسم کے عذاب دئے جائیں گے کسی کو کم کسی کو زیادہ اور یہ امر قدرت خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہوگا ـ دوزخ کی ایذا ہر کو حکم خداوندی کے مطابق ہوگی ـ

٦۲٦ ـ سورہ المؤمنون : ۱۰۸

٦۲۷ ـ ان ہی معنوں میں کسی کا یہ شعر ہے ـ

وہ دشمنی سے دیکھنے ھیں دیکھنے تو ھیں   میں خوش ھوں کہ ھوں تو کسی کی نگاہ میں
اصل کتاب میں جوابی ہے اسے خَوَابُہُ نَزھیں ـ

٦٢٨ ـ آربری الموفق ابو احمد طلحه المتوفی ۲۷۸ ھ ۸۹۱ ء متوکل کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا ـ مگر یہ خلیفہ کبھی نہیں بنا ـ اس کا بھائی معتمد خلیفہ تھا ـ معتمد کی حکومت کا عجیب حال تھا ـ معتمد اور موفق دونوں خلافت میں برابر کے شریک تھے ـ خطبہ ، سکہ اور امیر المؤمنین کا لقب معتمد کیلئے تھا مگر تمام اختیارات مثلاً فوج کی کمان ، دفاع ، وزراء اور حکام کا تقرر موفق کے قبضہ میں تھا (الفخری : ۲۲٦ ـ ۲۲۷)

٦٢٩ ـ غلام الخلیل ـ عبد اللہ بن احمد بن محمد الباھلی (م ۲۷۵ ھ ـ ۸۸۸ ء) راوی حدیث اور زاھد ھیں ـ انقطاع الی اللہ ، الدعاء ، الصلوۃ اور المواعظ ان کی تصانیف ھیں دیکھیں فہرست: ۱ : ۱۸٦ جہاں انہیں صوفیہ میں شمار کیا گیا ہے (آربری) انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کر لی تھی ـ مرۃ بن حبیب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن مخلد وغیرہ نے ـ انہوں نے احادیث مناکیر کی روایت کی ہے مگر من گھڑت باتیں کرنے والے نہ تھے ـ فصیح و بلیغ اور عالم تھے (المنتظم : ۵ : ۹۵ ـ ۹٦ اور تاریخ بغداد : ۵ : ۷۸ ـ ۸۰)

٦٣٠ ـ قرآن سورہ المائدہ : ۵۹

٦٣١ ـ آربری اور مصری ایڈیشن دونوں میں شم الموت ہے حالانکہ آربری کے اپنے بیان کے مطابق قلمی نسخے میں سم الموت ہے میں نے اسی کو ترجیح دی ہے اور ترجمہ کیا ہے ـ

٦٣٢ ـ سورہ بنی اسرائیل :۳٦

٦٣٣ ـ سورہ ق : ۱٦

٦٣٤ ـ صراۃ دریائے فرات کی ایک نہر کا نام ہے جو بغداد کے قریب تھی ـ کہا جاتا ہے کہ یہ نہر ساسانی عہد میں کھودی گئی تھی اور اس پر کئی پل بنائے گئے تھے ـ

٦٣٥ ـ سورہ ص : ۳۲ بہت سے لوگوں نے اس آیت میں مسحاً کا ترجمہ ھاتھ پھیرنا کیا ہے جو میرے نزدیک غلط ہے ـ

٦٣٦ ـ سورہ والضحی : ۱۱

٦٣۷ ـ علی بن عیسٰی وزیر : ابوالحسن علی بن عیسی ـ پہلے المقتدر (م ۳۲۰) کا پھر القاھر (۳۲۱ ھ تا ۳۲۲ ھ) کا وزیر رھا ـ نوے سال زندہ رھا اور ۳۳۴ ھ میں وفات پائی ـ اس نے بالآخر وزارت سے استعفا دے دیا تھا اور توبہ کر لی تھی ـ

٦٣٨ ـ حسین بن علی بن یزدانیار ہے جیسا کہ رسالہ قشیریہ صفحہ ۳۰ اور تعرف صفحہ ۲۱۹ (میرا ترجمہ) میں ہے ـ

٦٣٩ ـ ابو سعید عبداللہ بن محمد بن عبدالوھاب القرشی الرازی الصوفی ـ آخر عمر میں بخارا چلے گئے تھے اور وھیں چورانوے سال کی عمر میں ۳۸۲ ھ میں وفات پائی (شذرات الذھب : ۳ : ۱۰۳)

٦٤٠ ـ علی بن عبدالرحیم ابوالحسن واسطی قناد صوفی ـ ائمہ صوفیہ میں سے تھے ـ کئی مشائخ سے ملے اور تجرید کے طور پر سفر کئے ـ انہوں نے حسین بن منصور حلاج کے اقوال کی روایت کی ہے (طبقات الصوفیہ : ۱٦۵)

٦٤١ ـ دوسرا مصراع ناقص ہے ـ مصری طبع میں بھی اسی طرح ہے جو بات یہ ہے کہ مصری طبع میں

نکلسن ایڈیشن سے بہتر متن پیش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ۔ تعریف نکلسن ایڈیشن ہی کی جائے گی

٦٣٢ ۔ اصل میں : ذی ہے اور پرانے مخطوطہ میں ذا کی بجائے ذی لکھہ دیتے ہیں ۔

٦٣٣ ۔ کتاب میں حجراً دیا ہے میں نے اسے حِجْراً پڑھ کر ترجمہ کیا ہے

٦٣٤ ۔ یہ تمام اشعار فنی اور لسانی اعتبار سے گرے ہوئے ہیں اکثر خارج از وزن ہیں ترکیب بھی درست نہیں ۔ میں نے ان میں معنی ڈالنے کی کوشش کی ہے

٦٣٥ ۔ ابو بکر محمد بن موسی واسطی فرغانی ، دراصل فرغانہ کے رہنے والے تھے ۔ جنید اور نوری کی صحبت میں رہے ۔ عالم کبیر تھے ۔ مرو میں مقیم رہے اور وہیں ٣٢٠ ھ کے بعد وفات پائی ۔ رسالہ قشیریہ (میرا ترجمہ) صفحہ ٨٧۔ ٩٧ جامی (نفحات الانس : ١٧٠) نے قبل از ٣٢٠ ھ لکھا ہے ۔

٦٣٦ ۔ سورہ العنکبوت : ٣٥

٦٣٧ ۔ آربری نے وجہ واحد دیا ہے مصری ایڈیشن میں الوجہ الاول ہے اور یہی درست ہے

٦٣٨ ۔ سورہ الاعراف : ١٨٨

٦٣٩ ۔ سورہ القصص : ٥٦

٦٥٠ ۔ سورہ آل عمران : ١٣٣

٦٥١ ۔ سورہ الاسراء : ٨٦

٦٥٢ ۔ سورۃ الفرقان : ٣

٦٥٣ ۔ سورۃ الانبیاء : ٦٦ ۔٦٧

٦٥٤ ۔ آربری نے : اَنا اصل دیا ہے اور یہ غلط ہے ۔ آربری بھلا اسے کیونکر سمجھ سکتا ہے ۔ مصری ایڈیشن میں أنا اول ہی دیا ہے ۔

٦٥٥ ۔ سورہ الضحی : ١١

٦٥٦ ۔ شیخ ابو نصر سراج رحمہ اللہ نے صوفیاء کے رنگ میں تشریح فرمائی ہے ۔ بندۂ حقیر کے نزدیک اس کی ایک تشریح یہ ہے کہ تجھے اپنے درود کی کوئی قدر و منزلت نہ سمجھنی چاہیئے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تمہارا درود قبول ہی نہ ہوا ہو لوگوں میں یہ جو مشہور ہے کہ درود ضرور مقبول ہوتا ہے ، درست نہیں ۔ صوفیاء کے ہاں جو بات " غفلت " سے کی جائے خواہ وہ کس قدر مقدس ہی کیوں نہ ہو غیر مقبول ہے ۔ لہذا جب درود قبول ہی نہ کیا گیا تو اس کی کیا مقدار رہی ۔

٦٥٧ ۔ حقوق کی تشریح کیلئے اصطلاحات کے باب کی طرف رجوع کریں ۔

٦٥٨ ۔ سورہ الانعام : ١٦٠

٦٥٩ ۔ سورۃ الزمر : ١٣

٦٦٠ ۔ اصل کتاب میں فی الترفع والترفہ ہے ، میں نے اسے فی التوسع والترفہ بنا کر ترجمہ کیا ہے کیونکہ اس کے بعد والتقلل و التقشف ہے ۔ تقلل کے بالمقابل توسع ہے اور تقشف کے بالمقابل ترفہ ۔ اور باب بھی توسع کے متعلق ہے ۔

٦٦١ ۔ حکیم محمد بن علی الترمذی رحمہ اللہ پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتے ہیں ۔ راقم حروف نے ان کی متعدد کتابوں جن میں " ختم الولایہ" بھی شامل ہے کا

مطالعہ کیا مگر کہیں سے اس الزام کا ثبوت نہیں ملا - اس الزام میں طوس والے بیسر نہیں ہو سکتا ہے کہ ابونصر سراج بھی حکیم ترمذی پر الزام لگانے والوں میں ہوں اور غالبا یہ وجہ ہے کہ انہوں نے حکیم ترمذی کا کوئی قول درج نہیں کیا اور نہ ہی کہیں ان کا ذکر آیا ہے اور اس باب میں ان کا نام لئے بغیر اس گروہ کا ذکر کر دیا ہے - راقم کے نزدیک حکیم ترمذی پر یہ ایک غلط الزام ہے -

٦٦٢ - اس صفحہ پر نکلسن ایڈیشن میں کچھ الفاظ رہ گئے ہیں مصری ایڈیشن کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے -

٦٦٣ - راقم حروف محمد حسن بن محمد حسین بن غلام مصطفی کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے ولایت کو نبوت پر ترجیح دی ہے ان کی مراد محض ولایت نہ ہو بلکہ ایسی ولایت مراد ہو جس کے ساتھ نبوت بھی ہو - اس صورت میں مراد یہ لی جائے گی وہ انبیاء کو صاحب ولایت ہیں وہ ان انبیاء سے افضل ہیں جو محض نبی ہیں اور انہیں ولایت الٰہیہ حاصل نہیں

٦٦٤ - فتح موصلی دو ہیں یہاں مراد وہ فتح موصلی ہیں جو بشرحافی رحمہ اللہ کے معاصر اور ابو عبداللہ الحصری کے پیر تھے انہوں ٢٢٠ ھ میں وفات پائی -

٦٦٥ - اصل کتاب میں اسی طرح ہے - اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ مذکورہ بالا فتح موصلی کا ذکر کر رہے ہیں حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات موصلی سے بہت پہلے ١١٠ ھ میں ہوئی لہذا درست عبارت یوں ہے : کما ذکر عن الحسن . اور ترجمہ یوں ہوگا جیسا کہ حسن بصری کی نسبت بیان کیا گیا ہے -

٦٦٦ - اصل کتاب میں من وقع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ ہے یہ ایک مثل ہے جس کے درست الفاظ یہ ہیں : من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ -

٦٦٧ - ابو عبداللہ الحسین بن عبداللہ بن بکر الصُّبَیحی البصری مراد ہیں - ابو نعیم اصبہانی کے والد ان کی صحبت میں رہے -

٦٦٨ - سورہ نجم : ١١

٦٦٩ - سورہ النور : ٣١

٦٧٠ - اس حدیث کی متعدد علماء نے تصریح کی ہے - یہاں اس کا ذکر کرنا طوالت کا سبب ہوگا -

٦٧١ - سورہ انفال : ٢٩

٦٧٢ - اصل کتاب میں فیطمئن وینمحی ہے - نکلسن نے لکھا ہے کہ اصل مخطوطہ میں فنطمئن ولا منمحی ہے راقم کے نزدیک درست عبارت یوں ہے : فنطمس ولا تمتحق اور اسی کا اوپر ترجمہ میں کیا گیا ہے -

٦٧٣ - اصل کتاب میں ممتحقۃ ہے اسے غیر ممتحقۃ پڑھیں -

★★★★★★★★★★★★★★★★★

اشاریہ

(اماکن ، قبائل، کتب)

اشاریه *

(اشخاص)

(ا)

* اشاریے میں جن اندراجات سے قبل "ح" ہے وہ حواشی کے نمبروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔

ج

ح

ش

ص

ط

بسم الله الرحمٰن الرحیم

تصحیح اغلاط

غلط	درست	صفحہ	سطر
رحمة الله	رحمه الله	١٧	٢٢ ، ٢٥
,,	,,	١٨	١٢،١٦
روایات	روا بات	٢٠	١٩
علیه آله	علیه وآله	٢٢	١
رحمة الله	رحمه الله	٢٣	آخری سطر،٧
,,	,,	٢٤	١٥
,,	,,	٢٦	١١،٢٠
فی الیوم مأة مرة	انه لیغان ـ الحدیث	٢٦	١٦
آب	آپ	٢٦	آخری سطر
رحمة الله	رحمه الله	٢٧	١٤
,,	,,	٢٨	١٨
بی مع الله	لی مع الله	٣١	آخری سطر
مرسلٌ	مُرسل	٣١	آخری سطر
عجلاونی	عجلونی	٣٢	٨،١٩
کشف النطا	کشف الخفاء	٣٢	٩
قاصی	قاضی	٣٢	١٩
باب ـ ١	مقدمة مؤلف	٣٣	١
قرشیه	قریشیه	٣٣	٦
ک	کبھی	٣٥	١٩
حزف	حذف	٣٥	٢٥
مظبوط	مضبوط	٣٧	١١
میری	میرے	٣٧	٢٦
پہچی	پہنچی	٤٠	٧
مظبوطی	مضبوطی	٤٠	٢٥
مزموم	مذموم	٤٥	١٧

غلط	درست	صفحہ	سطر
طمانینت	طمانیت	٤٧	١٠
لاشیز	لاشیئی	٤٨	٥
ج	×	٥٢	١٣
گونث	گھونٹ	٥٢	١٧
جبجو	جو	٥٦	١٧
نے	نہ	٥٧	٢
غلم	علم	٥٧	١٠
ے	نہ	٦٠	١٠
بر	ے	٧٢	٢٣
زره	ذرّه	٨٤	١٨
باالصبیر	بالصبر	٩٢	١٣
اره	آره	٩٢	١٦
خدائی	خدائے	١٠٣	١٨
خدائی	خدائے	١٠٥	٣
رعوناتها	رعونت	١٠٦	٢٣
سلمن	سلمان	١١٠	٧
الیاطن	الباطن	١١٧	١٨
ابنو	اپنی	١٢٠	٢٠
خدائی	خدائے	١٣٣	٣
خدائی	خدائے	١٣٣	١٠
خدائی	خدائے	١٣٣	١٠
رونی	رونے	١٣٣	١٠
سہیل	سہل	١٣٧	٨
ہانی	ہانے	١٣٧	١٢
ہنچنا	پہنچنا	١٣٧	٢١
مخلوق سے بشر	مخلوق میں سے بشر	١٣٨	٢٠

مش	غش	۱۵۰	۳
تلفید	تقلید	۱۵۳	۲
کی	بھی	۱۵۴	۱۰
بھی	کی	۱۵۴	۱۰
اعبال	عیال	۱۵۵	۱۵
ابوبیس	ابوقبیس	۱۵۷	۲۰
صدفہ	صدقہ	۱۵۹	۷
و	فر	۱۶۰	۲۰
بہجانی	بہنچانی	۱۶۱	۳
	رہو	۱۶۳	۷
سریح	سریج	۱۶۶	۲۳
تعلب	ثعلب	۱۶۶	۲۳
ک	کی	۱۶۹	۲
نکلتیں	نکلتی	۱۶۹	۸
مظبوط	مضبوط	۱۷۰	۱
سلسے	سلسلے	۱۷۵	۱۳
فسم	قسم	۱۸۰	۹
العزر	العزّت	۱۸۲	۹
رینة	زینة	۱۸۷	۳
عتہ	عتبہ	۱۹۳	۱
جزء	۱۹۵	۱۹۳	۱
فتیتوا	فثبتوا	۱۹۵	۱۸
لوک	لوگ	۱۹۹	۸
اتنا	اتنا	۲۰۸	۱۴
بیٹتے	بیٹھنے	۲۱۰	۳
بسر	بستر	۲۱۵	۹
حعش	حبش	۲۱۷	۲۰
ذ	نتے	۲۲۳	۸
نوا	نواحی	۲۲۳	۹
اهتمامم	اهتمام	۲۲۷	۳
عزمیت	عزیمت	۲۲۷	۹
اوهم	ادهم	۲۳۲	۱۵
کرے	ہے	۲۳۲	۱۸
حامع	جامع	۲۳۲	۱۸

فراز	خرّاز	۲۳۵	۶
مراقبہ	مراقبہ	۲۳۵	۱۴
مرب	قرب	۲۲۵	۱۴
غدر	غدر	۲۲۵	۲۱
مال ہی دیا	مال ہی نہیں دیا	۲۲۹	۲۰
۲۳۵	—	۲۳۰	۷
لسنے	لینے	۲۳۲	۲۶
دنے	دینے	۲۳۲	۲۶
حسز	چیز	۲۳۲	۲۹
صدفہ	صدقہ	۲۳۳	۸
ماس	پاس	۲۳۳	۱۱
رجسر	رجسٹر	۲۳۳	۱۶
مر	پر	۲۳۳	۱۹
ے	بھ	۲۳۳	۱۹
ماس	پاس	۲۳۳	۲۱
نیت مال	نیت سے مال	۲۳۵	۷
زکواة	زکوٰة	۲۳۵	۱۲
"	"	،	۱۳
فیامت	قیامت	۲۳۵	۱۳
لو	کو	۲۳۵	۲۶
گناہ	گیا	۲۳۶	۶
کے	کہ	۲۳۷	۲
موفعہ	موقعہ	۲۳۷	۱۲
ناضی	قاضی	،،ظ	،،ث
غدر	قدر	۲۳۷	۱۸
فانع	قالغ	۲۳۹	۳
اوفات	اوقات	۲۳۹	۴
ذار	تیار	۲۳۹	۵
سہیں	نہیں	۲۳۹	۱۳
تارفتیکہ	تاوقتیکہ	۲۳۹	۱۷
فطع	قطع	۲۵۰	۲۳
ناسند	ناپسند	۲۵۱	۸
قدرت	قدرت	۲۵۲	۹

اوتثوں	اونٹنیوں	۲۵۲	۱۵	فدر	قدر	۲۶۹	۱۷
ے	کے	۲۵۲	۲۰	سافھ	ساتھ	۲۶۹	۲۲
سمی	علمی	۲۵۲	۲۶	موم	قوم	۲۶۹	۲۳
فبر	قبر	۲۵۳	۱۶	فرار	قرار	۲۷۰	۱۰
فیام	قیام	۲۵۳	۱۹	بیدل	پیدل	۲۷۱	۱۴
فدماء	قدماء	۲۵۶	۱	زفاق	زقّاق	۲۷۱	۱۹
افامت	اقامت	۲۵۶	۱۸	دفی	دقّی	۲۷۱	۱۹
فیام	قیام	۲۵۶	۱۹	دفی	دقّی	۲۷۱	۲۱
حرفه	خرقه	۲۵۷	۱	باک	پاک	۲۷۱	۲۳
مصد	قصد	۲۵۷	۸	انے	اپنے	۲۷۱	۲۵
نہی	نہیں	۲۵۷	۲۰	موضوں	موقعوں	۲۷۳	۱
اوفات	اوقات	۲۵۷	۲۳	فیام	قیام	۲۷۳	۸
فصر	قصر	۲۵۸	۱۳	صدفه	صدقه	۲۷۳	۸
فیام	قیام	۲۵۸	۱۹	فاری	قاری	۲۷۳	۱۲
افرار	اقرار	۲۵۹	۳	فدیر	قدیر	۲۷۳	۲۰
بہچانے	پہچانے	۲۵۹	۲۵	فادر	قادر	۲۷۳	۲۱
فبر	قبر	۲۵۹	۲۶	فل	قل	۲۷۳	۲۳
ھر	پھر	۲۵۹	۲۶	عمد	عمده	۲۷۴	۱۵
مشاہد	مشاهد	۲۶۰	۸	بافی	باقی	۲۷۶	۲
فربانی	قربانی	۲۶۰	۱۳	مزاکره	مذاکره	۲۷۶	۸
پونچھنا	پونچھنا	۲۶۱	۱۷	بر	پر	۲۷۶	۱۷
دفی	دقّی	۲۶۱	۲۱	ر	پر	۲۷۶	۱۷
فادر	قادر	۲۶۲	۱۹	تور	توڑ	۲۷۶	۱۹
الرفی	الرّقی	۲۶۳	۲۰	ر	پر	۲۷۷	۲
مریدو	مریدوں	۲۶۵	۲۳	کیھ	کچھ	۲۷۷	۳
کیئے	کئے	۲۶۵	۲۵	سانی	پانی	۲۷۷	۱۰
گھڑا	گڑھا	۲۲۶	۸	فول	قول	۲۷۷	۱۱
دفی	دقّی	۲۶۷	۱۳	فوال	قوال	۲۷۷	۱۳
فصّه	قصّه	۲۶۷	۱۳	فوال	قوال	۲۷۷	۱۵
فصے	قصّے	۲۶۷	۱۴	فوال	قوال	۲۷۷	۱۶
اجریزی	جریری	۲۶۸	۱۴	ے	نے	۲۷۷	۱۶
انصاف	اتصاف	۲۶۸	۱۳	تھوزی	تھوڑی	۲۷۷	۱۸
فدر	قدر	۲۶۹	۱۷	ر	پر	۲۷۷	۱۸

بوے	بوے	٢٧٧	١٨
ر	بر	٢٧٧	١٨
ھر	بھر	٢٧٧	١٩
سہلے	بہلے	٢٧٧	٢١
مبص	قمیص	٢٧٨	١٠
بھار	بھاڑ	٢٧٨	١٠
رامع	رافع	٢٧٨	١٦
طامب	طاقت	٢٧٨	١٩
فابو	قابو	٢٧٨	٢٠
مابو	قابو	٢٧٨	٢٠
نکلیف	تکلّف	٢٧٨	٢١
ر	بُر	٢٧٨	٢٦
قمبص	قمیص	٢٧٩	٨
مبص	قمیص	٢٧٩	٩
مسم	قسم	٢٧٩	٩
بہنے	بہنتے	٢٧٩	٩
مبص	قمیص	٢٧٩	١٠
جھتر ں	چیتھڑں	٢٧٩	١٦
ماس	پاس	٢٧٩	١٧
گدزی	گدڑی	٢٨٠	١
مرقمه	مرقعه	٢٨٠	١
سہں	پہن	٢٨٠	١
مبصیں	قمیصیں	٢٨٠	١٠
بیھے	بیٹھے	٢٨٠	١٠
شمینه	پشمینه	٢٨٠	١٥
ھنے برائے	بھٹے پرانے	٢٨٠	١٥
قمیص	قمیص	٢٨٠	١٩
وامی	واپس	٢٨٠	٢٠
گدزی	گدڑی	٢٨٠	٢٢
ھمیص	قمیص	٢٨٠	٢٣
سہن	پہن	٢٨٠	آخری
ہں	پہن	٢٨٠	آخری
جں	جن	٢٨١	٢
اپے	اپنے	٢٨١	٣
اکھنی	اکھٹی	٢٨١	١٥
مائیں	بائیں	٢٨١	١٩
قصار	قصّار	٢٨١	٢١
زماق	زقاق	٢٨١	٢٣
ہہ	نه	٢٨١	٢٣
مرقمه	مرقعه	٢٨٢	١٨
حالہ	حالت	٢٨٢	٢٥
قصر	قصر	٢٨٢	٢٧
٣٨٠	١٩١	٢٨٣	١١
ساتھ بھی	ساتھ سیّد بھی	٢٨٣	١١
مسناد	مسناذ	٢٨٥	١٠
قسم	قسم	٢٨٧	١٣
مافی	باقی	٢٨٧	١٨
رقم	رقم	٢٨٧	٢١
کوئیں	کنوئیں	٢٨٩	١٩
بشیر	بشر	٢٨٩	٢٥
ل	سہل	٢٩٢	٢٣
دئے	دیئے	٢٩٢	٢٥
سخاوب	سخاوت	٢٩٢	٢٦
زفاق	زقاق	٢٩٢	٢٧
میامت	قیامت	٢٩٣	١٥
یاس	پاس	٢٩٣	١٨
قصار	قصّار	٢٩٣	١٣
فیراط	قیراط	٢٩٣	٢٢
بافی	باقی	٢٩٣	٢٣
فول	قول	٢٩٦	٢٣
کھا	رکھا	٢٩٨	١٣
فیراط	قیراط	٣٠٠	١٥
بوچھا	پوچھا	٣٠٠	١٦
دفی	دقّی	٣٠١	١٢
زفاق	زقاق	٣٠١	١٣
فلانسی	قلانسی	٣٠١	٢٦
اوفات	اوقات	٣٠١	٢٦
بافی	باقی	٣٠٢	٦

فبیلے	قبیلے	٣٠٢	١٥	گراری	گذاری	٣٢٦	٣
فصاب	قصّاب	٣٠٢	١٦	فریب	قریب	٣٢٦	٢١
٣٩٣	٣٩٢	٣٠٣	٣	فصوروں	قصوروں	٣٣٠	٢٠
فصے	قصّے	٣٠٣	٥	گر	گرا	٣٣٢	۷
فدم	قدم	٣٠٣	٦	سابی	سابق	٣٣٢	٩
فرار	قرار	٣٠٣	١٠	ستر	سر	٣٣	٢
رفت	رقّت	٣٠٣	٢٣	ستر	سر	٣٣٣	٣
فسم	قسم	٣٠٣	٢٣	فدر	قدر	٣٣٣	۷
حکام	لکّام	٣٠٥	٢٠	فرب	قرب	٣٣٣	١١
حکام	لکّام	٣٠٥	٢٣	فرب	قرب	٣٣٣	١٢
میں	میں	٣٠٨	۷	وفت وفت	وقت	٣٣٣	١٥
ھمۃ	ھمۃ	٣٠٨	١٣	ملاقاب	ملاقات	٣٣٣	٢١
فبض	قبض	٣٠٨	٢٠	اسکی میلان	اسکی طرف میلان	٣٣٥	٢
فریب	قریب	٣٠٨	آخری	ان	اس	٣٣۷	آخری سطر
وفت	وقت	٣٠٩	١	کیا ۔	کیا ہے ۔	٣٣٨	آخری سطر
وفت	وقت	٣٠٩	۷	فدر	قد	٣٣١	٢
بافی	باقی	٣٠٩	٨	فبول	قبول	٣٣٢	١۷
دفی	دقّی	٣٠٩	٢١	ایک لکھا	ایک خط لکھا	٣٣٢	١٩ ۔ ١٨
زفاق	زقاق	٣٠٩	٢١	منے	منے	٣٣٢	١٩
وافع	واقع	٣٠٩	٢٣	بڑھا	بڑھا	٣٣٣	٢
البہری	الأبہری	٣١٢	١	کو	کون	٣٣٣	٣
اللہ تعالی عفو	اللہ تعالٰی کے عفو	٣١۷	٢٣	آب	آپ	٣٣٣	٩
غوض	غور	٣٢١	آخری سطر	بھر	بھر	٣٣٣	٩
محبوب	محجوب	٣٢٥	١	کڑا	بکڑا	٣٣٣	١١
وافع	واقع	٣٢٥	٢	ے	منے	٣٣٣	١١
عبداللہ	عبدالرحمٰن	٣٢٥	۷	علو	علوم	٣٣٣	١١
فول	قول	٣٢٥	١١	ای	ان	٣٣٣	١٢
فائل	قائل	٣٢٥	(١١)	ماوں	پاؤں	٣٣٣	١٥
وافع	واقع	٣٢٥	١٦	رضمہ	رقمہ	٣٣٣	۷
فول	قول	٣٢٥	١٩	فلم	قلم	٣٣٣	٩
فدیم	قدیم	٣٢٥	١٩	موفوف	موقوف	٣٣٣	١٥
فائل	قائل	٣٢٥	٢٥	فدر	قدر	٣٣٣	٢٣
فدیم	قدیم	٣٢٥	٢٦	ملافات	ملاقات	٣٣٣	٢٣

قرب	قرب	٣٣٥	١٨
قرب	قرب	٣٣٥	٢٠
قرب	قرب	٣٣٥	٢١
فدر	قدر	٣٣٥	٢١
قرب	قرب	٣٣٥	٢٢
فدر	قدر	٣٣٥	٢٣
فدر	قدر	٣٣٥	٢٣
رقعه	رقعه	٣٣٥	آخری
رقعه	رقعه	٣٣٦	١
مجہ	مجهي	٣٣٦	٧
آپ	آپ	٣٣٦	٩
آپ	آپ	٣٣٦	٩
میری	میری	٣٣٦	١٠
آپ	آپ	٣٣٦	١٠
انے	اپنے	٣٣٦	١٢
کاٹے	کاٹنے	٣٣٦	١٣
اتا	آتا	٣٣٦	١٥
قرب	قریب	٣٣٦	١٥
قرب	قرب	٣٣٦	١٧
فاصر	قاصر	٣٣٦	٢١
وفت	وقت	٣٣٦	٢٢
فاصر	قاصر	٣٣٦	٢٢
اہنے	اپنے	٣٣٦	٢٥
کهنکهنانے	کهنکهنانے	٣٣٧	٩
خوهاں	خواهاں	٣٣٧	١٠
قریب	قریب	٣٣٣	١٢
فائم	قائم	٣٣٧	١٣
فناعت	قناعت	٣٣٧	١٣
فدر	قدر	٣٣٧	١٨
فبیلے	قبیلے	٣٣٨	٣
ملاقات	ملاقات	٣٣٨	٣
قرب	قرب	٣٣٨	٧
فرار	قرار	٣٣٨	٧
سمجهتا ـ	سمجهتا هو	٣٣٨	١٣
فرقة	فرقة	٣٣٨	١٣
شوقاً	شوقاً	٣٣٨	١٨
قریب	قریب	٣٣٨	١٩
التلافی	التلاقی	٣٣٨	٢١
ملافات	ملاقات	٣٣٨	٢٢
سنبایا	ستایا	٣٣٨	آخری
فوی	قوی	٣٣٩	آخری
پاک	پاک	٣٥٠	٣
غدر	قدر	٣٥٠	٧
بیش	پیش	٣٥٠	١٣
چٹیا	چٹیل	٣٥٠	١٨
موفعه	موقعه	٣٥٠	٢٣
وافع	واقع	٣٥٠	٢٣
تہ	ته	٣٥٠	٢٥
ا...	اس	٣٥٠	٢٦
بگلی	بگلی	٣٥٠	٢٧
هزارں	هزاروں	٣٥٠	٢٧
سکے	چکے	٣٥٠	٢٧
فسم	قسم	٣٥١	٢
چهڑھ	چڑھ	٣٥١	١٣
اوفات	اوقات	٣٥٢	٢
فصد	قصد	٣٥٢	٣
فابو	قابو	٣٥٢	٥
ناوافف	ناواقف	٣٥٢	٧
فابل	قابل	٣٥٢	٩
اپنی	اپنی	٣٥٢	١٢
فصه	قصّه	٣٥٢	١٥
پورا	پورا	٣٥٢	٢٥
انے	اپنے	٣٥٢	آخری
وافع	واقع	٣٥٣	١١
[illegible]	قدیم	٣٥٣	٢٠
قرب	قرب	٣٥٣	٢٦
وافع	واقع	٣٥٤	١٠
موجود هونے	موجود هوتے هونے	٣٥٤	١١
فدم	قدم	٣٥٤	١٣
فیومی	قیوّمی	٣٥٤	١٧

فدر	قدر	۳۵۵	۲۰	فربان	قربان	۳۶۵	۱۶
برمرار	برقرار	۳۵۵	۲۲	فدر	قدر	۳۶۵	۲۱
فسم	قسم	۳۵۶	۳	حرعته	جرعتهٔ	۳۶۵	۲۳
فرب	قرب	۳۵۶	۳	کیا	گیا	۳۶۵	۲۳
فدر	قدر	۳۵۶	۱۵	پڑھاؤں	بڑھاؤں	۳۶۶	۶
وافع	واقع	۳۵۶	۱۶	فصداً	قصداً	۳۶۶	۱۱
فدر	قدر	۳۵۶	۲۳	فصد	قصد	۳۶۶	۱۲
فدرت	قدرت	۳۵۷	۱	پوچنے	پوچھنے	۳۶۶	۱۳
فوت	قوّت	۳۵۷	۵	فرآن	قرآن	۳۶۶	۱۷
فادر	قادر	۳۵۷	۶	فدسک	قدسک	۳۶۷	۱۲
هتنے	هتنے	۳۵۷	۱۰	فدس	قدس	۳۶۷	۱۳
اتنی	اپنی	۳۵۷	۱۰	اسم	ثم	۳۶۷	۱۳
وافعه	واقعه	۳۵۷	۲۲	فلبی	قلبی	۳۶۷	۱۶
دفی	دقّی	۳۵۸	۲	فالت	قالت	۳۶۷	۲۵
فدرت	قدرت	۳۵۸	۸	فدر	قدر	۳۶۸	۳
دفی	دقّی	۳۵۸	۱۳	فدر	قدر	۳۶۸	۷
فرار	قرار	۳۵۸	۱۷	چهتیڑے	چیتھڑے	۳۶۸	۹
فدرت	قدرت	۳۵۸	۱۸	فال	قال	۳۶۸	۱۳
فدرت	قدرت	۳۵۸	آخری	فیل و فال	قیل و قال	۳۶۸	۱۵
موفد	موقد	۳۶۱	۵	فصراً	قصرا	۳۶۸	۱۷
فدر	قدر	۳۶۱	۱۷	—	چھ یا	۳۶۸	۱۹
اذکالے	اذکار	۳۶۱	۱۷	فال	قال	۳۶۸	۲۲
حذاد	حذاراً	۳۶۱	۲۰	أفبل	أقبل	۳۶۸	۲۲
فسم	قسم	۳۶۱	۲۱	فبول	قبول	۳۶۸	۲۳
ماش	فاش	۳۶۱	۲۱	فتلی	قتلی	۳۶۹	۱
ها	کا	۳۶۱	۲۲	فتل	قتل	۳۶۹	۲
فاصد	قاصد	۳۶۲	۳	برفاً	برقاً	۳۶۹	۳
فتاد	قتادٓ	۳۶۲	۶	فمولان	قمولانِ	۳۶۹	۲۰
فلوباً	قلوباً	۳۶۲	۱۱	فاططموا	فاقطعوا	۳۷۰	۱۰
ماس	پاس	۳۶۲	۱۲	فائم	قائم	۳۷۰	۱۱
فدیم	قدیم	۳۶۲	۱۶	فد	قد	۳۷۰	۱۹
الاشعث	الاشعث	۳۶۳	آخری	فلبی	قلبی	۳۷۰	آخری
فانع	قانع	۳۶۵	۸	فلبه	قلبه	۳۷۱	۲۲
فناعت	قناعت	۳۶۵	۹	فد	قد	۳۷۶	۹
فربان	قربان	۳۶۵	۱۳	لکی	لکن	۳۷۶	۱۳

قوی	قوی	۳۷۶	۱۶	تیری طرف	تیری طرف راغب ہوں	۳۸۷	۲۳
لی	کی	۳۷۶	آخری		مجھ سے ڈرتا ہوں اور دنیا اور آخرت کے کاموں میں		
قرسی	قرشی	۳۷۷	۵		تجھ پر بھروسہ		
سرگا	ہوگا	۳۷۷	۱۹	فتل	قتل	۳۸۹	۱۳
قلب	قلب	۳۷۷	آخری	شفارش	سفارش	۳۸۹	۲۱
ملق	قلق	۳۷۸	۳	گرگراھت	گڑگڑاہٹ	۳۹۲	۳
فریب	قریب	۳۷۸	۳	کرے	کرنے	۳۹۲	۷
علب	قلب	۳۷۸	۶	بیشتر	پیشتر	۳۹۲	۷
فرشی	قرشی	۳۷۸	۱۵	عمدہ	عمدہ	۳۹۵	۱
غادر	قادر	۳۷۸	۲۰	یحی	یحییٰ	۳۹۵	۶
غادر	قادر	۳۷۸	۲۲	بالت	بات	۳۹۵	۱۸
غاہر	قاہر	۳۷۹	۶	دقی	دُقّی	۳۹۶	۶
فرشی	قرشی	۳۷۹	۹	قصہ	قصّہ	۳۹۶	۶
أفول	أقول	۳۷۹	۱۰	فبیلہ	قبیلہ	..	۸
فد	قد	۳۷۹	۱۰	دقی	دُقّی	..	۱۲
الرغاد	الرقاد	۳۷۹	۱۳	دقی	دُقّی	۳۹۶	۱۳
وافع	واقع	۳۷۹	۲۰	سے	سر	۳۹۶	۲۳
دفیق	دقیق	۳۸۰	۱	دقی	دُقّی	۳۹۶	۲۳
وافف	واقف	۳۸۰	۲	انی	پانی	۳۹۶	۲۷
موضہ	موقعہ	۳۸۰	۵	نہیں	نہیں	۳۹۶	آخری
طافت	طاقت	۳۸۰	۱۰	دقی	دُقّی	۳۹۷	۳
طافت	طاقت	۳۸۰	۱۱	قصہ	قصّہ	۳۹۷	۳
فوت	قوت	۳۸۰	۱۱	ابنی	اپنی	۳۹۷	۵
وافع	واقع	۳۸۰	۱۲	بایہ	باپ	۳۹۷	۵
فسم	قسم	۳۸۰	۱۲	ماہر	قاہر	۳۹۷	۷
افرار	اقرار	۳۸۰	۲۱	سرایہ	پیرایہ	۳۹۷	۸
ناوافف	ناواقف	۳۸۰	۲۱	ذولنون	ذوالنّون	۳۹۷ ب	۱۱
نافص	ناقص	۳۸۰	۲۲	فصائد	قصائد	۳۹۷	۱۷
فدرت	قدرت	۳۸۰	۲۳	دفیق	دقیق	۳۹۷	۲۳
نوھمارا	نوحی ھمارا	۳۸۱	۲۹	رفیق	رقیق	۳۹۷	۲۳
سہنجی	پہنچنی	۳۸۲	۲۶	رقیق	رفیق	۳۹۷	۲۳
اغاج	آقا	۳۸۵	۱	رفت	رقت	۳۹۷	۲۵
فرما	فرمائیں	۳۸۵	آخری	نیتن	تین	۳۹۸	۱۹
۳۶۲	۳۶۳	۳۸۶	۹	موفوں	موقوں	۳۹۸	۱۹
فرمے	فرمائے	۳۸۶	۲۰	االہ	فاقہ	۳۹۸	۲۲

جعسر	جعفر	۲۹۹	۱	فران	قرآن	۳۱۲	۷
بیھ	بیٹھ	"	۳	نانیا	نابینا	۳۱۲	۱۱
ھوبتی	ھوتی	"	۱۶	فران	قرآن	۳۱۲	۷
لناقھم	اکتافھم	۳۰۲	۶	نابیسا	نابینا	۳۱۲	۱۱
درمند	دربند	۳۰۳	۶	سند	پسند	"	۱۲
موی	قوی	۳۰۳	۶	مرھنے	پڑھنے	"	۱۷
ہہنے	بیھٹنے	۳۰۳	۳	فتل	قتل	"	۱۸
گوست	گوشت	۳۰۳	۴	بیدانش	پیدائش	"	۱۸
فوداہ	قوداہ	۳۰۳	۵	یوڑھے	بڑھا	۳۱۲	۲۱
قد	قد	۳۰۳	۶	وانس	واپس	"	۲۳
اونتی	اونٹنی	۳۰۳	۶	لسند	پسند	۳۱۳	۲
فرار	قرار	۳۰۳	۱۶	ایات	آیات	۳۱۳	۲
فومک	قومک	۳۰۳	۱۹	واقعات	واقعات	۳۱۳	۲
غوم	قوم	۳۰۳	۲۰	بر	پر	۳۱۳	۳
روای	راوی	۳۰۳	۲۲	فلب	قلب	۳۱۳	۴
فیلولہ	قیلولہ	۳۰۳	۲۳	تر	پر	۳۱۳	۵
جاھے	جاھئیے	۳۰۳	آخری	مذکر	مذکر	۳۱۳	۲۲
فرار	قرار	۳۰۵	۵	حبل	جبل	۳۱۴	۱
فیام	قیام	۳۰۵	۸	لؤثنا	لوٹنا	۳۱۵	۷
فولی	قولی	۳۰۵	۱۰				
لمن	ثمن	۳۰۵	۱۱	مبرفع	مبرقع	۳۱۸	۲
ممن	ثمن	۳۰۵	۱۱	فیس	قیس	۳۱۹	۱۳
فدر	قدر	۳۰۵	۱۲	براک	براک	۳۲۱	۱۳
عمان	عثمان	۳۰۶	۶	فیام	قیام	۳۲۳	۱
فول	قول	۳۰۸	۱	قطیعنی	قطیعنی	۳۲۳	۶
فرآن	قرآن	۳۰۸	۲۳	غول	قول	۳۲۳	۱۰
فوت	قوت	۳۱۱	۲۶	فسم	قسم	۳۲۳	آخری
اوفات	اوقات	۳۱۲	۱	مدہ کنہ ھو گیا ھو	میں کمزور ھو گیا ھوں	۳۲۴	آخری
چھور	چھوڑ	۳۱۲	۲	فوی	قوی	۳۲۵	۴
اگے	آگے	۳۱۲	۲	فدم	قدم	۳۲۵	۱۱
فرآن	قرآن	۳۱۲	۳	فلب	قلب	۳۲۵	۱۸
ماس	پاس	۳۱۲	۶	وفت	وقت	۳۲۸	۱۰
برا	بڑا	۳۱۲	۶	فسم	قسم	۳۲۸	۱۳

وفار	وقار	۳۲۸	۲۳
فسم	قسم	۳۲۹	۵
ومت	وقت	۳۲۹	۶
فوت	قوت	۳۲۹	۷
فاری	قاری	۳۲۹	۱۱
فوی	قوی	۳۲۹	۱۶
ان شا اللہ	ان شاء اللہ	۳۲۹	۱۹
نشسے	نشے	۳۲۹	۲۰
کیا	کہا	۳۳۰	۱۵
الفضر	الفضیر	۳۳۰	۲۳
تہیں	نہیں	۳۳۱	۱۰
رفض	رقص	۳۳۱	۲۳
افتدا	اقتدا	۳۳۲	۲
فرار	قرار	۳۳۲	۱۶
اوفات	اوقات	۳۳۲	۲۲
نکرانے	ٹھکرانے	۳۳۲	۲۵
دوسرے	ایک دوسرے	۳۳۳	۱
بہچان	پہچان	۳۳۳	۲
بابا	پایا	۳۳۵	۶
ماس	پاس	۳۳۵	۸
امک	ایک	۳۳۵	۸
فوت	قوت	۳۳۶	۹
فلوبھم	قلوبھم	۳۳۶	۹
متحفق	متحقق	۳۳۶	۲۲
رفیب	رقیب	۳۳۶	آخری
ابنے	اپنے	۳۳۷	۷
ومت	وقت	۳۳۸	۳
بر	پر	۳۳۸	۳
رویات	روایات	۳۳۸	۷

وجد	وجد	۳۳۸	۹
مسمیں	قسمیں	۳۳۸	۸
مسمیں	قسمیں	۳۳۸	۹
مین	تین	۳۳۸	۱۰
فسمیں	قسمیں	۳۳۸	۱۱
اوفات	اوقات	۳۳۸	۱۲
بر	پر	۳۳۸	۱۵
اسے	اپنے	۳۳۸	۱۶
فدموں	قدموں	۳۳۸	۱۶
جسہیں	جنہیں	۳۳۸	۲۳
نصداً	قصداً	۳۳۸	۲۶
لس شت	پس پشت	۳۳۹	۱
لہدا	لہذا	۳۳۹	۱
وفتی	وقتی	۳۳۹	۱
مرمانے	فرمانے	۳۳۹	۳
حمہ	پختہ	۳۳۹	۱۱
طافت	طاقت	۳۳۹	۱۳
کرے	کرنے	۳۳۹	۱۵
یہ	بہ	۳۳۹	۱۶
فصار	قصار	۳۳۹	۱۷
لیے	لینے	۳۳۹	۱۸
فید	قید	۳۳۹	۱۸
فبول	قبول	۳۳۹	۲۵
ایک انہوں	ایک من انہوں	۳۳۰	۳
ورفاء	ورقاء	۳۳۰	آخری
ارمھا	ارقھا	۳۳۱	۳
ارفتی	ارقتی	۳۳۱	۳
بہچان	پہچان	۳۳۱	۹
سیعید	سعید	۳۳۱	۱۵
عریب	غریب	۳۳۱	۲۵
لسد	پسند	۳۳۲	۱

ے	ہے	۳۳۲	۱	ںجیید	جنید	۳۳۲	۲۳
تواجد	تواجد	۳۳۲	۲	باٹ	بات	۳۳۲	۲۳
ہوی	ہوئی	۳۳۲	۳	اتنا	اپنا	۳۳۲	۲۳
ہونا	ہوتا	۳۳۲	۴	دہراتے	دھراتے	۳۳۲	۲۳
لوگوں	لوگوں	۳۳۲	۶	ر	پر	۳۳۲	۲۳
ے	نے	۳۳۲	۶	شحص	شخص	۳۳۳	۱۳
لسند	پسند	۳۳۲	۶	غلمہ	غلبہ	۳۳۳	۱۴
ے	ہے	۳۳۲	۶	کے	×	۳۳۱	۱
نسب	نسبت	۳۳۲	۸	جائے	جاڑے	۳۳۳	۱
تکلف	تکلف	۳۳۲	۹	فمر	قمر	۳۳۳	۱۲
اے	اپنے	۳۳۲	۹	کی	کسی	۳۳۳	۲۰
ر	تو	۳۳۲	۹	مزمین	مزیّن	۳۳۳	۲۳
لے	نے	۳۳۲	۱۰	وصـ	وصال	۳۳۳	۲۵
لے	نے	۳۳۲	۱۰	فوی	قوی	۳۳۵	۲۱
حھپا	چھپا	۳۳۲	۱۰	استارہ کری ہے	اشارہ کرتی ہے	۳۳۶	۱
جھوتا	جھوٹا	۳۳۲	۱۰	پہجاسا ہوما ہے	پہچانتا ہوتا ہے	۳۳۶	۱
ے	نے	۳۳۲	۱۰	حس	جن	۳۳۶	۱
ے	ہے	۳۳۲	۱۱	مرار	قرار	۳۳۶	۲
جانتا ہے	جانتا ہے	۳۳۲	۱۲	اسے اور	اپنے اوپر	۳۳۶	۲
۱۳۱	۳۳۱	۳۳۱	-	ے	ہے	۳۳۶	۳
۲۳۲	۳۳۲	۳۳۲		کرے	کرتے	۳۳۶	۳
اں	ان	۳۳۲	۱۲	فضلت	فضیلت	۳۳۶	۳
سے	ہے	۳۳۲	۱۲	ہوتا ہے	ہوتا ہے	۳۳۶	۳
شفعت	شفقت	۳۳۲	۱۲	عفل	عقل	۳۳۶	۳
کرے	کرتے	۳۳۲	۱۳	ہوے کی سامر	ہونے کی بناء پر	۳۳۶	۵
باب	بات	۳۳۲	۱۳	پر	پر	۳۳۶	۶
میز	نیز	۳۳۲	۱۴	مرار	قرار	۳۳۶	۲۲
یش	پیش	۳۳۲	۲۰	ناصں	ناقص	۳۳۶	۲۳
مذکرہ	تذکرہ	۳۳۲	۲۰	حجابات	حجابات	۳۳۶	۲۵
ھار	ھاں	۳۳۲	۲۱	مرار	قرار	۳۳۶	۲۸
ر	پر	۳۳۲	۲۲	مسم	قسم	۳۳۶	آخری

چھائی	تیائی	۳۵۶	۲۳	باطی	باطن	۳۸۸	۲
سے	اوروں سے	۳۵۷	۱۷	مالی	تعالی	۳۸۸	۴
کرلمات	کرامات	۳۶۰	۷	کھائے	کھانے	۳۸۸	۵
جھتڑے	جیتھڑے	۳۶۲	۳	مانم	قائم	۳۸۸	۵
اشم	اشیم	۳۶۲	۱۷	سپچانتا	پہچانتا	۳۸۹	۱
خشیم	خیشم	۳۶۲	۱۷	برانگحتہ	برانگیختہ	۳۸۹	۲
برگذیدہ	برگزیدہ	۳۶۳	۲۳	تا! کہ	تاآنکہ	۳۸۹	۷
کیے	کیسے	۳۶۳	۷	اعانہ الحی	اعانۃ الحق	۳۸۹	۹
ان شا اللہ	ان شاء اللہ	۳۶۳	آخری	۸۶۳	۵۶۳	۳۹۳	۱۳
صرف نہی	صرف بہ نہی	۳۶۴	۱	مزموم	مفہوم	۳۹۳	۱۵
نام ایک	نام کا ایک	۳۶۵	۷	لیس بلیس	لیس فی لبس	۳۹۴	۱۵
ریتلے	رتیلے	۳۶۶	۱۲	ذوانون	ذوالنون	۳۹۳	۲۲
اوں	اوّل	۳۶۸	۸	وحد	وجد	۳۹۶	۱۳
ابو حفص	ابو حفص	۳۶۹	۸	بتا	بنا	۵۰۲	۱۵
فرار	قرار	۳۷۳	۱۵	سری	میری	۵۰۳	آخری
غدر	قدر	۳۷۳	آخری	لاخطہ	لاحظہ	۵۰۶	۲
علت	علّت	۳۷۳	آخری	ثا	متا	۵۰۶	آخری
قصرد	قصود	۳۷۷	آخری	اشا	اشیاء	۵۰۹	۳
حالے	حالت	۳۷۸	۲۵	ختیار	اختیار	۵۱۱	۱۳
عصومر العصوص	خصوص الخصوص	۳۷۹	۳	مستشنلاً	مشتملاً	۵۱۳	۳
ملاغات	ملاقات	۳۸۰	۳	وجدد	وجد	۵۱۴	۳
واقف	واقف	۳۸۰	۱۱	اضاال	اتصال	۵۱۳	۱۲
مرموم	مفہوم	۳۸۰	۲۱	مجلسس	مجلس	۵۱۴	۱۵
جھیل	پھیل	۳۸۱	۱۶	ســندر	سمندر	۵۱۵	۱
تفرفہ	تفرقہ	۳۸۲	۶	أھولیی	أھری	۵۱۵	۲۳
لئے	لیئے	۳۸۴	۲	البلدنا	البدنا	۵۱۶	۱
ھوں	ھو	۳۸۴	۲۱	نہی	نہیں	۵۱۹	آخری
باے	بات	۳۸۵	۱۷	میرا نام سمندر	میرا سمندر	۵۲۱	۱۸
کسیونکہ	کیونکہ	۳۸۶	۱۷	تماتر	تمامتر	۵۲۷	۵
کا	کیا	۳۸۷	آخری	تجھھی	تجھی	۵۳۰	۲

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
آزمائش ہوتی	آزمائش سزا ہوتی	۵۳۱	۲	سـکتا	سکتا	۵۵۳	آخری
ساھۃ	ساتھ	۵۳۵	۱۶	لـ ں	لیں	۵۵۵	۷
جاوں	جاؤں	۵۳۶	۸	رب الیبت	رب البیت	۵۵۵	۲۳
حداختصار باہر	حداختصار سے باہر	۵۳۶	۸	معلم	معلوم	۵۵۶	۶
سٹرک	سڑک	۵۳۷	۱۶	مسلمانوج	مسلمانو	۵۵۷	آخری
مغنی	معنی	۵۳۸	۳	بختی	بدبختی	۵۵۸	۱۲
حو	جو	۵۳۸	۱۵	معلم	معلوم	۵۵۸	۲۳
لگائتے	لگائے	۵۴۱	۲۱	شاز	شاذ	۵۵۸	۲۷
وت	وہ	۵۴۱	آخری	بیٹھا	بیٹھا	۵۶۰	۱
کمے	کے	۵۴۲	۱۵	بازید	بایزید	۵۶۰	۵
کبنے	کتے	۵۴۲	۱۸	پاک	پاک	۵۶۱	۶
حقیق	حقیقت	۵۴۳	۲	کا	کو	۵۶۱	۸
بر	بر	۵۴۴	۱۳	قد	قد	۵۶۱	۱۳
لفرید	تفرید	۵۴۵	۵	رحمہ للہ	رحمہ اللہ	۵۶۵	۱۸
کر	کے	۵۴۵	۵	نقطہ چینی	نکتہ چینی	۵۶۵	۱۵
مستعنی	مستغنی	۵۴۵	۶	ج	—	۵۶۶	۲۰
سمجوھے	سمجھے	۵۴۶	۶	گذرائے	گذارے	۵۶۸	۲۳
ج	—	۵۴۷	۳	ایزائیں	ایذائیں	۵۶۹	۳
حقیقیت	حقیقت	۵۴۸	۳	ع	—	۵۷۰	۱۰
ے	سے	۵۴۸	۲۱	جھنگل	جھنگلی	۵۷۰	۲۲
ہمتون	ہمتوں	۵۴۹	۱۸	طام	کام	۵۷۲	۹
سعد بن جبیر	سعید بن جبیر	۵۵۰	۱	الیقن	الیقین	۵۷۳	آخری
ے	سے	۵۵۲	۲۳	کـلنے	کیلئے	۵۷۳	۷
کفیت	کیفیت	۵۵۳	۳	سحـ	سچ	۵۷۸	۵
عرزوجل	عزوجل	۵۵۳	۱۸	کـ ا	کہنا	۵۷۸	۵
اگر	اگرچہ	۵۵۳	۱۰	سعید	سـعید	۵۷۹	۸
انیتا	انتیا	۵۵۳	۱۴	بیھیج	بھیج	۵۸۳	۳
سبدا	پیدا	۵۵۳	آخری	مبحر	متبحر	۵۸۵	۲۱
مساعده	مشاهده	۵۵۳	آخری	حضرت	حضرت	۵۸۶	۳

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
جص	بغض	٥٨٩	١
موی	مرمی	٥٩٠	٣
انیری	انبری	٥٩٣	٢١
ج	—	٥٩٥	١
سمجھے	سمجھنے	٥٩٦	١
فہت	بہت	٥٩٦	٣
باد	یاد	٦٠٣	آخری
تاولیں	تاویلیں	٦٠٥	٩
ستاشر	ستائش	٦٠٦	١٨
توفیف	توفیق	٦٠٧	١٥
جبھوں	جنھوں	٦٠٧	١٨
نقطہ چینی	نکتہ چینی	٦٠٩	٢٣
ارامات	ارادت	٦١٠	[illegible]
ای	اسکی	٦١٠	[illegible]
متقدمیں	متقدمین	٦١٠	[illegible]
اطرائے	اترائے	٦١١	[illegible]
بے	ہے	٦١١	٦
مللبت لی چیردرورج	ملکیت کی چیزیں کو خرچ	٦١١	١
علیہ	علیہم	٦٢١	٦
اس زنبیلوں	اسکی زنبیلوں	٦٢٣	٨
گھولے	گھوڑے	٦٢٣	٦
خرش	شاد	٦٦٦	١٠

کچھ کتاب کے بارے میں

کشف المحجوب ، الرسالۃ القشیریۃ ، فتوح الغیب، اور عوارف المعارف کے ساتھ کتاب اللمع کا شمار تصوف اسلام کی پانچ امہات الکتب میں کیا جا سکتا ہے ۔ بلکہ کتاب اللمع کو ان بنیادی کتب میں اولیت کا شرف حاصل ہے ۔

تصوف کے اس اہم مأخذ کا یہ اردو ترجمہ وطن عزیز کے معروف فاضل ڈاکٹر پیر محمد حسن صاحب کے قلم سے ہے ۔ ڈاکٹر صاحب عربی لغت و ادب پر خصوصی دسترس کے ساتھ ساتھ تصوف سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور تصوف کی اساسی عربی کتب کے اردو ترجمے میں آپ کو خاص مہارت و شہرت حاصل ہے ۔ اس ضمن میں آپ کے قلم سے الرسالۃ القشیریۃ ،التعرّف لمذہب اہل التصوّف اور الابریز کے اردو تراجم اس سے قبل شائع ہو کر قبول عام پاچکے ہیں ۔

زیر نظر کتاب میں پروفیسر نکلسن کے تحقیق کردہ عربی متن کے علاوہ اُس تتمّے کا ترجمہ بھی شامل ہے جو پروفیسر آربری کی کوششوں سے سامنے آیا اور جس کے بغیر کتاب اللمع کا متن مکمل نہیں سمجھا جا سکتا ۔ مترجم کے عالمانہ حواشی سے ترجمے کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے اور تفصیلی اشاریے نے کتاب کے مندرجات سے استفادے میں سہولت پیدا کر دی ہے ۔

مطبع: ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد